سلسلۃ اخبار صفین (٢)

مشاجرات کے باب میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق

صحیح اخبار

صفین ونہروان وعام الجماعۃ

[صفین نہروان اورعام الجماعۃ کی صحیح خبریں]

تالیف: فواز بن فرحان بن راضی الشمری

تقدیم: فضیلۃ الشیخ العلامۃ المحدث عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد

وفضیلۃ الشیخ أ۔د۔خالد الغیث
رئیس قسم التاریخ بجامعۃ ام القرہ بمکۃ المکرمۃ سابقا

ترجمہ: ابومصعب الاثری

تقدیم

جناب سعادت مآب پروفیسر ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث

الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم، وبعد:

تاریخ سے میری وابستگی کا آغاز ابتدائی مرحلے ہی سے ہو گیا تھا، جب والد محترم اللہ اُن پر رحم فرمائے کبھی کبھار ہمیں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے فضائل سنایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہمارے نصاب تعلیم میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور تعظیم کا اہتمام موجود تھا۔ لیکن مجھے ایک دن اسکول میں ایسا تجربہ ہوا جو میرے لیے غیر معمولی دکھ اور اذیت کا سبب بنا: میں نے پہلی بار دو ایسے نام سنے جنہوں نے میرے دل میں ایک ایسا درد پیدا کیا جو پہلے کبھی محسوس نہ ہوا تھا۔ یہ دونوں نام الجمل اور صفین تھے۔

اگرچہ ہماری درسی کتاب میں ان دونوں کے بارے میں بہت اختصار کے ساتھ ذکر تھا، تاہم اسی مختصر تذکرے نے بھی میرے دل میں گہرا دکھ پیدا کر دیا، جو میرے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ میرے والد نے مجھے امام ابن العربی اندلسی کی کتاب العواصم من القواصم تحفے میں دی۔ اس کتاب نے میرے کچھ درد کو کم کر دیا، لیکن کچھ باقی رہا۔

پھر وقت گزرتا رہا اور سال بیتتے گئے، یہاں تک کہ میں جامعہ کی سطح تک پہنچا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ الہام فرمایا کہ میں اس دشوار گزار راہ میں قدم رکھوں اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی طرف سے دفاع اور جھوٹ کے اس پورے نظام کو بے نقاب کرنے میں اپنا حصہ ڈالوں، جس نے ان کے سیرت کو آلودہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ میں تاریخ کے شعبے میں داخل ہوا، بڑی جوش وخروش اور خوشی کے ساتھ۔ لیکن پھر مجھے حیرت ہوئی کہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا!

کیونکہ تاریخی مصادر محض خام مواد ہوتی ہیں:

جب میں نے شعبۂ تاریخ میں داخلہ لیا تو مجھے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ تاریخی مصادر کے ساتھ معاملہ کرنا ایک سخت علمی منہج کا تقاضا کرتا ہے۔ میں تاریخی مصادر کو تیل کے اُس کنویں سے تشبیہ دیتا ہوں جہاں سے خام تیل نکالا جاتا ہے، جو ماہر، تجربہ کار انجینئر کے بغیر صاف، قابلِ استعمال اور مفید نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح تاریخی مصادر کی روایات کا معاملہ ہے؛ ان سے بغیر تنقیح اور تحقیق کے استفادہ درست نہیں۔ان کے ساتھ صحیح طور پر معاملہ کرنے اوران کو چھاننے کی صلاحیت صرف اُن اہلِ اختصاص کو حاصل ہوتی ہے جو تاریخی علمی منہج اور محدثین کے طریقۂ کار میں مہارت رکھتے ہوں۔

مصطلح تاریخ

جب میں اس رکاوٹ پر پہنچا کہ محض تاریخی معلومات پر اعتماد کافی نہیں، توضروری ہوا کہ ایک ایسا منہج تلاش کیا جائے جو اس پیچیدگی کو مدنظر رکھے اور اس کے ساتھ درست طریقے سے معاملہ کرے، بالخصوص جب کہ صدرِ اسلام کے دور سے متعلق بیشتر تاریخی خبریں اسناد کے ساتھ مروی ہیں۔اس کا مطلب سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ

محض منہجِ تحقیقِ تاریخ کافی نہیں، اوراسی طرح صرف محدثین کا منہج بھی مکمل کفایت نہیں کرتا۔ چنانچہ دونوں مناہج کا جمع کرنا ناگزیر ہوگیا، اور یہی بذاتِ خودایک نئی مشکل تھی!

انھی دنوں میں جامعہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) میں شعبہ ''تاریخی وتہذیبی مطالعات'' کے تحت ماسٹرز کا نصابی سال مکمل کر چکا تھا کہ مؤرخِ جید اور بھائی مکرم ڈاکٹر محمد بن صامل السلمی نے مجھے بتایا کہ مدینہ منورہ میں الجامعۃ الاسلامیہ کے اندر ڈاکٹر اکرَم بن ضیاء العمری نے اپنے طلبہ کے ساتھ مسند تاریخی روایات سے معاملے میں ایک قابلِ لحاظ پیش رفت کی ہے۔

چنانچہ میں نے رخ مدینہ منورہ کی جانب کیا، لیکن ڈاکٹر اکرم العمری سفر پر تھے، اس لیے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ تاہم اُن کے چند تلامذہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اس میدان میں تجربہ حاصل کیا تھا: محترم ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم الیحییٰ، ڈاکٹر محمد بن عبداللہ الغبان، اور ڈاکٹر عبدالعزیز ولی۔ میں نے ان کے تجربات سے استفادہ کیا، اوراس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اکرم العمری کی ان تحریروں سے بھی فائدہ اٹھایا جن میں انہوں نے بعض کتابوں میں محدثین کے منہج کو تاریخی روایات پر منطبق کرنے کی مثالیں دی تھیں۔

لیکن کیا اس علمی سفراوران تحریروں کے مطالعے سے ''منہج'' کی مشکل ختم ہوگئی؟

جواب: نہیں!

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسند تاریخی روایات سے درست طور پر معاملہ کرنے کے لیے محض ایک منہج کافی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں: مؤرخین کے تنقیدی وتحلیلی منہج اور

محدثین کے سند ومتن کے منہج، دونوں کا امتزاج ناگزیر ہے۔اوریہی وہ ضرورت ہے جس کے نتیجے میں بعض اہل علم نے ایک نئے منہج کی بنیاد رکھی، جسے انہوں نے مصطلح التاریخ کا نام دیا!

مجھے مصطلح التاریخ میں اپنی مطلوبہ راہ مل گئی جو مجھے تاریخی روایات کے ساتھ درست طور پر معاملہ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ میں نے اس منہج کو ماسٹرز کے مرحلے میں اپنی تحقیق کے موضوع پر لاگو کرنے کی بھرپور کوشش کی،جس کا عنوان تھا:(عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعۂ جمل،طبری کی تاریخ میں سیف بن عمر کی روایات کی روشنی میں ایک تنقیدی مطالعہ)اس تحقیق کی نگرانی دومعزز اساتذہ کرام نے فرمائی: جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد الحبیب الھیلہ اور جناب پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ۔

اسی طرح ڈاکٹریٹ کے مرحلے میں بھی میں نے اسی منہج کو اختیار کیا،اپنی تحقیق کے اس موضوع پر:(طبری کی تاریخ میں خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات ایک تقابلی تنقیدی مطالعہ)اس تحقیقی کام کی نگرانی بھی دومعزز اساتذہ نے فرمائی: پروفیسر ڈاکٹر جمیل المصری رحمہ اللہ اور پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ۔

اسی طرح ڈاکٹریٹ کے مرحلے میں بھی میں نے اسی منہج کو اختیار کیا اور اپنی تحقیق کا موضوع رکھا:(طبری کی تاریخ میں خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات ایک تقابلی تنقیدی مطالعہ)اس کام کی نگرانی دومعزز اساتذہ نے فرمائی: جناب پروفیسر ڈاکٹر جمیل المصری رحمہ اللہ اور جناب پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہ اللہ۔

محدثین اور مؤرخین کے مناہج کو جمع کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مصادر کی بنیاد وسیع ہو

گئی جن کی طرف محقق رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ اس میں شامل ہو گئیں: عقیدے کی کتابیں، فرقوں پر لکھی گئی کتابیں، سنّت کی کتابیں، تفاسیر، طبقات کی کتب، جرح و تعدیل کے مصادر، اور اس کے علاوہ تاریخی کتابیں، ادبیات، سفرنامے، انساب اور تراجم کی کتابیں۔ یوں ہمارے سامنے مسند روایات سے تعامل کے لیے ایک منفرد منہج وجود میں آ گیا۔

تاہم تاریخی روایات کے مطالعے کا یہ سفر رکاوٹوں سے خالی نہیں رہا۔ ان میں سب سے نمایاں رکاوٹ یہ تھی کہ بعض لوگوں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ نئے منہج کے اطلاق کے نتیجے میں ہمارے پاس ایسا تاریخ کا سرمایہ باقی نہیں رہے گا جس پر انحصار کیا جا سکے۔ لیکن ان محققین کی جانب سے، جنہوں نے تاریخی مصادر میں شعوبیوں کے ذریعے اہل کتاب کی طرف سے داخل کردہ جعل و فریب کو دور کرنے کی اہمیت کو سمجھا، جب اس منہج کو عملی طور پر اختیار کیا گیا، تو اس کے مثبت نتائج سامنے آنے لگے۔ یہی وہ تہ در تہ جھوٹ کا انبار تھا جس کے خلاف محدث علامہ احمد شاکر نے اپنی مشہور پکار بلند کی: ''ہماری تاریخ روافض نے لکھی ہے!!''

اصحابُ الجحیم: عسکری تصادم سے نرمی سے لپٹے فریب تک:

اہلِ کتاب کی سازشوں کی جڑیں عہدِ نبوت بلکہ اس سے پہلے ہی کی ہیں۔ انہوں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے ارتداد کو ایک ہتھیار کے طور پر ایجاد کیا۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں اشارہ فرمایا:

﴿وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۷۲)

یعنی: ”اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کہا: دن کے ابتدائی حصے میں ان پر نازل ہونے والی چیز (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس کا انکار کردو، شاید وہ (مسلمان) رجوع کر آئیں۔“

یہ ان کی ایک چال تھی تاکہ وہ مسلمانوں کو شک وشبہ میں مبتلا کریں اور اسلام کے حق کو مشکوک بنا کر پیش کریں۔ وحی اس وقت اہلِ کتاب کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی، تو اہلِ کتاب نے گویا سکون کا سانس لیا۔ اسی سلسلے میں اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہودیت اور نصرانیت نے سر اٹھانا شروع کردیا۔“(۲)(۱)

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ”بالواسطہ جنگ“ (Proxy War) کا آغاز ہوا۔ فارس وروم نے مرتدین کی پشت پناہی کی، ان کی حوصلہ افزائی کی، سہولتیں فراہم کیں اور ان کی مدد کی، تاکہ جزیرۂ عرب میں اسلام کا چراغ گل کردیا جائے۔

مگر جب مرتدین اپنے اتحادیوں کے مقاصد پورے نہ کر سکے، تو فارس اور روم مسلمانوں کے خلاف براہِ راست میدان میں اترنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے نتیجے میں بڑی تباہی آئی؛ رومی سلطنت کمزور پڑگئی اور فارسی سلطنت مکمل طور پر زمین بوس ہوگئی، خصوصاً فتح الفتوح یعنی معرکۂ نہاوند (۲۱ھ) کے بعد۔ لیکن دشمنوں کا انتقام بہت جلد سامنے آیا: ۲۳ھ میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک فارس نصرانی سازش کے تحت قتل کردیا گیا، جسے مجوسی خودکش حملہ آور ابولؤلؤہ نے انجام دیا۔

مسلمانوں نے اس سنگین سانحے سے خود کو سنبھالا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، جنہوں نے اسلامی ریاست کے مشرقی علاقوں میں بھڑکنے والی بغاوتوں اور فتنوں کو کامیابی سے کچل دیا، جنہیں باقیاتِ دشمن کی طرف سے بھڑکایا جا رہا تھا۔

فارس کی سلطنت، جو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشِ قتل کے ساتھ ہی وجود میں آنے والی ایک بڑی قوت تھی، نے جب یہ جرم انجام دیا، تو اس کے بعد مسلمان دعوت و جہاد کے راستے پر برّاً و بحراً مسلسل آگے بڑھتے گئے۔ چنانچہ جب امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے، امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے پرزور اصرار پر، بحریہ اسلامیہ کے قیام (۲۵ھ) کی منظوری دے دی، تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے وہ معرکہ سر کرلیا جو اہلِ روم کے لیے سخت تباہ کن ثابت ہوا۔

چنانچہ ۲۵ھ ہی میں رومیوں کی جانب سے اسکندریہ پر قبضے کی ناکام کوشش کے بعد جب ان کا بحری بیڑا پسپا ہوا، اور ۲۷ھ میں جزیرہ قبرص فتح ہوا، تو مسلمانوں نے بحرِ ایجہ میں واقع رومی اڈوں، خصوصاً جزیرہ روڈس اور جزیرہ کریٹ پر حملے کا پختہ عزم کرلیا تاکہ قسطنطنیہ کی جانب سمندری راستہ محفوظ ہو سکے۔ رومیوں کو اس وقت یقین ہو گیا کہ ان کی سلطنت کا زوال محض وقت کی بات ہے۔ اور ان کا یہ یقین اس وقت مزید پختہ ہو گیا جب ان کا عظیم الشان بحری بیڑا، جو قریباً ہزار جہازوں پر مشتمل تھا، ۳۱ھ میں معرکہ ذات الصواری میں تباہ کر دیا گیا۔ یہ معرکہ عرب مؤرخین کے نزدیک یرموکِ بحری کے نام سے مشہور ہے، جس کی شدت اور نتائج کی اہمیت زمینی یرموک سے کسی طرح کم نہ تھی۔ یہ معرکہ موجودہ ترکی کے صوبہ انطالیہ کے علاقے لیکیا (یا لیسیا)

کے ساحلوں پر پیش آیا۔

اسلام نے سابقہ دشمنان یہود، نصاریٰ اور مجوس کو یکجا کر دیا، جنہوں نے اس وقت جب عسکری محاذ پر شکست کو یقینی پایا، مسلمانوں کے خلاف اپنا وہ خفیہ ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا جو صفوں اور معاشروں میں تفرقہ ڈالنے والا تھا: ''نفاق'' ۔ چنانچہ یہودی منافق عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکاروں نے امام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے گورنروں کے خلاف جھوٹی خبریں پھیلانے اور جعلی خطوط بنانے کے ذریعے مسلمانوں کے اندر ایک اجتماعی فتنہ برپا کیا(۳)۔ اس فتنے کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص نعرہ، یعنی ''مظلومیت'' کی آواز بلند کی گئی۔ اس کے بعد ''وصی'' کا عقیدہ گھڑا گیا، جسے ابنِ سبا نے اپنے نانا شاؤل (پولُس) سے اخذ کیا تھا، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے عیسائیت کا عقیدہ بگاڑا۔ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے یہی روش سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریّت کے ساتھ اپنائی؛ ان میں غلو کیا، اور انہیں بارہ امام بنا دیا، جیسے بنی اسرائیل میں بارہ اسباط تھے!

بہرحال، اہل کتاب کی قیادت میں ان منافقین نے مسلمان معاشرے میں فتنہ بھڑکانے میں کامیابی حاصل کی، جس کے نتیجے میں کئی سانحات پیش آئے:

- ☆ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا
- ☆ واقعۂ جمل
- ☆ واقعۂ صفین
- ☆ خوارج اور روافض کا کھل کر ظاہر ہونا

☆ میر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا

☆ امیر المؤمنین، سیدِ شباب اہلِ جنت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کی کوششیں

☆ سیدِ شباب اہلِ جنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا کربلا میں شہید ہونا

گویا اہلِ بیت کے خون کو فتنے کی آگ کو بھڑکانے کا علامتی پیغام اور خفیہ کوڈ بنا لیا گیا تھا!

فارسی فکری یلغار اور اسلامی تاریخ پر اس کا اثر:

جب فارس عسکری اور سیاسی میدان میں شکست کھا گیا، تو اس کے باوجود فُرس نے عقائد اور ثقافت کے میدان میں اپنی موجودگی کو برقرار رکھا، اور انہوں نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پر شدید فکری یلغار برپا ہوئی۔ اس یلغار کے نتیجے میں سبئیہ فرقہ منظرِ عام پر آیا، اور خوارج کی صفوں میں رخنہ اندازی کی گئی۔ اسی فکری و ثقافتی یلغار کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو ایسا تھا جس نے اسلامی تاریخی ورثے کو چھیننے اور اس میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ وہ کچھ ایسے ذرائع حاصل کریں جو ان کی اس راہ میں مددگار ہوں، اور وہ ذرائع اُس زمانے کے اشاعتی ادارے تھے، یعنی کتب نقل کرنے والے ناسخین؛ جیسے: محمد بن اسحاق ابن الندیم۔

اسی کے ذریعے وہ اس بات پر قادر ہو گئے کہ روافض میں سے بعض فارسی مؤلفین کی تصانیف کو اہلِ سنت کے علما کی طرف جھوٹ اور بہتان کے ساتھ منسوب کریں۔

مثلاً:

- کتاب ''الاخبار الطوال''، جو ظلم کے ساتھ ابو حنیفہ دینوری کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ سب سے پہلے اسے ان کی طرف منسوب کرنے والا ابن ندیم نامی شعوبی شیعہ فارسی تھا۔
- کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ''، جو ابن قتیبہ دینوری کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ یہ نسبت سراسر ظلم ہے۔

یہ سوال قابلِ غور ہے کہ اہلِ سنت کی وہ بیشتر کتابیں کہاں چلی گئیں جو خاص طور پر ''فتن کی تاریخ'' سے متعلق تھیں؟ جیسے: امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور پھر ان کی شہادت، اس کے بعد کے واقعات: جمل، صفین، تحکیم، نہرواں، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت ان تمام موضوعات پر اہلِ سنت کی جو کتابیں تھیں، ان میں سے کوئی قابلِ ذکر کتاب آج ہم تک نہیں پہنچی۔

حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ بہت سی اہلِ سنت کی تاریخی کتابیں ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) کے دور میں موجود تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں ان میں سے متعدد سے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ آج کے روافض، کل کے روافض کا تسلسل ہیں۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ روافض اپنے پیروکاروں کو ان اہلِ سنت کی کتابوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے جھوٹے دعووں کا پردہ چاک کرتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ اہلِ سنت کے مؤرخین کی کتابوں کی اشاعت کو روکنے کے لیے مختلف طریقے اپناتے

ہیں، مثلاً:

ان کتابوں کی تمام دستیاب نقلیں خرید لینا، ناشرین کو مالی لالچ دے کر شائع کرنے سے روکنا، یا پھر براہِ راست دھمکیاں دینا جیسا کہ حزب اللات (لبنان میں) ناشرین کے ساتھ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ کتابیں ان کے ہدف پر ہوتی ہیں جو تاریخی حقائق کو واضح کرتی ہیں اور ان کی مظلومی کی جھوٹی داستان کو منہدم کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے روافض نے یہ طریقہ کل کے روافض سے وراثت میں پایا ہے۔ یہی بات اہلِ سنت کی ان بیشتر کتابوں کے غائب ہونے کی توجیہہ بھی بنتی ہے جو مظلومیت کے جھوٹے بیانیے کو رد کرتی تھیں۔

تاریخی تنقیدی مطالعے اور کامیابی کے ساتھی:

یہ شعلہ [1] جسے سعادت مند ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے روشن کیا، اب پک کر تیار ہو چکا ہے، اور اس کی تپش (گرمی) کئی محققین تک پھیل چکی ہے [2]۔ اس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی اور مکہ مکرمہ کی جامعہ ام القریٰ میں کئی علمی مقالات (تحقیقی تھیسز) مرتب کیے گئے۔ ان مقالات میں سے چند درج ذیل ہیں:

① ڈاکٹر یحییٰ الیحییٰ: تاریخ طبری میں ابومخنف کی خلافتِ راشدہ سے متعلق روایات کا تنقیدی مطالعہ یہ جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے ایم اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔

② ڈاکٹر عبدالعزیز المقبل: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، کتبِ سنت و

۱: أینعہ یعنی وہ شعلہ پک گیا، تیار ہو گیا۔

۲: وھجھا: یعنی اس کی حرارت، گرمی۔

تاریخ کی روشنی میں روایتوں کا تنقیدی جائزہ یہ بھی جامعہ اسلامیہ سے ایم اے کی تحقیق ہے۔

③ **ڈاکٹر عبدالسلام آل عیسیٰ:** عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کی انتظامی پالیسیوں سے متعلق روایات کا تنقیدی مطالعہ یہ جامعہ اسلامیہ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

④ **ڈاکٹر محمد الغربان الصحی:** عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتنہ- یہ جامعہ اسلامیہ سے ایم اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔

⑤ **ڈاکٹر محمد العواجی:** عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت (فتنے کے سوا) کتبِ سنت و تاریخ کی روشنی میں، ایک تنقیدی مطالعہ- یہ جامعہ اسلامیہ کا ایم اے کا مقالہ ہے۔

⑥ **ڈاکٹر عبد الحمید فقیہی:** علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت، روایات کا تنقیدی جائزہ یہ جامعہ اسلامیہ کا ایم اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔

⑦ **ڈاکٹر محمد بن عبد الہادی الشیبانی:** یزید بن معاویہ کی خلافت کے خلاف مخالفین کے مؤقف، روایات کا تنقیدی مطالعہ - یہ جامعہ اسلامیہ کا ایم اے کا مقالہ ہے۔

⑧ **ڈاکٹر عبدالعزیز ولی:** پہلی صدی ہجری کی تاریخی روایات پر تشیع کے اثرات - یہ جامعہ اسلامیہ سے ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ ہے۔

⑨ **ڈاکٹر خالد یمانی:** تاریخ طبری میں عمر بن شبّہ کی خلافتِ راشدہ سے متعلق روایتوں کا تنقیدی جائزہ - یہ جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

⑩ **ڈاکٹر عبداللہ حیدر:** تاریخ طبری میں ابن اسحاق کی خلافتِ راشدہ سے متعلق روایتوں کا تنقیدی مطالعہ - یہ جامعہ ام القریٰ سے ایم اے کا تحقیقی مقالہ ہے۔

۱۱ **ڈاکٹر خالد الغیث:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعہ جمل، تاریخ طبری میں سیف بن عمر کی روایتوں کا تنقیدی جائزہ - یہ جامعہ ام القریٰ سے ایم اے کا مقالہ ہے۔

۱۲ **ڈاکٹر خالد الغیث:** تاریخ طبری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق روایتوں کا تنقیدی تقابلی مطالعہ - یہ جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

۱۳ **ڈاکٹر عبداللہ بن فراج الشھری:** تاریخ طبری میں عبدالملک بن مروان کی خلافت سے متعلق روایتوں کا تنقیدی تقابلی مطالعہ - یہ جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

اور بھی متعدد تحقیقی مقالات ہیں جن کا اس مختصر مقام میں احاطہ ممکن نہیں۔اسی موقع پر یہ ذکر کرنا بھی اہم ہے کہ ان تنقیدی مطالعات کے بعد ایک نہایت اہم اور اسی طرح، میں اس موقع پر یہ بات ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تنقیدی مطالعات کے تسلسل میں ایک نہایت اہم اور مؤخر منصوبہ بھی سامنے آیا ہے، اور وہ ہے:

’’المشروع العلمي لنقد الروايات المؤثرة في التاريخ الإسلامي‘‘، یعنی: اسلامی تاریخ پر اثر انداز ہونے والی روایتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کا علمی منصوبہ۔ (یہ منصوبہ ان تمام علمی کوششوں کی توسیع اور تکمیل ہے جن کا مقصد تاریخی روایتوں کو تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر پرکھنا ہے، تاکہ باطل افکار ونظریات کی آمیزش سے محفوظ، خالص اور قابلِ اعتماد تاریخی ورثہ امت کو مہیا کیا جا سکے۔) یہ عظیم اور محنت طلب منصوبہ ہے، جس کا بیڑا ایک باوقار مجاہدِ علم، ایک جری محقق اور بے تکان محنت

کرنے والے فاضل نے اٹھایا - وہ میرے محترم بھائی جناب ڈاکٹر محمد بن طاہر البرزنجی ہیں۔ اس منصوبے کا عنوان ہے: ''صحیح وضعیف تاریخ الطبری'' انہوں نے اس کے ذریعے تنقیدی تاریخی مطالعات کے منصوبے میں ایک نہایت اہم خلاء کو پُر کیا ہے، اور امت کو ایک ایسا علمی خزانہ فراہم کیا ہے جو تاریخ طبری جیسے معتبر اور بنیادی ماخذ کی روایات کو درایت و تحقیق کی روشنی میں پرکھتا ہے اور صحیح و سقیم کو الگ الگ واضح کرتا ہے۔

یہ علمی کارنامہ

اب ہم اُس مردِ میدان کا ذکر کرتے ہیں جس نے اس گراں قدر علمی کارنامے کو انجام دیا - اور جس پر مجھے فخر حاصل ہوا کہ میں اس کی نگرانی اور اس کے لیے پیش لفظ لکھنے کی سعادت پا سکا۔ وہ محقق ہیں: فواز بن فرحان الشمری۔ اگرچہ ان کی تخصّص کا میدان ''عقیدہ'' ہے، مگر تاریخ سے ان کی محبت نے انھیں ایک نہایت اہم تاریخی واقعے کی طرف متوجہ کیا، جو اسلامی امت کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ ہے معرکہ صفّین۔ محقق نے اس واقعے کا از سرِ نو جائزہ لیا، اور - اللہ ان کی حفاظت فرمائے - اس کے لیے ایسی جامع تگ و دو کی جو تھکن اور سستی سے بالاتر تھی۔ انہوں نے اس واقعے سے متعلق تمام تر مآخذ کو چھان مارا، اور ایسی کئی روایات پائیں جو ان کے اختیار کردہ علمی و تنقیدی منہج کے مطابق صحیح قرار پائیں۔ یہ روایات اس معرکہ کی خفیہ پرتوں کو اجاگر کرتی ہیں اور اس کے تلخ اثرات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ نیز یہ واقعے کے تجزیے کے لیے نئے افق کھولتی ہیں۔ مجھے

مبالغہ آمیزی کا شبہ بھی نہیں، اگر میں اس علمی کاوش کو ''موسوعہ صحیح اخبار صفّین والنہروان وعام الجماعۃ'' کا نام دوں۔

محقق نے اپنی تحقیق میں وہ تمام خبریں جمع کردی ہیں جو اُن کے موضوع سے متعلق ہیں اور ان کے منہج کے مطابق صحیح ثابت ہوئیں۔ اس نے موضوعات کو وسعت بخشی، جو اگرچہ ایک مفید علمی امر ہے، لیکن اس کی وجہ سے کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا اور یہ بعض قارئین کے لیے دشوار ہو گیا۔ چنانچہ میں نے محقق کو مشورہ دیا کہ وہ کتاب کا ایک اختصار تیار کریں، جس میں صرف جامع ترین اور مستند روایات، اہم شواہد، اور مرکزی موضوعات باقی رکھیں، جبکہ ضمنی موضوعات کو حذف کردیں تاکہ کتاب عام قارئین کے لیے بھی قابلِ استفادہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہ کام مکمل کیا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ اور یہ مختصر نسخہ اس مفصل سفر کے بعد جلد ہی شائع ہوگا، ان شاء اللہ۔

اور ''صحیح صفّین'' اور اس کے اختصار کے بعد، محقق نے کئی مفید ضمنی تحقیقات بھی تحریر کیں تاکہ اپنے بڑے تحقیقی منصوبے کو مکمل کرسکیں، اور ان تمام تحقیقات کو انہوں نے ''سلسلہ اخبار صفّین'' کا عنوان دیا۔ مجھے بھی اس سلسلے کی نگرانی کا شرف حاصل ہوا، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ بتدریج شائع ہوتا رہے گا۔

چونکہ مختلف آراء کا اختلاف محبت وتعلق کو خراب نہیں کرتا، اس لیے محقق نے اپنی اس کتاب ''صحیح اخبار صفّین والنہروان وعام الجماعۃ'' میں وہ تمام نتائج درج کیے جن پر وہ اپنے غور وفکر کے بعد مطمئن ہوئے۔ میں نے ان میں سے چند امور سے اختلاف کیا ہے جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ مزید تحقیق، تدبر اور مطالعے کے مستحق ہیں۔ ان آراء کی وضاحت میں نے کتاب کے آخر میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کردی

ہے۔

اور بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت نافع ہے، بلکہ معاصر تحقیقات میں یہ اس باب کی سب سے جید تصنیف ہے، کیونکہ اس میں علمی تحقیق کی پختگی، دقیق اور بھر پور جمع وترتیب، اور تجزیہ واستنباط سب یکجا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح محقق نے اپنی تحقیق کے آغاز میں اپنے اس منہج کو واضح طور پر درج کیا ہے جس پر وہ چلا ہے، اور جو اس نے محدثین اور مؤرخین کے تحقیقی طریقوں سے اخذ کیا، پھر اس میں بعض مفید اضافے بھی کیے، جنہیں وہ روایتوں پر مبنی تاریخی تحقیق کی روش کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا۔

﴿اَيَّتُهَا الْعِيرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ﴾

ہم اس دور میں بعض ایسے لکھنے والوں کے وبال میں مبتلا ہو چکے ہیں، جو دوسروں کی لکھی ہوئی قیمتی تاریخی تحقیقات کو ''دوبارہ گھما پھرا کر'' پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور انہیں اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں!

نقادانہ تاریخی تحقیقات کے میدان میں جن سنجیدہ نتائج تک بعض محققین پہنچے، انہوں نے بعض معاصرین کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان سے بغیر حوالہ یا نسبت کے استفادہ کریں، سوائے محض قسم پوری کرنے کے درجے کے۔ اس پر انہیں یہ بات مزید دلیر بناتی ہے کہ بعض تحقیقات کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی یا بعض صرف مقامی سطح پر شائع ہوئیں۔

پس میں اسی منبر سے اُن لوگوں کو، جن سے خطاب ہو رہا ہے، اللہ کا خوف اختیار کرنے اور اگلی طباعتوں میں امانتیں ان کے اہل تک پہنچانے کی نصیحت کرتا ہوں۔

اور قلم رکھے جانے سے پہلے:

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہر مشکل کام کو آسان بنایا اور اس قیمتی کتاب کے نظر ثانی کے مرحلے کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

پھر میں اپنے عزیز بھائی، محقق ''فواز بن فرحان الشمری'' کا شکریہ ادا کرتا ہوں ،جنہوں نے میری سختیوں پر صبر کیا، اور تحقیق کے تمام مراحل میں پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود طویل حوصلہ اور استقامت کا مظاہرہ کیا، بلکہ وہ تو ایسی خوشبو دار لکڑی کی مانند ثابت ہوئے، جسے جلایا جائے تو اور بھی مہکنے لگتی ہے۔

اور بہر حال، یہ ایک انسانی کوشش ہے، اور ہر تحقیق قاری کی آرا اور اصلاحات سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

اور تمام تر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی۔ اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،آپ کی آل اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر۔

ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث

سابق صدر شعبہ تاریخ، جامعہ ام القری

---

(۱) اشْرَأَبّت: کا مطلب ہے: ''بلند ہوئی اور ظاہر ہونے لگی''۔(النہایہ فی غریب الحدیث، ۲/۴۵۵)

(۲) یہ حدیث صحیح ہے۔ابن اسحاق نے کہا: کہ مجھ تک پہنچا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔۔'' پھر اس روایت کو ذکر کیا۔(السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، ۲/۶۵۶، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی، تحقیق: السقا)۔یہ روایت ابن کثیر نے بھی اپنی کتاب البدایہ والنہایہ(۵/۳۰۰، ۸/۱۷۲، دار ہجر) میں ذکر کی ہے۔طبع ''احیاء التراث'' میں اس روایت میں سقط واقع ہوا ہے، جس پر اعتماد درست نہیں۔اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب فضائل الصحابہ (حدیث: ۶۸ میں روایت کیا ہے: ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ نے خبر دی، انہوں نے عبد الواحد بن ابی عون سے، وہ قاسم بن محمد سے، اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اسی مفہوم کی روایت نقل کی۔ یہ سند صحیح ہے۔اس کی تخریج المطالب العالیہ (حدیث: ۳۸۸۰) اور ذیل میزان الاعتدال (ص ۱۹۸، ترجمہ: ۷۰۹) میں بھی موجود ہے۔(تحقیق وتخریج: فواز)۔

(۳) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: رسالۃ ''استشهاد عثمان رضی الله عنه ووقعة الجمل''، از: ڈاکٹر خالد الغیث الجزائری

(مصنّفِ سطور حاضرہ)۔

(۴) مُضْنِي: یعنی ایسا کام جو انسان کو تھکا دے، سخت مشقت طلب۔

(۵) سلسلہ کی مختصر تفصیل صفحہ (۹۳) پر ملاحظہ ہو۔

(٦) مذکورہ تنقیدی نکات صفحہ (۹۰۱) پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۷) یوسف: ۷۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحَمْدُ للهِ رَبِّ العَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الكَرِيمِ، وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ أَمَّا بَعْدُ:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود وسلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نہایت کریم نبی ہیں، اور آپ کی تمام آل واصحاب پر، اور ان پر بھی جو روزِ قیامت تک ان کے نقشِ قدم پر احسن طریقے سے چلتے رہے۔ اما بعد:

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو رسول کے ذمے وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا، اور تمہارے ذمے وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا، اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول پر صرف کھلا پیغام پہنچا دینا ہی ہے۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی عبادت، دعوت، اصلاح اور جہاد سے بھر دی تھی تاکہ ”لا الہ الا اللہ“ کا بول بالا ہو، اور تاکہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ربِ بندگان کی بندگی کی طرف لایا جائے۔

اس راہ میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا، اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے راستے پر گامزن رہے۔ انہوں نے اسلام کا پرچم اٹھایا اور اس عظیم دین کو پھیلایا، یہاں تک کہ اسلام نے اپنی جڑیں جما لیں۔ ان کے ہاتھوں عراق، شام، بیت المقدس، بلادِ فارس، مصر، افریقہ، بلادِ سندھ، قبرص

اور دیگر علاقے فتح ہوئے، اور یہ سب اللہ کے حکم سے خلفائے راشدین اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اور ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوا وہ یہ تھا کہ ہم سب انسان ہیں، جن میں انسانی صفات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ انسان خواہ کتنا ہی فضل، علم اور تقویٰ حاصل کر لے، وہ اپنی اُس انسانی حیثیت سے باہر نہیں نکل سکتا جس پر اللہ نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ بلکہ اسی انسانی حیثیت میں رہتے ہوئے جب وہ اپنے خالق کی بندگی اختیار کرتا ہے تو درحقیقت وہی اس کا شرف و امتیاز بنتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقویٰ، صلاح، دعوت اور جہاد کے حامل تھے، اور ساتھ ہی وہ انسان بھی تھے، جو درست بھی کرتے تھے اور غلطی بھی کر بیٹھتے تھے، توبہ کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے تھے، جو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کمال کسی اور کے لیے ہو، کمال تو صرف اسی کے لیے ہے، وہی پاک ہے اور برتر۔ اور جب امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو اہلِ مدینہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت کی۔ لوگوں نے اور دیگر شہروں کے باشندوں نے بھی آپ کی بیعت کر لی، سوائے اہلِ شام کے، جنہوں نے بیعت سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کیا، لیکن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اصرار کیا کہ پہلے بیعت ہو، پھر معاملات طے ہوں۔ چنانچہ دونوں کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا، اور ان کے درمیان ایک مقام ''صفین'' میں جنگ واقع ہوئی۔

فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سے بھڑک اٹھا، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے ساتھ ختم ہوا، لیکن اہلِ بدعت واہواء کا فتنہ اس دور میں جھوٹ، تحریف اور حقائق کو الٹ دینے کے ذریعے ختم نہ ہوا۔ چنانچہ ان کے خائن ہاتھ اسلام کے ان جلیل القدر علم برداروں تک جا پہنچے جنہوں نے نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کو روئے زمین میں پھیلایا اور انہوں نے ان کی سیرتوں اور ان کے حالات کو مسخ کرنے کی منظم اور منصوبہ بند مہم کا نشانہ بنایا، جو نہ خودرو تھی اور نہ انفرادی، بلکہ وہ اسلامی تاریخ کی اساس ہی کو ہدف بنائے ہوئے تھی۔ لہٰذا حقائق کا واضح کیا جانا نہایت ضروری ہے۔

اے معزز قاری! آپ کے سامنے یہ کتاب ہے جو صفّین کی جنگ، اس سے متعلقہ واقعات اور ان نتائج پر مشتمل ہے جو اس سے پیدا ہوئے، مثلاً:

- صفّین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقف۔
- حکمین کا باہمی اجتماع۔
- خوارج کی صفّین سے واپسی کے بعد نہروان سے پہلے تک کی نقل وحرکت۔
- جنگِ نہروان۔
- معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کی جانے والی چڑھائیاں (غارات)۔
- علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت۔

میں نے اس کتاب کا مواد ان اصل مصادر سے حاصل کیا ہے جو ہم تک پہنچے ہیں، اور ان مفقود مصادر سے بھی جن سے ابن عساکر اور دیگر متأخرین نے استفادہ کیا ہے۔

میں نے شرط لگائی ہے کہ صرف صحیح روایات پر اعتماد کروں گا، اور میں نے صحیح تاریخی روایات کو پہچاننے کے لیے ایک مخصوص منہج اپنایا ہے، جسے میں نے تاریخی و منہجی مقدمہ میں بیان کیا ہے یہ ایک علمی طریقہ کار ہے جو تاریخی روایتوں کے ساتھ تعامل کا طریقہ متعین کرتا ہے، اور ان کو قبول یا رد کرنے کا معیار فراہم کرتا ہے تاکہ ہمیں اپنی درخشندہ اسلامی تاریخ کی ایک روشن اور پاکیزہ تصویر میسر آ سکے۔

صفّین کی جنگ پر گفتگو دراصل اسلامی تاریخ کے ایک نہایت نازک مرحلے پر گفتگو ہے، ایسا مرحلہ جو ایک نہایت باریک معیار کا محتاج ہے جس کے ذریعے حق کو باطل آمیز جھوٹ سے ممتاز کیا جا سکے۔ اسی لیے میں نے اس کتاب کا آغاز ایک "منہجی مقدمہ" سے کیا، جو ان اصولوں پر مشتمل ہے جو نرمی اور سختی دونوں میں توازن رکھتے ہیں، اور جن کے ذریعے صحیح تاریخی روایات کو پرکھا جا سکتا ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب تاریخی روایات سے تعامل کے ایک منضبط اور علمی منہج کی طرف ایک پیش رفت ثابت ہوگی، جو تعصب اور جانب داری سے پاک ہو۔

اور توفیق کا مالک صرف اللہ ہے۔

یہ کتاب اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی:

بدھ کے دن، ۹ جمادی الآخر ۱۴۳۸ھ

مطابق: ۸ مارچ ۲۰۱۷ء

فلاڈیلفیا، پنسلوانیا، امریکہ

از: مؤلف

تاریخی و منہجی مقدمہ سند کے ساتھ منقول تاریخی روایات کے مطالعے کے منہج میں

ایک منہجی قاعدہ ہے جسے معاصر ماہرینِ تاریخ مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی تعبیرات اسی دائرے میں گھومتی ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں: (تاریخی روایات پر محدثین کے منہج کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا)، یا کہتے ہیں: (تاریخی روایات پر محدثین کے منہج کو سختی سے لاگو کرنا مناسب نہیں)، یا کہتے ہیں: (تاریخی روایات، احادیثِ نبویہ کی طرح سند کے اعتبار سے قوی نہیں ہوتیں)، یا کہتے ہیں: (محدثین کا منہج اگر لاگو کیا جائے تو ایک تاریخی خلا یا گہری کھائی پیدا ہو جاتی ہے)، وغیرہ وغیرہ۔

پھر میں نے استقراء کے بعد اس قاعدے کے لیے سب سے موزوں تعبیر یہ پائی کہ: (محدثین کا منہج اور ان کی اصطلاحات، تاریخی روایات کے درجات کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں، اور ان کی اصطلاحات تمام اقسام کی تاریخی روایات کا احاطہ نہیں کرتیں)

اور غالباً اس عدمِ ہم آہنگی اور عدمِ احاطہ کے دو بڑے اسباب ہیں:

موضوع اور مواد سے متعلق سبب: حدیث کا موضوع تشریعی احکام ہیں، جبکہ تاریخ کا موضوع انسانوں کے حالات و افعال ہیں۔ چنانچہ تشریعی احکام کے ثبوت کی درجات، انسانوں کے افعال و واقعات کے ثبوت کی درجات سے مختلف ہوتے ہیں۔

کتابت کے اسلوب سے متعلق سبب: تاریخ کی کتابت کا انحصار زیادہ سے زیادہ جمع پر ہوتا ہے، جبکہ حدیث کی کتابت میں احتیاط، تنقیح اور بعض خاص اقسام (جیسے معاجم وغیرہ) میں وسعتِ جمع کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

اسی اختلاف کی بنیاد پر: محدثین کا منہج تمام اقسام کی تاریخی روایات کا احاطہ نہیں کرتا، اور اگر اسے مکمل طور پر لاگو کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں تاریخی روایات کا ایک بہت بڑا مفید ذخیرہ(۱) ''حدیثی اصطلاح میں ضعیف'' کے تحت آجاتا ہے، اور ابتدائی نظر میں ہی وہ سب ردّ کر دیا جاتا ہے! یہ ردّ ''تاریخی خلا'' پیدا کرتا ہے۔

(۱) پھر یہ ''خلا'' تین برے نتائج کا باعث بنتا ہے: صحیح روایات کے بارے میں واضح یا درست تصور پیدا نہیں ہو پاتا، (لہٰذا فہم ناقص رہتا ہے)۔

(۲) یا بعض اوقات کسی صحیح روایت کو اس کے اصل مراد سے ہٹ کر سمجھا جاتا ہے۔

(۳) یا پھر اس کو بالکل ہی نہ سمجھ پانا۔

جب یہ روایات ''حدیثی اصطلاح میں ضعیف'' کے دائرے میں داخل ہو گئیں تو ایک منہجی خلل نمایاں ہوا، جس پر معاصر دور کے تاریخ کے ماہرین نے توجہ دی، کیونکہ یہ چیز انہیں تاریخی روایات کے ساتھ تعامل میں سخت تنگی اور مشقت میں ڈال رہی تھی، لیکن وہ اس سے نکلنے کی راہ نہ پا سکے، چنانچہ کہنے لگے: (تاریخی روایات میں سختی سے کام نہیں لینا چاہیے۔۔۔) اور اس طرح کی دیگر عبارات کہنے لگے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

✷ اس سلسلے میں ایک نبوی حدیث بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

تاریخی روایات کی اقسام، احادیثِ نبویہ کی اقسام کی مانند نہیں ہوتیں از روئے قبول اور رد۔

یہ حدیث ان روایات سے متعلق ہے جنہیں علما ''اسرائیلیات'' کہتے ہیں، اور یہ تاریخی روایات کی اقسام میں سے ہیں بشرطیکہ ان کا تعلق انبیاء سے نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ہمیں بتایا کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا جو نہ ہماری شریعت کے موافق ہیں اور نہ اس کی مخالف: ((اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو[٢]))۔

پس یہ روایات ''مسکوت عنہ'' ہیں؛ کیونکہ نہ وہ ہماری شریعت کے موافق ہیں اور نہ اس کی مخالف، یعنی نہ ان کی کوئی صحیح بنیاد ہے اور نہ ان میں انکار کی کوئی وجہ، اس لیے نہ انہیں قبول کیا جاتا ہے اور نہ رد، اور ان کا بیان کرنا جائز ہے، اس قولِ نبوی کی وجہ سے: ''بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں''[٣]۔

اور اگر وہ ہماری شریعت کے موافق ہوں تو وہ اس وقت قابلِ قبول اور تصدیق کے لائق ہوں گی، کیونکہ ان کی اصل صحیح پائی گئی، تو وہ اسرائیلیات میں سے مقبول روایات بن جائیں گی۔

اور اس کے مقابلے میں: اگر ان پر محدثین کا منہج لاگو کیا جائے تو وہ گر جائیں گی اور رد کر دی جائیں گی؛ کیونکہ ان کی اسناد یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں موجود نہیں ہوتیں، اور محدثین کا منہج انہیں ''ضعیف'' قرار دے گا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''مسکوت عنہ'' قرار دیا ہے، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تاریخی روایات کی

بعض اقسام ایسی ہیں جنہیں محدثین کی اصطلاحات محیط نہیں۔

جو محقق تاریخی روایات پر محدثین کا منہج لاگو کرنے کی کوشش کرتا ہے:

اگر اس دور کا کوئی محقق تاریخی روایات پر ''محدثین کا منہج'' لاگو کرنے کا ارادہ کرے، تو وہ اپنے آپ کو تاریخی اسناد کے ساتھ کشمکش میں پائے گا، اور یہ کشمکش اسے اصل تحقیق سے ہٹا کر ذیلی شاخوں میں الجھا دے گی، اور یہ شاخیں اس کی محنت اور وقت کو کھا جائیں گی، یہاں تک کہ آخر میں وہ ایک ناقص تاریخی تصویر کے ساتھ سامنے آئے گا جو پیاس بجھانے والی نہ ہوگی۔

اور یقیناً وہ محدثین کے منہج کو مکمل طور پر نافذ نہ کر سکے گا، اور اسے محدثین کے منہج کے مطابق ضعیف اسناد والی روایات کی طرف لوٹنا پڑے گا، اور معاملہ اس فقہی قاعدے کے موافق ہوگا: ''جب معاملہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت آ جاتی ہے۔''

''تاریخی منہجی تمہید ایک تجویز کردہ حل'':

اللہ کے فضل سے میں نے اس منہجی تمہید میں ایک منہجی حل پیش کیا ہے، جسے میں نے محدثین کے منہج سے اخذ کیا ہے۔ یہ حل بیک وقت لچک اور مضبوطی کا حامل ہے، جس کے ذریعے صحیح تاریخی روایات کو دیگر سے ممیز کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا منہج ہے جو پیاس بجھاتا ہے، گہرائی میں اترتا ہے، اور تاریخی روایات سے تعامل کو آسان بناتا ہے۔

۞ تاریخی منہجی تمہید کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے: یہ ایک علمی منہج ہے جو تاریخی مرویات کے ساتھ تعامل کا طریقہ متعین کرتا ہے اور ان کو قبول یا رد کرنے کے اعتبار

سے پرکھتا ہے۔

''تاریخی منہجی تمہید میں'' میرا کام:

حدیث اور تاریخ کے علوم کے درمیان قریبی تعلق پوشیدہ نہیں ہے، اور علمِ حدیث کی بعض عمیق اصطلاحات ایسی ہیں کہ ان کو غیر متخصص کے لیے سمجھنا اور ان پر احاطہ پانا مشکل ہوتا ہے۔اس لیے میں نے ''تاریخی منہجی تمہید'' اس طرح لکھی کہ درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا:

۱۔ میں نے محدثین کے منہج کو ایک مضبوط اساس کے طور پر اختیار کیا۔

۲۔ ''تاریخی تحقیق کے منہج'' کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

۳۔ بعض اوقات محدثین کی مخصوص اصطلاحات کی سختی سے پابندی کرنے کے بجائے، ان کے مفہوم کو ایک مختلف انداز سے بیان کیا، تاکہ حدیث میں غیر متخصص حضرات بھی ان کا مفہوم سمجھ سکیں، اور ان مفاہیم کو تحقیقی منہجی اصولوں کی شکل دی جا سکے۔ساتھ ہی محدثین کی اصطلاحات اور منہج کا تعارف جہاں تک ممکن ہو، پیش کیا۔

۴۔ میں نے ان تاریخی روایات کو نمایاں کیا جن کی سند تو صحیح نہیں، لیکن ان کا ایک صحیح اصل موجود ہے۔

۵۔ تاریخی تحقیق کی تدوین کے مراحل پر گفتگو کی۔

۶۔ اس کے بعد میں نے عمومی تاریخی قواعد پر بات کی جن کا لحاظ رکھنا ہر تاریخ کے قاری اور محقق کے لیے ناگزیر ہے۔

اس طرح تاریخی منہجی تمہید (محدثین کے منہج) اور (مؤرخین کے منہج) کے درمیان ایک جامع امتزاج ہے۔

بعض حدیث کے ماہرین شاید مجھ سے یہ کہیں: ''اے محقق! تم نے جو کچھ کیا ہے، یہ محدثین کے منہج میں خلط اور تحریف شمار ہوتا ہے، اور تمہارا منہج خرافات پر ایمان لانے کے دروازے کھول دیتا ہے!!''

تو اس کا جواب یہ ہے: اولاً: یہ منہج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر لاگو نہیں کیا جا سکتا اور نہ جائز ہے، بلکہ یہ تاریخ اور عام انسانوں کے افعال و سیرت پر لاگو ہوتا ہے۔

ثانیاً: میں نے اس میں بے قیدی نہیں برتی، بلکہ اس منہج کے ساتھ میں نے قیود، شرائط اور ضوابط رکھے ہیں جو ہمارے تاریخی ورثے کو تحریف سے بچاتے ہیں، اس میں داخل کی گئی چیزوں سے اسے پاک کرتے ہیں، اور ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کے قابل بناتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص میرے اس تجویز کردہ منہج کے ساتھ غلط رویہ اپناتا ہے، تو وہ اس کی اپنی زیادتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص محدثین کے منہج کے ساتھ بدسلوکی کرے تاکہ اپنے گمراہ کن مقاصد کو حاصل کرے۔

اور حق یہ ہے کہ تاریخی مرویات کی اپنی ایک مخصوص فطرت اور امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں، جن کی حقیقت [۴] صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو ان کے ساتھ طویل عرصے تک واسطہ رکھے۔

تاریخی منہجی تمہید سے متوقع فوائد اور اہداف:

میں ''تاریخی منہجی تمہید'' میں ایک ایسا تاریخی منہج ذکر کروں گا جو محدثین کے منہج سے ماخوذ ہے، جس کے ذریعے چار منہجی فوائد اور دو بڑے اہداف حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

منہجی فوائد یہ ہیں:

- تاریخی روایات کی تمام اقسام کو، ان سے استدلال کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے، واضح کرنا اور سمجھنا۔
- تاریخی مرویات سے زیادہ سے زیادہ ممکنہ فائدہ حاصل کرنا۔
- محدثین کا منہج، تاریخی مرویات پر بغیر شدت یا نرمی کے، متوازن انداز میں لاگو کرنا۔
- تاریخی مرویات سے نظم وضبط کے ساتھ معاملہ کرنا۔

اور دونوں اہداف یہ ہیں:

- صحیح اور خالص تاریخی نتائج تک پہنچنا۔
- ایک مکمل اور واضح تاریخی تصویر حاصل کرنا - جہاں تک ممکن ہو۔

میں تیرہ نکات پر گفتگو کروں گا، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ نکارہ
۲۔ اصلِ صحیح
۳۔ مقبول خبر
۴۔ مسکوت عنہ خبر
۵۔ متونِ تاریخی کی اقسام (احتجاج، ردّ، اور سکوت کے اعتبار سے)
۶۔ متونِ تاریخی کی مراتب (قوت کے لحاظ سے)
۷۔ تاریخی تحقیق کی تدوین
۸۔ ایسے مؤرخین کی روایات جن پر جھوٹ کا الزام ہے

۹۔ واقعات کے معاصر مؤرخین اور راویوں کی مرویات

۱۰۔ قدیم مؤرخین کی وہ مرویات جو ان سے پہلے کے مؤرخین سے معلق ہیں

۱۱۔ حافظ ابن حجر کا منہج تاریخی مرویات کی اسناد پر حکم لگانے میں

۱۲۔ عربوں میں تاریخ کی تدوین اور ان کا راتوں سے تاریخ دینا

۱۳۔ خطیب اور ابن عساکر کا اپنے تاریخ میں منہج

نوٹ: جب میں کہوں: ''اصطلاحِ تاریخی''، تو اس سے میری مراد وہ علمی منہج ہوتا ہے جس پر میں نے یہاں عمل کیا ہے، اور میں نے اسے (تاریخی منہجی تمہید) کا نام دیا ہے۔

اللہ عزوجل کی مدد سے آغاز کرتے ہیں،،،

ذکر کردہ نکات کی وضاحت:

- اوّلاً: تاریخی متون میں نکارت:(۵)

- اس سے مراد:

یہ اس علتِ قادحہ کی صفت ہے جو اس تاریخی متن میں داخل ہو جاتی ہے جو صحت کے شرائط(۶) پر پورا نہ اُترتا ہو۔

- تاریخی متون میں نکارت (یعنی علتِ قادحہ) کی چار قسمیں(۶) ہیں:

(تشریع)، (طعن)، (مخالفت)، اور (مجازفت یا میلان)۔

اس کی تفصیل یہ ہے:

① تاریخی متن میں ایسے عقائد یا احکام کی تشریع پائی جائے جو شریعت کے

مخالف (۷) ہوں، اور یہ تصورِ سیرتِ نبویہ، پھر صحابہ اور اولیاء کی سیرت میں ممکن ہے، اس کے سوا نہیں۔

② انبیاء، صحابہ، اہلِ علم وفضل، امراء یا قضاۃ (۸) پر طعن پایا جائے۔

③ وہ صحیح روایات کے خلاف ہو۔

④ اس میں مبالغہ آرائیاں پائی جائیں، یا کسی دور کے رائج رجحان کی طرف میلان پایا جائے کسی دوسرے رجحان کے مقابلے میں، یا اس کے برعکس۔

✓ پس مبالغے، مجازفت یا میلان کے تحت آتے ہیں، بلکہ اکثر دونوں کے تحت بیک وقت آتے ہیں۔

✓ محض خبر کا ضعیف ہونا: اس کی نکارت پر دلالت نہیں کرتا، جب تک ان میں سے کوئی علت اس پر داخل نہ ہو۔

اور جب متن میں ان علل کی زیادتی ہو، تو نکارت بھی بڑھ جاتی ہے، چاہے وہ زیادتی ایک ہی نوع کی ہو یا مختلف انواع کی۔

پس وہ خبر جس میں صرف ایک گالی ہو، اس جیسی نہیں جس میں گالیاں بھری ہوں، کیونکہ یہ ایک ہی قسم کی نکارت سے پُر ہے۔

● نکارت کا حکم:

جب نکارت کسی تاریخی خبر میں داخل ہو جائے تو اس کی دو حالتوں سے خالی نہیں:

پہلی حالت: یہ کہ خبر صحت کے شرائط (۹) پر پوری نہ اُترتی ہو: تو ایسی خبر مردود ہوتی ہے، اس سے استدلال جائز نہیں، کیونکہ نکارت ایک علتِ قادحہ ہے جو ضعف کا موجب بنتی ہے۔

دوسری حالت: یہ کہ خبر صحت کے شرائط پر پوری اُترتی ہو: تو ایسی خبر کے متن میں نکارت پائی ہی نہیں جا سکتی؛ کیونکہ نکارت علتِ قادحہ ہے جو ضعف کا موجب بنتی ہے۔

البتہ کبھی کبھی بظاہر ایسے متن میں -جس کی صحت ثابت ہو- نکارت کی کوئی علامت ظاہر ہو سکتی ہے، تو یہ نکارت نہیں ہوتی، اور ایسی خبر کو اس کے باعث رد نہیں کیا جائے گا[۱۰]، بلکہ اس کے ساتھ دو مرتبہ اقدامات کرنے چاہئیں تا کہ اشکال دور ہو جائے:

● اوّلاً: خبر کے تمام طرق اور الفاظ کو جمع کرنا لازم ہے، پھر اس کا ان دیگر صحیح روایات سے تقابل کیا جائے جو اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہوں؛ تا کہ اس خبر کا مفہوم واضح ہو جائے جس میں بظاہر نکارت محسوس ہوئی تھی، اور یوں اشکال ختم ہو جائے۔

● ثانیاً: اگر جمع و تقابل کے بعد بھی اشکال دور نہ ہو، تو اس خبر کی اہلِ سنّت و جماعت کے منہج کے مطابق صحیح تاویل کی جائے، اور تاویل حالت کے مطابق ہوگی:

- اگر اس کا ظاہر صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن یا تنقیص ہو، تو اس سے مراد عصمت نہ ہونا ہے، اور یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کا فاعل تائب ہو چکا ہو یا وہ مجتہد ہو جس کی خطا معاف ہو۔

- اور اگر اس کا ظاہر دیگر صحیح روایات کے مخالف ہو تو ان کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہے۔

- اور اگر اس کا ظاہر مجازفت یا میلان پر دلالت کرتا ہو: تو اس کی تاویل حالت کے مطابق کی جائے گی، علماء کی شروحات و تعلیقات[۱۱] کی روشنی میں۔

اور اسی طرح:

دوسرا: (الاصل الصحیح) یعنی تاریخی متون میں اصلِ صحیح:

● اس سے مراد:

یہ ایک ایسا وصف ہے جو صحیح واقعہ پر بولا جاتا ہے، جو کسی ایسے تاریخی متن میں بطور اساسی واقعہ ذکر ہوا ہو جو صحت کے شرائط پر پورا نہ اُترتا ہو۔

یا یوں کہہ لیجیے: ''یہ ایک اساسی واقعہ ہے جس کا ایک صحیح شاہد موجود ہو۔''

یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں: (یہ ایک اساسی اور صحیح واقعہ ہے۔)

اصلِ صحیح کو محدثین ''شاہد'' کہتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں: **(له شاهد صحيح)**، **(له شواهد)**، **(لبعضه شواهد)**، وغیرہ۔

اور ''حادثہ'' سے مراد اقوال وافعال دونوں ہیں۔

● (اصلِ صحیح) اور (شاہد) کے درمیان تاریخی اصطلاح میں فرق:

یہ دونوں معنی کے اعتبار سے کبھی ایک جیسے ہوتے ہیں، چنانچہ ایک کو دوسرے کا نام دیا جاتا ہے، جو کہ زیادہ رائج اور عام طور پر مراد لیا جاتا ہے۔

اور کبھی ان میں فرق بھی ہوتا ہے،،

چنانچہ ''اصل'' سے مراد ہوتا ہے: ایک اساسی واقعہ جس کا صحیح شاہد ہو۔

اور ''شاہد'' سے مراد ہوتا ہے: وہ واقعہ جس کی بنیاد ایک صحیح اصل پر ہو، خواہ وہ واقعہ اساسی ہو یا ثانوی وحاشیہ کا۔

اس بنا پر، جب - دونوں میں فرق - کیا جائے: تو ''شاہد'' کا دائرہ اصلِ صحیح سے زیادہ وسیع ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جو کچھ آگے (معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے) کے بارے میں ذکر

ہوگا، اس کے کئی صحیح شواہد ہیں، مگر وہ سب ثانوی ہیں، اس لیے وہ صرف شواہد ہیں، اصلِ صحیح نہیں۔

(شاہد) کی اصطلاح تاریخی مفہوم میں: صرف اس وقت استعمال کی جائے گی جب وہ صحیح ہو، تب ہی اسے ''شاہد'' کہا جائے گا۔

- (شاہد) محدثین کے نزدیک:

حدیثی اصطلاح میں ''شاہد کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی ضعیف''،

محدثین جب کسی ضعیف حدیث کے لیے شواہد ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد دو میں سے ایک نتیجہ واضح کرنا ہوتا ہے:

اگر وہ شواہد صحیح ہوں، یا ضعیف ہوں مگر شدید ضعف سے خالی ہوں: تو ان کا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان شواہد کی بنیاد پر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ سکتی ہے۔

- اور اگر وہ شواہد شدید ضعیف ہوں: تو ان کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان شواہد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور کسی حال میں بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔

محدثین کا شواہد ذکر کرنے سے دیگر مقاصد بھی ہوتے ہیں، چاہے وہ (شواہد صحیح ہوں یا ضعیف)، لیکن ہم یہاں ان باتوں پر اکتفا کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔

✓ پس ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ: ''شاہد'' کے معاملے میں حدیثی اصطلاح اور تاریخی اصطلاح کے درمیان فرق یہ ہے:

- شاہد محدثین کی اصطلاح میں: کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی ضعیف۔
- لیکن شاہد تاریخی اصطلاح میں: صرف صحیح چیز کو ہی ''شاہد'' کہا جاتا ہے۔ اگر

وہ صحیح نہ ہوتو اسے شاہد نہیں کہا جائے گا۔

- **اصلِ صحیح کے شرائط:**

ہم تعریف سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی واقعے کو کسی متن میں اصلِ صحیح تب ہی کہا جائے گا جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں:

۱۔ واقعہ کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت ہو (محدثین کے منہج کے مطابق)۔

۲۔ وہ صحیح واقعہ، اس ضعیف متن میں اساسی واقعہ ہو۔

تاریخی متن میں جو واقعات ثانوی یا حاشیے کے طور پر آئے ہوں، وہ اصلِ صحیح نہیں کہلاتے، اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا چاہے وہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح وہ اساسی واقعات جو صحیح سند سے ثابت نہ ہوں، ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اور ضعیف تاریخی متن کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

- **اصلِ صحیح کو پہچاننے کے لیے رہنما نکات:**

اصلِ صحیح کو کسی ضعیف تاریخی متن میں پہچاننے کے لیے درج ذیل تین مراحل کا لحاظ رکھا جاتا ہے:

پہلا مرحلہ: اس ضعیف متن میں اساسی واقعات کو الگ کرنا۔

دوسرا مرحلہ: ان اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد تلاش کرنا۔

تیسرا مرحلہ: جن اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد مل جائیں، وہی ''اصولِ صحیحہ'' ہوں گے۔

مثال:

مغیرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر

معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی جبکہ وہ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کے ساتھ قیلولہ کر رہے تھے، تو وہ بیٹھ گئے، رونے لگے اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ فاختہ نے کہا: کل تک تو آپ ان پر طعن کر رہے تھے اور آج ان پر رو رہے ہیں؟! تو انہوں نے کہا: افسوس! میں اس لیے روتا ہوں کہ لوگوں نے ان کے حلم اور علم کو کھو دیا(۱۲)۔

اس روایت میں صرف ایک ہی اساسی واقعہ آیا ہے، وہ ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کے لیے رونا۔ لیکن اس کے لیے کوئی صحیح شاہد نہیں ملتا، اس لیے اس واقعے کی کوئی اصلِ صحیح نہیں۔

جبکہ اس روایت میں کچھ ثانوی واقعات بھی ہیں:

-علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا۔

-معاویہ رضی اللہ عنہ کا دوپہر کو سونا (وَهُوَ قَائِل)۔

-معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام فاختہ بنت قرظہ ہونا۔

-معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہونا (بِالْأَمْسِ تَطْعَنُ عَلَيْهِ)۔

-علی رضی اللہ عنہ کا علم اور حلم سے متصف ہونا۔

یہ ثانوی واقعات صحیح ہونے میں شبہ نہیں، لیکن یہ اساسی واقعات نہیں، اس لیے- ان کا کوئی اعتبار نہیں- اور نہ ہی یہ اصلِ صحیح کہلا سکتے ہیں۔

ایک اور مثال:

شامی خطباؤں کا ایلیاء (بیت المقدس) میں اجتماع(۱۳)۔

نصر بن مزاحم نے روایت کیا: صالح بن صدقہ، ابن اسحاق سے، وہ خالد خزاعی اور

دیگر ثقہ افراد سے، وہ ان سے جن پر کوئی تہمت نہیں، روایت کرتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کے گورنری سے معزول کرنے کا خط آیا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے یہاں تک کہ منبر پر چڑھے، پھر لوگوں میں اعلان کروایا کہ سب حاضر ہوں، لوگ مسجد میں جمع ہوئے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا، پھر فرمایا: اے اہلِ شام! تم جانتے ہو کہ میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جانشین (۱۴) ہوں، اور عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی جانشین ہوں، اور وہ مظلوم قتل کیے گئے، اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں، اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو، تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے (۱۵)۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ کہ تمہارے دلوں میں عثمان کے قتل کے بارے میں کیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: تو کعب بن مرہ سُلمی کھڑے ہوئے - اس وقت مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقریباً چار سو صحابہ موجود تھے - انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ بات جانتے ہوئے کھڑا ہوا ہوں کہ تم میں سے بعض کی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجھ سے زیادہ پرانی ہے، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک موقع پر جو بات سنی ہے، شاید تم میں سے بہت سے لوگوں نے وہ موقع نہ پایا ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوپہر کے وقت ایک سخت گرمی والے دن میں تھے، آپ نے فرمایا: ((عنقریب ایک فتنہ ظاہر ہوگا))، اتنے میں ایک نقاب پوش شخص گزرا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((یہ شخص اُس دن ہدایت پر ہوگا))۔ راوی کہتے ہیں: میں اٹھا اور

اس کے دونوں کندھوں کو پکڑا اور اس کے سر سے نقاب ہٹایا، تو وہ عثمان تھے۔ میں ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لے گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((ہاں))۔ پس اہلِ شام نے (اتفاقاً) معاویہ پر جمع ہو گئے [۱۶] اور ان سے بیعت کر لی کہ وہ عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے کے لیے امیر ہوں گے، نہ کہ خلافت کے طلبگار، اور پھر معاملہ مشورے کے سپرد ہوگا [۱۷]۔

- اب ہم پہلے مرحلے سے شروع کرتے ہیں، یعنی روایت میں موجود اساسی واقعات کا احاطہ: یہ تین ہیں:

معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ دینا۔

کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ دینا اور حدیث شریف کا ذکر کرنا۔

اہلِ شام کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا کہ وہ صرف امیر ہوں گے نہ کہ خلیفہ۔- پھر

دوسرا مرحلہ: ان اساسی واقعات کے لیے صحیح شواہد کی تلاش، تو ہمیں ان تینوں کے لیے صحیح [۱۸] شواہد مل گئے۔

تیسرا مرحلہ: یہ ثابت ہوا کہ یہ تینوں واقعات اصولِ صحیح شمار ہوتے ہیں، کیونکہ یہ تمام اساسی واقعات ہیں اور ان کے لیے صحیح شواہد موجود ہیں۔

- تاریخی روایات میں شواہد تلاش کرنے کا طریقہ:

شواہد کی تلاش اعتبار کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ علم حدیث کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہے: (روایت کے طرق کا تتبع کرنا [۱۹] اور اس کی متابعت اور شواہد تلاش کرنا)۔

اور ''اعتبار'' کی یہ طریقہ کار (تخریج)[۲۰] بھی کہلاتا ہے۔
وسیع مطالعے کے ذریعے اصل ماخذ میں مطلوبہ چیز حاصل ہوجاتی ہے۔

- وہ اقسامِ روایات جوشاہد بننے کے قابل ہوتی ہیں:

صرف دوہی قسم کی روایات شاہد بننے کے لائق ہوتی ہیں:
(۱) صحیح خبر
(۲) حسن خبر

رہی بات خبرِ مقبول کی، تو وہ بھی اس وقت تک شاہد نہیں بن سکتی جب تک وہ اپنے شواہد کی بنا پر حسن یا صحیح کے درجے تک نہ پہنچ جائے، تب ہی وہ شاہد بننے کے قابل ہوگی۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ''قرائن کے ذریعے مقبول قرار دی گئی خبر'' (یعنی وہ خبر جو اصلِ صحیح سے منسلک ہونے کی بنا پر مقبول قرار پاتی ہے) کبھی بھی حسن یا صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتی، لہٰذا وہ شاہد نہیں بن سکتی۔

- اخبارِ تاریخیہ میں ''اصلِ صحیح'' کی افادیت:

گواہی کے طور پر صرف دوہی قسم کی خبریں قابلِ قبول ہوتی ہیں، اور وہ ہیں: (خبرِ صحیح) اور (خبرِ حسن)۔

رہی خبرِ مقبول، تو وہ بھی اس وقت تک گواہی کے قابل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شواہد کی بنا پر حسن یا صحیح کے درجے تک نہ پہنچ جائے؛ تب ہی وہ گواہی کے طور پر قابلِ قبول ہوتا ہے۔

اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ ''خبرِ مقبول بالقرائن'' - یعنی وہ خبر جو ''اصل

صحیح (۲۱) کے ساتھ ملحق کیے جانے'' کے ذریعے قابلِ قبول سمجھی جاتی ہے- وہ کبھی بھی حسن یا صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتی، لہٰذا وہ گواہی کے طور پر کسی حال میں بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

● تاریخی روایات میں ''اصلِ صحیح'' کا فائدہ:

اگر ایسی روایات میں ''اصلِ صحیح'' موجود ہو جو صحت کی تمام شرائط پر پوری نہیں اترتیں، تو اس کے دو فائدے ہوتے ہیں: ایک تاریخی استدلال کے اعتبار سے، اور دوسرا تاریخی قدر و قیمت کے لحاظ سے۔

اور وہ دونوں فائدے یہ ہیں:

① یہ کہ اصلِ صحیح اس واقعے کو جس سے وہ متعلق ہو، ایک قوت عطا کرتا ہے، چنانچہ وہ پورا واقعہ ''قبولیت'' کے درجے تک بلند ہو جاتا ہے۔ (یہ تاریخی استدلال سے متعلق فائدہ ہے)۔

۲ یہ کہ وہ (اصلِ صحیح) اس صحیح واقعے کی مناسبت کو واضح کرتا ہے اور اس کو زیادہ روشن انداز میں سمجھنے کا تصور فراہم کرتا ہے۔ (یہ تاریخی قدر و قیمت سے متعلق فائدہ ہے)۔

● تاریخی متن میں ''اصلِ صحیح'' کے ذریعے جس قدر تقویت حاصل ہوتی ہے:

بیشک اصلِ صحیح (بطورِ شاہد) اس کا اثر حدیثِ نبوی اور خبرِ تاریخی میں مختلف ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث کے معاملے میں: محدثین صرف اُسی حصے کو شواہد کی بنیاد پر صحیح قرار

دیتے ہیں ''جس کے لیے بالفعل شواہد موجود ہوں''، اس کے علاوہ کسی اور حصے کو نہیں۔

رہا معاملہ تاریخی خبر کا: تو اس میں وہ پورا واقعہ تقویت پاجاتا ہے جس سے اصلِ صحیح متعلق ہو۔

نوٹ: تقویت صرف پورے واقعے کو حاصل ہوتی ہے، نہ کہ پوری کہانی یا مکمل متن کو۔

اس لیے کہ ایک خبر میں کئی واقعات شامل ہو سکتے ہیں، مگر ان میں سے صرف وہی واقعہ بلندی پاتا ہے جو شاہد (یعنی اصلِ صحیح) سے متعلق ہو۔

چنانچہ اگر ہم فرض کریں کہ ہمارے سامنے ایک تاریخی متن ہے جس میں تین واقعات شامل ہیں، لیکن اصلِ صحیح ان میں سے صرف ایک واقعے سے متعلق ہے، تو صرف دوسرا واقعہ ہی تقویت حاصل کرے گا، کیونکہ دوسرا واقعہ مکمل طور پر اصلِ صحیح سے وابستہ ہے، لہٰذا ہم اس پر (خبرِ مقبول)(۲۲) کا حکم لگائیں گے۔ رہی بات پہلے اور تیسرے واقعے کی: اگر ان دونوں میں کوئی نکارت نہ ہو تو ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے گا(۲۳) (یعنی نہ قبول، نہ رد)، اور اگر ان میں نکارت پائی جائے تو وہ دونوں ردّ(۲۴) کر دیے جائیں گے۔

اور ہم ان خبروں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بھی ذکر کریں گے جن میں درست اور غلط باتیں خلط ملط ہوگئی ہوں(۲۵)، کیونکہ ایسی روایات کو نہ تو بالکل ردّ کیا جاتا ہے، اور نہ ہی مکمل طور پر قبول، بلکہ ان کی تحقیق و تنقیح کی جاتی ہے-مگر شرائط کے ساتھ۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی تاریخی متن میں اصلِ صحیح کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اور کبھی کم۔ پس جتنا زیادہ اصلِ صحیح موجود ہوگا، اتنی ہی خبر کی قوت بڑھتی جائے گی،

یہاں تک کہ وہ خبر شواہد کی بنا پر ''مقبول'' کے درجے سے بلند ہو کر حسن بشواہد یا صحیح بشواہد کے درجے تک پہنچ جاتی ہے (۲۶)۔

● اصلِ صحیح کی ایک مثال:

ایک مثال آگے آئے گی (۲۷) جب ہم شام کے خطیبوں کے ایلیاء میں جمع ہونے کے واقعے پر گفتگو کریں گے۔

تو یہ واقعہ امام احمد اور دیگر محدثین نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: [ایلیاء میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانے میں خطباء کھڑے ہوئے، اور خطبے دیے، اور سب سے آخر میں مرّہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بات کی] مرّہ بن کعب (یا اختلاف کے مطابق: کعب بن مرّہ) نے نبی ﷺ کی عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک حدیث بیان کی۔

اس واقعے کو نصر بن مزاحم (جو کہ متروک اور متہم بالکذب ہے) نے بھی روایت کیا، مگر اس نے اپنے سیاق میں کچھ زیادتیوں کا اضافہ کر دیا، جن سے واقعے کی مناسبت، وقت اور نتائج واضح ہو گئے۔ اس نے کہا: [جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کا ان کی معزولی کا خط معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور منبر پر چڑھے۔۔۔ پھر کہا: ''اے اہلِ شام! تم جانتے ہو کہ میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوں، اور عثمان مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے، اور تم جانتے ہو کہ میں ان کا ولی ہوں۔۔۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے دلوں کی بات بتاؤ جو تمہارے اندر عثمان کے قتل کے بارے میں ہے۔'' تو کعب بن مرّہ سلمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔۔۔ (اور نبی ﷺ کی

عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث بیان کی) پھر اہلِ شام نے اتفاقِ رائے سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اوران سے عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے پر بیعت کی-اس شرط پر کہ وہ خلافت کے امیدوار نہ ہوں، اور پھر بعد کا معاملہ شوری سے طے ہوگا][۲۸]

تو نصر بن مزاحم کی روایت میں جو بنیادی واقعات بیان ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: خطباء کا قیام (یعنی ان کا اجتماع اور خطبے دینا)، اور کعب بن مرّہ رضی اللہ عنہ کا کھڑا ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرنا۔ یہ دونوں واقعات درست ہیں، اور یہ امام احمد اور دیگر محدثین کی روایات میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں۔ پھر نصر نے اپنی روایت کے سیاق میں کچھ فائدہ مند زیادتیں شامل کیں، جو درج ذیل ہیں:

① یہ وضاحت کہ یہ واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا۔

② یہ کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب علی رضی اللہ عنہ کا خط جس میں انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کیا تھا معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ چکا تھا۔

③ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف شام کے خطباء کے اس اجتماع میں شرکت کی بلکہ نصر بن مزاحم کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجتماع خود معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلایا گیا تھا۔

④ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اس اجتماع میں سب سے پہلے خطبہ دینے والے تھے۔

⑤ نصر بن مزاحم کی روایت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اس اجتماع کے نتیجے میں

اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے پر بیعت کی بطور امیر، نہ کہ خلافت کے امیدوار کے طور پر، اور یہ طے ہوا کہ آئندہ کا معاملہ شوریٰ کے ذریعے طے کیا جائے گا۔

پس نصر بن مزاحم کی روایت میں اصلِ صحیح اس قدر کثرت سے موجود ہے کہ اس نے اکثر واقعاتی مواد کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، اسی لیے یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ ''صحیح بشواہد'' کے درجے تک بلند ہو جاتی ہے۔

اور ایک دوسری مثال یہ ہے: جو روایت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اہلِ عراق سے فرمایا: (اہلِ شام کو گالی نہ دو، کیونکہ ان میں ابدال (اللہ کے خاص بندے) ہیں، ہاں ان کے ظالموں کو گالی دو(۲۹))، اس پر نصر بن مزاحم نے بھی ایک قول روایت کیا (۳۰)، جس میں علی رضی اللہ عنہ کا مفہوم تفصیل سے واضح کیا گیا ہے، اور اس کی مناسبت بھی ذکر کی گئی ہے جو ان کے مقصود کو واضح کرتی ہے۔ چونکہ اس روایت میں اصلِ صحیح تھوڑا ہے، لہٰذا یہ خبر ''مقبول'' کے درجے پر ہے، اور اسی تھوڑی سی صحیح بنیاد کے سبب پوری روایت تقویت پا گئی۔

● اصلِ صحیح سے ملحق:

اصلِ صحیح سے ملحق تین قسم کی تاریخی خبریں ہیں:

(۱) وہ واقعات جن کے وجود پر مؤرخین کا اتفاق ہو، یعنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی سرخیاں (عناوین)۔

جیسے کہ: صفّین کی جنگ، نہروان کی جنگ، مصر کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر آنا، حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہونا، امیر المؤمنین عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُمِّ کلثوم سے نکاح، عبداللہ بن سبا کا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو، فتنے میں ابنِ سبا کا کردار، اور علی رضی اللہ عنہ کا سبئیہ کو جلانا۔

اور بعض تاریخی واقعات کا اصل وجود تواتر کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، جیسے کہ: صفّین اور نہروان کی جنگ، حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت، اور حجاج بن یوسف ثقفی کی عراق پر ولایت۔

۲ وہ واقعات جن کا ذکر مؤرخین کی تصانیف میں کثرت سے ملتا ہے، بشرطیکہ ان میں نکارت نہ پائی جائے۔

اس کی مثال: لشکرِ خمیس (پانچ ہزار کا لشکر) کی موجودگی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا اس لشکر کی قیادت کرنا، نیز قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا صفین میں حاضر ہونا۔

اور یہ دونوں قسمیں کسی خبر کو ''قبول'' کے درجے تک نہیں پہنچاتیں، مگر صرف معتبر قرائن کی موجودگی میں۔

ان دونوں قسموں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلی قسم دوسری کے مقابلے میں ثبوت کے اعتبار سے بلند درجے کی ہے، اگرچہ مؤرخین کے نزدیک دونوں ہی ثابت شمار ہوتی ہیں۔

بعض محققین کا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس واقعے کے اصل وجود پر اتفاق نہیں، بلکہ یہ محض مستفیض ہے، یا وہ اس کے برعکس رائے رکھتے ہوں؛ تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ دونوں اقسام مؤرخین کے نزدیک ثابت شمار ہوتی ہیں، اور انہیں اصل صحیح کے ضمن میں معتبر قرائن کے ساتھ ملحق کر کے استعمال کرنا ایک ہی نتیجے تک لے جاتا

ہے۔

③ وہ خبر جس کی سند کسی ایسے چشم دید گواہ تک صحیح یا حسن ہو جو متہم نہ ہو، بشرطیکہ اس میں نکارت نہ ہو، اور وہ واقعہ-جس کی وہ تفصیلات بیان کر رہا ہو-مؤرخین کے نزدیک اس کے اصل وجود پر اتفاق ہو، یا وہ ان کے نزدیک مستفیض ہو۔

پس تیسری قسم کی خبر کے لیے چار شرائط (یا یوں کہیے "قرائن") کا پایا جانا ضروری ہے، وہ یہ ہیں:

- سند کسی چشم دید گواہ تک صحیح ہو۔
- چشم دید گواہ متہم نہ ہو۔
- وہ واقعہ-جس کی وہ تفصیلات بیان کر رہا ہو-مؤرخین کے نزدیک اپنے اصل وجود کے اعتبار سے متفق علیہ ہو، یا ان کے ہاں مستفیض ہو۔

اور تیسری قسم کی یہ خبر اکثر اوقات قرائن کی بنا پر قبول بالقرائن سے بلند ہو کر قبول بالشواہد کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، کیونکہ اس کا اصل صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(الاصل الصحیح) اور (وہ واقعات جن کے اصل وجود پر مؤرخین کے درمیان اتفاق ہے) کے درمیان فرق ثبوت کے طریقے، اور تاریخ میں عموم وخصوص کے اعتبار سے یہ ہے کہ:

اصل صحیح دو خصوصیات سے ممتاز ہوتا ہے:

① یہ خبرِ حسن یا صحیح کے ذریعے محدثین کے منہج کے مطابق ثابت ہوتی ہے۔

② یہ کسی مخصوص اور معین واقعے سے متعلق ہوتا ہے، (یعنی یہ جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں: تفصیلات بیان کرتا ہے)۔

رہی وہ حوادث جن کے اصل وجود پر مؤرخین کے درمیان اتفاق ہے، تو وہ بھی دو خصوصیات سے ممتاز ہوتی ہیں:

① حقیقت میں یہ تاریخ کے بڑے واقعات کے لیے ''عناوین'' کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے اصل وجود پر اختلاف نہیں ہوتا۔

② اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمومی نوعیت کی ہوتی ہیں، ان میں بیان کردہ جزئیات پر موقوف نہیں ہوتیں۔

اس فرق کی مثال یہ ہے: صفّین کے زمانے میں علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اہلِ شام پر سب ولعن کرنے سے منع کرنا(۳۱)۔

- پس جنگِ صفین ایک ایسا واقعہ ہے جس کے اصل وجود پر اتفاق ہے، اور یہ تاریخ کے ایک بڑے واقعے کا عنوان ہے۔

- **رہا سب ولعن سے منع کرنا:** تو یہ ''جنگِ صفین'' کی تفصیلات اور جزئیات میں سے ہے، اور اس منع کیے جانے کا ثبوت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

اصلِ صحیح کے ضمن میں شامل کی جانے والی خبر کی مثال:

ابو بکر ابن ابی خیثمہ نے روایت نقل کی: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے ابو العلاء (یعنی یریم) سے روایت کی، انہوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے، اور ہم پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا(۳۲)۔

یہ سند ابو العلاء یریم تک صحیح ہے، اور وہ ایک چشم دید گواہ ہے، مگر میں نے اس کی توثیق نہیں پائی۔

دوسرا: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا اس (جنگ) میں شریک ہونا مؤرخین کے ہاں مستفیض ہے۔

پس یہ خبر اپنی قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔

ایک اور مثال:

ایک اور خبر (۴۳) بھی ابو العلاء یریم ہی سے مروی ہے، جس میں لشکرِ خمیس کا وصف بیان ہوا ہے، اور یریم خود اس لشکر کے افراد میں سے ایک تھا۔ پس یریم تک سند صحیح ہے، اور اس لشکرِ خمیس کی قیادت قیس بن سعد کے سپرد ہونا مؤرخین کے ہاں مستفیض ہے۔

ایک اور مثال:

ابو فاختہ سعید بن علاقہ نے کہا: مجھے میرے ایک پڑوسی نے حدیث بیان کی، اس نے کہا: میں صفین کے دن ایک قیدی کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو قیدی نے کہا: مجھے صبر کے ساتھ (یعنی باندھ کر) قتل نہ کرنا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں صبر کے ساتھ قتل نہیں کروں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ کیا تم بیعت کرو گے؟ کیا تم میں کوئی خیر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے جو قیدی کو لایا تھا فرمایا: ''اس کا اسلحہ لے لو۔''(۴۴)

پس یہ سند ابو فاختہ کے پڑوسی تک صحیح ہے، اگرچہ وہ مجہول ہے، اور صفین کی جنگ کا وقوع مؤرخین کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ لیکن یہ خبر اپنی قرائن کی بنا پر مقبول بالقرائن سے بلند ہو کر مقبول بالشواہد کے درجے تک پہنچ گئی ہے؛ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ نہ قیدیوں کو قتل کرتے تھے اور نہ مقتولین کو لوٹتے تھے، لہٰذا اس

واقعے کی ایک اصل صحیح موجود ہے، اور ہم نے اس کے شواہد اپنے مقام پر ذکر کیے ہیں۔

ایک اور مثال:

علی رضی اللہ عنہ کا جریر کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا، اور اشتر (۳۵) کا اس پر اعتراض یہ واقعہ مؤرخین کے ہاں مستفیض ہے، اس میں کوئی نکارت نہیں، اور اس کے لیے کئی قرائن موجود ہیں، وہ یہ ہیں:

- علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کرتے تھے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ جریر انہی میں سے ایک ہوں۔

- اشتر ایک سخت مزاج اور تند خو (۳۶) شخص تھا۔

- جریر رضی اللہ عنہ کی یہ سفارتی کوشش کامیاب نہ ہوسکی، اور یہ بھی اُن مراسلات میں شمار ہوتی ہے جو کامیاب نہیں ہوئیں۔

- جریر رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے کے واقعے میں بعض صحیح واقعات کا ذکر بھی آیا ہے، جیسے کہ: معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ، اہلِ شام کا ان سے بیعت کرنا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کریں گے، اور قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

پس یہ خبر اس استفاضہ اور قرائن کی بنا پر ''مقبول بالقرائن'' کے درجے تک بلند ہو گئی ہے۔

اور ''اصلِ صحیح کے ضمن میں ملحق'' ہونے کی بنا پر کوئی خبر صرف ''مقبول'' کے درجے تک ہی پہنچتی ہے، اس سے کبھی بھی حسن بشواہد یا صحیح بشواہد کا درجہ حاصل نہیں ہوتا،

چاہے استفاضہ یا قرائن کتنے ہی بڑھ جائیں۔ اور وہ خبر جو اصلِ صحیح کے ضمن میں ملحق ہونے کی وجہ سے درجہ قبول کو پہنچے، اسے ''خبر مقبول بقرائنہ'' کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اس بنیاد پر: (اصلِ صحیح کے ضمن میں ملحق) خبر کی تین صفات ہوتی ہیں:

① یہ (اصلِ صحیح) کے مقابلے میں کمزور تر ہوتا ہے۔

② یہ (اصلِ صحیح) کا کام صرف اسی صورت میں انجام دیتا ہے جب معتبر قرائن موجود ہوں۔

③ خبر اس کے ذریعے صرف ''مقبول'' کے درجے تک پہنچتی ہے، حسن یا صحیح کے درجے تک کبھی نہیں پہنچتی۔

اور چونکہ یہ حسن یا صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کبھی بھی شاہد (یعنی اصلِ صحیح) نہیں بن سکتا۔

● ایک ہی خبر میں بنیادی واقعات کی کثرت اور تنوع

تاریخی متن میں کبھی کبھی متعدد بنیادی واقعات شامل ہوتے ہیں، اور یہ مختلف النوع بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے:

کہ تاریخی متن میں چار بنیادی واقعات شامل ہوں،،

پہلا واقعہ: ایک صحیح شاہد کے ذریعے ثابت ہے۔

دوسرا واقعہ: ایک حسن شاہد کے ذریعے ثابت ہے۔

تیسرا واقعہ: اصلِ صحیح کے ضمن میں ملحق کے ذریعے ثابت ہے۔

چوتھا واقعہ: اس کے لیے کوئی صحیح شاہد موجود نہیں۔

تو ہم اس پر اس کے حال کے مطابق (مقبول بشواہد، حسن بشواہد یا صحیح بشواہد) کا حکم لگائیں گے، لیکن اس حکم کے بعد ہمیں یہ تعقیب ضرور کرنی چاہیے: سوائے فلاں فلاں (واقعات) کے، کیونکہ وہ مقبول بالقرائن ہیں[۳۷]، اور سوائے فلاں فلاں (واقعات) کے، کیونکہ ان پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

کیونکہ وہ خبر جو اصلِ صحیح کے ضمن میں ملحق ہونے کی بنیاد پر درجہ حاصل کرتی ہے، وہ کبھی بھی مقبول کے مرتبے سے آگے نہیں بڑھتی۔

ایک مثال موجود ہے، اور وہ ہے قمیصِ عثمان رضی اللہ عنہ[۳۸] کا قصہ (ہلالیہ روایت کے مطابق)، اس کا کچھ حصہ صحیح بشواہد ہے، کیونکہ اس کی اصل ایک صحیح طریق سے ثابت ہے۔

تیسرا: (خبرِ مقبول) کی تعریف اصطلاحِ تاریخ میں:

- اس کی اصطلاحی نام گذاری:

محدثین کے ہاں کچھ اصطلاحات پائی جاتی ہیں جنہیں وہ احادیث کی صحت اور ضعف کے لحاظ سے استعمال کرتے ہیں، جیسے: (صحیح)، (حسن)، (ضعیف) وغیرہ، اور ان کا مفہوم معروف ہے۔ یہ حدیثی اصطلاحات علمِ تاریخ میں بھی استعمال ہوتی ہیں، اور یہ اللہ کا شکر ہے۔

لیکن تاریخی خبروں کی ایک قسم - باوجود اس کی اہمیت کے - ایسی ہے کہ مجھے (جامعات اور علمی تحقیقات میں) اس کے لیے کوئی معروف اور متفقہ اصطلاح (اکیڈمک طور پر) نہیں ملی، اور نہ ہی اس کو نمایاں کیا گیا یا اس سے معاملہ کرتے وقت

اسے الگ حیثیت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قسم پس منظر میں دب کر رہ گئی، حالانکہ وہ ایک معتبر اور قابلِ حجت قسم ہے، جیسے کہ صحیح اور حسن روایات قابلِ حجت ہوتی ہیں۔

یہی نہیں، بلکہ اہلِ علم وتحقیق (اکیڈمک دنیا) کا عمومی رویہ یہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کی خبر پر ایسا جملہ لگا دیتے ہیں جو اس کے مقام ومرتبے کے لائق نہیں، یعنی محدثین کی اصطلاح: (اس کی اسناد ضعیف ہے)۔ اور اس جملے کے ساتھ ہی وہ خبر بالکل قابلِ حجت ہونے سے ساقط کر دی جاتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ اصل کے اعتبار سے قابلِ حجت ہوتی ہے۔

اسی طرح جب محدثین کا طریقہ اور ان کی اصطلاحات تاریخی روایات پر اسی انداز میں لاگو کی جاتی ہیں، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تحقیق کے میدان میں وہ روایت درجۂ احتجاج سے ساقط ہو جاتی ہے، حالانکہ محدثین کی اصطلاحات بہت سی تاریخی روایات کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتیں۔

پس اس قسم کی روایت پر محدثین کی اصطلاح (ضعیف الاسناد) کا حکم لگانا، تاریخی واکیڈمک تحقیقات میں منہجی (اصولی) غلطی شمار ہوتا ہے، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

- کیونکہ یہ قسم تو بنیادی طور پر ہمیشہ ضعیف الاسناد ہی ہوتی ہے،

اور محدثین کا جملہ (ضعیف الاسناد[۴۰]) نہ تو اس کی درجہ بندی کو واضح کرتا ہے، نہ ہی اس کی خصوصیات یا اس میں موجود حق کو ظاہر کرتا ہے، بلکہ الٹا اس کے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسی اصطلاح تلاش کی جائے جو اس خبر کا فائدہ بھی

دے، اور اس کے تمام پہلوؤں کو واضح بھی کرے۔

- کیونکہ اس قسم کی خبر پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق حکم لگا دینا (مثلاً: ضعیف الاسناد)، تحقیق کرنے والے اور عام قاری دونوں کے نزدیک اسے پہلی نظر میں ہی نا قابلِ قبول بنا دیتا ہے، حالانکہ یہ اصطلاح اس خبر کے مزاج کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔

- جہاں تک اس روایت کے دیکھنے کے انداز کا تعلق ہے: تو یہ قسم وہ ہوتی ہے جس کا متن (مضمون) صحیح ہوتا ہے، لیکن مؤرخین اپنے فیصلوں میں متن پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے، کیونکہ وہ عموماً تخریج (یعنی روایت کو دوسری طرق سے پرکھنے) کا کام نہیں کرتے، اور یہی ایک منہجی خلل ہے۔ مؤرخین عموماً صرف ظاہری سند کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، اور ایسا وہ اپنی تخصصی حدود کے باعث کرتے ہیں، کیونکہ وہ علمِ حدیث اور اس کی فنی باریکیوں کے ماہر نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان کا حکم اس قسم کی روایت پر ادھورا اور خشک ہوتا ہے۔ جبکہ متن پر عموماً وہی لوگ نظر کرتے ہیں جو حدیث اور اس کے علوم کے ماہر ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اعتبار (دوسرے شواہد و طرق سے تقابل) کا عمل کرتے ہیں، جس سے انہیں متن کی حقیقی حیثیت، علت، شذوذ اور شواہد سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔

اور اس التباس اور خلطِ مبحث سے نکلنے، اور معاملات کو اُن کے صحیح مقام پر واپس لانے کے لیے، میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس قسم کی روایت کو نمایاں کیا جائے اور اسے ایک مخصوص اصطلاح سے ممتاز کیا جائے، یعنی اسے (علمی و جامعاتی سطح پر) [خبر مقبول] کے نام سے موسوم کیا جائے یعنی: تاریخی لحاظ سے قابلِ احتجاج خبر۔

کیونکہ یہ اصطلاح اس الجھن کو دُور کر دیتی ہے اور خبر کے درجے کو نمایاں کرتی ہے، کیوں کہ یہ حکم متن پر ہوتا ہے، نہ کہ صرف سند پر۔ اور ہم اس کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ: ''اس کی سند مقبول ہے''، بلکہ یہ کہتے ہیں: یہ خبر مقبول ہے؛ کیونکہ قبولیت کا یہ حکم تاریخی متن پر ہوتا ہے، نہ کہ سند پر۔

یوں بہت سی تاریخی روایات میں ایک بار پھر روح واپس آ جاتی ہے، جنہیں محض اس وجہ سے ساقط کر دیا گیا تھا کہ ان پر ایسے الفاظ کا اطلاق کیا گیا جو ان کے درجے کے مناسب نہ تھے یعنی محدثین کی بعض مخصوص اصطلاحات۔

اور کچھ تاریخ کے ماہرین ایسے بھی ہیں جنہیں علمِ مصطلح الحدیث سے بھی دل چسپی ہے: وہ خبرِ مقبول سے اپنی تحقیقات میں استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ کام وہ اپنی تاریخی ملکہ کے تحت کرتے ہیں، اور اس خبر کو اسی اصطلاح یعنی (خبرِ مقبول) سے موسوم نہیں کرتے، نہ ہی اس کی قواعد وضوابط کی صراحت کرتے ہیں؛ یعنی وہ اس کے لیے کوئی باقاعدہ نظریاتی بنیاد بیان نہیں کرتے سوائے اس کے کہ اتنا کہہ دیتے ہیں: اصل واقعہ ثابت ہے۔ اور جن حضرات نے اپنی تحقیقات میں اس ملکہ کو اپنایا ہے، ان میں میرے استاذ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ شامل ہیں۔

- (الخبر المقبول) سے مراد:

وہ تاریخی متن جو صحت کی تمام شرائط پر پورا نہ اُترے، لیکن اس میں کوئی ''نکارت'' (یعنی انکار یا شدید خلافِ قیاس بات) نہ ہو، اور اس کی بنیاد (اصل) کسی صحیح روایت پر ہو۔

- (الخبر المقبول) کی شرائط:

ہم اس کی تعریف سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

① محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی شرائط کا پورا نہ ہونا (یعنی: نہ وہ حدیث صحیح ہے اور نہ حسن)۔

② اس میں ''نکارت'' (یعنی قابلِ انکار یا عجیب وشاذ بات) کا نہ پایا جانا۔

③ اس کا کوئی اصلِ صحیح موجود ہونا۔

- مقبول خبر کی اقسام:

خبرِ مقبول، اس کے قبول تک پہنچنے کے ذریعے کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے:

① خبر مقبول بشواہدہ: یہ وہ خبر ہے جو اصلِ صحیح کے ذریعے بلند ہو کر قبولیت کے درجے تک پہنچی ہو، اور یہی مراد ہوتی ہے جب خبر مقبول کی اصطلاح کو مطلق طور پر استعمال کیا جائے۔

② خبر مقبول بقرائنہ: یہ وہ خبر ہے جو ''ملحق بالاصل الصحیح'' یعنی اصلِ صحیح سے منسلک روایت کے ذریعے قبولیت کے درجے تک پہنچی ہو۔

فائدہ اس تفریق کا یہ ہے کہ:

خبر مقبول بشواہدہ: وہ حسن یا صحیح کے درجے تک بھی پہنچ سکتی ہے، اور جب وہ ان میں سے کسی درجے تک پہنچ جائے تو اس وقت وہ ''اصل صحیح'' بننے کے لائق ہوتی ہے۔

رہا خبر مقبول بقرائنہ: تو وہ صرف ایک ہی درجے تک محدود رہتی ہے، یعنی ''مقبول''، اور وہ کبھی بھی اس درجے سے آگے حسن یا صحیح تک نہیں پہنچتی۔ لہٰذا، وہ کبھی بھی اصل

صحیح بننے کے قابل نہیں ہوتی۔

(الخبر المقبول) کا حکم:

ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ وہ تاریخی واقعہ جس سے اصلِ صحیح متعلق ہو، وہ خود بھی ایک وزن اور قوت حاصل کر لیتا ہے، چنانچہ پورا واقعہ اس بنیاد پر درجۂ قبول اور تاریخی استناد تک بلند ہو جاتا ہے۔

پس خبرِ مقبول: تاریخی اعتبار سے قابلِ ''حجت'' ہوتی ہے، یعنی صحیح خبر اور حسن خبر کی طرح اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ دونوں کے مقابلے میں کم درجے کی قوت رکھتی ہے۔

اور خبرِ مقبول کا حال اُن اسرائیلیات جیسا ہوتا ہے جو ہمارے شرع کے موافق ہوں (یعنی جن کی تائید ہماری شریعت کے کسی صحیح اصل سے ہو[۴۱])، تو ہم ایسی اسرائیلیات کو قبول کرتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور بعض اوقات اصلِ صحیح کم مقدار میں ہوتا ہے، تو خبر درجہ ''مقبول'' تک پہنچتی ہے، اور بعض اوقات وہ زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خبر (حسن بشواہد) یا (صحیح بشواہد) کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

اور (ملحق بالاصل الصحیح) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ قرائن کے ساتھ اصل صحیح کا کام دیتا ہے۔

اور جب کوئی محقّق کسی خبر پر (خبر مقبول) ہونے کا حکم لگائے: تو اُس پر لازم ہے کہ اصل صحیح کی وضاحت بھی کرے، تاکہ قاری یہ جان سکے کہ یہ خبر قبول کی درجے تک کیسے پہنچی ہے، اور معاملہ مبہم نہ رہ جائے؛ کیونکہ اکثر اوقات اصل صحیح پوشیدہ یا غیر واضح

ہوتا ہے۔

- (الحسن لغیرہ) اور (الخبر المقبول) کے درمیان فرق:

الاختصار (خلاصہ):

- رہی بات ارتقاء (بلندی پانے) کے طریقے کی:

حسن لغیرہ: وہ ضعیف اسناد کے ذریعے بلند ہوتا ہے، جن میں بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں۔

خبر مقبول: وہ شواہد (یعنی اصل صحیح روایات) کے ذریعے بلند ہوتی ہے، نہ کہ اسناد کے ذریعے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جائے۔

* اور جہاں تک قوت کا تعلق ہے: تو حسن لغیرہ، خبر مقبول سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

التفصیل:

حسن لغیرہ(۴۲) وہ روایت ہے جس کی اسناد ضعیف ہوتی ہیں، مگر ان میں ضعف شدید درجے کا نہیں ہوتا، جیسے راوی کا متروک یا کذاب ہونا؛ بلکہ ضعف کی وجہ راوی کا مجہول ہونا، یا اس کا سوء حفظ، یا سند کا منقطع ہونا ہوتا ہے، تو جب ایسی ضعیف اسناد ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں، تو وہ روایت حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

* **جہاں تک خبر مقبول کا تعلق ہے**: تو اس کا حال سند کے اعتبار سے تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتا:

- اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہو، جیسے راوی کا مجہول ہونا، یا اس کا حافظہ کمزور ہونا، یا کوئی اور سبب (یعنی ضعف شدید نہ ہو)، تو یہ خبر درجۂ قبول تک پہنچ سکتی ہے، لیکن یاد رہے کہ اس کا ارتقاء حسن لغیرہ کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ارتقاء کی صورت مختلف ہوتی ہے،،،

پس حسن لغیرہ ان ضعیف اسناد کے باہم تقویت پانے سے درجۂ حسن تک پہنچتی ہے جن میں بعض اسناد بعض دیگر کو مضبوط کرتی ہیں۔

رہی بات خبر مقبول کی: تو وہ شواہد (یعنی صحیح اصولوں) کے ذریعے بلند ہوتی ہے، اسناد کے ذریعے نہیں۔

- کہ اس کی سند انتہائی ضعیف ہو، جیسے کہ (اس میں کوئی متروک راوی ہو، مثلاً واقدی)، یا سند بالکل خراب ہو، جیسے کہ اس میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب ہو، جیسے ابومخنف اور نصر بن مزاحم۔ تو یہ دونوں قسمیں متابعات کے قابل نہیں ہوتیں، اس لیے حسن لغیرہ کے درجے تک متابعت کے ذریعے نہیں پہنچ سکتیں۔ ہم نے پچھلی حالت میں (یعنی جب ضعف شدید نہ ہو) اس کی ارتقاء کی صورت بیان کی ہے، اور یہ کہ شواہد کی بنیاد پر یہ کبھی کبھی حسن یا صحیح بشواہدہ کے درجے تک بھی جاسکتی ہے۔

- اگر کسی خبر کی سند ہی موجود نہ ہو، تو وہ حسن لغیرہ نہیں ہوسکتی، کیونکہ حسن لغیرہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کوئی سند موجود ہو۔

✓ جہاں تک قوت (درجہ) کا تعلق ہے: تو حسن لغیرہ، خبر مقبول سے زیادہ قوی ہوتی ہے [۴۳]۔

پس خبرِ مقبول ضعیف سے ایک درجہ بلند ہوتا ہے، اور حسن سے کمتر درجے پر ہوتا

ہے۔

اور یہ حالت بعض محدثین کے ایک اصطلاحی استعمال سے مشابہ ہے، یعنی: (اسنادہ قوی) یا (اسنادہ جید) اور یہ دونوں تعبیرات ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا سندی درجہ حسن سے اوپر ہے، لیکن ابھی صحیح کے درجے تک نہیں پہنچا۔ عام طور پر یہ اصطلاح اُس سند پر اطلاق کی جاتی ہے جس میں کوئی ایسا راوی ہو جو ''صدوق'' ہو، اور جس سے شیخین (یعنی امام بخاری و امام مسلم) یا ان میں سے کسی ایک نے روایت لی ہو۔

اور حسن لغیرہ اور خبر مقبول کے درمیان فرق کرنے میں ایک اہم فائدہ یہ ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ: حسن لغیرہ خود شاہد (یعنی اصلِ صحیح) بننے کے قابل ہوتی ہے، جبکہ خبر مقبول صرف اُسی وقت شاہد یا اصلِ صحیح بننے کے قابل ہوتی ہے، جب وہ شواہد کی بنیاد پر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جائے۔

● تاریخی خبر کا ایک ہی متن بعض اوقات کچھ حصہ قابلِ قبول ہوتا ہے، کچھ حصہ وہ ہوتا ہے جس پر سکوت اختیار کیا گیا ہو، اور کچھ حصہ مردود ہوتا ہے:

بعض اوقات خبر کا قابلِ قبول حصہ ایسے حصے کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جو محلِ سکوت ہو یا مردود ہو، یا دونوں کے ساتھ ایک ہی متن میں یا ایک ہی سیاق میں۔

ہم نے جو کچھ متنِ تاریخی کو (اصلِ صحیح سے جس قدر تقویت ملتی ہے) کے باب میں لکھا ہے، اس کی مراجعت کریں۔

❁ چوتھا: تاریخی خبریں (جن پر سکوت اختیار کیا گیا ہو)۔

● خبرِ مسکوتٍ عنہ سے مراد یہ ہے:

یہ وہ تاریخی خبر ہے جس میں صحت کی تمام شرائط پوری نہیں ہوتیں، لیکن اس میں کوئی منکر بات بھی نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح اصل معروف ہوتی ہے۔

- اس (خبرِ مسکوتٍ عنہ) کی شرائط:

ہم اس کی تعریف سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

① صحت کی شرائط پوری نہ ہونا محدثین کے منہج کے مطابق (یعنی: نہ یہ صحیح ہے اور نہ حسن)۔

② اس میں ''نکارت'' کا نہ پایا جانا۔

③ اس کی کوئی صحیح اصل دستیاب نہیں ہوتی۔

- اور اس پر مثال یہ ہے۔

بعض تاریخی خبریں جو طبری نے اپنی تاریخ میں ہارون الرشید اور دیگر کے زمانے سے روایت کی ہیں، تو وہ اپنی سند کے ضعف کے باوجود نہ منکر ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی صحیح اصل معروف ہے۔

اور اسی طرح جیسا کہ خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ میں بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں، جیسے لشکروں کے قائدین، قاضیوں، گورنروں اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کے نام (۴۴)۔

- مسکوت عنہ خبر کا حکم:

مسکوت عنہ خبر کے بارے میں نہ یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ مقبول ہے، اور نہ ہی یہ کہ وہ مردود ہے، اور اگر اسے بطورِ شہادت ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا

حال ان ''اسرائیلیات'' جیسا ہے جو نہ ہمارے شرع کے موافق ہوں نہ مخالف، تو ان کا روایت کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، کیونکہ ان میں نکارت موجود نہیں ہوتی[۴۵]۔

اور بعض مسکوت عنہ خبریں تاریخی واقعے کی تصویر کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

اور کبھی تحقیق کے بعد مسکوت عنہ خبر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، پس اگر اس کی کوئی صحیح اصل مل جائے تو وہ قبول کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، اور اگر اس میں کوئی نکارت (جیسے صحیح کے خلاف ہونا، مبالغہ آرائی یا جانب داری) پائی جائے تو اس کے رد کا حکم دیا جاتا ہے۔

✓ **اور متن کے الفاظ کی خوبصورتی اور اس کا سیاق:** اسے مقبول نہیں بناتا، جب تک کہ اس کی کوئی صحیح اصل نہ پائی جائے۔

اور خوبصورت مگر مسکوت عنہ متن کی مثال یہ ہے: علی بن ابی طالب کا یہ قول کہ: ((**اللہ کی قسم! وہی منزل جہاں سعد بن مالک**[۴۶] **اترے**، اور عبداللہ بن عمر بھی۔ اللہ کی قسم! اگر یہ (عمل) گناہ تھا تو بے شک یہ چھوٹا اور بخشا ہوا تھا، اور اگر نیکی تھی تو بے شک یہ عظیم اور قابلِ شکر ہے[۴۷]))

امام ذہبی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: (کیا ہی خوبصورت روایت ہے، اگر چہ اس کی سند منقطع نہ ہوتی![۴۸])

پس علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اللہ کی قسم مجھے اس کی کوئی صحیح اصل نہیں ملی (یعنی مجھے علی رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح سند سے ایسا کوئی قول نہیں ملا جس میں وہ ان دونوں کے کنارہ کش ہونے پر ان کی تعریف کریں، اور نہ ہی کوئی ایسا قول ملا جو اس قول سے مشابہ

ہو)، اور خبر کا یہ حصہ نکارت سے خالی ہے، لہٰذا یہ ''مسکوت عنہ'' کے درجے میں ہے۔
اور ایک اور مثال خوبصورت متن کی یہ ہے: جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے۔ (یہ واقعہ آگے آئے گا(۴۹))

● **جھوٹ بولنے کے الزام میں متہم راوی کا مسکوت عنہ خبر کو اکیلے روایت کرنا:**

بے شک جھوٹ بولنے کے الزام میں متہم راوی کا ''مسکوت عنہ'' روایت کو اکیلے بیان کرنا، اس خبر کے درجے کو گرا دیتا ہے، لہٰذا اس وقت احتیاط برتنی چاہیے، اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خبر جھوٹ ہے، مگر جب ایسی قرائن موجود ہوں جو اس کے جھوٹ ہونے کی طرف اشارہ کریں، اور ان قرائن میں سے ایک قرینہ نکارت کا پایا جانا ہے۔

پانچواں: تاریخی متون کی اقسام، از روئے حجت، رد اور سکوت:

تاریخی متون کو حجت اور رد کے اعتبار سے احادیثِ نبویہ کی طرح نہیں برتا جاتا،،،
* **پس حدیثِ نبوی قبول اور رد کے اعتبار سے** (۵۰) صرف دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے، جن کا کوئی تیسرا نہیں:

① حدیثِ مقبول: وہ حدیث جو صحت کی تمام شرائط پر پوری اُترتی ہو، اور وہ صحیح اور حسن حدیث کو شامل ہے(۵۱)۔

② حدیث مردود: وہ حدیث (جو ضعیف ہو، اپنی تمام اقسام سمیت(۵۲))، اور (موضوع) حدیث بھی اسی میں شامل ہے۔

* رہی بات تاریخی خبروں کے متون کی، تو ان کا حال پانچ اقسام سے خالی نہیں ہوتا:

پہلی قسم: صحیح متون اور یہ وہ ہیں جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پوری اُترتی ہیں۔

دوسری قسم: مقبول متون: اور یہ وہ ہیں جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اُترتے، لیکن ان میں نکارت نہیں ہوتی، اوران کی کوئی صحیح اصل موجود ہوتی ہے۔

تیسری قسم: مسکوت عنہ متون: اور یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اُترتے، ان میں نکارت بھی نہیں ہوتی، اوران کی کوئی صحیح اصل بھی معلوم نہیں ہوتی۔

چوتھی قسم: مردود متون: اور یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اُترتے، اوران میں نکارت (۵۳) پائی جاتی ہے۔

پانچویں قسم: ایسے متون جن میں درست بات کوغلطی کے ساتھ ملا دیا گیا ہواور یہ وہ متون ہوتے ہیں جن کے سیاق میں مقبول اور مردود دونوں جمع ہو گئے ہوں، یعنی دوسری اور چوتھی قسم۔

اوران متون میں کبھی مسکوت عنہ (یعنی تیسری قسم) بھی شامل ہوسکتی ہے۔

● اسی بنیاد پر، تاریخی متون حجت، رد اور سکوت کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم ہوتے ہیں:

① حجت بنائی جانے والے تاریخی متون: اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

- وہ متون جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پورے اُترتے ہیں (یعنی صحیح اور حسن روایات)۔

- مقبول روایات (۵۴)۔

② مردود تاریخی متون: اور یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اُترتے، اوران میں نکارت پائی جاتی ہے۔

③ مسکوت عنہ تاریخی متون: اور یہ وہ متون ہوتے ہیں جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اُترتے، ان میں نکارت نہیں ہوتی، اور ان کی کوئی صحیح اصل معلوم نہیں ہوتی۔

❁ چھٹا: تاریخی متون کی طاقت کے اعتبار سے درجات

محدثین کے نزدیک حدیث کی قوت کے اعتبار سے مراتب معروف ہیں، اوروہ یہ ہیں: صحیح، پھر حسن، پھر ضعیف، اوراس کے بعد موضوع۔

❁ رہی بات تاریخی روایات کی قوت کے اعتبار سے مراتب کی، تو وہ ترتیب وار پانچ درجے ہیں:

۱ صحیح (۵۵): وہ روایت ہے جسے عادل، ضابط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو، اوراس میں علّت یا شذوذ نہ ہو۔

۲ حسن (۵۶): وہ روایت ہے جسے عادل راوی نے بیان کیا ہو جس کا ضبط کچھ کمزور ہو، اور سند متصل ہو، نیز اس میں علّت اور شذوذ نہ پایا جائے۔

۳ مقبول (۵۷): وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اُترے، اور جس میں نکارت نہ ہو، اوراس کی کوئی صحیح اصل موجود ہو۔

۴ المسکوت عنہ: وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اُترتی ہو، اورجس میں نکارت نہ ہو، اورجس کی کوئی صحیح اصل معروف یا معلوم نہ ہو۔

۵ المردود: وہ روایت جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اُترتی ہو، اورجس میں نکارت

پائی جاتی ہو۔

۞ ساتواں: تاریخی تحقیق کو تحریر کرنا

تاریخی تحقیق کی تحریر دو بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے:

* **پہلا رکن:** ثابت تاریخی روایات کو جمع کرنا۔ یعنی وہ روایات جو (منہجی مقدمہ) کے مطابق صحیح ثابت ہوں۔

* **دوسرا رکن:** روایات کی تشریح کرنا، ان سے استدلال لینا، ان سے استنباط کرنا، اور تاریخی واقعات کی تفسیر وتوضیح کرنا۔

اگر تاریخی تحقیق لکھتے وقت یہ دونوں رکن فراہم ہوں، تو محقق کو: تاریخی واقعے کی مکمل تصویر (اگر ممکن ہو) حاصل ہو جاتی ہے، درست نتائج تک پہنچتا ہے، اور واقعات وحادثات کا صحیح فہم اور درست تجزیہ حاصل ہوتا ہے۔

اور ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا رکن: ثابت تاریخی روایات کو جمع کرنا۔

بلاشبہ ''جمعِ روایت'' وہ بنیادی بنیاد ہے جس پر تاریخی تحقیق کے تمام مراحل قائم ہوتے ہیں، اور اگر اسی میں خلل واقع ہو جائے تو اس سے نہ صرف منہجی غلطیاں جنم لیتی ہیں، بلکہ تاریخی واقعے کی تصویر نامکمل رہ جاتی ہے، اور نتائج یا تو ناقص، یا غلط، یا صحیح روایات سے متصادم ہو جاتے ہیں۔

اور میں نے یہ بات پائی ہے کہ مؤرخین کی اکثر غلطیاں ''روایات جمع کرنے کے مرحلے'' میں خلل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور جب تاریخی روایات کو جمع کیا جائے تو چار مرحلوں میں بتدریج یہ کام انجام دینا

لازم ہے، اور ان کا ترتیب وار لحاظ رکھنا ضروری ہے: (پہلا مرحلہ)، پھر (دوسرا مرحلہ)، پھر (تیسرا اور چوتھا مرحلہ)۔

پس اس ترتیب میں خلل واقع ہونا، ان تمام غلطیوں کا سبب بنتا ہے جن کا ہم تھوڑی دیر پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اوران مراحل کی ترتیب یوں ہے:

● **پہلا مرحلہ:** وہ مرحلہ ہے جس میں ان روایات کی تلاش کی جاتی ہے جن کی اسناد صحیح یا حسن ہوں، محدّثین کے منہج کے مطابق، اور پھر ان کا مکمل احاطہ کر کے انہیں جمع کیا جاتا ہے۔

اس مرحلے میں دو قاعدے ہیں:-

پہلا قاعدہ: ہمیشہ صحیح روایات پر اعتماد کرنا چاہیے اور انہیں ہر حال میں دوسری روایات پر مقدم رکھنا چاہیے۔

دوسرا قاعدہ: جب کسی صحیح روایت کے متن میں بظاہر نکارت نظر آئے تو اسے رد نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج کے مطابق محمول اور مؤول کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (٥٨)۔

اور جب صحیح روایات کی تلاش کی جائے تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

- محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمِ تاریخ اور علمِ حدیث کے اصولوں سے واقف ہو، یہ ایک بنیادی قاعدہ ہے ہر اُس شخص کے لیے جو تاریخی تحقیقات (٥٩) میں قدم رکھنا چاہتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی میں کمی ہو تو تحقیق شروع کرنے سے پہلے اُس کی تحصیل لازم ہے۔

- محقق کو چاہیے کہ اس مرحلے میں صحیح روایات تلاش کرنے اور انہیں جمع کرنے

میں اپنی پوری محنت صرف کرے، اور یہ کام اُس سے کافی وقت طلب کرے گا۔

- اس مرحلے میں محقق کو صحیح روایتوں کی تلاش اور ان کے جمع کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرنی چاہیے، اور یہ کام اس سے طویل وقت لے گا۔

- محقق کو چاہیے کہ وہ صرف مشہور کتابوں (جیسے صحاح ستہ اور بڑی تاریخی کتب) پر اکتفا نہ کرے، بلکہ تاریخ، حدیث، معاجم الشیوخ، تاریخِ دمشق و بغداد، بغیۃ الطلب، ابن ابی دنیا کی تصانیف، کتبِ جرح وتعدیل، علل، طبقات، انساب اور دیگر مصادر کی طرف بھی رجوع کرے(۶۰)۔

- کسی خبر پر صرف سند کو ایک نظر دیکھ کر حکم نہیں لگایا جاتا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ خبر اس سند کے ساتھ ضعیف ہو، لیکن کسی دوسرے مصدر میں صحیح سند کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ یا یہ سند بظاہر صحیح معلوم ہو، مگر اس میں کوئی پوشیدہ علت ہو جو اس کو ضعیف بنا دے، اور وہ علت صرف طرق کو جمع کرنے یا ناقدینِ حدیث کے اقوال کی طرف رجوع کرنے سے ہی واضح ہوتی ہے، یا محقق اس پر اعتبار (یعنی تخریج(۶۱)) کے ذریعے مطلع ہوسکتا ہے۔

اور علمِ حدیث کی ایک اصولی قاعدہ یہ ہے: (کسی حدیث یا خبر پر حکم لگانا اس کے اعتبار (یعنی طرق کا تتبع) سے پہلے درست نہیں ہوتا) یعنی جب تک روایت کے تمام طرق اور شواہد ومتابَعات سامنے نہ آجائیں، اس وقت تک اسے صحیح یا ضعیف کہنا قبل از وقت ہوگا۔

اور اگر محقق ''اعتبار'' کو نہیں جانتا - کیونکہ وہ حدیث اور اس کے علوم میں تخصص نہیں رکھتا - تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے سیکھے، اور اسے سیکھنا نہایت دل چسپ اور

آسان ہے [٦٢]۔

صحیح روایات کو جمع کرنے کے بعد محقق یہ محسوس کرے گا کہ ان کے درمیان تاریخی خلا موجود ہے، تو اس خلا کو- جہاں تک ممکن ہو- درج ذیل مراحل کے ذریعے پُر کیا جاتا ہے:

اور محقق کو اس مرحلے میں پوری احتیاط برتنی چاہیے، کیونکہ یہی مرحلہ تحقیق کی بنیاد اور وہ میزان ہے جس پر بعد کے تمام مراحل کو تولا جاتا ہے۔ اگر اس مرحلے میں کوتاہی ہو جائے تو وہ تاریخی تحقیق میں نقص اور ان تمام اگلے مراحل میں غلطیوں کا باعث بنتی ہے جو اس کے بعد آتے ہیں۔

- **دوسرا مرحلہ:** اگر محقق کو صحیح روایات نہ ملیں، تو وہ (مقبول مسند روایات [٦٣]) کی تلاش کی طرف منتقل ہوتا ہے، تاکہ تاریخی واقعے کی تصویر کو مکمل کیا جا سکے اور موجود خلا کو پُر کیا جا سکے۔

- **تیسرا مرحلہ:** اگر محقق کو ایسی ضعیف مسند روایات کی ضرورت پیش آئے جن میں درست اور غلط باتیں ملی جلی ہوں، تو وہ انہیں جانچنے اور ان میں داخل شدہ غیر معتبر اجزاء کو چھانٹنے کا کام انجام دے سکتا ہے، پھر جو حصہ درست ثابت ہو [٦٤]، اس سے استدلال کر سکتا ہے، لیکن یہ سب کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ ہی جائز ہے۔

✓ اور اس کے شرائط درج ذیل ہیں:

① اس مرحلے پر آنے سے پہلے پہلی دونوں مرحلوں میں بھرپور محنت اور کوشش کر چکا ہو۔

② یہ خبر بعض ایسے واقعات پر مشتمل ہو جن کی کوئی صحیح اصل موجود ہو، لیکن ان

میں نکارت شامل کر دی گئی ہو؛ تو محقق ان میں سے نکارت کو حذف کرے، پھر باقی ماندہ خبر سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کرے۔

③ خبر کی اصل اور اس کا سیاق نکارت پر مبنی نہ ہو- جیسے خالص طعن و تشہیر پر- کیونکہ ایسی خبر نہ چھانی جا سکتی ہے اور نہ ہی اسے صاف کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ سرے سے ساقط اور مردود ہوتی ہے۔ اگر محقق اسے صاف کرے یا اس کا کچھ حصہ کاٹ دے، تو یوں وہ ایک نیا واقعہ یا نیا موقف خود سے گھڑ لے گا۔

یقیناً محقق کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے خالص (نقی) متون حاصل ہوں، لیکن اس بات کی تنبیہ ضروری ہے کہ احادیثِ نبویہ کے متون، تاریخی متون کی نسبت کہیں زیادہ خالص ہوتے ہیں۔ صحیحین، سننِ اَربعہ اور دیگر کتبِ حدیث میں یہ خالص متون بہت آسانی سے اور بکثرت دستیاب ہیں۔ البتہ وہ تاریخی متون جو صحت کی شرائط پر پورے نہیں اُترتے، ان میں اکثر اوقات کچھ نکارات کی آمیزش پائی جاتی ہے اور مکمل خالص مواد کم ہی ملتا ہے؛ لہٰذا ان متون کی تہذیب و تنقیح ناگزیر ہے تاکہ ان میں جو حق موجود ہے اسے نکالا جا سکے۔

● **چوتھا مرحلہ:** اگر محقق کو ایسی خبروں کی ضرورت پیش آئے جو غیر مسند ہوں (یعنی ان کی سند معلوم نہ ہو)، اور جن کا ماخذ بھی معلوم نہ ہو[٦٥]، تو اسے اجازت ہے کہ وہ ان خبروں سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کرے۔

اور یہ مرحلہ یعنی غیر مسند خبروں کا اگر ممکن ہو تو دوسرے مرحلے کی طرح برتا جائے گا، ورنہ تیسرے مرحلے[٦٦] کی طرح۔

چونکہ ان غیر مسند خبروں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ

ہے کہ مرحلہ چہارم (غیر مسند خبریں) بعض اوقات مرحلہ سوم (ضعیف مسند خبریں) سے افضل ہوسکتی ہیں یا ان کے برابر ہوسکتی ہیں، چنانچہ ترجیح کا معیار یہ ہوگا کہ خبر نکارت سے کتنی پاک ہے اور اصل صحیح کتنا قوی ہے۔

✓ غیر مسندہ (خبروں) کے ساتھ دو مزید شرطیں شامل کی جائیں گی:

① ان خبروں پر آغاز ہی سے اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ لازم ہے کہ ان کے اصل مصادر ومراجع کی تلاش کی جائے جہاں سے انہیں نقل کیا گیا ہے، تاکہ ان خبروں اور ان کے راویوں کا حال معلوم ہوسکے۔ پس اگر وہ مصادر مل جائیں تو ان خبروں کے ساتھ اسی درجے (مرحلے) کا معاملہ کیا جائے جس سے وہ تعلق رکھتی ہوں۔

② ضروری ہے کہ ان کا ماخذ معلوم نہ ہو۔

دوسرا رکن: روایات کی شرح کرنا، ان سے استدلال لینا، ان سے نتائج اخذ کرنا اور تاریخی واقعات کی تفسیر کرنا۔

جب محقق کو ان تاریخی روایات کے ثبوت کا یقین حاصل ہو جائے جو اس نے جمع کی ہیں، تو اس کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اس بات کا بھی اطمینان کرے کہ جو معنی اور تفسیر اس نے ان روایات سے اخذ کی ہے، وہ بھی صحیح ہے۔

اور محقق پر لازم ہے کہ تاریخی روایات کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ وہ واقعات و حادثات کی درست اور صحیح تعبیر کر سکے، اور جس قدر محقق کی تاریخی روایت کو سمجھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی صلاحیت ہوگی، اسی قدر وہ استنباط اور استدلال میں ماہر ہوگا۔

اور صحیح مفہوم، فہم اور تعبیر تک پہنچنے کے لیے دو مرحلوں سے گزرنا ضروری ہوتا ہے:

پہلا مرحلہ: اجنبی الفاظ اور مبہم جملوں کی وضاحت کرنا(۶۷)۔

یقیناً، اجنبی لفظ کا معاملہ آسان ہوتا ہے؛ اس کا ابہام اس وقت دور ہوجاتا ہے جب اس کے معنی معلوم ہوجائیں، جیسے لفظ (سُرادِق) جس کا مطلب ہے: خیمہ(۶۸)۔

رہی بات مبہم جملے کی، تو وہ محقق سے توقف اور غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے۔ بعض اوقات مطبوعہ یا مخطوطہ نسخے میں تصحیف (کتابت کی غلطی) یا سَقط (کچھ الفاظ کا ساقط ہوجانا) پایا جاتا ہے، لہٰذا محقق کو چوکنا رہنا چاہیے۔ محقق اس مسئلے پر قابو پا سکتا ہے: یا تو مختلف طرق اور الفاظ کو جمع کر کے، یا کتاب کے کسی دوسرے مطبوعہ نسخے سے مراجعت کر کے، یا خود اصل مخطوطے کا مراجعہ کر کے، یا سیاق و سباق کی مدد سے عبارت کا مفہوم سمجھ کر۔

✓ تصحیف کی مثال: جُندب البَجَلی نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا:

(فَأَنْشُدُكَ اللهَ - إِنْ وُلِّيتَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِمْ - [أَنْ](۶۹) تَشُقَّ عَصَاهُمْ(۷۰))۔

یہاں لفظ "أَنْ" بعض نسخوں میں أَوْ کے ساتھ آیا ہے، جو کہ تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے۔ اس تصحیف کا انکشاف سیاق وسباق سے ہوتا ہے، کیونکہ عربی زبان میں یوں کہا جاتا ہے: أَنْشُدُكَ اللهَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا (یعنی: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم ایسا نہ کرو)، جبکہ أَنْشُدُكَ اللهَ أَوْ تَفْعَلَ كَذَا کہنا درست عربی نہیں ہے۔

جملے میں ابہام (غموض) پیدا ہونے کے اسباب:

جملے کے غموض اور اس کے مفہوم کے عدمِ فہم کے کئی اسباب ہوتے ہیں، جن میں سے سب سے مشہور درج ذیل ہیں:

* پہلا سبب: جملہ مختصر ہو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جملہ کسی طویل سیاق کے دوران

بطورِ ضمنی بیان آجاتا ہے، جس کی بنا پر وہ مبہم محسوس ہوتا ہے، لیکن وہی جملہ کسی دوسری روایت میں واضح، مفصل اور مکمل صورت میں موجود ہوتا ہے۔

✓ مثال: صفّین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (**فَمَا بَالُكَ مَعَنَا؟** (تو تم ہمارے ساتھ کیوں ہو؟) انہوں نے جواب دیا: بے شک میرے والد نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: «اپنے والد کی اطاعت کرتے رہو جب تک وہ زندہ ہیں، اور ان کی نافرمانی نہ کرنا»، لہٰذا میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں، مگر لڑائی نہیں کر رہا[۷۱])

جملہ (إِنَّ أَبِي شَكَانِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم) انتہائی اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے اور وہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعے کے ضمن میں آیا ہے، چنانچہ محقق کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے: آخر وہ کون سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے ان کے والد نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی؟

اس سوال کا جواب دیگر احادیث میں موجود ہے، اور وہ یہ کہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چونکہ عبادت کے شوقین اور اس میں بہت مجتہد تھے، یہاں تک کہ اس کا اثر ان کی ازدواجی زندگی پر پڑا، اور وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگے، چنانچہ ان کی بیوی نے ان کی شکایت ان کے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں نفل عبادت میں کمی کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کر سکیں، لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول نہ کیا، کیونکہ انہیں اپنی عبادت پر بہت اعتماد تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کے قابل سمجھتے تھے۔ تب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی[۷۲]۔

✓ ایک اور مثال: ابن ابی شیبہ نے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں معرکہ نہروان کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ اس میں ایک جملہ یوں وارد ہوا ہے: (**فَجَعَلَتْ خَيْلُ عَلِيٍّ لَا تَقُومُ لَهُمْ**(۷۳)) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گھڑسوار فوج خوارج کے سامنے جم نہ سکی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سواروں میں سستی آ گئی تھی اور وہ خوارج پر پوری شدت کے ساتھ حملہ آور نہ ہو سکے۔ یہ جملہ دو دیگر روایتوں میں پوری وضاحت کے ساتھ آیا ہے، جن میں بیان ہوا ہے کہ: (خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر ایک ہی بار زبردست حملہ کیا(۷۴)) (جس کی تاب نہ لاتے ہوئے مسلمانوں کے سوار دستے پیچھے ہٹ گئے اور دو سمتوں میں بٹ گئے: ایک جانب دائیں طرف چلا گیا اور دوسرا بائیں طرف(۷۵) اس تفرق کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیادہ فوج (رجالہ) دشمن کے سامنے بے پردہ اور کمزور ہو گئی۔

✓ تیسری مثال: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول: (یہاں تک کہ انہوں نے اسے کئی بار واپس کر دیا)۔

احمد بن حنبل نے "الفضائل" میں عوف بن ابی جَمیلہ اَعرابی سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں حسن بصری کے پاس موجود تھا، صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہو رہا تھا، تو ابن جَوشَن غطفانی نے کہا: اے ابو سعید!(۷۶) میں ابو موسیٰ (اشعری) پر اسی بات سے عیب لگاتا ہوں(۷۷) کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ یہ سن کر حسن بصری غضبناک ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے چہرے سے غصہ ظاہر ہونے لگا، پھر فرمایا: تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟ امیر المؤمنین عثمان مظلومانہ طور پر قتل کر دیے گئے، تو لوگوں نے ان میں سب سے بہتر شخص کی طرف رجوع کیا اور ان سے بیعت کر لی۔ تو

پھر کس کی پیروی کی جائے؟ یہ جملہ وہ بار بار دہراتے رہے: تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟ یہاں تک کہ کئی مرتبہ اس کو دہرایا۔ (۷۸)(۷۹)

پس یہ جملہ (حَتَّى رَدَّهَا مِرَارًا) اس خبر کے سیاق کے آخر میں عارضی طور پر آیا ہے، جہاں حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کے مفہوم کو ایک طویل واقعے سے مختصر کر کے بیان کیا ہے۔ یہ رہا وہ واقعہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فضائل الصحابہ میں محمد بن حنفیہ سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ اس دوران ایک شخص آیا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین (عثمان) قتل کر دیے گئے ہیں (۸۰)۔ پھر دوسرا شخص آیا اور کہا: ابھی ابھی امیر المؤمنین قتل ہو گئے ہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً کھڑے ہو گئے (۸۱)، تو میں نے ان کے جسم کے وسط کو پکڑ لیا کہ کہیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے (۸۲)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (چھوڑ دے! تیری ماں تجھے روئے!) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مکان پر پہنچے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا، تو دیکھا کہ وہ واقعی شہید ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اپنے گھر واپس لوٹے، اور دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔ اس کے بعد لوگ ان کے پاس آئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہو کر کہنے لگے: عثمان قتل ہو چکے ہیں اور لوگوں کو خلیفہ کی ضرورت ہے، اور ہم کسی کو بھی آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں پاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (تم مجھے نہ چاہو، میں تمہارے لیے وزیر بن کر زیادہ بہتر ہوں بنسبت اس کے کہ تمہارا امیر بنوں)۔ مگر لوگوں نے اصرار کیا اور کہا: اللہ کی قسم! ہم کسی کو بھی آپ سے زیادہ

خلافت کا اہل نہیں جانتے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اصرار ہی کرتے ہو تو جان لو کہ میری بیعت چھپ کر نہیں ہو سکتی، میں مسجد میں نکلوں گا، پھر جو چاہے مجھے بیعت کرے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں نے انہیں بیعت کر لی (۸۳)۔

چوتھی مثال: ابن ابی شیبہ نے روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں معاویہ بن ہشام نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث سنائی، انہوں نے کسی ایسے شخص سے روایت کی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں نے معاویہ سے قتال کیا تو وہ مجھ سے پہلے پانی پر قابض ہو گیا، تو میں نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا: ((انہیں پانی سے روکنے نہ دو، کیونکہ پانی سے کسی کو روکا نہیں جاتا (۸۴)))۔

③ یہ خبر اپنے مفہوم کے اعتبار سے غیر واضح ہے، لیکن اس کا مطلب ان دیگر خبروں کے ساتھ موازنہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے جو اسی موضوع پر وارد ہوئی ہیں، یعنی (صفین کے مقام پر دونوں لشکروں کے سب سے پہلے پڑاؤ کے وقت پانی پر قبضے کے لیے ہونے والی کشمکش)۔ اس کا مفہوم یہ ہے: [ایک چشم دید گواہ نے بیان کیا کہ: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے پہلے پانی پر قابض ہو گئے، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی پر تسلط حاصل کر چکے، تو انہوں نے فرمایا: (انہیں پانی سے مت روکو، کیونکہ پانی کو روکا نہیں جاتا)]

* دوسرا سبب: کلام میں کسی تقدیر کا ہونا، یا متصل و منفصل ضمیروں کا پایا جانا

ہے۔ جب محقق کسی اور روایت کی طرف رجوع کرتا ہے، تو اس سے مراد واضح ہو جاتی ہے، یا وہ پوری عبارت وہاں مفصل شکل میں ملتی ہے، تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور کلام میں جو تقدیر ہے، وہ بھی محقق کے اسلوبِ بلاغی کو سمجھنے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

اس میں ''ایجاز بالحذف'' بھی داخل ہے، جو کہ عربوں کے کلام کا ایک بلاغی اسلوب ہے، اور اس میں محذوف (لفظ یا جملہ) مقدر مانا جاتا ہے۔ پس اگر کوئی محقق کسی جملے میں بلاغی اسلوب کو سمجھنے سے قاصر ہو، تو اُسے ناگزیر طور پر عربی زبان اور اس کے علوم کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے؛ کیونکہ بعض بلاغی اسالیب ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عربی زبان اور اس کے علوم میں مہارت نہ رکھنے والوں کے لیے جملے کو مبہم بنا دیتے ہیں۔

تقدیر کی ایک مثال، جو کسی دوسری روایت یا عبارت کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہو جاتی ہے، اور جو بلاغی اسلوب کے فہم سے بھی روشن ہوتی ہے، وہ امام شعبی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: (جس نے تم سے یہ کہا کہ جنگ جمل میں اصحابِ بدر میں سے چار (۸۵) کے سوا کوئی اور شریک تھا، یا اگر وہ پانچواں (۸۶) بھی پیش کریں، تو (یاد رکھو کہ) علی اور عمار ایک طرف تھے، اور طلحہ و زبیر دوسری طرف (۸۷))

اور یہ ''ایجازِ حذف'' کی مثال ہے، جہاں محذوف چیز: شرط کا جواب ہے۔

ضمائر کی مثال: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول: ''حَتّٰی رَدَّهَا مِرَارًا''، یعنی: (یہاں مراد ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کو کئی بار لوٹایا (قبول نہ کیا)، اور اس کی وضاحت کچھ پہلے گزر چکی ہے (۸۸)۔

*** تیسری وجہ: یہ کہ جملہ عربوں میں رائج کسی ضرب المثل (محاورہ) کے طور پر**

ہو۔

جیسے ان کا یہ قول: (إِنَّ الصَّجُورَ قَدْ تَحْلُبُ العُلْبَةَ) یہ ایک ضرب المثل ہے جو ایسے آدمی پر بولا جاتا ہے جو نہایت بخیل ہو، مگر پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا جائے (۸۹)۔

* چوتھی وجہ: یہ کہ جملہ کسی چیز کا نام ہو۔

✓ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول: ''دِبِّي حَجَلْ'' یہ دراصل ایک بادیہ نشین عربوں کا کھیل ہے۔ ''حَجَل'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک پاؤں اٹھایا جائے اور دوسرے پر اچھلا جائے، اور کبھی دونوں پاؤں سے بھی یہ قفز (چھلانگ مارنا) کیا جاتا ہے، لیکن عمومی طور پر یہ اچھلنے کودنے کا نام ہے (۹۰)۔

اور محقق کے لیے ان تمام اسباب سے نکلنے میں مددگار ہے: ان کتب کی طرف رجوع کرنا جو اس پہلو سے خاص دلچسپی رکھتی ہیں، جیسے:

- جیسے لغوی معاجم، مثلاً: لسان العرب۔
- اور غریب الحدیث کی کتب، جیسے: النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔
- اور شروحِ حدیث، جیسے: فتح الباری لابن حجر، شرح النووی علی صحیح مسلم، عون المعبود للعظیم آبادی، اور حاشیہ مسند احمد للسندی۔
- اور بعض اوقات: ادب کی کتابیں بھی، جیسے (جمہرۃ الامثال از ابی ہلال عسکری)

● دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ روایات کے الفاظ کو آپس میں ملایا جائے، ایک کو دوسرے سے مکمل کیا جائے، اور ان کے درمیان ربط قائم کیا جائے۔

ہماری نظر سے (الاعتبار) گزر چکا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت کی مختلف اسناد کا پیچھا کیا جائے، اور اس کے متابعات اور شواہد کی تلاش کی جائے۔

اور گزشتہ رکن میں ہمارا الاعتبار کا استعمال اس لیے تھا تاکہ صحیح تاریخی روایات کو تلاش کیا جاسکے: اور انہیں جمع کیا جاسکے، چنانچہ اس مقام پر سارا زور ''صحیح تاریخی مواد کو جمع کرنے پر تھا''۔

تو یہاں ''رکنِ دوم'' میں سارا زور ان متون کے تقابل پر ہے جنہیں پہلے جمع کیا جا چکا ہے، اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ موازنہ کرنے، بعض سے بعض کی تکمیل کرنے اور بعض کو بعض سے مربوط کرنے پر ہے۔ پس جب محقق یہ سب کچھ کر لے تو:

- تو وہ تاریخی واقعات کے مواقع، ان کے اسباب، محرکات اور تفصیلات کو پہچان لیتا ہے۔
- اور وہ تاریخی واقعات اور حالات کی تفسیر و تجزیہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔
- اور وہ تاریخی واقعے کی اُس ''تصویر'' کو جمع کرنے کے قابل ہوجاتا ہے جو مختلف مصادر میں بکھری ہوئی ہوتی ہے۔

اور متون کے درمیان ربط قریب بھی ہوسکتا ہے اور بعید بھی۔

❁ آٹھویں قسم: ان مؤرخین کی روایتیں جو جھوٹ بولنے کے الزام میں مشہور ہیں۔

جھوٹ بولنے کے الزام میں مشہور مؤرخین کے درجے مختلف ہیں: ان میں سب سے بدترین حال ابومخنف کی روایتوں کا ہے، اس کے بعد ہشام بن محمد بن سائب کلبی، پھر نصر بن مزاحم، اور اسی طرح دیگر مؤرخین مراتب میں آتے ہیں۔

پس یہ مرویات اگر ممکن ہو تو دوسرے درجے کے مطابق برتی جائیں، ورنہ تیسرے درجے کے مطابق (۹۱)۔

یہ کہنا درست نہیں کہ ''جھوٹ کا الزام رکھنے والے اخباریوں کی تمام روایات مطلقاً مردود ہیں''، کیونکہ یہ غلو ہے۔ ان میں سے بعض لوگ تاریخ، روایات، انساب اور مقامات کے جغرافیہ کے ماہر ہوتے تھے، لیکن ان کی خواہش نفس اور بدعت نے انہیں جھوٹ اور تحریف پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا اگر ان کی روایات کو دوسرے یا تیسرے درجے کے مطابق برتا جائے تو ان کی خبروں میں جو کچھ حق موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

پس یہ مؤرخین جن پر کذب کا الزام ہے، انہیں (علم) کی طرف نسبت دی جاتی ہے، نہ کہ (صدق) کی طرف۔ اور ان کا اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ایک بڑا مکر یہ ہے کہ وہ اپنی روایتوں میں اکثر حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں تاکہ ان کی باتوں کو قبولیت حاصل ہو، کیونکہ محض جھوٹ بہت جلد ظاہر ہو جاتا ہے اور اسے قبولیت حاصل نہیں ہوتی، سوائے ابی مخنف کے، کیونکہ وہ محض جھوٹ بہت زیادہ بولتا ہے، اور وہ فتنہ کے واقعات میں سب سے بدتر شخص ہے جس نے گفتگو کی۔

اور ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کسی متہم بالکذب راوی نے ایسے شخص کی روایت تنہا بیان کی ہو جس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہو، تو یہ بات اس ''مسکوت عنہ'' (یعنی جس کے بارے میں نہ تو جرح ہے نہ تعدیل) کی روایت کے درجے کو گرا دیتی ہے۔ لہٰذا اس وقت احتیاط برتنا لازم ہے، اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ (یہ روایت جھوٹ ہے) جب تک اس پر قرائن موجود نہ ہوں۔

❁ نویں قسم: ان مؤرخین اور راویوں کی روایات جو واقعات کے عینی شاہد یا ہم عصر تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ شریفہ کی صحت کے لیے سند کا متصل ہونا ایک شرط ہے، اور محدثین سند کے اتصال کے حکم کے لیے معاصرت (یعنی راویوں کا ایک دوسرے کے ہم عصر ہونا) اور ملاقات کے امکان کی شرط لگاتے ہیں، اور یہی طریقہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اختیار کیا ہے۔ جبکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ملاقات کا ثبوت (یعنی واقعی ملاقات ہوئی ہو) کی شرط لگائی ہے۔

بہر حال، یہ شرط خاص طور پر احادیثِ نبویہ شریفہ کے لیے ہے، اور اسے تاریخی روایات پر لاگو کرنا درست نہیں، کیونکہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں: لوگوں کے اقوال و افعال وحیِ الٰہی کے مانند نہیں ہوتے۔

اور اگر یہ شرط تاریخی روایات پر لاگو کر دی جائے تو تاریخ کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے: کہ مؤرخین اور ان راویوں کی وہ روایات جو تاریخی واقعات کے ہم عصر ہوں، ان کا حکم تاریخی منہج کے مطابق متصل ہی کا ہوتا ہے، یعنی اصل یہ ہے کہ وہ متصل سمجھی جائیں، لیکن اس شرط کے ساتھ: کہ ان میں نکارت نہ ہو۔ پس اگر نکارت پائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ علت انقطاع ہے، اور ایسی صورت میں خبر ضعیف شمار ہوگی، کیونکہ اس جیسے معاملے میں انقطاع ہی سب سے نمایاں علت ہوتی ہے۔

اور یہ خبر اس وقت مزید قوی ہو جاتی ہے جب وہ واقعہ اسی شہر میں پیش آیا ہو جہاں راوی مقیم تھا، پھر اگر وہ واقعہ اُس شہر کے آس پاس کے علاقے میں ہوا ہو تو بھی یہی حکم

ہوگا، اوراسی طرح تدریجاً۔

اوراس کی مثال یہ ہے:

اس کی مثال امام عامر بن شراحیل الشعبی کی وہ روایات ہیں جواُن تاریخی واقعات کے بارے میں ہیں جن کا وہ خود ہم عصر تھے، جیسے واقعۂ جمل، صفّین، نہروان، اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت۔

پس ان (شعبی) کی ایسی روایات کا حکم متصل ہی کا ہوگا، چنانچہ جب صحت کی دیگر شرائط بھی پوری ہوں تو ہم کہیں گے: (اس کی سند تاریخی منہج (۹۲) کے مطابق صحیح اور متصل ہے)، یا (اس کی سند تاریخی منہج (۹۳) کے مطابق حسن اور متصل ہے)۔

لہٰذا یہ قید حکم کے بعد ضرور شامل کی جانی چاہیے تاکہ محدثین کے منہج کے ساتھ اشتباہ دور ہوجائے۔

عجلی نے کہا: شعبی کی مرسل روایت صحیح ہوتی ہے، وہ بمشکل ہی کوئی غیر صحیح روایت ارسال کرتے ہیں (۹۴)۔

شیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: (یہ بات ان مرسل روایات کی اپنی ذات میں قابلِ اعتبار ہونے کے لیے مفید ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کہ ان کی ہر مرسل روایت کو بغیر کسی شاہد کے صحیح قرار دے دیا جائے۔ اور بظاہر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عجلی نے شعبی کی مرسل روایات کا تتبع کیا، تو اُن میں سے اکثر کو دوسری اسناد سے صحیح پایا، پس ان کی صحت مرسل کے علاوہ کسی خارجی امر سے معلوم ہوئی۔ اسی لیے انہوں نے کہا: بمشکل ہی (یعنی: لَا یَکَادُ)، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن روایات کی صحت پر کوئی شاہد موجود نہ ہو، وہ بدستور

ضعیف ہی رہیں گی (۹۵))

یعنی شعبی روایتِ مرسلہ میں بڑی احتیاط برتنے والے تھے، اور ان کی اکثر مرسل روایات دیگر صحیح طرق سے بھی مروی ہیں، نہ کہ یہ کہ ان کی مرسل روایات اپنی ذات میں صحیح ہوتی ہیں۔

یا دوسرے لفظوں میں، شعبی کی اکثر مرسل روایات اپنی ذات میں نہیں بلکہ شواہد کی بنا پر صحیح ہوتی ہیں۔

✓ اور ایک بات کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے:

امام دارقطنی کا یہ قول: ''شعبی نے علی سے ایک لفظ (۹۶) بھی نہیں سنا (۹۷)'' اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے صرف ایک (نبوی حدیث) سنی، اور وہ رجم کی حدیث ہے جسے امام بخاری (۹۸) نے روایت کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شعبی نے علی رضی اللہ عنہ سے کئی احادیثِ نبویہ روایت کی ہیں، لیکن ان میں سے صرف ایک حدیث کو ہی انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے براہِ راست سنا تھا۔

اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے (شعبی نے) علی رضی اللہ عنہ کو کبھی سرگوشی کرتے ہوئے بھی نہیں سنا، بلکہ شعبی نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، اور دونوں کوفہ میں رہتے تھے۔ پس جب انہوں نے انہیں دیکھا تو ظاہر ہے کہ ان کی گفتگو سنی ہوگی، اور ان کی حرکات وسکنات بھی دیکھی ہوں گی۔ اس پر دلالت کرتی ہے وہ روایت جسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے: انہوں نے کہا: مجھے ابو ہریرہ صیرفی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابی

خالد(۹۹) نے خبر دی، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا:

---

(۱) یہ تین اقسام کی روایات پر مشتمل ہوتا ہے: (مقبول خبریں)، (وہ خبریں جن پر سکوت کیا گیا ہو)، (وہ خبریں جن میں حق اور باطل دونوں اکٹھے ہوں) یہ سب اپنی جگہ تفصیل سے آئیں گی، بشرطیکہ یہ بھی یاد رہے کہ جن خبروں پر سکوت کیا گیا ہے، ان میں سے بعض تاریخ کے کسی واقعے کی تصویر مکمل کرنے میں مفید ہوسکتی ہیں لیکن سب نہیں۔

(۲) (صحیح البخاری، حدیث ۳۲۷۴)

(۳) أخرجه البخاري (۴۳۲۷) من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما.

(۴) کنه شيء: یعنی اس کی اصل، حقیقت، جوہر اور انتہا۔ کہا جاتا ہے: ''اسے کنہِ معرفت سے پہچانو''، یعنی پوری معرفت، کامل حقیقت اور اس کی انتہا تک سمجھو۔ (لسان العرب ۱۳/۵۳۶، مادہ: کنہ؛ معجم اللغة العربیة المعاصرة ۳/۱۹۶۵)۔

(۵) حدیثِ منکر محدثین کی اصطلاح میں کئی اقسام رکھتی ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جو ضعیف راوی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے (جیسا کہ ابن حجر نے بیان کیا)، اور یہاں میرا مقصود محدثین کی وہ اقسام نہیں بلکہ ایک الگ بات ہے جسے میں نے بیان کیا۔

(۶) یعنی: محدثین کے منہج کے مطابق صحت کے شرائط۔

(۷) اگر تاریخی اخبار میں اقوام کے اچھے یا برے اقوال وافعال کی حکایت ہو، تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ تاریخ لوگوں کے افعال واقوال کی حکایت کرتی ہے۔ اس کی مثال: سبئیہ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو الٰہ قرار دینا۔ اس قسم کی نکارت کی ایک مثال اس کتاب میں نمبر [۴۸۴] پر آئے گی، جس میں آیا ہے: ''پس اس نے کسی ہرن یا زمین کے کیڑے کو آن لیا۔''

(۸) یہ چاروں اقسام اپنی اصل میں محدثین کے ہاں موجود ہیں، مگر مختلف اصطلاحات کے ساتھ۔ میں نے یہاں انہیں ایسے اسلوب میں ذکر کیا ہے جو مؤرخین کی زبان سے قریب ہو اور طلبہ کے لیے آسان ہو۔

(۹) یعنی: محدثین کے منہج کے مطابق۔

(۱۰) اس کی ایک مثال ہے: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول: ''حکمان ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص تھے، ان میں سے ایک دنیا چاہتا تھا اور دوسرا آخرت۔'' یہ قول [۴۱۶] پر تخریج وشرح کے ساتھ آئے گا، اور اس کے لیے مستقل بحث رکھی گئی ہے۔

(۱۱) مجھے صحیح خبر کی ایک مثال یاد آتی ہے جس کے ظاہر میں مجازفت کا گمان ہوتا ہے، وہ ہے خالد بن ولید المخزومی رضی اللہ عنہ کا زہر پینا جب انہوں نے عراق میں حیرہ فتح کیا۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' [(۵/۴۰)، طبعہ: الخانجی] میں روایت کیا: عبد اللہ بن الزبیر الحُمیدی نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی، وہ اسماعیل بن ابی خالد سے، وہ قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں: میں نے خالد بن ولید کو دیکھا کہ ان کے پاس زہر لایا گیا، انہوں نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''زہر۔'' تو انہوں نے کہا: ''بسم اللہ'' اور اسے پی لیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ عبد اللہ بن الزبیر نے کہا: یہ حیرہ میں ہوا۔

اس کی سند صحیح ہے، بخاری کی شرط پر ہے، اس کے راوی ثقہ اور شیخین کے رجال میں سے ہیں۔ ابن حجر نے اس واقعے کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: ''ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا کہ جب خالد بن ولید حیرہ میں داخل ہوئے تو انہیں کہا گیا: زہر سے بچو، کہیں عجمی تمہیں پلا نہ دیں۔ تو انہوں نے کہا: 'زہر لاؤ'، وہ لایا گیا، تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اسے لیا اور کہا: 'بسم اللہ'، پھر اسے نگل گئے، اور وہ انہیں کوئی نقصان نہ دے سکا۔ پس مصنف (ابن حجر) کا اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ اس سے محفوظ رہنا خالد بن ولید کے لیے کرامت کے طور پر واقع ہوا، لہٰذا اس کی اقتداء نہ کی جائے تاکہ یہ کسی کے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا سبب نہ بنے۔۔۔ اور غالباً خالد کے پاس اس بارے میں کوئی عہد تھا جس پر وہ عمل کر رہے تھے۔'' (فتح الباری: ۱۰/۲۴۸)۔

☆ یعنی: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی ایسا عہد کہ اہلِ حیرہ اسے زہر پلائیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ''بسم اللہ'' کہہ کر اسے پی لیں، تو وہ ان کو نقصان نہ دے گا۔
اور ''وَاقْتَحَمَ ؒ'' کا مطلب ہے: بغیر سوچے سمجھے خود کو اس چیز میں ڈال دینا، یعنی انہوں نے زہر پی لیا اور بغیر کسی توقف یا تردد کے جلدی سے پی لیا۔
☆ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زہر پینے کے واقعے کی تخریج:
اسے احمد نے فضائل الصحابہ (۱۴۸۱) میں سفیان کے طریق سے روایت کیا، اور اس کا الفاظ ہیں: خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: (غزوہ مؤتہ کے دن میری تلوار کے نو قبضے ٹوٹ گئے، اور میرے ہاتھ میں صرف ایک یمانی صَفیحہ رہ گیا)، اور انہیں زہر دیا گیا، تو انہوں نے کہا: ''یہ کیا ہے؟''لوگوں نے کہا: (زہر، تو انہوں نے کہا: بسم اللہ) اور اسے پی لیا۔
اور اسے بخاری (۴۰۱۷) نے بھی سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے، مگر زہر کا ذکر نہیں کیا۔
(انْدَقَّتْ): ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹ گئیں۔
(صَفِيحَةٌ يَمَانِيَةٌ): یمن کی ساخت کی ایک چوڑی دھار والی تلوار۔
اور ''نصلِ سیف'' کا مطلب ہے: اس کی دھار یا لوہا۔
یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ (مؤتہ کے ذکر کے ساتھ، بغیر زہر کے ذکر کے) ابن المبارک کی الجہاد (۲۱۸)، فضائل الصحابہ لاحمد (۱۴۷۵)، مسند ابی یعلیٰ (۷۱۸۷)، المعجم الکبیر (۳۸۰۲)، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم (۲/۹۲۷، ح۲۳۹۱) میں بھی موجود ہے، اور ان تمام میں یہی الفاظ ہیں: (میں نے خالد بن ولید کو سنا، وہ حیرہ میں لوگوں کو یہ واقعہ سنا رہے تھے۔۔۔)، یہ احمد کے الفاظ ہیں۔
زہر والے قصے کی تخریج کے لیے دیکھیے: المطالب العالیہ (۴۰۱۱)۔
(۱۲) تفصیل آگے حدیث نمبر [۵۴۲] میں آئے گی۔
(۱۳) ایلیاء: بیت المقدس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ (معجم البلدان لیاقوت الحموی ۱/۲۹۳)۔
صحیح مسلم (۱۴۶ / ۴) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((تین مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف خاص طور پر سفر نہ کیا جائے: کعبہ، میری یہ مسجد (مدینہ)، اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس))۔
(۱۴) یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کا گورنر تھے، اور ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی۔ ابن حجر نے فرمایا: [معاویہ نے اہلِ شام میں قیام کیا، وہ عثمان اور ان سے پہلے عمر کے زمانے میں شام کے گورنر تھے، تو انہوں نے عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے کی دعوت دی۔۔] (الاصابہ: ۵۶۶/۴)۔
(۱۵) [سورۃ الاسراء: ۳۳]
(۱۶) یعنی ان سب نے اس (بات) پر اتفاق کر لیا۔ ابن فارس نے کہا: أَصْفَقَ الْقَوْمُ عَلَى الْأَمْرِ، یعنی جب سب اس پر متفق ہو جائیں۔ (مقاییس اللغۃ: ۲۹۰۳، مادہ: صفق)
(۱۷) تفصیل آگے حدیث نمبر [۱۱] میں آئے گی۔
(۱۸) تفصیل آگے حدیث نمبر [۱۱] میں آئے گی۔
(۱۹) تتبع: کا مطلب ہے طرق (روایت کی سندیں) کو جمع کرنا۔
(۲۰) تخریج کی ایک مثال وہ ہے جو مسند احمد کے محققین مثلاً (شعیب الارنؤوط اور دیگر نے کی ہے)، ان کی طرز یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں، پھر راویوں کا تعارف کراتے ہیں اور ان کی حالت بیان کرتے ہیں، پھر حدیث کو تخریج کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: (اسے ابن ماجہ، ابن حبان، طبرانی کبیر، اور حاکم نے فلان بن فلان کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔۔۔) اور دیگر مصادر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ محدثین کا عمومی طریقہ ہے۔

پس تخریج وہ طریقہ ہے جو علتیں واضح کرتا ہے، حدیث کے تمام الفاظ کو جمع کرتا ہے، اور متابعت وشواہد کو معلوم کرنے میں مدد دیتا ہے۔= اور ایسے متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں تخریج (الاعتبار) کے ذریعے علل کی کشف کی گئی ہے، جیسا کہ اس کتاب میں درج ذیل مقامات پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں: [۱۹]، [۳۴]، [۳۸]، [۱۳۸]، [۱۵۰]، [۱۵۹]، [۲۴۸]، [۳۱۲]، [۳۲۰]، [۳۵۴]، [۳۵۸]، [۴۰۱]، [۴۲۱]، [۴۲۸]، [۴۹۹]، [۵۱۲]، [۵۹۶] حاشیہ [۳۵۴] میں: روایت النسائی فی السنن الکبریٰ حاشیہ [۳۵۸] میں: روایت الحاکم، معتمر کے واسطے سے، اپنے والد سے، مجاہد سے، عبداللہ بن عمرو سے حاشیہ [۵۱۲] میں: روایت ابن سعد، علی رضی اللہ عنہ سے: ''أُرِيدُ حِبَاءَهُ وَيُرِيدُ قَتْلِي۔'' جبکہ کتاب ''خطبۃ الحسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما عند البیعہ'' میں ملاحظہ کریں: [۲۰]، [۲۴]، [۳۸] تا [۴۳] اور حاشیہ [۲۳] میں: روایت الطبرانی فی الاوسط، مروان کے واسطے سے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا۔

(۲۱) اصلِ صحیح کے ساتھ ملحق کیے جانے (الملحق بالاصل الصحیح) کے بارے میں گفتگو تھوڑی دیر بعد آئے گی۔

(۲۲) (خبرِ مقبول) کی وضاحت تھوڑی دیر بعد پیش کی جائے گی۔

(۲۳) (المسکوت عنہ) کی وضاحت تھوڑی دیر بعد آئے گی۔

(۲۴) یعنی: اگر ان دونوں میں نکارت ہو تو وہ رد کر دی جائیں گی۔

(۲۵) ہم ان شرائط کا ذکر ''تاریخی روایاتِ ثابتہ کو جمع کرنے کے مراحل'' کے تیسرے مرحلہ میں کریں گے۔

(۲۶) جو کچھ ہم تھوڑی دیر بعد ''خبرِ مقبول کا حکم'' کے عنوان کے تحت ذکر کریں گے، اسے ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۷) برقم [۷] اور اس کے بعد کے نمبروں میں۔

(۲۸) انظر [۱۱]۔

(۲۹) انظر [۳۱۴]۔

(۳۰) یہ (بات) آگے نمبر [۳۱۵] پر آئے گی۔

(۳۱) دیکھیے: [۳۱۳] تا [۳۱۷]۔

(۳۲) دیکھیے: [۱۰۵]۔

(۳۳) التاریخ الکبیر از ابن ابی خیثمہ (جلد ۳، حصہ ۳، روایت نمبر ۳۷۴۸) اور آگے دیکھیے: [۱۰۵]۔

(۳۴) دیکھیے: [۳۲۲]۔

(۳۵) دیکھیے: [۲۸۷]، [۲۸۸]۔

(۳۶) زَعِرًا: یعنی درشت، بدخُلق اور تند مزاج۔ ماخذ: لسان العرب (۴ / ۳۲۳)، مادہ: زعر۔

(۳۷) اس نکتے کی وضاحت کچھ ہی دیر بعد (خبرِ مقبول کی اقسام) کے تحت آئے گی۔

(۳۸) دیکھیے: [۱۱۶]۔

(۳۹) دیکھیے: [۱۱۶]۔

(۴۰) چاہے ضعف کی وجہ کچھ بھی ہو جیسے سند کا منقطع ہونا، یا راوی کا کمزور ہونا، یا تدلیس، یا تعلیق (یعنی سند یا اس کے کسی حصے کو گرا دینا)، یا دیگر علل ان میں سے کوئی بھی وجہ ہو، اس قسم کی روایت کا اسناد ظاہری طور پر ضعیف ہی نظر آئے گا۔

(۴۱) براہ کرم ہماری مقدمۂ منہجی کے آغاز میں اسرائیلیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، صفحہ ۲۰ پر، اسے ضرور ملاحظہ کریں۔

(۴۲) تیسیر مصطلح الحدیث لمحمود الطحان ص (۶۲)۔

(۴۳) تاریخی متون کی ''درجہ بندی از روئے قوت'' تھوڑی دیر بعد آئے گی۔

(۴۴) مسکوت عنہ کی مثالیں آپ کو ''صحیح وضعیف تاریخ طبری'' میں ملیں گی، نویں جلد سے لے کر تیرہویں جلد تک۔

(۴۵) اس کی تفصیل پہلے مقدمۂ منہجی کی ابتداء میں گزر چکی ہے، لہٰذا اسے ضرور دوبارہ ملاحظہ کریں۔
(۴۶) یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، ان کے لیے (یہ کلمات کہے گئے)۔
(۴۷) اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۳۱۹) میں روایت کیا ہے: "ہم سے بیان کیا حسن بن علی طُوسی نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا زبیر بن بکار نے، انہوں نے کہا: مجھ سے بیان کیا یحییٰ بن محمد بن الضحاک الحزامی نے، اپنے والد سے، وہ کہتے ہیں: علی بن ابی طالب کھڑے ہوئے۔۔۔ پھر خبر کو ذکر کیا۔" یہ سند ضعیف ہے، بلکہ منقطع بھی ہے۔ یحییٰ: ان کی کوئی ترجمہ نہیں ملی۔ اور ان کے والد کے متعلق: بخاری اور ابن ابی حاتم نے سکوت اختیار کیا ہے، جبکہ ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کریں: التاریخ الکبیر (۱/۱۱۹) الجرح والتعدیل (۷/۲۹۰) الثقات (۹/۵۹)
(۴۸) الخلفاء الراشدون للذہبی ص (۲۷٤)۔ والخبر فی تاریخ الاسلام (٤) (۲۲۰) وسیر اعلام النبلاء (۱/۱۲۰)۔
(۴۹) برقم [۵۴۲]، اور یہ صفحہ (۲۷) پر گزر چکا ہے۔
(۵۰) مزید استفادے کے لیے: تیسیر مصطلح الحدیث از محمود الطحان، صفحہ (۴۳) اور اس کے بعد کے صفحات ملاحظہ کریں۔
(۵۱) اور صحیح دو قسم کی ہوتی ہیں: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔ اسی طرح حسن بھی دو قسم کی ہوتی ہیں: حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔
(۵۲) جیسے: ضعیف، مرسل، معضل، مدلس، منکر، شاذ، مدرج، مقلوب، مضطرب، اور دیگر اقسام۔
(۵۳) اور یہ قسم ایسی ہوتی ہے جس کی کوئی صحیح اصل نہیں ہوتی، لیکن اگر اس کے بعض حصے میں کوئی صحیح اصل پائی جائے، تو وہ پانچویں قسم میں شمار ہوگا۔
(۵۴) ہم "خبرِ مقبول" کی تعریف پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور وہ یہ ہے: ایسی خبر جو صحت کی شرائط پر پوری نہ اُترتی ہو، لیکن اس میں نکارت نہ ہو، اور اس کی کوئی صحیح اصل موجود ہو۔
(۵۵) یعنی صحیح دونوں اقسام پر مشتمل ہوتا ہے: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔
(۵۶) یعنی حسن روایت کی دونوں اقسام مراد ہیں: حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔
(۵۷) یعنی مقبول روایت کی دو اقسام ہوتی ہیں: مقبول بشواہد مقبول بقرائن۔
(۵۸) دیکھیے: صفحہ (۲۴)۔
(۵۹) پس جو شخص علمِ حدیث کا ماہر ہوتا ہے، وہ تاریخی کتابوں میں سے صرف مشہور کتابوں کو جانتا ہے، اور ممکن ہے کہ اُن مشہور کتابوں کے مندرجات اور اُن کے مؤلفین کے منہج سے بھی وہ پوری طرح واقف نہ ہو، لہٰذا وہ عمومی طور پر تاریخ کی کتابوں سے صحیح طور پر معاملہ نہیں کر پاتا، اور نہ ہی تاریخی روایات سے درست انداز میں معاملہ کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ جبکہ تاریخ کا ماہر: وہ اصل ماخذ سے درج ذیل کو پہچانتا ہے:
۱- کتبِ تاریخ، جیسے: تاریخ طبری، تاریخ خلیفہ، اور دیگر۔
۲- کتبِ تراجم: جیسے طبقات ابن سعد، تاریخ بغداد، اور تاریخ دمشق، (البتہ مؤرخ کی ان دو آخری کتابوں سے استفادے کی مہارت پر تحفظ رہے گا)۔
۳- کتبِ حدیثِ نبوی شریف: جیسے صحاح ستہ، مسند احمد، معاجم طبرانی، اور مستدرک حاکم۔
۴- کتبِ آثار: جیسے مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ۔
۵- کتبِ انساب: جیسے انساب الاشراف للبلاذری، جس میں انہوں نے قبائلِ مُضَر کے انساب اور ان کے حالات وواقعات ذکر کیے ہیں۔
٦- کتبِ جرح وتعدیل: محقق (جو علمِ حدیث کا متخصص نہ ہو) عموماً تقریب التہذیب از ابن حجر پر اعتماد کرتا ہے، اور بعض اوقات الجرح والتعدیل از ابن ابی حاتم اور الثقات از ابن حبان سے بھی رجوع کرتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض رواۃ کے تراجم

تک نہیں پہنچ پاتا، خاص طور پر جب ان کے اسماء میں تصحیف واقع ہوئی ہو۔
رہی وہ گہری اور تخصصی کتب جیسے کہ الامالی، العلل، غریب الحدیث، بعض کتب جرح وتعدیل وتراجم، نیز المتفق والمفترق، المؤتلف والمختلف، الافراد، کتبِ ابنِ ابی الدنیا، اور وہ کتابیں جو اخلاق، زہد یا رقائق کے کسی خاص پہلو سے متعلق ہوں جیسے کہ الزیادات في الجود والسخاء للطبرانی، تو تاریخ کے متخصص عام طور پر انہیں اپنا مرجع نہیں بناتا کیونکہ یہ اس کے تخصص سے باہر ہوتی ہیں، حالانکہ ان میں بعض اوقات اہم تاریخی روایات بھی موجود ہوتی ہیں۔
اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ کے محقق کو ان دونوں علوم (تاریخ اور حدیث) کے اصولوں سے واقف ہونا چاہیے۔
(۶۰) اور کمپیوٹر پروگرامز نے اس کام کو آسان بنا دیا ہے، والحمدللہ۔
(۶۱) پہلے ''اعتبار'' (یعنی تخریج) کا ذکر گزر چکا ہے، اور اس سے مراد ہے: روایت کے مختلف طرق کا تتبع کرنا اور اس کی متابعات و شواہد کو تلاش کرنا۔
(۶۲) کمپیوٹر سافٹ ویئر احادیث وآثار کے تخریج کے کام میں معاونت کرتے ہیں، نیز تلاش وتحقیق میں سہولت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح انٹرنیٹ پر سرچ انجنز جیسے ''گوگل'' سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تاہم ان پر انحصار نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ صرف معاون ذرائع ہیں۔ اور اس سارے نظام کی وضاحت کے لیے تربیتی کورسز بھی دستیاب ہیں۔
(۶۳) ہم (خبرِ مقبول) کی تعریف بیان کر چکے ہیں، اور وہ یہ ہے: ایسی تاریخی خبر جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اُترتی، لیکن اس میں نکارت نہیں ہوتی، اور اس کی کوئی صحیح اصل موجود ہوتی ہے۔
(۶۴) اس مرحلے پر عمل کی کچھ تطبیقی مثالیں موجود ہیں، جن میں سب سے زیادہ واضح مثال ہے: [۲۸۷]۔ لہٰذا میری نصیحت ہے کہ تحقیق کرنے والا سب سے پہلے اسی مثال کو غور سے دیکھے، پھر اس کے بعد درج ذیل باقی مثالوں پر نظر ڈالے: [۱۱]، [۱۲]، [۱۳۳]، [۲۹۶]، [۲۹]، [۲۰۳]، [۳۳]، [۴۶۵]، [۴۹۰]، [۴۹۱]، [۵۳۱]، [۵۶۴]۔
(۶۵) یعنی: وہ خبریں جنہیں مصنفین بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے انہیں کہاں سے اخذ کیا ہے۔ ان کی مثالیں وہ غیر مسند خبریں ہیں جو مسعودی نے مروج الذہب میں، ابوحنیفہ دینوری نے الاخبار الطوال میں، بلاذری نے انساب الاشراف میں، ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں، اور سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ذکر کی ہیں- یہ سب خبریں بغیر کسی سند کے آتی ہیں۔
قاری کو کبھی کبھی ابن عبدالبر یا ابن کثیر کے ہاں لمبی غیر مسند خبریں ملتی ہیں، لیکن جب وہ تاریخ طبری کی طرف رجوع کرتا ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے وہ خبریں طبری سے لی ہیں، تو اس صورت میں ماخذ معلوم ہوتا ہے۔
یہ جاننا بھی اہم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح پر مبنی کتب میں بعض اوقات ان سے ایسی کہانیاں یا واقعات منسوب کر دیے جاتے ہیں جن میں نکارت ہوتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ ان سے ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان مصنفین کے اصل مصادر کی طرف رجوع ضروری ہے تاکہ ان کی بیان کردہ خبروں کا حال معلوم ہو سکے۔
یہ نکارتیں خصوصاً ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب میں بکثرت ہیں، پھر جو لوگ ابن عبدالبر کے بعد آئے انہوں نے انہی نکارتوں کو کبھی لفظاً اور کبھی معنیً نقل کیا، چاہے ابن عبدالبر کا حوالہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ لہٰذا محض اس بنیاد پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ ان نکارتوں کو بہت سی کتب نے ذکر کیا ہے، کیونکہ ان سب کا اصل ماخذ الاستیعاب ہی ہوتا ہے۔ ان نکارتوں کی ایک مثال ابوالغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے ترجمے میں آئے گی، جو اس کتاب میں [۳۶۵] نمبر سے پہلے مذکور ہوگی۔
(۶۶) یعنی: اگر یہ غیر مسند خبریں نکارت سے خالی ہوں اور ان کا کوئی اصل صحیح موجود ہو، تو انہیں دوسرے درجے کے طور پر برتا جائے گا، اور ان سے تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے کے لیے استدلال کیا جائے گا۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی: [۳۲۷]، [۳۱۶]، [۳۱۷]۔

اور اگر ان میں نکارت پائی جاتی ہو، لیکن بعض الفاظ یا اجزاء کا کوئی اصل صحیح موجود ہو، تو انہیں تیسرے درجے کے طور پر برتا جائے گا۔ اس صورت میں محقق کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس خبر کی نکارت کو چھانٹ کر الگ کر دے اور باقی صحیح حصہ سے استدلال کرے۔ اس کی مثال آگے آئے گی، یعنی ابن کثیر کی روایت: [۳۳۳]۔

(۶۷) ''مفردہ'' سے مراد ایک واحد کلمہ (لفظ) ہے، اور ''جملہ'' اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جو کئی الفاظ پر مشتمل ہو۔

(۶۸) تاج العروس، جلد ۲۵، صفحہ ۴۴۱، مادہ: سردق؛ جلد ۳، صفحہ ۲۴۷، مادہ: ضرب۔

(۶۹) مطبوعہ نسخے میں ''أوْ'' درج ہے، جو کہ تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے اور اس کا مفہوم درست نہیں بنتا۔

(۷۰) دیکھئے: [۲۰۵]۔

(۷۱) دیکھیے: [۳۷۵]۔

(۷۲) دیکھیے: [۱۴۵]، [۱۴۶]، [۱۵۰]۔۔

(۷۳) دیکھیے: [۳۹۶]۔

(۷۴) دیکھیے: [۳۹۷]۔

(۷۵) دیکھیے: [۳۹۸]۔

(۷۶) أبُوسَعِید سے مراد حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔

(۷۷) أَزْرَى بِفُلَانٍ يُزْرِي بِهِ إِزْرَاءً یعنی: اُس پر عیب لگایا اور ملامت کی۔ (لسان العرب، جلد ۱۴، صفحہ ۳۵۶، مادہ: زري)

(۷۸) (حَتّٰى رَدَّهَا مِرَارًا) یعنی: علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کو کئی مرتبہ لوٹا دیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ: لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے اور بعد میں آئے تاکہ ان سے خلافت پر بیعت کریں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کو بار بار رد کر دیا۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے اصرار کیا، تو آپ نے ان کی بیعت قبول فرمالی۔

(۷۹) فضائل الصحابہ (۹۷۶)، اس کی سند صحیح ہے۔ اور اس کی مزید تفصیل آگے نمبر [۴۱۷] پر آئے گی۔

(۸۰) یعنی ان (فتنہ پروروں) کا مطلب یہ تھا کہ وہ عنقریب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ضرور قتل کر دیں گے، لہٰذا (اے علی!) ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ابھی سے آپ کی بیعت کر لیں، تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں کوئی خلا یا فتنہ پیدا نہ ہو۔

(۸۱) یعنی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس یکے بعد دیگرے آتے رہے اور انہیں بیعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت محصور تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بیعت قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگ مسلسل اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے تنگ آ گئے، تو اپنی جگہ سے اٹھے، اپنے گھر چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا تاکہ لوگ انہیں نہ پا سکیں۔

(۸۲) یعنی محمد بن حنفیہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر ان کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے بیعت قبول کر لی، تو کہیں ان کے ساتھ بھی وہی کچھ نہ ہو جائے جو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔

(۸۳) کتاب فضائل الصحابہ کی حدیث نمبر (۹۶۹) کی سند صحیح ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اِسحاق بن یوسف، جو ''الازرق'' کے لقب سے معروف ہیں، وہ اس روایت کے راوی ہیں۔ اس روایت پر مزید تشریح اور تعلیق حاشیہ نمبر [۴۱۷] میں آئے گی۔

(۸۴) یہ خبر اپنے تسلسل کے ساتھ اسی موضوع سے متعلق دیگر روایات کے ساتھ آئندہ نمبر [۳۰۲] پر آئے گی۔

(۸۵) جس نے تجھ سے یہ کہا کہ جنگ جمل میں بدر کے صحابہ چار سے زیادہ شریک تھے، تو اسے جھٹلا دے۔ وضاحت ابن عبد ربہ کی روایت میں دیکھیے: [۴۲]۔

(۸۶) تقدیرِ کلام یہ ہے: ''اور اگر وہ پانچواں (صحابی) لے آئیں تو میں جھوٹا ہوں''۔ دیکھیے: [۳۷] تا [۴۰]۔

(۸۷) دیکھیے: [۴۱]۔

(۸۸) دیکھیے صفحہ:[۴۷]۔

(۸۹) دیکھیں:[۴۱۲]۔اورایک اورمثال بھی ہے، وہ وہی ہے جوعدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے توانہوں نے کہا: (لَا يَنْتَطِحُ فِي قَتْلِهِ عَنْزَانِ) یعنی: ''ان کے قتل پر دو بکریاں بھی ایک دوسرے سے نہیں ٹکرائیں گی۔'' اس مثال کی شرح کتاب ''صفین'' لابن دیزیل میں موجود ہے، جسے میں نے اپنے مجموعہ وتحقیق کے تحت نمبر [۱۵] پر درج کیا ہے۔

(۹۰) [۴۷۱] کی طرف رجوع کریں۔

(۹۱) یعنی: اگران روایات میں نکارت نہ ہواوران کی کوئی صحیح اصل موجود ہو، توانہیں پہلے رکن کے دوسرے درجے کے مطابق برتا جائے گا، اوراگرایسانہ ہوتوتیسرے درجے کے مطابق۔ دیکھیے صفحہ (۴۴)۔

(۹۲) اس کی ایک مثال آگے (نمبر:۳۰۵) پرآئے گی۔

(۹۳) اس کی ایک مثال آگے (نمبر:۳۰۶) پرآئے گی۔

(۹۴) الثقات للعجلي (۲۳۲۱)۔

(۹۵) تحریرعلوم الحدیث (۹۳۶/۲)۔

(۹۶) حَرْفاً:حَدِيثاً۔

(۹۷) یہ قول امام دارقطنی کا ہے، جیسا کہ علل الدارقطنی (جلد ۴، صفحہ ۹۷، رقم ۴۴۹) میں موجود ہے۔اس کے علاوہ دواوراقوال بھی ہیں: سماع کی مطلق نفی، اور یہ امام حاکم کا قول ہے۔جبکہ امام علائی نے مطلق طور پر سماع کو ثابت کیا ہے، اس بنیاد پر کہ بخاری نے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کیا، اوروہ حدیث الشعبی کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔امام علائی نے کہا: بخاری صرف ملاقات کے امکان پر اکتفانہیں کرتے۔دیکھیے: معرفۃ علوم الحدیث صفحہ (۱۱۱) اور جامع التحصیل صفحہ (۲۰۴)۔

(۹۸) صحیح البخاري (۶۴۲۷)۔

(۹۹) کتاب کے محقق نے کہا: اصل نسخے میں ''بن أبي سالم'' ہے، پھرمتن میں ''سالم'' کو برقراررکھا گیا: حالانکہ دونوں تصحیف (یعنی کتابت کی غلطی) ہیں، اوردرست صورت تاریخ دمشق اوردیگرمراجع تخریج سے معلوم ہوتی ہے۔

(۱۰۰) اصمعی نے کہا: ''زَغَب'' - زاء اورغین کے فتحہ کے ساتھ - باریک اورنرم بالوں کو کہتے ہیں، یعنی وہ بال جو بچے میں سب سے پہلے ظاہرہوتے ہیں، اوروہ جو بوڑھے شخص میں اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب اس کے بال نرم اورباریک ہوجاتے ہیں۔(ماخذ: البارع في اللغۃ، صفحہ ۳۶۳، مادہ: (غ، ز، ب) - یعنی صحیح ثلاثی مادہ کے تحت)۔

(۱۰۱) ابن ابی الدنیا کی کتاب مقتل علی (صفحہ ۶۹) میں مذکورروایت کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اوروہ شیخین (بخاری و مسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے ابوہریرہ الصیرفی کے، جن کا اصل نام محمد بن فراس الضبعی ہے۔ابن ابی الدنیا اورامام ذہبی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام ابوحاتم اورابن حجر نے کہا ہے: ''صدوق''، اورتحریرالتقریب میں ہے: ''بلکہ ثقہ ہیں''۔محمد بن فراس کی ترجمہ کے لیے ملاحظہ کریں: تہذیب الکمال (جلد ۲۶، صفحہ ۲۷۲)، الکاشف (راوی نمبر ۵۱۱۰)، التقریب (راوی نمبر ۶۲۱۸)۔

التخریج:

اس روایت کو: ابن عساکرنے (تاریخ دمشق جلد ۲۰، صفحہ ۴۲) میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اوراسے ابن ابی شیبہ نے (حدیث نمبر: ۲۵۵۶۲)، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی (حدیث نمبر: ۱۵۴)، طبرانی نے المعجم الکبیر (حدیث نمبر: ۱۵۷)، اورابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ (جلد ۱، صفحہ ۷۸، حدیث نمبر: ۲۹۶) اور (جلد ۱، صفحہ ۷۹، حدیث نمبر: ۳۰۳)۔

ان سب نے تین طرق سے اسماعیل کے واسطے سے، اسی کے قریب الفاظ میں روایت کیا ہے۔

''میں نے علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے خطاب کرتے دیکھا، ان کا سر اور داڑھی سفید تھی، پیٹ بڑا تھا، ان کی داڑھی دونوں کندھوں کے درمیان تک پھیلی ہوئی تھی، سر کے بال جھڑ چکے تھے، اور سر پر ہلکے ہلکے بال باقی تھے''(۱)،(۲)

---

(۱) اصمعی نے کہا: ''زَغَب'' - زاء اور غین کے فتحہ کے ساتھ - باریک اور نرم بالوں کو کہتے ہیں، یعنی وہ بال جو بچے میں سب سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں، اور وہ جو بوڑھے شخص میں اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب اس کے بال نرم اور باریک ہو جاتے ہیں۔ (ماخذ: البارع في اللغة، صفحہ ۳۶۳، مادہ: (غ، ز، ب) - یعنی صحیح ثلاثی مادہ کے تحت)

(۲) ابن ابی الدنیا کی کتاب مقتل علی (صفحہ ۶۹) میں مذکور روایت کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ شیخین (بخاری و مسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے ابو ہریرہ الصیرفی کے، جن کا اصل نام محمد بن فراس الضبعی ہے۔ ابن ابی الدنیا اور امام ذہبی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام ابو حاتم اور ابن حجر نے کہا ہے: ''صدوق''، اور تحریر التقریب میں ہے: ''بلکہ ثقہ ہیں''۔ محمد بن فراس کی ترجمہ کے لیے ملاحظہ کریں: تہذیب الکمال (جلد ۲۶، صفحہ ۲۷۲)، الکاشف (راوی نمبر ۵۱۱۰)، التقریب (راوی نمبر ۶۲۱۸)۔

تخریج:

اس روایت کو: ابن عساکر نے (تاریخ دمشق جلد ۲۰، صفحہ ۴۲) میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اسے ابن ابی شیبہ نے (حدیث نمبر: ۲۵۵۶۲)، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی (حدیث نمبر: ۱۵۴)، طبرانی نے المعجم الکبیر (حدیث نمبر: ۱۵۷)، اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابۃ (جلد ۱، صفحہ ۷۸، حدیث نمبر: ۲۹۶) اور (جلد ۱، صفحہ ۷۹، حدیث نمبر: ۳۰۳)۔

ان سب نے تین طرق سے اسماعیل کے واسطے سے، اسی کے قریب الفاظ میں روایت کیا ہے۔

اور اس بنیاد پر ضروری ہے کہ شعبی نے علی رضی اللہ عنہ سے جو احادیثِ نبویہ براہِ راست سنی ہوں، ان کا ان روایات سے فرق کیا جائے جو انہوں نے بلا سماع نقل کی ہوں۔

● رہی وہ روایات جو فتنہ کے واقعات سے متعلق ہیں اور جنہیں محمد بن سیرین اور ان کے بھائی انس بن سیرین روایت کرتے ہیں، تو وہ منقطع ہیں، کیونکہ اگرچہ انہوں نے واقعۂ جمل، صفّین اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا زمانہ پایا، لیکن اس وقت وہ دونوں چھوٹے بچے تھے۔

ابن سعد نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ خالد بن خداش نے ہمیں خبر دی، انہوں نے کہا کہ حماد بن زید نے ہمیں حدیث سنائی، جوانس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔انس بن سیرین کہتے ہیں: (محمد بن سیرین خلافتِ عثمان کے ختم ہونے سے دوسال قبل پیدا ہوئے، اور میں خود ایک سال قبل پیدا ہوا[1])۔

چنانچہ جب حسن رضی اللہ عنہ نے سنہ ۴۰ ہجری میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، تو اس وقت محمد بن سیرین کی عمر سات سال تھی، اوران کے بھائی انس کی عمر چھ سال۔

● رہے حسن بصری، تو انہوں نے ''یوم الدار'' (یعنی امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کا دن) دیکھا، اوراس وقت وہ بالغ ہو چکے تھے یا بلوغت کے قریب تھے۔فتنہ کے زمانے میں وہ برابر مدینہ نبویہ ہی میں اپنے گھر پر مقیم رہے، اوراسی بنا پر ان سے (فتنہ کے بارے میں) استشہاد کیا جاتا ہے۔

رہی ان کی (حسن بصری کی) روایات جمل اورصفّین کے بارے میں، تو ان میں اکثر اوقات نکارت پائی جاتی ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات منقطع ہوتی ہیں۔اس پر مزید یہ بھی ہے کہ وہ کثرت سے ہر ایک سے مرسل روایت کرتے تھے، جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے[2]۔اوراس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت لینے میں احتیاط نہیں کرتے تھے، ساتھ ہی وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔

---

(۱) کتاب الطبقات الکبریٰ (حدیث نمبر: ۱۹۳۷) میں یہ روایت حسن الاسناد کے ساتھ مروی ہے۔اوراس کی تخریج کتاب ''خطبہ الحسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما عندالبیعۃ'' میں آگے حدیث نمبر [۱۰] پر آئے گی۔

(۲) طبقات المدلسین (۴۰)۔

امام ذہبی نے حسن بصری کی سوانح میں کہا: (حسن بصری - باوجود اپنی جلالت و

عظمت کے- مدلس تھے، اوران کی مرسل روایات زیادہ قابلِ اعتبار نہیں، اورانہوں نے بچپن میں حدیث طلب نہیں کی تھی)(۱)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۵۹۳/۴)۔

❁ دسویں قسم: ان قدیم مؤرخین کی روایات جوانہوں نے اپنے سے پہلے مؤرخین سے معلق (یعنی بلا سند) نقل کی ہیں:

بیشک قدیم مؤرخین - جیسے عمر بن شبہ (وفات: ۲۶۲ھ)، بلاذری (وفات: ۲۷۹ھ)، اور طبری (وفات: ۳۱۰ھ) - کبھی کبھار اپنے سے پہلے مؤرخین اور مصنفات کے اصحاب سے روایات معلقاً (یعنی بلا سند) نقل کرتے ہیں،،،

ان مؤرخین میں سے جن سے قدیم مصنفین معلق روایات نقل کرتے ہیں، چند معروف نام یہ ہیں: محمد بن اسحاق بن یسار (وفات: ۱۵۰ھ)، ابومخنف (تقریباً ۱۵۵ھ)، ہشام کلبی (وفات: ۲۰۴ھ)، واقدی (وفات: ۲۰۷ھ)، اور ابوالحسن المدائنی (وفات: ۲۲۴ھ)۔ یہ وہ مصنفین ہیں جن سے بغیر سند کے روایات نقل کی جاتی ہیں، جیسا کہ عمر بن شبہ، بلاذری اور طبری جیسے متقدم مؤرخین نے کیا ہے۔

اور استقراء: (یعنی مجموعی جائزے) سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ روایات ان کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، جو ہمارے زمانے میں مفقود (یعنی نایاب یا ناپید) کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

● ان مؤرخین سے معلق روایت نقل کرنے کی اقسام:

(ا جزم کے صیغے کے ساتھ تعلیق: یعنی مؤرخ ان سے روایت کو کسی قطعیت کے ساتھ نقل کرتا ہے، جیسے: [قال'' (اس نے کہا)، حکی (بیان کیا)، روی (روایت

کیا)، ذکر (ذکرکیا)، یا فیما ذکر (جیسا کہ اُس نے ذکرکیا)۔

جیسے ان کا یہ قول: (قال محمد بن اسحاق۔۔۔)(محمد بن اسحاق نے کہا۔۔۔)۔

اوراسی طرح طبری کا یہ قول: (قال الواقدي۔۔۔) (واقدی نے کہا۔۔۔)، یا (وزعم الواقدي۔۔۔) (واقدی نے دعویٰ کیا۔۔۔[۱])، اور (قال ابو مخنف۔۔)(ابومخنف نے کہا۔۔۔)۔

اوراسی طرح بلاذری کا یہ قول: (قال الواقدی۔۔۔) (واقدی نے کہا۔۔۔)، اور(قال هشام بن الکلبی۔۔۔) (ہشام بن کلبی نے کہا۔۔۔)

(۲[صرف مصنف کا نام ذکرکر کے تعلیق کرنا]

جیسے بلاذری کا یہ قول: (المدائني، عن فلان۔۔۔) تو اس میں ''المدائني'' سے پہلے (قال) یا کوئی اورلفظ ذکرنہیں کیا گیا۔

اورخلیفہ بن خیاط کا قول: (بشر بن المفضل قال: نا۔۔۔[۲]) بھی اسی کی مثال ہے۔

---

(۱) زَعَم: (اس نے دعویٰ کیا) یہ صیغہ اگرچہ روایت کے منقطع ہونے پردلالت نہیں کرتا، لیکن طبری اسے بالعموم اعتراض یا ضعف کے اشارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ کسی روایت پر اعتماد نہیں کرتے، تو اسے ''زعم فلان'' (فلاں نے دعویٰ کیا) جیسے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

(۲) یہ آگے حدیث/نقل نمبر[۴۱] پرآئے گی۔

● بلاذری اوران کی روایت المدائنی سے:

بلاذری، مدائنی سے کبھی تحدیث (یعنی باقاعدہ سند کے ساتھ حدثنا وغیرہ کے ذریعے) اورکبھی تعلیق (یعنی بلاسند) کے انداز میں روایت کرتے ہیں۔۔۔

چنانچہ جب وہ تحدیث کے صیغے سے روایت کرتے ہیں، مثلاً: (حدّثني المدائني۔۔۔) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت مدائنی سے براہِ راست سن کر لی ہے۔

اور جب وہ تعلیق کے انداز میں روایت کرتے ہیں، مثلاً: (المدائني، عن فلان۔۔۔) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مدائنی کی کسی کتاب سے نقل کررہے ہیں، نہ کہ انہوں نے یہ بات براہِ راست سن کر لی ہو، اور نہ ہی انہیں اس روایت کی اجازت حاصل ہو۔

- **ان کی تعلیقاً روایت کردہ روایات کا حکم:**

بنیادی اصول محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ معلق احادیث (یعنی وہ احادیث جن کی سند منقطع ہو) ضعیف شمار ہوتی ہیں، کیونکہ ان کا سند کے ساتھ اتصال نہیں ہوتا[1]۔

(١) اگر وہ جزم کے صیغے سے تعلیق کریں، مثلاً: (قال)، (روی)، (حکی) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ تمریض کے صیغے (یعنی مجھول الفاعل کے ساتھ) استعمال کریں، جیسے: (رُوِيَ) (روایت کی گئی)، یُروی عن، قیل (کہا گیا)۔۔۔ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ اور بعض محدثین کا تعلیق کے بارے میں خاص منہج (طریقہ کار) ہوتا ہے، جیسے امام بخاری کا صحیح بخاری میں۔

جہاں تک قدیم مؤرخین کی ان روایات کا تعلق ہے جو انہوں نے اپنے سے پہلے مؤرخین سے معلقاً نقل کی ہیں، تو -تاریخی منہج کے لحاظ سے ان کا حکم- متصل روایت کا ہوتا ہے، کیونکہ یہ دراصل کتاب سے نقل کردہ روایت ہوتی ہے۔ -مثال کے طور پر- طبری کے پاس ابن اسحاق، واقدی، ابومخنف اور دیگر مؤرخین کی کتابیں موجود تھیں، اور اسی طرح بلاذری کے پاس مدائنی کی کتابیں موجود تھیں۔ پس اسی بنیاد پر یہ سلسلہ چلتا رہا۔

اور تاریخی منہج کے مطابق، ''کسی معلق تاریخی خبر'' کو انقطاع کی بنیاد پر معلول (یعنی ناقابلِ قبول) قرار دینا مناسب نہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ: (بلاذری نے مدائنی سے سماع کی صراحت نہیں کی)، اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ: (طبری اور واقدی کے درمیان سند منقطع ہے)؛ کیونکہ تاریخی روایات کو بیان کرنے کا طریقہ کار، حدیثِ نبوی کے بیان کے طریقے جیسا نہیں ہوتا۔

اور مصنّفین کے مآخذ (یعنی ان کے علمی مصادر) پر نظر ڈالنے سے وہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے جس کا ہم اس وقت تذکرہ کر رہے ہیں۔

اور اگر ان روایات پر ابتدا ہی سے محدثین کے اصولوں کے مطابق (انقطاع) کا حکم لگا دیا جائے، تو اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بہت سی مفید تاریخی روایات ضائع ہو جائیں، جیسا کہ وہ روایات جو بلاذری مدائنی سے معلق انداز میں نقل کرتے ہیں۔

اگر کوئی محقق سند کا مطالعہ کرنا چاہے، تو اسے چاہیے کہ وہ ''معلق روایت میں'' جس شخصیت سے نقل کی گئی ہے، اُس سے آگے کی سند کا جائزہ لے، مثلاً اگر کہا جائے: (**المدائنی عن ابو مخنف، عن۔۔۔**) تو محقق کو چاہیے کہ وہ المدائنی اور اس کے شیوخ (اساتذہ) کی جانچ کرے۔ لیکن یہ کہنا کہ ''مصنف (جیسے بلاذری) اور المدائنی کے درمیان انقطاع ہے'' یہ طریقہ تاریخی منہج کے لائق نہیں، اگرچہ یہ بات علمِ حدیث کے اصولوں کے لحاظ سے درست اور موزوں ہے۔

اور اگر کوئی راوی یا روایت کو ضعیف قرار دینا چاہے، تو اُسے چاہیے کہ کمزوری کی علت واضح طور پر بیان کرے، لیکن صرف اس بنا پر کہ روایت معلق ہے، اسے تنقید کا نشانہ نہ بنائے؛ کیونکہ محض تعلیق بذاتِ خود، تاریخی منہج کے مطابق کوئی قادح (یعنی

مضر) علت نہیں مانی جاتی۔

اور اگر متن میں نکارت (یعنی مضمون میں خلافِ معروف یا غیر قابلِ قبول بات) موجود ہو، اور سند میں کوئی اور علت (کمزوری) نہ ملے سوائے تعلیق کے، تو ایسی صورت میں تعلیق کو علت (یعنی ضعف کی وجہ) قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن یہ اصل (اصولِ حدیث) کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہوگا۔ البتہ مصنف کہتا ہے: مجھے اس حالت کی کوئی مثال نہیں ملی۔

پس مقصود یہ ہے کہ اس تاریخی خبر کو جو نکارت سے خالی ہو، زندہ کیا جائے (۱)، یعنی جہاں تک ممکن ہو، اسے پھر سے قابلِ توجہ بنایا جائے۔ اور اسے ضعف کے دائرے سے نکال کر محفوظ کیا جائے، کیونکہ تاریخ ایسی اسناد کے ساتھ روایت کی جاتی ہے جو حدیثِ شریف کی اسناد کے مقابلے میں کمزور درجے کی ہوتی ہیں۔

---

(۱) نَعَشَ فلاناً ينعشه نعشاً: کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو فقر و محتاجی کے بعد سنبھالا، یا کسی ہلاکت و بربادی سے بچایا، یا کسی کو ذلت و پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے گیا۔ اس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی کمزور یا مردود چیز کو دوبارہ زندگی دی جائے یا قابلِ قدر بنایا جائے۔ (ماخذ: تاج العروس، جلد ۱۷، صفحہ ۴۱۷، مادہ: ن ع ش)۔

● ملاحظات (وہ باتیں جن پر غور کرنا چاہیے)

اس قاعدے کا اطلاق، جو ہم نے تاریخی معلق روایات کے بارے میں بیان کیا ہے، صرف قدیم مؤلفین پر ہوتا ہے۔ جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے، جیسے ابن عبدالبرّ (۴۶۳ھ)، ابن الاثیر (۶۳۰ھ)، امام ذہبی (۷۴۸ھ) اور ان کے ہم عصر دیگر اہلِ علم، تو یہ قاعدہ ان پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متاخرین مؤلفین جب کسی تاریخی خبر کو معلق انداز میں نقل کرتے ہیں تو وہ عمداً اس کے اسانید کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں؛ یا تو پورا سندی سلسلہ نکال دیتے ہیں، یا ابتدا کے کچھ حصے حذف

کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان میں سے کوئی دوسرے متاخر مؤلف سے کوئی بات نصاً یا بالمعنی نقل کرتا ہے، بغیر اس کی نسبت کے۔ حالانکہ ان متاخرین کے پاس ان قدیم کتب کے نسخے سننے یا حاصل کرنے کی اسناد موجود ہوتی تھیں۔ مگر بعض وجوہات کی بنا پر وہ براہِ راست ان کتب سے نقل نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے متاخر سے نقل کر لیتے ہیں، اور مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دوسرا متاخر مؤلف خود اس روایت کو نصاً نقل نہیں کرتا بلکہ اختصار یا بالمعنی نقل کرتا ہے۔ پھر جب بعد کا کوئی مؤلف اسی مختصر یا تصرف شدہ روایت کو نقل کرتا ہے تو اسے اصل قدیم مؤلف کی طرف منسوب کر دیتا ہے، نہ کہ اس متاخر کی طرف جس سے وہ براہِ راست لی گئی تھی۔ جیسے کوئی کہے: ''اور یہ روایت یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں نکالی۔۔۔'' حالانکہ وہ روایت یعقوب بن سفیان کی تاریخ سے نہیں، بلکہ کسی چھٹی صدی ہجری کے مؤلف کے ذریعے نقل کی گئی ہوتی ہے!! اور اس طرح کا اختصار یا سیاق میں تصرف بعض اوقات ایک ناکافی یا مبہم تاریخی تصویر دینے کا باعث بن جاتا ہے۔

اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تعلیق کے بعد جو اسناد ذکر کی گئی ہو اس کے تمام راوی ثقہ ہوں، لیکن جب ہم اس کا اصل ماخذ تلاش کریں تو ممکن ہے کہ سند کے ابتدائی حصے میں کوئی ضعیف راوی یا ایک سے زیادہ ضعیف راوی موجود ہوں، جنہیں مؤرخِ متاخر نے حذف کر دیا ہو۔

اور یہاں ہماری مراد ''اسناد کی ابتدا عن'' کے ساتھ ہونے سے نہیں ہے، جیسے کہ قدیم مؤلفین کہتے ہیں: (عن محمد بن إسحاق قال۔۔۔)، اور نہ ہی ہماری مراد ''تحدیث کی ابتداء تمریض کے صیغے سے ہے'' (یعنی مجہول صیغہ)، جیسے کہ قدیم

مؤرخین کہتے ہیں: (حدثت عن شعبة۔۔۔) یا (قِيلَ)، یا (فيما قِيلَ) یا (فيما ذُكِرَ)۔ پس یہ دونوں صیغے یعنی عن کے ساتھ روایت (عنعنہ) اور مجہول صیغہ (تمریض) اتصال (یعنی سند کے متصل ہونے) کے حکم میں داخل نہیں ہوتے۔

اور صیغۂ تمریض (یعنی مجہول اندازِ بیان) بعض اوقات انقطاعِ سند کے بیان کے لیے نہیں بلکہ قول کی کمزوری یا اس کے غلط ہونے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ طبری نے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح (ہُدنہ) کے بارے میں بیان کرتے ہوئے (فِيمَا ذُكِرَ) کے الفاظ استعمال کیے، جس سے مراد یہی ہے کہ یہ بات ضعیف یا مشکوک ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی (۱)، ان شاء اللہ۔

---

(۱) دیکھیے حوالہ [۴۵۲] اور اس کے بعد والا تعلیق۔ طبری کا مقصود یہاں قول کی کمزوری کو بیان کرنا ہے، نہ کہ سند کی کمزوری کو۔ لہٰذا اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

✓ اگر متاخرین - جیسے امام ذہبی، ابن کثیر، ابن حجر اور دیگر - کسی قدیم "کتاب" کی طرف نسبت کریں اور اس کے مصنف کی سند مکمل طور پر بیان کریں، تو یہ تعلیق (معلق روایت) نہیں کہلاتی، بلکہ یہ مکمل متصل روایت ہوتی ہے۔ ایسی روایت قابلِ حجت ہے، بشرطیکہ وہ صحت کے تمام شرائط پر پوری اُترتی ہو۔ تاہم، اگر وہ ماخذ نایاب یا مفقود نہ ہو، تو اصل مصدر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مثال: کے طور پر اگر کوئی متأخر مؤلف یوں کہے: (یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں روایت بیان کی۔۔۔) یا (یعقوب بن شیبہ نے اپنے مسند میں روایت ذکر کی۔۔۔) یا (ابن ابی شیبہ نے اپنے مسند میں روایت نقل کی۔۔۔) اور اس کے بعد مصنف (یعنی اصل کتاب کے مؤلف) کی مکمل سند بھی بیان کر دے، تو یہ روایت معلق نہیں کہلائے گی، بلکہ متصل شمار ہوگی۔ لیکن اگر وہ کسی قدیم کتاب کی طرف نسبت

کرے مگر اسناد کو مکمل یا جزوی طور پر حذف کر دے، تو یہ صورت تعلیق کہلائے گی بعینہٖ، اور یہ متصل روایت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی۔

مثال: کے طور پر اگر کوئی متاخر مؤلف یوں کہے: (یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں شُعبہ کے طریق سے روایت بیان کی: عن۔۔۔) تو اس میں اُس نے شعبہ سے پہلے کا سندی حصہ حذف کر دیا ہے، یعنی یہ واضح نہیں کیا کہ شعبہ سے روایت کس نے کی۔ پس یہ روایت معلق شمار ہوگی اور متصل روایت کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجر نے اپنی کتابوں الاصابہ اور فتح الباری میں اس بات سے امتیاز حاصل کیا ہے کہ وہ مفقود اور غیر مفقود دونوں طرح کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور ان کے نام بھی صراحت سے ذکر کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ روایت پر صحت یا ضعف کا حکم بھی بیان کرتے ہیں۔

❁ الحادی عشر: حافظ ابن حجر کا تاریخی روایات کی اسناد پر احکام لگانے کا منہج:

ابتداءً ایک بدیہی بات کی طرف تنبیہ ضروری ہے، اور وہ یہ کہ حافظ ابن حجر جیسے امامِ فن پر سند میں پائے جانے والے واضح اور نمایاں علل مخفی نہیں رہ سکتے؛ جیسے کہ سند کا ظاہر و واضح انقطاع، راوی کا مجہول ہونا، یا دیگر ایسی علل جو عام طور پر حدیث یا روایت کی صحت کو متاثر کرتی ہیں۔

پس جب یہ علل کسی ایسے شخص سے بھی مخفی نہیں ہوتیں جو علمِ حدیث کا ماہر نہ ہو، تو حافظ ابن حجر جیسے محدثِ کبیر پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں؟

* **استقراء سے معلوم ہوتا ہے:** کہ حافظ ابن حجر کا تاریخی روایات کی اسناد کے ساتھ ایک مخصوص انداز ہے، جو وہ بعض اوقات اختیار کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ اگر کسی

سند کے ابتدائی حصے کو وہ صحیح پائیں لیکن اس کے بعد والا حصہ صحیح نہ ہو، تو وہ صرف اس ابتدائی حصے کی تصحیح کرتے ہیں، یعنی پوری سند کو مکمل طور پر صحیح قرار نہیں دیتے۔

* اور ان احکام سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ روایت فلاں راوی "تک" صحیح ہے(۱)۔

(۱) پھر جب میں اس (گیارہویں) مضمون کی تحریر سے فارغ ہوا تو میں نے اس مسئلے کے بارے میں محدث شیخ علامہ عبداللہ السعد حفظہ اللہ سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں، ابن حجر کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ "یہ سند فلاں راوی تک صحیح ہے" اور وہ پوری سند کی صحت کا ارادہ نہیں کرتے۔

* اور حافظ ابن حجر کے طرزِ عمل کی واضح مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے: ابن حجر نے فرمایا: (امام حاکم ابو احمد نے صحیح سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ: زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔۔۔) پھر ایک قصہ ذکر کیا، پھر کہا: (یہ روایت، باوجود اس کے کہ اس کی سند شعبی تک صحیح ہے، مرسل ہے، اور یہ شاذ بھی ہے، کیونکہ اس کے خلاف وہ روایت ہے جو اس سے زیادہ مضبوط ہے(۱))۔

(۱) الاصابہ (۲۴۹/۷)۔

ابن حجر کے اس قول: (بسندٍ صحيحٍ عن الشعبي) سے ان کی مراد واضح ہے، جیسا کہ انہوں نے خود تصریح کی: (صحة سنده إلى الشعبي)، یعنی ان کا مقصد یہ نہیں کہ پوری سند صحیح ہے، بلکہ صرف اتنا کہ سند شعبی تک صحیح ہے۔ لہٰذا شعبی کے بعد کا حصہ اس صحت کے حکم میں شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن حجر نے شعبی کے اوپر کی سند پر دو طرح کی علتوں سے جرح کی: پہلی علت سند سے متعلق ہے کہ یہ روایت مرسل

ہے، اور دوسری علت متن سے متعلق ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر روایت کے کسی ایک حصے کو صحیح قرار دے کر بقیہ حصے کو ضعف سے خالی نہیں سمجھتے، بلکہ علیحدہ سے اس پر حکم لگاتے ہیں۔

* ابن حجر کا طریقہ یہ ہے کہ وہ (سند کے اُس حصے کو جو صحیح ہو)، حذف کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: (بسند صحیح، باسناد صحیح، بسند جید، بسند حسن۔۔۔ وغیرہ) پھر اس کے بعد سند کا باقی ماندہ حصہ نقل کرتے ہیں، جو قابلِ اعتماد نہیں ہوتا، یعنی سند کا وہ بالائی حصہ جس میں ضعف پایا جاتا ہے۔

* اور وہ اس طرزِ بیان سے دو باتوں کا ارادہ رکھتے ہیں: اوّل: اختصار یعنی مکمل سند ذکر کرنے کے بجائے مختصر طور پر اس حصے کو بیان کرنا جو صحیح ہے؛ دوم: تنبیہ برمحلِ علت یعنی یہ واضح کرنا کہ سند میں جو خرابی یا ضعف ہے، وہ کس حصے میں واقع ہوا ہے۔

* اور ابن حجر کے اس منہج پر توجہ نہ دینا محقق و طالب علم کو الجھن میں ڈال دیتا ہے اور اسے غلطیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

● اور یہ ابن حجر کی جانب سے بعض اسناد کے جزوی تصحیح کی چند دیگر مثالیں ہیں:

پہلی مثال:

ابن حجر نے فرمایا: [اور یعقوب بن سفیان نے امام زہری تک سند کے ساتھ ایک صحیح روایت نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اپنی طرف سے چند شرائط پیش کیں۔۔۔][1] پھر انہوں نے پوری روایت بیان کی۔

---

[1]: فتح الباري (١٣ (٦٥). اور [۱۳۳] اور اس کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

الحکم علی الاسناد کا مطلب ہے:

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے۔

لیکن یہ خبر اپنی شواہد (تائیدی روایات) کی بنا پر صحیح ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

سند کا بقیہ حصہ:

قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ، حَدَّثَنِي جَدِّي، عَنِ الزُّهْرِيِّ... "، بِه.

اور یعقوب سے زہری تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور ابن حجر نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ ان کا حکم صرف سند کے پہلے حصے پر ہی لاگو ہوتا ہے، اسی لیے انہوں نے کہا: (بسندٍ صحيحٍ إلى الزهريّ)۔ رہا معاملہ زہری سے اوپر کا، تو وہ مرسل ہے۔

دوسری مثال:

ابنِ حجر نے کہا: [اور ابوبکر بن ابی خَیثَمہ نے جُوَیریہ بن اُسماء تک صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے اہلِ مدینہ کے بعض شیوخ کو یہ بات کرتے ہوئے سنا کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یزید کو بلایا[1] اور اس سے فرمایا۔۔۔]

---

(۱) فتح الباری (جلد ۱۳، صفحہ ۷۰) میں ہے: ابوبکر بن ابی خیثمہ کا نام احمد بن زہیر بن حرب بن شداد الحَرَشی ہے۔

التخریج:

اس روایت کو ابوبکر بن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب ''تاریخ ابن ابی خیثمہ'' میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخِ دمشق (جلد ۵۸، صفحہ ۱۰۴-۱۰۵) میں موجود ہے انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ بن اُسماء نے (یہ روایت) بیان کی۔ اور ملاحظہ کریں: ''موارد ابن عساکر'' (جلد ۱، صفحہ ۱۳۵)۔

اور اسے طبری نے اپنی تاریخ (جلد ۳، صفحہ ۳۵۹) میں روایت کیا:

مجھ سے احمد بن زہیر نے یہ روایت بیان کی، (پھر یہی سند ذکر کی)۔

سند کا حکم:

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ جویریہ کے شیوخ مجہول ہیں، اور اس کے متن میں نکارت ہے۔

سند کا بقیہ حصہ:

ہم نے اسے حاشیے میں ذکر کیا ہے، اور ابن ابی خیثمہ سے جویریہ تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

تیسری مثال:

ابن حجر نے کہا: [طبری نے عبد اللہ بن الحارث سے، وہ بنی نضر کے ایک آدمی سے، وہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے]

علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ((اگر وہ کسی عادل امام کی مخالفت کریں تو ان سے قتال کرو، اور اگر کسی جابر امام کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ ان کے پاس (اپنی بات کا) ایک مؤقف ہے))(۱)

---

(۱) فتح الباری (۳۰۱/۱۲) میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن الحارث الزبیدی النجرانی الکوفی، المکتب ثقہ راوی ہیں، ان کی روایت بخاری، مسلم اور دیگر چار کتب حدیث میں موجود ہے (التقریب: ۳۲۶۸)۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ (حدیث: ۳۹۰۷۱) نے وکیع، اعمش، عمرو بن مرہ، عبد اللہ بن الحارث، اور بنی نصر بن معاویہ کے ایک شخص کے واسطے سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے: ہم علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، اہلِ نہر (خوارج) کا ذکر آیا تو ایک شخص نے ان کو گالی دی، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((انہیں گالی نہ دو، بلکہ اگر وہ کسی عادل امام کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو، اور اگر وہ کسی جابر امام کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ ان کے پاس اس (خروج) کے لیے ایک مؤقف ہوتا ہے))۔ اسی روایت کو بندار محمد بن بشار نے اپنے شیوخ کے طریق سے روایت کیا ہے، جیسا کہ ابو یعلی الموصلی کی روایت (۱۱۷ / ۳۵) میں مذکور ہے، جو مجلہ الأحمدیہ (شمارہ ۱۸) میں شائع ہوئی۔ قَالَ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ وَأَبُو دَاوُدَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، بہ، عبد اللہ بن الحارث اور ایک شخص جو بنی نضرہ سے تھا، کا ذکر ہے۔

سند کا حکم:

اس کی سند ضعیف ہے، اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی کی جہالت مخفی نہیں۔

سند کا بقیہ حصہ:

میں نے طبری کی جن تصنیفات پر نظر ڈالی، ان میں یہ روایت نہیں ملی۔ میں نے تخریج میں ابن ابی شیبہ اور بندار کی روایت کو ذکر کیا ہے، اور ان دونوں سے ابن الحارث تک سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

چوتھی مثال:

ابن حجر نے کہا: [یعقوب بن سفیان نے الزہری سے جید سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے، انہوں نے کہا: جب یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی ۔۔۔] الخبر (۱)

(۱) فتح الباری (۱۳ / ۸۵) ملاحظہ کریں، نیز [۱۱۵] اور اس کا حاشیہ بھی دیکھیں۔

سند کا حکم:

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے، تاہم یہ خبر شواہد کی بنا پر صحیح ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

سند کا بقیہ حصہ:

یعقوب بن سفیان نے یہ روایت حجاج بن ابی منیع کے واسطے سے بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا، اور انہوں نے الزہری سے روایت کی۔ یعقوب سے لے کر الزہری تک سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

پانچویں مثال:

طبری نے یونس بن یزید سے، وہ زہری سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے

کہ: [علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کی مقدمہ فوج پر قیس بن سعد بن عبادہ کو مقرر کیا۔۔۔][1] (پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے)۔

(۱) فتح الباری (۱۳ / ۶۳) ملاحظہ کریں، نیز حوالہ نمبر [۵۶۴] اوراس کا حاشیہ بھی دیکھیں۔

سند کا حکم:

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے، لیکن یہ خبر شواہد کی بنا پر صحیح ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابن جاوان مجہول ہیں۔

یہ روایت آگے نمبر [۵۶۴] پر آئے گی، اور طبری سے یونس تک سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

چھٹی مثال:

ابن حجر نے کہا: [طبری نے صحیح سند کے ساتھ حُصَین بن عبدالرحمٰن سے، وہ عمرو بن جاوان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے ان سے پوچھا: "آپ کے خیال میں احنف کا علیحدگی اختیار کرنا کس سبب سے تھا؟۔۔۔"][1] (پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے)۔

(۱) فتح الباری (۱۳/۳۴) ملاحظہ کریں، نیز حوالہ نمبر [۲۶۳] دیکھیں، اور میں نے اس کے حاشیے میں تضعیف کی وجہ بیان کی ہے۔

سند کا حکم:

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابن جاوان مجہول ہیں۔

سند کا بقیہ حصہ:

طبری نے کہا: مجھ سے یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے

ابن ادریس نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے حصین کو سنا۔۔۔[۱] (پھر پوری روایت ذکر کی گئی ہے)۔

اگر ہم طبری سے حصین تک کی سند کو دیکھیں تو وہ متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ

(۱) تاریخ الطبری (۳/ ۳۴) میں مذکور ہے: یعقوب بن ابراہیم: یہ ابن کثیر العبدی القیسی، ان کا مولیٰ، ابو یوسف الدورقی ہیں۔ اور ابن ادریس: یہ ابو محمد عبداللہ الاودی الکوفی ہیں۔

ہیں،،،

● لیکن اگر ابن حجر کی مراد پوری سند پر صحت کا حکم لگانا ہو، تو اس کے لیے ان کے چند طریقے ہیں، جن میں سب سے اہم دو طریقے ہیں۔

(۱) وہ سابقہ صورت کی طرح کرے، لیکن اس صورت میں سند کا دوسرا حصہ بھی سالم ہو، یعنی متصل ہو اور اس کے راوی ثقہ ہوں۔

اس پر مثالیں:

ابن حجر نے کہا: (ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن بن اُبزیٰ سے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خُزاعی یومِ جمل عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے جبکہ وہ ہودج میں تھیں۔۔۔[۱])

ابن حجر نے کہا: (طبری نے ابو یزید مدینی سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب جنگِ جمل ختم ہوگئی تو عمار بن یاسر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔۔۔[۲])

ابن حجر نے کہا: عبدالرزاق نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک دن ابن صیاد سے ملا، اور اس کے ساتھ ایک

یہودی شخص تھا، تو میں نے دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ بجھ چکی تھی۔۔۔[۳])

(۱) فتح الباری (۱۳/۵۷) ملاحظہ کریں، اور میں نے یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ حوالہ [۲۶۳] کے حاشیے میں ذکر کی ہے۔
(۲) فتح الباری (۱۳ / ۵۸) ملاحظہ کریں، اور یہ روایت مکمل تفصیل کے ساتھ آگے نمبر [۶۱۲] پر آئے گی۔ (۳) نیز دیکھیں: فتح الباری (۱۳ / ۳۲۵)۔
(۳) فتح الباری (۱۳/۳۲۵)۔

(۲) یا یہ کہ وہ (ابن حجر) روایت کو مکمل بیان کرنے کے بعد اس کا حکم ذکر کرتے ہیں۔

اس پر مثال:

ابن حجر نے کہا: فاکہی نے حسن بن مکرم کے واسطے سے، وہ عبداللہ بن بکر السہمی سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے مکہ مکرمہ میں قیام کیا، تو بیت اللہ کے ستونوں میں سے ایک ستون خراب ہو گیا، اُسے نکال دیا گیا اور اس کی جگہ دوسرا ستون لایا گیا۔۔۔ اور یہ سند قوی ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں[۱]۔

(۱) فتح الباری (۴۴۹/۳)۔

❁ بارھواں نکتہ: عربوں کے ہاں تاریخ کو بیان کرنے کا اسلوب، اور ان کا راتوں کے ذریعے واقعات کی تاریخ متعین کرنا۔

اختصار:

* چودہ راتیں یا اس سے کم ہوں: تو ''خَلَتْ'' (گزریں) یا ''مَضَتْ'' (چلیں) جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اور تاریخ مہینے کے گزرے ہوئے حصے پر مبنی ہوتی ہے۔

* پندرہویں رات: اس میں دونوں الفاظ (خَلَتْ اور بَقِيَتْ) کا استعمال جائز

ہے۔

* ستره راتیں یا اس سے زیادہ ہوں: تو ''بَقِيَتْ'' (باقی رہ گئیں) استعمال کیا جاتا ہے، اور تاریخ مہینے کے باقی حصے پر مبنی ہوتی ہے۔

تفصیل:

ہم تمہید کے طور پر دو پہلوؤں پر گفتگو کریں گے: پہلا، دن کی ابتداء اور اس کا اختتام، اور دوسرا، تقاویم کی اقسام۔ان تمہیدی مباحث کے بعد ہم اصل اور مرکزی نکتہ یعنی ''تاریخ نویسی کا اسلوب'' (صياغة التاريخ) پر تفصیل سے بات کریں گے۔

دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟ اور اس کا اختتام کب ہوتا ہے؟

دن کی ابتداء اور اس کا اختتام لوگوں کے عرف اور مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے۔

چنانچہ آج کے دور- میں دنیا کی حکومتوں کے نظام میں نیا دن- رات بارہ بجے (۱۲:۰۰ صبح) شروع ہوتا ہے، اور یہ طریقہ مغربی ثقافت سے ماخوذ ہے۔

اور مسلمانوں کے عرف میں دن کا آغاز فجر کی آذان سے ہوتا ہے، اور اگلے دن کی فجر کے آذان پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

اور ان فلکیاتی تقاویم میں جو سورج کی منزلوں پر مبنی ہوتی ہیں، دن کا آغاز دن کے وقت (روشنی) سے ہوتا ہے، چنانچہ ایک دن دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: پہلے دن (نہار)، پھر رات (لیل)۔

جبکہ قمری تقویم میں دن کا آغاز رات سے ہوتا ہے، یعنی غروبِ آفتاب سے، چنانچہ ایک دن دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: پہلے رات (لیل)، پھر دن (نہار)۔

تقاویم کی اقسام[۱]:

- شمسی تقویم: جیسے گریگورین[۲] تقویم، اور یہ ایک سال میں بارہ مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سریانی تقویم بھی اسی کی طرح ہے، دونوں میں فرق صرف مہینوں کے ناموں کا ہے۔

---

(۱) ملاحظہ کریں: الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ (۷/۸۷-۹۱)، طبعہ دوم۔

(۲) یہ تقویم اپنے بانی پاپا گریگوری سیزدہم (وفات: ۱۵۸۵ء) کی نسبت سے گریگورین تقویم کہلاتی ہے، اور یہی تقویم میلادی تقویم کے نام سے معروف ہے۔ اس کا آغاز جنوری (ینایر) سے ہوتا ہے اور اختتام دسمبر (دیسمبر) پر۔ دنیا کی اکثر حکومتیں اور کمپنیاں موجودہ دور میں اسی تقویم کو استعمال کرتی ہیں۔

- قمری تقویم: جیسے تقویمِ ہجری اسلامی اور چینی تقویم، اور دونوں میں سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔
- قمری شمسی تقویم: یہ وہ تقویم ہے جو سورج اور چاند دونوں پر بنیاد رکھتی ہے، جیسے یہودی عبرانی تقویم اور بابلی تقویم۔ قمری شمسی تقویم ایک سال میں بارہ مہینوں پر مشتمل ہوتی ہے، لیکن بعض سالوں میں یہ تیرہ مہینوں تک ہو جاتی ہے، اس لیے کہ قمری سال شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر دو یا تین سال بعد قمری سال میں ایک اضافی مہینہ شامل کیا جاتا ہے تاکہ قمری سال شمسی سال سے ہم آہنگ ہو جائے۔

ابن العربی نے کہا: سورج کا حساب دنیاوی فوائد کے لیے ہے، اور چاند کا حساب عبادات و مناسک کے لیے[۱]۔

- تاریخ نویسی کا اسلوب[۲]:

جدید عرف میں تاریخ کو (دن) کے اعتبار سے (دن کے وقت) بیان کیا جاتا

ہے، جیسے کہ ''تقویم اُم القریٰ'' اور دیگر تقاویم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: (سات شعبان) یا (لِسَبعٍ من شعبان)، اور لکھنے میں اسے اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے: (۷ شعبان)۔

(۱) تفسیر القرطبی (۷/۲۷۷) الاعراف: ۱۴۲

(۲) ملاحظہ کریں: المنهج الفائق والمنهل الرائق (۲/۲۵۵، ۲۵۹) النحو الوافي (۴/۵۶۵)۔

لیکن قدیم عرب اور ابتدائی مسلم مصنفین کا تاریخ لکھنے کا طریقہ مختلف تھا۔ میں اس اسلوب کو ان کے عرف کے مطابق ذکر کروں گا، اور ساتھ ساتھ اسے جدید عرف میں درجہ بندی کے طور پر واضح کروں گا۔ وضاحت کے لیے جدید عرف کی مثالیں اعداد کے ساتھ دوں گا، جیسے: (۳۰ شعبان)۔

● عرب راتوں کے ذریعے تاریخ کا تعین کرتے تھے، کیونکہ مہینوں کی ابتدا راتوں سے ہوتی ہے، اور چاند کا حساب بھی رات کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، جبکہ دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔ عربوں کے ہاں دن غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا تھا۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں: (لیلۃ الجمعۃ) یعنی وہ رات جس کے بعد جمعہ کا دن آتا ہے، یعنی جس کی صبح جمعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں: (لیلۃ السبت) یعنی وہ رات جس کے بعد ہفتہ کا دن آتا ہے۔

چنانچہ قمری مہینہ ایک رات سے شروع ہوتا ہے اور ایک دن کے اختتام پر ختم ہوتا ہے۔

* جب عرب راتوں کے ذریعے تاریخ بیان کرتے تھے تو کبھی وہ لفظ ''رات'' (لیلۃ) کو صراحت سے ذکر کرتے تھے، اور کبھی اسے حذف کر دیتے تھے۔ مثلاً وہ

کہتے: (شوال کی تیرہ راتیں گزر چکی تھیں) اور کبھی یوں بھی کہتے: (لثلاث عشرة خلت من شوال: شوال کی تیرہ راتیں گزر چکی تھیں)۔ اس صورت میں ''لیلة'' کا لفظ نہیں آتا، لیکن مراد رات ہی ہوتی ہے۔

* عرب عموماً کم عدد سے تاریخ بیان کرتے تھے تاکہ الفاظ مختصر اور قریب المعنی ہوں۔ چنانچہ وہ کہتے: (چودہ خلت من محرم) یعنی (۱۴ محرم)، اور کہتے: (آٹھ باقی ہیں شعبان سے) یعنی (۲۲ شعبان)۔

* چنانچہ اگر تاریخ چودھویں رات یا اس سے کم ہو، تو وہ (خَلَتْ، خَلَوْن، مَضَتْ) جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، یعنی وہ مہینے کے گزرے ہوئے حصے پر بنیاد رکھتے ہیں۔

- پہلی رات: وہ رات جس میں نیا چاند دیکھا جاتا ہے یا جب مہینہ تیس دن مکمل ہو جاتا ہے، جیسے رمضان کی پہلی رات۔ اسی لیے اسی رات سے تراویح کی نماز مشروع ہوتی ہے۔ جدید تقویم میں یہ رات ماہِ شعبان سے منسوب ہوتی ہے، جیسے: (۳۰ شعبان)۔ بشرطیکہ یہ رات رات ۱۲ بجے سے پہلے ہو۔

- عرب اس رات کی تاریخ یوں بیان کرتے تھے: ''لِأَوّلِ ليلةٍ من رمضان'' (رمضان کی پہلی رات)، یا ''لِأَوّل رمضان''، یا ''لِغُرّته'' (رمضان کے چاند رات)، یا ''لِمُهَلّه'' (چاند کے ظاہر ہونے کے وقت)، یا ''لِمُستهَلِّه'' (مہینے کے آغاز پر)۔ اسی طرح وہ کبھی لام کو حذف کر کے اور ظرفِ زمان کے طور پر منصوب حالت میں کہتے: (أوّل)، (غُرّةَ)، (مَهِلّ)، یا (مُستَهَلّ)۔

- پس جب فجر طلوع ہو جاتی، تو وہ کہتے: ''خَلَتْ''۔ یعنی ''ليلةٌ خلَتْ من

رمضان‘‘ (رمضان کی ایک رات گزر چکی)۔اس کا مطلب ہوتا: (۱ / رمضان)۔

- اور جب دوسرے دن کی فجر طلوع ہو جاتی، تو وہ کہتے: ’’خلَتَا‘‘۔ یعنی: ’’الليلتَينِ خَلَتَا من رمضان‘‘ (رمضان کی دو راتیں گزر چکی ہیں)، اور اس کا مطلب ہوتا: (۲ / رمضان)۔اوراسی طرح کا اسلوب باقی مہینوں میں بھی اختیار کیا جاتا تھا۔

- جب راتوں کی تعداد تین سے دس تک ہوتی،توعرب ’’خَلَوْنَ‘‘ کا لفظ استعمال کرتے۔مثلاً کہتے: ’’لِثَلاثٍ خَلَوْنَ مِنْ مُحَرَّم‘‘ یعنی (۳/محرم)، اور (لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْ مُحَرَّم) یعنی (۱۰/محرم)۔

- جب راتوں کی تعداد گیارہ (۱۱) سے چودہ (۱۴) تک ہوتی،توعرب ’’خَلَتْ‘‘ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔مثلاً کہتے: ’’أربع عشرة خَلَتْ مِنْ مُحَرَّمٍ‘‘(چودہ راتیں محرم سے گزر چکی تھیں) یعنی (۱۴/محرم)

* رہی بات مہینے کے درمیانی دن یعنی پندرھویں رات کی،تو اس میں دونوں اسلوب جائز ہیں: کہا جا سکتا ہے: ’’لِخَمسَ عَشرَةَ خَلَتْ مِن رجب‘‘ (رجب کی پندرہ راتیں گزر چکی تھیں)، یا: ’’لِخَمسَ عَشْرَ بَقِيَتْ مِن رجب‘‘ (رجب کی پندرہ راتیں باقی تھیں)۔تاہم سب سے فصیح اور بہتر اسلوب یہ ہے کہ کہا جائے: ’’لِلنّصفِ مِن رجب‘‘، یا ’’لِمُنْتَصَفِ رجب‘‘، یا ’’لِانْتِصافِ رجب‘‘ (رجب کا وسط یا درمیان)۔

اور جب سولھویں رات یا اس سے زیادہ ہو،تو وہ (بَقِيَتْ) یا (بَقِينَ) کا لفظ استعمال کرتے ہیں،اورحساب مہینے کے باقی دنوں پر کیا جاتا ہے، نہ کہ گزرے ہوئے

دنوں پر۔ اور انہی کے ہاں یہی انداز زیادہ رائج تھا۔

اور اس میں یہ بھی جائز ہے کہ (خَلَتْ یا مَضَتْ) کہا جائے، یعنی گزرے ہوئے دنوں پر بنیاد رکھی جائے۔

چنانچہ ہم یوں کہیں گے: ''ثلاثَ عَشْرَ بَقِيَتْ مِن صَفَر'' (تیرہ راتیں صفر سے باقی تھیں) یعنی (۱۷ صفر)۔

یا یوں کہا جاتا ہے: ''سَبعَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِن صَفَر'' یعنی: (صفر کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں) (یعنی: ۱۷ صفر)۔

- جب راتوں کی تعداد سولہ (۱۶) سے انیس (۱۹) تک ہو، تو عرب ''بَقِيَتْ'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے: ''أربع عشرة بَقِيَتْ من صفر'' (چودہ راتیں صفر سے باقی تھیں) یعنی ۱۶ صفر، ''ثلاث عشر بَقِيَتْ منه'' (تیرہ راتیں اس (صفر) مہینے سے باقی تھیں) یعنی ۱۷ صفر، ''اثنتا عشرة بَقِيَتْ منه'' (بارہ راتیں اس (صفر) مہینے سے باقی تھیں) یعنی ۱۸ صفر، اور ''لإحدى عشرة ليلة بَقِيَتْ من صفر'' (گیارہ راتیں صفر سے باقی تھیں) یعنی ۱۹ صفر۔ اس طرح وہ مہینے کے باقی دنوں کے لحاظ سے تاریخ بیان کرتے تھے۔

- جب مہینے کی تاریخ بیس (۲۰) سے شروع ہو کر آخری دو راتوں سے پہلے تک ہو، تو عرب ''بَقِينَ'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ کہتے: ''العشر بَقِينَ من شعبان'' (دس راتیں شعبان سے باقی تھیں) یعنی ۲۰ شعبان، ''التِّسع بَقِينَ منه'' یعنی ۲۱ شعبان، ''الثمان بَقِينَ منه'' یعنی ۲۲ شعبان، ''الخَمس بَقِينَ منه'' یعنی ۲۵ شعبان، اور ''لثلاثٍ بَقِينَ منه'' یعنی ۲۷ شعبان۔ اس طرح وہ دنوں

کا شمار مہینے کے آخر سے کرتے اور تاریخ بیان کرتے تھے۔

- اگر دو راتیں باقی ہوں، تو عرب کہتے: ''بَقِيَتَا''۔ جیسے: ''لِلَيْلَتَيْنِ بَقِيَتَا مِنْ رَجَبٍ'' (دو راتیں رجب سے باقی تھیں) یعنی: ۲۸ رجب۔

- اگر ایک رات باقی ہو، تو کہا جاتا ہے: ''اللَّيْلَةُ بَقِيَتْ مِنْ رَجَبٍ'' (رجب کی ایک رات باقی تھی)، یا کہا جاتا ہے: ''السِّرَارُ رجب[۱]'' یا ''سَرَرَ رجب'' (یعنی مہینے کی آخری رات)، اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے: ''لِسَلْخِ رجب'' یا ''لانْسِلاخِ رجب'' (رجب کے ختم ہونے کا وقت)۔

- اگر مہینے کی آخری رات گزر چکی ہو اور صرف دن باقی ہو، تو عرب یوں تاریخ بیان کرتے تھے: ''لِآخِرِ يَومٍ من شعبان'' (یعنی شعبان کا آخری دن)، یا ''لِسَلْخِ شعبان'' (شعبان کے ختم ہونے کے وقت کے لیے)، یا ''لانْسِلاخِ شعبان'' (شعبان کے اختتام کے موقع پر)۔ اور اگر ''لام'' کو حذف کر دیا جائے اور ظرف کے طور پر نصب دیا جائے، تو الفاظ یوں ہوتے: ''آخِرَ يَومٍ من شعبان'' (شعبان کا آخری دن)، ''سَلْخَ شعبان'' (شعبان کا اختتامی دن)، یا ''انْسِلَاخَ شعبان'' (شعبان کے ختم ہونے کا دن)۔

❁ تیرہواں نکتہ: خطیب اور ابنِ عساکر کا اپنے اپنے تاریخ میں اختیار کردہ منہج:

- **تاریخِ دمشق اور تاریخِ بغداد دو ایسی نایاب تاریخی انسائیکلوپیڈیاز ہیں جن کے سمندر میں غوطہ لگانا آسان نہیں، اور اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں:[۲]**

---

(۱) السِّرَارُ من الشَّهْرِ اور سَرَرُهُ کا مطلب ہوتا ہے: مہینے کی آخری رات۔ (ماخذ: تاج العروس، جلد ۱۲، صفحہ ۱۶، مادہ: سرر)۔

(۲) اس باب کے تحت ہر وہ کتاب شامل ہے جو خطیب بغدادی اور ابنِ عساکر کے منہج پر ان کی تاریخوں میں تصنیف کی گئی ہو، جیسے ابن العدیم کی ’’بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب‘‘۔ اسی طرح وہ کتب بھی اس میں داخل ہوں گی جن میں کبھی کبھار سماعات کی اسانید کا ذکر آ جاتا ہے، جیسے السنن الکبریٰ للبیہقی، المنتظم لابن الجوزی، الاستیعاب لابن عبدالبر، امام ذہبی کی مختلف تصنیفات اور دیگر اس نوع کی کتابیں۔

① اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ خطیب بغدادی اور ابنِ عساکر نے اپنی کتابیں ایک خاص منہج کے مطابق تصنیف کیں، چنانچہ جو شخص ان دونوں مؤرخین کے طریقۂ کار سے واقف نہ ہو، اس کے لیے ان کتابوں سے کامل فائدہ اٹھانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

② اسی طرح ان دونوں مؤرخین کی کتب کا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تاریخی مصادر اور علمِ حدیث کی معرفت رکھتا ہو، تاکہ وہ ان کی کتب کو صحیح طور پر سمجھ سکے اور ان سے درست طریقے سے استفادہ کر سکے۔

یہ دونوں امور (یعنی مؤلفین کا خاص منہج اور علومِ حدیث و مصادرِ تاریخ کی معرفت کی ضرورت) کئی معاصر اہلِ علم سے بہت سی مفید روایات کے فوت ہو جانے کا سبب بنے، حالانکہ وہ راہِ حق اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے متبعین تھے۔ اسی طرح ان دونوں عوامل نے ان لوگوں کے شبہات میں اضافہ بھی کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت عطا فرمائے۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں (تاریخِ بغداد اور تاریخِ دمشق) درست و معتبر مواد کے ساتھ ساتھ غیر معتبر باتوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اور میں نے بعض ایسی اہم خبریں دیکھی ہیں جنہیں خطیب بغدادی اور ابنِ عساکر نے ان کتابوں سے نقل کیا ہے جو ہمارے زمانے میں مفقود شمار ہوتی ہیں۔

چنانچہ میں ان مفقود کتابوں سے - جن سے خطیب بغدادی اور ابنِ عساکر نقل کرتے ہیں - نہایت مفید اور اہم دلالتوں پر مشتمل خبریں نکالنے میں کامیاب ہوا، اور

ان سے میں نے اپنی کتاب کو علمی طور پر مالا مال کیا۔ نیز تاریخ دمشق کا ہمارے موضوعِ تحقیق سے متعلق تاریخی مواد تاریخ بغداد کے مقابلے میں کہیں زیادہ وافر ہے۔

اور متاخرین علما جیسے کہ (بیہقی، ابنِ عساکر، خطیب بغدادی، ابن العدیم، ذہبی، اور ابن حجر عسقلانی) ان کے پاس متقدمین کی ایسی کتب موجود تھیں جیسے: صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، معرفۃ والتاریخ، ابن دیزِیل کی کتاب صفین، ابن ابی خیثمہ کی التاریخ الکبیر، اور دیگر کتب۔

اور یہ کتب ان تک اجازت (اجازہ) کے ذریعے پہنچی تھیں، اور جب وہ ان سے نقل کرنا چاہتے، تو وہ دو طریقے اختیار کرتے تھے:

- وہ سب سے پہلے اس کتاب تک اپنی اجازت (اجازہ) کی سند بیان کرتے تھے۔
- پھر وہ دوسرے مرحلے میں اس کتاب سے اصل متن نقل کرتے تھے۔

مثال:

امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح'' محمد بن یوسف الفِرَبرِی اور دیگر حضرات کو اجازت دی، پھر فِرَبرِی نے کشمیہنی کو اجازت دی، پھر کشمیہنی نے ابوسھل حفصی کو، پھر حفصی نے ابوعبداللہ الفُرَاوِی کو، اور پھر فُرَاوِی نے ابن عساکر کو اس کی اجازت دی۔

(١) دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (١/٥٢٧)۔

پس اگر ابن عساکر صحیح بخاری سے کوئی حدیث نقل کرنا چاہتے، تو وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ: (بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔۔۔) بلکہ وہ پہلے صحیح بخاری کی طرف اپنی اجازت کا سند بیان کرتے، پھر حدیث ذکر کرتے تھے۔

چنانچہ ابن عساکر یوں کہتے: (ہمیں خبر دی ابو عبد اللہ الفُرَاوِی نے، انھیں خبر دی ابو سھل حفصی نے، انھیں خبر دی کشمیہنی نے، انھیں خبر دی فِرَبْری نے، انھیں خبر دی امام بخاری نے، انھوں نے بیان کیا۔۔۔) پھر وہ حدیث ذکر کرتے۔

اور ممکن ہے کہ ابن عساکر یا دیگر متاخرین کے پاس کسی ایک کتاب کی سَماع کی متعدد اجازات ہوں، تو وہ ان تمام کو اس کتاب تک اپنی سند میں جمع کر دیتے ہیں۔

اور ہر وہ کتاب جس سے خطیب، ابن عساکر اور دیگر محدثین نقل کرتے ہیں، ان کے پاس اس کتاب تک مخصوص اسناد ہوتی ہیں جو بار بار آتی ہیں اور جنہیں پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً: ابن عساکر کی ''تاریخِ خلیفہ'' تک سند، ''طبقاتِ خلیفہ'' تک اس کی سند سے مختلف ہوتی ہے۔

اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: (موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق)

● ہم خلاصہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خطیب اور ابن عساکر اپنی تواریخ میں جو کچھ نقل کرتے ہیں، وہ تین اقسام پر مشتمل ہوتا ہے:

● **پہلی قسم:** یہ قدیم کتب سے نقل ہے، اور اس صورت میں وہ دونوں (خطیب اور ابن عساکر) ان مؤلفین تک اپنی نسخے کی سماعت کے اسناد ذکر کرتے ہیں، پھر ان مؤلفین نے اپنی کتابوں میں جو کچھ کہا ہوتا ہے، اسے نقل کرتے ہیں۔

اور یہی قسم خطیب اور ابن عساکر کی تاریخوں کا سب سے زیادہ مواد پر مشتمل حصہ ہے۔

مثال:

ابن عساکر نے کہا: [ہمیں ابو الغنائم ابن النرسی نے حدیث سنائی، پھر ہمیں ابو الفضل نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوالفضل، ابوالحسین، اور ابوالغنائم (اور الفاظ ابو الغنائم کے ہیں) نے کہا: ہمیں ابو احمد (ابو الفضل نے مزید کہا: اور محمد بن حسن) نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن عبدان نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سھل نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں امام بخاری نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: «معاویہ بن حدیج خولانی، زہری نے ان کا نسب بیان کیا ہے، ان کی صحابیت ثابت ہے، وہ عبداللہ بن عمرو سے پہلے فوت ہوئے، وہ مصری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں[1]»]

(۱) تاریخ دمشق (۱۹/۵۹)۔وهو في التاريخ الكبير للبخاري (۳۲۸/۷)۔

یہ طویل سند دراصل ''التاریخ الکبیر'' کی وہ نسخہ سند ہے جس کے مالک ابن عساکر تھے، اور وہ اس کتاب کو اپنے شیوخ سے مؤلف یعنی امام بخاری تک سماعات کے ذریعے روایت کرتے ہیں۔

● **دوسری قسم:** وہ روایات ہیں جو ان (یعنی خطیب اور ابن عساکر) کے شیوخ نے ان پر املا کی ہوتی تھیں۔

اس کی مثال وہ روایت ہے: جسے ابن عساکر نے بیان کیا: ہمیں خبر دی ابوالقاسم ابن السمر قندی نے، انہوں نے بیان کیا عبدالعزیز بن ابی طاہر سے، انہوں نے بیان کیا صدقہ بن محمد بن مروان سے، انہوں نے بیان کیا عثمان بن محمد ذہبی سے، انہوں نے بیان کیا اسحاق بن حسن بن میمون سے، انہوں نے بیان کیا محمد بن عبد الوہاب ریاحی سے، انہوں نے بیان کیا معتمر بن سلیمان سے، انہوں نے قرۃ بن خالد سے،

انہوں نے حسن سے، انہوں نے [انس] رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا: میری آنکھوں نے یا: میری دونوں آنکھوں نے ایسا دن کبھی نہیں دیکھا جیسا اس دن دیکھا جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر طشت میں ابن زیاد کے پاس لایا گیا، تو وہ ان کے منہ پر چھڑی مارنے لگا اور کہنے لگا: یقیناً وہ حسین رضی اللہ عنہ نہایت خوبصورت تھے، اور واقعی انہوں نے خضاب بھی کیا ہوا تھا[۲]۔''

(۱) مطبوعہ نسخے سے یہ عبارت ساقط ہوگئی تھی، چنانچہ اسے ابن منظور کی مختصر تاریخ دمشق سے مکمل کیا گیا ہے۔

(۲) تاریخ دمشق (۲۳۶/۱۴) میں یہ خبر مذکور ہے، اور اس خبر، اس کے رجال اور اس پر گفتگو خطبۂ حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما عند البیعۃ کے کتاب میں تفصیل سے بیان کی جائے گی، خاص طور پر حاشیہ نمبر [۲۸] کے تحت۔ مزید برآں، یہ خبر مختصر تاریخ دمشق (۱۵۲/۷) میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

یہ روایت ابن عساکر نے اپنے شیخ ابن السمر قندی سے املا کے طور پر حاصل کی تھی، نہ کہ کسی پرانے کتابی ماخذ جیسے صحیح بخاری وغیرہ سے۔

● **تیسری قسم:** یہ ہے کہ خطیب اور ابن عساکر کبھی کبھار ایسی کتابوں سے بھی نقل کرتے ہیں جو ان سے بالکل پہلے کے مصنّفین کی ہوں، اور یہ نقل بغیر سند کے ہوتی ہے، مثلاً ان میں سے کوئی کہے: [ذَكَرَ الطِّبَرِيُّ فِي تَارِيخِهِ...] مگر اپنی نقل کی سند کو ذکر نہ کرے جو تاریخِ طبری تک پہنچتی ہو۔ یہ طرزِ نقل بہت کم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب ایسا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اسناد دراصل ان کتابوں پر ختم ہو رہی ہیں۔ پس (اگر ان کتابوں کی پہچان ہو جائے)، تو ان اسناد میں وقت صرف کرنا اور ان کا تحقیقی جائزہ لینا فضول مشقت ہوگی۔ لیکن اگر ان کتابوں کی معرفت نہ ہو تو پھر پوری سند پر تحقیق واجب ہو جاتی ہے۔

اور محقق جب ابن عساکر کا منہج نہ جانتا ہو، اور کسی مشہور کتاب کی طرف ابن عساکر

کی سند کا مطالعہ کرے، تو وہ اس سند میں کسی ضعیف راوی کو پا سکتا ہے، پھر یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ خبر ضعیف ہے، چنانچہ وہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بعض محققین کے ساتھ پیش آیا، جب انہوں نے ابن عساکر کی وہ سند دیکھی جس میں وہ کہتا ہے:

[أَخْبَرَنَا ابو غالب ماوردي نے ہمیں حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالحسن محمد بن علی سیرافی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن اسحاق نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن عمران نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن زکریا نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں خلیفہ بن خیاط نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوداؤد اور دیگر نے، ابوخلدہ سے، اور انہوں نے ابوالعالیہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا، تو میں ان کے پاس آیا، دیکھا کہ دو لشکر آمنے سامنے صف آرا تھے، جن کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف کے بھی تکبیر کہتے، اور جب یہ اللہ اکبر کہتے تو وہ بھی کہتے۔ میں نے (حیرت سے) کہا: تم کس گروہ کو کافر سمجھتے ہو؟ اور کس کو مؤمن؟ پس شام ہونے سے پہلے ہی میں واپس لوٹ آیا(۱)]

بعض محققین جب اس سند میں موسی بن زکریّا کو دیکھتے ہیں اور وہ ابوعمران التستری ہے تو وہ فوراً اس پر ضعف کا حکم لگا دیتے ہیں اور اپنی تحقیقات میں اس روایت کو قبول نہیں کرتے؛ کیونکہ دارقطنی نے اس کے بارے میں کہا ہے: ''متروک''(۲)۔

---

(۱) تاریخ دمشق (۱۸۲/۱۸) میں یہ روایت موجود ہے اور اس کا سند صحیح ہے۔ یہ روایت ان شاء اللہ آگے نمبر [۲۷۹] کے تحت مکمل آئے گی۔

(۲) سؤالات الحاکم للدارقطنی (۲۲۷)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سند روایتِ حدیث کی سند نہیں بلکہ نسخے کے سماع کی سند ہے، یعنی یہ سند اس نسخے (کتاب) کے سماع کی گواہی ہے جس سے ابن عساکر نے ''تاریخ خلیفہ'' سے نقل کیا ہے۔ اور جہاں تک ابوعمران التستری کی اس نسخے سے سماع کا تعلق ہے، تو یہ سماع صحیح ثابت ہے، اوراس کی بنیاد پر کسی حدیث یا خبر کو ضعیف قرار دینا درست نہیں۔

تاریخِ خلیفہ (یعنی تاریخ خلیفہ بن خیاط) کی دو روایتیں (سندیں/ روایاتِ سماع) ہیں:

پہلی روایت: بَقِيّ بن مَخْلَد الاندلسی کی روایت ہے، اور یہی وہ روایت ہے جو ہمارے سامنے ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی تحقیق کے ساتھ دستیاب ہے۔

تاریخ خلیفہ کی دوسری روایت ابوعمران موسیٰ بن زکریا تستری کی ہے۔ یہ روایت ان مفقود کتابوں میں سے ہے جواب ہمارے پاس موجود نہیں۔ تاہم ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ دمشق''(1) میں اسی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

اسی طرح علماء نے ''تاریخِ خلیفہ'' میں التستری کی روایت پر اعتماد کیا اور اسے

ابن عساکر کے پاس ''تاریخ خلیفہ'' کی موسی بن زکریا التستری کی روایت پر مشتمل ایک نقل موجود تھی، جس سے انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ دمشق'' میں ۱۴۸۷ مقامات پر اقتباس کیا۔ وہ اسے اپنے شیخ ابوغالب محمد بن الحسن الماوردی کے توسط سے یوں روایت کرتے ہیں: [أخبرنا أبو غالب محمد بن الحسن الماوردی، أنا أبو الحسن محمد بن علي السيرافي، أنا أبو عبد الله أحمد بن إسحاق النهاوندي، أنا أحمد بن عمران بن موسى الأشناني، نا موسى بن زكريا التستري، نا خليفة بن خياط]۔ یہ سند درحقیقت اس نقل کی سماع کا تسلسل ہے جس پر ابن عساکر کو اجازت حاصل تھی۔ تستری اور بقی بن مخلد کی روایتوں میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں، اور تستری کی روایت میں کچھ ایسی زیادتیں بھی ملتی ہیں جو بقی کی روایت میں موجود نہیں۔ ان دونوں روایتوں میں تقابل کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تستری کی روایت زیادہ مکمل اور زیادہ مضبوط ہے۔ اسی تستری کی روایت کو امام حاکم نے المستدرک میں، ابن العدیم نے بغیۃ الطلب میں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی سند کے ذریعے روایت کیا۔ حافظ ابن حجر کا سندی سلسلہ یہ ہے: ''أخبرنا الشيخ أبو إسحاق التنوخي إجازة مشافهة، عن أبي نصر بن الشيرازي، عن جده، عن الحافظ أبي القاسم ابن عساكر، أنبأنا أبو غالب الماوردی، أنبأنا أبو الحسن السيرافي، أنبأنا أحمد بن إسحاق بن خربان

النهاوندي، حدثنا أحمد بن عمران الوشاء، حدثنا موسى بن زكريا التستري، حدثنا خليفة بن خياط به''۔اس موضوع پر تفصیل کے لیے''موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱۱۹/۱)''،''المعجم المفهرس لابن حجر (۶۵۸)''،اورد۔اکرم ضیاء العمری کی مقدمہ ''تاریخ خلیفہ''(ص ۳۵-۳۶) نیز د۔حسین عاصی کی کتاب''خليفه بن خياط في تاريخه وطبقاته''(ص ۴۱) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

قبول کیا، کیونکہ خلیفہ بن خیاط نے اپنا یہ کتاب خود املا کروایا تھا اور التستری کو اس کی اجازت دی تھی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ التستری اس کتاب کو ٹھیک طرح سے یاد رکھنے والے اور اس پر مضبوط ضبط رکھنے والے تھے، اور ان کی جانب سے اس کتاب کا سماع درست اور معتبر ہے۔

لیکن علماء نے التستری کی اپنی سندوں سے منقول روایات کو (جو وہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتا ہے) قابلِ اعتماد نہیں سمجھا، جیسے کہ:

ابوبکر ابن المقری نے روایت نقل کی: ہمیں ابوایوب سلیمان بن احمد بن یحییٰ بن عمر بن ابی صلایہ الملطی نے حدیث سنائی، انہوں نے موسیٰ بن زکریا التستری سے، [انہوں نے عمرو بن حصین سے (۱)]، انہوں نے یحییٰ بن علاء سے، انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ((نبی کریم ﷺ نے ولاء (قرابت یا غلامی کی نسبت) کی خرید وفروخت اور اس کے ہبہ (تحفے) سے منع فرمایا (۲)))

(۱) جو عبارت معقوفتین [] کے درمیان ہے، وہ تاریخ دمشق سے ساقط (گری ہوا/نکلی ہوئی) ہے۔
(۲) یہ روایت المعجم لابن المقری (ص: ۲۷۳) اور اس کے واسطے سے ابن عساکر (تاریخ دمشق، ۱۹/۵۹) میں آئی ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس کا اسناد باطل (تالف) ہے۔ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۱۵۵۲)۔
أبو أيوب سليمان بن أحمد بن يحيى بن عمر بن أبي صلايا الملطي المضرّي الحافظ کے بارے میں سمعانی نے ''عمر'' کی جگہ ''عثمان'' ذکر کیا ہے، اور یاقوت کے نزدیک ان کا نام ''سلیمان'' ہے۔حمزہ السہمی کہتے ہیں: میں نے وزیر ابو الفضل بن حنزابۃ، ابوالحسن دارقطنی اور دیگر علماء کو کہتے سنا کہ: سلیمان بن احمد الملطی ضعیف ہے۔ذہبی نے المیز ان میں کہا: اس کو دارقطنی نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ابن حجر نے اللسان میں لکھا: خطیب نے کہا: وہ کذاب تھا۔ابن ماکولا نے کہا: وہ کذب

کے ساتھ متّہم ہے، اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ذہبی نے الدیوان میں کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ سبط ابن العجمی نے نقل کیا: یہ متّہم اور کذاب ہے، یہ قول ذہبی کا ہے۔ جب ابن جُمیع الصیداوي نے ان کا ذکر کیا تو کہا: سلیمان بن احمد نے مجھ سے حدیث بیان کی- لیکن میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں- حلب میں] اس کی سوانح درج ذیل کتب میں ملتی ہے: معجم الشیوخ لابن جُمیع الصیداوي (ص: ۲۴۱)، سؤالات حمزة للدارقطني (ص: ۲۹۹)، الإكمال لابن ماكولا (۳/۷/۲)، الأنساب للسمعاني (۱۲/۲۳/۱)، تاریخ دمشق (۲۲/۷۶/۱)، معجم البلدان (۳/۵/۱)، إكمال الإكمال لابن نقطة (ص: ۳۰۰)، دیوان الضعفاء (رقم: ۱۷۲۴)، المغني في الضعفاء (رقم: ۲۵۵۶، ۲۶۰۰)، میزان الاعتدال (۵/۲/۱)، الکشف الحثیث (ص: ۱۳۰)، توضیح المشتبه (۳/۵/۴)، (۲/۱/۸)، لسان المیزان (۲/۳)، تبصیر المنتبه (۸/۴۳)، تنزیه الشریعة لابن عرّاق (۶/۱ ۴۱-۶۵)۔

جہاں تک عمرو بن الحصین اور موسیٰ بن زکریا کا تعلق ہے، تو دونوں متروک الحدیث ہیں، اور یحییٰ بن العلاء (جو ابو سلمہ بجلی ہے) پر حدیثیں گھڑنے (وضع) کا الزام ہے۔ نیز، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سند میں اس اور ابن دینار کے درمیان انقطاع ہے۔

تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (حدیث نمبر ۲۳۹۸) میں روایت کیا ہے، جہاں انہوں نے کہا:

ہم سے ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے خبر دی۔۔۔

اور اس روایت کو عبداللہ بن دینار کے طریق سے متعدد محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

پس یہ روایت موسیٰ بن زکریا التستری کی اپنی سند سے مروی خبری روایت ہے، لہٰذا اس کی ایسی روایات قابلِ قبول نہیں، لیکن تاریخِ خلیفہ کی جو نقل اُس نے روایت کی ہے، وہ معتبر اور صحیح ہے، اور کوئی انصاف پسند شخص یہ نہیں کہتا کہ تاریخِ خلیفہ کو رد کر دیا جائے یا ابن عساکر اور دوسرے ان جلیل القدر علماء کو خطا پر قرار دیا جائے جنہوں نے موسیٰ بن زکریا کی تاریخِ خلیفہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔

منہجی مقدمہ یہاں ختم ہوتا ہے، اور اب اس کا عملی اطلاق باقی ہے، جو کہ آپ کے سامنے یہ تحقیقی بحث ہے۔ والحمد للہ ربّ العالمین۔

۞ تحقیقی مقالہ لکھنے کا سبب

اس تحقیق کو لکھنے پر مجھے آمادہ کرنے والے سات بنیادی اسباب ہیں، جن کے تحت بعض تفصیلات اور ملاحظات آتے ہیں۔

* پہلا سبب: تاریخی روایات سے تعامل یا ان پر محدثین کے منہج کے اطلاق میں (واضح علمی منہج) کا فقدان، جس کے نتیجے میں درج ذیل امور پیدا ہوئے:

- محدثین کے منہج کے اطلاق میں افراط وتفریط کا شکار ہونا۔
- یا ضعیف روایات سے تعامل میں توازن کا فقدان۔
- یا ان صحیح روایات سے تعامل میں توازن کا فقدان، جن کا ظاہر بظاہر ''نکارت'' پر مبنی محسوس ہوتا ہے، اور اسی قسم کی دیگر منہجی لغزشیں۔

یہ واقعہ اُس وقت شروع ہوا جب تاریخ کے اُستاذ، فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے سیرتِ نبویہ اور خلافتِ راشدہ کی تدوین میں حد امکان محدثین کے منہج کو اپنانے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی، تاکہ تاریخی حقیقت کو نمایاں کیا جاسکے اور تاریخ کو اُن چیزوں سے پاک کیا جاسکے جو اس میں داخل کر دی گئی ہیں، خاص طور پر اُس فتنہ کے بارے میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آیا۔ شیخ العمری نے اس بات کی طرف بھی تنبیہ کی کہ ضعیف روایات اکثر نبوی اور راشدی دور کی مسخ شدہ تصویر پیش کرتی ہیں۔ انھوں نے خود بھی سیرتِ نبویہ اور خلافتِ راشدہ کے بارے میں تصنیف کی اور اپنے قول کو عمل سے ثابت کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ ان کی اس دعوت کو بعض اکادمین اور تاریخ کے شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ

نے قبول کیا، انہوں نے مفید اور قابلِ قدر تحقیقات لکھیں اور اپنی بھر پور کوششیں صرف کیں، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب بعض کتابیں ابھی تک مخطوطات کی صورت میں تھیں اور شائع نہیں ہوئی تھیں۔

مرویاتِ سیرتِ نبویہ: محدثین کے قواعد اور اخباریوں کی روایات کے درمیان از: اکرم ضیاء العمری، صفحہ (۱۱)۔

اس علمی تحریک نے اپنا پھل دے دیا، اور لوگوں نے لکھی گئی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، اور یہ پروفیسر ڈاکٹر اکرم العمری کی جانب سے ایک عمدہ پیش قدمی تھی۔ البتہ اس پر یہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے کوئی واضح راستہ یا منہج متعین نہیں کیا گیا، نہ ہی کوئی ایسی کتاب تصنیف کی گئی جو ایک علمی منہج کی تعیین کرے یا ان محققین کے لیے ابتدائی تربیتی رہنمائی فراہم کرے جو اس طرح کی تحقیقات کا ارادہ رکھتے ہوں – اور مجھے علم نہیں کہ ان کے لیے کوئی تربیتی کورسز منعقد کیے گئے یا نہیں – نیز تاریخ کے شعبوں اور کتاب وسنت (یعنی حدیث وعلومِ حدیث) کے شعبوں کے مابین کسی مشترکہ تحقیقی منصوبے کا بھی انعقاد نہیں ہوا۔

چنانچہ واضح منہج کے نہ ہونے کے نتیجے میں دو باتیں سامنے آئیں:

پہلی بات: وہ ہے جس کا ہم یہاں (پہلے سبب) میں ذکر کر چکے ہیں [1]۔

(۱) افراط وتفریط اور توازن کا فقدان۔

دوسری بات: اس کا ذکر ہم تحقیق لکھنے کے اسباب میں دوسرے سبب کے تحت کریں گے۔

چنانچہ میں نے ''المقدمة المنهجية التاريخية'' تحریر کی تاکہ منہج واضح طور پر متعین ہو، جس کی پیروی محققین کرسکیں، پھر میں نے اسی منہج کو اپنی اس کتاب میں

نافذ کیا، تا کہ میری یہ کتاب اس تجویز کردہ منہج کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق اور اخلاص کی دعا کرتے ہیں۔

* دوسرا سبب: ان لوگوں کا فتنۂ صفین کے بارے میں قلم اٹھانا جو حدیث اور اس کے علوم سے واقف نہیں، نیز ان معاصر کُتّاب اور محققین کا ضرورت سے زیادہ جوش و جذبے کے ساتھ اہلِ اَہواء و بدعت کا ردّ کرنا۔ اس کے نتیجے میں متعدد غلطیاں سرزد ہوئیں۔

✓ تو ان لوگوں (جو حدیث اور اس کے علوم سے واقف نہیں) کے اس میدان میں قدم رکھنے کے نتیجے میں دو منہجی غلطیاں سامنے آئیں:

● ضعیف روایات کو صحیح قرار دینا، اور صحیح روایات کو ضعیف سمجھ لینا۔

فتنۂ صفین کے بعض واقعات کی حقیقت کے خلاف تعبیر کرنا، اور اس کی وجہ یا تو مصادر و مراجع کی کمی ہے- جو معلومات کے فوت ہونے اور تاریخی واقعے کی تصویر کے مکمل نہ ہونے کا باعث بنتی ہے- یا پھر شروحِ حدیث کی کتب کی طرف رجوع نہ کرنا، یا یہ گمان کرنا کہ اس طرح کی تاویلات صحابہ کی عدالت کو ملحوظ رکھتی ہیں۔ اس کی مثال: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ ہے جس میں انہوں نے فرمایا: ''اما بعد، جو بھی اس معاملے میں بولنے والا ہے، تو وہ مجھے اپنا سر نکال کر دکھائے، قسم بخدا! اس میں کوئی اپنا سر نہیں نکالے گا مگر میں اس اور اس کے باپ سے زیادہ اس کا حق دار ہوں (۱)''۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خطبہ سن ۴۰ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے وقت دیا گیا تھا، جبکہ درست بات یہ ہے کہ یہ خطبہ سن ۳۷ ہجری میں دونوں حکمین کے اجتماع کے موقع پر دیا گیا تھا۔

اور بظاہر بعض لوگوں کا ضعیف روایت کو صحیح قرار دینا تاریخی روایات میں نرمی برتنے کی وجہ سے ہے، لیکن یہ کوئی منضبط (مربوط ومعتبر) منہج نہیں۔

رہی بات بعض لوگوں کی جانب سے صحیح روایت کو ضعیف قرار دینے کی، تو میں نے دیکھا کہ اس کی وجہ تخریج[۲] (اعتبار) سے عدمِ دل چسپی اور علوم کے اصلی مصادر پر عدمِ اطلاع ہے۔

---

(۱) یہ بات آگے آئے گی [۴۳۲]۔

(۲) تخریج: یہ اعتبار ہی ہے، یعنی طرق کی تلاش، متابعات وشواہد کی جستجو اور ان کا پیچھا کرنا۔

''تاریخ کے ماہر'' کی حدیث کی اصل کتابوں سے واقفیت اُس درجہ کی نہیں ہوتی جس درجہ کی واقفیت حدیث کے ماہر کو حاصل ہوتی ہے، اور یہ بات تخصص کے تقاضے کے تحت ایک فطری امر ہے۔

✓ اور اس دوسرے گروہ (یعنی ضرورت سے زیادہ جوش رکھنے والوں) کے میدان میں اترنے کے نتیجے میں تین منہجی غلطیاں پیدا ہوئیں، اور وہ یہ ہیں:

(اس دوسرے گروہ، یعنی ضرورت سے زیادہ جوش وجذبے سے بھرے ہوئے افراد کے میدان میں اترنے کے نتیجے میں تین منہجی غلطیاں پیدا ہوئیں: پہلی یہ کہ ایک ایسے نظریے کو اختیار کر لینا جس کے نتیجے میں افراط پیدا ہوتا ہے، دوسری یہ کہ صحیح روایات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا، اور تیسری یہ کہ عمومی باتیں بے احتیاطی اور بغیر کسی تمیز کے بیان کر دینا)۔

ان تین منہجی غلطیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

- **منہجی غلطی نمبر اوّل:** یہ ہے کہ محقق یا لکھنے والا اس فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ:

(میں وہی کہوں گا جو مبتدعین کے برعکس ہو)، یا دوسرے الفاظ میں: (مبتدعین جو کچھ کہتے ہیں، وہ سب غلط ہے)۔ پھر وہ اپنی پوری تحقیق کو اسی تصور کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ روایات کے رد میں افراط کا شکار ہو جاتا ہے، اور اس کا کام تعمیر و توضیح کے بجائے منہدم کرنے اور توڑنے کا بن جاتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر اُس تاریخی روایت کو گرانے کی کوشش کرتا ہے جس کے گرد اہلِ بدعت شبہات پیدا کرتے ہیں، مگر اس کی کوشش میں یہ پہلو مفقود ہوتا ہے کہ وہ تعمیری تحقیق کرے یا حقائق کی وضاحت پیش کرے- اس کی علمی کمزوری کی وجہ سے۔ اس فکر کو اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محقق دو مزید منہجی لغزشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو دراصل دو بڑی خطرناک جسارتیں (یعنی اگلی دو منہجی غلطیاں) ہیں۔

اور آخر وہ کون ہے جس نے یہ کہا کہ شبہات محض باطل پر مبنی ہوتے ہیں؟! محض باطل تو شبہ نہیں کہلاتا، کیونکہ وہ تو واضح طور پر باطل ہوتا ہے۔ شبہ درحقیقت وہ بات ہوتی ہے جس میں حق کی آمیزش ہو، مگر اس میں باطل بھی ملا ہوا ہو۔ لہٰذا شبہ[1] کا ردّ یہ تقاضا کرتا ہے کہ حق کو باطل سے الگ کیا جائے، نہ یہ کہ شبہ کے تمام مضمون اس کے حق اور باطل سمیت کو مکمل طور پر ردّ کر دیا جائے، کیونکہ یہ تو افراط ہے۔

(۱) شَابَ يَشُوبُ شَوْبًا: اس کا معنی ہے ملانا یا آمیزش کرنا۔

اور شبہات کے رد سے پہلے ایک نہایت اہم اور بنیادی قدم ہوتا ہے، اور وہ ہے: (حق کی وضاحت)۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز حق کی توضیح سے کیا، پھر جب ضرورت پیش آتی تو وہ شبہات کا رد فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت، توحید، ارکانِ اسلام، ارکانِ ایمان، اور دین کی دیگر

بنیادی تعلیمات: ان سب کی وضاحت کے لیے بے شمار کتب لکھی گئی ہیں جو ان حقائق کو بہترین انداز میں واضح کرتی ہیں، والحمدللہ۔ لہٰذا اس وضاحت کے بعد اُن شبہات کا رد ممکن ہوتا ہے جو ان امور کے گرد اٹھائے جاتے ہیں،،،

اور اُن لوگوں سے جو صفین کے واقعے کے گرد اٹھائے گئے شبہات کے رد میں غرق ہو چکے ہیں، ان سے سوال یہ ہے: وہ کتابیں کہاں ہیں جن میں خود صفین میں پیش آنے والے واقعات کو واضح کیا گیا ہے تاکہ آپ ان شبہات کے ردّ پر آگے بڑھیں؟

کیا حق کو پہلے واضح کرنا زیادہ مناسب اور اولیٰ نہیں؟

یا پھر جو شخص حقائق کی گہرائی سے واقف ہی نہیں، وہ شبہات کے رد میں خود کو کیسے قائل اور مؤثر بنا سکتا ہے؟

اور اگر ہم - مثال کے طور پر - اُن میں سے کسی پُر جوش شخص سے جو شبہات کے رد میں مصروف ہے، یہ سوال کریں کہ: حَکَمَین کے درمیان درحقیقت کیا ہوا تھا؟ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اُسے اس کی کوئی خبر ہی نہیں۔ تو پھر جس کی حالت یہ ہو، وہ کس بنیاد پر صفین کے واقعے کے گرد اٹھنے والے شبہات کے رد میں خود کو غرق کر دیتا ہے؟!!

چنانچہ وہ پُر جوش شخص: نہ تو حقائق کی وضاحت کے میدان میں کچھ کام کر سکا، اور نہ ہی اس کے شبہات کے جوابات سے کوئی فائدہ حاصل ہوا؛ کیونکہ اس کے جوابات علمی و منہجی بنیادوں پر مبنی نہیں ہوتے۔

منہجی غلطی نمبر دو: ان صحیح روایات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا جن کا ظاہر بظاہر نکارت پر مشتمل محسوس ہوتا ہے، اور انہیں تحقیق میں ذکر نہ کرنا یا تو اس لیے کہ محقق اس کے درست معنی سے جاہل ہوتا ہے، یا اس نیت سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کا

دروازہ بند ہو جائے، یا پھر نفس کی خواہش اور اہلِ بدعت پر غالب آنے کی محبت کی بنا پر۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اِن روایات کو ذکر تو کر دیتا ہے، مگر اُن کے معنی کی وضاحت اور تعلیل میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے: حقیقت کو محض خوبصورت بنانے کی نیت سے چھپا دینا، دراصل حقیقت کو بگاڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔

منہجی غلطی نمبر تین: یہ ہے کہ مخصوص تاریخی واقعات کے بارے میں بے احتیاطی کے ساتھ عمومی باتیں کہہ دی جاتی ہیں، جیسے بعض محققین کا یہ کہنا کہ: ''صفین کی جنگ کے حالات و واقعات کے بیان میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں'' یا ''ہم تک حَکَمین کے درمیان جو کچھ پیش آیا، اس کی صحیح خبریں نہیں پہنچی''۔ ایسے دعوے دراصل اہلِ بدعت کو خاموش کرانے اور ان پر دروازہ بند کرنے کی نیت سے کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ علمی تحقیق کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی محقق کو کوئی روایت نہ ملے تو وہ کہے: ''مجھے نہیں ملی''، اور یہ بات بھی وہ اُسی وقت کہنے کا حق رکھتا ہے جب وہ اس موضوع پر گہرا مطالعہ اور وسیع تحقیق کر چکا ہو۔ لیکن افسوس، یہ علمی دیانت اور محتاط طرزِ تحقیق کہاں نظر آتی ہے؟

محض جوش و جذبہ اہداف کو حاصل نہیں کر سکتا، اور فتنۂ جمل وصفین جیسے نازک مسائل پر شبہات کا ردّ اور گفتگو وہی شخص کرے جو علمی طور پر پختہ اور ماہر ہو۔ کیونکہ جو شخص صرف جوش میں آ کر اہلِ بدعت کے رد میں لکھتا ہے، وہ اکثر - اپنی علمی کمزوری کے سبب - محض منہدم کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور مخالف کی بات کو مکمل طور پر باطل قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بعض ایسے حقائق کا بھی انکار کر

بیٹھتا ہے جو مخالف کی بات میں موجود ہوتے ہیں۔

میں نے پُرجوش افراد کی بعض تحریروں کا مطالعہ کیا ہے، خواہ وہ ان کی تحقیقات میں ہوں یا انٹرنیٹ فورمز پر اہلِ بدعت کے ساتھ مناظروں کے دوران۔ میں نے دیکھا کہ صفین کے واقعات سے متعلق ان کے بہت سے جوابات صرف منفی انداز، یعنی رد و تنقید اور ان روایات کو ضعیف قرار دینے کی کوششوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ ان روایات کے مضامین کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں جو کچھ ہے اُسے یکسر مسترد کر دیتے ہیں۔ اب اگر کسی قاری کے ذہن میں ان روایات کے رد کی بنیاد پر کوئی مخصوص تصویر بن جائے، اور بعد میں کوئی مبتدع (اہلِ بدعت میں سے) ایک صحیح روایت پیش کرے جو اس ساری تصویر کو جڑ سے اُکھاڑ دے، تو اُس وقت شبہے کی شدت اور اثر کا اندازہ کیجیے کہ وہ شبہہ کس قدر گہرا اور خطرناک ہوگا؟!

یہی صورتِ حال ماضی میں بھی پیش آئی: معتزلہ اور اشاعرہ گمراہی کا شکار ہو گئے جب انہوں نے فلاسفہ کے ساتھ مناظرے کیے اور ان کے شبہات کا رد کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے فلسفیانہ شبہات میں قدم رکھا، حالانکہ ان کے پاس نہ صحیح عقیدہ کا علم تھا، نہ حدیث اور اس کے علوم کی معرفت۔ ان کے پاس صرف دین کی نصرت کا ایک غیر منضبط اور جذباتی جوش تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تعطیل میں مبتلا ہو گئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے لگے، اور صحیح احادیث کو رد کر دیا۔ مجھے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سخت اندیشہ ہے، اور میں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ شبہات اور ان کے جوابات میں الجھنے کے بجائے علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ شبہات کے پیچھے جانا اور ان کا رد تلاش کرنا علم حاصل کرنے کا درست طریقہ نہیں، بلکہ ایک

خطرناک راستہ ہے، جس سے علما نے سختی سے خبردار کیا ہے۔

شبہات کا جواب دینا بعض اوقات عام لوگوں کے بس میں بھی ہوتا ہے، لیکن حق کی وضاحت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو علم میں راسخ ہو۔ کیونکہ تعمیر کا کام صرف ماہر کاریگر اور انجینئر ہی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں، جبکہ توڑ پھوڑ تو ممکن ہے کوئی بھی کرلے۔

اور حق کی وضاحت ہی دعوت، ہدایت اور رشد و ہدایت کے راستے کی بنیاد ہے، اور اس کا لوگوں پر اثر شبہات کے ردّ کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا اور مؤثر ہوتا ہے۔

* **تیسرا سبب:** یہ ہے کہ فتنۂ صفین کے زمانے کی بعض واقعات اور حالات ایسے ہیں جو مزید تحقیق اور جستجو کے محتاج ہیں۔ اگرچہ بعض محققین نے اپنی تحقیقات میں ان میں سے کچھ پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، مگر یہ موضوعات اب بھی مزید توجہ اور علمی ومتوازن منہج کے مطابق گہری تحقیق کے متقاضی ہیں۔

* **چوتھا سبب:** یہ ہے کہ مجھے فتنۂ صفین اور اس دوران صحابہ رضی اللہ عنہم کے مواقف سے متعلق کثیر صحیح روایات پر مطالعہ کا موقع ملا، جو مختلف اور متنوع مصادر سے منقول تھیں۔ اس میں میری مدد تخریج کے اہتمام نے کی، جس کے نتیجے میں بعض روایات کا درجہ قبول، حسن یا صحیح تک جا پہنچا۔ یہ دراصل بعض ایسی اہم معلومات پر واقفیت تھی، جو اُن خیالات میں تبدیلی لاسکتی ہیں جو معاصرین کے ہاں بعض واقعات ومواقف کے بارے میں رائج تھے اور یہی کچھ حقیقت میں واقع بھی ہوا، جیسا کہ آپ ان شاء اللہ عزّ وجلّ اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

* **پانچواں سبب:** یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسی کتاب نہ ملی جو صفین سے متعلق تمام صحیح احادیث وروایات کو جمع اور مکمل طور پر استقصا کرے، پھر اس کا مؤلف ان سے کسی تاریخی واقعے کی درست تصویر اخذ کرے۔ لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کتاب کو تالیف کرنے کا ارادہ کیا، کیونکہ ضعیف، جھوٹے اور اہلِ خواہشات کی روایات بعض تاریخی واقعات کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتی ہیں خاص طور پر فتنۂ صفین کے معاملے میں۔

---

(۱) سیرتِ نبویہ کی روایات، محدثین کے قواعد اور اخباریوں کی روایات کے درمیان اکرم ضیاء العمری کی کتاب سے، صفحہ ۱۱۔

● **پہلی قسم:** وہ تصنیفات جن کے مؤلفین نے قدیم مصادر تک اپنی سماع کی سندوں کو ذکر کرنے کا منہج اختیار کیا، جیسے: تاریخِ دمشق -(جو سب سے نمایاں ہے)-، تاریخِ بغداد، اور بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب۔

● **دوسری قسم:** وہ تصنیفات جن کے مؤلفین نے یہ منہج (یعنی قدیم مصادر تک اپنی سماع کی سندوں کا ذکر) مستقل طور پر اختیار نہیں کیا، لیکن بعض اوقات وہ ایسا کبھی کبھار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر: الاستیعاب از ابن عبدالبر، المنتظم از ابن الجوزی، اور امام ذہبی کی مختلف تصنیفات۔

ان مصادر کے مآخذ (یعنی جن کتابوں سے یہ اخذ کرتے ہیں) کو جاننا محقق کے لیے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ایسی روایات اور طرق تک رسائی حاصل کرے جو ہمارے دور میں نایاب یا مفقود شمار ہوتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے محققین ان تصنیفات کی پہلی قسم (جیسے تاریخِ دمشق) سے درست طور پر استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کا حال یہ

ہوتا ہے کہ یا تو وہ ایسی کتابوں کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے، یا اگر رجوع کرتے بھی ہیں، تو ابتداء سے انتہاء تک سند کا مطالعہ کرتے ہوئے شدید مشقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یا پھر وہ کسی غلط نتیجے پر پہنچتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ صحیح خبروں کو بھی ضعیف قرار دے دیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ انہیں سند میں کسی راوی کی سوانح میسر نہیں آتی، یا اس لیے کہ اس راوی پر کچھ جرح وارد ہوئی ہوتی ہے۔اور اس کی ایک مثال درج ذیل ہے:

مثال کے طور پر: ''تاریخِ خلیفہ'' کی روایت ابوعمران موسیٰ بن زکریا التستری کے واسطے سے، تو بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ جو خبر ''التستری'' خلیفہ بن خیاط سے روایت کرتا ہے، وہ ضعیف ہے، لہٰذا وہ اس روایت سے احتجاج کو ترک کر دیتے ہیں حالانکہ اس مسئلے کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے[۱]۔

(۱) یہ وضاحت المقدمۃ المنہجیۃ میں گزر چکی ہے۔دیکھیں: صفحہ (۶۵)۔

اسی طرح میں نے محسوس کیا کہ یہاں ایک بڑی خلاء موجود ہے، جس کی وجہ سے بہت سی صحیح روایات سے استفادہ میں مشکلات پیدا ہوئیں۔ چنانچہ میں نے کثرت سے متاخرین مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کیا، اس امید پر کہ- ان کے کئی فوائد کے ساتھ ساتھ- میں دو مقاصد تک پہنچ سکوں:

① میری کتاب متاخرین مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کرنے میں عملی نمونہ بن جائے۔تا کہ تاریخ کا محقق اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ مہارت حاصل کرلے۔

② یہ کہ مصنفین کے مراجع کی طرف رجوع کرنے کا ذوق وشعور محققین کے درمیان عام ہو جائے، جب وہ اس کتاب میں اس کے فوائد کو عملاً دیکھیں۔

* **ساتواں سبب:** یہ ہے کہ مجھے (علما کے مصادر ومراجع کی پہچان) کی مہارت حاصل ہوئی، خصوصاً تاریخِ دمشق کے باب میں، اور یہ مہارت مجھے طویل مطالعے اور مسلسل مشق کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجے میں میں نے ایسی بہت سی روایات اور اطلاعات تک رسائی حاصل کی جو ان مصادر سے ماخوذ تھیں جو آج کے دور میں مفقود شمار ہوتی ہیں، جیسے: کتاب صفین از ابن دیزیل، مسند یعقوب بن شیبہ، اور المعرفۃ والتاریخ از یعقوب بن سفیان کا وہ حصہ جو اب ناپید ہے، اور اس طرح کی بہت سی دیگر کتب۔

ان پر واقفیت نے مجھے درج ذیل امور میں مفید نتائج تک پہنچایا۔

① مجھے روایات کی متعدد اسناد، متابعات اور شواہد میسر آئے، جس کے نتیجے میں مجھے بعض خبروں کی صحت معلوم ہوئی، اور بعض دیگر کے ضعف کا بھی انکشاف ہوا، اسی طرح بعض راویوں کی علتیں اور اوہام بھی میرے سامنے واضح ہو گئیں۔

اور ان میں سے بعض روایات، جن کی صحت میرے لیے واضح ہوئی: وہ ایسی تھیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا تھا کہ وہ ضعیف ہیں۔

② میرے لیے بعض اسناد اور متون میں تصحیفیں (لفظی تحریفات) بھی واضح ہو گئیں، جیسے:

مثال کے طور پر بلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں ایک روایت ذکر کی ہے، جس کا سلسلہ اسناد یہ ہے: احمد بن ابراہیم دورقی، وہب بن جریر، جویریہ، یحیٰی بن سعید، پھر [اس کے چچا] سے روایت ہے کہ: ہم صفین میں ایک دوسرے کے مقابل اترے، اور کئی دن تک لڑائی ہوئی، بہت سے لوگ قتل ہوئے اور گھوڑے زخمی ہو

گئے۔۔۔(۱))۔لیکن مطبوعہ نسخے میں لفظ [عمہ] (اس کے چچا) تحریف ہو کر ''عتبہ'' چھپ گیا، اور یہی تصحیف بعد میں آنے والے تاریخ کے ماہرین کے درمیان مشہور ہو گئی۔ چنانچہ وہ اس راوی کو پہچان نہ سکے، جبکہ میں نے اس راوی کا ترجمہ کیا والحمدللہ۔

(۱) یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ آگے نمبر [۳۳۶] پر آئے گی۔

③ میرے لیے واقعات کی صورت، ان کا تسلسل، اور مختلف واقعات واقوال کا آپس میں تعلق، نیز یہ کہ وہ اقوال کس نے کہے، اور ان کے پیچھے اسباب ومحرکات کیا تھے یہ سب واضح ہو گیا، جیسے:

جیسا کہ ابن دیزِیل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت کیا: (۔۔۔ایک شیخ نے مجھے حدیث بیان کی جو قبیلہ اسلم سے تھا اور یومِ صفین میں شریک ہوا، اُس نے کہا۔۔۔(۱)) پھر اس نے ایک واقعہ ذکر کیا۔ بعدازاں، میں نے اسی شیخ کا تعارف ایک دوسرے طریق سے پایا، جسے ابن سعد نے الطبقات میں روایت کیا ہے، اور وہ ہے: ابومروان الاسلمی۔

(۱) دیکھیں: [۳۵۵] اور [۳۵۶]۔

میں اپنے اُستاد، فاضل مؤرخ شیخ ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث (چیئرمین، شعبۂ تاریخ، جامعہ اُم القریٰ، مکۃ المکرمہ) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری راہنمائی فرمائی۔ وہی ہیں جنہوں نے مجھے ''علمِ معرفۃ الموارد'' سے متعارف کرایا، اس سے پہلے میں اس علم سے ناآشنا تھا۔ انہوں نے مجھ سے صرف ایک جملہ کہا: (تمہیں ضرور کتاب ''موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق'' کی طرف رجوع کرنا چاہیے)۔ چنانچہ میں نے ایسا کیا، اور مجھے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا

فرمائے۔

سابقہ تصنیفات

ہم پہلے قدیم تصنیفات کا ذکر کریں گے، پھر معاصر (جدید) تصنیفات کا۔

قدیم تصنیفات:

قدیم مؤرخین نے جنگِ جمل اور صفین پر مخصوص کتابیں تصنیف کیں، مگر ان میں سے اکثر زمانے کی نذر ہوگئیں اور آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ صفین پر لکھی گئی کتب میں سے - بقدرِ علم - صرف ایک کتاب محفوظ رہی ہے، اور وہ ہے ''وقعہ صفّین [1]'' از ابو الفضل نصر بن مزاحم منقری عطّار کوفی (وفات: ۲۱۲ھ)، جس کی تحقیق عبد السلام ہارون نے کی ہے۔ تاہم یہ کتاب منکرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف نصر بن مزاحم کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا: ''رافضی جلْدٌ، ترکوہ'' یعنی وہ سخت رافضی تھا، محدثین نے اسے ترک کر دیا۔ ابوخَیثمہ نے اسے کذاب قرار دیا، اور ابن العدیم نے بھی اسے وَضاع (حدیثیں گھڑنے والا) بتایا ہے [2]۔ اور ان کتابوں میں سے ہیں:

---

(۱) الفہرست لابن الندیم ص (۱۲۲)۔

(۲) ابن العدیم نے نصر بن مزاحم کے ذریعے دو روایات نقل کی ہیں جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربیعہ، مذحج اور ہمدان کی عورتوں کو قید کرنے اور ان کے مال کو مباح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پھر ابن العدیم نے ان خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمانوں کی عورتوں کو قید کرے یا ان کو مباح سمجھے، یہ روایت نصر بن مزاحم کی گھڑی ہوئی ہے، واللہ اعلم۔]
بغية الطلب في تاريخ حلب (٧ / ٣١١٤ - ٣١١٥). ترجمته التاريخ الكبير (١٠٥/٨) ، الجَرْحُ والتَّعْدِيلُ (٤٦٨/٨) ، الضعفاء للعقيلي (٦ / ١٩٠)، الكامل في الضعفاء (٣٧/٧)، الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (١٦٠/٣) ، تاريخ الإسلام (٤٢٦/١٥ - ٤٢٧)، ميزان الاعتدال (٤/ ٢٥٣ - ٢٥٤، المغني في الضعفاء (٦٦٢١).

[۱] کتاب ''صفین'' از جابر بن یزید الجعفی کوفی (وفات: ۱۲۷ھ)۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے: ضعیف رافضی (۱)۔

[۲] کتاب صفین از ابوسعد ابان بن تغلب ربعی کوفی (وفات: ۱۴۰ھ)۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: ثقہ ہے، لیکن اس پر تشیع کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے (۲)۔

[۳] کتاب صفین از ابومخنف لوط بن یحیی ازدی کوفی (وفات: ۱۵۷ھ)۔ ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا: اس نے سلفِ صالحین سے منقول خبروں کو روایت کیا ہے، اور یہ بات بعید نہیں کہ وہ ان (سلف) کو بھی نشانہ بنائے، وہ ایک شیعیِ مُحترق (یعنی شدت پسند شیعہ) تھا، اور انہی کی روایات کا حامل تھا۔ میں نے اس کا تعارف اس لیے پیش کیا ہے کہ میں اس کی حدیث کا ذکر کرنے سے بے نیاز (۳) رہوں، کیونکہ مجھے اس کی کوئی مسند روایت معلوم نہیں جو میں ذکر کرسکوں۔ اور اس کے پاس صرف وہی خبریں ہیں جو ناپسندیدہ ہیں، جن کا ذکر کرنا میں پسند نہیں کرتا (۴)۔

---

(۱) ھدیۃ العارفین: أسماء المؤلفین وآثار المصنفین از البابانی (جلد ۱، صفحہ ۲۴۹) اور جابر بن یزید الجعفی کا ترجمہ دیکھیں: التقریب (رقم: ۸۷۸)۔

(۲) رجال النجاشی، صفحہ: (۱۱) معجم المؤلفین، جلد: (۱۱) اور اس کا ترجَمہ دیکھیں: التقریب (رقم: ۱۳۶)۔

(۳) لفظ (لِأَستَغنِي) [طبعہ دار الفکر] میں بُری طرح تصحیف کا شکار ہوا ہے۔ درست قراءت شیخ مازن السرساوی کی طباعت (جلد ۱۵، صفحہ ۹) مکتبہ الرشد سے لی گئی ہے۔ اسی طرح المقریزی کی کتاب مختصر الکامل فی الضعفاء (صفحہ ۶۴۵) مکتبہ السنہ، قاہرہ میں بھی درست شکل موجود ہے۔

(۴) اس کی کتاب کا ذکر ابن الندیم نے الفہرست میں صفحہ (۱۲۲) پر کیا ہے۔ ترجمتہ: الضعفاء الکبیر (۱۸۳/۵)، الجرح والتعدیل (۱۸۲۷)، الكامل في الضعفاء (۹۳/۶)، الضعفاء والمتروكين للدارقطني (۱۲۸/۳)، الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (۳/۲۸) تاريخ الإسلام (۵۸۱/۹)، سير أعلام النبلاء (۱۰۳/۷)، ميزان الاعتدال (۴۱۹/۳)، المغني في الضعفاء (۵۱۲۱)، لسان المیزان (۴۲۹/۴) (۱۰۴/۷)۔

امام ذہبی نے کہا: یہ ایک ناقابلِ اعتماد، ضعیف الاخبار راوی ہے، جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اور ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: ہلاک شُدہ (یعنی سخت ضعیف اور

نا قابلِ قبول) ہے۔

میں نے ایک نہایت قیمتی عبارت پڑھی جو دو محققین نے لکھی ہے، جس میں انہوں نے ابو مخنف کی روایات کو طویل جانچ پڑتال کے بعد بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

[لوط بن یحییٰ، ابو مخنف کوفی، کی روایات کو امام طبری[۱] نے ۳۰۰ سے زائد مقامات پر نقل کیا ہے۔۔۔ اور ان کی روایات کی گہری چھان بین اور طبری کی روایات کے تخریج کے دوران ہم نے پایا کہ یہ شخص حقائق کو جوڑنے، گھڑنے اور صحابہ کی عدالت پر طعن کرنے اور ان کی سیرت کو مسخ کرنے میں مہارت رکھتا ہے[۲]]

۴ خبر صفین: قاضی القضاۃ، ابو البختری وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد القرشی الاسدی المدنی (۲۰۰ھ)، انہوں نے امام ابو یوسف کے بعد قضاء القضاۃ (چیف جسٹس) کا منصب سنبھالا۔ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے ان کو کذاب (جھوٹا) قرار دیا[۳]۔

---

(۱) یعنی: اپنی تاریخ (کتاب) میں۔

(۲) صحیح وضعیف تاریخ الطبري (۱/۱۵-۱۴) المقدمة.

(۳) ابن العدیم نے ان سے بغیۃ الطلب (۲۹۹۳/۶) میں اقتباس کرتے ہوئے کہا: [حكى أبو البَخْتَرِي وَهْبُ بنُ وَهْبٍ في خبر صفين" : عن جعفر بن محمد، عن أبيه ...] اسی صفحے پر اس کتاب کو صفین کے نام سے بھی ذکر کیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (۵/۲۱۸۸)، (۵/۲۱۹۸)، (۵/۲۲۰۱)۔

۵ صفین: ابو حذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد بن عبداللہ بن سالم الہاشمی، جو کہ ان (بنی ہاشم) کے مولیٰ تھے، بخاری (۲۰۶ھ)، شیخ، عالم، قصہ گو، مگر ضعیف اور نا قابلِ اعتبار تھے۔ انہوں نے کتاب (المبتدأ) تصنیف کی، جس میں بہت سی مصیبت خیز اور موضوع (من گھڑت) روایات بیان کیں۔ امام دارقطنی نے ان کے بارے میں

کہا: کذاب، متروک الحدیث (یعنی جھوٹا اور نا قابلِ اعتبار[1])۔

[۶] صفین: ابوجعفر محمد بن خالد بن أمۃ الهاشمی الدمشقی امام ابوحاتم نے اس کے بارے میں فرمایا: یکْذِبُ یعنی جھوٹ بولتا ہے[2]۔

[۷] صفّین: ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، ان کے آزاد کردہ غلام، الواقدی المدینی القاضی (وفات: ۲۰۷ھ)، علم کی وسعت کے باوجود متروک ہیں[3]۔

---

(۱) اس کا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں صفحہ (۱۲۳) پر کیا ہے۔ اس کی سوانح و جرح: الضعفاء والمتروکون از دارقطنی، ۲۵۷/۱۷۷ سیر اعلام النبلاء از امام ذہبی ۹/۳۷۷

(۲) ابن العدیم نے بغیۃ الطلب میں اس سے اقتباس کیا، کہا: [میں نے کتاب صفین، مؤلف: ابوجعفر محمد بن خالد الهاشمی المعروف ابن أمۃ میں پڑھا:۔۔۔] (۱۱/۲)۔ نیز دیکھیے: (۲۹۰۱)، (۱/۳۰۳)، (۱/۳۱۰)، (۵/۲۱۴۰)۔ اور اسے (۱۰/۴۷۱۶) پر اخبار صفّین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ کریں: الجرح والتعدیل (۷/۲۴۴)۔ اور محمد بن خالد کے حوالے سے ایک من گھڑت روایت بھی ہے جو بیان کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز چاشت کے وقت پڑھی تھی۔ یہ روایت کتاب ''خُطبہ حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما عند البیعۃ'' میں حدیث نمبر [۳۷] کے تحت آئے گی۔

(۳) اس کی کتاب کا ذکر ابن الندیم نے الفہرست میں صفحہ ۱۲۲ پر کیا ہے۔

[۸] صفّین: ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف المدائنی، الاخباری (۲۲۴ھ)۔ امام ذہبی نے المغنی میں فرمایا: صدوق۔ اور سیر اعلام النبلاء میں فرمایا: العَلاَّمہ، الحافِظ، الصَّادِق، بغداد میں مقیم تھے، تصانیف کیں، سیر، مغازی، انساب اور ایام العرب کے علم میں تعجب خیز درجے پر فائز تھے، جو کچھ نقل کرتے تھے اس میں قابلِ اعتماد تھے، اور ان کی اسناد بلند ہوتی تھیں۔ ابوجعفر طبری نے کہا: حارث بن ابی اسامہ کا قول ہے: وہ ایامِ ناس، عرب کے واقعات و روایات اور انساب کے بہت بڑے عالم تھے، فتوحات و مغازی اور اشعار کی روایت کے ماہر تھے، اور ان تمام چیزوں میں صدوق تھے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ثقہ، ثقہ، ثقہ۔ ابن عدی نے کہا: حدیث میں قوی نہیں ہیں، لیکن یہ صاحبِ اخبار ہیں، اور ان کی مسند روایات بہت کم

ہیں[۱]۔

[۹] صفین: ابو اسحاق اسماعیل بن عیسیٰ العطار البغدادی (۲۳۲ھ)، انہوں نے ابوحذیفہ اسحاق بن بشر البخاری سے کتاب المبتدأ والفتوح روایت کی۔ خطیب بغدادی نے کہا: ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں[۲]۔

[۱۰] صِفّین: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العبسی، جو کہ کوفی تھے اور (۲۳۵ھ) میں وفات پائی یہ وہی مشہور محدث ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ کے مصنف ہیں۔ ثقہ حافظ (قابلِ اعتماد اور حدیث کے حافظ) تھے[۳]۔

[۱۱] کتاب صِفّین: مصنف: یحیی بن سلیمان بن یحیی بن سعید بن مسلم بن عبید، ابوسعید الجعفی الکوفی (۲۳۷ھ) تھے۔ یہ صدوق (سچے) تھے، مگر ان سے خطا بھی ہوجاتی تھی۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ایک تھے[۴]۔

---

(۱) ابن العدیم نے ان سے بغیۃ الطلب (۹/۴۰۱۳) میں اقتباس کیا، اس میں انہوں نے کہا: [المدائنی نے اپنی کتاب صفین میں ذکر کیا۔۔۔] ان کی سوانح درج ذیل کتابوں میں آئی ہے: الکامل فی الضعفاء (۵/۲۱۳)، تاریخ بغداد (۱۲/۵۴)، المغنی فی الضعفاء (۴۳۲۶)، سیر اعلام النبلاء (۱۰/۴۰۰)۔

(۲) ان کا ذکر ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں صفحہ (۱۳۹) پر کیا ہے، جبکہ ان کی تفصیلی سوانح تاریخ بغداد میں (۲۵۹/۶) پر موجود ہے۔

(۳) الفہرست لابن الندیم ص (۲۸۱)۔

(۴) امام ذہبی نے فرمایا: [کتاب صفین یحییٰ بن سلیمان الجعفی کی ہے، جس میں انہوں نے ایک سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔۔۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:
[یحییٰ بن سلیمان الجعفی - جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں - نے اپنی تالیف کتاب صفین میں ایک جید سند کے ساتھ ابو مسلم خولانی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے خلافت میں نزاع کرتے ہیں؟ یا آپ ان جیسے ہیں؟۔۔۔]
(مراجع: سیر أعلام النبلاء ۳/۱۴۰، فتح الباری ۱۳/۸۶، موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۳۹۹۱، تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۷۵۶۴)۔ اور جب میں نے یحییٰ الجعفی کی کتاب ''صفین'' کی روایات کو تتبع کے ساتھ دیکھا تو معلوم ہوا کہ: وہ اپنے شیخ نصر بن مزاحم (مصنف ''وقعۃ صفین'') سے اکثر روایات بیان کرتے ہیں۔
-بعض روایات کتاب وقعۃ صفین میں بعینہٖ انہی اسناد کے ساتھ موجود ہیں، البتہ متون میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔

-بعض روایات اسی کتاب میں موجود تو ہیں، لیکن مختلف اسناد کے ساتھ، یعنی نصر کے شیوخ مختلف ہیں یا متون میں قابلِ توجہ فرق پایا جاتا ہے۔

(اگلی سطور میں ابن دیزیل کی ''کتاب صفین'' پر گفتگو میں مزید وضاحت آئے گی)۔

۲ | ۱ صفین: امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی (۲۴۱ھ) ثقہ، حافظ محدث تھے۔ یعنی: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحبزادے، جو حدیث کے مشہور ثقہ اور حافظ راوی تھے، ان سے بھی کتاب صفین کی روایات منقول ہیں(۱)۔

---

(۱) امام مزی نے اپنی کتاب تہذیب الکمال (۳/ ۲۹۲) میں ان سے اقتباس کیا ہے اور اشعث بن قیس کی ترجمہ میں ان کا نام صراحت سے ذکر کیا ہے۔ ان کی سوانح سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۵۱۶) میں بھی موجود ہے۔ عبداللہ بن احمد کی ایک کتاب الجمل بھی ہے، جس کا ذکر تھوڑی دیر بعد آئے گا، اور اس میں یہ بات ہے کہ اس کتاب الجمل کو ان سے روایت کرنے والے ابوصالح قاسم بن سالم الاخباری ہیں۔ یہ بات خطیب بغدادی نے کہی ہے اور جو بات میرے سامنے ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ کہ: یہ قاسم، کتاب ''صفین'' بھی انہی (عبداللہ بن احمد) سے روایت کرتے ہیں؛ اس لیے کہ اشعث اور معاویہ کے درمیان پانی کے مسئلے پر جو قصہ ہے، اسے عبداللہ بن احمد نے اپنی کتاب صفین میں نقل کیا ہے، جیسا کہ تہذیب الکمال میں موجود ہے، اور اسی قصے کو ابن عساکر نے (۹/ ۱۳۷) اپنی سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے:

[قاسم بن سالم، عن عبداللہ بن احمد، بہ]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاسم نے کتاب ''صفین'' کو عبداللہ بن احمد سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عساکر اپنی تاریخ میں کتاب الجمل کو عبداللہ بن احمد سے ایک مختلف سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں جو کتاب صفین سے الگ ہے،،،

چنانچہ کتاب الجمل: کو وہ اس سند سے روایت کرتے ہیں: [ہمیں ابوعبداللہ الحسین بن محمد البلخی نے خبر دی، ہمیں عبدالواحد بن علی العلاف نے خبر دی، ہمیں ابوالحسن علی بن احمد الحمامی المقری نے خبر دی، ہمیں ابوصالح القاسم بن سالم بن عبداللہ الاخباری نے خبر دی، ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے خبر دی] (۱۲/ ۲۱۲)، (۱۲/ ۲۱۳)، (۱۲/ ۲۱۴)، (۱۲/ ۲۲۱)، (۱۲/ ۲۲۲)، (۱۲/ ۲۲۳)، (۴۲/ ۳۶۶)، (۵۹)، (۳۳/ ۳۷۴)، (۳۳/ ۲۹)، (۱۹/ ۲۰۲)، (۱۹/ ۱۷۱)، (۱۲/ ۲۲۸)، (۱۲/ ۲۲۷)، (۱۲/ ۲۲۶)، (۶۵/ ۱۰۶) یہ تمام مقامات حُجر بن عدی کے قتل کے واقعات سے متعلق ہیں۔

جبکہ (۱۱۶/ ۲۵) اور (۵۳/ ۳۱۹) مقام پر جمل کے واقعہ کا ذکر ہے۔

رہی بات کتاب صفین: کی، تو اسے ابن عساکر اس سند سے روایت کرتے ہیں: [ہمیں ابوالقاسم بن السمرقندی نے خبر دی، عن ابی القاسم یوسف بن محمد بن المہروانی، ہمیں ابوالحسن علی بن احمد الحمامی المقری نے یہ روایت دی]

(۱۳۷/ ۹)، (۱۱/ ۳۵۲) میں صفین کے معرکہ کا ذکر ہے، اور (۲۶/ ۱۹۹) پر عبادہ بن صامت اور معاویہ کے درمیان خلافت کے زمانے میں پیش آنے والے قصے کا ذکر ہے۔ مزید دیکھئے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/ ۴۰۱)

[۳] [۱] صفین : ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن علی ہمدانی کسائی، جنہیں ''ابن دیزیل'' کے نام سے جانا جاتا ہے (وفات: ۲۸۱ھ) حاکم نے کہا ہے: ثقہ اور امانت دار ہیں[۱]۔

(۱) (۱) ابن کثیر نے سنہ ۲۸۱ھ کے واقعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے: اس سال جن مشاہیر کی وفات ہوئی ان میں سے ایک: ابراہیم بن حسین بن دیزیل الحافظ ہیں، جو کئی تصانیف کے مؤلف تھے، ان میں صفین کے معرکہ پر ایک ضخیم مجلد بھی شامل ہے۔
(البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۸۱)۔ دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۳۹۸)
اور ان کی سوانح: سیر أعلام النبلاء (۱۳/ ۱۸۴)
کتاب ''صفین'' ابن دیزیل کی نسخہ: ابن عساکر اپنی تاریخ دمشق میں اور ابن العدیم اپنی کتاب بغیۃ الطلب میں اس کتاب کو اپنی سندوں کے ساتھ یوں روایت کرتے ہیں: [ابوعلی الحسن بن احمد بن ابراہیم بن شاذان البغدادی، عن ابی الحسن احمد بن اسحاق بن نیخاب الطیبی، عن ابن دیزیل]۔ دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۳۹۹)، اور اس کا حاشیہ (۱/۴۰۰) بعض اوقات ابن العدیم اسے ابن عساکر کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں۔
دیکھیں: بغیۃ الطلب (۹/ ۴۱۵۳)۔
ابن العدیم نے ایک مقام پر کہا:
[ابراہیم بن الحسین نے - جیسا کہ ہمیں ان تک سند کے ساتھ اجازت ملی - روایت کیا کہ ۔۔۔] (بغیۃ الطلب ۱/۳۰۱)
میں کہتا ہوں: ابن دیزیل کی کتاب صفین ہمارے زمانے میں مفقود شمار ہوتی ہے، لیکن میں نے ابن عساکر اور دیگر حضرات کے حوالوں سے اس کتاب کی متعدد روایات کا تتبع کیا، تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یحییٰ بن سلیمان الجعفی کی کتاب صفین [جو خود بھی مفقود ہے] اور نصر بن مزاحم منقری کی کتاب وقعہ صفین سے بڑی مقدار میں مواد لیا ہے۔ جب میں نے نصر کی روایات کو ان کی مطبوعہ کتاب وقعہ صفین سے تقابل کیا، تو بعض روایات میں اختلاف بھی پایا۔
مزید میں یہ بھی کہتا ہوں:
میں نے ابن دیزیل کی کتاب صفین کی روایات کو مختلف مصادر سے جمع کیا، والحمد للہ۔

[۴] [۱] صفین: ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعید بن مسعود الثقفی الکوفی (وفات: ۲۸۳ھ)۔ امام ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ہے: یہ شیعہ کے بڑے سروں (رہنماؤں) میں سے تھے۔ اور ابونعیم اصفہانی نے فرمایا: یہ رفض میں غلو کرنے والے تھے، چنانچہ ان کی حدیث کو ترک کر دیا گیا[۱]۔

میں کہتا ہوں: یہ ثقفی، کتاب ''الغارات'' کا مؤلف ہے۔

(۱) یاقوت حموی نے کہا: [ان کی کئی تصانیف ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب الحکمین] اسی طرح ابو جعفر طوسی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے ان (کتابوں) کو آپس میں مدغم کر دیا ہے؛ چنانچہ امام ذہبی نے کہا: [الجمل، صفین اور الحکمین (ایک ساتھ ذکر کیے)]
اور ابن حجر نے صرف دو کا ذکر کیا: [صفین اور الحکمین]۔ ان کی سوانح درج ذیل کتابوں میں موجود ہے: الفہرست از طوسی، ص: ۷۳، تاریخ اصفہان (۱/۲۲۸)، معجم الادباء (۱/۱۰۵)، تاریخ الاسلام (۲۱/۱۱۲)، لسان المیزان (۱۰۲۱)، اور الاعلام (۱/۶۰)۔

۱ ۵ تاریخ صفین: ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی، جنہیں مُطَیَّن کے لقب سے جانا جاتا ہے (وفات: ۲۹۷ھ)۔ دارقطنی نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ ثقہ، پہاڑ جیسے (یعنی انتہائی مضبوط اور معتبر) راوی تھے (۱)۔

۱ ۶ وقعہ صفین: ابو جعفر محمد بن زکریا بن دینار غلابی بصری (وفات: ۲۹۸ھ)۔ دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور ذہبی نے اس پر کذب (جھوٹ گھڑنے) کا الزام لگایا ہے (۲)۔

۱ ۷ اخبار صفین: محمد بن عثمان کلبی بروکلمان نے ان کا ذکر کیا ہے اور کہا: ان کی زندگی کے حالات سے متعلق کوئی معلومات ہم تک نہیں پہنچی (۳)۔

۱ ۸ الجمل و صفین: ابو عبیدہ معمر بن مثنّیٰ تیمی، جو ان (بنو تیم) کے آزاد کردہ غلام تھے، بصری اور نحوی تھے (وفات: ۲۰۸ھ)۔ یہ سچ بولنے والے، اخبار و آثار کے ماہر شخص تھے، لیکن ان پر خوارج کے نظریے کی طرف مائل ہونے کا الزام لگایا گیا ہے (۴)۔

---

(۱) مطیَّن کی سوانح درج ذیل کتب میں موجود ہے: ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، از البابانی (صفحہ ۲۳۲)، سؤالات حمزہ للدارقطنی (حدیث نمبر ۲)، اور سیر اعلام النبلاء (۱۴/۴۱)۔

(۲) ان کا ذکر الفہرست از ابن الندیم (صفحہ ۱۳۸) اور الاعلام (۶/۱۳۰) میں موجود ہے، جبکہ ان کی سوانح درج ذیل کتب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے: میزان الاعتدال (۳/۵۵۰)، الضعفاء والمتروکون از دارقطنی (۳/۱۳۱)، اور سؤالات الحاکم (حدیث نمبر: ۲۰۶)۔

(۳) تاریخ الادب العربی (۳/۳۸)۔

(۴) ان کا ذکر الفہرست (صفحہ ۷۷) میں آیا ہے، جبکہ ان کی سوانح تقریب التہذیب (رقم: ۶۸۱۲) میں موجود ہے۔

۱۹۔ صفین اور جمل: خلف بن سالم مُخَرِّمی، ابو محمد مہلبی، جوان (بنومخرمہ) کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بغدادی، سندی (وفات: ۲۳۱ھ): ابن حجر نے فرمایا: یہ ثقہ، حافظ (حدیث کے بڑے حافظ) تھے، انہوں نے مسند تصنیف کی۔ ان پر تشیع (شیعہ رجحان) اور قاضی کے بعض معاملات میں شامل ہونے کا الزام گزرتا ہے۔

تعلیق فواز:

یہ کتاب (یعنی صفین والجمل)، ردی درجے کی کتاب ہے، اس کے مؤلف پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے، اور اس کتاب میں ساقط، ضعیف روایات کو جمع کیا گیا ہے، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وملامت پائی جاتی ہے۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کتاب کو سننے سے منع کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بہت ابتدائی زمانے ہی میں ناپید ہوگئی۔

عبدالخالق بن منصور کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے خلف المخرّمی کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: یہ صدوق ہے۔ میں نے کہا: اے ابا زکریا! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی برائیاں بیان کرتا ہے! تو یحییٰ نے جواب دیا: وہ صرف ان روایات کو جمع کرتا تھا، لیکن انہیں بیان نہیں کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۸/۳۲۴)

جہاں تک ائمہ کرام کی جانب سے خلف بن سالم کی کتاب صفین والجمل سے روایت کرنے کا تعلق ہے، تو وہ منتخب (چنیدہ) روایات کو لیتے تھے، اور وہی چنیدہ مواد ان کی کتابوں میں محفوظ رہ گیا۔ ابو بکر الخلال نے اپنی کتاب السنہ (حدیث: ۷۲۳) میں روایت کیا:

عصمۃ بن عصام نے کہا: حنبل (بن اسحاق) نے بیان کیا: میں کتاب صفین والجمل کو خلف بن سالم سے نقل کرنا چاہتا تھا، تو میں امام احمد بن حنبل کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں بات کی، تو امام احمد نے فرمایا: اس کتاب کا کیا کرو گے؟ اس میں نہ حلال ہے نہ حرام، میں نے خود خلف کے ساتھ بیٹھ کر وہ کتاب لکھی ہے، میں نے صرف اسناد لکھی تھیں، اور باتوں (روایات) کو چھوڑ دیا تھا، خلف نے اسے مکمل لکھا تھا۔ میں غندر کے پاس بھی حاضر ہوا، ہم وہاں جمع ہوئے، تو میں نے شعبہ کی حدیث کی اسناد لکھیں اور خلف نے بھی وہی کی۔ میں نے امام احمد سے پوچھا: آپ نے صرف اسناد لکھیں اور باتیں چھوڑ دیں، ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ شعبہ نے ان میں سے کیا روایت کیا ہے۔ حنبل کہتے ہیں: میں پھر خلف کے پاس گیا اور وہ کتاب نقل کی، تو یہ بات امام احمد تک پہنچی، تو انہوں نے میرے والد سے فرمایا: اس کتاب کو لے لو اور اسے اس سے روک دو، اسے دیکھنے نہ دو! عصمۃ بن عصام کے بارے میں خطیب بغدادی نے سکوت اختیار کیا ہے (تاریخ بغداد ۱۲/۲۸۴)، اور یہ روایت طبقات الحنابلہ (۱/۲۴۶) میں بھی موجود ہے۔ حنبل بن اسحاق، امام احمد بن حنبل کے چچازاد بھائی اور ان کے خاص شاگرد تھے۔ خلال نے ایک اور جگہ (حدیث: ۸۱۱) روایت کیا: حمزہ بن قاسم نے کہا: حنبل نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے سنا: غندر (یعنی محمد بن جعفر) نے شعبہ سے جو کچھ روایت کیا، اسے لکھا، ہم نے بھی اس سے نقل کیا میں

اورخلف بن سالم دونوں۔ان احادیث میں وہ احادیث بھی تھیں (جن میں کچھ قابل اعتراض چیزیں تھیں)،تو میں نے انہیں نقل نہ کیا،لیکن خلف نے انہیں مکمل لکھ لیا۔امام احمد نے فرمایا: میں صرف اسناد لکھتا تھا اور باتوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ میں نے امام احمد سے پوچھا:'ایسا کیوں؟ تو فرمایا: تاکہ یہ جان سکوں کہ شعبہ نے کیا روایت کیا۔ پھر امام احمد نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی ان احادیث کو لکھے جن میں ان (معترضہ امور) کا ذکر ہو۔ یہ (روایات) صحابۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہیں، نہ ان میں کوئی حلال ہے، نہ حرام، نہ سنّت! میں نے (امام احمد سے) پوچھا: تو کیا میں ان کو لکھوں؟ فرمایا: انہیں دیکھنا بھی نہیں، ان میں علم کی کیا چیز ہے؟ تم سنّت، فقہ اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جو تمہیں نفع دیں۔

حمزہ بن قاسم: ان کا پورا نام ابوعمر ہاشمی بغدادی ہے۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ ثقہ اور ثبت (یعنی مضبوط حافظے والے اور قابل اعتماد) راوی تھے۔ (تاریخ بغداد: ۸/۱۷۸)۔ اور ان کا ذکر الدلیل المغنی لشیوخ الدارقطنی (ص:۱۸۹) میں بھی آیا ہے۔

امام احمد کا قول: (اور ان (روایات) میں وہ احادیث بھی تھیں)۔ یعنی: وہ خبریں جن میں مثالب (عیوب) اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن موجود تھا۔

ان کا قول: (تو میں نے تو انہیں نہیں لکھا، اور خلف نے ان سب کو مکمل طور پر لکھ لیا)۔ اس کی تفسیر اگلے جملے سے ہوتی ہے: (میں صرف اسناد لکھتا تھا اور کلام (متنِ حدیث) چھوڑ دیتا تھا)۔ یعنی: امام احمد بن حنبل- ان خبروں کی صرف اسناد لکھا کرتے تھے جن میں صحابۂ کرام پر طعن ہوتا تھا، اور ان کے متون نہیں لکھتے تھے۔ وہ صرف اسناد لکھتے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ شعبہ نے ان میں سے کیا کچھ روایت کیا ہے۔ جبکہ خلف بن سالم ان روایات کو مکمل طور پر لکھ لیا کرتے تھے، یعنی اسناد کے ساتھ ساتھ ان کے متون بھی۔

۞ شرح القصہ: امام احمد، خلف بن سالم اور کتاب صفین والجمل کی روایت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ انہوں نے خلف بن سالم المخرّمی کے ساتھ مل کر کتاب صفین والجمل کی روایات لکھی تھیں۔ یعنی وہ تمام روایات جو خلف بن سالم نے اپنی کتاب میں جمع کیں، امام احمد نے بھی انہیں اس کے ساتھ مل کر جمع کیا۔ وہ دونوں بزرگ مشترکہ طور پر شیوخ حدیث- جیسے غُندَر، عبدالرزاق اور دیگر- کے پاس جاتے، اور ان سے یہ روایات سنتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد کو خلف بن سالم کی کتاب پر مکمل اطلاع اور نظر حاصل تھی۔ تاہم ان دونوں کے درمیان ایک واضح فرق تھا:

پس امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان روایات کی صرف اسناد لکھا کرتے تھے،

اور ان کے متون نہیں لکھتے تھے، کیونکہ ان متون میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وملامت پائی جاتی تھی۔ امام احمد نے یہ اسناد اس لیے نقل کی تھیں تاکہ انہیں ان اسناد، ان کے رواۃ، ان کے علل، اور شیوخ شعبہ وغیرہ پر مکمل بصیرت حاصل ہو۔ اسی طرح وہ اسناد امام احمد کے لیے راویوں کی روایات کی مقدار، ان کی مرویات کی نوعیت، ان کے اسماء، کنیتیں، سیرتیں، مشاہدات، وفاتیں، علاقوں اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے ان کا درجہ جاننے کے لیے نافع تھیں۔ یہ سب امور علمِ حدیث سے متعلق ہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ اپنے دور کے امامِ فن تھے- حدیث، اس کے علل، جرح وتعدیل اور رجال کے علوم میں۔ پس یہ روایات اور ان کی اسناد امام احمد کو حدیث کے فن میں ان کی مہارت کے لیے مدد دیتی تھیں۔

حنبل نے اپنے چچا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا: (آپ نے صرف اسناد کیوں لکھیں اور کلام (یعنی متون) کو

کیوں چھوڑ دیا؟) یعنی: آپ نے متون کو کیوں نہیں لکھا؟ تو امام احمد نے جواب دیا کہ وہ صرف ان باتوں کو جاننا چاہتے تھے جو علمِ حدیث سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے کہ: شعبہ کی روایات، ان کے شیوخ، ان کے اسماء، کنیتیں وغیرہ۔ امام احمد نے فرمایا: (میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ شعبہ نے ان روایات میں سے کیا کچھ روایت کیا ہے)۔

رہی بات خلف بن سالم المخرّمی کی، تو وہ ان روایات کو اسناد اور متون سمیت مکمل طور پر لکھتا تھا۔ حالانکہ- جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں- یہ روایات صحابہ کرام پر طعن وملامت اور ان کی کردار کشی پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمل اور صفین کی فتنہ انگیز روایات کے اکثر راوی مجہول، ضعیف یا کذاب ہوتے تھے۔ ابن حجر کے بیان کے مطابق خلف بن سالم شیعہ مسلک رکھتا تھا، اور وہ ایسی باطل اور گھٹیا روایات کی تلاش میں رہتا تھا جو صحابہ کرام پر طعن واعتراض سے بھری ہوتیں- اور انہیں اپنی کتاب صفین والجمل میں شامل کر لیتا تھا، حالانکہ یہ غلط اور غیر معتبر روایات تھیں۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس طرزِ عمل پر اسے تنبیہ کی، اور اس کتاب کو سننے سے منع فرمایا۔

اور اس واقعے کی مزید تفصیلات بھی ہیں، جو دیگر روایات میں وارد ہوئی ہیں، جنہیں امام خلّال نے اپنی کتاب ''السنۃ'' میں ذکر کیا ہے، باب کے عنوان کے تحت: [ان لوگوں پر سخت وعید جو ایسی احادیث لکھتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر طعن ہو]، ان میں وارد روایات درج ذیل ہیں:

امام خلّال نے ''السنۃ'' (حدیث نمبر: ۸۰۳) میں روایت کیا ہے: مجھے عباس بن محمد بن ابراہیم نے خبر دی، کہا: میں نے جعفر طیالسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا: عبد الرزاق کے پاس تین افراد موجود تھے: احمد بن حنبل، خلف بن سالم، اور ایک اور شخص۔ جب مجلس میں وہ احادیث آئی جن میں صحابۂ کرام پر مثالب (عیوب) وطعن تھے، تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور کافی دیر تک یوں ہی رکھیں حتیٰ کہ وہ احادیث گزر گئیں۔ پھر انہوں نے انگلیاں نکال دیں- پھر کچھ اور احادیث آئیں، تو انہوں نے دوبارہ انگلیاں کانوں میں ڈال لیں- یہاں تک کہ ساری احادیث ختم ہو گئیں۔ یا جیسا کہ راوی نے کہا۔

اس روایت میں اس تفصیل کا ذکر ہے جو ''حنبل'' کی سابقہ روایت میں بھی آئی تھی۔ یعنی خلف بن سالم اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دونوں عبد الرزاق صنعانی سے وہ روایات سنا کرتے تھے، جن میں سے بعض روایات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وملامت موجود تھی۔ ان دونوں کا طرزِ عمل مختلف تھا: خلف بن سالم ان روایات کو مکمل طور پر سنتا اور محفوظ کرتا تھا۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ ان روایات کی صرف اسناد سنتے تھے، اور جب طعن ومثالب پر مشتمل متون آتے، تو اپنے دونوں کان بند کر لیتے تاکہ وہ ان کا متن نہ سنیں۔

امام خلّال نے اپنی کتاب ''السنۃ'' میں (حدیث نمبر: ۸۰۱) یہ روایت نقل کی: مجھے عباس بن محمد الدُّوری نے خبر دی، کہا: ہمیں ابراہیم (جو اَبان بن صالح کے بھائی تھے) نے بیان کیا: انہوں نے کہا: میں عبد الرزاق کے ہاں امام احمد بن حنبل کا ہم نشین تھا۔ ہم دونوں احادیث سن رہے تھے، جب وہ روایات آئیں جن میں بعض ایسی باتیں تھیں، تو امام احمد بن حنبل اٹھ کر ایک طرف ہو گئے اور فرمایا: (میں ان سے کیا کروں؟) پھر جب وہ احادیث ختم ہو گئیں، تو وہ واپس آ گئے اور دوبارہ سماعت شروع کر دی۔ عبارت (الَّتِي فِيهَا بَعْضُ مَا فِيهَا) کا مطلب یہ ہے: ایسی احادیث جن میں صحابۂ کرام پر طعن اور ان کی کردار کشی موجود تھی۔ یہ روایت بھی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے امام خلّال نے اس باب میں ذکر کی ہے: [ان پر سخت وعید جو ایسی احادیث لکھتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر طعن ہو]۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اخبار ردیئہ سے مراد

وہی روایات ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص اور عیب جوئی کی گئی ہو۔

اور امام احمد کا یہ قول: (میں ان سے کیا کروں؟) (مَا أَصْنَعُ بِهَذِهِ؟) اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ منکر اور باطل روایات ہیں جو درست نہیں، اور ان میں صحابۂ کرام پر طعن موجود ہے۔ اہلِ حدیث اور ائمۂ جرح وتعدیل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایسی کمزور، منکر اور ساقط روایات کو لکھنے سے منع کرتے تھے، نیز ایسی شاذ اور عجیب احادیث کے پیچھے پڑنے سے روکتے تھے، مگر اگر کوئی ان کو صرف اس غرض سے جمع کرے کہ ان کا حال معلوم کرے اور دوسروں پر واضح کرے کہ یہ باطل ہیں، تو اس کی اجازت دی جاتی تھی۔

امام خَلّال نے اپنی کتاب ''السنۃ'' (حدیث: ۸۰۵) میں روایت کیا ہے: ہمیں ابو بکر المروذی نے خبر دی، کہا: میں نے امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) سے خلف بن سالم المخرمی کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ''وہ میرے ساتھ طرسوس کی طرف نکلا، اس کی کتابیں اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تھیں ہم دونوں پیدل سفر کر رہے تھے۔ ابھی ہم رَحبۂ طَوق بھی نہ پہنچے تھے کہ اس نے مجھے پریشان کر دیا (یعنی تھکا دیا)۔ پھر فرمایا: ''ہم طرسوس کے راستے میں لِقاط کے مقام پر نکلے، اور میں اسے صرف پیٹ اور شرمگاہ کے اعتبار سے پاکیزہ جانتا تھا (یعنی ظاہر میں پاک دامن تھا)۔ پھر امام احمد کہتے ہیں: '' کچھ عرصہ بعد میں اپنے چچا کے گھر گیا، جو المُخَرِّم کے علاقے میں تھا، تو میں نے خلف کو وہاں دیکھا، لیکن میں نے اس سے رخ پھیر لیا (یعنی بات نہیں کی)۔ پھر امام احمد نے فرمایا: '' آخر لوگوں نے خلف پر کون سی چیز کو ناپسند کیا؟ صرف یہی اخبارِ ردیئہ (یعنی وہ احادیث جو ضعیف، ساقط اور صحابہ پر طعن والی تھیں)۔ پھر فرمایا: ''غُندَر کے پاس ایک ورق یا پرچی تھی، پس خلف اور یحییٰ (یعنی غالباً یحییٰ بن معین) نے تنہائی میں جا کر وہ (احادیث) سنی تھیں۔ جب یہ بات یحییٰ القطان تک پہنچی، تو انہوں نے اس پر سخت کلام کیا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے واضح کیا کہ اہلِ حدیث نے خلف بن سالم پر جو سب سے بڑا انکار کیا، وہ یہ تھا کہ وہ منکر اور ضعیف روایات کو تلاش کر کے جمع کرتا تھا، یعنی وہ روایات جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و ملامت موجود تھی۔ یہی الاحادیث الردیئہ کہلاتی ہیں۔

غُندَر کے پاس ایک ورقہ تھا جسے وہ شعبہ سے روایت کرتا تھا، اس میں بعض ساقط اور غیر صحیح خبریں تھیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص موجود تھی۔ یہ ورقہ خلف بن سالم المخرمی اور یحییٰ بن معین نے سنا، تو یحییٰ بن سعید القطان نے ان دونوں پر اس بات کا انکار کیا۔

اور خلف بن سالم - جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے - شیعہ تھا، وہ ان ردی اور باطل خبروں کو جمع کرتا اور اپنی کتاب ''صفین والجمل'' میں داخل کرتا تھا۔ اس وجہ سے امام احمد اس کتاب کے سننے سے منع کرتے تھے اور اس کے اس عمل کی مذمت کرتے تھے۔

اور خَلّال نے (حدیث نمبر ۸۰۶) روایت کیا: ہمیں محمد بن علی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے مہنّی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے امام احمد سے خلف بن سالم کے بارے میں پوچھا، تو امام احمد نے اس کی تعریف نہیں کی اور یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس سے روایت لکھی جائے۔

یعنی: ان ردی اور باطل خبروں کو (جو صحابہ پر طعن پر مشتمل تھیں)۔ پس امام احمد نے خلف بن سالم سے ان کی روایت لکھنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ ان خبروں کو تلاش کر کے جمع کرتا تھا۔

اور امام احمد نے اپنے بھتیجے حنبل بن اسحاق کو بھی خلف بن سالم المخرمی کی مرتب کردہ اس ردی کتاب ''صفین والجمل'' کو لکھنے سے روکا، اور اسے نفع بخش علم کی طرف متوجہ کیا، یعنی احادیثِ حلال وحرام، احادیثِ احکام وعقائد کی طرف۔

خلّال نے (حدیث نمبر ۸۱۵) روایت کیا: ہمیں عبدالملک میمونی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہم نے اعمش کی حدیث کے بارے میں گفتگو کی، اور اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں اور ان چیزوں کے بارے میں بھی جو مبہم اور اندھیری ہیں، تو میں نے کہا: ''اے ابوعبداللہ (یعنی امام احمد)! ان باتوں کے باوجود بھی؟'' تو انہوں نے مجھے جواب دیا: ''ہاں، یعنی وہ ثابت ہوتی ہیں''، پھر امام احمد نے مجھ سے فرمایا: ''تمہیں ان احادیث کو سننا مناسب نہیں، یحییٰ بن سعید (القطان) تک یہ بات پہنچی کہ غندر نے شعبہ سے اس قصے میں کوئی چیز روایت کی ہے، تو ہمارے بعض ساتھی اس کے پاس گئے لیکن میں خود نہیں گیا، تو یحییٰ نے کہا: اس نے یہ حدیث بیان کرنے کی جرأت کیوں کی؟ ممکن ہے کسی شخص نے کسی چیز میں غلطی کی ہو اور وہی بات اس نے آگے بیان کر دی، تو کیا وہ اس شخص سے اسے روایت کرے؟''

ان کے قول (وَمَا يَرَى مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ الْمُظْلِمَةِ) (اور ان اندھیری چیزوں کو جو وہ دیکھتا ہے) سے مراد ہے: اعمش کی وہ روایتیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ومثالب (عیب جوئی) پائی جاتی ہے، نعوذ باللہ۔ اور یہ بات آنے والی تین روایتوں میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

خلّال نے (حدیث نمبر ۸۱۸) روایت کیا: ہمیں موسیٰ بن حمدون نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے حنبل نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے ابوعبداللہ (یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو فرماتے سنا: سلام بن ابی مطیع نے ابوعوانہ کی اس کتاب کو لے لیا تھا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر تھا، تو اس نے اعمش کی وہ احادیث جلا دی تھیں جو اس کتاب میں موجود تھیں۔

ابوعوانہ: ان کا اصل نام وضّاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی ہے۔ وہ ثقہ، ثبت (قابل اعتماد اور مضبوط حافظہ والے راوی) تھے۔ ان کے بارے میں علامت ع ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان سے اصحابِ کتبِ ستہ (صحاح ستہ) نے روایت کی ہے۔ حوالہ: تقریب التہذیب (راوی نمبر ۷۴۰۷)۔

خلال نے ''السنۃ'' میں روایت کیا: عبداللہ بن احمد (بن حنبل) نے کہا: میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) کو یہ کہتے سنا کہ سلام بن ابی مطیع، ایوب (السختیانی) کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے نزدیک قابل اعتماد اشخاص میں شمار ہوتے تھے، اور وہ ایک صالح (نیک) انسان تھے۔ ان سے عبدالرحمن بن مہدی نے روایت کی۔ پھر میرے والد نے (یعنی امام احمد نے) کہا: ابوعوانہ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیوب کا ذکر تھا، اور اس میں بہت سی ناروا باتیں (بلایا) بھی درج تھیں۔ چنانچہ سلام بن ابی مطیع ان کے پاس گئے اور کہا: اے ابوعوانہ! وہ کتاب مجھے دے دیجیے۔ ابوعوانہ نے وہ کتاب دے دی، تو سلام بن ابی مطیع نے وہ کتاب لے کر جلا دی۔ یہ خبر العلل ومعرفۃ الرجال (روایت عبداللہ، حدیث نمبر ۳۵۷) میں بھی مروی ہے۔

اور عبداللہ (بن احمد بن حنبل) نے ''العلل ومعرفۃ الرجال'' میں اپنی زیادات (اضافی روایات) کے ضمن میں روایت نمبر (۴۳۲۹) میں نقل کیا: میں نے احمد بن الدّورقی کو یہ کہتے سنا: ہم سے عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ''میں ابوعوانہ کی کتاب کو دیکھ رہا تھا، اور میں استغفار کر رہا تھا۔'' (یعنی ابوعوانہ کی اس کتاب میں جو کچھ درج تھا، وہ ایسا تھا کہ پڑھتے ہوئے عبدالرحمن بن مہدی کو استغفار کرنا پڑا، کیونکہ اس میں غالباً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ناروا باتیں درج تھیں)۔

گزشتہ چار روایات اور اس کے بعد آنے والی دو روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابو عوانہ - جن کا پورا نام وضّاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی ہے - انہوں نے اپنے شیخ اعمش سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالب (عیوب اور طعن پر مشتمل روایات) سنی تھیں، اور انہوں نے ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا تھا۔ پھر عبدالرحمٰن بن مہدی نے اس کتاب کو دیکھا، تو اس میں جو مصیبت خیز باتیں موجود تھیں، ان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہے۔ ان روایات میں ان باتوں کو ''بلایا'' یعنی آزمائشیں، مہلک خرابیاں کہا گیا ہے، کیونکہ یہ سب من گھڑت، ساقط، اور ناقابلِ اعتماد روایات تھیں، جو کسی طور بھی درست نہیں تھیں۔

الخلال نے اپنی کتاب السنۃ میں روایت کیا (۸۲۱): ابوبکر مرّوذی کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے عرض کیا: میں نے ایک صاحبِ حدیث سے ایک کتاب عاریتاً لی ہے، جس میں احادیثِ ردیئہ (یعنی خراب، جھوٹی یا طعن آمیز روایات) موجود ہیں، کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ میں اسے جلا دوں یا پھاڑ دوں؟ امام احمد نے جواب دیا: ہاں، بالکل۔ سلام بن ابی مطیع نے بھی ابو عوانہ سے ایک کتاب مستعار لی تھی جس میں یہی قسم کی احادیث تھیں، تو اس نے وہ کتاب جلا دی تھی۔ میں نے پوچھا: تو میں بھی اسے جلا دوں؟ فرمایا: ہاں، جلا دو۔

الخلال نے السنۃ میں روایت کیا (۸۲۲): حسن بن عبدالوہاب نے بیان کیا:

ہمیں فضل بن زیاد نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا، ایک شخص نے ان کے سامنے ایک کتاب رکھی جس میں ایسی احادیث جمع تھیں جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر نکیر کی گئی تھی، اور ان جیسے دوسرے امور درج تھے۔ امام احمد نے اس کتاب کو دیکھا، پھر فرمایا: ایسی چیزیں صرف کوئی بُرا آدمی ہی جمع کر سکتا ہے! پھر میں نے امام احمد کو یہ کہتے سنا: مجھے یہ بات پہنچی کہ سلام بن ابی مطیع، ابو عوانہ کے پاس آیا، اور اس سے ایک کتاب عاریتاً لی جو اس کے پاس تھی، اس میں بعض ایسی بلا خیز باتیں تھیں جو اس نے اعمش سے روایت کی تھیں۔ سلام نے وہ کتاب لے کر اسے جلا دیا۔ تو ایک شخص نے امام احمد سے کہا: مجھے امید ہے کہ سلام پر اس (جلانے) کا کوئی گناہ نہیں ہوگا، ان شاءاللہ؟ امام احمد نے فرمایا: گناہ؟ بلکہ اگر اللہ نے چاہا تو اسے اس پر ثواب ملے گا!۔

خلال نے السنۃ (۸۱۶) میں روایت کیا: محمد بن علی نے ہمیں خبر دی، کہا: ہمیں محمد بن سعد الزہری نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا، جب ان سے ابو عبدالرزاق (الصنعانی) کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: وہ جب وہب بن منبہ سے روایت کرتا تھا تو اس کی حدیث صالح (درست) ہوتی تھی۔ پوچھا گیا: ''حدیثِ مینا کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' امام احمد نے فرمایا: کون مینا؟ میں نے عبدالرزاق کی ان احادیث کی تحقیق نہیں کی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر عیب لگاتی ہیں۔ پھر امام احمد نے فرمایا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ امام مالک بن انس نے لوگوں سے سلامتی صرف ان احادیث کو ترک کر کے حاصل نہیں کی تھی؟ یہ احادیث دل میں کینہ پیدا کر دیتی ہیں!''

میناء: یہ ابن أبي میناء ہے، جو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ تابعی دوسری (درجہ) کے راوی ہیں، مگر متروک قرار دیے گئے ہیں۔ ابو حاتم رازی نے انہیں کذاب (جھوٹا) کہا ہے۔ (رجوع کریں: التقریب ۷۰۵۹) عبدالرزاق بن ہمام صنعانی بعض اوقات اپنی روایات میں یوں کہتا تھا: ''حدثنا أبي، عن میناء۔۔۔''

امام احمد بن حنبل کے قول: ''تَرَى مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ۔۔۔'' کا مطلب یہ ہے کہ: ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام مالک بن انس نے ان احادیث کو ترک کر دیا تھا جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن تھا، اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کی زبانوں سے محفوظ رہے اور

ان پر کسی نے جرح نہ کی؟''یعنی امام مالک کی حکمت یہ تھی کہ وہ فتنہ خیز اور صحابہ پر طعن والی روایات سے دُور رہتے تھے، اس لیے وہ بدگمانی اور کلامِ ناروا سے محفوظ رہے۔

آئندہ مواضع پر خلف بن سالم کی واقعۂ صفین سے متعلق روایات آئیں گی، ان کی طرف درج ذیل مقامات پر اشارہ کیا گیا ہے: روایت نمبر: [۳۳۵]، روایت نمبر: [۳۵۷]، روایت نمبر: [۳۸۰]، روایت نمبر: [۶۰۵]، اور حاشیہ نمبر: [۵۶۹]۔ یہ تمام مقامات اس بات کی شہادت دیں گے کہ خلف بن سالم نے صفین کی روایات کو جمع کیا اور روایت کیا، جس سے اس کے میلانات اور حدیثی رجحانات بھی ظاہر ہوں گے۔

اور ابن ابی الدنیا کے ہاں بھی خلف بن سالم کی اس باب (یعنی بابِ فتنے، صفین و الجمل) میں کئی روایتیں موجود ہیں، جیسا کہ درج ذیل مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے: مقتل علی کے اندراجات: (۳۶)، (۳۷)، (۵۴)۔ اسی طرح البلاذری کی معروف تاریخی کتاب ''انساب الاشراف'' میں بھی خلف بن سالم کی واقعۂ جمل اور صفین سے متعلق متعدد روایتیں منقول ہیں۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ خلف بن سالم ان فتنہ انگیز موضوعات میں روایات جمع کرتا اور ان کی روایت بھی کرتا تھا، اور یہ اسی طرزِ عمل کی کڑیاں ہیں جس پر ائمہ حدیث نے اس سے انکار اور احتراز کیا۔ (فواز کی تعلیق کا اختتام)

۱۰ ۲ الجَمَلُ وَصِفِّينُ: أَبُوعَبدِ اللهِ مُحَمَّدُ بنُ عَائِذٍ القُرَشِيُّ (وفات: ۲۳۳)، وہ صدوق تھے۔ (یعنی سچے، لیکن کبھی کبھار وہم یا خطا کر جانے والے راویوں میں شمار ہوتے ہیں[۱])

موقعہ الجمل پر مستقل کتب:

(۱) الجمل: ابومخنف لوط بن یحیی الازدی الکوفی (۱۵۷ھ)- اس پر پہلے گفتگو گزر چکی ہے۔

(۲) الجمل ومسیر عائشہ وعلی[۲]: سیف بن عمر تمیمی اسیدی کوفی (وفات ۱۷۰ھ کے بعد) ابن حجر نے کہا ہے: حدیث میں ضعیف ہے، مگر تاریخ میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

---

(۱) موارد ابن عساکر تاریخ دمشق (۳۹۲/۱) ترجمہ: تقریب التہذیب میں (۵۹۸۹) کے تحت آئی ہے۔

(۲) الفہرست لابن الندیم صفحہ (۱۲۳)، ترجمہ سیف بن عمر: تقریب التہذیب (۲۷۲۴) میں موجود ہے۔

(۳) الجمل: ابوحذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد بن عبد اللہ بن سالم الہاشمی

مولاھم، البخاری (۲۰۶ھ) اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۴)　الجمل: ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مولاھم، الواقدی، المدینی، القاضی (۲۰۷ھ)- اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

(۵)　الجمل: ابو الفضل نصر بن مزاحم منقری، عطار، کوفی (۲۱۲ھ)، اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

(۶)　الجمل: ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف مدائنی (۲۲۴ھ)[۱]۔ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

(۷)　الجمل: ابو اسحاق اسماعیل بن عیسیٰ عطار بغدادی (۲۳۲ھ)، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۸)　الجمل: ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، ابراھیم بن عثمان بن خواستی عبسی، ان کا مولیٰ، کوفی (۲۳۵ھ)، اس کا ذکر گزر چکا۔

(۹)　الجمل: عبد اللہ بن احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (۲۴۱ھ)[۲]، اس کا ذکر گزر چکا۔

---

(۱) الفہرست لابن الندیم ص (۱۳۲)۔

(۲) خطیب بغدادی نے کہا: [القاسم بن سالم بن عبد اللہ بن عمر، ابو صالح الاخباری: اس نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے کتاب ''الجمل'' روایت کی ہے] (تاریخ بغداد ۱۲/۴۴۵)۔ دیکھیے: تاریخ الاسلام ۲۵/۴۰۳، موارد الخطیب فی تاریخ بغداد ص ۳۴۴، موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۱/۴۰۱۔

(۱۰)　الجمل: ابو اسحاق ابراھیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعید بن مسعود ثقفی کوفی (۲۸۳ھ)، اس کا بھی ذکر گزر چکا، اور وہاں اس کی کتاب ''صفین'' پر تعلیق ملاحظہ ہو۔

(۱۱) الجمل: ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار غلابی بصری (۲۹۸ھ)، اس کا ذکر گزر چکا۔

◆◆◆

عصری تصنیفات۔

عصرِ حاضر میں کئی تصنیفات لکھی گئیں جنہوں نے واقعۂ صفین اور عمومی طور پر فتنہ کے واقعات کو موضوع بنایا۔ ان کے مؤلفین نے تصنیف میں دو بنیادی طریقے اختیار کیے:

☆ ایک گروہ نے ان میں قصہ گو طرزِ اسلوب کو اختیار کیا: ان کی تحریریں ان لوگوں کے لیے لکھی گئیں جو اہلِ سنّت و جماعت کے منہج کے مطابق اس واقعے کی حقیقت جاننا چاہتے تھے۔ یہ ایک جید کام ہے، مگر یہ نہ تو علمی تحقیق ہے اور نہ ہی ان روایات کا تنقیدی مطالعہ جو اس فتنے سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

☆ اور ایک دوسرا گروہ مؤلفین کا بھی ہے جنہوں نے اپنے اپنے ابواب میں علمی اور تخصصی مطالعات انجام دیے۔

اور میں ان معاصر تصنیفات کا ذکر کروں گا جن پر میرا مطالعہ ہوا ہے۔

۱) **عصرِ خلافتِ راشدہ**: ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری نے اس میں خلفائے راشدین کے دور کا تاریخی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور عسکری پہلوؤں سے مطالعہ کیا ہے، نیز نظامِ قضاء، عطا اور فتوحات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے جہاں ممکن ہوا، تاریخی روایات پر محدثین کے قواعد کا اطلاق کیا، اور فتنۂ جمل و صفین کا بھی ذکر کیا، لیکن انہوں نے اس فتنے اور اس سے متعلق روایات کا مفصل مطالعہ نہیں کیا، کیونکہ ان کی کتاب اس موضوع کے لیے خاص نہیں تھی۔

اور بعض مقامات پر وہ خبر کا اصل متن نقل نہیں کرتے، بلکہ اس کا وہ مفہوم بیان

کرتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آیا - اللہ ان کو جزائے خیر دے - البتہ یہ طریقہ وہم کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ کسی خبر کی درست دلالت بعض اوقات اس ابتدائی فہم کے خلاف ہوتی ہے جو پہلی نظر میں ذہن میں آتی ہے۔

اور مجھے شیخ کے ہاں ایک مثال ملی، وہ ان کا یہ قول ہے: (نئے خلیفہ کے سامنے سب سے سنگین مسئلہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا محاسبہ اور ان پر قصاص نافذ کرنا تھا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سنبھالنے سے قبل ہی اس نازک صورتِ حال کی طرف متوجہ کر دیا تھا: (لوگ تم سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کریں گے [۱])۔

(۱) عصر الخلافة الراشدة ص (۴۴۳)۔

اور یہ عبارت ''إن الناس سيلزموك دم عثمان'' شیخ نے اس مفہوم کے ساتھ بیان کی ہے جو ان کی فہم میں آیا، جبکہ اصل نص یہ ہے: ''وَإِنَّهُ لَمَّا وُثِبَ عَلَى عُثْمَانَ فَقُتِلَ، قُلْتُ لِابْنِ أَبِي طَالِبٍ: اجْتَنِبْ هَذَا الْأَمْرَ، فَسَتُكْفَاهُ، فَعَصَانِي، وَمَا أُرَاهُ يَظْفَرُ'' یعنی: جب عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اور وہ قتل کر دیے گئے، تو میں نے ابن ابی طالب سے کہا: ''اس معاملے سے دُور رہو، اللہ تمہیں اس سے کفایت کرے گا''، لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی، اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ (اس میں) کامیاب ہوں گے۔ یعنی اصل روایت میں ''لوگ تم سے عثمان کے خون کا مطالبہ کریں گے'' جیسی صراحت نہیں، بلکہ اس کی دلالت صرف فہم وتفسیر پر مبنی ہے۔

(۲) دیکھیے: [۲۱][۲] اور ان کے بعد موجود تعلیق۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کو اس بات

سے روک دیا کہ وہ مختلف شہروں سے بیعت طلب کریں، اور خاص طور پر ان لوگوں سے بیعت طلب کرنے سے بھی روکا جو اس سے انکار کر رہے تھے، یعنی اہلِ شام؛ کیونکہ تمام شہر خود ان کے پاس بیعت کے لیے آ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں سے بیعت بزور طلب کرنے کی مشقت سے کفایت کرے گا، جو ابتدائی طور پر اس سے انکاری ہیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصود یہ نہیں تھا کہ خلافت سنبھالنے سے پہلے ہی اس سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اہلِ مدینہ تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اور عبارت ''وَمَا أَرَاهُ يَظْفَرُ'' اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا منع کرنا بیعت کے حصول کے لیے طاقت کے استعمال سے متعلق تھا، نہ کہ خود خلافت کے قبول کرنے سے۔ اور میں نے اس کی وضاحت اپنے مقام پر کر دی ہے۔

اور اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی محقق کے لیے اصل نص کو مکمل طور پر، بغیر کسی اقتباس یا حذف کے، نقل کرنا کتنا اہم ہے؛ تاکہ صحیح مفہوم سامنے آ سکے، اور قاری کو یہ آزادی حاصل رہے کہ وہ محقق کی بیان کردہ تعبیر وتشریح کو قبول کرے یا نہ کرے۔

۲) مرویاتِ ابومخنف فی تاریخ الطبری، عصرِ خلافتِ راشدہ، تنقیدی مطالعہ: یہ ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم بن علی الیحییٰ کا ماسٹر کا تحقیقی مقالہ ہے، جو پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ اس میں انہوں نے ابومخنف کی ان روایات کا جائزہ لیا ہے جو جنگِ جمل اور صفین سے متعلق ہیں، اور ان کا مطالعہ خاص طور پر ایک ہی دائرے میں محدود ہے، یعنی ابومخنف کی روایتیں جو تاریخِ طبری میں وارد ہوئی

ہیں۔

۳) **عثمان رضی اللہ عنہ کا استشہاد اور واقعۂ جمل**، سیف بن عمر کی روایتوں کی روشنی میں (تاریخ طبری میں)، تنقیدی مطالعہ: یہ ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث کا ماسٹر کا تحقیقی مقالہ ہے، جو پروفیسر ڈاکٹر محمد الحبیب الہیلہ اور پروفیسر ڈاکٹر منصور العبدلی رحمہا اللہ کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ مؤلف نے اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کے استشہاد اور فتنۂ جمل کا مطالعہ سیف بن عمر الضبی التمیمی کی مرویات کی روشنی میں کیا ہے۔ انہوں نے سیف کی روایتوں پر تنقید وتجزیہ کیا، اور ان روایات کی تائید یا مخالفت کرنے والی دیگر خبریں (طبری کے علاوہ) اور مؤرخین کا کلام بھی ذکر کیا، اور روایات اور ان کے اسناد کو محدثین کی نظر سے پرکھا۔ البتہ یہ تحقیق اپنے دائرۂ کار میں محدود ہے، یعنی صرف ان واقعات پر مشتمل ہے جو سیف بن عمر کی روایتوں میں تاریخ طبری میں وارد ہوئے ہوں- خصوصاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے استشہاد اور واقعۂ جمل سے متعلق۔ اس تحقیق میں واقعۂ صفین اور حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی بیعتوں پر کوئی گفتگو نہیں، کیونکہ یہ ان کی تحقیق کے دائرے سے باہر تھا۔

اور اس کا منہج تاریخی واقعے کی تصویر مکمل کرنے میں ان خبروں سے استفادہ کرنا ہے جو محدثین کے منہج کے مطابق صحت کی تمام شرائط پر پوری نہیں اترتیں- اجمالاً- یہ منہج بڑی حد تک اُس چیز سے مشابہ ہے جسے میں نے مقدمۂ منہجی میں (خبرِ مقبول) کے تعلق سے ذکر کیا ہے۔ وہ ان مقبول خبروں کے ساتھ اپنی تاریخی بصیرت اور مہارت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

اور محقق نے اپنے موضوعِ تحقیق سے متعلق جو خبریں تاریخ بغداد، تاریخ دمشق اور

بغیۃ الطلب میں وارد ہوئی ہیں، ان سے ویسا استفادہ نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، حالانکہ ان میں بعض خبریں ایسی بھی ہیں جو ثابت شدہ ہیں۔

۴) **مرویاتِ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ فی تاریخ الطبری، تنقیدی وتقابلی مطالعہ:** یہ ڈاکٹر خالد الغیث کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے، جس میں انہوں نے اپنے سابقہ کام ''استشہادِ عثمان رضی اللہ عنہ وواقعۂ جمل'' کے منہج سے بڑی حد تک مشابہ منہج اختیار کیا ہے۔ البتہ اس بار انہوں نے اپنی تحقیق کو کسی خاص راوی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تحقیق کا اصل محور تاریخِ طبری کو بنایا۔ انہوں نے اُن شبہات کا جواب بھی دیا ہے جو وہ لوگ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ تاہم انہوں نے اپنی کتاب کا آغاز بیعتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا، لہٰذا انہوں نے واقعۂ جمل اور صفین کو زیرِ بحث نہیں بنایا، کیونکہ یہ دونوں واقعات ان کی خلافت سے پہلے پیش آئے تھے۔

اور جیسا کہ ان کی پچھلی کتاب میں بھی دیکھا گیا، یہاں بھی یہ بات قابلِ توجہ ہے۔

۵) **حقبہ من التاریخ:** یہ کتاب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عثمان بن محمد الخمیس کی تصنیف ہے۔ ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے، جس میں خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے استشہاد تک جو یزید بن معاویہ کے دور میں پیش آیا- کے درمیانی تاریخی دور کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس پورے دور کی اہم ترین تاریخی واقعات کا ایک عمومی تصور فراہم کرتی ہے۔ کتاب کا آغاز ایک فصل سے ہوتا ہے جس میں مؤلف نے تاریخ کے ساتھ تعامل کے طریقے اور اس پر آنے والی تحریف وتشویش پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے آخر میں دو ضمیمے شامل کیے گئے ہیں جن میں اہلِ بدعت کی طرف سے اٹھائے جانے والے اہم شبہات کا رد کیا

گیا ہے۔ اور مجموعی طور پر کتاب پر اہلِ بدعت کے رد کا اسلوب غالب ہے۔

نیز مؤلف نے محدثین کے منہج کو اپنانے کا خاص اہتمام کیا ہے، اور انہوں نے فتنۂ جمل اور صفین کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ کیا ہے۔

۶) **ڈاکٹر علی الصلابی کی تاریخی موسوعہ:** انہوں نے اس کا آغاز سیرتِ نبویہ شریفہ سے کیا، اور پھر خلافتِ عثمانیہ اور مجاہدِ وقت شیخ عمر المختار تک پہنچے- اللہ انہیں علمی رفعت عطا فرمائے۔ انہوں نے فتنۂ جمل اور صفین کے واقعات کا بھی ذکر کیا، اور ان واقعات وحالات کا تجزیاتی انداز میں جائزہ لینے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب ان نتائج وتجزیات کا مجموعہ ہے جو ان سے پہلے محققین کے ہاں پایا گیا، اور انہوں نے اسے یکجا کر کے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے محدثین کے منہج کے مطابق احادیث و روایات کی صحت وضعف کی وضاحت بھی کئی مواقع پر کی، نیز اُن عقائدی و تاریخی مسائل کی نشاندہی بھی کی جو عقیدہ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ فضل کی حرمت سے متعلق ہیں۔ انہوں نے اہلِ بدعت کے شبہات کا رد بھی کیا ہے۔

اور ان کی تصنیف میں سابق محققین کے نتائج کو جمع کرنے کا پہلو غالب آ گیا، چنانچہ انہوں نے اس بات کی تحقیق یا یقین دہانی نہیں کی کہ ان محققین کے نتائج فی الواقع درست بھی ہیں یا نہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض نتائج میں غلطیاں یا کوتاہیاں موجود تھیں۔ یہ غیر محقق اندازِ جمع، ان غلطیوں کو قارئین کے سامنے بطورِ مسلمہ پیش کرنے کا سبب بنا، یہاں تک کہ وہ - باوجود اپنی غلطیوں کے - پڑھنے والوں کے درمیان گویا مسلمہ حقائق بن گئے۔ اور بعض اوقات اُن سے نقول کو ان کے اصل مصادر کی طرف منسوب کرنا بھی چھوٹ جاتا تھا۔

۷) **صحیح وضعیف تاریخ الطبری:** یہ تاریخِ طبری پر ایک چھانٹی اور تعلیقاتی کام ہے، جسے شیخ محمد بن طاہر برزنجی نے انجام دیا، اور اس کی نگرانی ونظرِ ثانی شیخ محقق محمد صبحی حسن حلاق نے کی۔

اور اس کام میں بعض مقامات پر چند جلیل القدر اساتذہ کی محدود علمی شراکتیں بھی شامل تھیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① ''**صحیح الخلافۃ الراشدہ**'' (جلد ۳): اس پر ڈاکٹر یحییٰ بن ابراہیم الیحییٰ نے عمومی نگرانی کی۔

② ''**صحیح الخلافہ فی عھد الامویین (جلد ۴)**'': اس کی بعض فصلوں کا نظرِ ثانی اور تنقیدی جائزہ پروفیسر ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری اور پروفیسر ڈاکٹر عماد الدین بن خلیل -دونوں- نے پیش کیا۔

③ ''**صحیح الخلافہ فی عھد العباسیین**'' (جلد ۵): اس جلد کی بعض فصلوں کا مطالعہ اور ان پر موافقت ڈاکٹر علی بن محمد الصلابی اور ڈاکٹر ابراہیم الجاف -دونوں- نے دی، جبکہ بعض رواۃ کے تراجم کا نظرِ ثانی شیخ عقیل المقطری نے کیا۔

برزنجی نے محدثین کے قواعد کو لاگو کرتے ہوئے صحیح اور ضعیف روایات کے درمیان فرق کرنے کی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا: صحیح تاریخ الطبری، ضعیف تاریخ الطبری، البتہ آخری دو جلدوں (جلد ۱۲ اور ۱۳) میں انہوں نے صحیح، ضعیف اور جن پر سکوت کیا گیا ہے -تینوں اقسام کی روایات کو جمع کر دیا، اور اس کی وجوہات انہوں نے جلد ۱۲ کے آغاز میں بیان کر دی ہیں۔

اور جب برزنجی کسی موضوع کو مکمل کرتے ہیں تو اس کے بعد ایک مختصر مطالعہ پیش

کرتے ہیں،جس میں وہ اس تاریخی واقعے پر گفتگو کرتے ہیں، اورتاریخِ طبری کے علاوہ دیگر مصادر سے جواحادیث وروایات ان کے علم میں آئی ہوں، ان میں سے جو صحیح ہوں، انہیں ذکر کرتے ہیں۔ وہ معاصر محققین کی جدید تصانیف اور جامعاتی مقالات کا مطالعہ کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، ان کی بعض تحقیقات کے نتائج ذکر کرتے ہیں اوران پر بحث وتنقید بھی کرتے ہیں۔ نیز اہلِ بدعت اور مستشرقین کے شبہات پر بھی گفتگو کرتے ہیں اوران کا رد کرتے ہیں۔انہوں نے فتنۂ جمل اور صفین کے واقعات کامختصر تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے،البتہ ان سے بہت سی صحیح روایات اوروہ طرق چھوٹ گئے جن کے ذریعے کوئی خبر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ سکتی تھی۔

جہاں تک اُن کے اس منہج کا تعلق ہے جس پر وہ مرویات کے چھانٹنے میں چلے،تو انہوں نے کتاب کے آغاز میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، اورخلاصہ یہ ہے کہ: وہی منہج اختیار کیا گیا ہے جواُس وقت کے اکادیمک محققین [1] کے درمیان رائج ومعروف تھا۔

---

(۱) صحیح تاریخ الطبری (۱/۴۳-۵۹)۔

۸) **فتنۂ مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:** یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پیش کی گئی ایم۔اے کی ایک تحقیقاتی رسالہ ہے،(سنہ ۱۴۱۱ھ)، جسے ڈاکٹرمحمد بن عبداللہ بن عبدالقادر غبّان الصبحی نے پروفیسرڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری کی نگرانی میں مکمل کیا۔محقق نے اپنی کتاب کودو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا:

پہلا حصہ: مکمل قصۂ مقتلِ عثمان رضی اللہ عنہ یہاں تک کہ ان کی تدفین کا ذکر بھی شامل ہے۔دوسرا حصہ: مقتل سے متعلق روایات مع اسانید۔اوران روایات کوبھی دو

بنیادی اقسام میں تقسیم کیا: صحیح روایات، ضعیف روایات۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد اللہ الصبحي نے اپنی تالیف کے سبب کے بارے میں فرمایا: (میں کسی ایسی کتاب تک نہیں پہنچ سکا جو اس فتنہ کی مرویات کو جمع کرے، ان کے اسانید کا جائزہ لے، صحیح اور ضعیف کو الگ کرے، پھر صحیح روایات کی بنیاد پر اس واقعے کی ایک صحیح اور حقیقی تصویر قائم کرے؛ چنانچہ میں نے اپنی استطاعت اور کوشش کے مطابق یہ کام اس کتاب میں انجام دیا[1])۔

---

(۱) فتنہ مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۱/۱۱)۔

۹) **تحقیق مواقف الصحابہ فی الفتنہ من مرویات الامام الطبری والمحدثین:** یہ پروفیسر ڈاکٹر محمد امحزون کی تصنیف ہے۔ اس میں ان کی بعض تعلیقات اور استنتاجات ایسی ہیں جن سے میں نے اپنے اس کتاب میں فائدہ اٹھایا ہے، البتہ ان کے کتاب میں اختیار کردہ منہج کو میں سمجھ نہ سکا۔

۱۰) **الصحابة المعتزلون للفتنة الکبری، مواقفهم منها، ودورهم في الحد منها:** یہ کتاب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے جنہوں نے بڑے فتنہ (یعنی فتنۂ جمل، صفین اور اس جیسے دیگر واقعات) سے کنارہ کشی اختیار کی۔ کتاب میں ان کے: موقف، فتنے سے اجتناب کی وجوہات، اور فتنے کے پھیلاؤ کو روکنے میں ان کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر خالد کبیر علال: انھوں نے معلومات کو جمع کیا اور اُنہیں منظم انداز میں مرتب کیا، اور جہاں ڈاکٹر صاحب نے صحابہ کے مؤقف پر اپنی تحقیق ختم کی، وہیں سے میں نے اپنی کتاب میں آغاز کیا۔ لہٰذا خیالِ تخلیق اور فکری ابتکار میں اُنہیں سبقت حاصل

ہے۔

۱۱) الانصاف فیما وقع في العصر الراشدی من الخلاف:

تالیف، ڈاکٹر حامد محمد الخلیفہ انہوں نے اپنی کتاب کا آغاز سقیفہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کیا، اور بیان کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ ان کا منہج تاریخی ہے، اور اسلوب خوبصورت قصصی انداز کا ہے۔

اور اُن کی کتاب نہ تو کوئی علمی تحقیق ہے، نہ محقق مطالعہ اور نہ تنقیدی جائزہ، بلکہ محض ایک قصصی بیان ہے۔ انہوں نے بالدرجہِ اول کتبِ تاریخ پر اعتماد کیا: مسند تاریخوں میں جیسے تاریخ طبری اور غیر مسند تاریخوں میں جیسے المسعودی کی کتب رہی بات احادیث کی کتابوں کی، تو موضوع کی وسعت اور کتاب کے حجم کے مقابلے میں ان کا استعمال بہت ہی کم ہے۔ مزید یہ کہ مؤلف کے ہاں کوئی واضح منہج موجود نہیں جس کی روشنی میں روایاتِ تاریخی کا وزن کیا جا سکے۔ اور اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو تحقیق کے نتائج لازماً غیر دقیق ہوں گے۔

تحقیق کی مشکلات

۱) بے شک تاریخی روایات مختلف کتابوں میں بہت بکھری ہوئی ہیں، جیسے تاریخ، تراجم، حدیث، علل، اخلاق، زہد اور دیگر کتب میں۔

۲) متاخر راویوں کی موجودگی؛ چنانچہ جتنا راوی کی وفات کا زمانہ بعد کا ہو، اس کے حال کو جاننا اتنا ہی زیادہ مشکل ہوتا ہے، خصوصاً چوتھی صدی ہجری (۳۰۰ھ-۳۹۹ھ) کے راویوں کا۔

۳) بعض تاریخی راویوں کی عدم شہرت؛ چنانچہ بسا اوقات کوئی مؤرخ معروف ہوتا ہے، اس کی تصنیفات بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن اس کا ترجمہ دستیاب نہیں ہوتا، جیسے: ابو اسماعیل محمد بن عبد اللہ ازدی بصری، مؤلف فتوح الشام[1]، اور اسی طرح بعض طبری کے شیوخ اور دیگر اخباری راوی وعینی شاہدین۔ پس محدثین، مؤرخین کے راویوں سے زیادہ معروف ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ نبوت اور شریعت کی اہمیت ہے، چنانچہ حدیثِ شریف کو علما کی طرف سے بہت زیادہ توجہ حاصل ہوئی۔

(۱) اس کا ترجمہ (سوانح) بعد میں [۱۴۰] نمبر پر آئے گا۔

۴) راویوں کے ناموں میں تصحیف (یعنی تحریری یا تلفظی تبدیلی) کا پایا جانا؛ جو اسناد کے مطالعے میں الجھن پیدا کرتا ہے۔ مجھے یہ مسئلہ ابو حامد بن جبلہ[1] کی ترجمہ میں پیش آیا، جس سے ابو نعیم اصفہانی نے بہت روایت کی ہے۔ اس کا نام تاریخ

(۱) دیکھیے: [۲۷۸]۔

الاسلام از ذہبی (تحقیق: ڈاکٹر عمر بن عبد السلام تدمری) میں تصحیف کا شکار ہو گیا

تھا،جس کی وجہ سے اس کی شناخت ممکن نہ رہی۔

۵) اسی طرح تاریخ دمشق (جو دار الفکر اور دار التراث العربی سے طبع ہوا ہے) میں بھی بے شمار تصحیفات (تحریری غلطیاں) موجود ہیں۔

اور تاریخِ دمشق کا ایک علمی اور باریک بین تحقیقی نسخہ بھی موجود ہے، لیکن وہ ابھی مکمل نہیں ہوا،جس پر مجمع اللغۃ العربیہ بدمشق کام کررہا ہے۔

۶) میری ایم اے کی تعلیم میں عقیدہ کے تخصص میں مصروفیت نے کتاب کی تکمیل میں مجھے بہت زیادہ تاخیر کا شکار کردیا۔البتہ جن چیزوں نے مجھے قدیم ومتأخر رواۃ کی تراجم تلاش کرنے میں سہولت دی،ان میں وہ معاصر کتب شامل ہیں جو اسی موضوع پر تصنیف کی گئی ہیں،اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) امام احمد بن حنبل کے اقوال پر مبنی موسوعہ برائے رجالِ حدیث و عللِ حدیث مرتب: السید ابو المعاطی اور دیگر علماء۔

(۲) امام ابوالحسن دارقطنی کے رجالِ حدیث اور عللِ حدیث سے متعلق اقوال کا انسائیکلو پیڈیا: مختلف مؤلفین کی مشترکہ کاوش۔

(۳) تاریخِ بغداد میں خطیب بغدادی کے مصادر: یہ کتاب پروفیسر اکرم ضیاء العمری کی علمی تحقیق ہے۔

(۴) تاریخ دمشق میں ابن عساکر کے مصادر مصنف: طلال سعود الدعجانی

(۵) رِجَالُ تَفْسِيرِ الطَّبَرِيِّ جَرْحاً وَتَعْدِيلاً مصنف: محمد صبحی بن حسن حلاق

(۶) معجم شيوخ الطبري الذين روى عنهم في كتبه المسندة المطبوعة تأليف: أكرم بن محمد زيادة الفالوجي الأثري، یہ معجم ایک جامع

فہرست ہے اُن شیوخ (اساتذہ وراویوں) کی، جن سے امام محمد بن جریر الطبری نے اپنی مسانید (روایت پر مشتمل مطبوعہ کتب) میں روایت کی ہے۔

(۷) **المعجم الصغير لرواة الإمام ابن جرير الطبرى، تألیف:** اکرم بن محمد زیادۃ الفالوجی الاثری۔

(۸) المعجم الکبیر لرواۃ الطبری ابن جریر کے بارے میں: یہ کتاب اکرم بن محمد زیادۃ الفالوجی الاثری کا غیر مطبوعہ یا کم معروف علمی کام ہے، جس کا ذکر انہوں نے اپنی مطبوعہ کتاب المعجم الصغیر لرواۃ ال إمام ابن جریر الطبری کے آخر میں بطور حوالہ یا وعدہ کیا ہے۔

(۹) **كتاب زوائد رجال صحيح ابن حبان على الكتب الستة جمعاً ودراسة** دراصل یحیی بن عبد اللہ الشہری کی ایک جامعہ سطح کی تحقیقی رسالہ (رسالہ جامعیۃ) ہے، جو رجال الحدیث کے باب میں ایک اہم علمی خدمت شمار ہوتی ہے۔

(۱۰) **كتاب إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني** تألیف ابوالطیب نایف بن صلاح بن علی المنصوری ہے، اوراس میں مذکور راویوں کے احکام کو ابوالحسن السلیمانی نے تلخیص کیا ہے۔

(۱۱) رجال الحاكم في المستدرک یہ کتاب شیخ محدث مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ(کی علمی کاوش ہے، جس میں انہوں نے امام حاکم نیشاپوری کی کتاب المستدرک علی الصحیحین میں وارد رواۃ الحدیث (راویوں) پر تفصیلی تحقیق پیش کی ہے)۔

(۱۲) کتاب: الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم، تالیف: الشیخ نایف بن صلاح بن علی المنصوری تلخیصِ احکام: ابوالحسن السلیمانی۔

(۱۳) کتاب: سنن دارقطنی کے راویوں کے تراجم، جن کا ذکر التقریب اور رجال الحاکم میں نہیں آیا۔ مصنف: علامہ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ

(۱۴) کتاب: **الدليل المغني لشيوخ الإمام أبي الحسن الدارقطني**، تالیف: نایف المنصوری، تلخیصِ احکام: ابوالحسن السلیمانی۔

(۱۵) کتاب: **مُعجَمُ الجَرح والتعديل لِرِجَالِ السُّنَن الكُبرٰى**، اضافی مطالعہ: امام بیہقی کے رجالِ سنن کبریٰ پر جرح وتعدیل کے منہج کا تحقیقی جائزہ، مصنف: نجم عبدالرحمن خلف۔

(۱۶) **السِّلسَبِيلُ النَّقِي**: امام بیہقی کے شیوخ کے تراجم (منصوری کی تصنیف، السلیمانی کی تلخیص واحکام کے ساتھ)۔

(۱۷) امام بیہقی کے شیوخ کے تراجم پر مشتمل کتاب: **إِتْحَافُ الْمُرْتَقِي**، (تالیف: محمود بن عبدالفتاح النحال)۔

(۱۸) الکوثری کے کتاب التانیب میں موجود باطل امور کا رد: التنکیل۔ (تالیف: علامہ عبدالرحمن المعلمی الیمانی رحمہ اللہ)

(۱۹) نکتے اور عمدہ اقتباسات (**النُّكَتُ الجياد المُنتخَبة**): شیخ النقاد، ذہبی العصر، علامہ عبدالرحمن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ کے اقوال سے منتخب۔ (ترتیب و انتخاب: ابوانس ابراہیم بن سعید الصبیحی)

(۲۰) کتاب: کتبِ جرح وتعدیل پر تعقیبات واضافے۔ (**التذييل على**

کتب الجرح و التعدیل)۔مصنف: طارق بن محمد آل بن ناجی۔

(۲۱) کتاب: (الفرائد علی مجمع الزوائد) - ان رواۃ کی تراجم جو حافظ ہیثمی رحمہ اللہ کے لیے نامعلوم رہے۔مصنف: خلیل بن محمد المطیر ی العربی۔

(۲۲) کتاب: مصباح الاریب (مصباح الأریب في تقریب الرواۃ الذین لیسوا في تقریب التهذیب) ان رواۃ کا تقریب (مختصر تعارف) جو ابن حجر کے تقریب التہذ یب میں موجود نہیں۔مصنف: ابو عبداللہ محمد بن احمد المصنعی العَنْسی۔

حال ہی میں ابن قُطلُوْ بَغَا (وفات: ۸۷۹ھ) کی کتاب ''الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة'' شائع ہوئی ہے، جو فنِ رجال میں ایک اہم اضافہ ہے۔اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان راویوں کے تراجم پر مشتمل ہے جو کتبِ ستہ میں وارد نہیں ہوئے، بالخصوص متاخرین راوی، جن کا ذکر عام طور پر مروجہ کتبِ رجال میں نہیں ملتا۔اس کتاب میں ابن حبان کی ''الثقات'' اور ابن ابی حاتم کی ''الجرح والتعدیل'' میں وارد بعض تصحیفات کی اصلاح بھی کی گئی ہے، اور ان کتب میں جو سقطات رہ گئی تھیں ان کی تلافی بھی کی گئی ہے۔مزید برآں، اس کتاب میں ایسی توثیقات بھی شامل ہیں جو کسی اور معروف کتاب میں موجود نہیں ملتیں، کیونکہ مؤلف نے انہیں ایسی کتب سے نقل کیا ہے جو اب مفقود شمار ہوتی ہیں۔اس لحاظ سے یہ کتاب محققین اور محدثین کے لیے نہایت قیمتی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، خاص طور پر ان کے لیے جو کتبِ ستہ سے باہر کے رواۃ پر تحقیق کرتے ہیں[۱]۔

---

(۱) دیکھیں: ثقات ابن قُطلُو بَغَا کا مقدمہ (۵۰/۱)

تحقیق کا منہج

۱) میں نے اس تحقیق میں ''صفّین'' کی جنگ اور اس کے نتائج پر گفتگو کی ہے- جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مؤقف، خوارج کا ظہور اور ان کا معاملہ صفّین کے بعد، دونوں حکمین کا اجتماع، نہروان کی جنگ، معاویہ رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ کے علاقوں پر چڑھائیاں، علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا، اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت- کیونکہ صفّین سے پیدا ہونے والا ہر واقعہ اسی کا ایک جزو ہے، اور صفّین کے واقعات کی مکمل تصویر انہی اجزاء کے ذریعے واضح ہوتی ہے، اس لیے میں نے ان سب کا ذکر کیا ہے۔

۲) میں نے اس تحقیق میں اُس تجویز کردہ منہج پر عمل کیا ہے جسے میں نے ''المقدمہ المنہجیۃ'' کا نام دیا ہے۔

۳) میں نے -اپنی استطاعت کے مطابق- ان تمام روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے جن میں دو شرطیں پائی گئی ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ روایت تحقیق کے موضوع سے متعلق ہو۔

دوسری شرط: یہ کہ وہ میری کتاب کی شرط پر پوری اترتی ہو، اور وہ شرط ہے: ''المقدمہ المنہجیہ التاریخیۃ''۔

۴) میں نے تاریخی روایات کی شرح، اُن کی وضاحت اور اُن سے حاصل ہونے والے معانی وفوائد کو نمایاں کرنے کا اہتمام کیا، اور میں نے تاریخی واقعات کی تفسیر کا بھی اہتمام کیا، مگر میں یہ سب کچھ دو اقدامات کے بعد ہی کرتا ہوں:

پہلا قدم: روایات کے تمام طرق اور ان کے الفاظ کو جمع کرنا۔

دوسرا قدم: ان روایات کا اُن دوسری ثابت روایات سے موازنہ کرنا جو کسی نہ کسی پہلو سے، قریب یا بعید طور پر، ان سے متعلق ہوں۔

۵) اور تاریخی روایات کی وضاحت اور واقعات کی تفسیر پر حرص کی وجہ سے بعض واقعات کی کہانی: کے تسلسل میں انقطاع پیدا ہوا، مگر میں نے بعض مقامات کی طرف حوالہ دیا ہے اور قصے کے دوسرے حصے کی بابت اس کی نشاندہی بھی کی ہے کہ وہ فلاں نمبر پر موجود ہے۔

٦) میں نے بعض مقامات پر گہرے تجزیے اور استنباط کا خاص اہتمام نہیں کیا، کیونکہ ان روایات کا مفہوم خود واضح تھا، اور اس کتاب میں میرا اعلیٰ ترین مقصد یہی تھا کہ تاریخی روایات کے ساتھ تعامل کا ایک علمی منہج مرتب کیا جائے۔ اگر میں صرف اسی کو پیش کرنے میں کامیاب رہا ہوں، تو یہ بذاتِ خود کافی ہے۔ اور جہاں میں نے تحلیل واستنباط کو چھوڑ دیا، وہ اُن کے لیے چھوڑا ہے جو میرے بعد آئیں گے، کیونکہ اصل بنیاد ''منہج کی وضاحت'' ہے۔

۷) میں احادیث اور تاریخی روایات میں وارد ہونے والے غامض معانی کی وضاحت کرتا ہوں۔

۸) میں احادیث اور تاریخی روایات کو اُن کے اسناد کے ساتھ ذکر کرتا ہوں، اور کتاب کے آغاز سے اختتام تک ان کا تسلسلی نمبر بھی دیتا ہوں۔ میں نے اسناد کا ذکر اس لیے کیا ہے تا کہ ان روایات اور ان کے راویوں کے حالات کو واضح کیا جا سکے، تا کہ حدیث کے علم میں تخصص نہ رکھنے والے بھی ان جمع کردہ روایات کی طرف

رجوع کر سکیں۔ نیز اس مجموعے میں جو فوائد شامل ہیں، جیسے راویوں کے حالات اور علتوں کی وضاحت، وہ بھی ان کے لیے قابل استفادہ ہوں۔

۹) خبر نقل کرنے کے بعد میں حاشیے میں اس کا ماخذ ذکر کرتا ہوں، پھر اس کی روایت کی کیفیت کے مطابق اس پر حکم لگاتا ہوں۔ اگر روایت مقبول ہو، تو حاشیے میں اس کی ضعف کی وجہ بیان کرتا ہوں، لیکن وہ بھی محدثین کے منہج کے مطابق۔ پھر اس کے قبول کیے جانے کی وجہ، جیسے شواہد یا قرائن، ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر اس روایت کو علامہ البانی، شیخ شعیب الارنووط یا دیگر محققین نے اپنی کتابوں یا تحقیقات میں تخریج نہ کیا ہو، تو میں خود اس کی تخریج کرتا ہوں، کیونکہ میں دوبارہ وہی محنت نہیں دہرانا چاہتا۔ میں اس روایت کی اسناد اور متن کا مطالعہ کرتا ہوں اور اگر مجھے اہلِ علم کے احکام مل جائیں تو ان کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ البتہ اگر روایت صحیحین یا سنن اربعہ میں ہو، تو اس کی تخریج نہیں کرتا کیونکہ وہ مشہور ہیں۔

۱۰) جب میں کہتا ہوں: ''اسنادُہُ جَیِّدٌ'' (اس کی سند جید ہے)، تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند حسن سے بلند ہے لیکن صحیح کے درجے تک نہیں پہنچی۔ یعنی ایسی سند جس میں کوئی راوی صدوق ہو، جسے امام بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک نے حجت کے طور پر قبول کیا ہو۔

۱۱) جب میں کہتا ہوں: ''إِسنَادُهُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ'' یا ''عَلَى شَرْطِ أَحَدِهِمَا''، تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سند اسی ترتیب پر آئی ہے جیسے سند صحیح بخاری اور صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک میں آئی ہو۔ اور ''نَسَقِهِ'' (اس کی ترتیب) سے میری مراد ہے: سند میں راویوں کا وہی ترتیب وار سلسلہ جو صحابی تک پہنچتا ہے۔

۱۲) میں ایسی خبر کو اس کے تمام الفاظ کے ساتھ ذکر کرتا ہوں جسے مختلف الفاظ میں روایت کیا گیا ہو، مثلاً: امام احمد، امام حاکم، اور امام ابو یعلیٰ اسے روایت کریں اور ان کی روایات میں اختلافات یا زیادات ہوں، تو میں ان سب کو پے در پے ذکر کرتا ہوں، پھر ان پر تبصرہ کرتا ہوں، ان کی وضاحت کرتا ہوں، اور ان کا باہمی تقابل کرتا ہوں، اور بعض اوقات اس سے پہلے بھی تبصرہ کر دیتا ہوں۔

۱۳) کبھی ایک ہی خبر مختلف الفاظ کے ساتھ روایت ہوتی ہے، اور بعض الفاظ میں زیادات بھی ہوتی ہیں، تو میں بعض اوقات ان سب کو ایک ہی سیاق میں جمع کر دیتا ہوں، تاکہ بعض الفاظ بعض دوسرے الفاظ کی تکمیل کر سکیں۔ میں ایک معیّن لفظ کو بنیاد بناتا ہوں، پھر اس میں وہ زیادات قوسین میں داخل کر دیتا ہوں تاکہ ان کی پہچان ہو سکے۔ لیکن میں نے یہ طریقہ صرف چند ہی مقامات پر اختیار کیا ہے [1]، کیونکہ یہ اصول کے خلاف ہے، مگر میں نے سیاق کو واضح کرنے کی ضرورت کے تحت ایسا کیا۔

(۱) مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: [۶۱]، [۴۸۹]، [۶۰۴]۔

اور میں نے اس طریقہ کے بارے میں شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں اگر محقق (یا محققِ خبر) اس بات کو واضح کر دے، مثلاً یہ کہ وہ زیادات کو قوسین میں رکھے۔''

۱۴) میں بعض اوقات ایک خبر کو ایک سے زائد مقامات پر دہرا دیتا ہوں کیونکہ وہ کئی موضوعات سے متعلق ہوتی ہے۔

۱۵) میں نے کوشش کی ہے کہ جب کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث

وروایات بیان کروں تو انہیں حتی الامکان زمانی ترتیب کے ساتھ مرتب کروں۔

۱۶) جب میں مصادر ومراجع کی طرف حوالہ دیتا ہوں تو صرف کتاب کا نام، جز اور صفحہ نمبر یا حدیث، خبر یا ترجمہ کا نمبر ذکر کرتا ہوں۔ جہاں تک کتاب سے متعلق باقی تفصیلی معلومات کا تعلق ہے، وہ میں نے فہرستِ مراجع میں درج کر دی ہیں۔

۱۷) میں ان ضعیف روایات کا ذکر ان کے موقع پر کرتا ہوں جو شہرت پا چکی ہوں، تا کہ ان کی حقیقت واضح کی جا سکے اور ان کے درجے کی وضاحت ہو جائے۔

۱۸) میں صرف ان واقعات اور حادثات کا ذکر کرتا ہوں جن کا ہمارے تحقیق کے موضوع سے تعلق ہے، تا کہ موضوع ادھر اُدھر نہ پھیل جائے۔ اسی وجہ سے میں نے عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے بارے میں گفتگو کرنے سے گریز کیا، کیونکہ میں نے پایا کہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اپنے لیے خاص تصنیف کا محتاج ہے۔ اور عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے بارے میں بہت سی روایات میرے متعین کردہ (المقدمة المنهجية) کے مطابق صحیح ثابت ہوئی ہیں۔

۱۹) جب خوارج اور واقعۂ نہروان کے بارے میں گفتگو کی گئی، تو میں نے صرف ان احادیث وروایات کے ذکر پر اکتفا کیا جو صفّین اور اس کے بعد کے واقعات سے متعلق ہیں۔ چنانچہ صفّین سے پہلے خوارج کے ظہور کی ابتدائی علامات (۱) جیسے ذو الخویصرہ تمیمی (۲) کی حدیث، اور خلافتِ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں خوارج کے ظہور کی تمہیدی علامات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ اس تحقیق کی زمانی حدود سے

باہر ہیں۔

(۱) ارھاصات: وہ ابتدائی علامات یا مقدمات جو کسی چیز کے قریب الوقوع ہونے کی نشاندہی کریں۔ دیکھیے: لسان العرب (۴۴/۷)، مادہ: رھص۔

(۲) میں نے ذوالخُویصرہ کا حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے موقف میں [۲۱۶][۲۱۷] پر ذکر کیا ہے، اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے موقف میں [۶۷] پر بھی، لیکن وہاں ذوالخُویصرہ کے معاملے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، صرف اسے ملحق میں ترجمہ کیا ہے۔ دیکھیے: [۶۲۸] اور اس کے بعد۔

۲۰) جب میں ''المحققان'' کہتا ہوں تو میری مراد محقق محمد طاہر برزنجی اور تحقیق کے نگران محمد صبحی حسن حلاق ہوتے ہیں - اللہ ان دونوں کو جزائے خیر دے - جن کی کتاب ہے: ''صحیح وضعیف تاریخ طبری''۔

۲۱) میں شیخین شعیب الارنؤوط اور بشار بن عواد بن معروف کی بات تحریر تقریب التہذیب سے صرف اُس وقت نقل کرتا ہوں جب میں اُن دونوں سے متفق ہوتا ہوں۔

۲۲) میں تاریخ دمشق اور دیگر کتب سے ایسے نصوص نقل کرتا ہوں جو ان کتابوں سے ماخوذ ہوتے ہیں جو ہمارے زمانے میں مفقودات شمار ہوتی ہیں۔ پس جب میں ان مفقود کتابوں سے کوئی نص نقل کرتا ہوں تو میں صرف مؤلف اور اس کی مفقود کتاب کا نام ذکر کرتا ہوں، پھر مؤلف کے بعد کا سند بیان کر دیتا ہوں، لیکن ابن عساکر کی اس کتابِ مفقود تک پہنچنے والی سند ذکر نہیں کرتا۔ چنانچہ میں یوں کہتا ہوں - مثال کے طور پر -: [ابن دیزِل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت کیا - جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے - کہا: ہمیں بیان کیا۔۔۔]۔

۲۳) میں کتاب کے بعض حواشی اور اصل متن میں علمِ حدیث اور علل سے

متعلق مباحث میں کچھ وسعت اختیار کرتا ہوں، اور اس تحقیق میں اس کے عملی اطلاقات کی طرف بھی حوالہ دیتا ہوں، تاکہ غیر ماہرین بھی حدیثی معلومات تک رسائی حاصل کر سکیں، اور ان کو علمِ تاریخ کے میدان میں درکار علومِ حدیث سے اجمالاً روشناس کروایا جا سکے۔

اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ حدیث اور اس کے علوم میں ماہر معزز قاری کشادہ ظرفی سے کام لیں گے، کیونکہ یہ تفصیل اُن کے لیے نہیں ہے، ان کے لیے کسی اصطلاح یا اشارۂ حدیثی ہی سے مقصد واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے تخصص کی بنا پر مطلب سمجھنے کے لیے اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

۲۴) میں نے مقدمۂ منہجیّہ کتاب کے آغاز میں اس لیے رکھا ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے، اور میں نے اس کے لیے اسی اپنی کتاب سے عملی مثالیں بھی دی ہیں، جن کی طرف اعداد (نمبرات) کے ذریعے حوالہ دیا ہے۔

۲۵) کتاب میں میں نے چھے ضمیمے مختلف مقامات پر شامل کیے ہیں، ان میں سے ایک ضمیمہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء پر مشتمل ہے جن کے بارے میں میرے لیے ان کی شرکت (یعنی کسی واقعے میں حاضری) کا معاملہ واضح نہیں ہو سکا۔

- ایک ضمیمہ بعض تابعین کے مشہور واقعات پر مشتمل ہے۔
- ایک ضمیمہ بشر بن غالب الاسدی کا تعارف ہے۔
- ایک ضمیمہ ان ثابت شدہ روایات پر مشتمل ہے جو بعد میں شامل کی گئیں۔
- ایک ضمیمہ ذوالخویصرہ التمیمی کا تعارف ہے۔
- ایک ضمیمہ فضیلۃ الشیخ، علامہ، محدث عبداللہ بن عبدالرحمن السعد کے مقدمے کا

دوسرا حصہ ہے۔

۲۶- فائدہ مکمل کرنے کے لیے: بعض ایسے موضوعات ہیں جو ہماری اس بحث سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے انہیں علیحدہ مستقل کتب کی صورت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ ہماری بحث کے مرکزی پہلوؤں کو منقطع نہ کریں۔ میں نے ان کا نام ''سلسلہ اخبار صفین'' رکھا ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱- ابوالفرج اصفہانی، مؤلفِ کتاب الاغانی اور مقاتل الطالبیین، کا تعارف۔

۲- وہ خطبہ جو حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کے موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ارشاد فرمایا۔

۳- وہ خطبہ جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

اور ان تینوں کو میں نے ایک ہی کتاب میں جمع کیا ہے جس کا عنوان ہے: (خطبۂ حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما بیعت کے موقع پر- ایک تنقیدی مطالعہ)۔

۴- ''**كتاب تسمية من شهد مع علي بن أبي طالب الجمل وصفين والنهروان من أصحاب رسول الله** ﷺ'' از عبید اللہ بن ابی رافع الہاشمی (متوفی پہلی صدی ہجری)- اس کتاب کا جمع وترتیب اور مطالعہ۔

۵- ابن عقدہ کی وہ روایات جو اُجلَح کے واسطے سے ان صحابہ کے بارے میں منقول ہیں جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی ان کا جمع و مطالعہ۔

اور ان دونوں کو میں نے ایک ہی کتاب میں جمع کیا ہے۔

۶- کتاب صفین از ابن دیزِل میں نے اس کے وہ تمام نصوص جمع کیے ہیں جن پر

میرا مطالعہ ہوا۔

۷۔ کتاب صفین از یحییٰ بن سلیمان الجعفی میں نے اس کے وہ تمام نصوص جمع کیے ہیں جن پر میرا مطالعہ ہوا۔ اوران دونوں کو بھی میں نے ایک ہی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ یکے بعد دیگرے شائع کیا جائے گا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب وہ ہے جو آپ کے ہاتھ میں ہے: ''**صحیح اخبار صفین، نهروان اور عام الجماعة**''، اور دوسری کتاب ہے: ''**مختصر صحیح اخبار صفین، نهروان اور عام الجماعة**''، پھر اس کے بعد مذکورہ بالا باقی کتب اس سلسلے میں شامل ہوں گی۔

۞ بحث کا خاکہ

المقدمہ

پہلی فصل: علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی اصل

اس باب میں تین مباحث شامل ہیں:

۞ پہلا مبحث: معاویہ رضی اللہ عنہ کا خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مطالبہ کرنا۔

۞ دوسرا مبحث: ان اسباب کی اصولی وضاحت جو معاویہ رضی اللہ عنہ کو، بیعت کے واجب ہونے کے باوجود، علی رضی اللہ عنہ کو بیعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والے بنے۔

۞ تیسرا مبحث: فتنۂ صفین کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا مؤقف۔

دوسری فصل: فتنۂ صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف۔

اس باب میں تین مباحث شامل ہیں:

۞ پہلا مبحث: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی۔

اولاً: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب الہاشمی القرشی رضی اللہ عنہ۔

● سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فتنے سے کنارہ کش رہنے والوں کے بارے میں مؤقف۔

● سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام میں سے اپنے خلاف خروج کرنے والوں

کے بارے میں مؤقف۔

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جنگ کا انتخاب کرنا: وصیت اور اجتہاد کے درمیان۔
- امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گروہ، دونوں مسلمان گروہوں میں حق کے زیادہ قریب تھا۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام پر قنوت (دعائے بد) کرنے کے بارے میں مؤقف۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام پر لعنت، سبّ وشتم اور طعن وتنقید کرنے کے بارے میں مؤقف۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے مخالفین (اہلِ جنگ) کی تکفیر کے بارے میں مؤقف۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کی طرف سے کتاب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مطابق فیصلہ کرنے کی دعوت پر مؤقف۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے ساتھ مؤقف، واقعۂ صفین سے پہلے اور اس کے بعد۔

ثانیاً: حسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی القرشی رضی اللہ عنہما۔

ثالثاً: حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی القرشی رضی اللہ عنہما۔

رابعاً: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی رضی اللہ عنہما۔

خامساً: عمار بن یاسر العنسی، ابوالیقظان رضی اللہ عنہ۔

سادساً: ابوامامہ صُدی بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہ۔

سابعاً: سہل بن حُنَیف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ۔

ثامناً: الاشعث بن قَیس الکِندی رضی اللہ عنہ۔

تاسعاً: عمرو بن الحمق الخزاعی رضی اللہ عنہ۔

عاشراً: حُجر بن عدی الکِندی رضی اللہ عنہ۔

الحادی عشر: خُزَیمہ بن ثابت انصاری، ذُوالشہادتین رضی اللہ عنہ۔

الثانی عشر: سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ۔

الثالث عشر: عبداللہ بن بدَیل بن ورقاء الخزاعی رضی اللہ عنہ۔

الرابع عشر: قیس بن سعد بن عبادہ بن دُلَیم انصاری رضی اللہ عنہ۔

دوسرا مبحث: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی۔

اوّلاً: معاویہ بن ابی سفیان قرشی اُموی رضی اللہ عنہ۔

- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں مؤقف، واقعۂ صفین سے پہلے اور اس کے بعد۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص میں تاخیر کے بارے میں مؤقف۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفین کی جنگ کے بارے میں مؤقف۔
- معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے خلافت کا دعویٰ علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کرنے کے مسئلے کی تحقیق ووضاحت۔
- خلافت سنبھالنے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کے

بارے میں مؤقف۔

ثانیاً: عمرو بن العاص السہمی القرشی رضی اللہ عنہ۔

ثالثاً: عبداللہ بن عمرو بن العاص السہمی القرشی رضی اللہ عنہما۔

رابعاً: نعمان بن بشیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔

خامساً: حبیب بن مسلمہ بن مالک القرشی الفہری رضی اللہ عنہ۔

سادساً: ابوالغادیہ یسار بن سبع الجہنی رضی اللہ عنہ۔

سابعاً: عمرو بن حزم بن زید بن لوذان انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔

۞ تیسرا مبحث: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے صفین سے کنارہ کشی اختیار کی۔

اوّلاً: عبداللہ بن عمر بن خطاب العدوی القرشی رضی اللہ عنہما۔

- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں مؤقف۔
- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں مؤقف۔
- باغی گروہ سے قتال نہ کرنے پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ندامت والے قول کی تحقیق ووضاحت۔
- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بارے میں مؤقف۔
- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے وہ جوابات جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف

قتال کے بارے میں فتویٰ طلب کرنے والوں کو دیے گئے۔

● عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ان لوگوں کے بارے میں مؤقف جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں۔

● عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے اُنہیں اپنی اپنی صف میں شامل کرنے کی کوشش کے بارے میں مؤقف۔

ثانیاً: ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ۔

ثالثاً: ابومسعود بدری عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

رابعاً: سعد بن ابی وقاص الزہری رضی اللہ عنہ۔

خامساً: اسامہ بن زید بن حارثہ بن شَراحیل کلبی رضی اللہ عنہما۔

سادساً: ابوسعید خدری، سعد بن مالک بن سنان انصاری رضی اللہ عنہ۔

سابعاً: ابو برزہ اسلمی، نَضلہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔

ثامناً: ابوایوب انصاری، خالد بن زید بن کلیب خزرجی رضی اللہ عنہ۔

تاسعاً: اَہبان بن صَیفی الغفاری، ابومسلم رضی اللہ عنہ۔

عاشراً: محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

الحادی عشر: ابوہریرہ، عبدالرحمن بن صخر دوسی رضی اللہ عنہ۔

الثانی عشر: جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک بجلی یمانی رضی اللہ عنہ۔

الثالث عشر: جُندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ۔

الرابع عشر: سَلمہ بن عمرو بن الاکوع، سِنان بن عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ۔

الخامس عشر: معقل بن یسار المُزَنی بصری رضی اللہ عنہ۔

السادس عشر: براء بن عازب بن حارث انصاری حارثی رضی اللہ عنہ۔

السابع عشر: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن حارث عامری قرشی رضی اللہ عنہ۔

الثامن عشر: ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو اُموی رضی اللہ عنہ۔

التاسع عشر: عمران بن حصین بن عبید بن خلف خزاعی رضی اللہ عنہ۔

العشرون: ابوبکرہ نُفَیع بن حارث ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ۔

الحادی والعشرون: عبداللہ بن سلام بن حارث اسرائیلی رضی اللہ عنہ۔

الثانی والعشرون: زید بن ثابت بن الضحاک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ۔

الثالث والعشرون: ابوعبداللہ عثمان بن ابی العاص ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ۔

الرابع والعشرون: اُمُّ المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر الصدیق تیمیہ رضی اللہ عنہا۔

✓ ضمیمہ: ان صحابہ کے اسماء پر مشتمل ہے جن کے بارے میں میرے لیے ان کی شرکت کا معاملہ واضح نہیں ہو سکا۔

اوّلاً: وَہب بن عبداللہ، ابوجُحیفہ السُّوائی، اور انہیں ''وَہب الخیر'' بھی کہا جاتا ہے۔

✓ ضمیمہ: بعض تابعین کے مشہور واقعات ومواقف پر مشتمل ہے۔

اوّلاً: اَحنف بن قیس بن معاویہ بن حُصین تمیمی رحمہ اللہ۔

ثانیاً: ابووائل، شَقِیق بن سلمہ اسدی کوفی رحمہ اللہ۔

ثالثاً: علقمہ بن قیس نخعی کوفی رحمہ اللہ۔

رابعاً: الاشتر، مالک بن حارث نخعی رحمہ اللہ۔

خامساً: ابواسماعیل مُرّۃ بن شَراحِیل ہَمدانی بکیلی کوفی رحمہ اللہ۔

سادساً: ابوالعالیہ، رُفَیع بن مہران ریاحی بصری رحمہ اللہ۔

تیسری فصل: صفین کی جنگ اور حکم (فیصلے) کی دعوت۔

اوراس میں چودہ مباحث شامل ہیں:

۞ پہلا مبحث: معاویہ رضی اللہ عنہ اوراہلِ شام کی جانب سے بیعت کی دعوت۔

۞ دوسرا مبحث: صفین کی طرف پیش قدمی اور پانی پرلڑائی۔

● پہلا مطلب: الاشتر نخعی کا اپنے مَذْحِجی لشکر کے ساتھ لشکرِ خلافت سے علیحدہ ہو جانا، پھراس کاواپس آجانا۔

● دوسرا مطلب: دونوں لشکروں کی صفین کی جانب پیش قدمی۔

● تیسرا مطلب: معرکہ صفین میں دونوں لشکروں کی تعداد۔

● چوتھا مطلب: سرزمینِ صفین کا تعارف اوراس کی تفصیل۔

● پانچواں مطلب: معاویہ رضی اللہ عنہ کی پانی پرقبضہ حاصل کرنا، عراق کے لشکرکو پانی پینے سے روکنا، اوراس روکنے کی حقیقت۔

۞ تیسرا مبحث: اہلِ شام کے لشکر کے سرداروں اوران کے پیروکاروں پرقنوت (دعائے بد) کرنا۔

۞ چوتھا مبحث: علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام پرلعنت، سبّ وشتم اورطعن وتنقید کے بارے میں مؤقف۔

۞ پانچواں مبحث: معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک شجاعانہ موقف جس سے رومی سلطنت کے ستون لرز گئے۔

۞ چھٹا مبحث: علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام سے باغیوں کے احکام کے مطابق معاملہ کرنا۔

۞ ساتواں مبحث: صفین میں جنگ کا بھڑک اٹھنا۔

- پہلا مطلب: مکمل جنگ سے اجتناب اور ماہِ محرم کے دوران جنگ بندی۔
- دوسرا مطلب: مکمل جنگ کا آغاز۔

۞ آٹھواں مبحث: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا۔

- پہلا مطلب: وہ حدیث جو باغی گروہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے جنہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔
- دوسرا مطلب: عمار رضی اللہ عنہ کے شہادت کا وصف وکیفیت۔
- تیسرا مطلب: عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں نصیحت ورہنمائی۔
- چوتھا مطلب: شیخ الالبانی رحمہ اللہ کا اس بارے میں رائے اور اس کا جواب۔
- پانچواں مطلب: حافظ الذہبی رحمہ اللہ کا اس موضوع پر قول اور اس کا جواب۔
- چھٹا مطلب: حافظ ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کا اس موضوع پر قول اور اس کا جواب۔
- ساتواں مطلب: عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پر معاویہ، عمرو، ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہم اور لشکر شام کا مؤقف۔
- آٹھواں مطلب: اُمُّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پر مؤقف۔

۞ نواں مبحث: وہ اسباب جن کی بنا پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے ذریعے حکم (تحکیم) کے ذریعے جنگ روکنے کی طرف مائل کیا۔

۞ دسواں مبحث: حکم (تحکیم) کی دعوت اور جنگ کو روکنا۔

- پہلا مطلب: جنگ روکنے کا طریقہ۔
- دوسرا مطلب: دونوں حکماء کا انتخاب اور صلح نامہ تحریر کرنا۔
- تیسرا مطلب: صفین میں صلح نامہ تحریر کرنے کے بعد دونوں فریقین کے کیے گئے اقدامات۔
- چوتھا مطلب: امیر المؤمنین الفاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تلوار جو وہ صفین کے دن اپنے بیٹے عُبید اللہ کے ساتھ لے کر تھے۔
- پانچواں مطلب: علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ واپسی، راستے میں خوارج کا ان کے ساتھ مخالفت کرنا اور ان کا حروراء میں ٹھہرنا۔
- چھٹا مطلب: ابن ابی شیبہ کی روایت سے ظاہر ہونے والے چند اہم معانی۔

۞ گیارھواں مبحث: صفین کے دن صلح کے بارے میں خوارج (قراء) کا مؤقف اور ان کی تعداد۔

- پہلا مطلب: وہ تعداد خوارج (قراء) کی جو صفین کے دن علیحدہ ہوگئے۔
- دوسرا مطلب: صفین کے دن صلح کے بارے میں خوارج (قراء) کا مؤقف۔

۞ بارھواں مبحث: صفین کی جنگ کے اختتام کے بعد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف۔

۞ تیرھواں مبحث: ابو میسرہ، عمرو بن شُرَحبیل ہمدانی کوفی رحمہ اللہ کا خواب۔

۞ چودھواں مبحث: صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد۔

چوتھی فصل: دونوں حکمین رحمہم اللہ کا اجتماع۔

اور اس میں نو مباحث شامل ہیں:

❁ **پہلا مبحث: حکمین کے اجتماع کی تاریخ اور مقام۔**

- پہلا مطلب: حکمین کے اجتماع کی تاریخ۔
- دوسرا مطلب: حکمین کے اجتماع کی جگہ۔

❁ **دوسرا مبحث: حکمین کا اپنی ملاقات کی جگہ کی طرف روانہ ہونا۔**

❁ **تیسرا مبحث: تحکیم کا واقعہ اور اس کے نتائج، اسماعیل بن اسحاق قاضی سے دارقطنی کی روایت۔**

- پہلا مطلب: راوی کی وہم (غلط فہمی یا بھٹکاؤ) پر بیان کی وضاحت۔
- دوسرا مطلب: روایت کا متن۔
- تیسرا مطلب: محققین کی طرف سے دارقطنی کی روایت اور اسماعیل قاضی سے استفادہ نہ کرنے کی وجوہات۔
- چوتھا مطلب: وہ قصہ جسے دارقطنی اور اسحاق قاضی نے روایت کیا، اور وہ حتمی نتائج جو حکمین نے اخذ کیے۔
- پانچواں مطلب: حسنِ بصری رحمہ اللہ کا حکمین کے معاملے میں قول۔

❁ **چوتھا مبحث: وہ واقعات جو حکمین کے درمیان پیش آئے۔**

- پہلا مطلب: وہ بنیادی امور جن کے لیے حَکَمَین رضی اللہ عنہما جمع ہوئے، اور حَکَمَین کے جدا ہونے کے بعد ان امور کا انجام۔
- دوسرا مطلب: وہ امور جو حَکَمَین رحمہا اللہ کے اجتماع کے دوران نئے طور پر سامنے آئے، اور حَکَمَین کے جدا ہونے کے بعد ان کا انجام۔
- تیسرا مطلب: وہ مقاصد جن کے حصول کی ہر ایک حَکَم کوشش کر رہا تھا اپنے

اجتماع کے دن۔

● چوتھا مطلب: حَکَمَین رحمہا اللہ اپنے ہاتھوں سے حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کے ارکان کی بنیا در کھنے والے نہیں تھے۔

● پانچواں مطلب: ابوموسیٰ اشعری اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ پیش آیا۔

● چھٹا مطلب: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جانب سے، اور دوسری جانب معاویہ اور عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ پیش آیا۔

● ساتواں مطلب: حَکَمَین رضی اللہ عنہما کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ۔

۞ پانچواں مبحث: حَکَمَین اور ان کے ساتھیوں کا دُومَۃُ الجَندَل سے تحکیم کے بعد روانہ ہونا۔

۞ چھٹا مبحث: خلافت کے حق دار ہونے کا معیار معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک، اور علی رضی اللہ عنہ کے علاقوں پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے۔

● پہلا مطلب: خلافت کے حق دار ہونے کا معیار معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک۔

● دوسرا مطلب: صفین سے قبل معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استحقاق۔

● تیسرا مطلب: وہ عوامل جنہوں نے صفین کے بعد دونوں مصر (یعنی کوفہ وبصرہ) میں طاقت کے توازن کو بدل دیا۔

● چوتھا مطلب: علی رضی اللہ عنہ کے علاقوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے۔

● پانچواں مطلب: صفین کے بعد خلافت کے حق دار کے تعین کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے، اور اس کا حالات کی کشیدگی پر اثر۔

۞ ساتواں مبحث: حکمین کے جدا ہونے اور نہروان کے بعد اہلِ عراق کو لاحق ہونے والا خوف اور گھبراہٹ۔

۞ آٹھواں مبحث: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ عراق کی ضد و مخالفت کے بیان کا تحقیق و تجزیہ۔

۞ نواں مبحث: (شُرْطَۃُ الْخَمِیس) نامی فوج کا قیام، اس کی تفصیل، اور اس کے قیام کا مقصد۔

پانچویں فصل: خوارج کا معاملہ۔

اور اس میں چار مباحث شامل ہیں:

۞ پہلا مبحث: خوارج کا ظہور اور ان کی سرگرمیاں نہروان سے پہلے تک۔

● پہلا مطلب: صفین کے بعد امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اور خوارج کے درمیان پیش آنے والے واقعات اور ان کی زمانی ترتیب۔

● دوسرا مطلب: صفین میں جنگ کے رکنے کے بعد خوارج کا ظہور۔

● تیسرا مطلب: وہ شبہات جن کی بنیاد پر خوارج نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا، اور ان شبہات کا رد۔

● چوتھا مطلب: خوارج دو مرتبہ امیر المؤمنین سے علیحدہ ہوئے۔

● پانچواں مطلب: خوارج کی پہلی اور دوسری واپسی میں فرق۔

● چھٹا مطلب: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دو مرتبہ خوارج کے پاس نہیں

گئے۔

- ساتواں مطلب: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ خود خوارج کے پاس حروراء گئے، اوران کے ہمراہ فصیح وبلیغ خطیب صعصعہ بن صوحان اللہ اور ابن کواء بھی تھے، جو ابتدا میں خوارج کے سرکردہ لوگوں میں سے تھا، پھر توبہ کرلی۔
- آٹھواں مطلب: خوارج کی فہم کی کج روی۔
- نواں مطلب: حروراء میں موجود باقی ہٹ دھرموں کے ساتھ خط وکتابت۔
- دسواں مطلب: خوارج کا نسبتی سکون، پھران کا جوش میں آنا اور علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے منحرف ہوجانا۔
- گیارھواں مطلب: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ خود شام کی طرف جہاد کے لیے تیار ہوتے ہیں، اور خوارج کو بھی اپنے ساتھ جہاد کی دعوت دیتے ہیں۔
- بارھواں مطلب: خوارج عہد توڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں۔
- تیرھواں مطلب: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مناظرہ۔
- چودھواں مطلب: خوارج سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مناظرہ۔

۞ دوسرا مبحث: نہروان میں خوارج سے مقابلہ (۳۸ھ)۔

- پہلا مطلب: جوتی گانٹھنے والے (شخص) کی حدیث۔
- دوسرا مطلب: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا خوارج کے ساتھ (صلح کے لیے) اپنی شرط رکھنا، پھران کا خون ریزی کرنا۔
- تیسرا مطلب: معرکہ نہروان میں دونوں لشکروں کی تعداد۔

- چوتھا مطلب: نہروان میں جنگ، ذوالثدیہ کی تلاش، اور علی رضی اللہ عنہ کا سجدۂ شکر۔
- پانچواں مطلب: نہروان میں قتل ہونے والوں کی تعداد۔
- چھٹا مطلب: اہلِ نہروان کے تکفیر کے بارے میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا موقف۔
- ساتواں مطلب: علی رضی اللہ عنہ کا نہروان کے بعد نخیلہ آنا، پھر اہلِ شام سے قتال کو مؤخر کرنا اور کوفہ واپس لوٹ جانا۔
- آٹھواں مطلب: معرکہ نہروان کے نتائج اور صفین کے بعد علی رضی اللہ عنہ کا شام پر حملہ نہ کرنے کی وجوہات یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

۞ تیسرا مبحث: خوارج کے طریقۂ کار کا اپنے پیروکاروں اور سرداروں پر بھی مبہم ہونا۔

۞ چوتھا مبحث: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فراست کہ کوفہ کے کچھ لوگ آگے چل کر خوارج میں شامل ہوں گے۔

چھٹی فصل: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، اہلِ عراق کی حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت، اور اہلِ شام ومصر کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت۔

اور یہ دو مباحث پر مشتمل ہے:

۞ پہلا مبحث: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت۔

- پہلا مطلب: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا علم ہونا۔

- دوسرا مطلب: علی رضی اللہ عنہ کا اپنے پیروکاروں سے تنگ آجانا یہاں تک کہ ان کی وجہ سے کئی بار موت کی تمنا کرنا۔
- تیسرا مطلب: علی رضی اللہ عنہ کا قاتل امت کا سب سے بدبخت شخص ہے۔
- چوتھا مطلب: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اور کیفیت۔
- پانچواں مطلب: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین۔
- چھٹا مطلب: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ۔
- ساتواں مطلب: معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پر ان کا موقف۔
- آٹھواں مطلب: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے بعد کسی کے لیے خلافت کی وصیت نہ کرنا۔

۞ دوسرا مبحث: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق کی حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت، اور اہلِ شام ومصر کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت۔

- پہلا مطلب: اپنے والد کی شہادت کے بعد اہلِ عراق کی حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت۔
- دوسرا مطلب: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ شام ومصر کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت۔

ساتویں فصل: حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت، سنہ (۴۱) ہجری عامُ الجماعۃ اور فتوحات کا دوبارہ آغاز۔

اور یہ سات مباحث پر مشتمل ہے:

۞ پہلا مبحث: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے لے کر حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت تک کے واقعات کی ترتیب۔

۞ دوسرا مبحث: وہ شرائط اور اصول جن پر حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح قائم ہوئی۔

- پہلا مطلب: حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کے وقت پیش کردہ شرائط۔
- دوسرا مطلب: وہ اصول جن پر حسن رضی اللہ عنہ کی صلح قائم ہوئی۔

۞ تیسرا مبحث: صلح کے راستے میں حسن رضی اللہ عنہ کے اقدامات یہاں تک کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کی۔

- پہلا مطلب: امیر المؤمنین حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے انتخاب میں شجاعت اور حکمت۔
- دوسرا مطلب: اہلِ عراق کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کرتے وقت ان کی شرط۔
- تیسرا مطلب: شرط رکھنے کے بعد کوفہ میں حسن رضی اللہ عنہ پر پہلا قاتلانہ حملہ۔
- چوتھا مطلب: حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر کے ساتھ شام کی طرف نکلنا اور مدائن میں ان پر دوسرا قاتلانہ حملہ۔
- پانچواں مطلب: معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے استقبال کے لیے عراق کی طرف آنا، اور حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ

رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت۔

● چھٹا مطلب: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اہل شام کے ایک گروہ کے ساتھ عراق سے شام واپس آنا، حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کے بعد، اور آسمان سے شدید بارش ہونا۔

۞ چوتھا مبحث: جماعت کے بعد فتوحات کا دوبارہ آغاز۔

● پانچواں مبحث: سید حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کی خبروں سے حاصل ہونے والے فوائد۔

۞ چھٹا مبحث: اہلِ عراق کا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے بارے میں موقف۔

● پہلا مطلب: حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت پر خوارج کا موقف۔

● دوسرا مطلب: حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت پر اہلِ عراق کی فوج کا موقف۔

۞ ساتواں مبحث: حسن رضی اللہ عنہ پر صلح سے پہلے اور بعد میں ہونے والی قاتلانہ حملوں کی کوششیں، ان کا مقصد، اور اس میں ملزم افراد۔

✓ ضمیمہ: بشر بن غالب اسدی کا تعارف (سوانح)۔

✓ ضمیمہ: وہ ثابت شدہ خبریں جو بعد میں شامل کی گئی ہیں۔

✓ ضمیمہ: ذوالخُویصرہ تمیمی کا تعارف (سوانح)۔

✓ ضمیمہ: فضیلۃ الشیخ علامہ محدث عبد اللہ بن عبد الرحمن السعد کا مقدمہ

کتاب کا دوسرا حصہ۔

خاتمہ اور تحقیق کے اہم نتائج۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ پھر صحابہ کی ایک جماعت جن میں طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم شامل تھے نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے لیے قیام کیا، تو واقعۂ جمل پیش آیا جیسا کہ مشہور ہے۔ پھر شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیام کیا، وہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام کے گورنر تھے، پس انہوں نے بھی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کی دعوت دی، تو واقعۂ صفین پیش آیا جیسا کہ ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ وہ (یعنی مخالفین) پہلے اطاعت میں داخل ہوں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی کو چاہیے کہ ان کے پاس دعویٰ کرے (یعنی مقدمہ پیش کرے)، پھر شریعتِ مطہرہ کا جو تقاضا ہوگا اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور جو لوگ ان کے مخالف تھے وہ ان سے کہتے: ''انہیں تلاش کرو اور قتل کرو''۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ دعویٰ اور شرعی گواہی کے بغیر قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اور دونوں فریق مجتہد تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک گروہ وہ بھی تھا جنہوں نے کسی بھی قتال میں شرکت نہیں کی۔ اور عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے ظاہر ہو گیا کہ حق علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور اس پر بعد میں اہلِ سنّت کا اتفاق ہو گیا، اگرچہ قدیم زمانے میں اس میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ وللہ الحمد

(١) الاصابۃ: ٥٦٦/٤

پہلی فصل: علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی بنیاد۔

اور یہ تین مباحث پر مشتمل ہے:

۞ پہلا مبحث: معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے سلسلے میں وِلایت (ذمے داری ومطالبہ)۔

۞ دوسرا مبحث: ان اسباب کی اصولی وضاحت جو معاویہ رضی اللہ عنہ کو، بیعت علی رضی اللہ عنہ کے واجب ہونے کے باوجود، بیعت سے روکنے کا باعث بنیں۔

۞ تیسرا مبحث: اہلِ سنت والجماعت کا فتنۂ صفین کے بارے میں موقف۔

پہلی فصل: علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی بنیاد۔

ہم اس کتاب کی ابتداء ایک سوال کے ساتھ کرتے ہیں،،

شامی لشکر خلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حکم کا مخالف کیسے بن گیا؟

بلا شبہ، اس سوال کا جواب اس اختلاف کی بنیاد، اس کے پیدائش کے پس منظر اور اس کے نتائج کا ایک واضح تصور پیش کرتا ہے۔

اور اس سوال کے جواب کے لیے ہم دو مباحث پر گفتگو کریں گے، اور وہ یہ ہیں:

[۱] معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبے میں وِلایت (ذمہ داری ودعویٰ)۔

[۲] ان اسباب کی اصولی وضاحت جنہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو باوجود اس کے کہ بیعت واجب تھی علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے روک دیا۔ پھر ہم اس باب کا اختتام تیسرے مبحث پر کریں گے، اور وہ ہے: ''اہلِ سنّت و جماعت کا فتنۂ صفین کے بارے میں موقف''۔

نوٹ: ہم پہلی جلد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے واقعہ تک اس کتاب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اب ہم ترجمہ کا آغاز اللہ کی مدد سے اسی جگہ سے کریں گے جہاں سے ہم نے ترجمے کا کام چھوڑا تھا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

چوتھے: نعمان بن بشیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہما:

امیر، عالم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، اور صحابی کے بیٹے تھے، اور وہ

عبداللہ بن رواحہ کے بھانجے بھی تھے (۱)۔ نعمان رضی اللہ عنہ بلاشبہ ایک فصیح خطیب تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا، تو سماک بن حرب نے انہیں وہاں خطبہ دیتے ہوئے سنا، تو کہا: ''اللہ کی قسم! وہ دنیا کے ان تمام لوگوں میں سے سب سے فصیح خطیب تھے جنہیں میں نے بولتے ہوئے سنا ہے (۲)۔''

میں نے صفین کے گواہوں کے بارے میں کوئی صحیح یا قابل قبول خبر نہیں پائی، اور نصر بن مزاحم نے اس کے گواہوں (۳) کے بارے میں ایک خبر بیان کی ہے، لیکن اس بات کے ثبوت کے ساتھ کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیض اور اہل عثمان رضی اللہ عنہ کا کتابچہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خون کے مطالبے کے لیے لے گئے تھے، اور گواہوں کے شام کے خطیبوں کے اجتماع کے ساتھ، یہ صرف صفین کے گواہوں کی ایک قابل قبول خبر ہے، لیکن نصر بن مزاحم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ شامل نہیں۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۴۱۱/۳)۔
(۲) دیکھیں: [۱۲]۔
(۳) وقعہ صفین ص (۴۴۵، ۴۴۸)۔

پانچویں: حبیب بن مسلمہ بن مالک القرشی الفہری رضی اللہ عنہ۔

الامیر، ان کی صحابیت اور روایات کم مقدار میں ہے، اور وہ یرموک کی لڑائی میں امیر کے طور پر حاضر تھے۔ انہیں ''حبیب روم'' کہا جاتا تھا کیونکہ وہ بار بار رومیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے دل میں رومیوں کے لیے سخت دشمنی تھی، اور وہ صفین کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی میسرۃ کے کمانڈر تھے (۱)۔

پھر جب دوسرا وار ہوا، جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، تو خوارج کا نشانہ حبیب رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم اور قابل اعتماد لوگوں میں

سے تھے، لیکن اللہ نے انہیں محفوظ رکھا، اوران کے ہاتھ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے (۲)۔

میں نے حبیب رضی اللہ عنہ کا صفین کے واقعات میں صحیح یا قابل قبول خبر میں ذکر نہیں پایا، سوائے اس کے کہ ان کا نام تحکیم کے معاہدے میں بطور گواہ آیا ہے، جو ثبوتوں کے لحاظ سے قابل قبول (۳) ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شدید طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور انہوں نے عسکری امور میں ان پر اعتماد کیا، اور ایسی کوئی چیز نہیں جو ان کی گواہی کے خلاف ہو۔

نصر بن مزاحم نے ذکر کیا کہ حبیب رضی اللہ عنہ صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے سرداروں میں سے تھے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ میسرۃ (فوج کے بائیں بازو) پر تھا (۴)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۳/۱۸۸)۔

(۲) دیکھیں: [۱۲۹]، [۱۳۰]۔

(۳) دیکھیں: [۳۸۷]۔

(۴) وقعہ صفین ص (۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۳۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، ۵۰۷، ۵۱۱)۔

اور حبیب رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے حق دار ہیں، اور حبیب رضی اللہ عنہ نے حکمین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی سخت مخالفت کی کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب رضی اللہ عنہ سے خطاب کیا اور کہا: (جو اس معاملے پر بات کرنا چاہتا ہے، وہ اپنا قرن ہمیں دکھائے، کیونکہ ہم اس پر اس سے اور اس کے والد سے زیادہ حق دار ہیں (۱) تو حبیب رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: (تو کیا تم نے اسے جواب دیا؟ (۲)

(۱) یعنی: خلافت کے بارے میں۔
(۲) دیکھیں: [۴۳۱]۔

چھٹا: ابوالغادیہ[۱] یسار بن سبع جہنی رضی اللہ عنہ۔

صحابی، ابتدائی صف میں شامل تھے، انہوں نے بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شرکت کی[۲]، اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیعت اپنی دائیں ہاتھ سے کی۔ وہ عرب کے معزز افراد اور اہل شام کے شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے رومیوں کے خلاف غزوہ کیا، ایک رومی نے ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کی کشتی میں طنجیر (پیتل کی کڑھائی/ دیگچی جس میں آگ ہوتی ہے) پھینکنے کی تیاری کی ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے اس رومی پر تیر مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ اور طنجیر ان رومیوں کی کی کشتی میں گر گئی۔ اس طنجیر نے کشتی والوں کو جلا دیا اس کشتی میں تین سو کے قریب رومی موجود تھے۔ پھر یہ کہا جاتا تھا کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر تین سو نفوس کو جلا دیا[۳]۔

(۱) الغادیہ: ایسے بادل جو صبح سویرے (عدوۃ) برسنے کے لیے اُگتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بادل ایسے ہوتے ہیں جو اُگ کر صبح کے وقت بارش برسانے لگتے ہیں۔ اس کا جمع غَوَادٍ ہے۔ الغدوۃ، بالضم، والغداۃ: صبح کی وہ دیر ہے جو نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک ہوتی ہے۔ اور اس کا جمع غدوات ہے۔ (لسان العرب ۱۵/۱۱۶، ۱۵/۱۱۸، مادہ: غدا)۔
(۲) دوسری بیعتِ عقبہ بارہ ذی الحجہ کو ہوئی جو کہ بعثت کے تیرہویں سال کی تاریخ ہے، یعنی ہجرت سے دو مہینے اور تقریباً پندرہ دن پہلے۔ دیکھیں: فتح الباری، ابن حجر، ۷/۲۲۷، ۷/۲۳۵۔
احمد نے (۱۵۷۹۸) ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ... ہم حج کے لیے روانہ ہوئے، اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایام تشریق کے درمیانی دنوں میں بیعتِ عقبہ کا وعدہ کیا۔ ۔ ۔ یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ البانی اور شعیب الارنوط نے تصحیح کی ہے۔ دیکھیں: التعلیقات الحسان (۶۹۷۲)۔
(۳) سیر اعلام النبلاء (۲/۵۴۴) میں اس کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے تیر کی داستان ذہبی نے بیان کی ہے، اور اسے ابن عساکر نے بھی ذکر کیا ہے (۷۴/۱۴۰)۔

ابن ابی الدنیا نے ایک خبر روایت کی ہے جو ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کی بیت المقدس کی فتح میں موجودگی اور امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے خطبہ دینے کے

بارے میں ہے۔

[۱۵۴] ابن ابی الدنیا نے روایت کیا: ربیع بن ثعلب نے کہا: ابو اسماعیل المؤدب سے، انہوں نے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز المکی سے، انہوں نے ابو (العالیہ[۱]) الشامی سے روایت کیا کہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جابیہ کے مقام پر ہرے رنگ کے اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے[۲]۔ ان کا گنجا سر سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا، اس کے سر پر نہ کوئی ٹوپی تھی اور نہ ہی عمامہ (پگڑی) تھی۔ ان کے دونوں پاؤں ان کے بچھڑے کے دو شاخوں کے درمیان بغیر رکاب کے جُڑے ہوئے تھے، اور ان کا زین انجانی[۳] اونی کپڑے کا تھا۔ جب یہ سوار ہوتے ہیں تو یہ ان کا زین ہوتا ہے، اور جب سواری سے اترتے ہیں تو یہ ان کا بستر ہوتا ہے۔ ان کی توشک ایک نَمرہ (چتکبری چادر) یا شملہ[۴] (اوڑھنے کی سادہ چادر) تھی، جو کھجور کے ریشے سے بھری ہوئی تھی، یہی ان کا سامانِ سفر تھا جب وہ سواری اختیار کرتے۔ اور جب وہ (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) اُترتے، تو اُن کا تکیہ ایک کرابیس[۵] کا قمیص ہوتا، جو میلا ہو چکا

(۱) یوں ہی ہے، درست لفظ ''الغَادِیَہ'' ہے، جیسا کہ آگے تخریج میں آئے گا۔

(۲) الجَمَلُ الأَوْرَقُ: وہ اونٹ جس کی رنگت سیاہ تو نہیں ہوتی، بلکہ تھوڑی خاکی مائل ہوتی ہے۔

(۳) یہ ایک قسم کا کپڑا ہے جو اون سے بنایا جاتا ہے، اس میں تھوڑا سا خمل ہوتا ہے اور اس کا کوئی نشان یا پرچم نہیں ہوتا۔ یہ کپڑا موٹے دانتوں (نیاموں) کی کھال سے تیار کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کا نام جگہ ''انجان'' سے منسوب ہے۔ ماخذ: النھایہ لابن الاثیر (۱/۷۳)، مادہ: أنبجان۔

(۴) نمرہ: ایک ایسی چادر (شَملہ) جس میں سفید اور سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور نَمرہ: ایک صوفیانہ چادر (بردہ) بھی کہلاتی ہے جو دیہاتی عرب پہنا کرتے تھے۔

(۵) کِرْبَاس: کا جمع (کَرَابِیس) ہے، اور (کِرْبَاس) کا مطلب ہے: روئی یا سوتی کپڑا (یعنی قُطن)۔

تھا اور اس کا گلا پھٹ گیا تھا۔ تو انہوں نے کہا: ''گاؤں کے سردار کو میرے پاس بلاؤ''، چنانچہ انہوں نے حلوَمَس کو بلایا۔ پھر انہوں نے کہا: ''میری قمیص دھو دو، اور اس کو سی دو،

اور مجھے (کچھ وقت کے لیے) کوئی قمیص یا کپڑا عاریتاً دے دو۔'' (جب) ایک کتان کی قمیص لائی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ کتان ہے۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ کتّان کیا ہوتا ہے؟'' چنانچہ لوگوں نے انہیں بتایا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قمیص اتار دی، اسے دھویا گیا اور پیوند لگا دیا گیا۔ پھر وہ قمیص لائی گئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہ (عارضی) قمیص اتار دی اور اپنی (اصل) قمیص پہن لی۔ تو حلومس نے اُن سے کہا: آپ عرب کے بادشاہ ہیں، اور یہ ایسی سرزمین ہے جو اونٹوں کے لیے موزوں نہیں۔ چنانچہ ایک بردون (۱) (یعنی ہلکا پھلکا خچر) لایا گیا، اور اس پر ایک کپڑے کی چادر ڈال دی گئی (۲)، نہ اس پر زین تھی اور نہ پالان (۳)، تو آپ (عمر رضی اللہ عنہ) اس پر سوار ہو گئے۔ تو آپ (عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: روکو، روکو! میں تو یہ گمان بھی نہ کرتا تھا کہ لوگ شیطان پر سوار ہوں گے اس سے پہلے! پھر آپ کا اونٹ لایا گیا، تو آپ اس پر سوار ہو گئے (۴)۔

---

(۱) برذون: اس کا اطلاق اُن گھوڑوں اور خچروں پر ہوتا ہے جو عربی نسل کے نہ ہوں۔ اس کا جمع براذین ہے۔ اکثر یہ جانور روم سے لائے جاتے تھے۔ ان کی خصوصیات میں جسم کا بڑا ہونا، ٹانگوں کی مضبوطی، چال میں اکڑ، زیادہ وزن اٹھانے کی صلاحیت اور دشوار گزار راستوں میں چلنے کی قدرت شامل ہے۔ اُس زمانے میں برذون کو ایک شاہانہ اور عالی شان سواری سمجھا جاتا تھا۔ (مراجع: لسان العرب ۱۳/۵۱، مادہ: برذن، فتح الباری ۶/۶۷)۔

(۲) قطیفہ: وہ کپڑا جس پر نرم نرم روئیں (یعنی باریک ریشے یا ڈیڑیاں) ہوں۔

(۳) السَّرْجُ: جانور کا زین، یعنی وہ چیز جو اس کی پیٹھ پر رکھی جاتی ہے تا کہ سوار اس پر سیدھا بیٹھ سکے۔ لفظ السَّرج عموماً گھوڑوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ الرَّحل اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

(۴) ابن ابی الدنیا کی کتاب ''الزہد'' (حدیث ۱۱۵): یہ روایت حسن لغیرہ ہے، سوائے اس جملے کے: (تَلُوحُ صَلْعَتُهُ بِالشَّمْسِ، لَيْسَ عَلَيْهِ قَلَنْسُوَةٌ وَلَا عِمَامَةٌ) (یعنی: (ان کا گنجا سر سورج میں چمک رہا تھا، نہ اس پر ٹوپی تھی اور نہ عمامہ) تو اس کے برخلاف بات صحیح طور پر ثابت ہے، اور وہ یہ کہ اس پر عمامہ تھا۔

اور یہ اسناد ضعیف ہے، کیونکہ عبد اللہ بن مسلم ضعیف ہے۔ (دیکھیے: التقریب، حدیث نمبر ۳۶۱۶) الربیع: اس سے مراد ابو الفضل المروزی ہے، جسے صالح جزرہ اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: تاریخ بغداد، ۸/۴۱۷) اور ابو اسماعیل المؤدب: ان کا نام ابراہیم بن سلیمان بن رزین ہے، وہ صدوق ہیں مگر غریب روایتیں بیان کرتے ہیں۔ اور میں نے غریب الحدیث کی کئی روایات مطبوعہ نسخے سے نقل کی ہیں۔

تعلیق فواز:

متابعات اور شواہد:

یقیناً امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا جابیہ اور بیت المقدس کی طرف جانا ایک ثابت اور متواتر واقعہ ہے، اور ان کا زاہدانہ ہیئت کے ساتھ وہاں آنا بھی مستند طور پر ثابت ہے۔

● عمر بن شبہ نے اپنی کتاب تاریخ المدینہ (۳/۸۳۱) میں ایک طویل روایت بیان کی ہے جس کی سند ایک ہی ہے، لیکن اسے دو مختلف جگہوں پر تقسیم کیا ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے ہشام بن سعد سے، وہ زید بن اسلم سے، اور وہ اپنے والد اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ وہاں اُترے، تو زمین کے مالک نے ان سے ملاقات کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی قمیص اسے دے دی تا کہ وہ اسے دھو کر اس میں پیوند لگا دے، جبکہ ان کے کندھے پر ایک چیتھڑا تھا۔ وہ شخص قمیص لے کر گیا، اسے دھویا، پیوند لگایا، اور ایک نئی قمیص کاٹ کر تیار کی۔ اس نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے نئی قمیص لے کر آیا اور پرانی بھی مرمت کر دی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ نئی قمیص ان پر ہے (یعنی انہوں نے پہن لی ہے)، تو فرمایا: (میری قمیص لاؤ)۔ تو انہوں نے وہی پرانی قمیص انہیں واپس دے دی۔

پھر ابن شَبّہ نے اسی سند سے تاریخ المدینہ (۳/۸۲۲ - ۸۲۳) میں روایت کیا: ۔۔۔ پھر ایک بِرْ ذَون (یعنی خوب چال چلنے والا گھوڑا یا خچر) لایا گیا، تو عمر رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہوئے۔ وہ (جانور) نخوت و تکبّر کے ساتھ چال چلنے لگا، تو عمر رضی اللہ عنہ اسے مارنے لگے، لیکن وہ اور زیادہ اترا کر چلنے لگا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس سے اتر آئے اور فرمایا: ''تم نے مجھے شیطان ہی پر سوار کیا تھا، میں اس وقت تک اس سے نہیں اترا جب تک کہ میں نے اپنی ذات کو پہچاننے سے انکار نہیں کر دیا۔ پھر فرمایا: ''میرا خچر لاؤ! تو وہ اس پر سوار ہوئے اور لوگوں کو اپنے سے پیچھے کر دیا۔ یہ خبر صحیح ہے، اور اس کی سند حسن ہے صرف ہشام بن سعد کی وجہ سے، کیونکہ وہ صدوق ہے مگر اسے وہم لاحق ہوتے تھے، اور تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ تاہم اسے متابعت حاصل ہے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ ہشام کے بارے میں دیکھیے: التقریب (۷۲۹۴)۔

اور اسے ابوداؤد نے اپنی کتاب الزہد (حدیث: ۷۸) میں بھی روایت کیا ہے: احمد بن سعید الہمدانی نے ہمیں حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، اسی سند سے (یعنی: عبداللہ بن وہب، عن ہشام بن سعد، عن زید بن اسلم، عن ابیہ)۔

اور اسے ابن شَبّہ نے تاریخ المدینہ (۳/۸۲۳ - ۸۲۴) میں بھی روایت کیا ہے: بشر بن عمر نے ہمیں حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہم سے مالک بن انس نے بیان کیا، انہوں نے زید بن اسلم سے، اسی مفہوم کی روایت۔ اور یہی روایت ابوداود کی الزہد (حدیث: ۷۷) میں بھی بشر ہی کے طریق سے موجود ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

● خطابی نے غریب الحدیث (۲/۶۱) میں روایت نقل کی: ہمیں ابن الاعرابی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سعدان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، وہ ایوب الطائی سے، وہ قیس بن مسلم سے، اور وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے جس پر ایک سیاہ رنگ کا مینڈھے کی کھال کا غلاف تھا، اور اس کی نکیل کھجور کے درخت کے ریشوں سے بنی ہوئی تھی۔ اھ (تصرف کے ساتھ)

اس کی سند صحیح ہے۔ اور الکَبْشُ الجَوْنِي سے مراد وہ سیاہ مینڈھا ہے جس کے رنگ میں سرخی کی آمیزش ہو۔ اور الخُلُبُ سے

مراد کھجور کے درخت کا لیف (ریشہ) ہے۔

● **عبداللہ بن مبارک نے الزہد (حدیث: ۵۸۴) میں روایت کیا ہے کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی، وہ ایوب طائی سے، وہ قیس بن مسلم سے، اور وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ** شام کی سرزمین میں داخل ہوئے تو ان کے لیے ایک خچر لایا گیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے، لیکن جب اس نے اچھلنا شروع کیا تو آپ کو ناگوار گزرا، چنانچہ آپ فوراً اس سے اتر آئے اور اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راستے میں جب ایک گھاٹی (ندی یا پانی کی جگہ) سامنے آئی تو آپ اونٹ سے اترے، اپنے موزے اتار کر ہاتھ میں اٹھا لیے اور پانی میں چلنے لگے، اس حالت میں کہ آپ اونٹ کو اس کی نکیل یا لگام سے تھامے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آج آپ نے زمین والوں کے نزدیک ایک بڑا ہی تعجب خیز کام کیا ہے! یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ”آہ! اے ابوعبیدہ! اگر یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا! تم لوگ سب سے ذلیل، سب سے کمزور اور سب سے کمتر تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت دی۔ پس جب بھی تم اللہ کے بجائے کسی اور ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہو گے، اللہ تمہیں ذلیل کر دے گا۔

اس کی سند صحیح ہے۔ ان کے قول ”فَنَزَعَ مُوقَيْهِ“ کا مطلب ہے: انہوں نے اپنے موزے اتار دیے۔ مُوق کا واحد ہے مُوقَيْن، یعنی دو موزے۔ اور البِرْذَون (خچر) کی وضاحت گزر چکی ہے حدیث نمبر [۱۵۴] میں۔

اس روایت کو سعدان بن نصر نے اپنے جزء (نمبر ۶) میں، ابوداؤد نے الزہد (حدیث: ۶۹) میں، ابن ابی الدنیا نے الزہد (حدیث: ۱۱۷) میں، محاملی نے اپنی امالی (ابن یحیی البیع کی روایت سے، حدیث: ۲۳۹) میں، حاکم نے (حدیث: ۲۰۷، ۴۴۸۱)، ابونعیم نے حلیہ الاولیاء (۱/۴۷)، بیہقی نے شعب الایمان (حدیث: ۷۸۴۷)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۴/۵) میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ البتہ ابوداود نے اپنی روایت میں ایوب الطائی کو اسناد میں ذکر نہیں کیا۔

ابن ابی شیبہ نے (حدیث: ۳۵۵۸۴) روایت کیا: **ہمیں وکیع نے حدیث سنائی، وہ اسماعیل سے، اور وہ قیس سے روایت کرتے ہیں کہ: جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے، اس حال میں کہ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ خچر پر سوار ہوتے تو بڑے لوگ اور اشراف آپ سے اچھی طرح ملاقات کرتے! تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تمہیں یہاں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے! فیصلہ تو یہاں سے ہوتا ہے“۔ اور آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ ”میرے اونٹ کا راستہ چھوڑ دو!“**

اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے (حدیث: ۳۴۵۳۶)، خلال نے السنۃ (حدیث: ۳۹۷)، اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱/۴۷) میں وکیع کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اسے عمر بن شَبَّہ نے تاریخ المدینہ (روایت: ۸۳۱۳) میں روایت کیا ہے: ہمیں احمد بن جناب نے حدیث سنائی، انہوں نے عیسیٰ بن یونس سے، اور انہوں نے اسماعیل سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا۔

● ابن ابی شیبہ نے (حدیث: ۳۴۵۳۹ اور ۳۵۵۸۵) روایت کیا: **ہمیں ابومعاویہ نے حدیث سنائی، وہ اعمش سے، وہ قیس بن مسلم سے، اور وہ طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں:** جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو لشکر ان سے ملاقات کے لیے آیا، اس حال میں کہ آپ کے بدن پر ایک ازار (چادر)، موزے اور عمامہ تھا، اور آپ اونٹ کی

لگام تھامے ہوئے پانی میں اترے ہوئے جارہے تھے۔تو لوگوں نے عرض کیا: ''اے امیر المؤمنین ! آپ سے فوجی سپاہ اور شام کے سردار ملاقات کریں گے اور آپ اس حال میں ہوں گے؟'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم ایک ایسی قوم ہیں جنہیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے، پس ہم ہرگز کسی اور ذریعے سے عزت تلاش نہیں کریں گے۔''

اس کی سند صحیح ہے۔ابو معاویہ سے مراد محمد بن خازم الضریر ہیں۔اور البطارقۃ: بطریق کی جمع ہے، بطریق نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں میں اعلیٰ درجے کے اسقف (پادری) کو کہا جاتا ہے۔

اس روایت کو ہناد بن السری نے الزہد (حدیث: ۸۱۷) میں، حاکم نے (حدیث: ۲۰۸) میں، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴/۴۴) میں ابو معاویہ کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

خبر الباب کی تخریج: (عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں والی روایت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے):

اسے ابو بکر الدِّینَوَری نے اپنی کتاب **المجالسة و جواهر العلم** (جلد ۳، صفحہ ۳۵۶، حدیث نمبر ۹۸۶) میں روایت کیا، اور ان ہی کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (جلد ۴۴، صفحہ ۳۰۶) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے ضمن میں ابن ابی الدنیا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔اور ان دونوں مصادر میں جو راوی مذکور ہے وہ ہے: ابو الغادیہ الشامی۔

ابن عساکر نے اس روایت کو دوبارہ تاریخ دمشق (۷۴/۱۳۷) میں ابو الغادیہ الجہنی کے ترجمے میں نقل کیا ہے، مگر اختصار کے ساتھ۔وہاں راوی کا نام صرف ''ابو الغادیہ'' درج ہے۔

ابن عساکر کا اس روایت کو ابو الغادیہ کے ترجمے میں ذکر کرنا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ وہی راوی ہے جس نے یہ روایت بیان کی، اور بعض رواۃ کے ہاں اس کا نام تصحیف (غلط کتابت) کا شکار ہوگیا۔یہی روایت مختصر تاریخ دمشق میں بھی موجود ہے (حدیث: ۳۳۲۱۸، ۲۸/۳۴)، اور وہاں بھی راوی کا نام ''ابو الغادیہ'' ہی درج ہے۔

ابن کثیر نے بھی اسے البدایہ والنہایہ (۷/۶۹) میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے نقل کیا ہے، اور وہاں راوی کا نام ''ابو الغادیہ الشامی'' درج ہے۔جبکہ دار ہجر کی طباعت (۹/۶۶۴) میں یہ نام ''ابو العالیہ الشامی'' کی صورت میں چھپا ہے، جو واضح طور پر تصحیف ہے۔

اسی روایت کو عمر بن شبہ نے تاریخ المدینۃ (۳/۸۲۴-۸۲۵) میں بھی روایت کیا ہے:

انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن مروان الرقّی نے حدیث سنائی، انہوں نے معافی بن عمران سے، اور انہوں نے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز المکی سے، اور انہوں نے اس روایت کو تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اور اس روایت کو امام ذہبی نے الخلفاء الراشدین (صفحہ ۱۱۸) میں بھی نقل کیا ہے، اور راوی کے نام کے اختلاف کی وضاحت کی ہے۔انہوں نے کہا: زہیر بن محمد المروزی نے بیان کیا: (مجھے عبداللہ بن مسلم بن ہرمز نے خبر دی کہ انہوں نے ابو الغادیہ المزنی کو سنا۔۔۔)

پھر اس روایت کا ذکر کیا۔پھر امام ذہبی نے کہا: (اسے ابو اسماعیل المؤدب نے ابن ہرمز سے روایت کیا تو کہا: عن ابی العالیہ الشامی)۔(دیکھیے: تاریخ الاسلام، ۳/ ۱۶۲)

یہ خبر ابن الجوزی کی کتاب مناقب عمر (صفحہ ۱۴۲) میں بھی موجود ہے، اور امام ذہبی کی ہی کتاب الخلفاء الراشدین میں ایک اور جگہ (صفحہ ۸۲) بھی آئی ہے۔اس روایت کی مکمل تخریج **المجالسة و جواهر العلم** میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

یہاں شیخ فواز کی تعلیق مکمل ہوئی۔

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ کے دائیں ہاتھ پر؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ عقبہ ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! خوب سن لو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت، اس مہینے کی حرمت، اور اس شہر کی حرمت ہے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ خبردار! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟'' ہم نے کہا: جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہ!'' پھر فرمایا: ''خبردار! میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگیں''۔۔۔[۱])

یہ روایت صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یومِ صفین قتل کیا تھا۔ اور یہ قتل اور جنگ دونوں فریقوں کی طرف سے اجتہاد اور تاویل کی بنیاد پر واقع ہوئے تھے۔

یہ روایت صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جس شخص کو قتل کر رہے ہیں وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں بلکہ انہیں اس کا علم اس کے قتل کے بعد ہوا[۲]۔

---

(۱) دیکھیں: [۳۵۹]۔
(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے تعلیق: رقم [۳۶۲] کے بعد۔

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ پر ایک ایسا نیزہ مارا جو قاتل ثابت ہوا اور ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ پھر ابن حُوَیّ السکسکی آیا اور عمار رضی اللہ عنہ کا سر اپنی گود میں رکھا، اس وقت عمار رضی اللہ عنہ میں ابھی کچھ رمق (زندگی کی ہلکی سی

سانس) باقی تھی(۱)۔

حدیث ''قاتل عمار اور اس کا سامان لوٹنے والا جہنمی ہے'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ منقطع (ٹوٹا ہوا) ہے، اس لیے ضعیف ہے۔ جس شخص نے اسے صحیح قرار دیا، اس نے وہم کیا اور اس کی علت (سند کی خرابی) کو سمجھ نہ سکا۔ امام ذہبی نے بھی اسے انقطاع کی وجہ سے معلول (علت دار) قرار دیا ہے۔ اور جو جانتا ہو، وہ اس پر حجت ہوتا ہے جو نہیں جانتا(۲)۔

اور جو حدیث صحیح ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''افسوس ہے عمار پر! اسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی، وہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا، اور وہ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہوں گے''(۳)۔

---

(۱) دیکھیں: [۳۶۴]۔
(۲) دیکھیں: [۳۵۸]۔
دیکھیں: [۳۴۷]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار کے قتل کو ایک علامت قرار دیا کہ کون سی جماعت حق پر ہے اور کون سی باغی جماعت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''افسوس ہے عمار پر! اسے باغی جماعت قتل کرے گی''۔ رہا حدیث کا دوسرا حصہ: ''وہ (عمار) انہیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا، اور وہ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہوں گے''۔ تو یہ حصہ امام وقت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے حال کو بیان کرتا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان (**وہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا**): کا مطلب یہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ انہیں جنت کے راستے اور اس میں داخلے کا سبب یعنی امام کی اطاعت اور بغاوت سے اجتناب کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے فرمان (**اور وہ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہوں گے**) کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جہنم کے راستے اور اس میں داخلے کے سبب یعنی امام وقت کے خلاف بغاوت کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ البتہ یہ بغاوت ان کی طرف سے اجتہاد اور تاویل کی بنیاد پر واقع ہوئی تھی[1]۔

(۱) فتح الباری لابن حجر (۵۴۲/۱)۔

ابن عبد البر نے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ایک ایسا کلام ذکر کیا ہے جس سے - اگرچہ ان کی نیت بری نہ تھی - ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کی طرف بلا قصد ایک طرح کی برائی کا سبب بن گیا۔ پھر ان کے بعد آنے والوں میں سے اہلِ تذکرہ اور دیگر مصنفین نے اس کلام کو لفظاً یا معناً نقل کیا، کبھی ابن عبد البر کی طرف نسبت کے ساتھ اور کبھی بغیر نسبت کے مگر بغیر کسی تنقید یا تحقیق کے، یہاں تک کہ قارئین کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ابن عبد البر کا یہ قول صحیح ہے، حالانکہ اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے۔ جبکہ ابن عبد البر نے جو کچھ ذکر کیا، وہ گھٹیا درجے کی (ساقط) روایات پر مبنی تھا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے[1]۔

(۱) دیکھیے: رقم [۳۶۵] پر۔

اور جن لوگوں نے ابن عبد البر کا وہ جملہ نقل کیا مگر اسے ان کی طرف منسوب نہ کیا، ان میں شامل ہیں: ابن الاثیر نے أسد الغابہ میں حسینی نے التذکرہ میں، زرکلی نے الاعلام میں، اور شیخ البانی نے السلسلۃ الصحیحہ میں اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے اور ان سے درگزر کرے۔

یقیناً یہ صحابی، ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ان کی سیرت روشن اور تابناک ہے۔ وہ

سابقینِ اولین میں سے ہیں، ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعتِ عقبہ ثانیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی، اور فتح بیت المقدس اور عمر رضی اللہ عنہ کے خطبۂ جابیہ کے گواہ بنے، نیز روم کے خلاف جہاد میں انہوں نے بہترین کردار ادا کیا۔ اگر ابن عبد البر نے ان کے ترجمے میں جو کچھ ذکر کیا، اور پھر بعد والوں نے بغیر تحقیق اور بغیر تنقید کے اسے نقل نہ کیا ہوتا، تو ابوغادیہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو اس طرح خدشہ نہ پہنچتا اور وہ بدنامی کا شکار نہ بنتی۔

رہی بات عمار رضی اللہ عنہ کے قتل میں ان (ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ) کی شرکت کی، تو وہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جنگِ صفین میں کسی ذاتی خواہش سے شامل نہیں ہوئے، بلکہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس میں شریک ہوئے، اور یہ اجتہاد ایسا تھا کہ اس پر اجر بھی ہے اور مغفرت بھی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ۔

ساتویں شخصیت: عمرو بن حزم بن زید بن لوذان انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ:

ان کی کنیت ابوالضحاک ہے، اور بعض نے کہا ہے: ابومحمد۔ انہوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نجران کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف ایک مکتوب بھی بھیجا، جس میں فرائض (یعنی زکاۃ و دیگر احکام) درج تھے (۱)۔

(۱) الطبقات الکبریٰ (۵/۳۱۸) ط: الخانجی تاریخ الاسلام (۴/۲۷۸) تہذیب الکمال (۲۱/۵۸۵)۔

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا جنگِ صفین میں شرکت کرنا ایک صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے: (جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، تو عمرو بن حزم، عمرو بن العاص کے پاس داخل

ہوئے اور کہا: عمار قتل کر دیے گئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''انہیں باغی جماعت قتل کرے گی''۔ یہ سن کر عمرو بن العاص گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور واپس پلٹتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔۔۔(۱))

تاہم مجھے عمرو بن حزم کے کسی سوانح نگار سے یہ تصریح نہیں ملی کہ انہوں نے صفین میں شرکت کی تھی۔ وہ ۵۰ ہجری کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پا گئے۔

---

(۱) (دیکھیے: [۳۷۲])۔

تیسرا مبحث: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے جنگِ صفین سے کنارہ کشی اختیار کی:

پہلی شخصیت: عبداللہ بن عمر بن خطاب عدوی قرشی رضی اللہ عنہما:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات سنی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کے آپس میں قتال کرنے سے منع فرمایا تھا۔

[۱۵۵] امام بخاری نے روایت کیا ہے: ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے واقد بن محمد نے خبر دی، وہ اپنے والد سے، اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگ جاؤ''(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری (٦٦٦٦)۔

اور یہ (حدیث) خطبۃ الوداع کا حصہ ہے۔

اوران (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے اقوال میں سے ہے:

[۱۵٦] ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ احمد بن یونس، ابوشِہاب، یونس اور نافع کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن زبیر کے زمانے میں، جب خوارج اور خشبیہ [۱] کا فتنہ برپا تھا اور قتل وقتال کا اندیشہ تھا، یہ سوال کیا گیا: کیا آپ ان لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی، حالانکہ ان میں سے بعض، بعض کو قتل کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جو مجھے حیّ علی الصلاۃ کہہ کر بلاتا ہے، میں اس کی پکار پر لبیک کہتا ہوں، جو حیّ علی الفلاح کہتا ہے، میں اس کی بھی پکار پر لبیک کہتا ہوں، لیکن جو مجھے اپنے بھائی کو قتل کرنے اور اس کا مال لوٹنے کے لیے بلائے، تو میں صاف کہتا ہوں: نہیں! [۲]

---

(۱) الخَشَبِیَہ: رافضیوں کا ایک فرقہ ہے، اور وہ مختار بن ابی عبید ثقفی کے پیروکار تھے۔ روافض کو اس نام سے اس وقت پکارا جاتا تھا جب وہ ابھی "رافضہ" کے نام سے معروف نہیں ہوئے تھے، یعنی اس وقت سے پہلے جب زید بن علی بن الحسین رحمہما اللہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا۔ انہیں "خشبیہ" کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لکڑیوں (یعنی لاٹھیوں اور ڈنڈوں) سے قتال کرتے تھے اور تلوار سے جنگ کو صرف اس وقت جائز سمجھتے تھے جب کسی معصوم امام از آلِ بیت کے جھنڈے تلے جنگ کی جائے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: [خشبی، سلف کے عرف میں رافضی کو کہا جاتا تھا۔ پس خشبیہ، روافض ہی کی ایک قسم ہے، جنہوں نے ایک بار لکڑیوں سے قتال کیا تھا، تو اسی نسبت سے ان کا یہی نام مشہور ہوگیا] (المشتبه في أسماء الرجال وأنسابهم، ۱/۲۱۷)

دیکھو: الطبقات الکبریٰ (۵/۱۴۷)، انساب الاشراف (٦/۳۹۷) الفصل فی الملل والاہواء والنحل (۴/۱۴۲)، النہایہ لابن الاثیر (۲/۳۳)، فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام لغالب عواجي (۱/۳۴۵)۔

(۲) الطبقات الکبریٰ (۴/۱٦۹-۱۷۰) میں مذکور اس روایت کی سند ابوشہاب کی وجہ سے حسن ہے، اور وہ ہیں: عبدربہ بن نافع الحناط الکوفی جو صدوق ہیں، کبھی کبھار وہم کرتے ہیں، اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ بھی شیخین کے رجال میں شمار ہوتے ہیں۔ احمد بن یونس: ان کا مکمل نام احمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی الکوفی ہے، اور انہیں ان کے دادا یونس کی طرف منسوب کرکے پہچانا جاتا ہے، تخفیف کے لیے۔ یونس: وہ یونس بن عبید بن دینار العبدی البصری ہیں۔ نافع: وہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

التخریج:

اسے ابونُعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱/۳۰۹) میں احمد بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۸) میں یونس بن عبید کے طریق سے تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر شیخ شعیب الارنؤوط نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: [اسے ابن سعد اور ابونعیم نے احمد بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔۔۔ اور یہ سند حسن ہے]۔

یہ واقعہ ۶۵ ہجری یا اس کے آس پاس کا ہے، یعنی مختار بن ابی عبید[۱] کے دورِ اقتدار کا زمانہ، کیونکہ روایت میں (والخشبیۃ) کا ذکر موجود ہے، اور (خشبیہ) مختار کے پیروکاروں یعنی رافضیوں کے اُس فرقے کا لقب تھا جو اس زمانے میں معروف ہوا۔

اس کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عمیر بن ہانی نے بیان کی: (میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مکہ میں دیکھا، اس وقت حجاج، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے درمیان نہ تھے (یعنی کسی ایک فریق کے ساتھ شریک نہ ہوئے[۲])۔ پس وہ کبھی ان لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے، اور کبھی دوسرے گروہ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے[۳])

(۱) مختار بن ابی عبید ثقفی سنہ ۶۷ ہجری میں قتل کیا گیا۔

(۲) ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: (فَكَانَ مَنْزِلُ ابْنِ عُمَرَ بَيْنَهُمَا) یعنی: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گھر (یا قیام گاہ) ان دونوں (یعنی حجاج اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ) کے درمیان واقع تھا۔ (یہ الفاظ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیے ہیں، اور اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غیر جانبدارانہ موقف کی مزید وضاحت ہوتی ہے)۔

(۳) المطالب العالیہ (صفحہ ۴۰۹) میں یہ روایت مذکور ہے، اور ابن حجر نے اس کے بارے میں فرمایا: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ یعنی: اس کی سند صحیح ہے۔ اور اس کا مفصل تخریج ان شاء اللہ آگے نمبر [۶۲۰] پر آئے گا۔

یہ واقعہ ۷۳ ہجری کا ہے، اس وقت عبدالملک بن مروان کی خلافت تھی اور حجاج بن یوسف ثقفی اس کا عامل (گورنر) تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس دور میں (یعنی خلافتِ یزید بن معاویہ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی جنگ کے دوران) پوچھا گیا: (آپ کو کس چیز نے جنگ میں نکلنے سے روکا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ نے

میرے بھائی کا خون حرام قرار دیا ہے۔ پوچھنے والوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (ہم تو لڑ چکے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین صرف اللہ ہی کے لیے ہو گیا، اور اب تم چاہتے ہو کہ پھر لڑائی ہو یہاں تک کہ فتنہ برپا ہو، اور دین اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ہو جائے!(۱)) یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ خلافت کا ہے، جب اس نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: (کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھے روئے! فتنہ تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے تھے، اور ان کے دین میں داخل ہونے کو فتنہ سمجھتے تھے، یعنی ان کا شرک اختیار کرنا سب سے بڑی آزمائش تھی۔ اور تم جو لڑ رہے ہو، یہ قتال ویسا نہیں ہے، بلکہ تمہاری یہ جنگ تو محض اقتدار اور حکومت کے لیے ہے)۔ یہ قول صحیح قول کے مطابق یزید بن معاویہ کی خلافت کے دور میں بیان کیا گیا(۲)۔

(۱) دیکھیں حوالہ نمبر [۱۷۳]۔
(۲) دیکھیں: [۱۷۵]۔

● عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق موقف:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ان کو ایک با اعتماد، دیانت دار اور صاحبِ صلاحیت شخصیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کا گورنر مقرر کیا، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس تقرری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا(۱)۔

---

(۱) دیکھیں: [۱۷۹][۱۸۰]۔

● حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ -فتنہ سے کنارہ کشی کے باوجود- اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان واقعات میں برحق تھے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف، یعنی قتال کا اختیار کرنا، ان کے اپنے اعتزال کے موقف سے بہتر تھا، جیسا کہ اگلی روایت میں آئے گا۔ لیکن ان کے اعتزال کا سبب صرف تقویٰ تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی احادیث سن چکے تھے جن میں فتنوں میں داخل ہونے اور مسلمانوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔

● باغی جماعت سے قتال ترک کرنے پر ان کے ندامت کے بارے میں قول کی تحقیق:

[۱۵۷] ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عبداللہ بن جعفر الرقّی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالملیح نے میمون سے روایت کی، انہوں نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا(۱)، اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہوئی، اور جو حق پر لڑنے والا ہے وہ افضل ہے“(۲)۔

---

(۱) یعنی: لڑائی سے (اپنا ہاتھ روکے رکھا تھا)۔

(۲) (۲) یہ روایت الطبقات الکبریٰ (۴/ ۱۶۴) میں موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں سے ہیں، سوائے ابوالملیح کے، جن کا پورا نام حسن (اور بعض کے نزدیک ابن عمرو الرقّی) ہے۔ امام بخاری نے

ان سے الادب المفرد میں روایت لی ہے، اور وہ ثقہ ہیں۔ میمون: ان کا مکمل نام میمون بن مہران الجزری الرقّی ہے۔

التخریج:

یہ خبر سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۱۳) میں ابوالملیح کے طریق سے انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ اسے حاکم نے بھی (۶۳۶۰) (۶/ ۴۶۱، رقم ۶۵۱۰) [طبع دار التاصیل] میں روایت کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ انہوں نے کہا: [ہم سے ابوبکر بن ابی دارم الحافظ کوفہ میں نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے احمد بن موسیٰ بن اسحاق التمیمی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے مالک بن اسماعیل نہدی نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبداللہ بن جعفر المخرمی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے ابوالملیح نے، انہوں نے میمون بن مہران سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا: ''میں نے اپنا ہاتھ روک لیا، اور آگے نہ بڑھا، اور حق پر لڑنے والا بہتر ہے۔''

حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کی شرح اور وضاحت ان الفاظ میں ہے جو ہم سے ابو۔۔۔ نے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا: ''مجھے کسی چیز کا افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باغی گروہ کے خلاف قتال نہیں کیا۔''] دوسری روایت کی سند مطبوعہ نسخے اور مخطوطات سے ساقط ہے، مگر ابن العدیم نے اسے حاکم کے طریق سے روایت کیا ہے اور سند کا ذکر بھی کیا ہے، جو آگے روایت نمبر [۱۵۹] کے حاشیے میں آئے گی۔

رہی پہلی روایت، تو اس کی سند بہت ضعیف ہے؛ اس میں ابوبکر بن ابی دارم ہے، اور وہ احمد بن محمد السری بن یحییٰ بن السری التمیمی کوفی ہے۔ حاکم نے اس کے بارے میں کہا: رافضی غیر ثقہ۔ ذہبی نے کہا: رافضی، جھوٹا (میزان الاعتدال ۱/ ۱۳۹)۔

اس میں المخرمی بھی ہے، جسے بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ مسلم نے اس سے متابعتاً روایت کی ہے، ابن معین نے اس کے بارے میں توقف کیا ہے، ذہبی نے الکاشف میں کہا: صدوق۔ پھر المیزان (۲/ ۴۰۳) میں کہا: [وہی ہے جیسا کہ ابوحاتم اور نسائی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں]۔ ابن حجر نے بھی کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر ابن حبان نے کہا: [وہ بہت زیادہ وہم کرتا تھا، یہاں تک کہ ثقہ راویوں سے ایسی باتیں روایت کرتا جو ثقہ محدثین کی حدیث سے مشابہ نہیں ہوتیں۔ جو کوئی حدیث کی فنی معرفت رکھتا ہو وہ جان لیتا ہے کہ یہ حدیثیں الٹی پلٹی ہیں، اس لیے اسے ترک کر دینا چاہیے] (المجروحین ۲/ ۲۷)۔ ذہبی نے ابن حبان کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [ابن حبان نے اس کی تضعیف میں مبالغہ سے کام لیا ہے] (تاریخ الاسلام ۱۰/ ۲۹۱)۔

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فتنے سے علیحدگی پر کوئی ندامت نہ تھی، لیکن اس کے ساتھ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو اپنے موقف سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے۔

[۱۵۸] ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: (اور عمر بن شبہ نے ذکر کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عمرو بن قسیط نے روایت کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابو الملیح رقّی نے، انہوں نے میمون بن مہران سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے ان مواقع (فتنہ و جنگ) کے

بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”میں نے اپنے ہاتھ کو روکے رکھا اور آگے نہیں بڑھا، اور جو حق پر قتال کرتا ہے وہ افضل ہے[1]۔“

---

(۱) اسی طرح الاستیعاب (۳/۹۵۱) میں اس کا اسناد معلّق ہے، اور معلّق روایت ضعیف کی اقسام میں سے ہے، اگرچہ اس کے رجال ثقہ ہیں، سوائے عمرو بن قسط (یا ابن قُسیط) کے، جو کہ ابو علی السّلمي الرقي ہے، اور صدوق ہے۔ تفصیل کے لیے اس سے پہلے کی روایات بھی ملاحظہ کی جائیں۔

اسی طرح کا لفظ ابن شبہ کی روایت میں آیا ہے: [فَلَمْ أُقْدِمْ] (پس میں نے اقدام نہ کیا)، اور اسی مفہوم کے ساتھ امام حاکم نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔

۞ روایت کے الفاظ میں اختلاف کے وقت ترجیح:

یقینی طور پر راجح لفظ [فَلَمْ أَنْدَمْ] ہے، دو وجوہات کی بنا پر:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ ابن سعد کی سند، ابن شبہ اور حاکم کی سندوں سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ابن شبہ کی سند معلق (یعنی مکمل نہیں) ہے، اور حاکم کی سند بہت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسا راوی ہے جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ امام ذہبی نے اس روایت کو سیر اعلام النبلاء میں [فَلَمْ أَنْدَمْ] کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۞ نزعِ روح کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ندامت کا اظہار کہ انہوں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت اس بات پر ندامت ظاہر کی کہ آپ نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا۔ اس باب میں وارد ہونے والی روایات دو قسموں پر منقسم ہیں:

- ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد معاویہ

رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام ہیں، جب کہ یہ واقعہ صفین کی جنگ کے وقت پیش آیا، لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں، خاص طور پر اس لیے کہ یہ اُن صحیح روایات کے خلاف ہیں جو ثابت ہیں۔

● اور دوسری قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد حجاج اور اس کا گروہ تھا، جب اس نے اپنی فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ کی حرمت کو پامال کیا، مکہ پر چڑھائی کی، کعبہ کو منجنیق سے نشانہ بنایا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سنہ ۷۳ ہجری میں قتل کیا۔ یہ روایات صحیح ہیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کے ان قبیح افعال اور اس کے خون بہانے کے طرز عمل پر شدید انکار کیا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا[1]۔

---

(۱) یہ تفصیل آگے روایات نمبر [۱۶۳] سے [۱۶۷] کے تحت آئے گی۔

✓ پس صحیح بات یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نزع کے وقت ''فئہ باغیہ'' سے قتال نہ کرنے پر جو ندامت تھی، اس سے مراد حجاج بن یوسف اور اس کے ساتھی تھے، نہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر۔

اور ایک صحیح روایت ایسی بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''فئہ باغیہ'' سے مراد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ قول ان سے وقتِ نزع صادر نہیں ہوا، اور اس کا ذکر آگے آئے گا[1]۔

---

(۱) : یہ تفصیل آگے نمبر [۱۷۱] کے تحت آئے گی۔

اور اب ہم اُن روایات کی تفصیل کا آغاز کرتے ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے وقتِ وفات (یعنی نزع کی حالت) کے بارے میں منقول ہیں۔

* پہلی قسم کی روایات: وہ روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کے وقت ''فئہ باغیہ'' سے مراد معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کالشکر لیا تھا جو صفین کے موقع پر شامل جنگ تھا۔

[۱۵۹] ابن سعد نے روایت کیا ہے: ہمیں فضل بن دکین نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن سیاہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حبیب بن ابی ثابت نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے اُس مرض کے دوران معلوم ہوا جس میں ان کا انتقال ہوا، کہ وہ فرما رہے تھے: ''دنیا کے کسی معاملے پر مجھے افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا(۱)۔''

(۱) الطبقات الکبریٰ (۴ / ۱۸۶) مزید تفصیل تعلیق فواز میں ملاحظہ فرمائیں

تعلیق فواز:

الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۶) میں یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ منقطع ہے، حالانکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں، اور یہاں انہوں نے سماع (براہِ راست سننے) کی تصریح نہیں کی، بلکہ ''بلغنی'' یعنی (مجھے یہ خبر پہنچی) کہا ہے، جو انقطاع (روایت میں درمیانی راوی کے نہ ہونے) کی واضح علامت ہے۔ دارقطنی نے اس کا منقطع ہونا درست قرار دیا اور امام ذہبی نے بھی اس علت کو ذکر کرتے ہوئے کہا: (یہ روایت منقطع ہے) (سیر اعلام النبلاء ۳/۲۳۱)۔

علل الدارقطنی (۱۲/۴۲۹) میں آیا ہے:

[دارقطنی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا جو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کی جاتی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا: ''مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوا اس کے کہ میں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا''۔ یہ سب کچھ انقطاع کی وجہ سے ضعیف شمار ہوتا ہے۔

تو دارقطنی نے کہا: اس حدیث کو فِطُر بن خَلِیفہ اور محمد بن قیس روایت کرتے ہیں، حبیب بن ابی ثابت کے واسطے سے، جو اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اور اسے ابونعیم نے عبدالعزیز بن سِیَاہ کے واسطے سے حَبِیب سے روایت کیا، اور حبیب نے کہا: مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، ان کی اس بیماری میں جس میں ان کا انتقال ہوا، یہ بات پہنچی کہ انہوں نے یہ کہا تھا اور یہی (یعنی: بَلَغَنِي) درست روایت ہے۔ (یعنی روایت مرسل اور منقطع ہے، اور حبیب بن ابی ثابت کی طرف سے سماع کی تصریح نہیں، بلکہ بلغنی کا لفظ

ہے، جو انقطاع کی دلیل ہے، لہٰذا روایت ضعیف ہے)۔

میں کہتا ہوں: یہ ایک خبر ہے جسے حبیب بن ابی ثابت نے روایت کیا ہے، اور اس میں ان سے اختلاف واقع ہوا ہے۔

- اسے سفیان ثوری نے روایت کیا ہے، حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، اسی مفہوم کے ساتھ، لیکن اختصار کے ساتھ بیان کیا، چنانچہ اس میں [مع علی] کا ذکر نہیں کیا۔

- اسے عبدالعزیز بن سیاہ، الصلت بن بہرام، عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت اور فطر بن خلیفہ (اور یہ سب کے سب ثقہ راوی ہیں)؛ ان چاروں نے حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی مفہوم کے ساتھ روایت کیا ہے اور سب نے [مع علی] کا اضافہ کیا ہے، سوائے ابن سعد، یعقوب بن سفیان، دارقطنی اور ابن اثیر کی روایات کے، جن میں یہ الفاظ موجود نہیں۔

اور اسے سنان بن ہارون البُرجُمی نے عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے، وہ اپنے والد سے، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔۔ تو اس جیسی روایت بیان کی۔ اسی طرح سماع کی تصریح آئی ہے، لیکن یہ روایت منکر ہے۔ اور سنان کو نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن حبان نے کہا: [وہ سخت درجے کا منکر حدیث راوی ہے، وہ مشہور راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے]

الترجیح:

سند سے "سعید بن جبیر" کو ساقط کرنا ہی درست ہے۔

جہاں تک سفیان ثوری کا تعلق ہے: تو انہوں نے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے، اور وہم انہی کی طرف سے یا ان کے نیچے (یعنی ان کے شاگردوں میں سے کسی کی طرف) سے واقع ہوا ہے۔

اور جہاں تک سعید بن جبیر کا تعلق ہے، تو ان کی وہ صحیح سند سے روایت آگے آئے گی، جسے عوام بن حوشب نے عیاش عامری کے واسطے سے ان سے نقل کیا ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ "فئہ باغیہ" حجاج ہے۔ یہ روایت اعداد [۱۶۰] اور [۱۶۱] کے تحت ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ دونوں روایتوں کے درمیان خلط واقع ہوا ہے۔

اس کی ایک اور سند بھی وارد ہوئی ہے: اسے سنان بن ہارون البُرجُمی نے محمد بن اسحاق کے واسطے سے، نافع عن ابن عمر روایت کیا ہے۔ یہ سند منکر ہے، کیونکہ اس میں سنان بن ہارون منفرد ہے، اور وہ ضعیف راوی ہے۔

اور اس کی ایک تیسری سند بھی ہے: اسے ابوالعَنبس نے ابوبکر بن ابی الجہم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔۔ تو انہوں نے وہی روایت بیان کی، اور آخر میں یہ اضافہ کیا: [علی کے ساتھ]۔ ابوالعنبس: اس کا نام اسی طرح مجہول انداز میں آیا ہے، اور یہ کئی ایسے رواۃ کے ساتھ خلط کا باعث ہے جو اسی کنیت سے معروف ہیں، ان میں بعض ثقہ ہیں اور بعض ضعیف، اور یہ تمام کے تمام کوفی ہیں۔ تو لیجیے، تقریب التہذیب سے ان کے نام ملاحظہ ہوں:

- سعید بن کثیر بن عبید القرشی التیمی، ابوالعنبس الملائی، کوفی، طبقۂ ساتواں، ثقہ۔ (۲۳۸۱)۔
- عبداللہ بن صُهبان الاسدی، ابوالعَنبس، کوفی، حدیث میں نرم (کمزور) ہے، طبقہ ساتواں۔ (۳۳۹۵)
- ابوالعَنبس العدوی، کوفی، ان کا نام حارث بن عبید بن کعب ہے، چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، مقبول راوی ہیں۔ (۸۲۸۳)
- ابوالعَنبس الکوفی الاکبر: کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن مروان ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں۔ چھٹے

طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، مقبول راوی ہیں۔(۸۲۸۴)

- ابو العنبس الکوفی الاوسط، النخعی: ان کا نام عمرو بن مروان ہے، چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، صدوق راوی ہیں۔(۸۲۸۵)

● **اور اس کی ایک چوتھی سند بھی ہے، جسے دارقطنی نے المؤتلف میں روایت کیا ہے، جو آگے آئے گی۔**

التخریج:

اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۳۱/۳) میں ذکر کیا ہے، لیکن اس میں علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، اس کی سند یوں ہے: [سفیان ثوری، حبیب بن ابی ثابت سے، وہ سعید بن جبیر سے، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں باغی گروہ سے قتال نہ کر سکا''۔]

اور اسے یعقوب بن سفیان نے المعرفہ والتاریخ (۸۴/۳) میں ابونعیم اور عبید اللہ بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔اور ابن عبدالبر نے اسے الاستیعاب (۹۵۳/۳) میں اپنی سند سے، اسباط بن محمد کے دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ یہ تینوں عبدالعزیز بن سیاء سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، اسی مضمون کے ساتھ۔ اور یہ خبر سیر اعلام النبلاء (۲۳۱/۳) میں بھی عبدالعزیز بن سیاہ کے طریق سے موجود ہے۔ امام ذہبی نے کہا: یہ روایت منقطع ہے۔

اور اسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۹۵۳/۳) میں بھی ذکر کیا ہے:

[اور ابوزید عمر بن شبہ نے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا: **ہمیں ابونعیم الفضل بن دُکین اور ابواحمد الزبیری نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت نے اپنے والد سے، اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا۔۔۔**] تو انہوں نے اسی مفہوم کی روایت بیان کی۔

اور اسے ابن الاثیر نے اپنی سند کے ساتھ اسد الغابۃ (۳۴۹/۳) اور (۱۲۵/۴) میں روایت کیا ہے، اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۳۱/۳) اور (۱۲۵/۴) میں ابونعیم کے طریق سے یہی روایت ذکر کی ہے۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۴۶/۱۳، حدیث نمبر: ۱۳۸۲۵، طبع: سعد الحمید والجریسی) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمود بن محمد واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا،

انہوں نے کہا: ہم سے سنان بن ہارون نے روایت کیا، عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھے کسی فوت شدہ چیز پر افسوس نہیں، سوائے روزہ، نماز اور باغی گروہ سے قتال سے محرومی پر، اور اس بات پر کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت واپس لینے کی درخواست کی۔ یہ روایت سماع کی تصریح کے ساتھ منکر ہے، اور سنان ضعیف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور اسے ابن کثیر نے جامع المسانید (۷۵/۲۸، حدیث نمبر: ۱۰۶، مسند عبداللہ بن عمر، طبع: دار الفکر، تحقیق: عبدالمعطی قلعجی) میں نقل کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۵۰۸۹) میں کہا: اسے طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے، البتہ اس میں یہ الفاظ ہیں۔۔۔ (پھر انہوں نے اگلی روایت کا متن ذکر کیا) اور پھر فرمایا: اس میں سنان بن ہارون ہے، جسے ابوحاتم اور ابن عدی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الاوسط (حدیث نمبر: ۷۸۲۳) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمود بن محمد واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں سنان بن ہارون نے محمد بن اسحاق سے روایت

کیا، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: [دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے پر مجھے افسوس نہیں، سوائے تین باتوں کے: گرمیوں میں روزہ رکھنا، اور یہ کہ میں نے نماز میں اپنے دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ نہیں رکھا یعنی طویل قیام، اور علی سے بیعت سے اپنی براءت طلب کرنا] یہ حدیث نافع سے صرف محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے، اور محمد سے اسے صرف سنان بن ہارون نے روایت کیا، اور سنان سے صرف زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے، یعنی یہ روایت صرف اسی سند سے آئی ہے (تفرد حاصل ہے)۔ یہ سند منکر ہے، اور مشہور و معروف سند وہی ہے جو حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر کے طریق سے مروی ہے۔ حدیث کے اس جملے [فَرَّجْتُ بَيْنَ قَدَمَيَّ فِي الصَّلَاةِ] کا مطلب ہے: طویل نماز پڑھنا ایسا ہی قول امام ہیثمی نے بیان کیا ہے۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۳/۱۴۵، حدیث نمبر: ۱۳۸۲۴، طبع: سعد الحمید والجریسی) میں تین طرق سے روایت کیا ہے، شریک، فطر بن خلیفہ کے واسطے سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ''مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ میں نے علی کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہ کیا''۔ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۱۲۰۵۴) میں کہا: اسے طبرانی نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک سند ایسی ہے جس کے تمام راوی صحیحین (یعنی بخاری و مسلم) کے رجال ہیں۔ اور امام رودانی نے اسے جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۹۸۳۴) میں نقل کیا ہے۔

اور اسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۳/۹۵۳) میں ذکر کیا ہے: (ابوزید عمر بن شبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: [ہم سے ابواحمد (محمد بن عبداللہ الزبیری) نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبدالجبار بن عباس نے ابوالعنبس کے واسطے سے، اور انہوں نے ابوبکر بن ابی جہم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔۔] پھر انہوں نے روایت کو بیان کیا، اور آخر میں اضافہ کیا: [مع علی] یعنی: علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ (قتال نہ کر سکا]) یہی خبر اسی سند کے ساتھ سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۲) میں بھی آئی ہے۔ ابوالعنبس: ان کا نام روایت میں مجمل انداز میں آیا ہے،

اور یہ کنیت کئی راویوں کے ساتھ مشترک ہے، لہٰذا مشتبہ ہے اور ان کے متعلق گفتگو کچھ دیر پہلے گزر چکی ہے۔ اس سند کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے عبدالجبار بن عباس الشبامی الہمدانی الکوفی کے، جو صدوق راوی ہے، لیکن شیعی رجحان رکھتا تھا۔

اور اسے دارقطنی نے المؤتلف والمختلف (۳/۱۵۲۹) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمد بن قاسم بن زکریا نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عباد بن یعقوب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عفّان بن سیّار نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے ابوحنیفہ نے، انہوں نے عطا سے، انہوں نے کہا: ابن عمر نے فرمایا: ''مجھے کسی چیز کا افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں باغی گروہ سے قتال نہ کر سکا، اور (گرمیوں میں) دوپہر کے وقت روزے رکھنے پر بھی افسوس ہے۔''

- **دارقطنی کی اس روایت کا حکم:**

اس کی سند نہایت ضعیف ہے۔

- محمد بن قاسم بن زکریا: ان کا مکمل نام ابوعبداللہ المحاربی الکوفی السودانی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: [یہ راوی ضُعف کے ساتھ مشہور ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ رجعت (رجعتِ روافض) کی طرف منسوب تھا] جھوٹا (کذاب) تھا۔ المغنی فی الضعفاء (حدیث: ۵۹۰۹) اس کے علاوہ ان کا ذکر ان کتب میں بھی آیا ہے: شذرات الذہب (۴/۱۳۸)۔ تراجم رجال الدارقطنی فی سننہ (ص: ۱۰۸۸)۔ الدلیل المغنی لشیوخ الدارقطنی (ص: ۴۹۲)

- اسی سند میں عباد بن یعقوب ابوسعید الرواجنی الکوفی بھی موجود ہے، جو امام ابن حجر کے بقول ''صدوق رافضی'' تھا (التقریب: ۳۱۵۳)۔

- عفّان بن سیّار، کنیت: ابوسعید، نسبت: الباہلی الجرجانی۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ راوی حجت نہیں، اس نے ایک مرسل حدیث کو متصل بنا کر روایت کر دیا۔ (دیوان الضعفاء: ۲۸۵۰)۔ اور ابن حجر نے فرمایا: یہ صدوق ہے، لیکن وہم (یعنی روایت میں خطا) کرتا ہے۔ (التقریب: ۴۶۲۴)

- ابوحنیفہ: وہ فقیہ امام نعمان بن ثابت ہیں، جنہیں امام نسائی نے حفظ کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام ابن عدی و دیگر محدثین نے بھی تضعیف کی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۴/۲۶۵)

اور اس واقعے کے بارے میں ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۱/۷۷) میں کہا: [عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے یہ بات صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہیں کیا]۔ پس ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح قرار دیا۔

پھر ابن عبدالبر نے کہا: [یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے، جن میں ایک روایت حبیب بن ابی ثابت سے ہے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہ کر سکا۔ اور شعبی نے کہا: مسروق اس وقت تک وفات نہیں پائے جب تک کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال میں پیچھے رہ جانے پر اللہ سے توبہ نہ کر لی۔ ان خبروں کے کئی صحیح طرق ہیں، جنہیں ہم نے اپنی کتاب میں متعلقہ مقام پر ذکر کر دیا ہے]۔ (الاستیعاب، ۳/۱۱۱۷)

ابن عبدالبر کے اس قصے کو صحیح قرار دینے کے جواب میں: ہم نے وہ تمام طرق ذکر کر دیے ہیں جنہیں ابن عبدالبر نے (یا جیسا کہ انہوں نے خود انہیں وجوہ کہا) بیان کیا ہے، اور ان میں سے کوئی بھی سند صحیح نہیں ملی۔ مثال کے طور پر: عمر بن شبہ کی روایت میں ابوالعَنبَس ہے، جو کہ مجہول اور دوسرے راویوں کے ساتھ خلط ہونے والا ہے۔ اور حبیب بن ابی ثابت کی روایت منقطع ہے، اور اسے متصل بیان کرنا ایک غلطی ہے۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ ابن عبدالبر نے اس روایت کو اس بنیاد پر صحیح قرار دیا کہ حبیب بن ابی ثابت نے اسے ابن عمر سے براہِ راست سنا ہے۔ حالانکہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس نے خود سماع کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے: مجھے ابن عمر کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے۔۔۔)۔ تعلیق فواز انتہی!

بعض طرق میں اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بھی آیا ہے: (مع عليٍّ) (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) جیسا کہ تخریج میں گزر چکا ہے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

* روایات کی دوسری قسم جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حالتِ نزع کے وقت منقول ہیں، اس میں یہ بات آئی ہے کہ انہوں نے فئۃ باغیہ (باغی گروہ) سے مراد حجّاج بن یوسف اور اس کا گروہ لیا تھا، جب کہ وہ مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر رہا تھا اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر رہا تھا۔

[۱۶۰] یہ روایت محمد بن سعد نے بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عوام بن حوشب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے عیّاش عامری نے بیان کیا، وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ میں (نیزے سے) وہ زخم لگا(۱) جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہو گئے اور زمین پر گر پڑے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں شدتِ درد مناسک کی ادائیگی سے نہ روک دے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: ''اے اُمِّ دہماء کے بیٹے!(۲) میرے ساتھ مناسک ادا کرادو۔'' جب ان کا درد شدت(۳) اختیار کر گیا تو یہ خبر حجاج تک پہنچی، چنانچہ وہ ان کی عیادت کے لیے آیا۔ اس نے کہنا شروع کیا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں کس نے یہ نقصان پہنچایا ہے تو میں ایسا کرتا اور ویسا کرتا۔''(۴)

(۱) الخَبْل (بے کے سکون کے ساتھ) کا مطلب ہے: اعضائے بدن کا فاسد ہو جانا۔ (النھایۃ فی غریب الحدیث: ۲/۸)۔ یہ اس لیے ذکر کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں پر نیزہ مارا گیا تھا، جس سے وہ زخمی ہو گئے اور اسی زخم کے نتیجے میں بیمار ہو کر وفات پا گئے۔ یہ واقعہ آگے بخاری کے حوالے سے حدیث نمبر [۱۶۲] میں بھی آئے گا۔
(۲) یہ سعید بن جبیر ہیں۔
(۳) یعنی حالتِ نزع یا موت کے قریب بیماری کے وقت۔
(۴) یعنی: میں اس کے ساتھ یہ کرتا اور وہ کرتا، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس شخص کو سزا دیتا جس نے ان کے پاؤں پر نیزہ مارا تھا۔

جب اس نے بار بار ایسی باتیں کہیں، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''تم ہی ہو جس نے مجھے زخمی کیا(۱)؛ تم نے اس دن اسلحہ اٹھایا جس دن اسلحہ اٹھانا جائز نہ تھا!(۲)'' پھر جب حجاج وہاں سے چلا گیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مجھے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوائے تین باتوں کے: دوپہر کی سخت گرمیوں میں روزہ رکھنے پر، رات کی مشقت بھری عبادت پر، اور اس بات پر کہ میں نے ان باغیوں سے قتال نہ کیا جنہوں نے ہم پر حملہ کیا(۳)۔''(۴)

(۱) یعنی: تو ہی میری تکلیف کا سبب بنا، گویا کہ تُو نے ہی مجھے زخمی کیا۔
(۲) یعنی: وہ عید کا دن (یوم النحر) تھا، اور اسے یوم الحج الاکبر بھی کہا جاتا ہے۔
(۳) یعنی: وہ فئہ باغیہ سے مراد حجاج بن یوسف کا وہ گروہ لے رہے تھے، جو مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا، اس کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیق سے حملہ کیا، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھناؤنے عمل اور ناحق خون بہانے اور مقدس مقام کی بے حرمتی پر سخت ناراض اور انکاری تھے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد سنہ ۷۳ ہجری میں مکہ کی ولایت سنبھالی، اور پھر سنہ ۷۴ ہجری میں عبدالملک بن مروان نے مدینہ کی گورنری بھی اس کے سپرد کر دی، چنانچہ وہ ان دونوں شہروں کا والی رہا یہاں تک کہ سنہ ۷۵ ہجری میں عراق کی گورنری بھی اسے دے دی گئی۔ (دیکھیے: تاریخ طبری ۳/۵۳۸، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۷)
ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات مکہ مکرمہ میں سنہ ۷۳ ہجری میں ہوئی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہ وفات ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے تقریباً تین ماہ بعد (یا اس کے آس پاس) ہوئی۔ اور بعض نے کہا: چھ ماہ بعد۔ یہ قول بھی مذکور ہے، تاہم اس میں اختلاف بھی آیا ہے، چنانچہ بعض اہلِ علم نے کہا کہ ان کی وفات سنہ ۷۴ ہجری میں ہوئی۔ (دیکھیے: الاستیعاب ۳/۹۵۲، تاریخ دمشق ۳۱/۱۹۷ وما بعد)
امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ظاہر یہی ہے کہ ان کی وفات سنہ ۷۳ ہجری کے آخر میں ہوئی۔ (دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۳۲)۔
(۴) الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۵) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں شامل ہیں، سوائے عیاش عامری کے، جو صرف امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ اور شیخ شعیب الارناؤوط نے بھی سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۲) کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
التخریج:
اسے امام بخاری نے محمد بن سوقہ کے طریق سے، سعید بن جبیر سے، اسی کے ہم معنی مگر مختصر طور پر روایت کیا ہے، مگر اس میں ابن عمر کا یہ قول [ما آسى من الدنيا...] موجود نہیں ہے۔ اور یہ روایت آگے نمبر [۱۶۲] پر آئے گی۔

[۱۶۱] اسے ابوبکر ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے: ہمیں محمد بن عبید اللہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عوام بن حوشب نے حدیث سنائی، انہوں نے عیاش عامری سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کی، انہوں نے کہا: جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: میں دنیا کی کسی چیز پر حسرت نہیں کرتا، سوائے تین چیزوں کے[۱]: دوپہر کی گرمی میں پیاس برداشت کرنا (روزے رکھنا)، رات کے وقت کی مشقت (یعنی عبادت)، اور یہ کہ میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہ

کیا جس نے ہم پر حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے: اس سے مراد حجاج ہے (۲)۔ (۳)

---

(۱) ابن زبر کی کتاب وصایا العلماء اور سیر اعلام النبلاء میں یہ روایت آئی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [دنیا کی کسی چیز پر مجھے افسوس نہیں سوائے تین باتوں کے۔۔۔]

(۲) جہاں یہ جملہ آیا ہے: [یعنی الحجاج]، تو یہ تمام مصادرِ تخریج میں اسی طرح موجود ہے، اور یہ امام ذہبی کا قول نہیں ہے، جیسا کہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علی الصلابی نے اپنے کتاب خلافت امیر المؤمنین عبداللہ بن الزبیر (صفحہ ۱۳۹) میں گمان کیا ہے۔ انہوں نے یہ بات کتاب **الفقہاء والخلفاء از سلطان بن خالد بن حثلین** (صفحہ ۶۵، مطبوعہ دار عمار، اردن، پہلی اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) سے نقل کی ہے۔

(۳) جہاں تک کتاب المحتضرین از ابن ابی الدنیا (صفحہ ۱۵۷) کا تعلق ہے، تو اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محمد بن عبید اللہ: وہ ابن المنادی ہیں، اور راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے ان کے متعلق کہا ہے: صدوق، جبکہ تحریر التقریب میں صراحت ہے کہ بلکہ وہ ثقہ ہیں۔ دیکھئے: التقریب (۶۱۱۳)۔

التخریج:

اس روایت کو ابو سلیمان محمد بن زبر الربعی نے اپنی کتاب ''وصایا العلماء عند حضور الموت'' (صفحہ ۶۳) میں اپنے والد کے واسطے سے، ابن المنادی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت تاریخ دمشق (۳۱/۱۹۶) میں ابن ابی الدنیا اور ابن زبر کے طریق سے بھی منقول ہے۔ نیز دیکھیں: مختصر تاریخ دمشق (۱۳/۱۸۰)۔

اسی طرح یہ خبر تاریخ الاسلام (۵/۴۶۵) میں عوام کے طریق سے، اور سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۲) میں روح کے طریق سے بھی منقول ہے۔

اور مختصر قیام اللیل از محمد بن نصر المروزی (صفحہ ۶۲) میں بھی سعید بن جبیر کے طریق سے یہی روایت موجود ہے۔ امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: [میں کہتا ہوں: یہ بعض رواۃ کا گمان ہے، ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے پہلے ابن الزبیر کو فئہ باغیہ کہہ چکے ہیں، واللہ اعلم]

میں کہتا ہوں: یہ کسی راوی کا گمان نہیں، کیونکہ پچھلی روایت میں صراحت کے ساتھ حجاج کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ الفاظ ہیں: (جب حجاج چلا گیا تو ابن عمر نے کہا: مجھے دنیا میں تین چیزوں کے سوا کسی چیز پر افسوس نہیں دوپہر کی پیاس (یعنی روزے)، رات کی مشقت (یعنی عبادت)، اور یہ کہ میں نے اس فئہ باغیہ سے قتال نہ کیا جو ہم پر مسلط ہوئی)۔ دیکھئے: روایت نمبر [۱۶۰]۔

[۱۶۲] امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: ہم سے زکریا بن یحییٰ ابو سکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے محاربی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے محمد بن سوقہ نے بیان کیا، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے کہا: میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب ایک نیزے کا پھل (یعنی سنان) ان کے پاؤں کے تلوے میں لگا*، اور ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا(۱)۔ تو میں اُترا اور رکاب سے ان کا

پاؤں نکالا، اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا۔ پھر یہ بات حجاج تک پہنچی، تو وہ ان کی عیادت کے لیے آیا، اور کہنے لگا: اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ تمہیں کس نے زخمی کیا ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ہی نے مجھے زخمی کیا ہے! حجاج نے کہا: کیسے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اس دن ہتھیار اٹھایا جس دن ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا، اور تم نے حرم میں اسلحہ داخل کیا، جبکہ حرم میں اسلحہ داخل کرنا جائز نہ تھا[۲]۔

* (سِنانُ الرُّمحِ): مراد ہے نیزے کا لوہے کا نوک دار سرا، جو اس کے آگے کی طرف ہوتا ہے اور جس سے چوٹ یا زخم لگایا جاتا ہے۔ (أَخْمَصُ قَدَمِهِ): یعنی پاؤں کا وہ اندرونی گڑھا یا خلا جو عام طور پر چلنے کے دوران زمین کو نہیں لگتا (تلوے کا درمیان والا حصہ)۔

✓ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حَجّاج بن یوسف پر اس (عمل) کا انکار۔

[۱۶۳] امام حاکم نے روایت کیا: ہمیں شیخ ابو بکر بن اسحاق[۳] نے حدیث سنائی، انہوں نے علی بن عبدالعزیز[۴] سے، انہوں نے ابو نعیم سے، انہوں نے فضیل بن مرزوق سے، انہوں نے عطیہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک غلام سے پوچھا: ابن عمر کی وفات کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: انہوں نے حَجّاج بن یوسف کے ان افعال پر نکیر کی جن کا تعلق عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل سے تھا، اور وہ اس کے پاس آئے اور اسے (تلخ باتیں) سنا دیں۔ تو حَجّاج نے کہا: چپ ہو جا اے فلاں! تو تو بوڑھا ہو کر بکواس کرنے لگا ہے۔ جب لوگ منتشر ہو گئے تو حَجّاج نے شام کے ایک آدمی کو حکم دیا، جس نے ابن عمر کے پاؤں میں اپنی برچھی سے وار کر دیا۔ پھر حَجّاج ابن عمر کی عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تجھے کس نے زخمی کیا ہے تو میں اس کی گردن مار دوں۔ ابن عمر نے کہا: ''تو ہی ہے جس نے مجھے زخمی کیا۔'' حَجّاج نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا: ''جس دن تو

نے حرمِ الٰہی میں اسلحہ داخل کیا(۵)۔"

(۱) (بالرِّکَابِ): یعنی زین (گھوڑے کی سیٹ) کے ساتھ لٹکی ہوئی رِکاب سے مراد ہے، جو ایک لوہے کی گول یا بیضوی شکل کی حلقہ دار چیز ہوتی ہے۔اس کے نچلے حصے میں چوڑی بنیاد (پلیٹ) ہوتی ہے تاکہ سوار اس پر اپنا پاؤں رکھ سکے اور سواری پر چڑھنے یا توازن قائم رکھنے میں مدد لے سکے۔ یہ رکاب عام طور پر زین کے دونوں طرف لٹکی ہوتی ہے۔
(۲) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۹۲۳ کے تحت موجود ہے۔اسی واقعے کو ابن سعد نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے،اور ہم نے اسے پہلے نمبر [۱۶۰] کے تحت ذکر کیا ہے، جہاں اس روایت کے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔
(۳) احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید النیسابوری، جن کی کنیت ابو بکر الشافعی ہے اور وہ الصِّبغی کے نام سے معروف تھے۔ ایک جلیل القدر فقیہ اور محدّث تھے۔
خلیلی نے کہا: میں نے الحاکم ابو عبداللہ کو سنا، جب بھی وہ احمد بن اسحاق سے روایت کرتے اور اس روایت کو مختلف محدثین کے اقوال کے ساتھ جمع کرتے، تو کہتے: اور ابو بکر وہ امام ہیں جن کا مقام مقدم ہے۔ وہ حدیث، رجال اور جرح وتعدیل کے علم میں ماہر تھے، اور اپنے وقت میں فقہ کے باب میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ وہ ایک ثقہ اور مامون (قابلِ اعتماد عالم) تھے۔
بیہقی نے کہا: ہم سے بیان کیا ابو عبداللہ نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا ابو بکر احمد بن اسحاق الفقیہ نے، جو ایک امام، مقدم، اور حجت تھے، اور یہ روایت ان کی اصل کتاب سے ان کے اپنے الفاظ میں عودًا علی بدء (یعنی شروع سے آخر تک متصل) مروی ہے۔
امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں کہا: وہ امام، علامہ، مفتی، محدث، اور شیخ الاسلام تھے۔ انہوں نے یحییٰ بن محمد الذہلی اور ابو حاتم رازی جیسے محدثین کو دیکھا۔ وہ خود جمع وتصنیف کرنے والے تھے، فقہ میں کمال حاصل کیا اور علمِ حدیث میں ممتاز ہوئے۔
مراجع دیکھیں: الإرشاد للخليلي (۸۴۰۳)، بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي ص (۲۴۰)، تاريخ الإسلام (۲۵/ ۲۵۶)، سير أعلام النبلاء (۱۵/ ۴۸۳)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۱/ ۲۷۵)، الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۴۳)
(۴) علی بن عبدالعزیز بن المرزبان بن سابور، کنیت ابو الحسن، بغوی اور مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے۔
دارقطنی نے سؤالات السُّلمی اور سؤالات حمزہ میں ان کے بارے میں کہا: وہ ثقہ اور مامون (قابلِ اعتماد) تھے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: ہمیں انہوں نے ابو عبید کی کتابیں لکھ کر بھیجیں، اور وہ سچّے (صدوق) شخص تھے۔
امام ذہبی نے ان کے بارے میں کہا: وہ امام، حافظ، اور صدوق (سچے راوی) تھے۔ انہوں نے جمع وتدوین کا کام کیا، اور المسند الکبیر جیسی کتاب تصنیف کی۔ وہ حدیث روایت کرنے میں حسن الحدیث (اچھی روایت والے) تھے۔ نیز ذکر آیا ہے کہ امام نسائی نے ان پر تحدیث کے لیے طلبِ روایت کے معاملے میں کچھ کلام کیا تھا۔
مراجع: سؤالات السّلمي (۲۱۴)، سؤالات حمزه (۳۸۹)، الجرح والتعديل (۶/۱۹۶)، سير أعلام النبلاء (۱۳/ ۳۴۸)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (۶۸۵)
(۵) مستدرک (۶۳۵۶) کی روایت حسن لغیرہ (یعنی دوسری شواہد کی بنا پر حسن) ہے۔ ابو نعیم سے مراد فضل بن دکین ہیں، اور فضیل بن مرزوق: وہ صدوق (سچے) ہیں لیکن کبھی وہم (غلطی) کر جاتے تھے اور ان پر تشیع (شیعہ رجحان) کا الزام بھی تھا۔ اور عطیہ سے مراد عطیہ عوفی ہیں، جو ضعیف راوی ہیں، اور ان کا شیخ (جس سے وہ روایت کرتے ہیں) مجہول (مبہم) ہے۔

تاہم اس روایت کو دو شواہد حاصل ہیں جو اگلی دو روایات میں آئیں گے۔ جہاں تک بات ہے حجاج کا ابن عمر کے پاس آنے کی، تو اس واقعے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور یہ روایت سابقہ متن میں (نمبر [۱۶۲]) گزر چکی ہے۔ اس موجودہ خبر میں بخاری کی روایت پر دو مزید باتوں کا اضافہ ہے: اوّل: ابن عمر کا حجاج پر علانیہ انکار کرنا۔ دوم: حجاج کا اپنے ایک سپاہی کو نیزہ مارنے کا حکم دینا تا کہ وہ ابن عمر کو زخمی کرے۔

التخریج:

اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۳۰۳۹) میں روایت کیا ہے، اور ان کے طریق سے امام ابونعیم اصفہانی نے معرفۃ الصحابۃ (۱۲/۱۷/۳، رقم ۴۳۱۱) میں علی بن عبدالعزیز کے واسطے سے اسے مختصر صورت میں نقل کیا ہے۔ اسی روایت کو ابن سعد نے الطبقات (۴/۱۸۵) میں ابونعیم الفضل بن دکین کے طریق سے مختصر بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے المصنف (۱۴۶۲۴) میں وکیع بن الجراح کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور ابن سعد نے الطبقات (۴/۱۸۵) ہی میں یزید بن ہارون کے واسطے سے اسے بیان کیا ہے، ان دونوں کا واسطہ فضیل بن مرزوق ہے، اور روایت مختصر ہے۔ مزید تفصیل اگلے حوالے میں آئے گی۔

[۱۶۴] حاکم نے روایت نقل کی: ہم سے شیخ ابومحمد مزنی [۱] نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے قاضی ابوخلیفہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے ابراہیم بن ابی سوید الذارع نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عمارہ بن زاذان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے مکحول نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ موجود تھا کہ اسی دوران حجاج نے کعبہ پر منجنیق نصب کی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس (ظلم) پر سخت انکار کیا اور ایسی باتیں کیں جن کا سننا حجاج کے لیے ناگوار تھا۔ چنانچہ حجاج نے انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر ایک شامی شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر تلوار کا وار کیا۔ جب حجاج ان کی عیادت کے لیے (ظاہری طور پر) آیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: ''تو نے مجھے قتل کیا اور اب میری عیادت کے لیے آیا ہے؟! اللہ میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے!''[۲]

(۱) امام، عالم، مقتدا، حافظ، فنونِ علم کے جامع، ابومحمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن بشر بن مغفل بن حسان، صحابیِ رسول

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے پوتے، مزنی مغفلی ہروی، جنہیں بازِ سفید (الباز الأبیض) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ انہوں نے علمِ حدیث اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کی، تصانیف لکھیں اور مجموعے مرتب کیے۔ حاکم کہتے ہیں: وہ خراسان کے اہلِ علم کے امام تھے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ابو موسیٰ مدینی کہتے ہیں: یہ ابو محمد مزنی ان حفاظِ حدیث میں سے تھے جنہوں نے کثرت سے روایتیں جمع کیں۔ ان کا انتقال سنہ ۳۵۶ھ میں ہوا۔

میں کہتا ہوں:

وہ بلاشبہ ثقہ اور حدیث کے بڑے اماموں میں سے تھے۔

ملاحظہ ہو: خصائص مسند احمد، ص ۱۳؛ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۸۱؛ الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم ۱۶/۱۸۱؛ رقم ۹۸۔

(۲) المستدرک (۶۳۵۷) حسن لغیرہ۔

ابو خلیفہ: ان کا پورا نام فضل بن حباب جمحی ہے۔ امام ذہبی اور دیگر محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۷؛ الثقات لابن قطلوبغا ۷/۵۱۳)

ابراہیم: یہ ہیں ابن الفضل بن ابی سوید بصری۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد (ابو حاتم) سے سنا، وہ کہتے تھے: [میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا: ''کہا جاتا ہے کہ یہ کثرت سے تصحیف (الفاظ میں تبدیلی) کرتے ہیں اور احادیث کو درست طریقے سے نقل نہیں کرتے''۔ اور میں نے اپنے والد کو یہ بھی کہتے سنا: ''یہ مسلمانوں کے ثقہ افراد میں سے ہیں، قابلِ اطمینان۔''] (خلاصہ) امام ذہبی نے المیز ان میں انہیں صدوق کہا ہے، اپنی تاریخ میں حافظ کہا، جبکہ ابن حجر نے انہیں مقبول کہا ہے، اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں بندار، محمد بن یحییٰ، ابو زرعہ، ابو حاتم رازی اور بہت سے دیگر محدثین شامل ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت موجود نہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن حجر کا یہ کہنا کہ وہ مقبول ہیں، اس کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کیونکہ تصحیف (الفاظ میں تبدیلی) کا معاملہ سند کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، اور ابن معین نے بھی ان کے بارے میں یقال (کہا جاتا ہے) کی تعبیر استعمال کی ہے، جو جزم کے درجہ میں نہیں، لہٰذا راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔

اور مجھے تعجب ہے کہ تحریر التقریب کے دو فاضل محققین نے ابن حجر کے اس قول پر کوئی تنقید کیوں نہ کی۔

مراجع:

الجرح والتعدیل (۱۲۲۲)، الثقات لابن حبان (۸/۶۹)، میزان الاعتدال (۱/۵۳)، تاریخ الاسلام (۱۶/۷۹)، التقریب (۲۲۹)

عمارہ بن زاذان: یہ صدوق تھے لیکن کثیر الخطا (زیادہ غلطی کرنے والے) تھے۔ (التقریب: ۴۸۴۷)

مکحول: ان کا پورا نام ابو عبداللہ ازدی بصری ہے۔ یہ صدوق ہیں۔ (التقریب: ۶۸۷۶)

[۱۶۵] امام ذہبی نے بیان کیا: محمد بن اسماعیل الحمسی نے کہا: ہم سے احمد بن یعقوب مسعودی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے اسحاق بن سعید بن عمرو قرشی نے اپنے والد سے، اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ: ایک موقع

پر حجاج خطبہ دے رہا تھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے دشمن[1]! اللہ کے حرم کو حلال کر دیا گیا، اللہ کے گھر کو برباد کر دیا گیا، اور اللہ کے اولیاء کو قتل کر دیا گیا!! حجاج نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: عبداللہ بن عمر۔ تو حجاج بولا: چپ ہو جا، اے بڈھے! یہ تو خرف (بڑھاپے کی سٹھیاہٹ) کا شکار ہو گیا ہے۔ پھر جب حجاج واپس لوٹا، تو اس نے اپنے کچھ کارندوں کو حکم دیا[2]، چنانچہ ان میں سے ایک نے ایک زہر آلود نیزہ لیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پنڈلی پر وار کیا۔ اس زخم سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری سے وفات پا گئے۔ بعد میں حجاج ان کی عیادت کے لیے آیا، اس نے سلام کیا، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب نہ دیا، پھر اس نے کچھ باتیں کیں، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس روایت کو امام بخاری نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے[3]۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء میں یہ جملہ اسی طرح ہے: یَا عَدُوَّ اللهِ! اے اللہ کے دشمن!

(۲) سیر اعلام النبلاء میں ہے: جب لوگ واپس پلٹے تو حجاج نے اپنے کچھ مُسوّدَہ (کارندوں، سیاہ جھنڈوں والوں، یا ذاتی گارڈز) میں سے بعض کو حکم دیا۔۔۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ (۱/۳۱) کی ابتدا سے قول (قَدْ خَرِفَ) تک: شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اور اس کی باقی سند بھی شواہد کی روشنی میں حسن ہے۔ اس کے شواہد کے لیے پچھلی خبر اور اگلی دو خبروں کو دیکھیں۔ یہ روایت معلق سند کے ساتھ ہے، اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

التخریج:

اور امام ذہبی نے اس روایت کو سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۰) میں احمد بن یعقوب مسعودی کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور امام بخاری نے اسے اپنی صحیح (حدیث نمبر: ۹۲۴) میں احمد بن یعقوب مسعودی کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ مختصر صورت میں روایت کیا ہے۔

[۱۶۶] ابن سعد نے روایت بیان کی: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے اسود بن شیبان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے خالد بن

سمیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: فاسق حجاج منبر پر خطبہ دے رہا تھا، اس نے کہا: ابن زبیر نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے! اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: تو نے جھوٹ کہا! تو نے جھوٹ کہا! تو نے جھوٹ کہا! نہ وہ ایسا کر سکتا ہے، نہ ہی تُو اس وقت اس کے ساتھ تھا۔ تو حجاج نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: چپ ہو جا! تُو ایک بوڑھا ہے جو خرف (سٹھیاہٹ) کا شکار ہو چکا ہے، تیرا دماغ جاتا رہا ہے۔ عنقریب ایک بوڑھا پکڑا جائے گا، پھر اس کی گردن ماردی جائے گی اور اسے گھسیٹا جائے گا؛ اس کے خصیے پھول چکے ہیں، اور بقیع کے لڑکے اسے گلیوں میں گھمائیں گے![1]۔

حجاج کا یہ قول: **(عنقریب ایک بوڑھا پکڑا جائے گا، اس کی گردن ماری جائے گی، پھر اسے گھسیٹا جائے گا۔۔۔)** اس میں قتل کی واضح دھمکی ہے۔

اور یہ واقعہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد پیش آیا، جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ[2] میں بیان کیا ہے۔

---

(۱) الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۴) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ خالد بن سمیر کے بارے میں: امام نسائی اور عجلی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابن حجر نے کہا ہے: یہ صدوق ہیں، تھوڑی بہت وہم (اشتباہ) کرتے ہیں۔ البتہ تحریر التقریب میں ان کے متعلق درج ہے: بلکہ وہ ثقہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو: التقریب: ۱۶۴۲)
التخریج:
امام ذہبی نے اسے تاریخ الاسلام (۵/۴۶۶) اور سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۰) میں اسود کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔
اور شیخ شعیب الارناؤوط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
اور امام ذہبی نے اسی واقعے کو تذکرۃ الحفاظ (۱/۳۳) میں حماد بن زید، ہشام بن حسان، محمد بن سیرین کی سند سے نقل کیا ہے، کہ: حجاج خطبہ دے رہا تھا۔۔۔ اور پھر اسی مفہوم کو ذکر کیا۔ اور سیر اعلام النبلاء (۳۰۳ ۲۳) میں بھی ہشام کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔
اسی طرح اسحاق بن راہویہ نے – جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۹/۱۴۰) میں ذکر کیا – روایت کیا: جریر نے قعقاع بن صلت سے بیان کیا، انہوں نے کہا: حجاج خطبہ دے رہا تھا۔۔۔ اور اسے مختصر طور پر اسی مفہوم میں ذکر کیا۔
یہ روایت مُعضَل (سند میں دو یا زیادہ راویوں کے درمیان گراوٹ کے ساتھ منقطع) ہے۔

(۲) (البداية والنهاية (۸/۳٦٦)۔

[١٦٧] امام طبری نے اپنی تفسیر میں یہ روایت بیان کی: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے ابن علیہ نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سے، اور انہوں نے نافع سے روایت کی: ''حجاج نے خطبہ بہت طویل کر دیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا سر میرے (یعنی نافع کے) زانو پر رکھ دیا۔ اتنے میں حجاج نے کہا: ابن زبیر نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا ہے! یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے: نہ تم ایسا کر سکتے ہو، نہ ابن زبیر، ﴿لَا تَبۡدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ﴾(۱) اور نہ ہی اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی ممکن ہے۔ حجاج نے کہا: یقیناً تمہیں ایسا علم دیا گیا ہے۔۔۔ اگر وہ تمہیں فائدہ دے!۔ ایوب کہتے ہیں: جب حجاج نے بات اپنی طرف پلٹائی (یعنی ابن عمر کے بارے میں کہا)، تو ابن عمر خاموش ہو گئے (۲)۔

---

(۱) [یونس: ٦۴]

(۲) تفسیر طبری (۱۵/۱۴۱) میں یہ روایت صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ یعقوب بن ابراہیم: یہ ابو یوسف دورقی ہیں۔ ابن علیہ: یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی ہیں۔ ایوب: یہ ابن ابی تمیمہ سختیانی ہیں۔

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک عظیم الشان روایت ہے، جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق واضح طور پر نمایاں ہیں، جیسا کہ انہیں ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا: جابر و ظالم حکمرانوں سے مرعوب نہ ہونا قول و عمل کے ذریعے منکر (برائی) کا انکار کرنا بات کے مفہوم اور نیتوں کو سمجھنے میں بیداری رکھنا لوگوں کو برملا اپنے حکمرانوں اور والیوں کی غلطیوں سے آگاہ کرنا اور اگر ظلم ان کی اپنی ذات کو پہنچے تو اس پر صبر کرنا لیکن اگر بات اللہ، اس کے رسول، اور اس کی نازل کردہ کتاب کے بارے میں ہو، تو وہ انبیاء اور حکمرانوں سب کو یکساں طور پر امر و نہی (حکم دینا اور روکنا) سکھاتے تھے، کسی جابر سے نہیں ڈرتے تھے، چاہے وہ ایسا جابر ہو جس کی تلوار خون بہانے کی عادی ہو چکی ہو، اور جس کی زبان طنز، کاٹ، اور ضد پر تربیت یافتہ ہو چکی ہو۔ اللہ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کی امت کے رہنما اور پیشوا ایسے بزرگانِ باوقار ہوں۔

التخریج:

اس روایت کو علی بن حجر سعدی نے اپنی کتاب حدیث علی بن حجر سعدی عن إسماعیل بن جعفر مدنی (حدیث نمبر: ۱۰۰) میں ابن علیہ کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی طرح امام حاکم نے اسے المستدرک (حدیث: ۳۳۰۱) میں ابو النعمان عارم بن فضل کے طریق سے ابن علیہ سے، اسی سند پر روایت کیا،

اور کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔
اسی روایت کو اسماعیل بن محمد الصفار نے اپنی حدیثی مجموعہ (حدیث: ۵۷۶) میں بیان کیا، اور اسی طریق سے امام بیہقی نے اسے اپنی کتاب الاسماء والصفات (ص: ۵۲۸) میں ذکر کیا، جو کہ ابو قلابہ عبدالملک بن محمد رقاشی سے، اور وہ سعید بن عامر سے، اور وہ جویریہ بن اسماء سے، اور وہ نافع سے مختصر صورت میں روایت کرتے ہیں۔ یہ مجموعہ ''مجموع فیہ مصنفات ابی العباس الاصم واسماعیل الصفار'' کے عنوان سے طبع ہوا ہے۔

[۱۶۸] امام حاکم نے روایت کیا: مجھے محمد بن علی بن عبدالحمید صنعانی نے مکہ مکرمہ میں خبر دی، انہوں نے بیان کیا: ہم سے اسحاق بن ابراہیم بن عباد نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے بیان کیا، انہوں نے زہری سے، اور انہوں نے سالم سے روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں: ''میرے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے مجھے وصیت کی تھی کہ انہیں حدودِ حرم سے باہر دفن کیا جائے۔ لیکن ہم اس کی قدرت نہ پا سکے، لہٰذا ہم نے انہیں حرم کے اندر فخ[1] کے مقام پر، مہاجرین کے قبرستان میں دفن کیا[2]۔''

(۱) فخ: یہ مکہ مکرمہ کا ایک وادی ہے، جیسا کہ یاقوت حموی نے بیان کیا ہے۔ اور عاتق الحربی نے کہا: یہ مکہ کی بڑی وادیوں میں سے ایک ہے، اور اسی کو ''وادی الزاہر'' بھی کہا جاتا ہے، یہ عمرۂ تنعیم اور مسجدِ حرام کے درمیان واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو: معجم البلدان ۴/ ۲۳۷، اور معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: ۲۳۴)
(۲) المستدرک (۶۳۵۹) میں یہ روایت صحیح الاسناد ہے۔ محمد بن علی کی سوانح کے لیے ملاحظہ ہو: الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (ص: ۹۹۱)۔ ابوالحسن السلمانی نے ان کے بارے میں کہا: [وہ صدوق ہیں، اور اگر کوئی انہیں ثقہ کہے تو یہ بھی بجا ہوگا]۔
اسحاق: یہ ابو یعقوب دَبَری ہیں، جو عبدالرزاق کے مشہور راوی ہیں۔ انہوں نے عبدالرزاق سے اُن کی تصنیفات خود سنیں، اور ان کا یہ سماع صحیح ہے جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا۔ امام دارقطنی نے ان کے متعلق کہا: یہ صدوق ہیں۔ جبکہ ابن عدی نے کچھ کلام کیا، مگر امام ذہبی نے ان کا دفاع کیا۔ (ملاحظہ ہو: الکامل فی الضعفاء ۱/۳۴۴، سؤالات الحاکم للدارقطنی: ۶۲، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۱۶، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة ۲/۳۰۰)
اور سالم: یہ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں۔

● امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف۔

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مختلف مواقف کو جمع کیا جائے: تو واضح ہوتا ہے کہ ابن زبیر کے بارے میں ان کا موقف تین صورتوں میں اللہ کی رضا پر مبنی تھا۔

پہلا موقف:

یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس جنگ سے راضی نہ تھے جو ابن زبیر اور پہلے یزید بن معاویہ، پھر مروان بن حکم، اور بعد ازاں اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کے درمیان جاری تھی، کیونکہ وہ اسے فتنے کی جنگ اور اقتدار کے لیے لڑائی سمجھتے تھے۔ اس پر درج ذیل باتیں دلالت کرتی ہیں:

[۱۶۹] فاکہی نے روایت کیا: (ہم سے عبدالجبار بن علاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں اعمش نے مجاہد سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں مکہ آیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: ''اے مجاہد! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگ (دوبارہ) کافر ہو گئے ہیں؟'' میں نے کہا: کیسے؟ انہوں نے کہا: ''عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں!''

ابنِ ابی عمر نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن معاویہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں حسن بن عمرو نے مجاہد کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے کہا: میں کچھ مدت کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے غائب رہا، پھر ان سے ملاقات ہوئی۔۔۔پس انہوں نے اس جیسی ہی بات بیان کی(۱)۔

(۱) یہ روایت أخبار مکۃ للفاکھی میں حدیث نمبر (۱۶۶۸) اور (۱۶۶۹) کے تحت موجود ہے، اور یہ صحیح ہے۔ یحییٰ بن عیسیٰ، جن کا پورا نام ابوزکریا التمیمی النہشلی الرملی ہے، وہ صدوق (سچے) تھے، البتہ ان سے غلطیاں ہو جاتی تھیں، اور ان پر تشیع (شیعہ میلان) کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ اور ابن ابی عمر سے مراد محمد بن یحییٰ العدنی ہیں۔ جبکہ حسن بن عمرو، الفقیمی التمیمی الکُرَوِی ہیں۔

یہ خبر فاکہی نے دوسندوں کے ساتھ روایت کی ہے؛ پہلی سند حسن ہے اور دوسری صحیح۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، جسے امام بخاری نے ان سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔''(۱)

(۱) یہ حدیث صحیح البخاری (حدیث نمبر ۶۶۶۶) میں موجود ہے، اور یہ روایت [۱۵۵] کے تحت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کے ذکر کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ حکومت وسلطنت کے لیے کیا جانے والا قتال اسی حدیث کے دائرے میں آتا ہے، اور یہ فتنے کا قتال ہے۔ اور وہ کفر سے یہاں کفرِ اصغر مراد لیتے تھے؛ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''(۱)

(۱) یہ حدیث صحیح البخاری (حدیث نمبر ۴۸) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (یہ تو قریش کے چند نوجوان ہیں(۱)، جو محض اس حکومت اور دنیا کے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں۔)(۲)

(۱) قریش کے چند نوجوانوں سے مراد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں، نہ کہ مکہ کے عام باشندے۔ اور ان کے مقابل فریق: یزید بن معاویہ، پھر مروان بن حکم اور ان کا بیٹا ولید تھے۔
(۲) حلیۃ الاولیاء (۱/۳۰۹-۳۱۰) میں یہ روایت موجود ہے، اس کی سند صحیح ہے، اور اس کا مکمل متن اور تخریج آگے نمبر [۶۱۷] کے تحت آئے گی۔

جب حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مکہ مکرمہ میں محاصرہ کیا ہوا تھا، تو عمیر بن ہانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: (آپ اہلِ مکہ کے بارے میں

کیا کہتے ہیں؟(۱) تو انہوں نے فرمایا: ''میں ان کے لیے عذر پیش کرنے والا نہیں ہوں۔'' میں نے کہا: ''تو پھر آپ اہلِ شام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟(۲)'' فرمایا: ''میں ان کی بھی مدح و ستائش نہیں کرتا۔ دونوں ہی دنیا کے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں، اور دونوں جہنم میں ایسے گرتے جا رہے ہیں (۳) جیسے مکھی شوربے میں گرتی ہے۔'')(۴)

---

(۱) یعنی: ابن زبیر اور اس کا لشکر مراد ہے۔

(۲) یعنی: عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف ثقفی اور اس کا لشکر مراد ہے۔

(۳) یتھافتون: یعنی: وہ ایک دوسرے کے پیچھے گرتے چلے جا رہے ہیں؛ یہ لفظ ''ہفت'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں گرنا۔ تھافُت کا استعمال زیادہ تر شر اور بربادی کے مواقع پر ہوتا ہے۔ ''ہفت'' کا مطلب ہے: کسی چیز کا ایک ایک کر کے ٹکڑوں کی صورت میں گرنا، جیسے برف کے گالے یا بارش کی نرم بوندیں تھوڑا تھوڑا کر کے گر رہی ہوں۔ (ماخذ: لسان العرب، جلد ۲، صفحہ ۱۰۴، مادہ: ھفت)

(۴) تاریخِ دمشق (۴۶/۴۹۷) میں یہ روایت موجود ہے، اور یہ روایت سنداً ''صحیح لغیرہ'' ہے، اور اس کا مکمل متن اور تفصیلی شرح آگے نمبر [۶۱۸] کے تحت آئے گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اہلِ مکہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ (میں ان کے لیے کوئی عذر پیش نہیں کرتا) اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس عمومی قتال پر رضامندی نہ تھی جو انہوں نے (حکومت کے لیے) کیا۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اہلِ شام کے بارے میں یہ فرمانا: (میں ان کی تعریف کرنے والا نہیں ہوں) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انہیں امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی کہ انہوں نے حرمِ مکہ کا محاصرہ کر کے سخت زیادتی کی اس میں اسلحہ لے کر داخل ہونا، خانۂ کعبہ کے گرد منجنیقیں نصب کرنا (حالانکہ حجاج نے بیت اللہ کے گرد چالیس منجنیقیں نصب کی تھیں)(۱)، اور حرمِ اللہ عزوجل میں لوگوں کو قتل کرنا یہ سب امور قبیح اور شدید حرمت پامال کرنے والے تھے۔

(۱) پچھلا ماخذ

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول (وہ دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں) کا مطلب ہے: حکومت اور اقتدار کے لیے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نظریہ یہ تھا کہ حکومت کے لیے کیا جانے والا قتال، محض دنیا کے لیے لڑائی ہے، اور یہ فتنہ انگیز قتال شمار ہوتا ہے۔

ان کے قول (وہ جہنم میں گرتے جا رہے ہیں) کا مطلب ہے: وہ دوزخ کی آگ میں گر رہے ہیں۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑیں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے۔''[۱] ابن حجر نے کہا: ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ- جو اس حدیث کے راوی ہیں- انہوں نے اس حدیث کو اس کے عموم پر محمول کیا کہ ہر دو مسلمان جو تلواروں کے ساتھ آمنا سامنا کریں، ان پر یہ حکم ہو، تا کہ اس (جنگ) کی جڑ ہی ختم کر دی جائے۔ ورنہ درست بات یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب قتال ان دونوں کی طرف سے کسی جائز شرعی تاویل کے بغیر ہو[۲]۔ میں کہتا ہوں: اور ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح سمجھا ہے جیسے ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا۔

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے حدیث نمبر (۳۱) کے تحت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور آگے یہ روایت نمبر [۲۵۲] کے تحت انہی کی روایت سے آئے گی، جبکہ نمبر [۱۸۸] اور [۱۸۹] کے تحت یہ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہو گی۔

(۲) فتح الباری (۱/۸۶)

مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی خلیفہ شرعی تھے[۱]، پھر مروان بن حکم نے ان کے خلاف خروج کیا اور اپنے لیے خلافت کا دعویٰ کیا، اور امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی

اللہ عنہ سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کے دور میں معاملہ اس حد تک پہنچا کہ اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ابن زبیر سے جنگ کے لیے بھیجا، اور پھر جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوا۔

(۱) دیکھیے: ''خلافتِ امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ''، تالیف: ڈاکٹر علی محمد الصلابی، صفحہ (۶۴)۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے، جس نے ان سے فتنے کے ختم ہونے تک قتال کے بارے میں سوال کیا، فرمایا: (کیا تُو جانتا ہے فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ سے محروم ہو! ''فتنہ تو وہ تھا جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں سے قتال کرتے تھے، کیونکہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کے لیے فتنہ تھا۔ یہ (تمہارا قتال) ایسا نہیں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتال تھا، بلکہ تم تو محض حکومت کے لیے لڑ رہے ہو''[۱])

(۱) دیکھیں حوالہ نمبر [۱۷۵]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنے اور حکومت کے لیے ہونے والے قتال کو ناپسند کرتے تھے، اور وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلافت کا مطالبہ کرنے سے روکتے تھے۔ اور اس پر درج ذیل بات دلیل ہے:

[۱۷۰] جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے: ابونوفل بیان کرتے ہیں: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مدینہ کے راستے میں ایک بلند جگہ پر سولی پر لٹکے ہوئے دیکھا[۱]۔ قریش اور دیگر لوگ ان کے قریب سے گزرتے رہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں پہنچے۔ وہ رک گئے اور کہنے لگے: السلام علیک یا ابا خبیب[۲]، السلام علیک یا ابا خبیب، السلام علیک یا ابا خبیب! خدا کی قسم! میں تمہیں اس انجام سے منع کرتا رہا، خدا کی قسم! میں تمہیں اس سے روکتا رہا، خدا کی قسم! میں تمہیں اس سے

باز رہنے کو کہتا رہا۔ بخدا! جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تم بہت روزے رکھنے والے، راتوں کو عبادت کرنے والے، اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اور بخدا! اگر ایک امت ایسی ہو جس میں تم سب سے برے فرد ہو، تو وہ امت یقیناً بہت ہی اچھی امت ہے۔ اس کے بعد ابن عمر وہاں سے چلے گئے (۳)۔ جب حجاج تک ابن عمر کے رکنے اور ان کے ان کلمات کی خبر پہنچی، تو اس نے عبد اللہ بن زبیر کی لاش درخت سے اتارنے کا حکم دیا (۴) اور اسے یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا۔ پھر حجاج نے عبد اللہ بن زبیر کی والدہ، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بلوانا چاہا، مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حجاج نے دوبارہ قاصد بھیجا اور دھمکی دی: اگر تم میرے پاس نہ آئیں تو میں کسی کو بھیجوں گا جو تمہیں تمہارے بالوں سے گھسیٹتا ہوا (۵) میرے پاس لے آئے گا۔ اسماء نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی جب تک تُو واقعی کسی کو نہ بھیج دے جو مجھے میرے بالوں سے گھسیٹ کر لے آئے۔ حجاج نے کہا: مجھے میرے جوتے دکھاؤ! (۶) پھر اس نے جوتے پہن کر تیز قدموں سے اکڑ کر (۷) چلتے ہوئے اسماء کے پاس داخل ہوا اور کہا: کیا تم نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: تو نے اس کی دنیا تو بگاڑ دی، مگر اپنی آخرت بھی خراب کر لی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تُو اسے ابنِ ذات النطاقین (۸) کہتا ہے۔ سن لے! اللہ کی قسم! میں ہی وہ ذات النطاقین ہوں۔ ایک نطاق وہ تھا جس سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا جانوروں پر باندھ کر لے جاتی تھی، اور دوسرا وہ کمر بند ہے جو ہر عورت اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ پھر اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ہمیں خبر دی تھی کہ ثقیف (یعنی طائف) میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک سخت تباہ کن (لوگوں کو ہلاک کرنے والا ظالم) شخص پیدا ہوگا(۹)۔ جھوٹے کو تو ہم دیکھ چکے ہیں(۱۰)، اور جہاں تک تباہ کن شخص کی بات ہے تو میرا گمان ہے(۱۱) کہ وہ تُو ہی ہے!'' راوی کہتے ہیں: پھر حجاج وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور اسماء رضی اللہ عنہا سے دوبارہ کچھ نہ کہا۔ (۱۲)

---

(۱) یہ (جگہ) مکہ مکرمہ میں واقع ایک چڑھائی (یا بلند مقام) ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے۔
(۲) ابوُخُبَیب: یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی کنیت تھی، اور خُبَیب ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔
(۳) نَفَذَ: یعنی واپس چلے گئے/ وہاں سے روانہ ہوگئے۔
(۴) یعنی حجاج نے عبداللہ بن زبیر کی لاش- جو ایک درخت کے تنے پر سولی دی گئی تھی- کو اُس تنے سے اُتارنے کے لیے کسی کو بھیجا۔
(۵) یعنی (وہ شخص) تمہیں تمہارے گندھے ہوئے بالوں سے گھسیٹ کر لائے گا۔
(۶) السِّبْتُ: اُس جوتی کو کہا جاتا ہے جس پر بال نہیں ہوتے، اور یہ عموماً اُس گائے کی چمڑے سے بنائی جاتی ہے جسے قرض نامی پودے سے دباغت دی گئی ہو۔ ان جوتیوں کو سبت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی کھال سے بال ہٹادیے جاتے ہیں یعنی یا تو پیدا ہی بغیر بال کے ہوئی ہو یا پھر بال الگ کردیے گئے ہوں۔
(۷) توَذَّف کا مطلب ہے: قدموں کو قریب قریب رکھ کر اکڑ کر چلنا۔ اور بعض کے نزدیک اس سے مراد تیزی سے چلنا بھی ہے۔ (ماخذ: النہایہ ۵/۱۷۱)
(۸) نِطَاق اس حالت کو کہتے ہیں جب عورت اپنا لباس پہنے، پھر کمر کے گرد کوئی چیز باندھے، اور کپڑے کے درمیانی حصے کو اوپر اُٹھا کر نیچے چھوڑ دے۔ عورتیں ایسا اس وقت کرتی ہیں جب وہ کوئی مشقت یا کام کاج کر رہی ہوں، تاکہ دامن میں اُلجھ کر ٹھوکر نہ لگے۔
(۹) مُبِیر: اُس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہو اور ان کی ہلاکت میں حد سے بڑھ جائے یعنی جو تباہی اور قتل و غارت میں حد سے تجاوز کرے۔
(۱۰) (اسماء رضی اللہ عنہا کی) مراد مختار بن ابی عبید ثقفی ہے، جس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ جبریل علیہ السلام اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں، اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث میں جس کذاب (جھوٹے) کی خبر دی گئی ہے، اس سے مراد یہی شخص ہے۔
(۱۱) میرا خیال ہے کہ تم ہی وہ ہو۔
(۱۲) یہ روایت صحیح مسلم (حدیث: ۱۹۰۷) میں ہے۔ ابونوفل کا نام ابنِ ابی عقرب البکری ہے۔ اور اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۹۶/۱) میں الاسود بن شیبان کے واسطے سے بھی نقل کیا ہے، جس میں کچھ نفع بخش الفاظ اور اضافے بھی موجود ہیں؛ اگر چاہو تو وہاں بھی ملاحظہ کرلو۔

دوسرا موقف:

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، یزید بن معاویہ پر خروج کرنے والے (یعنی باغی) تھے،،،

یہ خبر صحیح ثابت ہوئی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو فئہ باغیہ (سرکش گروہ) قرار دیا تھا، لیکن یہ بات ان کے آخری وقت (یعنی وفات کے قریب) کی نہیں ہے، بلکہ یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت میں ہوئی تھی، اور خاص طور پر سن ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد[1]۔

(۱) زہری اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم نے واقعۂ حرہ کا سنہ ۶۳ ہجری میں وقوع ہونا بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کریں: البدایہ والنہایہ (۸/ ۲۳۸، ۲۴۲)، اور فتح الباری از ابن حجر (۱۷/ ۱۳)۔

[۱۷۱] یعقوب بن سفیان نے ''المعرفۃ والتاریخ'' میں - جیسا کہ تاریخِ دمشق میں منقول ہے- یہ روایت نقل کی ہے: حجاج بن ابی منیع نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں میرے دادا نے حدیث سنائی۔ اور ابو صالح نے بیان کیا، کہا: مجھے ہقل نے صدفی سے حدیث دی۔ اور محمد بن یحییٰ بن اسماعیل نے ابن وہب سے، اور انہوں نے یونس سے روایت کی۔ ان سب نے زہری سے، اور زہری نے کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ ایک دن وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ عراق سے ایک شخص آیا اور کہا: اے ابو عبدالرحمن! اللہ کی قسم! تحقیق (۱) میں نے بڑی کوشش کی کہ آپ کا طرزِ عمل اختیار کروں (۲)، اور لوگوں کے اختلاف کے معاملے میں آپ کی پیروی کروں، اور جہاں تک ممکن ہو، فتنے سے دور رہوں۔ لیکن میں اللہ کی کتاب کی ایک محکم آیت پڑھتا ہوں جس نے میرا دل اپنی گرفت میں لے لیا

ہے(۳)،تو مجھے اس کے بارے میں بتائیے۔کیا آپ مجھے اللہ کے اس فرمان ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟(۴)عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ مجھ سے دور ہو جاؤ۔'' چنانچہ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا، یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''مجھے اپنے دل میں اس آیت کے بارے میں جو خلش ہے(۵)، اس جیسی کسی بات پر کبھی محسوس نہیں ہوئی، جتنا میں نے اس فئہ باغیہ سے قتال(۶) نہ کرنے پر محسوس کیا، حالانکہ اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان سے قتال کروں۔'' حمزہ کہتے ہیں: ہم نے ان سے پوچھا: تو آپ کے نزدیک 'فئہ باغیہ' کون تھی؟ انہوں نے فرمایا: ''ابن الزبیر نے ان لوگوں پر بغاوت کی، انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا(۷)، اور ان سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔''(۸)

---

(۱) چھپے ہوئی (نسخہ) میں (لو) کا لفظ ہے، جبکہ المستدرک، السنن الکبری للبیہقی اور اِتحاف المہرۃ میں جو الفاظ ثابت ہیں وہ مختلف ہیں۔

(۲) المستدرک، السنن الکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں (یہ الفاظ) اس طرح ہیں: [أَنْ أَتَسَمَّتَ بِسَمْتِكَ] یعنی اصل الفاظ جو ان معتبر کتب میں وارد ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: [أَنْ أَتَسَمَّتَ بِسَمْتِكَ]، جس کا مطلب ہے: کہ میں آپ کی روش اختیار کروں یا آپ کے طرزِ عمل کو اپناؤں۔

(۳) مطبوعہ نسخے میں (فَقَدْ) کا لفظ ہے، جبکہ المستدرک، السنن الکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں جو لفظ ثابت ہے، وہ اس سے مختلف ہے۔

(۴) [الحجرات:۹]۔

(۵) اسی طرح (یعنی الأُمَّةُ) مطبوعہ نسخے، المستدرک، اور اِتحاف المہرۃ میں ہے، جبکہ السنن الکبری للبیہقی اور فتح الباری میں (الأُمَّةِ) یعنی زیر کے ساتھ ہے۔

(۶) المستدرک، السنن الکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: (أَنِّي لَمْ أُقَاتِلْ) یعنی: ان معتبر مصادر میں روایت کے الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں: کہ میں نے قتال نہیں کیا۔ (عربی: أَنِّي لَمْ أُقَاتِلْ)

(۷) ابن حجر نے کہا: یعنی (اس سے مراد) بنوامیہ ہیں۔ (حوالہ: فتح الباری، ۱۳/۷۲)

(۸) تاریخ دمشق (حدیث/اثر نمبر: ۱۹۳۳۱) میں یہ موجود ہے، نیز دیکھیے: تاریخ دمشق میں ابن عساکر کی جمع کردہ مصادر کی

کتاب موارد ابن عساکر (۱/۱۲۷)۔

روایت پر حکم:

یہ روایت اپنی تقویت کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے، اور اس خبر کو تین سندوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

پہلی (سند): اس کی سند جید (اچھی) ہے۔ محمد بن یحییٰ الذہلی نے کہا:

[عبید اللہ بن ابی زیاد کے بارے میں مجھے کوئی اور راوی معلوم نہیں، سوائے اس کے پوتے حجاج بن ابی منیع کے، اُس نے مجھے زہری کی احادیث کا ایک مجموعہ نکال کر دکھایا، تو میں نے اس کا مطالعہ کیا، اور دیکھا کہ وہ سب صحیح احادیث تھیں، لیکن میں نے ان میں سے تھوڑی سی ہی نقل کی۔] اور امام ذہبی نے کہا: [حجاج بن ابی منیع، اپنے دادا عبید اللہ بن ابی زیاد سے، زہری سے روایت کرتا ہے، اور اس کے پاس زہری سے روایت کردہ ایک بڑا مجموعہ موجود ہے۔] (مراجع کے لیے دیکھیے: تہذیب الکمال ۱۹/۴۱، تاریخ الاسلام ۱۵/۱۰۸) (یہ تبصرہ اس سند کے راویوں کی ثقاہت اور روایت کی جودت پر اعتماد ظاہر کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے، اور اس بنا پر اس سند کو جید کہا گیا ہے)۔

دوسری اور تیسری دونوں سندیں ضعیف مگر قابلِ احتمال (برداشت کے قابل) ہیں۔

سند کے راویوں کے حالات (اسماء الرجال):

- حجاج: یہ یوسف بن ابی منیع عبید اللہ بن ابی زیاد الرُّصافی کا بیٹا ہے، اور وہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہے۔ التقریب (۱۱۳۸)۔
- اور اس کے دادا عبید اللہ (بن ابی زیاد): صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۴۲۹۱)
- ابو صالح: یہ عبد اللہ بن صالح المصری ہے، امام لیث کا کاتب (کاتبُ اللّیث)۔ صدوق ہے مگر بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تفصیل سے گفتگو اپنی کتاب ''خطبة الحسن ومعاویة عند البیعة'' میں (نمبر: ۳۵) پر کی ہے۔
- الھِقل: یہ ابن زیاد، ابو عبد اللہ السَّکسکی دمشقی ہے، امام اوزاعی کا کاتب اور شاگرد تھا، ثقہ ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۳۱۴)
- الصَّدَفی: یہ معاویہ بن یحییٰ، ابو روح ہے، ضعیف راوی ہے (تقریب التہذیب:

۶۷۷۲)۔امام بخاری نے کہا: اس سے ہقل بن زیاد نے جو روایات بیان کی ہیں وہ درست معلوم ہوتی ہیں، جیسے کہ وہ کتاب التاریخ الکبیر سے نقل کی گئی ہوں۔(تاریخ الکبیر: ۳۳۶/۷)۔
امام دارقطنی نے کہا: ہقل بن زیاد نے جو اس سے روایت کی ہیں وہ لکھی جائیں، اور باقی اس کی روایات سے اجتناب کیا جائے۔(الضعفاء والمتروکین: ۳/۱۳۲)

- محمد بن یحیٰی بن اسماعیل: یہ تمیمی، سمار(برتن بیچنے والا یا بنانے والا) ہے۔امام دارقطنی نے کہا: یہ مرضی/رضا کے قابل نہیں۔(سؤالات حمزہ: ۱۳۱، میزان الاعتدال: ۶۵/۴)

- ابن وہب: یہ عبداللہ، ابومحمد مصری فقیہ ہیں۔ثقہ، حافظ(یعنی حدیث کے بڑے حافظ)، اورعبادت گزار تھے۔(تقریب التہذیب: ۳۶۹۴)۔

- یونس: یہ یونس بن یزید بن ابی النجاد ایلی ہیں، ثقہ ہیں، لیکن ان کی روایت میں زہری سے کچھ معمولی وہم پایا جاتا ہے، اور زہری کے علاوہ سے روایت میں کچھ غلطی بھی ہوتی ہے۔(تقریب التہذیب: ۷۹۱۹)

- اورزہری اورحمزہ: دونوں ثقہ اور امام درجے کے راوی ہیں۔

التخریج:

اسے بیہقی نے السنن الکبریٰ (۱۶۷۰۶) میں یعقوب بن سفیان کے طریق سے، جو حجاج بن ابی منیع سے ہے، روایت کیا ہے، اور تمار کے طریق سے بھی اسے روایت کیا ہے، مگر تیسرے طریق یعنی ابوصالح کاتب لیث کے طریق کا ذکر نہیں کیا۔

اور اسے حاکم نے المستدرک (۳۷۲۲) اور (۴۵۹۸) میں روایت کیا، اور ان کے طریق سے بیہقی نے السنن الکبری (۱۶۷۰۶) میں روایت کیا۔انہوں نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن مہدی بن رستم نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن شعیب بن ابی حمزہ القرشی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے زہری سے، اس کے مختصر الفاظ کے ساتھ روایت کی، جس میں یہ قول نہیں ہے: [حمزہ نے کہا: تو ہم نے ان سے پوچھا: آپ کس کو باغی گروہ سمجھتے ہیں؟ ابن عمر نے کہا: ابن زبیر نے۔۔۔] اور یہ سند صحیح ہے۔اور بیہقی نے دونوں طریقوں(یعقوب کا طریق اور حاکم کا طریق) کو ایک روایت میں جمع کر دیا، تو معنی مکمل ہوگیا اور واقعہ واضح ہوگیا۔

اور یہ خبر إتحاف المہرہ (۹۴۳۱) میں بھی موجود ہے، اور مؤلف نے اسے مستدرک حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔

اور حاکم نے دوسرے مقام پر کہا: یہ ایک بڑا باب ہے جسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تابعین کے بڑے گروہ نے روایت کیا ہے، لیکن میں نے شعیب بن ابی حمزہ عن الزہری کی روایت کو مقدم رکھا اور اسی پر اکتفا کیا، کیونکہ وہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ میں (فواز) کہتا ہوں: بشر بن شعیب کی روایت مسلم نے نقل نہیں کی۔

اور اس کا قول [هَذَا بَابٌ كَبِيرٌ ..] یعنی یہ ایک بڑا باب ہے۔۔۔، اس سے مراد وہ روایات ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اہلِ صفین سے قتال نہ کرنے پر ندامت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس کا جواب تھوڑی دیر بعد پیش کیا جائے گا۔

الصَّفَّارُ کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا: الشَّيْخُ الإِمَامُ الْمُحَدِّثُ الْقُدْوَةُ أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَحْمَدَ الأَصْبَهَانِيُّ، الصَّفَّارِ الزَّاهِدُ۔ اور ابوالحسن السلیمانی نے فرمایا: حافظ کبیر، مصنف، اور عابد زاہد، حسن السیرت۔ حوالہ جات: سیر اعلام النبلاء (۴۳۷/۱۵)، رجال الحاکم فی المستدرک (۱۳۷۶)، الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۹۲۹)۔

حاکم نے یہ خبر پہلی بار سورۃ الحجرات کی تفسیر میں ذکر کی، پھر اسے دوسری بار باب: [ذِكْرِ بَيْعَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضوانُ اللهِ عليه] میں دہرایا۔ یہ عنوان مطبوعہ نسخے سے ساقط ہے، لیکن دار التاصیل کے نسخے میں یہ باب درج ہے (۳۱۰/۵)۔

چنانچہ حاکم نے اسے ''بیعتِ علی رضی اللہ عنہ'' کے تحت ذکر کیا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول: «ما وجدتُ في نفسي...» کو فتنۂ صفین پر منطبق کیا۔ پھر اس روایت کے بعد کہا: [هَذَا بَابٌ كَبِيرٌ، قَدْ رَوَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ جَمَاعَةٌ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِينَ...] اس پر دو باتوں سے جواب دیا جائے گا۔

- اوّلاً: اگر حاکم واقعاً اس بابِ کبیر پر مطلع تھے، تو انہوں نے اس کو معاملۂ صفین پر کیسے

منطبق کر دیا؟ حالانکہ یہ روایت اپنے تمام الفاظ کے ساتھ واضح کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں فتنے سے مراد ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا فتنہ لیا تھا، نہ کہ صفین کا! اور اسی نکتہ پر حاکم کے شاگرد امام بیہقی متوجہ ہوئے، چنانچہ انہوں نے اپنے شیخ حاکم کی روایت کو یعقوب بن سفیان کی روایت کے ساتھ جمع کیا تا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود واضح ہو جائے۔

- ثانیاً: حاکم نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تابعین کے ایک بڑے گروہ نے نقل کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح (حدیث: ۴۲۴۳) میں- اور حوالہ نمبر [۱۷۳] بھی ملاحظہ ہو- نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں آیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں دو آدمی ابن عمر کے پاس آئے۔۔۔ پھر سارا واقعہ بیان ہوا۔ یہ صراحتاً اس بات کی تردید ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد فتنے سے واقعہ صفین تھا۔ بلکہ یہ خبر خود ظاہر کرتی ہے کہ ان کی مراد فتنے سے فتنۂ ابن زبیر رضی اللہ عنہ تھا۔ اور نافع، جن سے یہ روایت ہے، کبار تابعین میں سے ہیں؛ (لہٰذا حاکم کا یہ کہنا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو واقعۂ صفین پر منطبق کیا صحیح نہیں)۔

[اصل یہ خبر شعیب بن ابی حمزہ کی اُس نسخہ حدیث سے ہے جسے اُن کا بیٹا بشر روایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے حاکم کی روایت براہِ راست شعیب کے نسخے سے نقل کی ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابن حجر کے پاس خود اس نسخے کی ایک نقل موجود تھی۔ حوالہ: المعجم المفہرس (ص ۱۰۱۷) میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: اور شعیب بن ابی حمزہ کی اُس روایت میں جو انہوں نے زہری سے، انہوں نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے، اُس میں اُس شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے ابن عمر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا: ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ [الآیۃ]، تو ابن عمر نے کہا: ''میں نے اپنی جان میں اس امت کے کسی معاملے میں اتنی شدت سے افسوس محسوس نہیں کیا جتنا اس بات پر کیا کہ میں نے اس باغی گروہ سے اس طرح قتال نہ کیا جیسا کہ اللہ نے حکم دیا تھا۔ اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں زہری سے ایک دوسرے طریق سے اس پر درج ذیل اضافہ کیا: حمزہ نے کہا: ہم نے ابن عمر سے پوچھا: آپ کس گروہ کو باغی سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ابن زبیر نے ان لوگوں پر- (یعنی بنو امیہ پر)- بغاوت کی، انہیں ان کے گھروں سے نکالا

اوران کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا۔]

نوٹ:

بیشک یہ خبر تاریخ دمشق کی ایک مخطوطہ اور مطبوعہ نسخے میں اپنے اصل مقام سے منتقل ہوگئی ہے، اور محقق نے اس پر تنبیہ بھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقام وہ صفحہ ہے جو خبر حرملہ بن یحییٰ سے پہلے اور [فَالْحَقِّ بِضَيْعَتِكَ] کے قول کے بعد واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لیے خبر حرملہ کو دیکھیے: [۱۷۲]۔ انتھی!

یعنی: ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کے پیروکاروں کو مکہ سے نکال دیا تھا اور یزید کی بیعت تسلیم نہیں کی تھی۔

اور یہ واقعہ پرانا ہے، یہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے (۶۰ ھ- ۶۴ ھ) کا ہے، اور اس پر دلیل ہے:

[۱۷۲] اور جو حرملہ بن یحییٰ [(۱)] نے اپنی روایت میں- جیسا کہ تاریخِ دمشق میں مذکور ہے- بیان کیا: ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ بن شُریح نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے بکر بن عمرو نے خبر دی کہ بُکیر بن الاشج نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی: ایک شخص عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمن! آپ ہر سال ایک بار حج کرتے ہیں اور دوسرے سال عمرہ، اور اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑے ہوئے ہیں، حالانکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں کتنا اجر مقرر کیا ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ کی ادائیگی اور بیت اللہ کا حج۔ اس شخص نے کہا: اے ابوعبدالرحمن! کیا آپ اللہ

تعالیٰ کی اس آیت کو نہیں سنتے ؟ ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ، فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (۲) (یعنی: اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے)۔تو پھر آپ اللہ کے حکم کے مطابق باغی گروہ سے قتال کیوں نہیں کرتے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! میرے لیے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے قتال نہ کرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس آیت پر عمل کرتے ہوئے قتال میں شریک ہوں، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ (۳) (یعنی: اور جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے)۔اس نے پھر کہا: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (۴) (یعنی: اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین مکمل طور پر اللہ ہی کے لیے ہو جائے)۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہم نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیا تھا جب اہلِ اسلام بہت تھوڑے تھے، اور اس وقت ایک شخص کو اس کے دین کے باعث فتنہ میں ڈالا جاتا، یا تو وہ اسے قتل کر دیتے یا غلام بنا لیتے، یہاں تک (۵) کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور فتنہ موقوف ہو گیا۔راوی کہتا ہے: جب اس شخص نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ تو اس کی بات سے متفق ہیں اور نہ اس مقصد سے جس کے لیے وہ آیا تھا(۶)، تو اس نے سوال کیا: علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

’’جہاں تک عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرما دیا، اور تم نے اسے ناپسند کیا کہ اللہ درگزر کرے۔ اور علی رضی اللہ عنہ، وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، محبوب، اہلِ بیت میں سے، اور آپ ﷺ کی بیٹی کے شوہر ہیں(۷)۔ راوی کہتا ہے: پھر وہ شخص خاموش ہو گیا‘‘(۸)۔

(۱) حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ بن عمران التجیبی، کنیت ابوحفص المصری، امام، فقیہ، محدث اور صدوق تھے۔ انہوں نے ابن وہب سے بہت کثرت سے روایت کی اور امام شافعی سے بھی روایت کی، ان کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ رہے اور ان سے فقہ حاصل کی۔ یحییٰ بن معین نے کہا: حرملہ ابنِ وہب کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے شخص تھے۔ ان کی وفات ۲۴۳ ہجری میں ہوئی۔ (مأخذ: سیر اعلام النبلاء ۱۱/۳۸۹)۔ ابن حجر نے انہیں صدوق قرار دیا ہے اور لکھا: (م س ق)، یعنی ان سے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ (ماخذ: التقریب، ترجمہ نمبر ۱۱۷۵)۔

(۲) [الحجرات:۹]۔

(۳) [النساء:۹۳]۔

(۴) [البقرۃ:۱۹۳]۔

(۵) مطبوعہ نسخے میں (فَلَمَّا) کا لفظ ہے، لیکن صحیح البخاری میں جو اصل روایت آئی ہے، وہاں اس لفظ کی جگہ کوئی اور یا کوئی تصحیح شدہ لفظ ہے۔

(۶) مطبوعہ نسخے میں ہے: [پھر جب اُس نے دیکھا کہ میں اس بات میں اس کی موافقت نہیں کرتا جو وہ چاہتا ہے۔۔۔] اور یہ عبارت صحیح البخاری سے ثابت ہے۔

(۷) بخاری کا لفظ یہ ہے: ’’اور علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، اور آپ کے داماد بھی ہیں۔‘‘ پھر (ابن عمرؓ نے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’یہ ان کا گھر ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔‘‘ جملہ ’’داماد ہیں‘‘ کا مطلب ہے: نبی کریم ﷺ کی بیٹی کے شوہر ہیں۔ اور ’’یہ ان کا گھر ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر نبی ﷺ کے گھروں کے درمیان واقع تھا۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے جسمانی قربت اور گھریلو قرابت کو واضح کرنا چاہتے تھے‘‘۔ یعنی وہ مقام و مرتبے کے لحاظ سے بھی قریب تھے اور مکان و رہائش کے اعتبار سے بھی)۔

(۸) تاریخ دمشق (۳۱/۱۹۲) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ عبداللہ بن وہب: یہ ابومحمد المصری الفقیہ ہیں، اور بَکر بن عمرو: یہ معافری المصری ہیں، اور بُکَیر: یہ ابن عبداللہ بن الاشجّ القرشی المدنی ہیں۔ یہ روایت ابن عساکر نے ’’حرملہ عن ابن وہب‘‘ کی نقل کردہ نسخہ سے روایت کی ہے۔ مراجعت کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۷۷۲)۔

التخریج:

یہ روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں دو مقامات پر ذکر فرمائی ہے: (۴۲۴۳) پر معلقاً بیان کیا: عن عثمان بن صالح السہمی، عن عبداللہ بن وہب المصری اور (۴۳۷۳) پر موصولاً بیان کیا: عن الحسن بن عبدالعزیز الجروی، عن عبداللہ بن یحییٰ المعافری

البر اُسی، اور یہ دونوں حَیْوَۃ کے واسطے سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ نیز، امام بخاری نے اس سے قبل ایک اور خبر ذکر فرمائی، پھر اس خبر کو بعد میں ذکر کیا۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے اگلا نمبر: [۱۷۳]۔

✔ حدیث سے استدلال کا پہلو سائل کے اس قول سے واضح ہوتا ہے: (فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُقَاتِلَ الْفِئَةَ الْبَاغِيَةَ كَمَا أَمَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ)، یعنی: تمہیں کیا چیز روکتی ہے کہ اللہ کی کتاب میں جس طرح حکم دیا گیا ہے، تم باغی گروہ سے قتال نہیں کرتے؟ سائل کی مراد فئۃ باغیہ سے خلیفہ یزید بن معاویہ کا لشکر تھا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑ رہا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی سائل نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی سوال کیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ خارجی تھا۔ ابن حجر نے کہا ہے: اس کا یہ قول: فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ؟، اس بات کی تائید کرتا ہے کہ سائل خوارج میں سے تھا(۱)۔ خوارج بنو اُمیہ کے ساتھ قتال نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے خلاف تھے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ خوارج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ میں حُصین بن نمیر السکونی کی قیادت میں یزید بن معاویہ کے بھیجے گئے لشکر سے جنگ کی۔ یہ جنگ ۶۴ ہجری میں پیش آئی اور دو ماہ سے زائد جاری رہی، یہاں تک کہ یزید کی وفات ہوگئی اور شامی لشکر مکہ (۲) سے واپس چلا گیا۔ پھر جب خوارج کو یہ علم ہوا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی خوبیاں بیان کرتے ہیں (۳)، تو وہ عبداللہ بن زبیر سے الگ ہوگئے۔

(۱) فتح الباری (۸/۳۱۰)۔
(۲) تاریخ الطبری (۳/۳۹۷)۔
(۳) تاریخ الطبری (۳/۳۹۷)

پس خوارج نے صرف ۶۴ ہجری میں خلافتِ یزید کے زمانے میں مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قتال کیا، اور یہی وہ وقت تھا جب ایک خارجی آیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قتال کرنے کی دعوت دی، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

پھر جب یزید کا انتقال ہوا - اور وہ بھی اسی سال ہوا یعنی ۶۴ ہجری - تو خوارج، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے ان کے ساتھ قتال نہیں کیا، بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے ان سے قتال کیا اور ۶۵ ہجری میں ان کے سردار نافع بن الازرق کو قتل کر دیا[۱]۔

---

(۱) تاریخ الطبری (۳/۴۲۵)

[۱۷۳] اور امام بخاری نے اس روایت سے پہلے یہ حدیث بیان کی ہے:

محمد بن بشار نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبیداللہ سے، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے دور کی فتنہ انگیزی کے وقت[۱] دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: لوگ (جہاد وقتال میں) شریک ہو رہے ہیں، اور آپ ابن عمر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، تو آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ (ان کے ساتھ) نہ نکلیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾[۲] (یعنی: اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے)؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب

دیا: ''ہم نے (پہلے ہی) قتال کیا یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہا، اور دین اللہ ہی کا ہو گیا تھا، اور تم لوگ اب چاہتے ہو کہ قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو جائے، اور دین اللہ کے سوا کسی اور کا ہو جائے!''

پھر امام بخاری نے فرمایا: [اور (اس روایت میں) عثمان بن صالح نے ابن وہب سے (اضافہ) نقل کیا۔۔۔] (۳) پس انہوں نے پچھلی روایت کو ہی ذکر کیا۔ (۴)

اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جانب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے، اور وہ زمانہ یزید بن معاویہ کی خلافت کا دور تھا۔

اور اسی پر محمول ہے وہ تحریر (رسالت) بھی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجی تھی، کیونکہ وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں، واقعۂ حرّہ کے بعد، سنہ ۶۳ ہجری میں لکھی گئی تھی،،،

(۱) ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۸/ ۱۸۴) میں فرمایا: اس کے قول (یعنی فتنۂ ابن زبیر) کے بارے میں، سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس سال پیش آیا جب حجّاج نے ابن زبیر کا محاصرہ کیا تھا، پس مراد فتنۂ ابن زبیر سے وہ فتنہ ہے جو اُن کے آخری زمانے میں پیش آیا، یعنی جب حجاج نے مکہ مکرمہ میں ابن زبیر سے قتال کے لیے نزول کیا، اور یہ ۷۳ ہجری کے اواخر کا واقعہ ہے۔ یہ ابن حجر کا قول ہے، اور خاص اس حدیث کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس کے بعد وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں ایک خارجی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، تو اگر دونوں واقعات مختلف زمانوں میں پیش آئے ہوں تو کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر دونوں ایک ہی وقت میں پیش آئے ہوں تو پھر اس قول (یعنی فتنۂ ابن زبیر سے مراد حجاج کا محاصرہ) کی کوئی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ مراد خلافتِ یزید کا زمانہ ہو جیسا کہ میں اس کی وجہ ابھی کچھ دیر پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

(۲) [الانفال: ۳۹]۔

(۳) صحیح البخاری (۴۲۴۳)

(۴) رقم [۱۷۲]

[۱۷۴] اسے یعقوب بن سفیان نے المعرفہ والتاریخ میں روایت کیا ہے- جیسا

کہ تاریخ دمشق میں منقول ہے- : انہوں نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث سنائی، انہوں نے اشُرَس بن صُہَیب (جو سعید بن عاص کے غلام تھے) سے روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے سالم بن عبداللہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں فرمایا: ”بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے کے مسلط کر دیے گئے ہو[1]، لہٰذا وہ چیز چھوڑ دو جس میں تم پڑے ہوئے ہو، کیونکہ تم درحقیقت کسی چیز (یعنی حق خلافت) میں نہیں ہو[2]۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول: بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے کے مسلط کیے گئے ہو- کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ شوریٰ اور تمام اسلامی شہروں کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، سوائے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے، جنہوں نے مکہ میں بیعت نہیں کی، کیونکہ مکہ ان کے زیرِ اثر تھا۔ اور یہ خط (جو ابن عمر نے ابن زبیر کو لکھا) اس بات کی دلیل ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حرّہ کے بعد، سنہ ۶۳ ہجری میں، خلافتِ یزید کے دور میں، اپنے لیے بیعت لینا شروع کی تھی۔

---

(۱) بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے کے مسلط ہو گئے ہو۔

(۲) تاریخ دمشق (۱۹۱/۳۱) میں یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ابونعیم سے مراد فضل بن دکین ہیں، جبکہ سالم بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے صاحبزادے ہیں۔ روایت میں مذکور اُشرس بن صہیب کے بارے میں محدثین کے اقوال موجود ہیں: امام ابوحاتم رازی نے فرمایا کہ یہ اُشرس بن عبید بن صہیب ہیں، کوفی اور معتبر شیخ ہیں۔ امام یحییٰ بن معین سے دو طرح کی روایت منقول ہے؛ ایک میں انہوں نے انہیں ثقہ کہا ہے اور دوسری روایت میں صالح یعنی معتبر قرار دیا ہے۔ ابن قُطلوبغا نے نقل کیا ہے کہ امام عجلی نے ان کو ثقہ، عبادت گزار کہا ہے، اور امام یعقوب بن سفیان نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا۔ اسی طرح ابن حبان اور ابن شاہین نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تذکرہ متعدد کتبِ رجال میں موجود ہے، جن میں التاریخ الکبیر (جس میں لکھا ہے کہ ان کی حدیث بصریوں میں شمار ہوتی ہے اور اس پر سکوت کیا گیا)، الجرح والتعدیل، الثقات، المعرفہ والتاریخ، تاریخ الدوري، **الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة**، اور **التذييل**

علی کتب الجرح والتعدیل شامل ہیں۔ علاوہ ازیں، موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ (ان تمام حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرس بن صہیب ثقہ اور قابلِ اعتماد راوی تھے، اور ان کی روایت معتبر ہے)۔
التخریج (مراجع):
یہ خبر مختصر تاریخ دمشق از ابن منظور (۱۷۹/۱۳) میں موجود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف (۳۴۵/۵)۔

تیسرا موقف:

یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا آخری مؤقف تھا - کہ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک شرعی خلیفہ سمجھتے تھے، اور مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کو ان پر چڑھائی کرنے والا (یعنی باغی) قرار دیتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے دیکھا کہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد امت کا اتفاق ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر ہو گیا ہے، اور بنو امیہ خلافت پر ان سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس مؤقف پر دلالت کرنے والی بات درج ذیل ہے:

اس پر دلالت کرنے والی بات یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: (''۔۔۔ اور میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہیں کیا جو ہم پر نازل ہوا تھا۔'' (ان کا اشارہ حجاج کی طرف تھا[1])۔ ایک اور روایت میں ہے: (جب حجاج (مدینہ سے) نکلا تو ابن عمر نے فرمایا: دنیا سے مجھے اگر کسی چیز کا افسوس ہے تو تین باتوں کا ہے: دوپہر کی شدت میں پیاسا رہنے کا (یعنی روزوں کا شوق)، رات کی مشقت (یعنی قیام اللیل)، اور یہ کہ میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہیں کیا جو ہم پر مسلط ہوا۔[2]) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے، کیونکہ عبدالملک ہی وہ شخص تھا جس نے حجاج بن یوسف کو بھیجا تھا۔ اور چونکہ حجاج کی مدینہ پر یلغار ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری دور (۷۳ ہجری) میں ہوئی، تو یہ قول ابن عمر رضی

اللہ عنہ کا آخری مؤقف شمار ہوتا ہے، اور انہوں نے یہ بات اپنے وقتِ نزع (یعنی وفات کے وقت) کہی تھی، جو سنہ ۷۳ ہجری میں پیش آئی۔

جیسا کہ گزرا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک بن مروان اور اس کے لشکر کے بارے میں فرمایا تھا: (میں ان کے لیے کوئی تعریف نہیں رکھتا) (یعنی: **ما أنا لهم بحامد**)۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے (۳)۔

اور جب امیر المؤمنین ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو امت کا اجماع عبد الملک بن مروان پر ہو گیا؛ چنانچہ خلافت اُس کی طرف منتقل ہو گئی، اور اس اجتماعِ امت کے بعد ہی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کی۔

---

(۱) دیکھو، رقم: [۱۶۱]۔
(۲) دیکھو، رقم [۱۶۰]۔
(۳) دیکھو صفحہ (۲۶۱)

عبداللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ایک خط لکھا، جس میں انہوں نے فرمایا: (عبداللہ بن عبدالملک، امیر المؤمنین کی خدمت میں! میں سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں - اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق، جہاں تک میری استطاعت ہو۔ اور میرے بیٹوں نے بھی اسی بات کا اقرار کیا ہے۔ (۱)) اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کی بیعت امت کے اجماع کے بعد کی، اور اسے خلیفۂ شرعی مانا۔

ابن دینار کے قول (لَمَّا بَايَعَ النَّاسُ عَبْدَ الْمَلِكِ) (جب لوگوں نے عبدالملک

کی بیعت کی) کا مطلب یہ ہے کہ جب تمام اسلامی شہروں (امصار) کا اتفاق عبدالملک پر ہو گیا۔اس کی تائید اسی خبر کے ایک دوسرے لفظ سے بھی ہوتی ہے، ،،(جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مراد امت کا اجتماع ہے، نہ کہ صرف چند افراد کی بیعت)

عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: (میں اُس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا جب لوگ عبدالملک پر مجتمع ہو گئے (یعنی امت کا اجماع ہو گیا)، تو انہوں نے فرمایا: میں نے (عبدالملک کو) خط لکھا۔۔۔) پھر انہوں نے (پچھلی بات) ذکر کی [(۲)]۔

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی تھی-مگر امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد، کیونکہ اسلامی شہروں (امصار) نے بھی عبدالملک پر اجتماع اسی وقت کیا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے۔

---

(۱) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۷۷۰۹ پر موجود ہے،اور یہ اسی سند کے ساتھ آگے حدیث نمبر [۶۲۱] کے تحت بھی آئے گی۔

(۲) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۷۷۷۶ پر موجود ہے،اور یہی روایت اپنی مکمل سند اور تمام تفصیل کے ساتھ آگے حدیث نمبر [۶۲۲] میں بھی آئے گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے: کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے۔مگر جب یزید کی وفات کے بعد امت کا اجماع ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر ہوا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی قرار دیا۔تاہم اس کے باوجود وہ ان کے درمیان جاری قتال (خانہ جنگی) سے راضی نہیں تھے۔

● ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے قتال کے بارے میں سائلین کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جوابات:

کئی سائلین (فتویٰ طلب کرنے والے) ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت جاری قتال کے بارے میں سوال کیا۔ یہ سائلین دو مختلف مواقع پر آئے، یعنی ان کی آمد دو مرحلوں میں ہوئی:

پہلا مرحلہ: اس میں بعض لوگ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں، واقعۂ حرّہ کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے قتال کے بارے میں فتویٰ طلب کیا۔ اس واقعے کی تفصیل گزر چکی ہے (۱)۔

دوسرا مرحلہ: اس میں ایک شخص اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی، اور مروان بن حکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان ان سے قتال کر رہے تھے (جیسا کہ ابن حجر نے اس کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے)،،،

---

(۱) دوسرے مرحلے کا یہ واقعہ ان روایات [۱۷۱]، [۱۷۲] اور [۱۷۳] میں مذکور ہے

[۱۷۵] امام بخاری نے روایت بیان کی ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں: ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو ہم نے امید کی کہ وہ ہمیں کوئی اچھی حدیث سنائیں گے۔ اتنے میں ایک شخص نے جلدی کرتے ہوئے ان سے سوال کرلیا(۱): اے ابو عبدالرحمن! ہمیں فتنے کے بارے میں بتائیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ (۲)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ پر روئے! فتنہ یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں سے قتال

نہیں کرتے تھے، اوران کے دین میں داخل ہونا (یعنی دینِ اسلام سے پھر کر شرک کی طرف جانا) ہی فتنہ تھا۔ یہ فتنہ اس قتال کی طرح نہیں جو تم بادشاہت [3] کے لیے کر رہے ہو [4]۔

(۱) بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ اس شخص کا نام حکیم تھا۔
(۲) [الانفال:۳۹]۔
(۳) ابن حجر فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ قتال ہے جو مروان، پھر اس کے بیٹے عبدالملک اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا، اور اسی جیسے دیگر واقعات مراد ہیں۔ (فتح الباری ۱۳/۴۷)۔
(۴) یہ روایت صحیح بخاری (حدیث نمبر: ۶۶۸۲) میں کتاب الفتن، باب: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: فتنہ مشرق کی طرف سے آئے گا کے تحت مذکور ہے۔ اس روایت میں مذکور راوی: خالد: وہ خالد بن عبداللہ واسطی ہیں۔ بیان: وہ بیان بن بشر احمسی ہیں۔
التخریج:
اس روایت کو بخاری نے (حدیث نمبر ۴۷۳۴) اور بیہقی نے السنن الکبری (حدیث نمبر ۱۶۸۰۷) میں روایت کیا ہے، احمد بن عبداللہ بن یونس، نے زہیر بن معاویہ الجعفی سے، اور انہوں نے بیان سے - اسی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔ مزید دیکھیں: فتح الباری (۱۳/۴۷)۔

میں نے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ ابن حجر کا رجحان اس طرف ہے کہ اس شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال اس وقت کیا تھا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی اور وہ مروان اور عبدالملک سے برسرِ جنگ تھے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں پیش آیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس حدیث [1] کو (کتاب الفتن کے اس باب میں بیان کیا: باب: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ فتنہ مشرق کی طرف سے آئے گا'')، اور اس حدیث سے پہلے وہ تین احادیث لا چکے تھے جو سب کی سب اس فتنے کے بارے میں تھیں جو نجد یعنی مشرق کی جانب سے نکلے گا، اور جس کے ساتھ شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث (کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ پر روئے!) کو اس باب میں روایت کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ وہ یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والا شخص دراصل عراق کا ایک خارجی تھا، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ کے خلاف لڑنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت پر آمادہ کرنے آیا تھا[۲]۔ یعنی امام بخاری کا مقصد یہ بتانا تھا کہ مشرق سے مراد وہی نجدِ عراق ہے جہاں خوارج کا فتنہ ظاہر ہوا، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے مشرق میں واقع فتنے کی تفسیر خوارج کے فتنے سے کی ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: (تو ہم سے ایک شخص جلدی سے آگے بڑھا اور کہنے لگا: اے ابو عبد الرحمن!) یہ بخاری کا لفظ ہے، جو پہلے گزر چکا ہے۔ جبکہ امام احمد کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: (ہم سے ایک شخص آگے بڑھا، جس کا نام حکم تھا، اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! آپ فتنے کے وقت قتال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟[۳]) اور یہ بات معلوم ہے کہ سعید بن جبیر خود کوفی اور اہلِ عراق میں سے تھے، لہٰذا جب انہوں نے اس شخص کو ''مِنّا'' (ہم میں سے) کہا، تو اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ شخص بھی اہلِ عراق میں سے تھا۔

---

(۱) یعنی وہی واقعہ جو تھوڑا پہلے حدیث نمبر [۱۷۵] کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲) اس سے پہلے صفحہ (۲۶۷) پر یہ بات گزر چکی ہے کہ خوارج نے سنہ ۶۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر یزید بن معاویہ کے خلاف قتال کیا تھا۔

(۳) یہ روایت مسند احمد (حدیث نمبر ۵۳۸۱) میں موجود ہے، اور اسے شیخ شعیب الارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور حمزہ بن عبد اللہ بن عمر کا وہ قول پہلے گزر چکا ہے، جس میں انہوں نے کہا: جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ بیٹھے تھے، تو ایک شخص اہلِ عراق میں سے ان

کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمن!۔۔۔)(۱) پھر روایت اسی مفہوم کے ساتھ مذکور ہے۔ چاہے ہم ان دونوں روایات کو ایک ہی واقعہ پر محمول کریں یا دو الگ الگ واقعات پر، بہرحال سوال کرنے والے دونوں افراد اہلِ عراق میں سے تھے اور اسی ذہنیت کے حامل تھے - یعنی خوارج، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قتال پر آمادہ کرنے کے لیے آئے تھے۔

اور نافع کا وہ قول بھی گزر چکا ہے جو انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمن!) پھر خبر اسی مفہوم کے ساتھ ذکر کی۔ نافع کہتے ہیں: جب اس شخص نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سے متفق نہیں ہو رہے، تو اس نے رخ بدل کر کہا: (پھر آپ علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ رہا معاملہ عثمان کا، تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا، اور تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ ان کو معاف کرے۔ اور رہا معاملہ علی کا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے'' - یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا - اور یہ ان کی بیٹی ہے، یا فرمایا: یہ بیٹی ہے، دیکھ لو، جہاں بیٹھی ہے)(۲)۔

---

(۱) دیکھو: [۱۷۱]۔

(۲) اس روایت کو امام بخاری نے حدیث نمبر (۴۶۵۰) میں بیان کیا ہے، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ [الانفال:۳۹] کے تحت۔ اور یہ روایت اس سے پہلے حدیث نمبر [۱۷۲] کے تحت بھی گزر چکی ہے، جو حرملہ بن یحییٰ کی روایت (کے نسخے) سے تھی۔

ابن حجر نے فرمایا: (اور رہا یہ قول: تو علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو یہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ سوال کرنے والا خوارج میں سے تھا)(۱)۔

اس باب کی خبر(۲) کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک اور مرتبہ بھی ذکر کیا ہے، مگر کسی اور کتاب اور باب کے تحت۔ اس مقام پر نافع کی وہ روایت بھی موجود ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: تو علی اور عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے گویا امام بخاری اس اشارے کی طرف مائل ہیں کہ یہ سوال کرنے والے لوگ خوارج میں سے تھے۔

(۱) فتح الباری (۸/۳۱۰)۔ (۲) یہی روایت اس سے پہلے حدیث نمبر [۱۷۵] کے تحت گزر چکی ہے۔

اور امام بخاری کا جو موقف ہے، وہی درست ہے۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام وہ لوگ جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس فتویٰ لینے آئے، وہ یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت میں آئے تھے، اور - جہاں تک مجھے علم ہے - مروان اور عبدالملک کے زمانے میں ان میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا۔

- ان لوگوں کے بارے میں ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کا موقف واضح تھا جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ صرف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے، بلکہ وہ ان کی تعریف بھی کیا کرتے تھے، ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے تھے، اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے تھے، اُن کا رد بھی کیا کرتے تھے۔

[۱۷۶] امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ سعد بن عبیدہ کہتے ہیں: ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے ان کے نیک اعمال کا تذکرہ کیا۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا(۱): ''شاید یہ بات تجھے ناگوار گزری؟'' اس نے کہا: ہاں! تو

آپ نے فرمایا: ''اللہ تیری ناک خاک آلود کرے!''(۲) پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے ان کے نیک اعمال بیان کیے اور فرمایا: ''وہ وہی ہیں جن کا گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سب سے درمیان میں تھا۔''(۳) پھر فرمایا: ''شاید یہ بات بھی تجھے بری لگ رہی ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تیری ناک خاک میں رگڑے! جاؤ، جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے کر لو۔''(۴) (۵)

---

(۱) یہ کلمات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ سائل کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن کا تذکرہ پسند نہیں آیا۔

(۲) یعنی: اللہ تجھے برائی میں مبتلا کرے! اس جملے کا اشتقاق اس معنی سے ہے کہ کوئی شخص زمین پر گرے، یہاں تک کہ اس کا چہرہ مٹی میں لگ جائے، اور ''رغام'' سے مراد وہ گرد وغبار ہے جو زمین پر ہوتا ہے۔

(۳) یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سب سے درمیان میں تھا یا مراد یہ ہے کہ سب سے بہتر تھا، اور اس سے ان کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کی طرف تھا۔

(۴) یعنی: میرے بارے میں جو کچھ تم کر سکتے ہو، کر ڈالو! کیونکہ میں نے جو بات تم سے کہی ہے وہی حق ہے، اور جو حق کہتا ہے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے بارے میں باطل طریقے سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اور عطا کی روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: [تو اس شخص نے کہا: میں (علی رضی اللہ عنہ) سے بغض رکھتا ہوں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ سے بغض رکھے!]

(۵) صحیح بخاری (حدیث نمبر ۳۵۰۱) میں مذکور محمد بن رافع دراصل ابو عبداللہ القشیری نیشاپوری ہیں، جن کا پورا نام محمد بن رافع بن ابی زید ہے۔ اور حسین سے مراد حسین بن علی بن ولید جعفی ہیں۔ جبکہ زائدہ سے مراد زائدہ بن قدامہ ثقفی ہیں، اور ابو حصین سے مراد عثمان بن عاصم بن حصین اسدی ہیں۔

[۱۷۷] اور اس روایت کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن یعقوب بن اسماعیل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے ابنِ موسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عطا سے، اور عطا نے سعد بن عبیدہ سے روایت کیا: ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''علی کے بارے

میں سوال نہ کرو، بلکہ ان کے اس گھر کو دیکھو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سے ایک ہے!'' اس پر اس شخص نے کہا: میں تو ان سے بغض رکھتا ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''اللہ تجھ سے بغض رکھے!''(۱)

(۱) السنن الکبریٰ (8438) میں مذکور اس روایت کی سند عطاء بن سائب کی وجہ سے حسن ہے، کیونکہ وہ صدوق ہیں، اگرچہ زندگی کے آخری حصے میں ان کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا، تاہم اس روایت میں ان کی متابعت موجود ہے۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور ابن موسیٰ سے مراد محمد بن موسیٰ بن اعین حرانی ہیں۔

[۱۷۸] اور اس روایت کو وکیع بن الجراح نے اپنی کتاب فضائل الصحابہ میں نقل کیا ہے، جیسا کہ تاریخِ دمشق میں مذکور ہے۔ انہوں نے بیان کیا: مجھ سے میرے والد (۱) نے بیان کیا، وہ عبد الاعلیٰ بن عامر ثعلبی (۲) سے، اور وہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ علی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں تو ان سے بغض رکھتا ہوں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اللہ تجھ سے بغض رکھے، کیونکہ میں بھی تجھ سے بغض رکھتا ہوں (۳)!''

(۱) جراح بن ملیح بن عدی رؤاسی، کنیت ابو وکیع کوفی ہے۔ ان کی توثیق ابو داود اور یعقوب بن سفیان نے کی ہے، اور نسائی نے فرمایا: ان میں کوئی حرج نہیں۔ بخاری نے کہا: صدوق تھے۔ اور امام ذہبی نے کہا: [وہ صدوق تھے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان پر کچھ نرمی سے کلام بھی کیا ہے۔] ذہبی مزید فرماتے ہیں: جنہوں نے ان پر کچھ کلام کیا ہے، وہ بھی اس حالت میں کہ وہ پہلے ہی موثق شمار ہوتے ہیں۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۶۲)۔

ابن سعد اور دارقطنی نے اُنہیں (ابو وکیع کوفی کو) ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے المجروحین میں لکھا ہے: وہ اسناد کو بدل دیا کرتے تھے اور مرسل احادیث کو مرفوع بنا دیتے تھے۔ ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جائے گی، مگر اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ اور ابن معین کا قول ان کے بارے میں مختلف منقول ہوا ہے۔

ابن عدی نے ان کی احادیث کا جائزہ لیا، پھر کہا: [ان کی بعض احادیث صالح (قابل قبول) ہیں، ان کی روایات درست اور سیدھی ہیں، ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں، وہ صدوق ہیں، اور میں نے ان کی کسی روایت میں ایسا منکر (قابل انکار) پہلو نہیں پایا کہ جسے ذکر کیا جائے۔ ان سے عام طور پر ان کا بیٹا وکیع روایت کرتا ہے، لیکن ان سے صرف وکیع ہی نہیں بلکہ دیگر ثقہ محدثین نے بھی روایت کی ہے۔] اور تحریر التقریب (۱/۲۱۱) میں ہے: [یہ شیخ مختلف فیہ ہیں، اس لیے ابن حجر نے ان کے بارے میں وہی انداز اختیار کیا جو وہ مختلف فیہ رواۃ کے بارے میں اختیار کرتے ہیں، یعنی کہا: صدوق، وہم کرتے تھے۔ اور ہمارے نزدیک وہ حسن الحدیث ہیں۔ پس ان

کے بارے میں ہمارا موقف وہی ہے جو بخاری، ابن عدی اور نسائی کا ہے۔]

(۲) یہ راوی کوفی ہے۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: صدوق ہے، لیکن وہم (غلطی) کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے فرمایا: وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو غلطی کرتے ہیں اور روایتوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں، اور یہ بات اس کی تھوڑی سی روایت میں بکثرت واقع ہوئی ہے، لہٰذا جب وہ کسی روایت میں منفرد ہو تو مجھے اس سے استدلال کرنا پسند نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے پہلے والی روایت میں اسے عطاء بن السائب نے متابعت بھی دی ہے۔ اور ابن عدی نے کہا: [اس سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے، اور یہ سعید بن جبیر، ابن الحنفیہ اور ابو عبدالرحمن سُلمی سے ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن پر اسے متابعت نہیں ملتی]۔ میں کہتا ہوں: یہ روایات ان میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہیں۔ (حوالہ جات: المجروحین ۲/۱۵۵، الکامل في الضعفاء ۵/۳۱۶، التقریب رقم ۴۷۳۱)

(۳) تاریخ دمشق (۴۲/۴۱۴) میں مذکور یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے حسن لغیرہ ہے، سوائے اس جملے "فَإِنِّي أَبْغَضُكَ" (یعنی: میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں) کے، کیونکہ یہ الفاظ عبدالاعلی بن عامر کی منفرد روایت ہیں۔ تاہم باقی روایت کو عطاء نے پچھلی حدیث میں روایت کر کے اس کی متابعت کر دی ہے۔ رہی بات کتاب فضائل الصحابہ کی، تو وہ ہم تک مکمل طور پر نہیں پہنچی۔ اس بارے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳/۱۸۳۹)۔

- **حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی اپنی صف میں شامل کرنے اور انہیں ساتھ ملانے کی کوششوں کے بارے میں ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کا موقف بھی واضح اور قابلِ غور ہے۔**

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اسلام، فقہ اور علم میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا، وہ خلیفہ کے بیٹے تھے اور عوام میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں نے انہیں اپنی اپنی صف میں شامل کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ان کے سامنے دنیاوی مفادات بھی پیش کیے۔ جن کے وہ واقعی اہل تھے۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور فتنے سے کنارہ کشی کو اختیار کیا۔ نیز حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اس بات سے محتاط تھے کہ کہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما دوسرے کے لشکر میں شامل نہ ہو جائیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے انہیں ساتھ ملانے کی کوشش بھی ہوئی۔

- **حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ ملانے کی**

کوشش:

[۱۷۹] امام ابوالطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ ذہلی (۱) نے اپنی فوائد میں- جیسا کہ تاریخِ دمشق میں منقول ہے- روایت نقل کی ہے: ہم سے محمد بن عبدوس (۲) نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن ابی عمر العدنی (۳) سے، انہوں نے سفیان سے، وہ عمر بن نافع سے، اور وہ اپنے والد نافع سے، اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا، تو میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! تم شام کے لوگوں میں ایک مطاع (بات مانی جانے والی شخصیت) ہو، پس تم ان کی طرف چلو، میں نے تمہیں ان پر امیر مقرر کیا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قرابت وصحبت کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس ذمے داری سے معاف فرما دیجیے۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ پھر میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ان کے خلاف سفارش کروائی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے۔ پس میں رات کو مکہ کی طرف نکل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ میں شام کی طرف روانہ ہو گیا ہوں، تو انہوں نے میرے پیچھے آدمی بھیجے۔ تو آدمی (علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجا گیا) مِربد تک آتا (۴)، اور اپنی عمامہ سے اونٹ کو روکتا کہ شاید مجھے جا لے (۵)، تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے پیغام بھجوایا: وہ شام کی طرف نہیں گیا، بلکہ مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے۔ تب (علی رضی اللہ عنہ) [مطمئن ہو گئے (۶)]۔

---

(۱) وہ امام، عالم، مسند، اور محدث تھے، نیز قاضی القضاۃ (اعلیٰ درجے کے قاضی) بھی تھے۔ حدیث میں ثقہ شمار ہوتے تھے۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۶/۲۰۴)۔ ان کی توثیق خطیب بغدادی، ابن ماکولا اور دیگر ائمہ نے بھی کی ہے۔ ان کی تفصیلی سوانح اور اس کے مصادر کے لیے ملاحظہ کیجیے: الدليل المغنى لشيوخ الدار قطني، صفحہ ۳۷۷۔

(۲) امام، حجت، حافظِ حدیث، محمد بن عبدوس بن کامل سراج، کنیت ابواحمد سلمی بغدادی، جوعبداللہ بن احمد بن حنبل کے قریبی دوست تھے۔ابوالحسین بن المنادی نے کہا: وہ حفظ اور حدیث کی معرفت میں شمار کے افراد میں سے تھے۔ان کی یادداشت اور معرفت کی عمدگی کی وجہ سے لوگوں نے ان سے کثرت سے روایت لی۔وہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کے لیے گویا بھائی کی طرح تھے۔(مراجع: سیر اعلام النبلاء ۱۳/۵۳۱، تاریخ بغداد ۳/۱۸۶، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة ۸/۴۴۸)

(۳) امام، محدث، حافظِ حدیث، اور شیخ الحرم، ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی تھے- جیسا کہ امام ذہبی نے ان کا تعارف کرایا ہے۔ان کی توثیق ابن معین اور دارقطنی نے کی ہے۔ابوحاتم رازی نے فرمایا: وہ نیک شخص تھے،لیکن ان میں کچھ غفلت بھی تھی، میں نے ان کے پاس ایک موضوع حدیث دیکھی جسے انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کیا، اگرچہ وہ صدوق ہیں۔
امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ مکہ میں کس سے حدیث لکھی جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: مکہ میں تو ابن ابی عمر (ہی) ہیں۔ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔مغلطائی نے نقل کیا کہ مسلمہ بن قاسم نے الصلہ میں کہا: [ان میں کوئی حرج نہیں،] اور صاحب الزہرہ نے ذکر کیا کہ: مسلم نے ان سے دوسو سولہ احادیث روایت کیں۔سمعانی نے کہا: وہ ثقہ تھے۔ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا: صدوق تھے۔(مراجع: تاریخ ابن معین ۳/۶۰، رقم ۲۶۸ روایت الدوری، الجرح والتعدیل ۸/۱۲۴، الثقات ۹/۹۸، سؤالات البرقانی للدارقطنی ص ۴۸، تہذیب الکمال رقم ۶۳۹۲۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۹۶، اکمال تہذیب الکمال ۱۰/۳۹۰، تقریب التہذیب ۶۳۹۱)۔

(۴) المِربد: میم کے زیر اور باء کے زبر کے ساتھ، اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں اونٹ اور بکریاں وغیرہ باندھی یا روکی جاتی ہیں۔یہ رَبَدَ بالمکان سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: کسی جگہ ٹھہرنا یا قیام کرنا، اور رَبَدَہُ کا مطلب ہے: اسے روک دینا یا باندھ دینا۔(ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۱۸۲، مادہ: ربد)

(۵) یعنی: وہ آدمی شدتِ استعجال (جلدی) کے باعث اس قدر بے تاب ہوتا کہ اسے اونٹ کو سفر کے لیے تیار کرنے کا بھی وقت نہ ملتا، کہ باقاعدہ اس پر لگام (رَسّی) ڈالے، بلکہ وہ اپنی عمامہ ہی اونٹ کے سر پر ڈال دیتا تاکہ اسے لگام کی جگہ استعمال کرے۔تاکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں جالے۔اور الخِطام اس رسی کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اونٹ کو ہانکا جاتا ہے۔

(۶) یہ روایت تاریخ دمشق (۳۱/۱۸۱) میں موجود ہے، اور جن جملوں پر معقوفین [ ] لگے ہیں وہ سیر اعلام النبلاء کی زیادت ہیں۔اس کی سند جید ہے۔اگرچہ محمد بن ابی عمر العدنی سے امام مسلم نے بھی روایت لی ہے، لیکن محدثین کی بعض کلام کی وجہ سے ان کی روایت صحیح کے درجہ سے کچھ کم ہو جاتی ہے۔البتہ باقی تمام راوی ثقہ اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راوی ہیں۔سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں، اور نافع وہی مشہور تابعی ہیں، جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۱۰۷۶)۔

التخریج:

اس روایت کو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۴) میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔اور اس سے متصل اگلی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۸۰] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں ابن عُلیہ نے حدیث سنائی، وہ ایوب سے روایت کرتے ہیں، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو وہ میرے پاس

آئے اور فرمایا: ''تم اہلِ شام میں محبوب ہو، اور میں نے تمہیں ان پر عامل مقرر کیا ہے، پس ان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے قرابت داری (۱) اور سسرالی تعلق کا ذکر کیا (۲)، اور کہا: اما بعد، تو اللہ کی قسم! میں تم سے بیعت نہیں کروں گا (۳)۔ وہ کہتے ہیں: تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور باہر چلے گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ اُم کلثوم (۴) کے پاس آئے، اُن کو سلام کہا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ کے پاس اطلاع پہنچی، تو اُن سے کہا گیا: ابن عمر شام کی طرف روانہ ہو گئے ہیں، لوگوں کو نفیر عام دے دیجیے۔ (راوی) کہتا ہے: تو بعض آدمی اتنی جلدی کرتے کہ اپنی چادر اونٹ کی گردن پر ڈال دیتے۔ پھر اُم کلثوم کے پاس بھی اطلاع پہنچی، تو انہوں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) کو پیغام بھجوایا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ وہ شخص تو میرے پاس آیا، مجھے سلام کہا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا! پس لوگ رک گئے (۵)۔

---

(۱) جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا تعلق ہے، جیسا کہ پچھلی روایت میں وضاحت آئی ہے، تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن عمر بن خطاب – دونوں قریش کے چچیرے بھائی تھے، اور نسب میں ان کا سلسلہ اُن کے جد کعب بن لؤی پر آ کر ملتا ہے۔

(۲) انہوں نے سُسرالی تعلق کا ذکر اس لیے کیا، کیونکہ اُم کلثوم بنت علی بن ابی طالب، اُن کے والد عمر بن خطاب کی زوجہ تھیں۔

(۳) یعنی: میں تم سے شام کی ولایت قبول کرنے پر عہد نہیں کرتا۔ اور بیعت کا مطلب ہے اطاعت اور عہد۔ یہاں بیعت سے مراد خلافت پر بیعت نہیں ہے، کیونکہ سیاق اس پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو ہم نے بیان کیا، اور یہ بات محال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کسی ایسے شخص کو شام پر عامل مقرر کریں جو ان کی بیعت نہ کرے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ خبر اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان ابتدائی لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔

(۴) اُم کلثوم بنت علی بن ابی طالب ہاشمیہ، جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں، ان سے عمر بن خطاب نے نکاح کیا، اور وہ اُن کے نکاح میں شہادت تک رہیں۔ اُن کے بطن سے زید اور رُقیہ پیدا ہوئے۔ اُم کلثوم اور اُن کے بیٹے زید دونوں ایک ہی دن وفات پا گئے، جو خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کا زمانہ تھا، اور امیرِ مدینہ سعید بن عاص بن اُمیہ، ابن عمر، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم نے اُن دونوں پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ (مراجع: الطبقات الکبری ۸ / ۴۶۳، سیر اعلام النبلاء ۳ / ۵۰۰)

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ میں (۳۱۳۱۴) اور (۳۸۴۸۰) پر یہی روایت سند اور متن کے اعتبار سے موجود ہے۔اس کی سند شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ابن علیہ کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی ہے، اور ایوب سے مراد ایوب سختیانی ہیں۔پچھلی روایت بھی ملاحظہ ہو۔

دونوں روایتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حفصہ اور اُم کلثوم - دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا تھا۔

اور یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانۂ فتنہ میں افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیل جاتی تھیں، چنانچہ وہ خبر جو علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ ''ابن عمر رضی اللہ عنہما شام جارہے ہیں اور معاویہ کے ساتھ جاملے ہیں''- قریب تھا کہ وہ ایک نئی فتنہ انگیزی کا سبب بن جائے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: (اللہ ابن عمر اور ان کے والد سے راضی ہو، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کون ہوسکتا ہے دین، تقویٰ، علم، عبادت اور خشیتِ الٰہی میں؟[۱]! ایک ایسا شخص جس کے سامنے خلافت پیش کی جائے تو وہ اسے ردّ کردے، خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شخص کی طرف سے قضا (قاضی بننے) کی پیشکش ہو تو وہ واپس کردے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت ہو تو وہ اس سے بھاگ جائے! پس اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے، اور جسے توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع نصیب ہو، اسے ہدایت دے دیتا ہے[۲])

(۱) التَّأَلُّهُ: کا مطلب ہے: عبادت اور بندگی اختیار کرنا۔(ماخذ: تاج العروس ۳۶/ ۳۲۴، مادہ: ''أله'')۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۳۵)۔

● حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ ملانے کی کوشش:

[۱۸۱] ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، انہوں

نے کہا: ہمیں ابوالملیح نے میمون سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور [۱] پر بھیجا تا کہ وہ یہ جان سکیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں کیا ہے کیا وہ قتال کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ نکلیں اور ہم آپ سے بیعت کریں؟ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور امیر المؤمنین (عمر رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہیں، اور آپ اس امر (خلافت) کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں!۔[ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا تمام لوگ اس پر متفق ہو چکے ہیں جو تم کہہ رہے ہو؟۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، سوائے چند افراد کے]۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر ہَجَر [۲] میں صرف تین اجنبی آدمی [۳] بھی باقی رہ جائیں تو بھی مجھے اس (خلافت) میں کوئی دلچسپی نہیں! اس پر عمرو رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ قتال کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ اُس شخص کے لیے بیعت کریں جس پر قریب ہے کہ سب لوگ متفق ہو جائیں [۴]، اور آپ کے لیے زمینوں اور مالوں میں سے اتنا لکھ دیا جائے کہ نہ آپ کو اور نہ آپ کی اولاد کو آئندہ کسی چیز کی حاجت رہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ”تف ہے تم پر! میرے پاس سے نکل جاؤ، اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ افسوس! میرا دین تمہارے دینار و درہم کا محتاج نہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ میرے ہاتھ سفید اور پاک ہوں [۵]۔“

(۱) الدَّس کا مطلب ہے: چھپانا، اور الدَّسِیس اُس شخص کو کہتے ہیں جسے کسی کے پیچھے خفیہ طور پر بھیجا جائے تا کہ وہ خبریں لا کر دے۔ (لسان العرب ۶/۸۲، مادہ: دس)
اور مفہوم یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بھیجا تا کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خبر لا کر دیں۔

(۲) هَجَر: یہ ''الهفوف'' نامی شہر ہے، جو احساء میں واقع ہے، اور موجودہ سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں ہے۔ (ماخذ: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية از عاتق البلادی، ص ۴۰، نیز دیکھیں: معجم البلدان ۵/۳۹۳)
اور ہَجَر کو مثال کے طور پر مسافت کی دُوری اور معاملے کی پیچیدگی کے لیے بیان کیا جاتا تھا، اور یہ جگہ کثرتِ نَخل (کھجوروں کی زیادتی) کے سبب بھی مثالی مشہور تھی۔

(۳) أعْلاج، اس کا مفرد عِلْج ہے، اور اس سے مراد غیر عرب کا فرمرد ہے۔ اسے عُلُوج اور عِلَجة کے صیغوں میں بھی جمع کیا جاتا ہے۔ اور عِلْج کا ایک معنی یہ بھی ہے: سخت اور زبردست آدمی۔ (لسان العرب ۲/۳۲۶، مادہ: علج)
اور کافر اہلِ حل وعقد میں سے نہیں ہوتا، پس اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد واقعی یہی (کفار) ہو تو اسے دوری اور تعذّر (یعنی ناممکن بنانے) پر محمول کیا جائے گا، تاکہ وہ خلافت سے بچ نکلنے کا راستہ اختیار کریں۔

(۴) یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔

(۵) الطبقات الکبریٰ (۴/۱۶۴) میں یہ روایت موجود ہے، اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے راویوں کا تعارف روایت نمبر [۱۵۷] کے تحت گزر چکا ہے۔ اور جوبات معقوفین [ ] کے درمیان ہے، وہ سیر أعلام النبلاء سے بطورِ اضافہ لی گئی ہے۔

التخریج:

اسے ابن عساکر نے (۳۱/۱۸۷) کے تحت ابن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے، اسی سند کے ساتھ۔ اور امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۸) میں ابوالملیح کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ پھر شیخ شعیب الارنؤوط نے کہا: ''ابن سعد نے اسے عبداللہ بن جعفر الرقی کے طریق سے روایت کیا ہے...... اور یہ سند صحیح ہے۔'' مزید تفصیل کے لیے اگلی روایت ملاحظہ ہو۔

یہ واقعہ اُس واقعے سے مختلف ہے جو اس کے بعد آتا ہے، اگرچہ دونوں ہی حکمین کے اجتماع کے موقع پر پیش آئے تھے، لیکن میمون جو واقعہ بیان کرتے ہیں، وہ بظاہر پہلے پیش آیا کیونکہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان تنہائی میں ہوا، جبکہ دوسرا واقعہ ابوموسیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آیا۔

[۱۸۲] بلاذری نے روایت کیا: مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوخَیثمہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں وَہب بن جریر نے حدیث سنائی، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے یعلی بن حکیم کو نافع سے روایت کرتے سنا، وہ کہتے ہیں: جب لوگ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم نے یہ رائے قائم کی

ہے کہ تم سے بیعت کریں، تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں مال دیں، اور تم یہ (خلافت) اُس کے لیے چھوڑ دو جو اس کے بارے میں تم سے زیادہ حریص ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے کپڑے کو پکڑ کر انھیں بٹھایا، اور انہوں نے کہا: ''افسوس ہے تجھ پر اے عمرو! تم نے اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے بیچ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ اس (خلافت) پر مال دوں گا، نہ اس کے بدلے مال قبول کروں گا، اور نہ ہی اسے قبول کروں گا، [مگر جب](۱) تمام لوگ اس پر متفق ہوں (۲)۔''

(۱) مطبوعہ انساب الاشراف میں لفظ ''ھي'' آیا ہے، جبکہ جو لفظ ہم نے نقل کیا ہے وہ تخریج کے مصادر (یعنی ابن سعد، سیر اعلام النبلاء وغیرہ) سے ثابت شدہ ہے۔

(۲) انساب الاشراف (۲/ ۳۴۵) میں یہ روایت موجود ہے۔ اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، اور سب کے سب شیخین (بخاری و مسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے دَورقی کے، جو امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ ابو خَیثمہ سے مراد زُہیر بن حرب ہیں۔ وہب بن جریر، ابن حازم ازدی ہیں۔ اور نافع، ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ پچھلی تخریجات بھی ملاحظہ ہوں، اور اس کی تخریج اگلی روایت میں بھی آئے گی۔

[۱۸۳] ابو نعیم الاصبہانی نے روایت کیا: ہمیں احمد بن محمد بن سنان نے، انہوں نے ابو العباس ثقفی سے، انہوں نے عبد اللہ (۱) بن جریر بن جبلہ سے، انہوں نے سلیمان بن حرب سے، اور انہوں نے جریر سے، انہوں نے [یعلی](۲) سے، اور یعلی نے نافع سے روایت کیا کہ جب ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایّامِ حکمین میں آئے، تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملے (خلافت) کے لیے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو موزوں نہیں سمجھتا۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ تم سے بیعت کریں، تو کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں بڑا مال دیا جائے، اور تم یہ امر اس کے لیے چھوڑ دو جو تم سے زیادہ اس کا

خواہاں (۳) ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس پر غضبناک ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے، تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر انھیں بٹھایا اور کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اس نے تو بس یہ کہا کہ تمھیں مال دیا جائے اس شرط پر کہ تم سے بیعت کی جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: افسوس ہے تجھ پر اے عمرو! اس نے تو صرف مجھے آزمانا چاہا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو بس کہا تھا کہ تمھیں دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہیں! اللہ کی قسم! میں اس (خلافت) پر نہ کچھ دوں گا، نہ کچھ قبول کروں گا، اور نہ ہی اسے قبول کروں گا، سوائے اس صورت کے کہ تمام مسلمان (۴) اس پر راضی ہوں۔

---

(۱) ایسے ہی حلیۃ الاولیاء اور مطبوعہ تاریخ دمشق میں بھی ہے، اور تاریخِ دمشق کے محقق نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک مخطوطہ میں ''عبیداللہ'' کا لفظ آیا ہے۔

(۲) حِلیۃ الاولیاء میں یہ لفظ ''یحییٰ'' کی صورت میں تحریف (تصحیف) کا شکار ہو گیا ہے، اور درست لفظ تمام تخریج کے مصادر سے واضح ہے، کیونکہ بلاذری کی سابقہ روایت میں اس کے نام اور اس کے والد کے نام کے ساتھ تصریح موجود ہے، پس وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

(۳) یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔

(۴) حلیۃ الاولیاء (۱/۲۹۳) میں یہ روایت پچھلی روایت کی طرح صحیح ہے۔ اور اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں، اور وہ سب شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے احمد بن محمد بن سنان اور عبداللہ بن جریر بن جبلہ کے۔

ابوالعباس ثقفی سے مراد محمد بن اسحاق السَّرَّاج ہیں۔

جہاں تک احمد بن محمد بن سنان کا تعلق ہے، تو مجھے اس کی کوئی ترجمہ (سوانح) نہیں ملی۔ البتہ حلیۃ الاولیاء (۱/۱۴۳) اور معرفۃ الصحابۃ از ابونعیم (۱/۳۰، رقم: ۹۶) میں آیا ہے کہ اس کی کنیت ''ابوحامد'' تھی۔

جہاں تک عبداللہ بن جریر بن جبلہ کا تعلق ہے، تو مجھے اس نام سے کوئی راوی نہیں ملا۔ پس اگر یہ (عبیداللہ) سے تصحّف ہوا ہو- جیسا کہ تاریخ دمشق کے ایک مخطوطے میں اسی طرح اس کا ضبط کیا گیا ہے- تو مراد عبیداللہ بن جریر بن جبلہ بن ابی رواد العتکی البصری ہیں۔ خَطیب بغدادی نے ان کے بارے میں کہا: وہ ثقہ تھے، اور ابن حبان نے انھیں اپنی کتاب الثقات (۸/۴۲۸) میں ذکر کیا ہے۔

مزید دیکھیں: تاریخ الاسلام (۶/۳۶۰) تحقیق: بشار عواد معروف، (جبکہ یہ ترجمہ طبعہ تدمری سے ساقط ہے) نیز: الثقات ممن لم یقع في الكتب الستة (۷/۱۴)۔

اور اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ وہ (عبیداللہ) ہی ہے، کہ سَرَّاج (یعنی محمد بن اسحاق السراج) اس سے روایت کیا کرتا تھا، اور عبیداللہ، سلیمان بن حرب سے روایت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابونعیم الاصبہانی نے حلیۃ الاولیاء میں کہا:

- احمد بن محمد بن سنان نے بیان کیا: ہمیں ابوالعباس السَّرَّ اج نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث سنائی۔۔۔ (حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۲۵۲)۔
- عبداللہ بن محمد نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اُسَید نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث سنائی۔۔۔ (حلیۃ الاولیاء، ۲/۱۷۲/۱۰)۔

اور ملاحظہ کریں: حلیۃ الاولیاء (۵/۱۸)، (۲۷۵)، (۴۱)، اور (۱۰/۱۴۷)۔

اور سَّرَّ اج نے ان سے اپنی حدیث کی کتاب ''حدیث السَّرَّ اج'' میں روایت کی ہے (حدیث نمبر: ۴۳۵، ۴۶۵، ۵۸۴، ۶۶۳، ۱۱۰۵، ۱۲۱۷، ۱۷۲۱، ۱۸۳۲، ۱۹۵۲، ۲۱۶۳)۔

اور اپنی مسند میں بھی انہوں نے ان سے روایت کی ہے (حدیث نمبر: ۳۲، ۳۸، ۴۲، ۲۱۵، ۲۵۷، ۳۰۷، ۸۲۴، ۹۰۱، ۱۰۷۵، ۱۳۲۷، ۱۴۵۷)۔

اور مسند (حدیث نمبر ۳۲) میں انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث سنائی۔۔۔

اور حدیث السَّرَّ اج (حدیث نمبر ۲۱۹۳) میں انہوں نے کہا: [ہمیں عبداللہ بن جریر نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں حفص بن عمر الضریر نے حدیث سنائی۔۔۔] اس کے محقق نے کہا: [عبداللہ کے نام پر حافظ ضیاء نے اصل نسخے میں نشان لگا دیا تھا، اور حاشیے میں لکھا: (میرا گمان ہے کہ یہ عبید اللہ ہے)]۔

التخریج:

اس روایت کو ابن عساکر نے (۳۱/ ۱۸۴) میں ابونعیم کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور امام ذہبی نے اسے سیر الخلفاء الراشدین (ص: ۲۷۴)، تاریخ الاسلام (۳/۵۵۳ اور ۵/۴۶۴)، سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۶)، اور تذکرۃ الحفاظ (ص: ۳۲۱) میں جریر بن حازم کے طریق سے نقل کیا ہے۔

امام ذہبی نے سیر الخلفاء الراشدین میں جریر کے طریق سے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا: [اسے معمر نے بھی زہری سے روایت کیا ہے]۔ نیز پچھلی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

(اس وقت قریب تھا کہ ان کے لیے بیعت منعقد ہو جائے، باوجود اس کے کہ امام علی رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے لوگ موجود تھے۔ اور اگر ان کے لیے بیعت ہو جاتی تو ان پر دو افراد بھی اختلاف نہ کرتے، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کے لیے بہتر کا انتخاب فرمایا۔ [1])

اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا: (انہوں نے خندق (کی جنگ) میں شرکت کی، اور وہ بیعتِ رضوان کے افراد میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے

جو خلافت کے اہل تھے۔ چنانچہ واقعۂ حکمین کے دن ان کا (خلافت کے لیے) نام تجویز کیا گیا، حالانکہ امام علی رضی اللہ عنہ اور عراق کے فاتح سعد[۲] رضی اللہ عنہ جیسے افراد موجود تھے[۳]۔)

(۱) یہ عبارت سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۶) سے ہے۔
(۲) یعنی: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
(۳) تذكرة الحفاظ للذهبي (۱/۳۳)۔

اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ بھی فرمایا: (اللہ ابن عمر اور ان کے والد سے راضی ہو، ابن عمر جیسا کون ہے اس کے دین، ورع، علم، عبادت گزاری (۱) اور خوفِ خدا میں؟ یہ وہ شخص ہے جس کے سامنے خلافت پیش کی جاتی ہے تو وہ انکار کر دیتا ہے، قضاء (عدالت) جیسے منصب کو عثمان جیسے خلیفہ پیش کرتے ہیں تو اسے رد کر دیتا ہے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت (گورنری) کی پیشکش ہوتی ہے تو اس سے بھاگ نکلتا ہے! پس اللہ جسے چاہے اپنے لیے منتخب کرتا ہے، اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے (۲))

(۱) التَّأَلُّهُ: عبادت گزاری اور زہد وتقویٰ اختیار کرنا۔ ماخذ: تاج العروس (۳۶/ ۳۲۴)، مادہ: ألہ۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۳۵)

دوسری شخصیت: ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ

بزرگ امام، فقیہ (ماہرِ فقہ)، اور قاری (قرآن کے ماہر قاری واستاد)

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بڑے فاتحین میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اپنے دشمنوں مجوس اور صلیبیوں کو کئی دن دکھائے۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے (۱۹ ہجری میں) نصیبین فتح کی[۱]، اور ۱۸

ہجری میں رُہا، سُمَیْساط اوران کے آس پاس کے علاقوں (۲) کو بزورِ شمشیر رومیوں سے چھین لیا۔ اسی طرح انہوں نے فارس کی سلطنت سے اہواز، اصفہان (۳)، قم، اور قاشان (۴)، کورِ اہواز اور نہر تیری (۵) کو بھی فتح کیا۔ آپ نے مناذر، سوس، تُستَر اور نہاوَند کی فتوحات میں بھی شرکت کی (۶)۔ خاص طور پر نہاوَند کی جنگ کے نتائج اتنے بڑے تھے کہ اسے ''فتح الفتوح'' کہا گیا، کیونکہ اس کے بعد آلِ ساسان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ ان تمام فتوحات میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا کردار اور اثر نمایاں اور قابلِ قدر تھا (۷)۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ کی گورنری سنبھالی۔ آپ نے -حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر- لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور دین میں سمجھ بوجھ سکھانے میں بھرپور کوشش کی (۸)۔ اس طرح ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے نسل کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا جو توحید کا عَلَم لے کر فارس کی سرزمین کی طرف بڑھی۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ فارس کی طرف ہونے والی فتوحات کا مرکزی نقطۂ آغاز بن گئیں۔

ان تمام امور کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دین کے دشمنوں کے لیے ایک بڑا حریف بن گئے، اور یہی دشمنی اس بات کا باعث بنی کہ ان کی سیرتِ مبارکہ کے خلاف تحریف و بہتان کی ایک مہم شروع کی گئی - ایسی مہم جو معمولی نہ تھی - جسے تاریخ کی کتابوں میں خفیہ طور پر داخل کیا گیا، ان لوگوں کی جانب سے جنہیں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات نے غضبناک کر دیا تھا۔ یوں اس مہم کا اصل سبب واضح ہوجاتا ہے۔

یہ دشمنی صرف ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام صحابہ جن

کی سیرتوں کو تاریخی کتابوں میں بگاڑنے کی مہم کا نشانہ بنایا گیا، وہ سب جہاد کرنے والے اور فتوحات کرنے والے صحابہ تھے۔ لہٰذا یہی سبب ان تمام کے بارے میں یکساں طور پر جاری ہے۔

اسی طرح فتنے کے دور میں اصلاح کی دعوت دینے والوں پر بھی الزام تراشی کا سلسلہ شدت اختیار کر گیا، جیسے کہ اشعث بن قیس پر ہوا، اور ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۹)۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جمل اور صفین کے واقعات سے کنارہ کشی اختیار کی اور عراق کے کسی صحرائی علاقے میں فتنوں سے الگ تھلگ ہو کر مقیم رہے۔ وہ اس صحرائی مقام پر اس وقت سے مقیم تھے جب علی رضی اللہ عنہ نے موقعۂ جمل سے قبل انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ پھر جب صفین پیش آیا تو علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا نمائندہ اور حکم مقرر کیا اور ان کو صلح کی دستاویز لکھنے کے لیے صفین آنے کا خط لکھا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس پہنچے، اور اس کے بعد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دوبارہ اپنے مقامِ اعتزال یعنی اسی صحرائی جگہ لوٹ گئے۔ وہ وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ تحکیم کا وقت آیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ آنے کا خط لکھا، چنانچہ وہ ان کے پاس کوفہ پہنچے، پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دومۃ الجندل میں طے شدہ موقعِ تحکیم پر بھیجا۔ جب تحکیم مکمل ہو گیا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس صحرائی جگہ سے بھی دور تر ایک مقام کی طرف چلے گئے تاکہ فتنوں سے اور بھی زیادہ دُور رہیں، اور وہ مقام مکہ مکرمہ تھا۔

جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے، تو اپنے ابتدائی داخلے کے وقت ہی – انہوں نے طوافِ بیت اللہ کے دوران – لوگوں کو خبردار کرنا

شروع کر دیا۔ وہ انہیں ایسے فتنوں سے ڈرا رہے تھے جو ایک نئے طرز کے فتنے ہوں گے۔ ان فتنوں کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ''الرَّدَاحِ المُطبِقَةِ'' یعنی گھیر لینے والے اور بند کر دینے والے شدید فتنوں سے تعبیر کیا۔ یہ وہ جنگیں تھیں جو حکمین کے افتراق کے بعد برپا ہونے والی تھیں، اور انہوں نے ان کی پیش گوئی اس لیے کی کیونکہ ان کے نتائج صفین سے بھی زیادہ خطرناک ہونے والے تھے (۱۰)۔

● **ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فتنے سے کنارہ کشی کی دعوت:**

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے گورنر تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اسی منصب پر فائز رہے (۱۱)۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی عہدے پر برقرار رکھا، چنانچہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی (۱۲)۔

جب علی رضی اللہ عنہ کو طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے بصرہ کی طرف نکلنے کی خبر ہوئی تو وہ مدینہ سے ان کے پیچھے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ رَبَذَہ نامی مقام پر پہنچ کر (۱۳) کچھ دن قیام فرمایا، پھر وہیں سے اہلِ کوفہ کو خط لکھا جس میں انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی اور اپنی مدد کے لیے بلایا۔ چنانچہ اہلِ کوفہ نے اپنے امیر، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سے مشورہ کیا کہ امیر المؤمنین کی طرف سے جو پیغام آیا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے ان سے کہا کہ یہ ایک فتنہ ہے، اور انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا، اور اس کے لیے ان احادیث سے استشہاد پیش کیا جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں (۱۴)۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ ذی قار کے مقام پر پہنچے تو انہیں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی خبر ہوئی، تو

انہوں نے اسے ایک خط کے ذریعے کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ جمل سے پہلے کا ہے (۱۵)۔

---

(۱) تاریخ الطبری (۴۸۴/۲)۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۳۹۱/۲)۔
(۳) سیر اعلام النبلاء (۳۹۱/۲)۔
(۴) فتوح البلدان لِلْبَلَاذُرِي ص (۳۰۶) الکامل فی التاریخ (۴۲۳/۲)۔
(۵) فتوح البلدان لِلْبَلَاذُرِي ص (۳۶۶)۔
(۶) فتوح البلدان لِلْبَلَاذُرِي ص (۳۶۶)۔
(۷) فتوح البلدان للبلاذری (ص ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۶۹) اور تاریخ الطبری (۵۰۳/۲، ۵۰۴، ۵۲۰، ۵۳۲)۔
(۸) یہ روایات اور حوالے درج ذیل کتابوں میں موجود ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ (روایت نمبر: ۳۴۴۳۲۶) سنن دارمی (روایت نمبر: ۵۷۹) اخبار مکہ از فاکہی (روایت نمبر: ۲۲۶۷) انساب الاشراف (جلد ا، صفحہ ۱۱۰) اور دیکھیے: عصر خلافتِ راشدہ، صفحہ: ۲۹۶ (پہلا ایڈیشن)۔
(۹) دیکھیے صفحہ (۱۹۵)۔
(۱۰) تاریخ الطبری (۶۹۳/۲)۔
(۱۱) دیکھیے گزشتہ حوالہ: [۷۳۴] اور اس کے بعد کے۔
(۱۲) تاریخ الطبري (۴/۳)۔
(۱۳) الرَّبَذَہ: مدینہ کی بستیوں میں سے ایک ہے، جو مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ یہ ''ذاتِ عِرق'' کے قریب مکہ مکرمہ کی جانب راستے میں واقع ہے۔ مآخذ: معجم البلدان (۳/۲۴) اور دیکھیے: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، صفحہ (۱۳۵)۔
(۱۴) تاریخ الطبری (۲۳/۳)۔
(۱۵) تاریخ طبری (۳۶/۳)۔

[۱۸۴] قاسم سَرقُسطی نے روایت بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم (۱) نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالحسن (۲) نے، انہوں نے احمد بن عبداللہ بن یونس سے روایت کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے عمرو بن قیس الماصر سے حدیث سنائی، وہ زید بن وہب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، تو میں ابوموسیٰ کے پاس آیا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ تو

انہوں نے کہا: واپس چلے جاؤ! اگر تمہاری کمان میں تانت ہو، تو اسے کاٹ دو، اور اگر تمہارے نیزے میں نوک ہو(۳) تو اسے نکال دو(۴)، کیونکہ ان فتنوں میں جو بیٹھا ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کھڑا ہو، اور جو کھڑا ہو وہ اس سے بہتر ہے جو چل رہا ہو(۵)۔

---

(۱) إبراهيم بن نصر الجهني، جن کی کنیت ابو اسحاق تھی اور وہ ابن ابرول کے نام سے معروف تھے، علم حدیث میں مہارت رکھنے والے، حدیث کے علل کے بارے میں بصیرت رکھنے والے، اور ثقہ تھے۔ ان کا انتقال ۲۸۷ھ میں ہوا۔ (ماخذ: تاریخ علماء الاندلس از ابن الفرضی، ۱/۲۰، ترجمہ ۱۶)۔

(۲) امام، حافظ، یگانۂ روزگار، زاہد، ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح بن مسلم العِجلی الکوفی، جو طرابلس مغرب میں سکونت پذیر تھے، ان کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کی جرح وتعدیل پر ایک مفید تصنیف ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے ایسے فوائد نقل کیے ہیں جو ان کے فن میں پختہ ہونے اور وسعتِ حفظ پر دلالت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا: یہ خود بھی ثقہ ہیں اور ثقہ باپ کے بیٹے ہیں۔ عباس دُوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم تو انہیں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے برابر شمار کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۲۶۱ھ میں ہوا۔ (مراجع: تاریخ بغداد ۴/۴۳۶، تاریخ الاسلام ۲۰/۴۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۰۵)۔

(۳) سِنَانُ الرُّمحِ سے مراد نیزے کی نوک ہے، یعنی وہ چمکدار فولادی (لوہے کی) دھار جو نیزے کے سرے پر لگی ہوتی ہے۔ (ماخذ: تاج العروس، ۳۵/۲۴۱، مادہ: سنن)۔

(۴) فَأَنْصِلهُ کا مطلب ہے: اس کی نوک کو ہٹا دو، یعنی نیزے سے دھار (نَصل) کو نکال دو۔ أَنْصَلَ الرُّمحَ اور نَصَّلَهُ دونوں کا مطلب ہو سکتا ہے: نوک کو ہٹا دینا یا نوک لگا دینا لہٰذا یہ الفاظِ اضداد میں سے ہے (وہ الفاظ جن کے معنی متضاد بھی ہو سکتے ہیں)، جیسے قُرء جس سے مراد کبھی طُہر ہوتا ہے اور کبھی حیض۔ (مراجع: تاج العروس ۳۰/۴۹۵، مادہ: نصل، اور پچھلا حوالہ بھی ملاحظہ ہو)۔

(۵) الدلائل فی غریب الحدیث (۲/۷۴۸، رقم ۴۰۴) میں یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس روایت میں زائدہ سے مراد زائدہ بن قدامہ الثقفی ہیں۔ جہاں تک عُمر و بن قیس کا تعلق ہے، تو مطبوعہ نسخے میں یہی ہے، لیکن یہ بعض رواۃ کی خطا ہے، اور درست نام عُمر بن قیس ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: (بعض نے کہا: عمرو بن قیس، لیکن یہ صحیح نہیں۔) (ماخذ: التاریخ الکبیر ۶/۱۸۶)

نیز، السَّرَقُسطی نے روایت میں پہلے متن ذکر کیا، پھر سند بیان کی، لیکن میں نے نقل کرتے وقت سند کو پہلے ذکر کیا ہے، یعنی اسے سیاق میں بدلا ہے۔

التخریج:

اس حدیث کو خطابی نے غریب الحدیث (۲/۳۶۴) میں روایت کیا ہے، انہوں نے اس سند کے ساتھ ذکر کیا: مجھے یہ حدیث ابن ابی خیثمہ کے حوالے سے پہنچائی گئی، انہوں نے ہمیں احمد بن عبداللہ بن یونس نے سنائی اسی سند سے، لیکن اس روایت میں یہ الفاظ فَإِنَّ القَاعِدَ۔۔۔ (یعنی: پس ان فتنوں میں بیٹھا ہوا۔۔۔) شامل نہیں ہیں۔

[۱۸۵] امام ابو بکر الآجُرِّی نے روایت بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ابوالقاسم عبداللہ بن محمد نے (بھی) حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن

عبدالملک بن ابی الشوارب نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد بن زیاد نے، انہوں نے کہا: میں نے عاصم سے سنا، وہ ابوکبشہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کومنبر پرفرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے سامنے فتنے اس طرح آئیں گے جیسے تاریک رات کے ٹکڑے، آدمی صبح مومن ہوگا اورشام کو کافر ہوجائے گا، اورشام کومومن ہوگا اورصبح کو کافر ہوجائے گا۔ ان فتنوں میں بیٹھا ہوا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' صحابہ نے عرض کیا: توآپ ہمیں کیاحکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں قالین بن جاؤ'' (یعنی باہرنکل کر فتنے میں پڑنے کے بجائے اپنے گھروں میں جمے رہو، نہایت سکون اورگمنامی سے[1])

(۱) یہ حدیث الشریعۃ للآجری (حدیث ۷۶) میں موجود ہے۔ ابوالقاسم سے مراد: البغوی ہیں۔ عاصم سے مراد: عاصم بن سلیمان الأحول ہیں۔ ابوکبشہ سے مراد: السدّوسی البصری ہیں۔

التخریج:

اس حدیث کواحمد نے المسند (حدیث ۱۹۶۶۲) میں، اورابوداود نے السنن (حدیث ۴۲۶۲) میں عفّان بن مسلم کے طریق سے عبدالواحد کے واسطے سے روایت کیاہے۔ اوراسے البانی اورشیخ شعیب الارنووط دونوں نے صحیح قراردیاہے

[۱۸۶] اوراس حدیث کوامام ابوداود نے بھی روایت کیاہے: انہوں نے کہا: ہمیں مسدد نے حدیث سنائی، انہوں نے عبدالوارث بن سعید سے، وہ محمد بن جحادۃ سے، وہ عبدالرحمٰن بن ثروان سے، وہ ہزیل سے، اور وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت سے پہلے فتنے آئیں گے جوسیاہ رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے۔ اس میں ایک شخص صبح مومن ہوگا اور

شام کو کافر ہو جائے گا، اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔ ایسے وقت میں جو بیٹھا ہو وہ کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور جو چل رہا ہو وہ دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ پس اپنی کمانیں توڑ دو، اپنی تانتیں کاٹ دو، اور اپنی تلواریں پتھروں سے مار کر بے کار کر دو۔ پھر اگر (فتنے کی حالت میں) تم میں سے کسی پر چڑھائی کی جائے، تو وہ آدم کے دونوں بیٹوں (۱) میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہو جائے"(۲)۔ (یعنی ظلم نہ کرے، اگرچہ ظلم برداشت کرنا پڑے)۔

(۱) یہاں مراد ہابیل ہے، جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ فتنوں کے زمانے میں صبر کے ساتھ مر جانا (جیسا کہ ہابیل نے کیا) حرکت کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ حرکت (یعنی ردعمل، بدلہ، جنگ) فتنہ بڑھا دیتی ہے۔

(۲) یہ حدیث سنن ابو داود (حدیث: ۴۲۵۹) میں موجود ہے، اور اسے شیخ البانی اور شیخ شعیب الارنوط دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ مُسَدَّد سے مراد ہیں: مسدد بن مُسَرْہَد۔ مُزَیل (جو بعض نسخوں میں آتا ہے) سے مراد ہے: مزَیل بن شُرحَبیل۔

[۱۸۷] امام ابن ابی الدنیا نے یہ روایت نقل کی ہے: انہوں نے کہا: مجھے فضل بن سَہل نے حدیث سنائی، انہوں نے ابو عاصم سے، انہوں نے اشعث سے، وہ حسن بصری سے، اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "جب لوگوں کے درمیان وہ حالات پیش آئے جو پیش آئے، تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش ہے کہ میں، میرے اہل خانہ، اور ان دونوں شہروں (بصرہ و کوفہ) میں میرے متبعین کے پاس اتنا کچھ ہوتا جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہوتا، یہاں تک کہ ہمارا آخری فرد بھی پہلے کو دفن کر دے (۱)۔

(۱) یہ روایت کتاب العُزلۃ والانفراد (حدیث ۱۸۸) میں موجود ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری و مسلم) کے راویوں کے معیار پر ہیں، سوائے اشعث کے اور وہ ہیں: اشعث بن عبدالملک الحُمرانِی، جن سے امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے، اور اصحابِ سنن نے بھی ان سے روایت کیا ہے۔ وہ ثقہ ہیں۔ ابو عاصم سے مراد ہیں: ضحاک بن مخلد الشیبانی النبیل۔ حسن سے مراد ہیں: حسن بصری رحمہ اللہ۔ انس سے مراد ہیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔
التخریج:

اس روایت کو ابو داود نے الزہد (حدیث ۲۷۸) میں روایت کیا ہے: انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن المثنی بن عبید العنزی الزَّمِن نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ بن المثنی الانصاری نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں اشعث نے اسی سند سے حدیث بیان کی۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قول (لَمَّا أَنْ كَانَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ مَا كَانَ) کا مطلب ہے: (جب لوگوں کے حالات ویسے ہو گئے جیسے ہو گئے) یعنی اس سے مراد وہ فتنہ ہے جو امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رونما ہوا، اور وہ فتنہ تھا: جنگ جمل اور جنگ صفین۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قول (هَذَيْنِ الْمِصْرَيْنِ) سے مراد عراق اور شام ہیں، کیونکہ ان دونوں علاقوں کے درمیان اختلاف کا آغاز امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا۔ خبر کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ بات صفین کی جنگ سے قبل کہی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے، اور ان تمام لوگوں کے لیے جنہوں نے ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، یہ تمنا رکھتے تھے کہ وہ سب کسی گوشۂ عافیت میں ہوں، ان کے پاس اتنا سامان اور رزق موجود ہو جو ان کی ضرورت کے لیے کافی ہو، اور وہ وہیں فتنوں سے دور زندگی گزاریں یہاں تک کہ موت آ جائے۔

● **اپنے بھائی ابورُہم رضی اللہ عنہ کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی نصیحت:**

[۱۸۸] امام احمد نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی فتنہ میں جلد بازی سے حصہ لینے لگا، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اسے بار بار روکتے رہے، مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر کار انہوں نے

فرمایا: اگر مجھے یہ گمان ہوتا کہ تمہیں میری طرف سے تھوڑی سی نصیحت یا وعظ کافی ہو جائے گا تو میں اس سے زیادہ نہ کہتا جواب تک کہہ چکا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ اس سے بڑھ چکا ہے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار لے کر آمادہ پیکار ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے، تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔'' کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! قاتل کا حال تو سمجھ میں آتا ہے، مگر مقتول کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا(۱)۔''

(۱) اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند (۱۹۵۹۰) میں بیان کیا ہے، اور اس کی سند میں اسماعیل، یعنی ابن علیۃ ہیں، جبکہ یونس سے مراد یونس بن عبید ہیں، اور حسن سے مراد امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔

التخریج:

اسی روایت کو امام نسائی نے بھی اپنی سنن (۴۱۲۴) میں ابن علیۃ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ علامہ البانی اور شعیب الارنؤوط دونوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[۱۸۹] امام احمد رحمہ اللہ نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ہمیں عفان نے حدیث سنائی، انہوں نے ہمام سے، اور ہمام نے قتادہ سے، وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی تھا جس کا نام ابورُہم تھا، اور وہ فتنہ میں جلد بازی سے حصہ لینے والا تھا، جبکہ خود ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتنے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی سے فرمایا: اگر تم نے مجھے اپنی کیفیت نہ بتائی ہوتی، تو میں تم سے یہ بات نہ کہتا جواب کہہ رہا ہوں، مگر اب میں تمہیں وہ بات پہنچاتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب دو مسلمان تلواروں کے ساتھ آمنے سامنے ہو جائیں اور ان

میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے، تو دونوں (قاتل اور مقتول) آگ میں داخل ہوں گے [۱]۔“

(۱) یہ روایت مسند احمد (۱۹۶۰۹) میں موجود ہے اور اپنی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس کی سند میں: عفّان: سے مراد عفّان بن مسلم ہیں ہشام: سے مراد ہشام الدَّستوائی نہیں بلکہ یہاں ہمّام کا ذکر ہے، اور ہمام بن یحییٰ ہی مراد ہے۔ قتادہ: یعنی قتادہ بن دِعامہ السدوسی، مشہور تابعی ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی سنداً صحیح ہے اور پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔

● ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، حکَمین میں سے ایک تھے۔

جب سنہ ۳۷ ہجری میں صفین کی جنگ بھڑک اٹھی اور فتح کا پلڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی جانب جھکنے لگا، تو اہلِ شام نے اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے (تحکیم) کی دعوت دی، جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا۔ اور چونکہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فتنے سے کنارہ کشی کا مؤقف معروف تھا، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ہی واقعۂ تحکیم میں اہلِ عراق کا نمائندہ مقرر فرمایا۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اہم ذمہ داری کے لیے سب سے موزوں شخصیت کا انتخاب کیا۔

اور جب دونوں حکَم، یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سنہ ۳۷ھ کے رمضان میں دومۃ الجندل میں جمع ہوئے، تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے خون ریزی روکنے، جنگ بند کرنے اور فتنہ ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ حق کو اتنے واضح انداز میں بیان کرنے میں کامیاب ہوئے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی شرعی خلیفہ ہیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت میں کوئی حصہ یا حق نہیں ہے۔ البتہ وہ اس بنیادی اختلاف پر متفق نہ ہو سکے کہ بیعت کو مقدم رکھا جائے یا قصاص کو، اور اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے مناسب مقام پر آئے

گی۔ تحکیم کے بعد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل سے مکہ مکرمہ چلے گئے، نہ کہ کوفہ، اور ہم ان شاء اللہ آگے اس کی وجہ بھی بیان کریں گے (۱)۔

(۱) دیکھیے: [۷۴۳] کے بعد والی تعلیق۔

❑ تیسری شخصیت: ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ، جن کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ انصاری تھا۔

انہوں نے بیعتِ عقبہ میں شرکت کی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علماء میں شمار ہوتے ہیں (۱)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/۴۹۴)

انہوں نے بیعتِ عقبہ میں شرکت کی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ جنگ جمل اور جنگ صفین سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین کی جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ بھلائی صلح میں ہے، صفین میں نہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس لوٹے اور انہیں یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو عہدے سے معزول کر دیا، حالانکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد میں اسی صلح کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے جس کی ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس لیے معزول کیا ہو کہ انہوں نے خطبے میں جو بات کہی وہ خلیفہ کی پالیسی اور ہدایات کے خلاف سمجھی گئی، اور ریاستی امور میں غیر مجاز مداخلت شمار کی گئی، واللہ اعلم۔

پھر جب ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا گیا، تو وہ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ اہلِ کوفہ نے انہیں قادسیہ تک رخصت کیا، جہاں انہوں نے لوگوں کو ایک آخری وصیت کی: انہوں نے تاکید کی کہ جماعت سے وابستہ رہو، کیونکہ جماعت سے وابستہ رہنے میں ہی فتنوں سے نجات ہے۔

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے صفین سے پہلے ایک دور اندیش، بصیرت افروز اور حکیمانہ نگاہ سے خبردار کیا تھا کہ صفین کی جنگ میں اسلامی معاشرے کے صفوت، نیک، علماء، صالحین، بہادر، جانباز اور معاشرے کے نفع بخش افراد ہلاک ہو جائیں گے۔ اور جب دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو فتح حاصل ہو گی، تو اس کے بعد صرف عام، سطحی اور کمزور لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جنگ بہترین لوگوں کو کھا جائے گی اور جن میں کوئی بھلائی نہ ہو، انہیں چھوڑ دے گی۔ تو ایسی صورت میں نصر و کامیابی کی مسلمانوں کے لیے کیا حقیقت باقی رہے گی جب نخبت و چیدہ افراد ہی ختم ہو چکے ہوں؟!(۱)

[۱۹۰] امام بخاری نے روایت کیا ہے: ہمیں عبدان نے حدیث سنائی، انہوں نے ابو حمزہ سے، انہوں نے اعمش سے، اور انہوں نے شقیق بن سلمہ سے روایت کی کہ میں ابو مسعود، ابو موسیٰ اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے ساتھیوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں، اگر میں چاہوں، تو کچھ نہ کچھ کہہ نہ سکوں، لیکن تمہارے بارے میں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے بعد سے جو سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات دیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ تم اس معاملے (یعنی فتنہ یا جنگ) میں بہت جلد بازی سے شریک ہوئے۔ اس پر عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے ابو مسعود! اور میں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے بعد

سے تم اور تمہارے اس ساتھی (ابوموسیٰ) کے بارے میں جو سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات دیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ تم دونوں اس معاملے میں بہت دیر سے شامل ہوئے (یعنی بہت سست روی اختیار کی)''۔ اس پر ابومسعود رضی اللہ عنہ - جو صاحبِ حیثیت اور مالدار تھے - بولے: اے غلام! دو چادریں لاؤ، چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دی اور دوسری عمار رضی اللہ عنہ کو، اور کہا: اب جاؤ اور جمعہ کے لیے تیاری کرو(۲)۔

(۱) دیکھیے: روایت نمبر [۱۹۲]
(۲) صحیح بخاری کی یہ روایت حدیث نمبر ۶۶۹۰ ہے۔ عبدان: ان کا پورا نام ابوعبدالرحمن عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد ازدی ہے۔ ابوحمزہ: ان کا نام محمد بن میمون السکّری ہے۔

(عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابووائل کے قول میں ہے: (کہ علی رضی اللہ عنہ نے عمار کو اہلِ کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ انہیں ابھاریں)، تو حافظ ابن حجر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: [اسماعیلی کی روایت میں ہے: [وہ اہلِ کوفہ کو اہلِ بصرہ(۱) کے خلاف ابھارنے کے لیے بھیجتے تھے]، اور اہلِ بصرہ سے مراد طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔ پس یہ واقعہ جنگِ جمل کے ایّام میں پیش آیا تھا۔

(۱) فتح الباری (۵۹/۱۳)۔

[۱۹۲] ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمرو نے بیان کیا، وہ زید بن ابی انیسہ سے، وہ عمرو بن مرہ سے، وہ خیثمہ بن عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے عقبہ بن عمرو ابومسعود کو کوفہ پر اپنا جانشین

مقرر کیا۔ انہوں نے کہا: کچھ لوگ چھپے بیٹھے رہے، اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکلے۔ چنانچہ عقبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! جو کوئی چھپا بیٹھا ہے وہ ظاہر ہو جائے، کیونکہ قسم ہے میری جان کی! اگر فیصلہ کثرتِ تعداد سے ہونا ہے تو ہمارے ساتھی (۱) تو بہت زیادہ ہیں (۲)، لیکن ہم اس کو فتح نہیں سمجھتے کہ کل مسلمان آپس میں ٹکرائیں، اور یہ گروہ اس گروہ کو قتل کرے، اور وہ گروہ اس گروہ کو قتل کرے، یہاں تک کہ جب دونوں میں سے صرف بے وقعت اور بکھرے ہوئے لوگ باقی رہ جائیں (۳)، تو ان میں سے ایک فریق دوسرے پر غالب آ جائے! نہیں، بلکہ ہم اسی کو فتح (۴) سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ لے آئے، جس سے ان کے خون محفوظ رہیں، ان کے آپس کے تعلقات درست ہو جائیں، اور ان کا کلمہ ایک ہو جائے (۵)۔

---

(۱) اصحابنا: یعنی ہمارے ساتھی سے مراد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔

(۲) یعنی ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے چھپے ہوئے لوگوں سے کہا: ظاہر ہو جاؤ، اے وہ لوگو جو چھپ گئے ہو، کیونکہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تمہارے بغیر ہی بہت بڑا ہے، تم اگر اس کے ساتھ نکل بھی آؤ تو اس کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ کرو گے، اور وہ اپنی اسی بڑی تعداد کے ساتھ مدد وفتح کا زیادہ حق دار ہے۔ لیکن ہم اس فتح کو جو علی رضی اللہ عنہ کا لشکر حاصل کرے گا، فتح نہیں شمار کرتے۔۔۔ الخ۔

(۳) الزِجرِجَۃُ: یعنی وہ لوگ جو ادنیٰ، کمینے اور بے حیثیت ہوں، جن کے پاس نہ عقل ہو نہ کوئی بھلائی۔ اور "الزِجرِجَۃ" کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے: پانی کی گدلی باقیات جو حوض میں بچ جاتی ہیں اور جو مٹی سے ملی ہوتی ہیں، لہٰذا ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ (ماخذ: النھایۃ ۲/۱۹۸، مادہ: زجرج)۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ خیر و بھلائی اس میں نہیں ہے کہ ایسی تباہ کن جنگ برپا ہو جس میں بہترین لوگ، علما، نیک لوگ، سردار، عقل مند، بہادر اور شہسوار سب ختم ہو جائیں، اور جب دونوں فریقوں میں صرف جاہل، کمزور اور بے حیثیت لوگ باقی رہ جائیں، تو ان میں سے کسی ایک کو فتح حاصل ہو بھی تو پھر ایسی فتح کا فائدہ ہی کیا؟ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے صلح کو فتح قرار دیا، اور اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی اسے فتح کہا، جیسا کہ آگے صفین کی جنگ کے حوالے سے حدیث نمبر [۳۹۱] میں آئے گا۔

(۴) ظَهَرتُ: یعنی فتح پانا یا غالب آنا۔ (یعنی "ظَهَرتُ" کا مطلب ہے: انتَصَرتُ)۔

(۵) الطبقات الکبریٰ (۴/۳۶۲) مطبوعہ مکتبہ الخانجی۔ اس کی سند صحیح ہے، تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری و مسلم) کے راویوں

میں سے ہیں۔ خَیْثَمہ نے یہ واقعہ پایا تھا (یعنی وہ اس وقت زندہ تھے)۔
التخریج:
ابن عساکر نے اسے (۵۲۲/۴۰) میں ابن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے، اور تاریخ الاسلام (۳/۶۵۸) میں بھی یہ عبید اللہ بن عمرو کے طریق سے موجود ہے۔

طبری نے تاریخ الطبری (۳/۱۲۵) میں کہا: [روایت کیا گیا کہ جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے، تو انہوں نے کوفہ پر ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن ادریس نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: میں نے لیث سے سنا، وہ عبد العزیز بن رفیع سے نقل کرتے ہیں کہ: جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف نکلے تو انہوں نے کوفہ پر ابو مسعود انصاری عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور شام میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ موجود تھے]۔ یہ خبر صحیح ہے، البتہ یہ سند منقطع ہے کیونکہ عبد العزیز بن رفیع نے وہ واقعہ نہیں پایا۔

[۱۹۳] اور اسے ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عارم بن فضل (۱) نے خبر دی، کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث سنائی، وہ مجالد بن سعید سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے، تو انہوں نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ کوفہ کے کچھ لوگ چھپے بیٹھے تھے، لیکن جب علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے، تو وہ ظاہر ہو گئے۔ تو کچھ لوگ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے: اللہ کی قسم، اللہ نے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر دیا ہے اور امیر المؤمنین کو غالب (۲) کر دیا ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسے نہ فتح سمجھتا ہوں نہ عافیت کہ ایک گروہ دوسرے پر غالب آ جائے۔ لوگوں نے کہا: تو پھر (تمہارے نزدیک بہتری کیا ہے)؟ انہوں نے کہا: قوم کے درمیان صلح ہو جائے۔ جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ واپس آئے، تو لوگوں نے ان سے یہ بات ذکر کی، تو علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسعود سے فرمایا: تم ہمارے کام سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیوں؟ فرمایا: ہم نے تمہیں ایسا نہ پایا کہ تمہاری عقل مکمل ہو۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رہی

میری عقل تو [میں اتنا تو ضرور جانتا[3] ہوں] کہ دوسرا فریق[4] زیادہ شر والا ہے۔[5]

---

(۱) محمد بن فضل السدوسی، ابوالنعمان بصری، جو ''عارم'' کے نام سے معروف ہیں۔
(۲) طبرانی کی روایت میں وَأَظْهَرَ کے بجائے ''وَأَظْفَرَ'' کا لفظ ہے۔
(۳) یہ اضافہ طبرانی کی روایت میں آیا ہے، طبقات میں موجود نہیں، میں نے اسے صرف معنی کی وضاحت کے لیے ذکر کیا ہے۔
(۴) یعنی: صدی (سوسال) کے آخر میں، جیسا کہ اگلی دو حدیثوں میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے، اور ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ''لا إله...'' والی حدیث کو اس کے مراد کے خلاف سمجھا۔
(۵) الطبقات الکبری (۴/۳۶۲) - مکتبۃ الخانجی اس کی سند حسن لغیرہ ہے؛ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے مجالد بن سعید الہمدانی کے۔ وہ شیعہ اور ضعیف ہیں، لیکن امام مسلم نے ان سے دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر (مقروناً) روایت کی ہے۔ البتہ اس سے ماقبل والی روایت میں اکثر باتوں میں اس کی متابعت ہوئی ہے، اور اس نے کوئی منکر بات روایت نہیں کی۔
مجالد بن سعید اگرچہ ضعیف ہے، تاہم وہ اپنے آخری عمر میں مزید بگڑ گیا تھا، جب کہ پہلے دور کے رواۃ کی اس سے روایت (اگرچہ ضعیف ہو) بعد کے نسبت بہتر ہوتی ہے۔ اور حماد بن زید کا شمار انہی قدیم راویوں میں ہوتا ہے، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا ہے، (ماخذ: المجروحین از ابن حبان، ۳/۱۰)۔
التخریج:
اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۷/۱۹۵) میں روایت کیا ہے، اور ان ہی کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۰/۵۲۶) میں اسے نقل کیا ہے، یہ سب عارم کے طریق سے اسی سند کے ساتھ ہے۔ اسی روایت کو امام ذہبی نے تاریخ الاسلام (۳/۶۵۸) اور سیر اعلام النبلاء (۲/۴۹۵) میں مجالد کے طریق سے اسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

[۱۹۴] اور اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہم سے عبداللہ بن ادریس نے حدیث بیان کی، وہ لیث سے، وہ عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے، تو انہوں نے ابومسعود رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر نائب (گورنر) مقرر کیا۔ تو انہوں نے ایک جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کی تعداد کم دیکھی، تو فرمایا: اے لوگو! باہر آجاؤ، جو بھی باہر آجائے گا وہ امان میں ہوگا۔ اللہ کی قسم! ہم جانتے ہیں کہ تم میں ایسے بھی ہیں جو اس معاملے سے کراہت رکھتے ہیں اور اس سے بوجھ محسوس کرتے ہیں، تو (پھر بھی) باہر آجاؤ، جو بھی آ

جائے وہ امان میں ہے۔ اللہ کی قسم! ہم اسے عافیت نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں لشکر آپس میں ٹکرا جائیں اور ایک دوسرے سے بچنے کی کوشش کریں، بلکہ ہم تو اسی کو عافیت سمجھتے ہیں کہ اللہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کر دے اور اس کی الفت و یگانگت کو جمع کر دے۔ کیا میں تمہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ بتاؤں اور اس بات کے بارے میں کہ لوگوں نے ان پر کیا اعتراض کیا؟ لوگ انہیں ان کے گناہ کی بنا پر نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہی ان سے انتقام لے یا ان کو معاف کر دے، اور وہ لوگ اس چیز کو حاصل نہ کر سکے جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے، انہوں نے محض حسد کیا اس نعمت پر جو اللہ نے انہیں عطا کی تھی۔ جب علی رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے، تو انہوں نے ابومسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم ہی وہ ہو جس نے وہ بات کہی ہے جو میرے کانوں تک پہنچی ہے، اے فَرُّوج؟[1] بے شک تم ایک بوڑھے شخص ہو جس کی عقل جاتی رہی ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میری ماں نے میرا نام اس سے بہتر رکھا ہے۔ کیا میری عقل جاتی رہی ہے، جب کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میرے لیے جنت واجب ہو چکی ہے؟! تمہیں خود یہ علم ہے۔ اور میری جو عقل باقی ہے، اس سے میں جانتا ہوں کہ پیچھے آنے والا ہر دوسرا معاملہ، پچھلے سے زیادہ شر والا ہوتا ہے۔ پھر وہ نکل گئے، اور جب وہ سَیلَحین[2] یا قادسیہ کے مقام پر پہنچے، تو وہ ان پر اس حالت میں ظاہر ہوئے کہ ان کی زلفیں ٹپک رہی تھیں، لوگوں نے گمان کیا کہ وہ احرام کی تیاری کر چکے ہیں۔ پھر جب انہوں نے اپنا پاؤں پالان کے رکاب میں رکھا[3] اور کجاوے کے پچھلے حصے کو پکڑا[4]، تو کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا: کاش آپ ہمیں کچھ وصیت فرما جاتے، اے ابومسعود! تو انہوں نے

فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور جماعت سے وابستہ رہو، کیونکہ اللہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ انہوں نے دوبارہ یہی بات کہی، تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور جماعت کا دامن تھامے رکھو، کیونکہ یا تو کوئی نیک انسان راحت پاتا ہے (یعنی مر کر فتنہ سے بچ جاتا ہے)، یا پھر لوگ کسی فاجر[۵] (بدکار) سے نجات پاتے ہیں۔

---

(۱) فرُّوخ ایک فارسی لفظ ہے، اور اس کا مطلب ہے: نیک بخت، مبارک طالع۔ اور سندی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے کہ فرُّوخ ابو العجم کا نام تھا، تو گویا علی رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی طرف نسبت دی کہ وہ عجمی ہے اور کم فہم۔

(۲) اور اسے سیلحون بھی کہا جاتا ہے، یہ ایک مقام ہے جو قادسیہ کے قریب واقع ہے، اور بغداد سے تین فراسخ کے فاصلے پر ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ۳/۲۹۸)۔

(۳) الغَرْز: یہ کجاوے کا رکاب ہوتا ہے۔ یہ ایک لٹکتا ہوا چمڑے کا تسمہ ہوتا ہے جو کجاوے کے دونوں طرف ہوتا ہے، اس میں پاؤں رکھا جاتا ہے تاکہ سوار سواری پر چڑھنے میں آسانی حاصل کرے، پھر چڑھنے کے بعد پاؤں اسی میں جم جاتے ہیں۔ یہ چمڑے، لوہے یا لکڑی کا بھی ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے: غَرَزَ رِجلَهُ فِي الغَرْزِ یعنی: اس نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تاکہ سوار ہو۔ (ملاحظہ ہو: لسان العرب ۵/۳۸۶، مادہ: غرز)

اور الرَّحْلُ: یہ سواری کا کجاوہ ہے، یعنی وہ چیز جو جانور کی پیٹھ پر رکھی جاتی ہے تاکہ سوار اس پر سیدھا بیٹھ سکے۔ عام طور پر سَرج کا استعمال گھوڑوں کے لیے اور رَحل کا استعمال اونٹوں کے لیے کیا جاتا ہے۔

(۴) واسِطَةُ الرَّحْلِ: یہ کجاوے کا اگلا لمبا حصہ ہوتا ہے، جو سوار کے سینے کے سامنے ہوتا ہے۔ (ماخذ: لسان العرب ۷/۴۳۱، مادہ: وسط)

اور بظاہر عبارت کا صحیح ضبط یوں ہے: بِمُؤَخَّرِ وَوَاسِطَةِ الرَّحْلِ (یعنی واو کے ساتھ عطف)، اور مُؤَخِّرَةُ الرَّحْلِ: یہ کجاوے کا پیچھے کا لمبا اور چوڑا حصہ ہوتا ہے جو سوار کے سر کے برابر ہوتا ہے۔ اور آگے کا اور بیچ کا حصہ دونوں کو شَرْحَان کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے: رَكِبَ بَيْنَ شَرْخَيْ رَحْلِهِ یعنی: وہ اپنے کجاوے کے دونوں کناروں کے درمیان سوار ہوا۔ (ماخذ: لسان العرب، حوالہ بالا)۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۸۲۵): یہ خبر صحیح ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ لَیث - اور وہ ابن ابی سُلیم - ضعیف ہے، اور سند بھی منقطع ہے۔

التخریج:

اسے ابن ابی شیبہ نے (۳۲۹۶۸) اور (۳۹۰۲۹) میں اسی سند کے ساتھ روایت کیا۔ پہلی روایت میں اسے مختصر بیان کیا، جبکہ دوسری میں مکمل ذکر کیا ہے۔ اور (تفصیل کے لیے) اگلی روایت ملاحظہ ہو۔

[۱۹۵] لالکائی نے روایت کیا ہے: ہمیں احمد بن عبید[۱] نے خبر دی، انہوں

نے کہا: ہمیں علی بن عبداللہ بن مبشّر (۲) نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن سنان نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث سنائی، وہ مہدی بن میمون سے، وہ واصل اَحدب سے، وہ ابو وائل سے، اور وہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جب وہ (ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ) سفر پر روانہ ہوئے تو ان کے اصحاب انہیں رخصت کرنے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ قادسیہ پہنچ گئے۔ جب وہ لوگ واپس لوٹنے لگے تو انہوں نے کہا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے یقیناً خیر دیکھی ہے اور خیر میں شریک بھی رہے ہیں، تو ہمیں کوئی حدیث سنا دیجیے، شاید اللہ ہمیں اس سے نفع دے۔'' انہوں نے کہا: ''یقیناً میں نے خیر دیکھی ہے اور خیر میں شریک بھی رہا ہوں، لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید مجھے اس زمانے کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہو جس میں میرے ساتھ کوئی شر کا ارادہ کیا گیا ہو۔ پس اللہ سے ڈرو، اور جماعت کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور صبر کرو، یہاں تک کہ کوئی نیک شخص راحت پا جائے یا فاجر (۳) سے دنیا کو راحت مل جائے۔''

---

(۱) احمد بن عبید بن الفضل بن سھل بن بیری، ابوبکر واسطی: یہ واسط کے محدث اور مسند تھے۔ حافظ خمیس نے کہا: وہ ثقہ اور سچ بولنے والے تھے۔ ان کی بینائی آخر عمر میں جاتی رہی۔ (ماخذ: تاریخ الاسلام ۲۸/۲۱۷)۔

(۲) امام، ثقہ، اور محدث، ابوالحسن علی بن عبداللہ بن مبشّر واسطی: انہیں دارقطنی اور مسلمہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں ان سے بہت زیادہ روایت کیا ہے، یہاں تک کہ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد تقریباً سو کے قریب جا پہنچی۔ ان کا انتقال ۳۲۵ھ میں ہوا، اگرچہ بعض نے اس کے علاوہ بھی سن وفات ذکر کیا ہے۔ حوالہ جات: سنن الدارقطنی (۴۴۲)، (۲۷۱۰) سیر اعلام النبلاء (۱۵ / ۲۵)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۷/۲۱۹)، الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (۳۱۴)۔

(۳) شرح أصول اعتقاد أهل السنة (صفحہ ۱۶۳) میں مذکور روایت صحیح سند کے ساتھ ہے۔ احمد بن سنان: وہ ابوجعفر القطان واسطی ہیں۔ واصل الاحدب: وہ ابن حیّان اسدی، بیّاعِ سابری (یعنی سابری کپڑا بیچنے والے) ہیں۔ ابووائل: وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

التخریج:

اس روایت کی تخریج کے لیے دیکھیے: المطالب العالیہ (حدیث: ۳۰۲۳) اور (حدیث: ۴۳۴۰)۔

[۱۹۶] ابو یعلی نے روایت کیا: ہم سے ابو بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے اسحاق بن منصور نے روایت کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابو کُدَینہ نے روایت کی، وہ مطرّف سے، وہ منہال سے، اور وہ نعیم بن دجاجہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ابو مسعود (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: دیکھو، ابو مسعود آ گئے، انہیں خوش آمدید کہو! پھر وہ (ابو مسعود) بیٹھ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا تم لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، اور میں انہیں یہ بھی بتاتا ہوں کہ آنے والا وقت (آخری زمانہ)(۱) بُرا/شر ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بتاؤ، کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کچھ سنا ہے(۲)؟ ابو مسعود نے کہا: جی ہاں، میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا: ایسا وقت ضرور آئے گا کہ جب سو سال بیت چکیں گے تو زمین پر کوئی آنکھ جھپکنے والی باقی نہ رہے گی (یعنی سب مر چکے ہوں گے)۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بات میں قبر کی تلچھٹ تک خطا ہو گئی!(۳) اور تم نے اپنے پہلے فتویٰ ہی میں غلطی کی! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صرف ان لوگوں کے بارے میں تھا جو اس وقت ان کے سامنے موجود تھے۔ (اور جہاں تک آنے والے زمانے کی بات ہے تو) کیا خوش حالی اور راحت سو سال بعد کے سوا کسی اور وقت میں آئی ہے؟!(۴)

(۱) مطبوعہ نسخے میں لفظ ''الآخِرة'' کی صورت میں تحریف واقع ہوئی ہے، جبکہ صحیح لفظ وہ ہے جو تخریج کے مصادر سے درست کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

(۳) أخطأتِ استُك الحفرةَ: (تیری پیٹھ قبر سے خطا کر گئی ہے) یہ ایک ضرب المثل (محاورہ) ہے، جو اس شخص کے بارے میں بولا

جاتا ہے جو درستی چاہتا ہے مگر غلطی کر بیٹھتا ہے۔(ماخذ: جمهرة الأمثال ۱/۱۹۷)اور ''استَك'' کا مطلب ہے: پیٹھ/ دُبر/جسم کا پچھلا حصہ۔

(۴) یہ روایت مسند ابی یعلی میں (حدیث:۴۶۷) درج ہے۔ابوبکر: ان سے مراد ابن ابی شیبہ ہیں۔ابو کُدَیْنَہ: ان سے مراد یحییٰ بن مہلب بجلی ہیں۔مطرّف: ان سے مراد ابن طَریف ہیں۔منہال: ان سے مراد ابن عمرو ہیں۔

التخریج:

اس روایت کو ہیثمی نے المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی (حدیث:۹۷) اور مجمع الزوائد (حدیث: ۹۶۳) میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔اسے ضیاء مقدسی نے المختارہ (حدیث:۷۶۱) میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے روایت کیا ہے، اور یہی روایت اتحاف الخیرۃ المهرۃ (حدیث:۴۰۷) میں بھی اسی سند سے موجود ہے۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (جلد ۱۷، صفحہ ۲۴۸) میں زہیر بن معاویہ کے طریق سے، مطرف سے، اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور امام احمد نے مسند احمد (حدیث: ۱۴۷) میں اسے اس طرح روایت کیا: ہم سے محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابراہیم بن طہمان نے منصور کے واسطے سے، اور وہ منہال بن عمرو سے اسی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔البتہ امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ [أنّ الآخرة شرّ] (یعنی: آخرت بُری ہے) موجود نہیں۔شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند قوی ہے۔

[۱۹۷] امام بخاری نے اس روایت کو نقل کیا ہے: ہم سے ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے زہری سے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھ سے سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوبکر بن ابی حثمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں نمازِ عشاء پڑھائی، جب سلام پھیرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''تم اپنی اس رات کے بارے میں کیا سمجھتے ہو؟ سنو! سو سال کے اختتام پر آج جو لوگ زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر لوگوں پر کچھ گھبراہٹ طاری ہوئی[۱] اور وہ اس بارے میں مختلف باتیں کرنے لگے کہ شاید قیامت یا آخرت کا وقت مراد ہے، اور وہ مختلف احادیث بیان کرنے لگے جو سو برس کے متعلق کہی جاتی تھیں۔حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود صرف یہ تھا کہ ''آج جو لوگ زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی سو

سال کے بعد زندہ نہیں بچے گا۔" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خبر دے رہے تھے کہ یہ صدی ان تمام لوگوں کو ختم (۲) کر دے گی (اور یہ سارا قرن (۳) تمام ہو جائے گا)۔

(۱) فَوَهِلَ النَّاسُ: یعنی: لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے یا تأویل میں خطا کر بیٹھے، اور ان کا گمان صحیح مطلب کے خلاف چلا گیا۔

(۲) تَخْرِمُ: کا مطلب ہے ہلاک کر دینا۔

(۳) صحیح بخاری (حدیث: ٥٧٦) میں مذکور ابو بکر سے مراد ہیں: ابو بکر بن سلیمان بن ابی حَثْمَہ قریشی عدوی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو یعلی کی روایت کردہ حدیث، مجالد کی روایت کردہ قصہ کی تکمیل ہے۔ گویا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بھی اُن صحابہ میں شامل تھے جنہوں نے اس حدیث کو اس کے اصل مفہوم کے خلاف سمجھا۔ چنانچہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ سو سال بعد تمام انسان فنا ہو جائیں گے، اور ان کے فنا ہونے کے ساتھ دنیا کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان پر واضح کیا کہ یہ فہم درست نہیں، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف وہ لوگ تھے جو اس وقت موجود تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی یعنی صحابہ کے اُس دور کے افراد، نہ کہ ان کے علاوہ تمام لوگوں کو شامل کرنا۔ اور علی رضی اللہ عنہ کو اس نکتہ کی سمجھ حاصل ہو گئی تھی جس پر ابو مسعود رضی اللہ عنہ مطلع نہ ہو سکے، اور وہ یہ کہ اسلام کی خوش حالی (رخاء) سو سال (۱) بعد آئے گی۔ اور یہاں رخاء سے مراد ہے: اسلام کا پھیلاؤ اور فتوحات کا عام ہونا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے سو سال کے بعد خوش حالی (رخاء) کا ذکر اس لیے کیا ہو کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا تھا کہ سو سال کے اختتام پر جو لوگ باقی ہوں گے، وہ بدترین انسان ہوں گے جن پر قیامت قائم ہو گی۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس خیال کا جواب دیا اور انہیں واضح کیا کہ سو سال کے آغاز پر ایسے نیک مسلمان بھی ہوں گے جو دین کے امور کو قائم کریں گے، جہاد کریں گے اور اسلامی فتوحات کو آگے بڑھائیں گے۔

[۱۹۸] امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے: ہم سے زہیر بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبد الرحمن (یعنی ابن مہدی) نے روایت کیا، انہوں

نے شعبہ سے، وہ علی بن الاقمر سے، وہ ابوالاحوص سے، اور وہ عبداللہ (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی''۔(۲)

(۱) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۱/۷۴۳)۔
(۲) صحیح مسلم (۸/۲۰۸) میں مذکور روایت کے رواۃ میں: ابوالاحوص سے مراد ہیں: عوف بن مالک بن نضلہ جُشَمی۔ اور عبداللہ سے مراد ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ یہی حدیث مجموع الفتاویٰ (۳۵/۷۴) اور (۳۵/۷۷) میں بھی مذکور ہے۔

□ چوتھی شخصیت: سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ:

سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ، ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، اور اولین سابقین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے بدر اور حدیبیہ کے معرکوں میں شرکت کی، اور آپ شوریٰ کے چھ اراکین میں شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُس وقت کے سب سے افضل باقی ماندہ صحابہ میں سے تھے، کیونکہ شوریٰ کے افراد میں سے اس وقت صرف وہ دونوں ہی باقی بچے تھے(۱)۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قتال (جنگ) میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی، تو انہوں نے اس دعوت کو رد کر دیا اور اپنی فضیلت و مقام کے باوجود فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وہ مدینہ کے قریب بیابان میں اپنے اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ گوشہ نشین ہو گئے، اور یہ اسی وقت سے تھا جب امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ وہ وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ فتنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے ختم ہوا۔

(۱) مجموع الفتاوی (۳۵/۷۴) و (۳۵/۷۷)

[۱۹۹] امام مسلم نے روایت کیا: ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابوخالد احمر نے (اور ح کا مطلب ہے دوسری سند سے بھی روایت ہے)۔ اور ہم سے ابوکریب اور اسحاق بن ابراہیم نے ابومعاویہ کے واسطے

سے روایت کیا - ان سب نے اعمش سے، وہ ابوظبیان سے، اور وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (یہ الفاظ ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت کے ہیں) - اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ (فوجی مہم) پر بھیجا، ہم نے قبیلہ جہینہ کے ایک قبیلے الحرَ قات پر صبح دم حملہ کیا۔ میں نے ایک آدمی کو جالیا، وہ کہنے لگا: لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)، لیکن میں نے اسے نیزہ مار دیا۔ پھر میرے دل میں اس پر ندامت محسوس ہوئی، تو میں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے تو صرف تلوار کے خوف سے یہ کلمہ کہا تھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو کیا تم نے اس کا دل چاک کر کے دیکھا کہ وہ واقعی دل سے کہہ رہا تھا یا نہیں؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جملہ بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا: کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا (یعنی وہ کلمہ گو شخص قتل نہ ہوتا)۔ اس پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا، جب تک کہ اسے ذوالبطین (۱) - (یعنی نرم پیٹ والے، ان سے مراد اسامہ بن زید ہیں) - قتل نہ کر دیں! (یعنی میں اسے حجت بناتا ہوں کہ اگر اسامہ کسی کو قتل نہیں کرتے تو میں بھی نہیں کروں گا) پھر ایک شخص نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے؟ (۲) سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تو قتال کر چکے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا، اور تم اور تمہارے ساتھی اب یہ چاہتے ہو کہ دوبارہ قتال کر کے فتنہ کھڑا کرو! (۳)

سعد : سے مراد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ حدیث کے شُرَّاح مثلاً امام نووی اور قاضی عیاض (۴) رحمہا اللہ نے وضاحت کی ہے۔

(۱) قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ذُو الْبُطَين (دو پیٹوں والا) اس لیے کہا گیا، کیونکہ ان کا پیٹ نمایاں تھا۔ (ماخذ: اکمال المعلم بفوائد مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۷۳)۔
(۲) [الانفال:۳۹]۔ (۳) صحیح مسلم (۶۷/۱)۔
(۴) شرح النووي علي مسلم (۱۰۴/۱۰) ، إكمالُ الْمُعْلِمِ بِفَوَائِدِ مُسْلِمٍ لِلْقَاضِي عِيَاض (۱۷۳/۱۷).

اس قول: (قال رجلٌ: أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: ﴿وَقَاتِلُوهُم﴾ ۔۔۔) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی مراد جنگ جمل اور صفّین کے معرکے تھے، اور اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال نہیں بنتا؛ کیونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سن ۵۵ ہجری میں ہوئی (۱)۔

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے واقعہ حرہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگیں اور مروان بن حکم کی لڑائیاں نہیں پائیں، لہٰذا یہی رائے متعین طور پر درست ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور یہ بات معروف ہے کہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام امن و استحکام کے دن تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن ۶۰ ہجری میں ہوئی (۲)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۱۲۳/۱)۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۱۶۲/۳)۔

[۲۰۰] امام مسلم نے روایت کیا: ہم سے اسحاق بن ابراہیم اور عباس بن عبدالعظیم نے حدیث بیان کی - اور الفاظ اسحاق کے ہیں، عباس نے کہا: ہم سے حدیث بیان کی، اور اسحاق نے کہا: ہمیں خبر دی - ابو بکر حنفی نے، انہوں نے بکیر بن مسمار سے، اور انہوں نے عامر بن سعد سے روایت کیا، انہوں نے کہا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں کے ساتھ تھے، کہ ان کے پاس ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سوار کے شر

سے! پھر وہ (عمر) نیچے اُترا اور کہا: کیا آپ اونٹوں اور بکریوں میں جا بیٹھے ہیں اور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ حکومت کے معاملے میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں؟ تو سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش رہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”بیشک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو متقی ہو، بے نیاز ہو، اور گوشہ نشین ہو(۱)۔“(۲)

(۱) نووی نے فرمایا: حدیث میں مذکور غنی سے مراد دل کا غنی ہونا (یعنی قناعت اور بے نیازی) ہے، یہی وہ غنی ہے جو اللہ کو محبوب ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لیکن حقیقی دولت، دل کی دولت ہے“۔ جبکہ قاضی عیاض نے اشارہ کیا کہ یہاں مالدار شخص مراد ہے۔ اور جہاں تک خفی کا تعلق ہے، تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو گمنام ہو، دنیا سے کنارہ کش ہو، عبادت میں مشغول اور اپنے ذاتی امور میں مصروف رہتا ہو۔ (ماخذ: شرح صحیح مسلم، ۱۸/۱۰۰)۔

(۲) صحیح مسلم (۸/۲۱۴)۔

امام احمد کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مدینہ نبویہ سے اس وقت باہر نکلے جب امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ اسی بات کی تائید بزار کی آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

[۲۰۱] امام احمد نے روایت کیا: ہم سے ابو بکر حنفی عبد الکبیر بن عبد المجید نے حدیث بیان کی، انہوں نے بکیر بن مسمار سے، اور انہوں نے عامر بن سعد سے روایت کی کہ: ان کا بھائی عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر اپنی بکریوں کے ساتھ تھے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے عمر کو آتے دیکھا تو فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سوار کے شر سے! پھر جب عمر ان کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے ابا جان! کیا آپ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ اپنی بکریوں میں دیہاتیوں کی زندگی گزاریں، جبکہ لوگ مدینہ میں

خلافت کے مسئلے پر جھگڑ رہے ہیں؟ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عمر کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: چپ ہو جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو متقی، غنی (یعنی قناعت شعار) اور گمنام نہ ہو۔''(۱)

(۱) مسند احمد (۱۴۴۱) کی یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے، جیسا کہ سابقہ روایت بھی اسی معیار پر تھی۔

[۲۰۲] بزار نے روایت کیا: ہم سے محمد بن مثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابو عامر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم سے کثیر بن زید نے، انہوں نے مطلب بن عبد اللہ بن حنطب سے، اور انہوں نے عمر بن سعد سے، اور انہوں نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کی: کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یاد رکھو! تمہاری قوم نے (یعنی بعض اہلِ مدینہ نے) اس شخص کا محاصرہ کر رکھا ہے- اس کا اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، جو اس وقت اپنے گھر میں محصور تھے۔ (سعد رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: تو تُو مجھے کیا حکم دیتا ہے؟ کیا میں تلوار نیام سے نکال لوں؟(۱) اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا جب تک مجھے ایسی تلوار نہ دی جائے کہ اگر میں اس سے کسی مؤمن کو ماروں تو وہ اُسے نقصان نہ پہنچائے(۲)، اور اگر کسی کافر پر وار کروں تو وہ اسے قتل کر دے! پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو بے نیاز، متقی اور گمنام ہو۔''(۳)

(۱) احمد کی روایت کے لفظ میں یہ اضافہ ہے: «أَيْ بُنَيَّ، أَفِي الْفِتْنَةِ تَأْمُرُنِي أَنْ أَكُونَ رَأْسًا؟» (یعنی: اے میرے بیٹے! کیا تم فتنہ میں مجھے سردار بننے کا مشورہ دے رہے ہو؟)

(۲) نَبَاعَنْهُ کا معنی ہے: وہ (تلوار) اس سے ہٹ گئی، اور اسے قتل نہ کر سکی۔ یعنی: وار کیا گیا لیکن تلوار نے اثر نہ کیا، گویا وہ وار مؤمن پر بے اثر رہا۔

(۳) مسند البزار (۱۱۸۸) کی روایت میں مذکور ابو عامر سے مراد ہیں: عبد الملک بن عمرو القیسی العقدی۔

بزار نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سعد کے سوا کسی اور صحابی سے مروی ہو، اور نہ ہی ہمیں سعد سے اس حدیث کی اس سند سے بہتر کوئی اور سند معلوم ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ مطّلب بن عبد اللہ بن حنطب نے عمر سے، اور عمر نے اپنے والد سے، اس حدیث کے سوا کوئی اور روایت بیان کی ہو۔ تخریج: امام احمد نے اسے اپنی مسند (۱۵۲۹) میں ابو عامر کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ شیخ شعیب الارنؤوط نے کہا: [یہ حدیث صحیح ہے، البتہ اس کی سند میں قلب (الٹ پھیر) ہے؛ واقعہ بیان کرنے والے عامر بن سعد ہیں، اور سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے شخص، جس نے انہیں (فتنے میں) سردار بننے کا کہا، وہ عمر بن سعد ہے۔]

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی کنارہ کشی پر قائم رہے، یہاں تک کہ فتنہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح کے ذریعے ختم ہو گیا۔ پس نہ انہوں نے جنگ جمل میں شرکت کی، نہ صفین میں، اور نہ ہی حکمین کے اجتماع میں۔

اور اس (کنارہ کشی) میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر لبیک کہا جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[۲۰۳] بخاری نے روایت کیا: ہمیں ابو نعیم نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ بن ماجشون نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا: انہوں نے مجھ سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکریوں سے محبت کرتے ہو اور انہیں پالتے ہو، تو ان کی دیکھ بھال کرو اور ان کی ناک سے بہنے والی رطوبت (بلغم) کی بھی صفائی رکھا کرو[1]۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بکریاں مسلمان کا سب سے بہترین مال ہوں گی، وہ انہیں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں - یا گھاٹیوں میں[2] - بارش کے مقامات پر، لے جائے گا، اپنے دین کو فتنوں سے[3] بچانے کے لیے۔''

(۱) رُعَامُهَا : اس سے مراد ہے وہ چیز جو بکری کی ناک سے بہتی ہے، یعنی بلغم۔
(۲) شَعَفُ الجِبَالِ: پہاڑوں کی چوٹیاں۔ اور قول ''سَعَفُ الجِبَالِ'': سَعَف خشک کھجور کی ٹہنیاں ہوتی ہیں۔
(۳) صحیح البخاری (۳۴۰۵)۔ ابونعیم: یہ فضل بن دُکین ہیں۔

[۲۰۴] اور اسے بخاری نے بھی روایت کیا ہے: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث سنائی، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے (۱) کہ مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں گی، جنہیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر جائے گا، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے۔ (۲)

(۱) يُوشِكُ: اس کا مطلب ہے قریب ہے۔
(۲) صحیح البخاري (۱۹)۔

[۲۰۵] ابوبکر الخلال نے روایت کیا: ہمیں الدوری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں قراد نے حدیث سنائی، انہوں نے سلیمان بن مغیرہ سے، انہوں نے حمید بن ہلال سے، اور انہوں نے جندب سے روایت کیا۔ جندب کہتے ہیں: ہم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قافلے میں تھے (۱)، تو سعد اترے اور میں بھی اترا، اور میں نے ان کے اترنے کے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ وہ کہتے ہیں: تو میں ان کے پہلو میں چلنے لگا، اور میں نے اللہ کی حمد وثنا کی اور ان کی تعریف کی، پھر میں نے کہا: معاویہ کو ایسی چوٹ لگی ہے جو مجھے نہیں لگتا (۲) کہ بچا سکے گی (۳)، اور لوگ (۴) اہلِ شوریٰ کے باقی ماندہ افراد (۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر صحابہ سے جنگ کرنے والے

ہیں، تو میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں (٦)، اگر (٧) آپ کو ان کے کسی معاملے میں۔ کوئی اختیار دیا جائے، [تو] (٨) آپ ان کی جماعت کو مت توڑیں (٩)(١٠)، ان کی وحدت کو مت پارہ پارہ کریں، اور نہ ہی انہیں کسی ایسے ہلاکت والے امر کی طرف بلائیں (١١)۔ اس پر سعد نے اللہ کی حمد کی، اور اس کی ثنا بیان کی، پھر کہا: اما بعد! اللہ کی قسم! نہ میں ان کی جماعت کو توڑوں گا، نہ ان کی جمعیت کو منتشر کروں گا، اور نہ انہیں کسی ہلاکت خیز معاملے (١٢) کی طرف بلاؤں گا، یہاں تک کہ وہ میرے پاس ایک تلوار لے کر آئیں جو خود بول کر کہے: یہ مؤمن ہے، اس کو بلا، اور یہ کافر ہے، اسے قتل کر۔ جندب کہتے ہیں: تو میں جان گیا کہ وہ اس (فتنہ واختلاف) کے کسی بھی معاملے میں داخل نہ ہوں گے (١٣)۔ (١٤)

---

(١) الرِّکْبُ: اونٹوں پر سوار افراد کو کہا جاتا ہے۔ الرَّکْبُ کا مطلب یہ بھی ہے: سفر کے دوران اونٹوں پر سوار افراد، جانوروں (گھوڑوں، خچروں) پر سوار لوگوں کے علاوہ؛ اور ان کی تعداد دس یا اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ (لسان العرب: ۴۲۹/۱، مادہ: رَکَبَ)۔

(٢) لَا أُرَاهَا: یعنی میں اسے گمان نہیں کرتا یا مجھے ایسا نہیں لگتا۔ (مراد: لَا أَظُنُهَا - میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ہوگا۔)

(٣) مراد ہے: وہ خارجی جس نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو زخمی کیا تھا، اور یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ پہلا حملہ تھا جو زہر آلود خنجر سے کیا گیا، اسی لیے جندب نے کہا: ''مجھے نہیں لگتا کہ وہ (چوٹ) بچا سکے گی''، کیونکہ وہ بہت شدید تھی۔ اور دیکھیے سابقہ روایت نمبر [۱۳۲]، اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لگنے والے دونوں زخموں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(٤) یقصد بالناس: سے مراد خوارج ہیں۔

(٥) اصحابِ شوریٰ سے مراد وہ چھ افراد ہیں جنہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل نامزد فرمایا تاکہ خلافت ان کے باہمی مشورے سے طے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا: میں کسی کو ان افراد سے زیادہ خلافت کا حقدار نہیں جانتا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں راضی رخصت ہوئے، چنانچہ اگر یہ لوگ میرے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں تو وہی خلیفہ ہوگا، تم اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نام یہ بتائے: عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ (اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: حدیث نمبر ۱۳۲۸)۔

(٦) أَنْشُدُكَ اللهَ: یعنی میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، یا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔

(٧) ''إِنْ'': یہ شرطیہ حرف ہے، یعنی اگر کے معنی میں آتا ہے۔

(٨) مطبوعہ نسخے میں (أَوْ) ہے، اور یہ ایک تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے، جس کا معنی درست نہیں بنتا۔

(٩) تَشُقَّ عَصَاهُمْ: یعنی ان کی جمعیت اور اتحاد کو توڑنا۔ کیونکہ کسی لکڑی کو عصا (ڈنڈا) تب ہی کہا جاتا ہے جب وہ سالم اور اکٹھی ہو، پس جب وہ پھٹ جائے (یعنی ٹوٹ جائے) تو اسے عصا نہیں کہا جاتا۔ (تاج العروس: ۵۱۱/۲۵، مادہ: ش ق ق)

(۱۰) یعنی: یہ کہ تم ان کی جمعیت کو نہ توڑو۔

(۱۱) الدَّعُ (عین پر تشدید کے ساتھ): اس کا مطلب ہے شدید دھکا دینا یا زور سے ہانکنا۔ اس سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ [الطور: ۱۳] ''جس دن انہیں جہنم کی آگ کی طرف زور سے دھکیلا جائے گا''۔ یعنی: انہیں زبردستی، سختی سے دھکیلا جائے گا۔ المرجع: تاج العروس (۲۰/۵۴۸)۔

(۱۲) الهَلَكَةُ (زبر کے ساتھ یعنی مرفوع، مفتوح اور متحرک): اس کا مطلب ہے ہلاکت۔ ماخذ: تاج العروس (۲۷/۴۰۲)، مادہ: ہ ل ک۔

(۱۳) علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما مراد ہیں، اور تغیّر سے مراد جنگ ہے، کیونکہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانے میں حالت صلح سے جنگ میں بدل گئی تھی۔ یعنی: میں (جُندب) جان گیا کہ سعد ان فتنوں میں داخل نہ ہوں گے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئے تھے۔ زَبیدی نے کہا: کسی چیز کا اپنی حالت سے بدل جانا، یعنی اس کا منتقل ہو جانا؛ اور ''غیرہ'' کا مطلب ہے: اسے اس حالت سے بدل دینا جس میں وہ تھا، یعنی اسے دوسری حالت میں منتقل یا تبدیل کر دینا۔ (ماخذ: تاج العروس ۱۳/۲۸۶، مادہ: غ ی ر)

(۱۴) السنۃ للخلال (۷۴۹)، اس کی سند صحیح ہے، اور اس سے پہلے اختصار کے ساتھ روایت نمبر [۱۳۲] میں گزر چکی ہے، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے طعن کا ذکر ہوا تھا۔

الدُّوری: ان کا نام عباس بن محمد ہے۔ قُرَاد: یہ ابونوح عبدالرحمٰن بن غزوان خُزاعی ہیں۔ جُندب: یہ جندب بن عبداللہ بن سفیان ابو عبداللہ بجلی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی۔

التخریج:

اسے نعیم بن حماد نے الفتن (۴۱۹) میں روایت کیا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، قَالَ: قِيلَ لِسَعْدٍ... اسی مفہوم کے ساتھ مختصراً روایت کیا ہے۔

خبر کی تشریح:

جملہ (اور بے شک لوگ اصحابِ شوریٰ کے باقی ماندہ افراد سے قتال کرنے والے ہیں) - اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے، تو اصحابِ شوریٰ میں سے صرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ باقی بچے تھے۔ چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ نے اشارہ دیا کہ خوارج سعد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور انہوں نے انہیں ان سے خبردار کیا۔

جملہ (فَأَنْشُدُكَ اللهَ إِنْ وُلِّيتَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِمْ...) کا مطلب یہ ہے: ''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں - اگر تمہیں مسلمانوں کے کسی معاملے میں اختیار دیا جائے - تو تم ان کی جماعت کو مت توڑنا، ان کے اجتماع کو منتشر نہ کرنا، اور انہیں کسی ہلاکت

خیز معاملے کی طرف مت بلانا۔''

جملہ (اَوْ تَدُعَهُمْ إِلَى أَمْرٍ هَلَكَةٍ) کا مطلب یہ ہے: یعنی تم انہیں ہلاکت خیز فتنوں کی طرف زبردستی نہ دھکیلو، اور نہ ہی انہیں ان فتنوں میں داخل ہونے پر مجبور کرو۔

اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ جُندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ اصحابِ شوریٰ کے چھ افراد میں سے سعد رضی اللہ عنہ ہی آخری باقی ماندہ فرد تھے۔ چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے ان ہلاکت خیز نتائج کا ذکر کیا جو پیش آ چکے تھے: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، معاویہ رضی اللہ عنہ کا مہلک زخم، اور خوارج کا خود سعد رضی اللہ عنہ اور باقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف منصوبہ بندی کرنا۔ پھر جندب رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو (اس صورت میں کہ اگر وہ علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سنبھالیں) مسلمانوں کے درمیان جنگ چھیڑنے سے منع کیا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ انہیں (اگر وہ خلافت سنبھالیں) معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے قتال کرنے سے روک رہے تھے۔ پس سعد رضی اللہ عنہ کا جواب جندب رضی اللہ عنہ کے لیے باعثِ اطمینان تھا، جب انہوں نے بتایا کہ اگر وہ کسی جنگ میں داخل ہوئے بھی تو وہ صرف کفار سے ہی قتال کریں گے۔ اس پر جندب رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ سعد رضی اللہ عنہ اگر علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سنبھالتے بھی ہیں تو مسلمانوں کے درمیان جنگ نہ چھیڑیں گے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس فتنہ کے زمانے میں خلافت کے خواہشمند نہ تھے، چنانچہ انہوں نے صحرا میں گوشہ نشینی کو ترجیح دی۔ پس اہلِ عراق نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کی، اور اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی۔

جملہ (فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ فِي شَيْءٍ مِمَّا غَيَّرًا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ ان فتنوں اور قتال سے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئے، بیزاری اور بے زاری محسوس کر رہے تھے، نہ کہ کسی ایک فریق سے۔

[۲۰۶] عن أيوب، عن ابن سيرين، قال: ابن سیرین رحمہ اللہ بیان

کرتے ہیں کہ کہا گیا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ قتال نہیں کریں گے، حالانکہ آپ اہلِ شوریٰ میں سے ہیں، اور دوسروں کی نسبت اس معاملے (خلافت) کے آپ زیادہ حق دار ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ”میں قتال نہیں کروں گا جب تک تم میرے پاس ایسی تلوار نہ لاؤ جس کی آنکھیں، زبان اور ہونٹ ہوں، جو مومن اور کافر میں فرق پہچان سکے۔ میں نے جہاد کیا ہے اور میں جہاد کو جانتا ہوں، اور میں اپنی جان کو ضائع نہیں کرنا چاہتا اگر (اب) کوئی شخص مجھ سے بہتر ہے۔“(۱)

---

(۱) جامع معمر بن راشد (۲۰۷۳۶) کی یہ خبر صحیح المعنی ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے، اگرچہ اس کے رجال ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں شامل ہیں۔ محمد بن سیرین نے سعد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت براہِ راست نہیں سنی، جیسا کہ الفتن از ابونعیم، طبقات ابن سعد اور معجم ابن الأعرابی میں ہے کہ ابن سیرین نے کہا: ”مجھے بتایا گیا کہ سعد۔۔۔“۔ البتہ یہ روایت دوسرے طریق سے متصل سند کے ساتھ صحیح ثابت ہوئی ہے، خبروں نمبر [۲۰۲] اور [۲۰۵] میں۔

التخریج:

اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۳۲۲)، حاکم نے المستدرک (۸۳۷۰)، اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱/۹۴) اور معرفۃ الصحابۃ (۱/۱۳۵، رقم ۵۱۲) میں روایت کیا عبدالرزاق کے طریق سے۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اسے روایت نہیں کیا، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی۔

اسی کو سعید بن منصور نے سنن (۲۹۷۳)، نعیم بن حماد نے الفتن (۴۳۲)، ابن سعد نے الطبقات (۳/۱۴۳)، اور ابن الاعرابی نے معجم (۵۳۸) میں روایت کیا- اور انہی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۰/۳۵۵) میں نقل کیا۔

اسی طرح تاریخ دمشق (۲۰/۳۵۵) میں ابن سعد اور ابن الاعرابی کی سند سے، اور (۲۰/۳۵۶) میں ابونعیم کی سند سے مذکور ہے۔

اور ابن سعد نے الطبقات (۳/۱۴۴) میں روایت کیا: أنا يزيد بن هارون، نا شعبة، عن يحيى بن الحصين قال: سمعت الحيّ يتحدثون: أن أبي قال لسعد: ما يمنعك من القتال؟ قال: حتى تجيئوني بسيف يعرف المؤمن من الكافر۔ یعنی: میں نے محلے کے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ میرے والد نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو قتال سے کس چیز نے روکا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”جب تک تم میرے پاس ایسی تلوار نہیں لاتے جو مومن کو کافر سے پہچان سکے، میں قتال نہیں کروں گا۔“

اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ وہ قتال درست نہیں تھا، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے راستے میں جہاد نہیں تھا۔

[۲۰۷] حاکم نے روایت کیا: حدّثني علي بن عيسى(۱)، ثنا الحسين بن محمد القَبّاني(۲)، وإبراهيم بن أبي طالب(۳)، قالا: ثنا عمران بن موسى

القزاز (۴)، **ثنا عبد الوارث بن سعید** (۵)، **ثنا محمد بن جُحادۃ** (۶)، **عن نعیم بن أبي هند** (۷)، **عن أبي حازم** (۸)، **عن حسین بن خارجۃ** (۹)... **جب پہلا فتنہ** (۱۰) آیا تو حسین بن خارجہ کہتے ہیں کہ وہ معاملہ میرے لیے مشتبہ ہو گیا، چنانچہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے حق کا وہ راستہ دکھا جسے میں تھام سکوں، تو خواب میں میں نے دنیا اور آخرت کو دیکھا جن کے درمیان ایک زیادہ لمبا نہ ہونے والا پردہ یا دیوار تھی، اور میں اس کے نیچے کھڑا تھا، تو میں نے کہا: کاش میں اس دیوار پر چڑھ کر اشجع کے مقتولین کو دیکھ سکوں تاکہ وہ مجھے کچھ بتائیں۔ پھر مجھے ایک درختوں والی زمین میں اتارا گیا جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے، میں نے کہا: کیا تم شہداء ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم فرشتے ہیں۔ میں نے کہا: تو شہداء کہاں ہیں؟ کہا: وہ درجات کی طرف جا چکے ہیں۔ پھر مجھے ایک ایسا درجہ دکھایا گیا جس کے حسن اور وسعت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، وہاں میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو ایک بزرگ کی صورت میں دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابراہیم! میری امت کے لیے استغفار کیجیے، تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟ انہوں نے خون بہایا اور اپنے امام کو قتل کر دیا، تو انہوں نے میرے خلیل (دوست) سعد کی طرح کیوں نہ کیا؟؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے ایک خواب دیکھا ہے، امید ہے کہ اللہ مجھے اس سے فائدہ دے، اب میں سعد کی تلاش میں نکلتا ہوں اور ان کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔ میں سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ خواب سنایا، تو وہ اس پر بہت خوش ہوئے (۱۱) اور فرمایا: یقیناً وہ ناکام ہے جس کا خلیل ابراہیم نہ ہو۔ میں نے کہا: آپ دونوں فریقوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ فرمایا: میں ان میں سے کسی

کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے کہا: تو پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: کیا تمہارے پاس بکریاں ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، تو فرمایا: بکریاں خرید لو اور ان کے ساتھ رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے (۱۲)۔

---

(۱) علی بن عیسی بن ابراہیم بن عبدویہ- اور بعض کے مطابق: ابن ابراہیم بن محمد- ان کا نام ابوالحسن تھا، لقب الورّاق، السلولی، الہروی اور پھر النیسابوری الحِیری تھا۔ حاکم نیشاپوری نے جب انہیں ایک سند میں ذکر کیا تو ان کی تعدیل (ثقاہت) کی، اور امام ذہبی نے ان کے بارے میں کہا: انہوں نے کتابیں تصنیف کیں۔ ان کا سالِ وفات ۳۴۴ھ بیان کیا گیا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: [أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدُوَيْهِ الْحِيرِيُّ الثِّقَةُ الْمَأْمُونُ ...] ہمیں ابوعبداللہ الحافظ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا: ''ہمیں ابوالحسن علی بن عیسی بن ابراہیم بن عبدویہ الحِیری نے حدیث سنائی، جو ثقہ اور امانت دار تھے۔۔۔'' (ماخوذ از: بیان خطأ من أخطأ علی الشافعي، ص: ۱۷۵، للبیهقی) اور ملاحظہ کریں: الروض الباسم في تراجم شیوخ الحاکم، رقم: ۶۲۳۔

(۲) حسین بن محمد بن زیاد العبدی، کنیت ابوعلی، نیشاپوری تھے۔ وہ ثقہ، حافظِ حدیث اور مؤلف تھے۔ (ماخذ: التقریب، رقم: ۱۳۴۸)

(۳) وہ امام، حافظ، حدیث میں مہارت رکھنے والے، زاہد، نیشاپور کے شیخ اور اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے۔ ان کا نام تھا: ابو اسحاق بن ابی طالب محمد بن عبداللہ بن خالد نیشاپوری المزکّی۔ حاکم نیشاپوری نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ اپنے دور میں نیشاپور میں علمِ حدیث اور رجال کے امام العصر تھے۔ انہوں نے شیوخ اور علل کو جمع کیا۔ اور امام ذہبی نے العبر میں کہا: وہ حدیث کے بڑے ستونوں میں سے ایک حافظ تھے۔ جبکہ ابن العماد نے نقل کیا کہ ابن ناصر الدین نے کہا: وہ ثقہ تھے۔

(ماخذ: العبر ۱/۴۲۷، سیر اعلام النبلاء ۵۴۷ / ۱۳، شذرات الذهب ۳/۴۰۰)۔

(۴) ابوعمرو لیثی بصری، ان کے بارے میں ابوحاتم نے کہا: صدوق۔ اور نسائی، مسلمہ اور دارقطنی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے کہا: صدوق، (ت، س، ق)۔ اور تحریر التقریب میں ان کے بارے میں کہا گیا ہے: بلکہ ثقہ۔ ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال (۲۲/۳۶۰)، تہذیب التہذیب (۱۴۱/۸)، التقریب (۵۱۷۲)۔

(۵) عبدالوارث بن سعید بن ذکوان العنبری، ابوعبیدہ تنوری بصری، ثقہ، ثبت ہیں۔ ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا گیا، لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ (ع) التقریب (۴۲۵۱)۔

(۶) الاودی کوفی، ثقہ ہیں۔ (ع) التقریب (۵۷۸۱)۔

(۷) الاشجعی کوفی، ثقہ ہیں، ان پر ناصبی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ التقریب (۸۱۷۸)۔

(۸) ابوحازم: سلمان الاشجعی کوفی، محدث، ثقہ ہیں۔ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحبت پانچ سال تک اختیار کی اور ان سے بہت روایت کی۔ سیر اعلام النبلاء (۷/۵)، التقریب (۲۴۷۹)۔

أَخْرَجَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ فُرَاتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ: ابوحازم نے کہا: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال نشست رکھی۔ العلل ومعرفة الرجال (۲۰۸۵)، (۵۲۹۸)۔ اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، اور سب شیخین کے راوی ہیں۔ محمد بن جعفر: یہ بندار ہیں، اور فُرات: یہ ابن ابی عبدالرحمن تمیمی قزاز ہیں۔

(۹) اشجعی کے بارے میں صحابیت میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے انہیں اپنے ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے، اور ابن حجر نے راجح قرار

دیا ہے کہ وہ تابعی ہیں۔ احمد بن سیار نے ان کی حدیث کو حسن کہا ہے، اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، جس کی موافقت ذہبی نے کی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

ان کا ترجمہ درج ذیل کتب میں ملاحظہ ہو:

التاریخ الکبیر (۲/۳۸۲)، الجرح والتعدیل (۳/۵۱) اور دونوں نے ان پر سکوت کیا ہے۔ الثقات (۴/۱۵۵)، معرفۃ الصحابہ لابن مندہ، ص ۳۹۶، معرفۃ الصحابہ لابن نعیم (۲/۸۸۹)، اسد الغابہ (۲/۲۴)، الاصابہ (۲/۱۷۲)۔

اور اسد الغابہ میں ہے: [حسین بن خارجہ: اسے ابوموسیٰ نے نقل کیا اور کہا: عبدان نے اسے (یعنی اشجعی کو) صحابہ میں شمار کیا، اور احمد بن سیار نے کہا: یہ ایک بڑا آدمی ہے، ہم سے یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ اس نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو، مگر اس کی حدیث حسن ہے، اس میں سننے والوں کے لیے عبرت ہے۔۔۔ اور ابوموسیٰ نے حسین بن خارجہ سے ذکر کیا کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت ایک خواب دیکھا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قتال کو ناپسند کیا جائے، اور اس خواب کے ذکر کی حاجت نہیں، اسے ابوموسیٰ نے روایت کیا ہے۔]

● ابوموسیٰ: ان کا نام محمد بن عمر بن احمد بن عمر المدینی الاصبہانی ہے (وفات: ۵۸۱ھ)، یہ اس مشہور کتاب کے مصنف ہیں جس کا نام تیمہ معرفۃ الصحابہ ہے، جو انہوں نے ابونعیم الاصبہانی کی معرفۃ الصحابہ پر بطور ذیل (ضمیمہ) لکھی۔ سیر اعلام النبلاء (۲۱/۱۵۴)، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۶/۱۶۱)، الاعلام (۶/۳۱۳)۔

● اور عبدان: ان کا نام عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، کنیت ابومحمد المروزی ہے، اور عبدان ان کا لقب ہے۔ وفات ۲۹۳ھ میں ہوئی۔ انہوں نے معرفۃ الصحابہ کے موضوع پر کتاب المعرفۃ تصنیف کی، جو سو اجزاء پر مشتمل تھی۔ مراجع: حسن المحاضرۃ للسیوطی (۱/۳۴۹)، **الرسالة المستطرفة للكتاني**، ص ۱۲۶-۱۲۷ الاعلام (۴/۱۱۸)، **علم الرجال: نشأته وتطوره لمحمد مطر الزهراني**، ص ۹۹، **بحوث في تاريخ السنة المشرفة لأكرم ضياء العمري**، ص ٦٦

ابن الاثیر نے اسد الغابہ (۱/۲۲۶) میں اوس المرئی کے ترجمہ کے ضمن میں ان کا نام صراحت سے ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: [**أخرجه أبو موسى، ونقله عن أبي محمد عبدان بن محمد بن عيسى**]۔ (یعنی: اسے ابوموسیٰ نے روایت کیا، اور اسے ابومحمد عبدان بن محمد بن عیسیٰ سے نقل کیا ہے۔)

اور وہ (یعنی عبدان) اپنی کتاب میں احمد بن سیار سے روایت کرتے ہیں، اور بعض مقامات پر ان سے سماع کی صراحت بھی کرتے ہیں، جیسا کہ ثعلبہ بن زید کے ترجمہ میں (۱/۳۵۴) موجود ہے۔

● اور احمد بن سیار: ان کا پورا نام احمد بن سیار بن ایوب بن عبدالرحمٰن المروزی ہے۔ ان کی ایک کتاب الصحابہ کے عنوان سے ہے۔ ان کا ذکر: ابن مندہ نے ص ۳۲۹ پر اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ (۱/۳۹۶) میں بشر بن قحیف کے ترجمہ میں کیا ہے۔

مزید مراجع: علم الرجال: **نشأته وتطوره لمحمد مطر الزهراني**، ص ۹۹، **بحوث في تاريخ السنة المشرفة لأكرم ضياء العمري**، ص ٦٥

(۱۰) یعنی: اس (خواب) سے مراد فتنۂ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ ہے، جیسا کہ الاصابہ میں آیا ہے۔

(۱۱) یعنی: سعد رضی اللہ عنہ اس (چیز) سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوئے۔

(۱۲) المستدرک (۶۱۲۶)۔ اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حاکم نے اس واقعے کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

التخریج:

* اسے ابونعیم الاصبہانی نے روایت کیا ہے- جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں ہے- انہوں نے کہا: ہمیں ابواحمد الحاکم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن خزیمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمران بن موسیٰ نے حدیث بیان کی۔۔۔ پھر انہوں نے اسے

ذکر کیا۔ سیر اعلام النبلاء (۱/۱۲۰) - اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن خزیمہ: ان کا نام امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہے۔

* اور اسے حاکم نے بھی روایت کیا ہے (۸۳۹۴)، انہوں نے کہا: أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَلِيمِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْمُونَ الصَّائِغُ، أَنْبَأَ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الشَّذُورِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ هُبَيْرَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ... اسی کے مطابق۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ یہ روایت إتحاف المهرة (۵۰۹۹) میں حاکم کے طریق سے موجود ہے۔

الصَّائِغ: حاکم نے جب انہیں کسی سند میں ذکر کیا تو ان کو ثقہ قرار دیا۔ ملاحظہ ہو: السنن الکبری للبیہقی (۲۸۹۷)، الروض الباسم في تراجم شیوخ الحاکم (ص۲۹۹)۔

الشَّذُورِي: ان کے بارے میں کوئی صریح توثیق نہیں مل سکی۔ ملاحظہ ہو: رجال الحاکم فی المستدرک (ص ۲۳۷)۔

سعید بن ہُبَیرہ کے بارے میں: ابو حاتم نے کہا: وہ قوی نہیں اور ابن حبان نے انہیں متہم قرار دیا۔ ملاحظہ ہو: الجرح والتعدیل (۴/۷۱)، المجروحین (۱/۳۲۷)۔

* اور ابن عساکر نے اسے روایت کیا (۲۰/۳۷۲) عن أبي الحسن علي بن أحمد بن منصور بن محمد بن قبيس، عن أبي نصر الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدِ بن أَحْمَدَ ابن طلاب عن أبي بكر محمد بن أحمد بن عثمان بن الوليد ابن أبي الحديد، عن أبي بكر محمد بن جعفر بن محمد الخرائطي، عن محمد بن غالب بن حرب المعروف بالتمتام، عن أَبِي مَعْمَرٍ عَبْدِ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ، عن عَبْدِ الْوَارِثِ بْنِ سَعِيدٍ، اسی طرح۔ اور یہ سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

اور یہ روایت ابن عساکر کی اُن روایات میں سے ہے جو انہوں نے اپنے شیخ ابن قبیس سے نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳/۲۱۶۱)۔

* اور امام بخاری نے اسے تاریخ الکبیر (۲/۳۸۲) میں ذکر کیا ہے۔ اسے ابو معمر سے، اسی سند کے ساتھ مختصر طور پر صرف سند کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے۔

* اور اسے ابوجعفر ابن البختری نے روایت کیا، انہوں نے کہا: حدثنا علي بن إبراهيم الواسطي، حدثنا وهب بن جرير، حدثنا هِشَامُ الدَّسْتَوَائِي، عن محمد بن جُحَادَةَ سے یہی روایت سنائی۔ ملاحظہ ہو: مجموع فيه مصنفات أبي جعفر ابن البختري (۳۸۴)۔ اس کی سند صحیح ہے۔

* اور اسے عمر بن شبہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۲۵۱) میں روایت کیا، انہوں نے کہا: حدثنا قُشَيْرُ بْنُ عَمْرٍو قال، حدثنا هشام بن أبي عبد الله، نے اسی سند کے ساتھ حدیث بیان کی۔

قُشَیر: مجھے اس راوی کا تعین نہیں ہو سکا، اور یہ وہ قُشَیر نہیں ہے جس کے بارے میں ابن حجر نے التقریب (۵۵۵۰) میں کہا ہے: مستور، من السادسہ، کیونکہ دونوں کی طبقے بالکل مختلف ہیں۔ اور ہشام سے مراد یہاں الدستوائی ہیں۔

* اور اسے ابن عبد البر نے التمہید (۱۹/۲۲۲) میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ الْقَاسِمِ بْنُ سَهْلٍ، أَبُو الْقَاسِمِ ابْنُ الدَّبَّاغِ الْأَزْدِيُّ الْأَنْدَلُسِي، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بن النَّاصِحِ الدِّمَشْقِيُّ الْفَقِيهُ الشَّافِعِيُّ، أَبُو أَحْمَدَ، وَيُعْرَفُ ب ابْنِ المفسر قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ غَالِبِ بْنِ سلام (أبو الحسن السكسكي البتلهي)، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامِ الدَّسْتَوَائِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، نے یہی حدیث بیان کی۔ یعنی یہ روایت معاذ بن ہشام الدستوائی کے طریق سے ان کے والد ہشام تک جاتی ہے، اسی سند کے مطابق۔

* اور اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے المنامات (۱۷۲) میں روایت کیا ہے، اور ان کے طریق سے ابن عساکر نے (۲۰/۳۷۲) میں روایت کیا، انہوں نے کہا: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ سَلَمَةُ بْنُ حَفْصٍ الْقُرَشِيُّ، يَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، نا فَائِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ... به مختصراً إلى قوله: "خَابَ مَنْ لَمْ يَكُنْ إِبْرَاهِيمُ لَهُ خَلِيلًا..

سَلَمَہُ (بن حفص القرشی): ابن حبان نے ان پر حدیث وضع کرنے کا الزام لگایا ہے۔ ملاحظہ ہو: المجروحین (۱/۳۳۹)۔ فَائِدُ بن عبدالرحمن: یہ متروک ہیں، اورمحدثین نے ان پرالزام لگایا ہے۔ ملاحظہ ہو: التقریب (۵۳۷۳)۔

* اوراسے عمر بن شبہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۲۵۱) میں روایت کیا، انہوں نے کہا: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَابِدِ بْنِ نَاجِيَةَ الْأَسَدِيِّ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، بہ. اسی سند کے مطابق روایت کیا۔ اوراس روایت میں حازم بن خارجہ الاشجعی ہے حسین کی جگہ۔ ایوب: ثقہ ہیں۔ محمد بن مسلم اور عابد: مجھے ان دونوں کی تعیین نہ ہوسکی، تاہم ممکن ہے کہ عابد تصحیف ہوکر فائد بن گیا ہو۔

یہ وہ طرق ہیں جواس خبر کے لیے مجھے دستیاب ہوسکیں، اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے بعض طرق کی اسناد صحیح ہیں۔

❑ پانچویں شخصیت: اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ عنہما:

بلند مرتبہ امیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب۔

[۲۰۸] امام بخاری نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، أَنَّ حَرْمَلَةَ، مَوْلَى أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ - قَالَ عَمْرٌو:** حرملہ، جو اسامہ کے مولیٰ تھے، نے انہیں خبر دی - عمرو نے کہا: میں نے حرملہ کو دیکھا ہے - انہوں نے کہا: اسامہ نے مجھے علی[1] رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا: وہ ابھی تم سے سوال کریں گے اور کہیں گے: تمہارے ساتھی نے ساتھ کیوں نہیں دیا؟ تو ان سے کہنا: وہ تم سے کہہ رہے ہیں کہ: اگر تم شیر کے جبڑے میں ہوتے[2]، تب بھی میں تمہارے ساتھ ہونا پسند کرتا، لیکن یہ معاملہ ایسا تھا جسے میں نے واضح نہیں پایا، اورانہوں نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ پھر میں حسن، حسین، اورابن جعفر[3] رضی اللہ عنہم کے پاس گیا، تو انہوں نے میری سواری سامان سے بھر دی[5]۔ ان کا یہ قول: تمہارے ساتھی نے ساتھ کیوں نہیں دیا؟ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر نکیر کی جو ان کے ساتھ نہ آئے، بالخصوص اسامہ رضی اللہ عنہ جیسے اہلِ بیت میں سے کسی فرد پر[6]۔

اسامہ رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے دوران قتال سے کنارہ کشی اختیار کر لی، تو انہوں نے امیر

المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پیغام بھیجا، جس میں انہوں نے ان سے اپنے پیچھے رہنے پر عذر بیان کیا، اور انہیں یہ اطلاع دی کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ان کے لیے سب سے زیادہ محبوب ہیں، اور وہ خوشی اور مصیبت، ہر حال میں ان کے ساتھ شریک ہونا پسند کرتے ہیں، لیکن وہ مسلمانوں سے قتال کو درست نہیں سمجھتے۔ اور اس رویے کی وجہ یہ تھی کہ جب انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے (جان بچانے کے لیے) ''لا إله إلا الله'' کہا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس پر ملامت کی تھی۔

(۱) یعنی: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنے مولیٰ حرملہ کو علی رضی اللہ عنہ کے پاس اللہ کے مال میں سے کچھ طلب کرنے کے لیے بھیجا، تو علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ نہیں دیا، کیونکہ وہ ان کے ساتھ قتال میں شریک نہیں ہوئے تھے، اور ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے (علی رضی اللہ عنہ نے) یہ سمجھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیچھے رہنے کا کوئی عذر نہیں تھا۔ یعنی: تمہارے ساتھی اسامہ نے میرے ساتھ قتال اور میری نصرت سے کنارہ کشی کیوں اختیار کی؟

(۲) الشِّدْقُ: اس سے مراد منہ کا اندرونی کنارہ ہے، اور یہ تعبیر کامل موافقت کے لیے کنایہ ہے- یعنی: ایسی موافقت کہ اگر تم شیر کے منہ کے اندر بھی ہوتے (یعنی یقینی موت کی جگہ)، تب بھی میں تمہارے ساتھ ہوتا۔ لیکن یہ موافقت مسلمانوں کے باہمی قتال میں نہیں تھی۔

(۳) یہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں۔

(۴) فَأَوْقَرُوا لِي رَاحِلَتِي یعنی: انہوں نے میری سواری پر اس قدر سامان لاد دیا جتنا وہ اٹھا سکتی تھی۔

(۵) صحیح البخاری (۶۶۹۳) میں مذکور رجال کی وضاحت: علی بن عبداللہ: یہ علی بن المدینی ہیں، امام حدیث وعلل۔ سفیان: یہ سفیان بن عیینہ ہیں، ثقہ، ثبت، حافظ۔ عمرو: یعنی عمرو بن دینار، محدثِ مکہ، ثقہ۔ محمد بن علی: یہ محمد بن حسین بن علی بن ابی طالب، کنیت ابوجعفر الباقر، تابعی، جلیل القدر، اہلِ بیت میں سے ہیں۔

(۶) فتح الباری لابن حجر (۱۳/۶۷)۔

[۲۰۹] اسے بخاری نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، حَدَّثَنَا أَبُو ظَبْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ يُحَدِّثُ قَالَ: ابوظبیان کہتے ہیں: میں نے اسامہ بن زید بن حارثہ کو بیان کرتے سنا، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جہینہ کے قبیلے حرقہ (۱) کی طرف بھیجا، ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی، میں اور ایک انصاری آدمی ان میں سے ایک شخص کے پیچھے لگے، جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے کہا:

لا الٰہ الا اللہ، انصاری رک گیا، لیکن میں نے اسے اپنے نیزے سے مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ جب ہم واپس مدینہ پہنچے تو یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے اسامہ! کیا تو نے اسے قتل کر دیا، جبکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے صرف جان بچانے کے لیے ایسا کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تُو نے اسے قتل کر دیا، جبکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی بات مجھ سے بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں نے اس دن (۲) سے پہلے اسلام قبول نہ کیا ہوتا (۳)۔

دیکھو: [۱۹۹]

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس پر ملامت کی وجہ سے، اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ کسی مسلمان سے قتال نہیں کرے گا (۴)، پس یہی وجہ تھی کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمل اور صفین (۵) کے مواقع پر شریک نہ ہوئے۔

---

(۱) الحُرَقَۃ: یہ جہینہ کے ایک قبیلے کا نام ہے۔

(۲) یعنی: تا کہ اسلام اس (قتل کی) خطا کو مٹا دے۔

(۳) صحیح البخاری (۴۲۶۹)۔ ہشیم: یہ ہشیم بن بشیر، کنیت ابو معاویہ السُّلمی ہیں، ثقہ، معروف محدث۔ حصین: یہ حصین بن عبد الرحمن السلمی ہیں، کنیت ابو الہذیل الکوفی، ثقہ، صاحبِ حفظ۔ ابو ظبیان: یہ حصین بن جُندب الجنبی الکوفی ہیں، تابعی، ثقہ راوی۔

(۴) لفظ "معاہدہ کی زیادتی حاکم نے المستدرک (۵۹۹۴) میں روایت کی ہے، جو ابراہیم بن مہاجر، ابو الشعثاء، ان کے چچا، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے، اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فلا أقاتلُ رجلاً يقول: الله أكبر، مما نهاني عنه حتى ألقاه" [یعنی: میں ایسے شخص سے قتال نہیں کروں گا جو "اللہ اکبر" کہتا ہو، اس چیز سے رکنے کی وجہ سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے منع فرمایا، یہاں تک کہ میں خود ان سے ملاقات کر لوں]۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اور یہ روایت بخاری نے اپنی تاریخ (۲۰۱) میں ذکر کی ہے، اور ابن ابی البختری نے اسے اپنی چوتھی مجلسِ حدیث میں روایت کیا ہے، جو کہ مجموع فيه مصنفاته (۳۷۸) کے ضمن میں مطبوع ہے۔

اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (۴/۲۹۷) میں اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲/۵۰۵) میں یہ روایت نقل کی ہے، جو محمد بن اسامہ بن محمد بن اسامہ بن زید بن حارثہ کے طریق سے، ان کے والد سے، اور وہ اپنے دادا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور اس میں یہ الفاظ وارد ہیں: [إني أعطي الله عهدًا ألا أقتل رجلًا يقول لا إله إلا الله أبدًا] (یعنی: میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو لا إله إلا الله کہتا ہو۔) اور بخاری نے اس روایت کو مختصر نقل کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ زیادتی شاذ

ہے اور درست نہیں۔ ویسے بھی، ہمیں اس زیادتی کی حاجت نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملامت ہی اس بات کو لازم کرتی ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے، اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان کو بغیر حق کے قتل نہ کرنے کا اصول اپنا لیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا، فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ، إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا﴾ ''اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، اور جو شخص ظلم سے قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (بدلہ لینے کا) اختیار دیا ہے، پس وہ قتل (کے بدلے) میں زیادتی نہ کرے، یقیناً وہ حق پر ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے مدد یافتہ ومؤید ہوتا ہے۔'' ۔[الاسراء: ۳۳]

(۵) فتح الباري لابن حجر (۶۸/۱۳)۔

❑ چھٹی شخصیت: ابوسعید خدری، نام سعد بن مالک بن سنان انصاری رضی اللہ عنہ۔

امام، مجاہد، مدینہ کے مفتی، فقہاء مجتہدین میں سے ایک، انہوں نے غزوۂ خندق اور بیعتِ رضوان میں شرکت کی (۱)۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جمل اور صفین (کی لڑائیوں) سے کنارہ کشی اختیار کی، پھر نہرَ وان میں خوارج سے قتال کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج سے قتال کا حکم دیا تھا (۲)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۱۶۸/۳)۔

(۲) دیکھو: [۶۷][۲۱۷]، ان میں یہ وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج سے قتال کی ترغیب دی اور فرمایا: اگر لشکر کو یہ معلوم ہو جائے جو وہ ان (خوارج) کے خلاف انجام دیں گے، جو ان کے نبی کی زبان سے ان کے حق میں مقرر کیا گیا ہے، تو وہ عمل سے ہرگز سستی نہ کریں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کو قتل کرنے کی وعید بھی سنائی اور فرمایا: اگر میں ان کو پالوں تو ضرور انہیں قومِ عاد کی طرح قتل کر دوں گا۔

اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی وہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتنوں سے کنارہ کشی کا حکم روایت کیا، اور انہی سے حق کے زیادہ قریب فریق والی حدیث بھی مروی ہے، اور ابوسعید رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے بارے میں گواہی دی کہ یہی لوگ اس حدیث میں مذکور حق کے قریب تر فریق ہیں۔

پھر فتنۂ حرّہ کے دن انہوں نے ایک غار میں پناہ لے کر اعتزال اختیار کیا، اور اس بارے میں ان کی ایک مشہور حکایت ہے، جو عنقریب ذکر کی جائے گی۔

[۲۱۰] امام بخاری نے روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ الْمَاجِشُونِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رضی الله عنه سے روایت کیا، انہوں نے کہا: انہوں نے مجھ سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں کو پسند کرتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو، ان کی اصلاح کرو اور ان کے نتھنوں کی رطوبت [۱] (یعنی بیماری یا کمزوری کی علامت) کو بھی درست کرو، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: ”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس وقت بکریاں مسلمان کا سب سے بہتر مال ہوں گی، وہ ان کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں یا پہاڑوں کی ڈھلانوں کا رخ کرے گا [۲]، بارش کے مقامات میں جائے گا، تاکہ فتنوں [۳] سے بچتے ہوئے اپنے دین کو محفوظ رکھ سکے۔“

---

(۱) ان کا خیال رکھو، اور ان کی ناک کی صفائی کا بھی دھیان رکھو۔
(۲) شَعَفَ الجِبَالِ: پہاڑوں کی چوٹیاں۔ اور اس کے قول سَعَفَ الجِبَالِ کا مطلب: السَّعَف کھجور کے سوکھے پتے ہیں۔
(۳) صحیح البخاری (۳۴۰۵)۔ أَبُو نُعَيْمٍ: یہ فضل بن دُکین ہیں۔

[۲۱۱] اور اسے بخاری نے روایت کیا: حَدَّثنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه سے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات میں لے جائے گا، اپنے دین کو فتنوں [۱] سے بچانے کے لیے۔

چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس نبوی حکم کی تعمیل کی اور جنگ جمل وصفین کے فتنے سے کنارہ کشی اختیار کی۔

[۲۱۲] اسے بخاری نے روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الخُدْرِيَّ رضی الله عنه حَدَّثَهُ قَالَ: پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! سب سے افضل انسان کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن جو اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن جو کسی پہاڑی درّے میں (۲) (تنہائی میں) ہو، اللہ سے ڈرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر (۳) رسانی سے محفوظ رکھتا ہو (۴)۔

ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ اس اعتزال (تنہائی اختیار کرنے) کی جگہ وہ وقت ہوتا ہے جب فتنوں کا ظہور ہو (۵)۔

فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ان کے وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا، ایک مامور بہ (یعنی مطلوب و پسندیدہ) عمل ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری (۱۹)۔
(۲) شِعبٍ مِنَ الشِّعَابِ: یعنی کسی وادی میں سے ایک وادی۔ اور شِعب کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ وہ عموماً لوگوں سے خالی ہوتا ہے۔
(۳) یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تنہائی اختیار کرنا اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ (شخص) لوگوں کو اپنے شر سے بچا سکے، نہ کہ اس لیے کہ وہ خود ان کے شر سے نجات حاصل کرے۔
(۴) صحیح البخاری (۲۶۳۴)۔
(۵) فتح الباری (۶/۶-۷)۔

[۲۱۳] امام مسلم نے روایت کیا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، (ح) وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، رَدَّهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، رَدَّهُ إِلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، رَدَّهُ إِلَى

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: آپ ﷺ نے فرمایا:

”فتنوں کے ہنگامے (۱) میں عبادت کرنا، میری طرف ہجرت (۲) کے مانند ہے۔“

[۲۱۴] اسے امام احمد نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا يَزِيدُ، حَدَّثَنَا مُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيدِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ:** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فتنے کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت (۳) کرنے کے مانند ہے۔“

---

(۱) الْهَرْج: سے مراد فتنہ اور لوگوں کے معاملات کا انتشار ہے، اور اس وقت عبادت کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس سے غافل ہو جاتے ہیں، اس میں مشغول نہیں ہوتے، اور اس وقت صرف چند افراد ہی عبادت کے لیے فارغ ہوتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم (۲۰۸/۸)۔

(۳) یہ روایت مسند احمد (۲۰۳۱۱) میں موجود ہے، اور اس میں یزید سے مراد یزید بن ہارون ہیں۔ اسے البانی اور شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے، اور دیکھیں: صحیح ترمذی (۲۲۰۱)۔

[۲۱۵] اور اسے امام مسلم نے روایت کیا: **حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ:** کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت میں ایک ایسی قوم کا ذکر کیا جو لوگوں کے ایک گروہ سے علیحدہ ہو کر نکلے گی، ان کی علامت سر منڈوانا (۱) ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ کی مخلوق میں بدترین ہوں گے۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا: بدترین مخلوق میں سے ہوں گے۔ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے قریب تر ہو گی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے ایک مثال دی، یا کوئی بات ارشاد فرمائی۔ ”ایک شخص تیر مارتا ہے۔ پھر وہ تیر کی نوک (۲) کو دیکھتا ہے تو اس پر کوئی خون یا اثر نہیں پاتا (۳)، پھر تیر کے دھڑ (۴) کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی کچھ نہیں پاتا، پھر پَر (دم) (۵) کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی کوئی اثر نہیں

ہوتا۔“ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہلِ عراق! تم ہی تھے جنہوں نے انہیں قتل کیا(٦)۔

اور یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی گواہی ہے علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے حق میں کہ وہی وہ فریق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حق کے زیادہ قریب تھے۔

---

(١) سِيمَاهُمْ: ان کی علامت التَّحَالُقُ: سر منڈوانا (یعنی بال صاف کروانا)۔

(٢) النَّصْلُ: تیر کا چمکدار لوہے کا سرا جو اس کے اگلے سرے پر ہوتا ہے۔

(٣) یعنی: تیر کے ہدف کو لگنے پر کوئی علامت نظر نہیں آتی جس سے لگنے کا پتہ چلے، اور وہ علامت خون ہے، چنانچہ تیر کی نوک پر خون نظر نہیں آتا۔

(٤) النَّضِيِّ: وہ تیر جس میں نہ نوک ہو اور نہ پَر (یعنی بغیر دھات اور بغیر پر کے تیر)۔

(٥) الفوق (فاء پر پیش کے ساتھ): تیر کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹا سا شگاف ہوتا ہے جس میں تیر چلانے کے وقت کمان کی ڈوری داخل کی جاتی ہے۔

(٦) صحیح مسلم (١١٣/٣)۔

[٢١٦] اسے بخاری نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الخُدْرِيَّ اللهِ قَالَ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال تقسیم فرما رہے تھے، کہ ایک شخص، ذوالخویصرہ(١) نامی - جو بنی تمیم کا ایک آدمی تھا - آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! انصاف کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”افسوس ہے تجھ پر! اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون کرے گا؟ تو تو نامراد اور خسارے میں ہے اگر میں ہی انصاف نہ کر رہا ہوں!“ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو، کیونکہ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے، تم میں سے کوئی اپنی نماز

کوان کی نماز کے مقابلے میں حقیر سمجھے گا، اور اپنے روزے کوان کے روزے کے مقابلے میں معمولی سمجھے گا، وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق (۲) سے نیچے نہ اُترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار (۳) سے نکل جاتا ہے۔ تیر کی نوک (۴) کو دیکھا جائے تو اس میں کچھ نہیں ملتا، پھر اس کے دھڑ (۵) کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں، پھر اس کے نضی (تیر کا قدح (۶)) کو دیکھا جائے-، تو اس میں بھی کچھ نہیں، پھر اس کے پَر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں (۷)، حالانکہ وہ گوشت اور خون (۸) کو چیرتا ہوا گزر چکا ہوتا ہے۔ ان کی علامت (۹) یہ ہوگی کہ ان میں ایک کالا شخص ہوگا، جس کا ایک بازو عورت کے سینے کی طرح یا گوشت کے لوتھڑے کی مانند لٹکا ہوگا (۱۰)، جو ہلتا ہوگا۔ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں اختلاف (۱۱) پڑ چکا ہوگا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں ان کے ساتھ تھا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے اس سیاہ فام شخص کی تلاش کا حکم دیا، تو اُسے تلاش کیا گیا اور لایا گیا، یہاں تک کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ نشانی (۱۲) کے مطابق (۱۳) اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول: (اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب نے ان (خوارج) سے قتال کیا اور میں ان کے ساتھ تھا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نہروان کی جنگ میں شریک تھے۔

---

(۱) ذوالخویصرہ کا ترجمہ (تعارف) آئندہ نمبر [۶۲۸] اور اس کے بعد میں آئے گا۔

(۲) یعنی قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا، اور "تراقی" (جمع ترقوۃ) سے مراد ہے: وہ ہڈی جو گلے کے گڑھے اور کندھے کے درمیان ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کے معانی کو نہیں سمجھتے، نہ ان کے دل اس کے لیے جھکتے ہیں، اور نہ وہ ان کے نفوس پر اثر

انداز ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ خوارج کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دلیل کو جانتے تو ہیں، مگر اس کی گہرائی اور فہم سے نا آشنا ہوتے ہیں۔

(۳) الرَّمِيَّة: یہ ''فعيلة'' کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، یعنی وہ شکار جس پر تیر مارا گیا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کے دین سے نکل جانے کو اس تیر سے تشبیہ دی ہے جو شکار کو لگتا ہے، اس کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور اس میں سے نکل جاتا ہے۔ اور اس کے نکلنے کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے، تیر انداز کی قوت کی وجہ سے، کہ شکار کے جسم سے کچھ بھی تیر پر نہیں لگتا۔

(۴) النَّصْلُ: تیر کا چمکدار لوہے کا سرا جو اس کے اگلے سرے (نوک) پر ہوتا ہے۔

(۵) یہ رِصاف کی جمع ہے، اور اس سے مراد وہ ریشہ (یا پٹی) ہے جو تیر کی نوک (نَصل) کے جوڑ پر لپیٹا جاتا ہے۔

(۶) القِدْحُ: تیر کی لکڑی (ڈنڈا) جب وہ صرف ایک لکڑی ہو اور اس پر ابھی پَر (پچھلا حصہ) نہ لگا یا گیا ہو۔

(۷) قُذَذ، قُذَّہ کی جمع ہے، اور قُذَّہ تیر کے پَر کو کہتے ہیں۔ ہر ایک پَر کو ''قُذَّہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ''فلاں شخص اس سے ایسے مشابہ ہے جیسے ایک قُذَّہ دوسری قُذَّہ سے مشابہ ہوتی ہے''، کیونکہ یہ سب ایک ہی نمونے پر بنائی جاتی ہیں۔

(۸) قَدْ سَبَقَ الفَرْثَ وَالدَّمَ: یعنی تیر اتنی تیزی سے نکل گیا کہ اس پر نہ خون لگا اور نہ ہی فرث (فضلہ)، کیونکہ وہ بہت تیز رفتاری سے جسم سے پار ہو گیا۔ اور ''الفَرْثُ'' اُس مواد کو کہتے ہیں جو جگالی کرنے والے جانوروں کے معدے (کَرِش) میں کھائے ہوئے چارے سے جمع ہوتا ہے۔

(۹) آيتهم: یعنی اس کی علامت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کالے شخص - جو کہ ذوالثدیہ ہے - کی موجودگی کو خوارج کی علامت قرار دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ظاہری علامتیں نہایت واضح انداز میں بیان فرمائیں: اس کی جلد کا رنگ بتایا اور اس کے بازو کی ساخت کا بھی ذکر فرمایا۔

(۱۰) البَضْعَة: گوشت کا ایک ٹکڑا۔ تَدَرْدَرُ: یعنی وہ (ٹکڑا) ہلتا ہے، اِدھر اُدھر حرکت کرتا ہے، آگے پیچھے جاتا ہے۔

(۱۱) فُرْقَةٌ: یعنی اختلاف اور پھوٹ۔ اس سے مراد وہ جنگ ہے جو صفّین میں پیش آئی، چنانچہ جب دونوں لشکر اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ پر متفق ہو گئے، تو اس کے بعد خوارج علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کر گئے۔

(۱۲) النَّعْتُ: یعنی وصف (علامت یا شناخت)۔ مراد یہ ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بالکل انہی اوصاف کے ساتھ دیکھا جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا وصف فرمایا تھا۔

(۱۳) صحیح البخاری (۳۴۱۴)۔

[۲۱۷] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے - جب وہ یمن میں تھے - سونے کی ایک ڈلی مٹی سمیت [۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا: الاقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن بدر الفزاری، علقمہ بن علاثہ العامری (پھر ایک شخص بنو کلاب میں

سے)، اور زید الخیر الطائی (پھر ایک شخص بنونبہان میں سے)۔ ابو سعید کہتے ہیں: قریش کو یہ بات ناگوار گزری، انہوں نے کہا: ’’آپ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں؟‘‘ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’میں نے یہ ان کو دل میں مائل (اسلام کے قریب کرنے) کے لیے کیا ہے۔‘‘ اسی دوران ایک شخص آیا، گھنی داڑھی (۲) والا، دونوں گال ابھار لیے ہوئے (۳)، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی (۴)، پیشانی ابھری ہوئی (۵)، سر منڈا ہوا (۶)، اس نے کہا: ’’محمد! اللہ سے ڈرو۔‘‘ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو پھر اللہ کی اطاعت کون کرے گا؟ اللہ نے مجھے زمین والوں پر امانت دار بنایا ہے، اور تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے؟‘‘ پھر وہ شخص پلٹ گیا، تو ایک آدمی نے - جسے لوگ خالد بن ولید سمجھتے ہیں- اس کے قتل کی اجازت مانگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’یقیناً میری اس امت کی جڑ (۷) (یعنی بنیاد) سے ایک قوم نکلے گی، جو قرآن تو پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔، وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان کو پاؤں، تو میں انہیں قوم عاد کے مانند قتل کروں گا (۸)۔‘‘

---

(۱) بِذُهَيْبَةٍ: یعنی سونے کا ایک ٹکڑا۔ فِي تُرْبَتِهَا: یعنی ایسی حالت میں کہ وہ مٹی سمیت تھا، ابھی پگھلایا یا صاف نہیں گیا تھا (یعنی کچا اور غیر مصفّٰی سونا)۔

(۲) داڑھی میں ’’کثافت‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو باریک ہو، نہ بہت لمبی، بلکہ گھنی اور بھرپور ہو۔

(۳) مُشْرِفُ الوَجْنَتَيْنِ: یعنی دونوں گال ابھرے ہوئے (موٹے) ہوں۔ اور الوَجْنَةُ سے مراد ہے: گال۔

(۴) غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ: یعنی اس کی آنکھیں گہرائی میں دھنسی ہوئی تھیں، اس طرح کہ گویا وہ اپنی حدقہ (آنکھ کے گڑھے) کی تہ سے چپکی ہوئی ہوں۔

(۵) نَاتِي الْجَبِين: یعنی پیشانی ابھری ہوئی تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: ناشز الجبهة یا ناتئ الجبهة، دونوں کے معنی بھی یہی ہیں کہ پیشانی نمایاں اور باہر کو نکلی ہوئی تھی۔

(٦) اس زمانے میں سر منڈوانا عربوں کے رواج کے خلاف تھا، کیونکہ وہ عام طور پر اپنے سروں کے بال نہیں منڈواتے تھے، بلکہ اپنے بالوں کو بیچ سے مانگ نکال کر رکھتے تھے۔

(٧) ضِنضِيِ: اصل، جڑ یا بنیاد۔

(٨) صحیح مسلم (١١٠/٣) میں روایت موجود ہے۔اور امام بخاری نے بھی اسے (٦٩٩٥) پر ابنِ ابی نُعم کے دو طرق سے روایت کیا ہے۔

بے شک ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو روایت کیا تھا- ''اگر میں انہیں پاؤں تو ان کو قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا''-اس پر لبیک کہا، چنانچہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہروان کی جنگ میں شریک ہوئے۔

پھر جب فتنۂ حرہ برپا ہوا، تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک غار میں پناہ لی، اور اس موقع پر ان کا ایک مشہور واقعہ پیش آیا جسے ابو نضرہ منذر بن مالک عبدی روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: (ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یومِ حرہ [١] ایک غار میں داخل ہو گئے، تو ایک شخص ان کے پاس آیا، پھر وہاں سے نکل کر شام کے ایک (آدمی) سے کہنے لگا: کیا میں تمہیں ایک ایسے آدمی کی نشاندہی نہ کروں جسے تم قتل کر سکتے ہو؟ [٢] چنانچہ جب شامی اس غار کے دروازے تک پہنچا، تو ابو سعید رضی اللہ عنہ سے کہا- جبکہ اس وقت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی: میرے سامنے آؤ! ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اگر تم میرے پاس اندر آئے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا [٣]۔ پھر وہ شامی اندر داخل ہو گیا، تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے تلوار نیچے رکھ دی اور کہا: اپنا اور میرا گناہ اپنے اوپر لے لے، اور جہنمیوں میں سے ہو جا، یہی ظالموں کی سزا ہے [٤]۔اس پر اس شامی نے کہا: کیا آپ ابو سعید خدری ہیں؟ [٥] فرمایا: ہاں۔ کہا: تو پھر میرے لیے استغفار کیجیے۔ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھے معاف کرے [٦]۔

اور آخر میں یہ کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے صحابہ کو گالی دینے سے منع کرنے والی حدیث روایت کی، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے جو کچھ سنا، اس پر عمل کیا؛ چنانچہ انہوں نے کسی صحابی کو نہ گالی دی اور نہ کسی پر طعن کیا۔ پس یہ تھے ان کے فتنے کے وقت کے عظیم موقف۔

---

(۱) واقعۂ حرہ سنہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا۔ (حوالہ: البدایہ والنہایہ ۸/۲۳۸، ۲۴۲، اور فتح الباری از ابن حجر ۱۳/۷۱)۔

(۲) (اور اس واقعے کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مدینہ نے خلافت کے انتخاب میں دوبارہ شوریٰ کی خواہش ظاہر کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے یزید کو معزول کر دیا اور مدینہ میں اس کے گورنر کو بھی ہٹا دیا۔ اس پر یزید نے ان کے خلاف ایک لشکر بھیجا، اور مدینہ کے ایک مقام ''حرہ'' پر دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یزید کا لشکر غالب آیا اور اہلِ مدینہ کے ایک گروہ کو قتل کر دیا گیا)۔ (حوالہ جات: صحیح بخاری ۶۶۹۴، البدایہ والنہایہ ۸/۲۳۸ (دار ہجر ۱۱/۶۱۴)، مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية از محمد بن عبد الهادي بن رزان الشيباني، ص ۴۵۵)۔

یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یوم حرہ کے موقع پر فتنہ سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی، اور وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اسی میں چھپے بیٹھے تھے، کہ اچانک ایک ایسا شخص ان کے پاس آ گیا جس سے کسی نقصان یا دشمنی کا خوف نہ تھا؛ کیونکہ خبر کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ مدنی نہ بھی ہو تو کم از کم شامی لشکر میں سے نہیں تھا۔ پھر وہ شخص غار سے نکل کر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مخبری کے لیے دوڑ پڑا تا کہ ان کو پھنسا سکے اور ان کے چھپنے کی جگہ ظاہر کرے۔ چنانچہ اس نے شامی لشکر کے ایک سپاہی کو پایا اور اسے ابوسعید رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کرنے لگا، اور اسے غار کی طرف رہنمائی کی۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ اس غدار کو ابوسعید رضی اللہ عنہ کے بلند مقام ومرتبہ کا علم تھا، اسی لیے اس نے سوچا کہ جب شامی فوج قتل وغارت میں مصروف ہے، تو اگر وہ انہیں ابوسعید رضی اللہ عنہ جیسے کسی عظیم صحابی کا پتہ دے دے، تو شاید اسے بھی کچھ مالِ غنیمت یا کوئی درجہ حاصل ہو جائے جیسا کہ دوسرے لے رہے ہیں۔ اس غدار کی چالاکی اور بدفطرتی یہ بھی تھی کہ اس نے شامی سپاہی کو یہ نہیں بتایا کہ غار میں موجود شخص کون ہے؛ کیونکہ وہ ہر قیمت پر ابوسعید رضی اللہ عنہ کے قتل کا خواہاں تھا، اور ڈر رہا تھا کہ اگر سپاہی کو معلوم ہو جائے کہ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں تو وہ انہیں قتل کرنے سے رک جائے گا، اور یوں اسے موقع اور صلہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ لیکن شامی سپاہی ہوشیار نکلا اور پہچان گیا کہ وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) ان (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) کا مقصد یہ تھا کہ شامی سپاہی کو ڈرا کر اور روک کر غار میں داخل ہونے سے باز رکھے، لیکن وہ سپاہی نہ رکا، نہ ہی پیچھے ہٹا، بلکہ غار میں داخل ہو گیا۔

(۴) یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنا ہتھیار زمین پر رکھ دیا، تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو قتل نہیں کریں گے، اور ان کے نزدیک مقتول ہونا، قاتل ہونے سے بہتر ہے۔ پھر ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس شامی سپاہی کو نصیحت کی اور قابیل و ہابیل کا واقعہ یاد دلایا، جس میں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا اور ندامت وخسارے میں پڑ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور انہیں آدم کے دو بیٹوں کی خبر سچائی کے ساتھ سنا دو، جب دونوں نے ایک قربانی پیش کی، تو ان میں سے ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ دوسرے نے کہا: اللہ تو صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو میری طرف ہاتھ بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں ہرگز تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ سمیٹ لے، اور دوزخیوں میں سے ہو جائے، اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ پھر اس کے نفس نے اسے اپنے

بھائی کو قتل کرنے پر آمادہ کرلیا، تو اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا، جو زمین کریدتا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی مانند بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ سو وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گیا۔'' (المائدہ: ۳۱)

(۵) یعنی: شامی سپاہی نے پوچھا: کیا آپ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں؟ - اور اس نے انہیں اس وجہ سے پہچان لیا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بہت زیادہ متقی و پرہیزگار تھے اور فتنوں سے بچنے کے لیے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے۔ پس جب سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ واقعی وہی ہیں، تو اس نے ان کی تعظیم کی اور ان سے اپنے لیے استغفار کی درخواست کی، کیونکہ وہ ان کی عظیم شان، صحابیت اور فضل سے واقف تھا۔

(۶) تاریخ خلیفہ (ص ۲۳۹) سے، اور اسی طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۰/۳۹۴) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے، اور تاریخ دمشق میں مذکور متن زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر، سند اور تخریج کے ساتھ آگے آئے گا: روایت نمبر [۶۲۵] اور [۶۲۶] کے تحت۔

[۲۱۸] امام بخاری نے روایت کیا: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے، تو وہ اُن کے ایک مد یا آدھے مد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ (۱)(۲)۔''

---

(۱) نَصِيفَهُ: یعنی نصفہ، یعنی مد کا آدھا حصہ۔

(۲) صحیح البخاری (۳۶۷۳) ذکوان: وہ ابو صالح سمان ہیں۔

ساتویں شخصیت: ابو برزہ اسلمی، نَضْلَہ بن عُبَید رضی اللہ عنہ:

وہ قدیم الاسلام تھے، فتح مکہ اور فتح خیبر میں شریک ہوئے، بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مدت تک قیام پذیر رہے۔ ان کا انتقال سن ۶۴ ہجری میں ہوا (۱)۔

خطیب بغدادی نے کہا: ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر بصرہ منتقل ہوئے اور وہیں قیام کیا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہروان میں خوارج کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے، اور اُن کے ساتھ مدائن بھی گئے۔ بعد ازاں خراسان کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے، اور وہیں وفات

پائی(۲)۔

تراجم کی کتابوں نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں سے یہ ہیں:

- کہا گیا ہے کہ وہ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے؛ اسے جاحظ (۳) نے ذکر کیا ہے، اور یہ غلط ہے، کیونکہ وہ نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے کوئی شخص نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں لڑا۔

- یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے، مگر یہ بھی درست نہیں۔ ابن اثیر اور ابن حجر نے کہا: [ثعلبہ بن ابو برزہ نے روایت کیا کہ ان کے والد صفین اور نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے](۳)۔

اور اس میں درست بات یہ ہے کہ انہوں نے جنگِ جمل اور صفین کے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، البتہ نہروان میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

اور جن لوگوں نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی صفین میں شمولیت کا ذکر کیا ہے، انہوں نے صرف ثعلبہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے، اور وہ روایت صحیح نہیں ہے، اور کسی صحابی کا کوئی موقف ایسی خبر کی بنیاد پر ثابت نہیں کیا جا سکتا جو صحیح نہ ہو۔

[۲۱۹] ابو نعیم اصفہانی نے روایت کیا: حَدَّثَنَا الْقَاضِي أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ (۵)، وَأَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ (۶) قَالَا: ثنا عَامِرُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَامِرِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ (۷)، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي أَبِي أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ قَالَ: وہ کہتے ہیں: جب اُحد کا دن آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے، آپ کا سامنے کا دانت شہید ہوا، خود (لوہے کی ٹوپی) آپ کے سر سے ٹوٹ گئی اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، تو میں

نے آپ کا سر اپنی گود میں رکھا، جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: ''نَضلَہ؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول، تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تجھ پر، تیرے دین پر، اور تیرے بعد آنے والی تیری نسل پر برکت نازل فرمائے۔'' ثعلبہ کہتے ہیں: میرے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک ہوئے: جمل، صفین، اور نہروان (۸)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۳/۴۱) اور ان کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۲) تاریخ بغداد (۱/۱۹۵)۔

(۳) تاریخ دمشق (۶۲/۸۴) جاحظ نے اس کا ذکر بلا سند کیا ہے۔

(۴) اسد الغابہ (۵/۳۳۶)، اور الاصابہ (۶/۴۳۴) میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

(۵) العَسَّال، الأَصْبَهَانِی، الحَافِظ - یہ حدیث کے ایک جلیل القدر امام تھے، اور کئی تصانیف کے مؤلف تھے، جن میں سے ایک ''المعجم'' ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں چار سو شیوخ سے روایت کی۔ ان کا انتقال ۲۸۲ ہجری میں ہوا۔ ماخذ: سیر اعلام النبلاء (۶/۱۶)۔

(۶) امام، حافظ، صدوق، اور محدثِ اصفہان، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیّان، جو ابو الشیخ کے نام سے معروف ہیں، یہ ایک کثیر التصانیف عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں شامل ہیں: (العَظَمَة) اور (طبقات المحدثين بأصبهان)۔ ان کی ثقاہت کی گواہی کئی ائمہ نے دی ہے، جن میں ابن مردویہ، خطیب بغدادی اور دیگر شامل ہیں۔ امام ذہبی نے فرمایا: ''ابو الشیخ ان علماء میں سے تھے جو علم پر عمل کرنے والے، سنت کے پیروکار اور متبعِ حق تھے، اگرچہ ان کی تصانیف میں ضعیف احادیث بہت زیادہ ہیں۔'' ان کا انتقال ۳۶۹ ہجری میں ہوا۔ ماخذ: سیر اعلام النبلاء (۱۶/۲۷۶)۔

(۷) ابو الحسن: یہ ثقہ (قابل اعتماد) اور صدوق (سچے) راوی تھے۔ ایسا قول ابو الشیخ، ابو نعیم اور امام ذہبی نے کیا ہے۔ ماخذ: طبقات المحدثین باصبهان (۳/۵۵۰) اخبار اصبہان (۱/۴۶۵) تاریخ الاسلام (۲۳/۳۱۴)۔

(۸) اخبار اصبہان (۱/۴۶۵) - اس کی سند بہت ضعیف ہے، کیونکہ پوری سند مجہول راویوں پر مشتمل ہے۔ عقبہ اور اس سے اوپر کے تمام رواۃ (سوائے صحابی کے) کو میں نے کتبِ رجال میں نہیں پایا۔

التخریج:

اسے ابو الشیخ نے طبقات المحدثین باصبهان (۳/۵۵۰) میں اسی سند سے روایت کیا ہے، مگر وہاں آخری جملہ [قال ثعلبة: وشهد أبي مع عليّ...] موجود نہیں۔

ابن عساکر نے اسے تاریخ دمشق (۶۲/۹۴) میں ابو نعیم کے طریق سے روایت کیا، مگر طباعتی نسخے میں سند میں سقوط (کمی) واقع ہوئی ہے۔

سراج الدین البلقینی نے اسے ابو نعیم کے حوالے سے محاسن الاصلاح صفحہ (۵۴۸) میں ذکر کیا ہے، پانچ پشتوں کی مسلسل روایت کی مثال کے طور پر (یہ کتاب مقدمہ ابن الصلاح کے ضمن میں بنت الشاطئ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے)۔

اور جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے آپس کے باہمی قتال کو شدید ناپسند کرتے تھے،،،

[۲۲۰] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ ، عَنْ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ سَيَّارِ بْنِ سَلاَمَةَ قَالَ:** جب وہ زمانہ آیا کہ ابن زیاد نے خروج (۱) کیا، مروان شام میں اُٹھ کھڑا ہوا، ابن زبیر مکہ میں کھڑے ہو گئے، اور قُرّاء (سخت عبادت گزار) بصرہ میں کھڑے ہو گئے (۲) - ابو المنہال کہتے ہیں: میرے والد کو اس وقت شدید غم لاحق ہوا - اور وہ اپنے والد کی تعریف کیا کرتے تھے - کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے کہا: بیٹا! آؤ، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کے پاس چلیں - پس ہم ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ سخت گرمی کے دن میں ایک نَرسیدہ چھپر (۳) کے سایے (۴) میں بیٹھے تھے جو کہ سرکنڈوں کا بنا ہوا تھا (۵) - میرے والد نے ان سے بات شروع کی اور حدیث سننے کی خواہش ظاہر کی (۶) - کہنے لگے: اے ابو برزہ! کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ کیا آپ دیکھ نہیں رہے؟ تو سب سے پہلی بات جو ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے کہی، وہ یہ تھی: ''میں آج کے دن قریش کے زندہ لوگوں (۷) سے سخت ناراض ہوں - اے عرب کے لوگو! تمہاری حالت وہی تھی جو تم جانتے ہو: قلت، جہالت، اور پستی - اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے عزت بخشی (۸)، یہاں تک کہ تم اس مقام تک پہنچے جسے آج دیکھ رہے ہو - اور اب یہی دنیا ہے جس نے تمہارے درمیان فساد ڈال دیا ہے - قسم اللہ کی! شام والا - (یعنی مروان) - صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے، اور مکہ والا - (یعنی ابن زبیر) - قسم اللہ کی! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے، اور یہ لوگ جو تمہارے اردگرد ہیں اور جنہیں تم

اپنے قُرّاء کہتے ہو، قسم اللہ کی! یہ بھی صرف دنیا ہی کے لیے لڑ رہے ہیں۔'' راوی کہتا ہے: جب انہوں نے کسی کو نہ چھوڑا تو میرے والد نے ان سے پوچھا: ''اے ابو برزہ! آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: آج کے دن میں کسی چیز کو بہتر نہیں سمجھتا، سوائے ایک ایسی چھوٹی جماعت کے (۹) جن کے پیٹ (۱۰) لوگوں کے مال سے خالی ہیں اور جن کی پشتیں لوگوں کے خون سے ہلکی ہیں (۱۱)۔''

---

(۱) عبید اللہ بن زیاد بن ابیہ: یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں بصرہ کا گورنر تھا، اور پھر یزید کے دور میں بھی یہی منصب سنبھالا۔

(۲) القرّاء: ''قاریؒ'' کی جمع ہے، اور یہاں مراد خوارج ہیں، جو عبید اللہ بن زیاد کے بصرہ سے نکلنے کے بعد وہاں بغاوت پر اُتر آئے۔ ان کا سردار نافع بن الازرق تھا۔

(۳) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قتال پر بیعت کی تھی۔ ان لوگوں کو ''البکّاؤون'' (یعنی رونے والے) کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بصرہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے، اور مرون بن حکم کی طرف سے شام کی فوج کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد ان کے مقابلے پر آیا، اور عین الوردۃ کے مقام پر یہ سب قتل کر دیے گئے۔

(۴) لفظ ''علیہ'' جس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے (فِي ظِلِّ عُلِّيَّةٍ)، اس کا مطلب ہے: بالا خانہ یا اوپر کی منزل۔ اس لفظ کا تلفظ اس طرح ہے کہ عین پر پیش، لام پر زیر، اور یاء کو تشدید (یعنی دوبار) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کا جمع علالی آتا ہے، یعنی بالا خانوں یا اوپر کی منزلوں کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ شخص ایک اونچے کمرے یا چھجے کے سایے میں بیٹھا ہوا تھا۔

(۵) ''قَصَب'' ہر اس پودے کو کہا جاتا ہے جس کی ساخت نالی دار (یعنی اندر سے کھوکھلی اور نل کی طرح ہو) ہو۔ اس کا واحد ''قَصَبَة'' ہے۔ یہ تعریف تاج العروس (جلد ۸/۴۳، مادہ: قصب) میں مذکور ہے۔

(۶) يَسْتَطْعِمُهُ الْحَدِيثَ: کا مطلب ہے وہ اس سے بات چیت کا آغاز کر رہا تھا اور اس سے حدیث (روایت یا کلام) طلب کر رہا تھا۔

(۷) یعنی: میں ان پر اس لیے ناراض ہو گیا ہوں کہ وہ دنیا کے لیے آپس میں لڑنے لگے ہیں۔ احیاءِ قریش کا مطلب ہے: قریش کی مختلف قبائل۔

(۸) نَعَشَكُم: کا مطلب ہے: اللہ نے تمہیں بلند کیا، اٹھایا۔ اور بعض نے کہا: تمہیں سہارا دیا اور قوت بخشی۔

(۹) لَبِدَ بالأرض وأَلْبَدَ بها: کا مطلب ہے: زمین سے چمٹ گیا اور وہیں ٹھہر گیا، یعنی کہیں سے ہلا نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فتنے کے زمانے میں سب سے بہتر لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے گھروں میں جمے رہتے ہیں، باہر نہیں نکلتے، اور کسی فتنہ یا جنگ میں حصہ نہیں لیتے۔ مزید دیکھیے: تاج العروس (۹/۱۲۵)، مادہ: لبد۔

(۱۰) یعنی: خالی اور دُبلے پتلے۔

(۱۱) مصنّف ابن ابی شیبہ (۳۸۲۸۳) کی روایت کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری و مسلم) کے رجال میں سے ہیں۔ اس میں عوف سے مراد عوف الاعرابی ہیں، جو ثقہ اور معروف تابعی راوی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: فتح

الباری (۷۲/۱۳)۔

التخریج:

اسے امام بخاری نے اپنی صحیح (حدیث:٦٦٩٥) میں روایت کیا ہے: نَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، نَا أَبُو شِهَابٍ، عَنْ عَوْفٍ، بہ لیکن بخاری نے اس روایت کے آخر کا ٹکڑا (فَلَمَّا لَمْ يَدَعْ أَحَدًا قَالَ.... الخ) نقل نہیں کیا۔

نیز اسے یعقوب بن سفیان نے اپنی المعرفہ والتاریخ میں (بیہقی کی السنن الکبریٰ حدیث: ۱۶۸۱۰ کے ضمن میں)، ابوبکر القطیعی نے القطیعیات میں (جیسا کہ تاریخ دمشق [۹۷/۶۲] میں ہے)، الحاکم نے المستدرک میں (حدیث: ۸۴۵۲)، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۳۲/۲) میں دوطرق سے عوف کے طریق سے روایت کیا ہے۔ القطیعي نے روایت کے آخر میں نماز کے اوقات سے متعلق ایک اضافی حدیث بھی ذکر کی ہے، جبکہ الحاکم نے روایت کو مختصر کر دیا۔

القطیعي کی روایت کے مآخذ کے لیے دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱۰۸۱/۲)۔

ابن حجر فرماتے ہیں (فتح الباری، ۱۳/۷۲): [أَخْرَجَهُ يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ فِي تَارِيخِهِ...] یعنی انہوں نے بھی سند و متن کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

یہ تمام واقعات جن کا ذکر ہوا ہے - جیسے عبید اللہ بن زیاد کا دوبارہ اقتدار میں آنا، مروان کا شام میں بغاوت کرنا، ابن زبیر کا مکہ میں خروج کرنا، اور قُرّاء (یعنی وہ لوگ جو یا تو خوارج تھے یا پھر وہ گروہ جنہوں نے قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینے کی بیعت کی تھی) کا بصرہ میں اٹھ کھڑا ہونا - یہ سب کے سب واقعات سنہ ۶۴ ہجری یا ۶۵ ہجری کے دوران پیش آئے۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول (خِمَاصُ بُطُونِهِمْ... الخ) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فتنوں کے زمانے میں علیحدگی اختیار کرنے کے قائل تھے، اور مسلمانوں کے آپس کے قتال میں کسی بھی صورت شریک ہونے سے اجتناب کرتے تھے، خاص طور پر جب یہ قتال محض حکومت کے حصول کے لیے ہو۔ اس واقعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فتنہ نازل ہونے پر اہلِ علم اور دیندار لوگوں سے مشورہ لینا چاہیے، اور یہ کہ عالم کو چاہیے کہ مشورہ مانگنے والے کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت دے۔ نیز اس واقعے سے یہ اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ منکر (برائی) کو زبان سے بیان کر دینا کافی ہے، چاہے وہ شخص موجود نہ ہو جس پر اعتراض کیا جا رہا ہو، تاکہ سننے والے عبرت حاصل کریں اور اس برائی سے بچیں (۱)۔

ابن حجر اس قول (إِنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ) (بخاری کے الفاظ میں: إِنِّي احْتَسَبْتُ عِنْدَ اللهِ أَنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے ان مذکورہ گروہوں پر اپنی ناراضگی کو اللہ کی رضا کے لیے شمار کیا اور اس پر اللہ سے اجر کے طلب گار ہوئے، کیونکہ اللہ کے لیے محبت رکھنا اور

اللہ کے لیے بغض (ناراضگی) رکھنا ایمان کا حصہ ہے (۲)۔

(۱) فتح الباری (۱۳/۷۳)۔
(۲) اسی مصدر سے۔

رہا مسئلہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ (ابو برزہ رضی اللہ عنہ) کی شرکت کا نَہرَوَان میں:

[۲۲۱] یعقوب بن سفیان نے روایت کیا: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ - يَعْنِي ابْنَ مُعَاذِ العَنْبَرِيَّ - قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُدَيْرٍ، عَنْ لَاحِقٍ - يَعْنِي أَبَا مِجْلَزٍ - قَالَ: (ابومجلز نے کہا): جو لوگ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہروان میں نکلے تھے، وہ چار ہزار افراد تھے جو لوہے (یعنی اسلحے) سے لیس تھے، مسلمانوں نے ان پر چڑھائی کی اور انہیں قتل کر دیا، اور مسلمانوں میں سے صرف نو افراد شہید ہوئے۔ اگر تم چاہو تو ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے پوچھ لو، کیونکہ وہ اس موقع پر موجود تھے (۱)۔

اور ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے عبد الملک بن مروان کی خلافت کے زمانے میں مہلب بن ابی صفرۃ کے ساتھ اہواز میں خوارج کے خلاف جنگ میں شرکت کی (۲)۔

(۱) کتاب المعرفہ والتاریخ (۳/۳۱۵) میں مذکورہ روایت کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہیں، سوائے عمران کے، جو صرف صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ البتہ ابومجلز نے یہ واقعہ خود نہیں پایا، مگر روایت کے ظاہر الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے سن رکھی تھی، اور اسی بنیاد پر سند کو صحیح قرار دیا گیا۔
التخریج:
اس روایت کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱/۱۹۵) میں یعقوب بن سفیان کے طریق سے روایت کیا ہے۔
اسی طرح ابن کثیر نے اسے تاریخ ابن کثیر (۶/۲۴۳) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۲/۲۹۶) میں یعقوب کے طریق سے ذکر کیا ہے۔
امام طبری نے اسے تاریخ الطبری (۳/۱۲۳) میں اس طرح بیان کیا ہے: قَالَ أَبُو مِخْنَفٍ: حَدَّثَنِي عِمْرَانُ بْنُ حُدَيْرٍ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے صرف سات افراد شہید ہوئے

تھے۔‘‘

(۲) الاصابہ(۶/۴۳۴)

[۲۲۲] امام بخاری نے روایت کیا ہے: **حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ:** (وہ کہتے ہیں): ہم اہواز میں حروریہ (یعنی خوارج) کے خلاف قتال میں مصروف تھے، اسی دوران میں ایک نہر کے کنارے پر کھڑا تھا، کہ ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے ہاتھ میں اس کی سواری کی لگام بھی تھی، سواری اسے کھینچ رہی تھی اور وہ اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا(۱)۔ (شعبہ نے کہا: وہ شخص ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔) تو خوارج میں سے ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ! اس بوڑھے شخص کے ساتھ ایسا ویسا کر دے(۲)۔ جب شیخ (یعنی ابو برزہ رضی اللہ عنہ) نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا: میں نے تمہاری بات سنی ہے۔ ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چھ یا سات، بلکہ آٹھ غزوات میں شرکت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آسانی وسہولت پسندی کو مشاہدہ کیا ہے۔ اور اگر میں اپنی سواری کے ساتھ پیچھے مڑ جاؤں(۳)، تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں اسے اس کے ٹھکانے کی طرف جانے دوں اور پھر مجھے اسے دوبارہ قابو میں لانا مشکل ہو(۵)۔‘‘

(۱) یعنی: وہ اپنی سواری کو لگام سے سختی سے قابو میں رکھے ہوئے تھا تاکہ وہ بھاگ نہ جائے، چنانچہ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اور ظاہر یہی ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے پیدل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

(۲) یعنی: وہ (خارجی) شخص اس (ابو برزہ رضی اللہ عنہ) پر بددعا کر رہا تھا اور انہیں گالیاں دے رہا تھا۔

(۴) (أُراجِع): یعنی واپس لوٹوں اور اس (سواری) کے ساتھ چلوں۔ (مَأْلَفها): وہ جگہ یا راستہ جس کا اس نے عادت بنالی ہو، جیسے چراگاہ یا گھر کی طرف لوٹنا۔ (فَيشُقُّ عَلَيَّ): یعنی اگر وہ واپس اپنی عادت کی طرف لوٹ جائے اور میں بغیر سواری کے اپنے گھر جاؤں تو یہ میرے لیے مشقت اور دقت کا سبب بنے گا کیونکہ میرا گھر دور ہے۔

(۵) صحیح البخاری (۱۱۵۳)۔

[۲۲۳] امام بخاری نے روایت نقل کی ہے: **حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا**

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: وہ (الارزق بن قیس) بیان کرتے ہیں کہ ہم اہواز میں ایک دریا کے کنارے پر تھے، جس کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ اتنے میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ الاسلمی گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، نماز پڑھی اور اپنے گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگ نکلا، تو آپ نے نماز چھوڑ دی اور اس کے پیچھے دوڑے، یہاں تک کہ اسے جا پکڑا، پھر واپس آ کر اپنی نماز پوری کی[۱]۔ ہم میں ایک شخص تھا جو اپنے رائے (یعنی اہلِ بدعت میں سے) مانا جاتا تھا[۲]، وہ کہنے لگا: دیکھو اس بوڑھے کو! اس نے ایک گھوڑے کے لیے نماز چھوڑ دی! حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مجھے کسی نے کبھی ملامت نہیں کی (یعنی یہ پہلا موقع ہے)، اور مزید فرمایا: میرا گھر دور ہے، اگر میں نماز مکمل کر لیتا اور گھوڑے کو چھوڑ دیتا، تو میں شام تک اپنے اہلِ خانہ کے پاس نہ پہنچ سکتا۔ اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان کی آسانی و نرمی کو مشاہدہ کیا[۳]۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے باہمی قتال کو بہت بڑا گناہ سمجھتے اور اسے ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس بارے میں سخت ممانعت آئی ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں شرکت نہیں کی۔ البتہ خوارج کے ساتھ قتال کے معاملے میں وہ بڑی رغبت رکھتے تھے، کیونکہ اس بارے میں شریعت میں ترغیب اور تاکید آئی ہے۔

---

(۱) یعنی اُس (صحابی) نے نماز کا وہ حصہ جو فوت ہو گیا تھا، اس پر باقی نماز کو قائم کیا، اس لیے اس کا حکم اُس نمازی جیسا ہے جو کسی خوف کی حالت میں ہو۔ اور عمرو بن مرزوق کی ایک روایت، جو امام اسماعیلی کے ہاں موجود ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: ''تو جانور (سواری) اس کی قبلہ رُخ نماز کے سامنے سے گزر گئی، چنانچہ وہ گیا اور اُسے پکڑ لایا، پھر پیچھے کی طرف چلتا ہوا (الٹا چل کر) واپس آیا۔'' (فتح الباری لابن حجر، ۳/۸۲)۔ القَهْقَرَى: اس سے مراد پیچھے کی طرف چلنا ہے بغیر اس کے کہ آدمی اپنا چہرہ (رخ) چلنے کی سمت کی طرف پھیرے۔ (ماخذ: النهاية في غريب الحديث، جلد ۴، صفحہ ۱۲۹، مادہ: قهقر)۔

(۲) یعنی اُس شخص کی ایک ایسی رائے تھی جو سنت کے خلاف تھی، اور وہ رائے خوارج کی رائے تھی۔ اور یہاں لفظ رَأْيٌ پر تنوین تحقیر

کے لیے ہے، یعنی ایک فاسد رائے۔
(۳) صحیح البخاری (۵۷۷۶)۔

آٹھویں شخصیت: ابو ایوب الانصاری خالد بن زید بن کلیب الخزرجی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر، بیعتِ عقبہ اور دیگر تمام غزوات ومواقع میں شریک ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ہی کے گھر قیام فرمایا، اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقیم رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی اور اپنے حجرات تعمیر فرمائے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسلسل جہاد کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی ایک مہم میں آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ کو قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب دفن کیا گیا۔ اس غزوہ کے سالار یزید بن معاویہ تھے، اور یہ واقعہ سن ۵۱ ہجری کا ہے[۱]۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں میں سے بھی شمار ہوتے تھے۔

(۱) معرفة الصحابة لأبي نعيم (۲/۹۳۳)، سير أعلام النبلاء (۲/۴۰۲)۔

اہلِ سیر وتذکرہ کا اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان میں شرکت کی، بلکہ آپ اس موقع پر لشکر کے اگلے حصے (مقدمہ)[۱] کے سپہ سالار بھی تھے۔ البتہ فتنوں کے دوران پیش آنے والی دیگر جنگوں (جیسے جمل وصفین) میں آپ کی شرکت کے حوالے سے مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

- ابن کلبی، ابن اسحاق، ابوالقاسم بغوی اور امام ذہبی کا کہنا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین دونوں میں شرکت کی تھی[۲]۔

- اور واقدی اور ابن العدیم نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے صرف جنگ صفین میں شرکت کی تھی[۳]۔

- جبکہ شَعْبِي اور الحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ الكِنْدِي نے حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ

کی جنگ جمل اور صفین میں شرکت کی نفی کی ہے۔اسی قول کو جلالُ الدّین السُّیُوطی اور الشوکانی نے اختیار کیا ہے، چنانچہ ان دونوں نے کہا: حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے صفین میں شرکت نہیں کی (۴)۔

[۲۲۴] امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: میں نے حَکَم سے پوچھا: کیا ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے صفّین میں شرکت کی؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن انہوں نے یوم النہر (یعنی جنگ نہروان) میں شرکت کی (۵)۔

---

(۱) دیکھیے: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ جنگِ نہروان میں شرکت کا تاریخ الطبری (۱۲۱/۳) میں ذکر موجود ہے۔

(۲) الاستیعاب (۱۶۰۶/۴)، معجم الصحابة لِلْبَغَوِيِّ (۲۱۸/۲)، تاریخ الإسلام (۳۳۰/۴)۔

(۳) بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۰۳۳/۷)، تهذيب التهذيب (۹۱/۳)۔

(۴) اللآلئ المصنوعة (۱/ ۳۷۴)، الفوائد المجموعة صفحہ: ۴۰۰، اور تنزيه الشريعة المرفوعة صفحہ: ۳۷۱، حدیث نمبر: ۸۷۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۳۴): یہ روایت شواہد کی بنا پر جید ہے، اور اس کی سند منقطع ہے، مگر اس کے راوی سب ثقہ ہیں، اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں شامل ہیں۔ شبابہ: وہ ابن سوار الفزاری ہیں۔ الحکم: وہ ابن عتیبہ الکندی ہیں، جو ان کے موالی (آزاد کردہ غلام یا تابع) تھے۔

الشواہد:

اس روایت کی تائید شعبی کے قول سے بھی ہوتی ہے، جسے طبری نے روایت کیا ہے ([۲۲۶])، اور یہ روایت شواہد کے ساتھ مل کر جید (قابلِ اعتماد) شمار ہوتی ہے۔

التخریج:

اس روایت کو امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے اپنی کتاب علل الحديث ومعرفة الشيوخ میں روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ بغداد (۱/۱۶۵) میں منقول ہے: ہمیں اِسماعیل نے خبر دی، اُس نے شعبہ سے- اور اسماعیل سے مراد ابن علیہ ہیں، جیسا کہ بغية الطلب میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔

اور اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۵۳/۱۶) اور ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (۳۰۳۳/۷) میں، الخطیب کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

مزید دیکھیے:

موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱۹۸۹/۳)، (۱/۲۱۸)۔

اور خلیفہ بن خیاط نے اسے اپنی تاریخ (ص ۱۹۶) میں یوں روایت کیا: ہمیں اس شخص نے حدیث سنائی جس نے شعبہ کو سنا۔

[۲۲۵] ابن سعد نے روایت کیا: أُخْبِرْتُ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ :(وہ کہتے ہیں): میں نے حکم سے پوچھا: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کون سی جنگ میں شرکت کی تھی؟ تو انہوں نے کہا: انہوں نے ان کے ساتھ حروراء (یعنی جنگِ نہروان) میں شرکت کی تھی(۱)۔

اور یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ حَکَم بن عُتَیبَہ نے جمل اور صفّین میں اس (ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ) کی شرکت کی نفی کی ہے، اور نہروان میں اس کی شرکت کو ثابت کیا ہے۔

ذہبی نے کہا: [حاکم نے کہا: ابوایوب نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفّین میں شرکت نہیں کی۔](۲) مطبوعہ نسخے میں یہی عبارت ہے، البتہ امید ہے کہ الحاکم کا لفظ الحکم سے تصحیف نہ ہو گیا ہو، کیونکہ الحکم بن عتیبہ وہی راوی ہیں جن کی سابقہ روایت میں یہی بات آئی ہے۔

(۱) الطبقات الکبریٰ (۴۸۴/۳): یہ روایت سابقہ روایت کی طرح عمدہ ہے، البتہ اس میں ابن سعد اور شعبہ کے درمیان سند منقطع ہے (یعنی دونوں کے درمیان راوی کا ذکر نہیں)۔ (۲) سير أعلام النبلاء للذهبي (۴۱۰/۲)۔

[۲۲۶] امام طبری نے روایت نقل کی: مجھے السری نے خط لکھا، انہوں نے شعیب سے، انہوں نے سیف سے، انہوں نے عمرو بن محمد سے، انہوں نے شعبی سے نقل کیا کہ شعبی نے کہا: قسم ہے اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس معاملے (یعنی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خروج) میں صرف چھ بدری صحابہ شریک ہوئے، ان کا کوئی ساتواں نہ تھا۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا: کیا آپ دونوں (راوی اور شعبی) میں اختلاف ہے؟ تو کہا: ہم میں اختلاف نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ شعبی کو ابوایوب رضی اللہ عنہ کے بارے میں شک تھا: کیا وہ اس وقت نکلے تھے جب اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے صفین کے بعد انہیں علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، یا نہیں نکلے؟ البتہ بات واضح ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے اور اُس وقت علی رضی اللہ عنہ نہروان میں

موجود تھے (۳)۔

ابن حجر نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرمایا: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو اُنہوں نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا خلیفہ (نائب) مقرر فرمایا، پھر بعد میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اُن کے پاس جا پہنچے، اور اُن کے ساتھ خوارج کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ بات حَکَم بن عُتَیبَہ نے کہی ہے (۴)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو (مدینہ پر) خلیفہ مقرر کرنا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی۔ اور ابن حجر کا کلام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ مدینہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واقعہ نہروان سے کچھ ہی پہلے پہنچے تھے۔ بلکہ شعبی کا بیان تو صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف نہروان کے دن ہی پہنچے تھے، چنانچہ نہ وہ جنگ جمل میں شریک ہوئے اور نہ ہی صفین میں۔

اور شعبی کو اس میں شک تھا کہ آیا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہوئے یا کچھ تاخیر سے؟ لیکن اس نے اس بات پر یقین ظاہر کیا کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ نہروان میں تھے، چنانچہ انہوں نے وہ معرکہ ان کے ساتھ شریک ہو کر دیکھا۔

پس درست بات یہی ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور رہی یہ بات کہ بعض نے اُن کے ان دونوں جنگوں میں شریک ہونے کا ذکر کیا ہے، تو اُن کے پاس اس کے لیے کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔

---

(۱) تاریخ الطبری (۶/۳): یہ روایت اپنی شواہد کی بنا پر عمدہ (جید) ہے، اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اور یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ پہلے [۴۳] کے تحت گزر چکی ہے۔
(۴) الإصابة (۲/۲۳۴)۔

صفین میں اس کے شریک ہونے کے قائلین نے جو سب سے بہتر دلیل پیش کی ہے، وہ آنے والی روایت ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی تھی جب وہ صفین کی طرف روانہ ہو رہے تھے،،،

[۲۲۷] ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں - جیسا کہ تاریخ دمشق میں منقول ہے - روایت بیان کی: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الْجُعْفِيُّ، نا ابْنُ فُضَيْلٍ، نا إِبْرَاهِيمُ الْهَجَرِيُّ، عَنْ أَبِي صَادِقٍ، قَالَ: (انہوں نے ابو صادق سے)، وہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ عراق آئے، تو ازدیوں نے انہیں کچھ اونٹ (۱) بطور ہدیہ پیش کیے، جنہیں وہ میرے ساتھ بھیج چکے تھے۔ میں اندر گیا، انہیں سلام کیا اور عرض کیا: اے ابو ایوب! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور ان کے آپ کے ہاں قیام سے سرفراز فرمایا، پھر مجھے آپ لوگوں سے قتال کے لیے نکلے ہوئے کیوں نظر آتے ہیں؟ کبھی ان کے خلاف اور کبھی ان کے خلاف؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناکثین سے قتال کریں، سو ہم ان سے قتال کر چکے، اور ہمیں یہ بھی وصیت کی تھی کہ قاسطین سے بھی ان کے ساتھ قتال کریں، تو ہم اسی جانب جا رہے ہیں - یعنی: معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف۔ اور ہمیں یہ بھی وصیت کی تھی کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مارقین (۲) سے قتال کریں، لیکن وہ مجھے ابھی تک نظر نہیں آئے (۳)۔

(۱) جُزُر، جَزُور (جس کے معنی اونٹ کے ہیں) کی جمع ہے، خواہ وہ نر ہو یا مادہ۔ (ماخذ: النہایۃ فی غریب الحدیث ۱/۲۶۶، مادہ: جزر)

(۲) یعنی: خوارج۔

(۳) تاریخ دمشق (۱۶/۵۳-۵۴)۔ (کتاب صفین از ابن دیزیل، برقم [۳۰]، میری جمع وتحقیق کے ساتھ)۔ ابن فُضَیل: محمد بن فُضَیل بن غزوان الضبی ہے۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۳۹۹)۔

التخریج:

امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۲/۴۱۰) میں ابن فضیل کے طریق سے ذکر کیا، پھر فرمایا: (یہ خبر واہی ہے)۔ شیخ شعیب الارناؤوط نے السیر کی تحقیق میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ البانی نے اسے الضعیفۃ (۴۹۰۷) میں روایت کیا ہے اور بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیے: [۶۴]۔

نویں شخصیت: اہبان بن صیفی الغفاری، ابو مسلم رضی اللہ عنہ:

اہبان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو قتال ترک کرنے کی نصیحت کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس وصیت کی اطلاع کے ذریعے جو انہوں نے فتنے کے وقت علی رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھی، جب علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس مدد طلب کرنے اور اُٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرنے کے لیے آئے تھے۔

[۲۲۸] امام احمد نے روایت بیان کی: **حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُبَيْدِ الدِّيلِيُّ، عَنْ عُدَيْسَةَ ابْنَةِ أَهْبَانَ بْنِ صَيْفِي**، وہ بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھیں۔ ان کے والد بیمار ہوئے، پھر اس بیماری سے افاقہ حاصل ہوا۔ انہی دنوں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے، تو وہ ان کے گھر تشریف لائے، یہاں تک کہ ان کے حجرہ کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ شیخ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو مسلم! آپ کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: خیریت سے ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ میرے ساتھ ان لوگوں کے خلاف نہیں نکلیں گے تاکہ میری مدد کریں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اگر آپ اس پر راضی ہوں جو میں آپ کو دوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ تو (بوڑھے) شیخ نے کہا: اے لڑکی! میری تلوار لا دو۔ تو وہ ایک نیام لے آئی اور اسے ان کی گود میں رکھ دیا۔ انہوں نے اس میں سے کچھ حصہ [1] نکالا، پھر اپنا سر علی رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھایا اور فرمایا: میرے خلیل، اور آپ کے چچا زاد بھائی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا ہو تو میں لکڑی کی تلوار اپنا لوں، تو یہ ہے میری تلوار! اگر آپ چاہیں تو میں اسی کے ساتھ آپ کے ساتھ نکلتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں نہ تمہاری

ضرورت ہے، نہ تمہاری تلوار کی۔ پھر وہ حجرہ کے دروازے سے واپس پلٹے اور اندر داخل نہ ہوئے (۲)۔

اور یہ حدیث فتنوں کے دوران قتال سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ میں ہے: [تو اس میں سے ایک شبر کے برابر (تلوار) نکالی، تو وہ لکڑی کی تھی]۔
(۲) مسند احمد (۲۰۶۷۰) روح: وہ ابن عبادہ القیسی ہیں۔
التخریج:
اسے ابن ماجہ (۳۹۶۰) نے محمد بن بشار، صفوان بن عیسی، عبداللہ بن عبید کے طریق سے روایت کیا ہے، انہی سے۔ اور اس کی مکمل تخریج المسند میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کو شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے، اور شیخ شعیب الارناؤوط نے حسن کہا ہے (السلسلة الصحيحة: ۱۳۸۰)۔

❑ دسویں شخصیت: محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ:

وہ صحابہ میں سے جلیل القدر شخصیت تھے، غزوۂ بدر اور دیگر تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فتنوں سے کنارہ کشی کی وصیت فرمائی تھی، چنانچہ نہ وہ جنگِ جمل میں شریک ہوئے، نہ صفین میں؛ بلکہ انہوں نے لکڑی کی تلوار بنالی اور ربذہ کی طرف چلے گئے، وہاں ایک مدت تک مقیم رہے۔ وہی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”فتنہ انہیں نقصان نہیں دے گا“، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار صحابی حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس پر ان کی مدح فرمائی (۱)۔

[۲۲۹] امام احمد نے روایت بیان کی: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَهْلُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُولُ: (میں نے حسن کو کہتے سنا کہ) علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بھیجا، تو انہیں لایا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ اس معاملے سے کیوں پیچھے رہے؟ انہوں نے کہا: آپ کے چچازاد بھائی - یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے مجھے ایک تلوار دی، اور فرمایا: ”اس کے ذریعے دشمن سے قتال کرنا، لیکن جب تم دیکھو کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں، تو اس تلوار کو کسی چٹان پر ماردینا، پھر

اپنے گھر میں رہنا یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے جو یقینی ہے، یا پھر کسی کی خطا کی ضرب تمہیں آلے۔" تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے جانے دو[۲]۔

یہ حدیث بھی فتنوں کے وقت قتال سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (۳۶۹/۳۶)۔

(۲) مسند احمد (۱۷۹۷۹) شیخ شعیب الارناؤوط نے کہا ہے: یہ حدیث اپنی تمام طرق کے مجموعے کی بنا پر حسن ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: السلسلۃ الصحیحۃ (۱۳۸۰)۔

[۲۳۰] امام احمد نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ : أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ:** میں ربذہ کے مقام سے گزرا[۱] تو وہاں ایک خیمہ نصب تھا[۲]۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ کہا گیا: محمد بن مسلمہ کا۔ میں نے ان سے اجازت لی اور اندر داخل ہوا، اور کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ تو اس معاملے میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، کاش آپ لوگوں کے درمیان نکلتے، انہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے۔ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "عنقریب فتنہ، تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوگا، جب ایسا ہو تو اپنی تلوار اُحد پہاڑ پر لے جانا اور اسے پہلو کے بل مارنا (یعنی توڑ ڈالنا)[۳]، اپنے تیروں کو توڑ دینا[۴]، کمان کا وتر (تانت) کاٹ دینا، اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا۔" تو وہ وقت آچکا ہے۔ یزید نے ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا: "اسے مارو یہاں تک کہ وہ کٹ جائے[۵]، پھر اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ، یہاں تک کہ یا تو تم کسی کی خطا کا نشانہ بنو، یا اللہ تمہیں عافیت عطا کرے۔" پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خیمے کے ستون سے ایک تلوار اتاری، نیام سے نکالی، تو وہ لکڑی کی تلوار تھی۔ فرمایا: "میں نے وہی کیا جس کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا، اور یہ لکڑی کی تلوار اسی لیے رکھی ہے تا کہ لوگوں کو اس سے ڈرایا

جا سکے(۶)۔"

---

(۱) الرَّبَذَۃُ: مدینہ منورہ کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، جو مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ ذاتِ عرق کے قریب ہے، جو مکہ کے راستے میں پڑتا ہے۔ ماخذ: معجم البلدان (۳/۲۴)، معجم المعالم الجغرافیة في السیرة النبویة ص ۱۳۵۔

(۲) فُسطَاط: یعنی خیمہ۔

(۳) عُرْضَۃٌ: یعنی اس کا پہلو یا کنارہ۔ (ماخذ: النہایہ ۳/۲۱۰) یعنی: اپنی تلوار کو جبلِ اُحد کے پہلو پر مارو تا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ جبلِ اُحد کا ذکر بطورِ مبالغہ آیا ہے، تا کہ تلوار کو پوری طاقت سے توڑنے کی تاکید ہو، اور یہ اس بات کی علامت ہو کہ فتنوں سے دوری اور کنارہ کشی انتہائی لازم ہے۔

(۴) النَّبْلُ: یعنی تیریں۔ (ماخذ: لسان العرب، ۱۱/۶۴۲، مادہ: نبل)

(۵) الوَتَرُ: وہ رسی یا ڈور جو کمان کے دونوں سروں کے درمیان تنا ہوا ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے: (الوَتَرُ: شِرْعَةُ الْقَوْسِ وَمُعَلَّقُهَا) یعنی: وتر کمان کی کھینچی ہوئی ڈوری یا اس کا لٹکا ہوا حصہ ہے۔ اور یہ بھی کہا: (وَالشِّرْعَةُ: الوَتَرُ الرَّقِيقُ، وَقِيلَ: هُوَ الوَتَرُ مَا دَامَ مَشْدُودًا عَلَى القَوْسِ) یعنی: شرعہ باریک وتر ہے، اور بعض کے نزدیک وتر وہ ڈوری ہے جب تک وہ کمان پر تنی ہوئی ہو۔ ماخذ: (لسان العرب (۵/۲۷۸)، مادہ: وتر (۸/۱۷۷)، مادہ: شرع

(۶) مسند احمد (۱۶۰۲۹)۔

التخریج:

اس حدیث کو ابن ماجہ نے (حدیث نمبر ۳۹۶۲) روایت کیا ہے، ابو بکر بن ابی شیبہ کے واسطے سے، جو یزید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے سند (روایت کی کڑی) میں شک کا اظہار کیا ہے۔ شیخ شعیب الارناؤوط نے اس حدیث کے متعلق کہا: یہ حدیث اپنی تمام اسناد کو ملا کر حسن (قابل قبول) ہے۔ شیخ البانی نے اسے اپنی کتاب سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (حدیث نمبر ۱۳۸۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

نوٹ:

شیخ شعیب الارناؤوط نے پہلے مسند احمد (حدیث نمبر ۱۶۰۲۹) میں اس حدیث کو ضعیف (کمزور) قرار دیا تھا، لیکن بعد میں مسند احمد ہی کے دوسرے مقام (حدیث نمبر ۱۷۹۷۹) پر جب اس حدیث کی تمام اسناد (روایات کے طرق) کا جائزہ لیا، تو انہوں نے اسے حسن (درجہ اعتبار کے لائق) قرار دیا۔ اسی طرح انہوں نے سنن ابن ماجہ میں بھی اسے حسن کہا ہے۔

[۲۳۱] اور طبرانی نے روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو مُسْلِمٍ قَالَ: نا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: نا إِبْرَاهِيمُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مَحْمُودِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمُودِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ سَعْدٍ الْأَشْهَلِيِّ قَالَ: نبی کریم ﷺ کو نجران سے ایک تلوار بطور ہدیہ پیش کی گئی، جب وہ آپ ﷺ کے پاس لائی گئی، تو آپ ﷺ نے وہ تلوار محمد بن مسلمہ

رضی اللہ عنہ کو دے دی اور فرمایا: ''اللہ کی راہ میں اس کے ذریعے جہاد کرو، اور جب لوگوں کی گردنیں (یعنی ان کے خیالات وراستے) آپس میں مختلف ہو جائیں، تو اس تلوار کو پتھر پر مار دینا (یعنی توڑ دینا)، پھر اپنے گھر میں داخل ہو جانا اور ایسے ہو جانا جیسے کوئی پڑی ہوئی چٹائی، یہاں تک کہ تمہیں کوئی غلط ہاتھ قتل کردے یا تمہاری طرف یقینی موت آجائے (۱)۔''

---

(۱) المعجم الاوسط (حدیث نمبر: ۲۳۷۵) میں یہ روایت موجود ہے، اوراسے مجموع طرق (یعنی دیگر سندوں کے ساتھ ملاکر) حسن قرار دیا گیا ہے۔ اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ (قابل اعتماد) ہیں، سوائے ابراہیم بن جعفر کے۔ ان کے بارے میں ابوحاتم نے فرمایا: صالح (درست حال راوی ہے)۔ (ماخذ: الجرح والتعدیل، ۲/۹۱) اور جہاں تک سلیمان کا تعلق ہے تو تقریب التہذیب (راویوں کی درجہ بندی کی کتاب) میں انہیں مقبول کہا گیا ہے (راوی نمبر ۲۶۰۶)۔ یعنی جب ان کا تفرد (اکیلی روایت) ہو تو قبول کیا جائے گا بشرطیکہ مؤید ہو۔ رہی بات سعد کی، تو ابوحاتم نے کہا کہ اسے صحابیت حاصل ہے۔ (ماخذ: الجرح والتعدیل ۴/۸۳)

ابومسلم: ان کا پورا نام ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بصری کجی ہے، اور بعض نے انہیں کشّی بھی کہا ہے۔ جبکہ عبداللہ بن عبدالوہاب سے مراد الحجبی ہے۔

امام طبرانی نے فرمایا: یہ حدیث سعد بن زید سے صرف اسی سند سے روایت کی گئی ہے، اور اس میں الحجبی منفرد (تنہا) راوی ہے۔

التخریج:

طبرانی نے اسے المعجم الکبیر (۵۴۲۴) میں اسی سند سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے اسے التاریخ الکبیر (۴/۴۸) میں ذکر کیا۔ بغوی نے اسے معجم الصحابہ (۳/۴۲) میں ذکر کیا، اور اسی کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۸۲/۵۵) میں نقل کیا۔ حاکم نے اسے المستدرک (۴۶۰۵) میں ذکر کیا اور اس پر سکوت اختیار کیا (یعنی ضعیف نہیں کہا)۔ ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ (۳/۱۲۵۸، رقم ۳۱۶۱) میں الحجبی کے طریق سے اسے اسی سند سے روایت کیا۔ یہ حدیث ابن حجر کی الاصابہ (۳/۶۱) میں بھی موجود ہے۔

[۲۳۲] ابوداؤد نے روایت کیا: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ: (حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا): لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے فتنے لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو، سوائے محمد بن مسلمہ کے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تمہیں فتنہ نقصان نہیں دے گا (۱)۔''

(۱) یہ حدیث سنن ابی داؤد میں حدیث نمبر ۴۶۶۳ پر مروی ہے۔ راویوں کا تعارف: الحسن بن علی: یہ الخلال ہیں، جن کا پورا نام الحسن بن علی بن زکریا الخلال البغدادی ہے۔ ثقہ وصدوق راوی ہیں۔ یزید: یہ یزید بن ہارون ہیں، امام، حافظ، ثبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ہشام: ہشام بن حسان الازدی البصری ہیں، ثقہ اور عبادت گزار راوی۔ محمد: یہ محمد بن سیرین ہیں، مشہور تابعی، ثقہ، ثبت، فقیہ اور زاہد۔

التخریج:

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف (حدیث نمبر: ۳۸۳۹۳) میں روایت کیا ہے، اور ابن بطہ نے الابانہ الکبریٰ (۲/۵۷۸) میں یزید بن ہارون کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو شعیب الارنؤوط نے حسن (اچھی سند والی حدیث) قرار دیا ہے، جبکہ علامہ البانی نے اسے صحیح (درست) قرار دیا ہے۔

[۲۳۳] اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے: **حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ ضُبَيْعَةَ قَالَ:** (وہ کہتے ہیں): ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ''میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے فتنہ کوئی نقصان نہیں دے گا۔'' پھر ہم نکلے تو ایک خیمہ نصب تھا، ہم اس میں داخل ہوئے تو وہاں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ہم نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہارے شہروں میں سے کوئی شہر مجھ پر چھا جائے (یعنی کسی جھگڑے، حکومت یا فتنہ کا حصہ بنوں)، یہاں تک کہ یہ معاملہ اسی طرح ختم ہو جائے جیسے ختم ہونا ہے(۱)۔

[۲۳۴] اور اسے ابن سعد نے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: **أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ ضُبَيْعَةَ بْنِ حُصَيْنٍ الثَّعْلَبِيِّ قَالَ:** (انہوں نے کہا): ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا: میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے فتنے کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ ہم نے پوچھا: وہ کون ہے؟ فرمایا: محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ پھر جب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور فتنہ شروع ہوا تو میں بھی لوگوں

کے ساتھ نکلا، اور ایک پانی کے مقام پر پہنچا، تو وہاں ایک الگ تھلگ خیمہ لگا ہوا تھا جسے ہوائیں جھنجھوڑ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: یہ خیمہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا: محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا۔ میں ان کے پاس گیا تو وہ ایک بزرگ تھے۔ میں نے ان سے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ مجھے مسلمانوں کے بہترین افراد میں سے ایک لگتے ہیں، مگر آپ نے اپنا شہر، گھر، اہل وعیال اور ہمسائے چھوڑ دیے! تو انہوں نے جواب دیا: ''میں نے شر (فتنے) سے بچنے کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، میرے دل میں یہ بات نہیں ہے کہ میں ان کے کسی شہر میں سکونت اختیار کروں، جب تک کہ فتنہ چھٹ نہ جائے، جیسا کہ چھٹے گا۔''(۲)

حاکم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا: ''یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے، جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔''

---

(۱) سنن ابوداؤد (۴۶۶۴): اس حدیث کو شیخ شعیب الارنؤوط نے حسن قرار دیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ ثعلبہ بن ضُبَیعَۃ: یہ دراصل ضُبَیعَۃ بن حُصَین الثعلبی ہی ہیں، صرف نام میں اختلاف ہے۔

(۲) الطبقات الکبریٰ (۳/ ۴۴۴): ابوعوانہ کا پورا نام الوضّاح بن عبداللہ الیشکری ہے۔

التخریج:

اسی روایت کو ابوداؤد نے اپنی سنن (۴۶۶۵) میں مسدد کے طریق سے ابوعوانہ کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن حدیث کا متن ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا: ''بمعناہ'' (یعنی اس کے مفہوم کے مطابق ہے)۔

اور حاکم نے اسے (۵۸۳۸) میں سفیان کے طریق سے اشعث سے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا، شعیب الارنؤوط نے اسے حسن کہا، اور البانی نے صحیح قرار دیا۔

❑ گیارہویں شخصیت: ابو ہریرہ عبدالرحمن بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ:

امام، فقیہ، مجتہد، حافظِ حدیث، ثقہ حفاظ کے سردار، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ، پاکیزہ اور بابرکت علم حاصل کیا، اور ان کی مرویات کی کثرت میں کوئی اُن کا ہم پلہ نہ ہو سکا(۱)۔

انہوں نے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اور زبان (فتنے میں) روکے رکھی، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوگیا۔

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''صفّین کی بڑی خونریزی'' کے بارے میں حدیث سنی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُس سنی ہوئی بات سے فائدہ پہنچایا، اور انہوں نے (فتنے سے) کنارہ کشی اختیار کی۔

[۲۳۵] اس روایت کو امام بخاری نے تخریج کیا ہے: **حَدَّثَنَا أَبُو الیَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ نہ کریں، جن کے درمیان خونریزی بہت بڑی ہوگی، حالانکہ دونوں کا دعویٰ (اسلامی) ایک ہی ہوگا۔ اور (قیامت سے پہلے) تیس کے قریب جھوٹے دجال (خودساختہ نبی) اٹھیں گے، ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ علم اٹھا لیا جائے گا، زلزلے کثرت سے ہوں گے، زمانہ قریب ہوجائے گا (یعنی وقت کی برکت ختم ہوجائے گی یا وقت تیزی سے گزرے گا)، فتنے ظاہر ہوں گے، قتل و غارت گری (ہرج) بڑھ جائے گی، حتیٰ کہ مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ صاحبِ مال پریشان ہوگا کہ اس کی صدقہ قبول کرنے والا کون ہے، یہاں تک کہ وہ کسی شخص کے سامنے صدقہ پیش کرے گا تو وہ کہے گا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ لوگ (فخر و مباہات کے طور پر) عمارتوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے لگیں گے (۲)، اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا: کاش میں اس کی جگہ ہوتا (۳) (یعنی موت کی تمنا کرے گا)۔ اور یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا، پس جب وہ طلوع

ہوگا اور لوگ اُسے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، لیکن یہ وہ وقت ہوگا جب کسی شخص کا ایمان اسے فائدہ نہیں دے گا اگر اس نے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی ہو(۴)۔ اور قیامت اس حال میں قائم ہو جائے گی کہ دو آدمیوں نے اپنا کپڑا بیچنے کے لیے پھیلایا ہوگا، مگر نہ وہ سودا طے کریں گے اور نہ ہی اسے لپیٹ سکیں گے۔ اور (قیامت اس وقت آئے گی) جب ایک شخص اپنی دودھ دینے والی اونٹنی کا دودھ لے کر واپس لوٹے گا، مگر وہ اسے پی نہ سکے گا(۵)۔ اور قیامت اس وقت آئے گی جب ایک شخص اپنے حوض کی منڈیر(۶) درست کر رہا ہوگا، مگر اس میں پانی نہ پلا سکے گا۔ اور قیامت اس حال میں آجائے گی کہ ایک شخص لقمہ اٹھا کر اپنے منہ کی طرف لے جا رہا ہوگا، لیکن اسے کھا نہ سکے گا(۷)۔ (۸)

ابن حجر نے فرمایا: حدیث میں جن دو عظیم جماعتوں کا ذکر ہے، ان سے مراد علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں (۹)۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتنوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث سنی جن میں ان سے بچنے کی تلقین تھی، تو انہوں نے اس سنی ہوئی بات پر عمل کیا۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/۲۵۸)۔

(۲) تطاول فی البنیان: (عمارتوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے) کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص جب اپنا گھر بنائے گا، تو چاہے گا کہ اس کی عمارت کی اونچائی دوسرے کی عمارت سے زیادہ ہو۔ اور اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ عمارتوں کی زینت و آرائش اور خوبصورتی میں ایک دوسرے پر فخر اور مقابلہ بازی کریں گے۔ یا ممکن ہے کہ اس کا مطلب اس سے بھی زیادہ عام ہو- یعنی ہر طرح کی نمائش، فخر اور دنیوی تفاخر مقصود ہو۔

(۳) یعنی: (انسان) قبر والے کو دیکھ کر اُس پر رشک کرے گا اور کہے گا: کاش! میں بھی اس کی جگہ ہوتا، یعنی مر چکا ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ فتنے بہت زیادہ ہوں گے، اور دین کے ختم ہو جانے کا خوف لاحق ہوگا، کیونکہ باطل پرست لوگ غالب آجائیں گے، اور گناہ و برائیاں کھلے عام ظاہر ہوں گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی کے طالب ہیں۔

(۴) كَسَبَ فِي إِيمَانِهِ خَيْرًا یعنی: اس نے سچا ایمان لایا اور اپنے ایمان کے مطابق عمل کیا، پس وہ نیک اعمال میں کوشش کرتا رہا اور کبیرہ گناہوں سے بچتا رہا۔

(۵) اللَّقْحَةُ: لام کے زیر اور قاف کے ساکن کے ساتھ- وہ دودھ دینے والی اونٹنی ہے، اور وہ بھی جو حال ہی میں بچہ جن چکی ہو۔

(٦) يَلِيطُ حَوْضَهُ یعنی: وہ اپنے حوض کو مٹی اور گارے سے درست کر رہا ہوگا، اس کے شگاف بند کر رہا ہوگا تا کہ اس میں پانی بھرے اور اپنی جانوروں کو اس سے پانی پلائے۔ کہا جاتا ہے: 'لَاطَ الحوضَ يَلِيطُه' یعنی اس نے حوض کو گارے وغیرہ سے درست کیا۔ وَالْمَدَرُ یعنی مضبوط چپکنے والی مٹی۔ ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث (۴/۳۰۹)۔

(۷) اور یہ سب مثالیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ قیامت اچانک قائم ہوگی، ان تمام بیان کردہ مثالوں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ، بلکہ اتنی تیز کہ (انسان کے) لقمہ کو منہ تک لے جانے سے بھی پہلے قائم ہو جائے گی۔

(۸) صحیح بخاری (۶۷۰۴)، ابوالیمان: یہ حکم بن نافع ہیں۔ شعیب: یہ ابنِ ابی حمزہ ہیں۔ ابوالزناد: یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ عبد الرحمٰن: یہ ابنِ ہرمز المدنی الاعرج ہیں۔ مزید دیکھیے: فتح الباری (۸۵/۱۳)۔

(۹) فتح الباری (۸۵/۱۳)۔

[۲۳۶] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: (کہ ابو ہریرہ ؓ نے کہا): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب فتنے ظاہر ہوں گی: ان میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا[۱] (یعنی تجسس یا دخل اندازی کرے گا) وہی ان کا شکار بنے گا۔ پس جو شخص ان فتنوں سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ یا جائے پناہ پالے[۲]، اسے اسی میں پناہ لے لینی چاہیے۔“[۳]

ابن حجر نے فرمایا: اس حدیث میں فتنوں سے خبردار کیا گیا ہے، اور ان میں داخل ہونے سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت ہے کہ فتنے کا شر (نقصان) اس شخص پر اسی درجے میں ہوتا ہے جس درجے میں وہ اس فتنے سے وابستہ ہوتا ہے[۴]۔

---

(۱) تَشَرَّفَ لَهَا کا مطلب ہے: فتنے کی طرف جھانکنا، اس پر نظر رکھنا، اس کی طرف رغبت کرنا یا اس میں شامل ہونے کی کوشش کرنا۔ یہ لفظ الإشراف سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے کسی چیز کے لیے کھڑے ہو کر اسے دیکھنا یا اس کی طرف متوجہ ہونا۔ تَسْتَشْرِفُهُ کا مطلب ہے: وہ فتنہ اسے پکڑ لیتا ہے، اس پر غالب آ جاتا ہے، اسے گرا دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔

(۲) مَلْجَأً: ایسا ٹھکانہ یا جگہ جہاں انسان پناہ لے اور فتنوں سے اپنی حفاظت کر سکے۔ مَعَاذًا: اس کا مطلب بھی پناہ گاہ ہی ہے، یعنی ایسی جگہ یا وسیلہ جو فتنوں سے بچاؤ کے لیے ہو۔ یہ مَلْجَأً کا ہم معنی ہے۔

(۳) صحیح البخاری (۶۶۷۱)۔

(۴) فتح الباری (۱۳/۳۱)۔

بارہویں شخصیت: جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک البجلی الیمانی رضی اللہ عنہ:

جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک البجلی الیمانی رضی اللہ عنہ ایک امیر، ذی وقار، اور خوبصورت صحابی تھے، جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت کی۔ وہ حسن و جمال [1] میں یکتا اور انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''بے شک وہ یمن والوں کے بہترین افراد میں سے ہیں [2]، اور ان کے چہرے پر فرشتے [3] کی جھلک ہے'' [4]۔

[۲۳۷] ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں ایک طویل خبر نقل کی، جس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفّین کی جنگ سے پہلے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بطور سفیر بھیجا، تاکہ وہ انہیں بیعت کی دعوت دیں، اور اپنا خط ان کے حوالے کیا۔ اس خط کا متن یہ تھا: (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے، علی، امیر المؤمنین کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد: بے شک میری بیعت تم پر شام میں واجب ہو چکی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے میری بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ان شرائط پر بیعت کی تھی، تو اب کسی حاضر کے لیے یہ اختیار نہیں کہ (اس بیعت کو) منتخب کرے، اور نہ ہی کسی غیر حاضر کے لیے یہ حق ہے کہ (اسے) رد کرے۔ اور بے شک خلافت مہاجرین اور انصار کا حق ہے، پس جب وہ کسی شخص پر مجتمع ہوں اور اسے امام مقرر کریں، تو یہی بات اللہ کی رضا ہے [5]۔

پھر حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹے اور

انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے موقف سے آگاہ کیا، تو مالک اشتر رحمہ اللہ نے حضرت جریر پر سخت گفتگو کی، جس پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور قرقیسیا کی طرف چلے گئے اور فتنہ سے کنارہ کش ہو گئے۔

[۲۳۸] ابن کثیر فرماتے ہیں: (جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹے اور انہیں (معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں) کی باتوں سے آگاہ کیا، تو مالک اشتر رحمہ اللہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ آپ جریر کو نہ بھیجیں؟ اگر آپ نے مجھے بھیجا ہوتا تو معاویہ نے کوئی دروازہ کھولا بھی ہوتا، تو میں اسے بند کر دیتا۔ اس پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم وہاں ہوتے تو وہ تمہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے میں قتل کر دیتے۔ اشتر رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے بھیجا جاتا تو مجھے معاویہ کے جواب دینے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی، بلکہ میں اسے سوچنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ اور اگر امیر المؤمنین میری بات مان لیتے تو تمہیں اور تم جیسے دیگر لوگوں کو قید کر دیتے، یہاں تک کہ اس امت کا معاملہ درست ہو جاتا۔ یہ سن کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرقیسیا(۶) میں جا کر قیام کیا)(۷)

جریر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد باہمی قتال (آپس میں لڑائی) سے منع کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔

[۲۳۹] صحیح بخاری میں ہے: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ، قَالَ: (وہ بیان کرتے ہیں): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا:

''لوگوں کو خاموش کرا دو (تاکہ میری بات سن سکیں)''، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا، کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگیں (۸)۔''

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/۵۳۰)۔
(۲) أَذْوَاءُ اليَمَنِ: یمن کے بادشاہ، یعنی حِمْیر قبیلے کے حکمران۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: ذُویَزَن، اور ذُورُعَین۔ یا پھر یہ کہ ''ذُوْ'' کا مطلب ہے صاحب اور یہاں اس سے مراد کسی وصف یا صفت کا حامل ہونا ہے، جیسے کہ زیادتی یا اضافہ۔ (بحوالہ: النہایہ ۲/ ۱۷۳، مادہ: ذوی)۔
(۳) مَسْحَةُ مَلَكٍ: یعنی فرشتے کی چھاپ یا اثر۔ یعنی خوبصورتی کا ایک نشان یا اثر، کیونکہ لوگ ہمیشہ فرشتوں کو حسن و جمال کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ (بحوالہ: النہایہ: ۴/۳۵۹، مادہ: ملک)
(۴) اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند (حدیث نمبر ۱۹۱۸۰) میں روایت کیا ہے۔ اور اسے علامہ البانی نے السلسلة الصحیحہ (حدیث نمبر ۳۱۹۳) میں صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح شیخ شعیب الارنؤوط نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔
(۵) دیکھیں: [۲۸۷]۔ یہ ایک طویل روایت ہے، جس کا کچھ حصہ شواہد کی بنا پر صحیح ہے، اور کچھ حصہ قرائن کی روشنی میں قابلِ قبول ہے۔
(۶) قرقیسیاء: عراق کا ایک شہر ہے جو دریائے فرات کے کنارے واقع ہے، اور اسی مقام پر خابور ندی آ کر فرات میں شامل ہوتی ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان، ۴/۳۲۸)۔
(۷) البدایہ والنہایہ (۷/۲۸۲) یہ مقدار جو ہم نے نقل کی ہے، وہ اپنی قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے، اور اس کے قرائن کے ساتھ تفصیل آگے [۲۸۸] میں آئے گی۔
(۸) صحیح البخاری (٦٦٦٩)۔

❑ تیرہویں شخصیت: جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ:

امام (یعنی جلیل القدر عالم)، اور بعض اوقات انہیں ان کے دادا کی طرف نسبت دے کر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کوفہ اور بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور ان سے کئی احادیث روایت کی گئی ہیں (۱)۔

آپ رضی اللہ عنہ فتنوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغیر حق کے مسلمان کو قتل کرنے کی حرمت کے بارے میں حدیث سنی تھی۔

[۲۴۰] امام بخاری نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الوَاسِطِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الجُرَيْرِيِّ، عَنْ طَرِيفٍ أَبِي تَمِيمَةَ قَالَ: (وہ کہتے ہیں): میں صفوان، جُندب اور ان کے اصحاب کی مجلس میں حاضر تھا جبکہ جُندب رضی اللہ عنہ ان کو

نصیحت کررہے تھے۔لوگوں نے اُن سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص (ریا کاری کے لیے) لوگوں کو سنانا چاہے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (۲) اُسے رسوا کرے گا۔'' اور جو (دین میں) مخالفت کرے گا، اللہ قیامت کے دن اُس کے خلاف کاروائی فرمائے گا (۳)۔'' پھر انہوں نے عرض کیا: ہمیں وصیت کیجیے (یعنی کوئی نصیحت فرمایئے)۔جُندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان کا سب سے پہلا عضو جو سڑنا شروع ہوتا ہے (۴)، وہ اس کا پیٹ ہے۔پس جسے طاقت ہو کہ صرف پاکیزہ (حلال و طیب) چیز ہی کھائے، تو وہ ضرور ایسا کرے۔اور جسے طاقت ہو کہ وہ اپنے اور جنت کے درمیان کوئی مٹھی بھر خون نہ حائل ہونے دے، جسے اُس نے ناحق بہایا ہو (۵)، تو وہ ضرور ایسا کرے (۶) (یعنی خونریزی سے بچے)۔راوی کہتا ہے: میں نے امام ابو عبداللہ (۷) (یعنی امام بخاری رحمہ اللہ) سے پوچھا: یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا - یہ الفاظ جُندب کے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، یہ جُندب (۸) ہی کے الفاظ ہیں۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۱۷۴)۔

(۲) مَنْ سَمَّعَ کا مطلب ہے: وہ شخص جو اپنے اعمال کو لوگوں کو سنانے اور دکھاوے کے لیے کرے، تا کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا اسے نیک وصالح سمجھیں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو مؤمنوں کی عیوب اور خامیاں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ سَمَّعَ اللّٰہُ بِهِ کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی حقیقت کو لوگوں پر ظاہر کردے گا، یعنی جو ریا کاری یا باطنی خباثت اس کے دل میں چھپی ہوگی، اللہ اسے لوگوں کی سماعتوں تک پہنچا دے گا تا کہ سب جان لیں کہ اس کا باطن کیسا تھا - یہ اس کے ریا کار عمل کا بدلہ ہو گا۔یعنی: جو شخص دنیا میں ریا کاری کرے گا، اللہ قیامت کے دن اُسے سب کے سامنے رسوا کرے گا۔

(۳) (يُشَاقِق) کا مطلب ہے: ایسا شخص جو لوگوں کو گمراہ کرے، ان پر سختی ڈالے، ان کے درمیان اختلاف ڈالے یا ان کی برائیاں اور عیب ظاہر کرے۔ يَشْقُقِ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ اس پر بھی ویسی ہی سختی نازل فرمائے گا، یعنی دنیا یا آخرت میں اس کے حال کو تنگ اور مشکل بنا دے گا، جیسے اس نے دوسروں کے لیے کیا۔

(۴) یعنی: موت اور دفن کے بعد (سب سے پہلے) بدبو پیدا ہوتی ہے- یعنی انسان کے جسم میں جو سب سے پہلے سڑنا شروع ہوتا ہے،

وہ پیٹ ہوتا ہے، اور اس سے بدبو اٹھتی ہے۔ النتن کا مطلب ہے: دفن کرنا، اور الرائحۃ الکریھۃ کا مطلب ہے: ناگوار بدبو۔

(۵) أَهْرَاقَهُ کا مطلب ہے: اسے بہایا یا اس کو بہادیا، یعنی خون کو بہانا۔ أَهْرَاقَهُ: اس نے خون کو بغیر حق کے بہایا، یعنی ناحق قتل کیا یا ظلم سے کسی کا خون بہایا۔

(٦) ابن حجر نے فرمایا: یہ (اثر) صراحت کے ساتھ مرفوع (یعنی نبی ﷺ کی طرف منسوب) نہیں ہے، لیکن یہ مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو رائے سے نہیں کہی جا سکتی، اور یہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے پر شدید وعید (سزا کی دھمکی) ہے۔

(۷) یعنی: ابوعبداللہ سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ ہیں (یہ ان کی کنیت ہے)۔ یعنی: سوال کرنے والے الفربری ہیں، یعنی محمد بن یوسف الفربری، جو امام بخاری کے شاگرد تھے اور ان کی صحیح بخاری کو روایت کرنے والے معتبر راویوں میں سے ہیں۔

الفربری کا تعارف: وہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری ہیں، جو امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ سے الجامع الصحیح (صحیح بخاری) کے راوی ہیں۔ انہوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری دو مرتبہ فرَبر (یعنی فربرہ) کے مقام پر سنی۔ الفربری نے خود کہا: میں نے صحیح بخاری پہلی مرتبہ سن ۲۴۸ ہجری میں اور دوسری مرتبہ ۲۵۲ ہجری میں امام بخاری سے سنی۔ امام سمعانی کہتے ہیں: الفربری کی پیدائش ۲۳۱ ہجری میں ہوئی۔ وہ ایک ثقہ (قابلِ اعتماد) اور متقی شخص تھے۔ ان کا انتقال: شوال کے مہینے کی بیس تاریخ سے دس دن پہلے (یعنی ۲۰ شوال سے قبل)، سن ۳۲۰ ہجری کو ہوا۔ اُس وقت ان کی عمر نوّے سال کے قریب تھی۔ لفظ فربر کے متعلق وضاحت: فربر کا تلفظ کے زیر (فِربر) سے بھی درست ہے اور زبر (فَربر) سے بھی۔ یہ بخارا کے مضافاتی دیہات میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ (ماخذ: سیر اعلام النبلاء ۱۵/۱۰)۔

(۸) صحیح بخاری حدیث نمبر (۶۷۳۳) میں مذکور راویوں کے تعارف: خالد سے مراد ہیں: خالد بن عبداللہ طحان اور الجریری سے مراد ہیں: سعید بن ایاس الجریری ہیں۔

[۲۴۱] امام ابوبکر ابن ابی عاصم نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، ثنا عَلِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ الْكَلْبِيُّ، - (قَالَ) (۱) هِشَامٌ (۲): وَهُوَ (۳) مِنْ أَهْلِ دِمَشْقَ ثِقَةٌ رَوَى عَنْهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ -، نا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ، عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَزْدِيِّ، صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:** (انہوں نے کہا): میں اور وہ (یعنی جندب رضی اللہ عنہ) بصرہ کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ایک جگہ پر پہنچے جسے بیت المسکین کہا جاتا تھا، یہ بصرہ کے نواح میں ایسا ہے جیسے کوفہ کے قریب ثویہ (۴)۔ پھر جندب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم قرآن کسی کے ساتھ دہرایا کرتے تھے (مذاکرہ کرتے تھے)؟ میں نے کہا: ہاں تو انہوں نے کہا: جب بصرہ پہنچو تو انہیں میرے پاس لے آنا، لیکن صرف وہ جو معتبر ہوں (۵)۔ چنانچہ میں ان کے پاس صالح بن مسرح (۶)، ابو بلال (۷)، نجدہ (۸)، اور نافع بن ازرق (۹) کو لے کر آیا - اور یہ لوگ

میرے نزدیک (۱۰) اہلِ بصرہ کے افاضل (نیک) افراد میں شمار ہوتے تھے۔ پھر جندب رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کرنا شروع کی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے انسان کے جسم کا جو حصہ خراب ہوتا ہے (مرنے کے بعد) وہ اس کا پیٹ ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے کوئی بھی اپنے پیٹ میں صرف پاکیزہ (حلال وطیب) غذا ہی ڈالے۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس عالم کی مثال جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے لیکن خود کو بھول جاتا ہے، اُس چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلا دیتا ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جنت کے دروازے کو دیکھ رہا ہو اور صرف ایک چلو (ہتھیلی بھر) مسلمان کا ناحق خون اُس کے اور جنت کے درمیان آڑ بن جائے - ایسا نہ ہو!'' پھر وہ لوگ (سامعین) بات کرنے لگے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) کا ذکر کرنے لگے، اور جندب رضی اللہ عنہ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا: ''آج جیسی قوم میں نے نہیں دیکھی، اگر یہ سچے ہیں (۱۱)، تو وہ یقیناً نجات کے سب سے زیادہ حق دار ہیں (۱۲)۔''

جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو جُندُب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے مسلمانوں کے درمیان فتنہ انگیزی سے باز رہنے کی تاکید کی، بشرطیکہ سعد رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کی جائے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے لڑائی کرنے سے روک رہے تھے۔ جُندُب رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اگر تمہیں مسلمانوں کے کسی معاملے کی ذمہ داری سونپی جائے، تو مسلمانوں کی وحدت کو مت توڑنا، ان کی اجتماعیت میں تفرقہ مت ڈالنا، اور انہیں ہلاکت کے راستے پر مت بلانا۔''

اور اس بات میں دلالت ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ اس بات سے باخبر تھے کہ حضرت علی رضی

اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں؛ کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی ان چھ اصحابِ شوریٰ میں سے آخری زندہ شخصیت تھے (۱۳)۔

---

(۱) مطبوعہ (چھپے ہوئے نسخے) ''ثنا'' (یعنی: حدثنا وغیرہ کی صورت) کی شکل میں تصحیف (یعنی غلطی) واقع ہوئی ہے، اور صحیح عبارت (تصحیح شدہ صورت) 'الترغیب والترھیب لقوام السنۃ از اصفہانی سے حاصل کی گئی ہے۔

(۲) یہ ابن عمار ہیں، جن کا ذکر سند میں آیا ہے۔

(۳) مراد ہے: علی بن سلیمان کلبی۔

(۴) الثُوَيَّة: (پہلے زبر پھر زیر اور مشدد یاء کے ساتھ) یا بطورِ تصغیر الثُوَيَّة- یہ کوفہ کے قریب ایک مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نعمان بن منذر کا قید خانہ تھا، جہاں وہ اُنہیں قید کرتا تھا جنہیں قتل کرنا چاہتا۔ وہاں قید ہونے والے کے متعلق کہا جاتا: ثوی یعنی وہاں ٹھہرا۔ اسی وجہ سے اس جگہ کو الثُوَيَّة کہا گیا۔ ابن حبان نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں ایک جگہ دفن کیا گیا جسے الثُوَيَّة کہا جاتا ہے، اور وہاں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی دفن ہیں معجم البلدان۔ (۸۷/۲)۔

(۵) الشَّمَطُ (حرکات کے ساتھ): سر کے بالوں میں سفیدی کا آجانا جو سیاہی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ کہا جاتا ہے: هُوَ أَشْمَط یعنی اس کے بال سفید اور سیاہ ملے جلے ہیں، قَوْمٌ شُمْطٌ یعنی ایسے لوگ جن کے بالوں میں سفیدی آچکی ہو، شُمْطَان اس کا جمع بھی ہوسکتا ہے، اور عورت کے لیے کہا جاتا ہے: شَمْطَاءُ یعنی وہ عورت جس کے بالوں میں سفیدی آگئی ہو۔ (ماخذ: تاج العروس، ۱۹/۴۲۱، مادہ: شمط)

اس نے (راوی سے) یہ چاہا کہ وہ اس کے پاس ایسے لوگوں کو لے کر آئے جن کے سروں پر بڑھاپے کی علامت یعنی سفیدی ظاہر ہو چکی ہو، یعنی عمر رسیدہ افراد، اور نوجوانوں کو نہ لائے؛ کیونکہ وہ قوم کے بڑوں اور عقلمندوں سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔

(۶) چھپی ہوئی (مطبوعہ) نسخے میں ''مِسر وح'' کی صورت میں تحریف واقع ہوئی ہے، اور صحیح صورت ''مُسَرَّح'' ہے، جیسا کہ معجم الطبرانی اور اُن کے حالاتِ زندگی (ترجمہ) کے ماخذوں سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ صالح بن مُسَرَّح التمیمی تھے، جو صفریہ فرقے (خوارج کے ایک گروہ) کے سربراہ تھے۔ وہ ان میں سب سے پہلے خروج کرنے والے تھے۔ وہ عبادت گزار شخص تھے، اور دارا، موصل اور جزیرہ کے علاقوں میں قیام کرتے تھے۔ ان کے کچھ ساتھی تھے جنہیں وہ قرآن پڑھاتے اور نصیحت کرتے۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو خروج (بغاوت)، ظلم کے انکار اور مخالفین کے خلاف جہاد کی دعوت دی، تو انہوں نے ان کی بات مان لی۔ پھر شَبِیب بن یزید الشَّيْبَانِي، جو ایک خارجی سردار تھا، اُن پر غالب آگیا اور اُس نے اُن کی فوج کی قیادت سنبھال لی۔ صالح اور جزیرہ کے گورنر محمد بن مروان کے درمیان جنگیں شروع ہوگئیں، یہاں تک کہ ۷۶ ہجری میں موصل کے قریب صالح مارے گئے۔ انہیں حارث بن عمیر الہمدانی نے قتل کیا۔ (ماخذ: الاعلام للزرکلی، ۳/۱۹۷)۔

اور اس کے تفصیلی حالات کتاب انساب الاشراف (جلد ۸، صفحہ ۷) اور تاریخ الطبری (جلد ۳/۵۵۴، ۵۶۰) میں بیان ہوئے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

[ہمیں ابوبکر بن عیّاش نے کوفہ میں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسلم منقری نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے صالح بن مسرّح کی امامت میں نماز پڑھی جبکہ وہ نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔] اس کی سند صحیح ہے۔

پھر امام احمد نے کہا:

[صالح بن مسرّح خوارج میں سے تھا، میرا گمان یہی ہے۔] (ماخذ: العلل ومعرفۃ الرجال ۲۰۶۷) اور اسے دارقطنی نے المؤتلف والمختلف (۲۰۹۶/۴) میں احمد کے طریق سے روایت کیا، نیز دیکھیے: الاکمال لابن ماکولا (۱۹۴/۷)۔

(۷) مرداس بن حدیر بن عامر الربعی الحنظلی التمیمی، ابو بلال، اور بعض کے نزدیک ان کا نام مرداس بن اُدیہ (ان کی والدہ) بھی تھا۔ وہ شُرَاۃ (خوارج) کے بڑے رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے، ایک جری خطیب، بہادر اور عبادت گزار شخص تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین کی جنگ میں شرکت کی، لیکن تحکیم (ثالثی) کے فیصلے کی مخالفت کی، اور نہرواں کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ انہیں عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں قید کر دیا، لیکن وہ قید سے بچ نکلے۔ پھر انہوں نے تقریباً تیس افراد کو جمع کیا اور انہیں لے کر اہواز کے مقام آسک میں قیام کیا، جو رامہرز اور ارجان کے درمیان واقع ہے۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کے خلاف ایک بڑا لشکر روانہ کیا، لیکن مرداس نے اسے شکست دی۔ پھر ابن زیاد نے دوسرا لشکر روانہ کیا جس کی قیادت عباد بن علقمہ مازنی کو دی گئی۔ جمعہ کے دن دوپہر تک شدید لڑائی ہوئی، پھر دونوں طرف سے نماز کے بعد جنگ موقوف رکھنے کا وعدہ ہوا۔ لیکن جب مرداس اور ان کے ساتھی نماز میں مشغول تھے، عباد نے ان پر حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا۔ مرداس کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ مرداس کی نسل اصطخر (ایران کے شہر) میں خوب پھیلی۔ (ماخذ: الاعلام للزرکلی ۲۰۲/۷، نیز دیکھیے: تاریخ الطبری ۲۵۴/۳، ۳۴۴)۔

(۸) نجدۃ بن عامر حنفی حروری، ''نجدیہ'' فرقے کا بانی تھا، جو حروریہ (خوارج) کی ایک شاخ تھی، اور اسی کی نسبت سے اسے ''نجدات'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت سے یہ فرقہ موسوم ہوا۔ نجدۃ خوارج کے دیگر گروہوں سے بعض مخصوص نظریات میں الگ تھا۔ وہ مکہ آیا، اس کے کچھ مخصوص عقائد ونظریات مشہور ہیں، اور اس کے پیروکار ایک وقت کے بعد مٹ گئے۔ ابتداء نجدۃ، نافع بن الازرق کے ساتھ تھا، مگر جب نافع نے اپنے مذہب میں بدعتیں داخل کیں تو نجدۃ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور خود مختار قیادت قائم کی۔ سن ٦٦ ہجری میں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں، اس نے یمامہ میں خروج کیا، اس کے ساتھ ایک بڑی جماعت تھی، پھر وہ بحرین چلا گیا اور وہیں قیام کیا، اور اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلوانے لگا۔ مصعب بن زبیر نے اس کے خلاف بارہا لشکر بھیجے، مگر نجدۃ نے ان کو شکست دی۔ وہ تقریباً پانچ سال تک حکمرانی کرتا رہا، اور اس کے عامل (گورنر) بحرین، یمامہ، عمان، ہجر اور عرض کے کچھ حصوں پر قابض تھے۔ بعد ازاں اس کے ساتھیوں نے اس پر کچھ اعتراضات کیے، اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی اسے معزول کر کے قتل کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے آدمیوں نے قتل کیا۔ امام ذہبی نے اس کی وفات سن ٦٩ ہجری میں بتائی ہے۔ (ماخذات: تاریخ الطبری ۳۵۰/۳، ۳۶۱، ۳۹۸؛ مقالات الاسلامیین ۸۴/۱؛ تاریخ الاسلام ۲٦۰/۵؛ لسان المیزان ۱۴۸/٦؛ الاعلام للزرکلی ۱۰/۸)۔

(۹) نافع بن الازرق بن قیس الحنفی الحروری، خوارج کے بڑے سرداروں میں سے تھا، اور ''ازارقہ'' فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس نے یزید بن معاویہ کی خلافت کے آخری زمانے میں خروج کیا۔ روایت ہے کہ وہ سرق الاہواز (اہواز کا ایک علاقہ) میں قیام پذیر ہوا، وہاں سے گزرنے والے لوگوں پر حملے کرتا، اور اس نے عام لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اہل بصرہ اس سے سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اس کی تفصیلی داستان مختلف تاریخی مصادر میں آئی ہے، یہاں تک کہ سن ٦۵ ہجری میں اسے قتل کر دیا گیا۔ نافع بن الازرق علم حاصل کرنے کا شوقین بھی تھا، اور اس کے کچھ سوالات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، جو ایک رسالے کی صورت میں جمع کیے گئے۔ طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الکبیر میں ان میں سے کچھ سوالات نقل کیے ہیں۔ ابوالحسن اشعری کا کہنا ہے کہ: نافع بن الازرق وہ پہلا شخص تھا جس نے خوارج کے درمیان اختلاف وتفرقہ پیدا کیا۔ ماخذات: تاریخ الطبری (۷۷/۳، ۳۹۷، ۴۲۴)، مقالات الاسلامیین (۸۴/۱)، لسان المیزان (۱۴۴/٦)، الاعلام للزرکلی (۳۵۱/۷)۔

(۱۰) ابن حجر نے کہا: یہ چاروں افراد (یعنی نافع بن الازرق، نجدۃ بن عامر، اُبو بلال مرداس، اور صالح بن مسرح) خوارج کے سرکردہ

رہنما تھے، جو مکہ آئے تھے تاکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اُس وقت مدد کریں جب یزید بن معاویہ نے ان کے خلاف لشکر بھیجے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پہلی بار محاصرہ میں شرکت کی۔ پھر جب ان کے پاس یزید بن معاویہ کی وفات کی خبر پہنچی، تو انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف پوچھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خوب تعریف کی، تو یہ (خوارج) ناراض ہو گئے اور ان سے علیحدہ ہو گئے، پھر حج کیا اور واپس چلے گئے۔ چنانچہ نجدۃ نے یمامہ میں خروج کیا اور اس پر اور کچھ علاقوں پر قابض ہو گیا، نیز کچھ حجاز کے علاقے بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ نافع بن الازرق نے عراق میں خروج کیا، اور اس کی فتنے کی مدت لمبی رہی۔ جہاں تک ابو بلال مرداس کا تعلق ہے، تو وہ اس سے پہلے عبیداللہ بن زیاد کے خلاف بغاوت کر چکا تھا اور عبیداللہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ ماخذ: فتح الباری (۱۳/۱۲۹)۔

(۱۱) (لَمْ أَرَ ىَ الْيَوْمِ ...) - ابن حجر کہتے ہیں: شاید یہی راز تھا کہ جُندب رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو کی ابتدا اُس حدیث سے کی جس میں ذکر تھا کہ جس نے (لوگوں کو) حدیث سُنائی (مگر خود عمل نہ کیا)۔ گویا انہوں نے ان لوگوں (یعنی ان خوارج) کے بارے میں پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا، اور اسی وجہ سے فرمایا: اگر وہ سچے ہوں۔ اور واقعی ان کی فراست سچ ثابت ہوئی، کیونکہ جب ان لوگوں نے خروج کیا، تو مسلمانوں پر تلوار اٹھائی، مردوں اور بچوں کو قتل کیا، اور سخت آزمائش پیدا کی۔ ماخذ: فتح الباری (۱۳/۱۳۰)۔

(۱۲) الآحاد والمثانی (۲۳۱۴) - البانی نے اس حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا: [یہ حدیث ان تمام طرق (اسناد) اور متابعتوں کے ساتھ صحیح مرفوع (یعنی نبی ﷺ تک منسوب) ہے، اور جس نے اسے موقوف (یعنی صرف صحابی تک محدود) روایت کیا ہے، اس سے حدیث کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔] ماخذ: السلسلۃ الصحیحہ (۳۳۷۹)۔
اور اسے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد کی کتاب الزہد کے ضمنی اضافات (۱۰۱۸) میں صفوان بن محرز کے واسطے سے جندب سے، موقوفاً (یعنی صرف صحابی تک روایت) اور مختصر الفاظ (مثل العالم) کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۱۳) اس کی تفصیل خبر نمبر [۲۰۵] کی شرح میں گزر چکی ہے۔

جندب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: (تو میں جان گیا کہ وہ (سعد رضی اللہ عنہ) ان باتوں میں داخل نہیں ہوں گے جن میں (علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ) دونوں نے تبدیلی کی)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ ان فتنوں اور جنگوں سے نالاں تھے جو علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آئے، یعنی وہ ان کے مابین ہونے والے واقعات سے دل گرفتہ تھے، نہ کہ خود فتنے یا جنگ کے اصول سے [1]۔

---

(۱) پچھلا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

❑ چودہویں شخصیت: سلمہ بن عمرو بن اکوع، سنان بن عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ:

بیعتِ رضوان کے صحابہ میں سے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ربذہ میں سکونت اختیار کر لی، اور فتنوں سے کنارہ کش ہو گئے [1]۔

---

(۱) معرفۃ الصحابہ لابی نعیم (۱۳۳۹/۳) سیر اعلام النبلاء (۳۲۶/۳)۔

[۲۴۲] امام بخاری نے روایت کیا: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَاتِمٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ (رضی اللہ عنہ سے روایت کی): کہ وہ حجّاج (بن یوسف) کے پاس آئے، تو حجّاج نے ان سے کہا: اے ابنِ اکوع! کیا تم پھر گئے اپنے قدموں (۱) کے بل؟ کیا تم دیہاتی (۲) بن گئے ہو؟ تو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیہات میں (بدو کی طرح) (۳) رہنے کی اجازت دی تھی۔ اور یزید بن ابی عبید ہی سے روایت ہے: ''جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، تو سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ربذہ (۴) چلے گئے، وہاں ایک عورت سے شادی کی، اور اس سے ان کے بچے بھی پیدا ہوئے، تو وہ وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات کے دن قریب آئے تو مدینہ واپس آ گئے (۵)۔''

ابن حجر کہتے ہیں: اس روایت سے سلمہ رضی اللہ عنہ کے دیہات (بادیہ) میں سکونت پذیر رہنے کی مدت کا اندازہ ہوتا ہے، جو کہ تقریباً چالیس سال بنتی ہے؛ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ذوالحجہ ۳۵ ہجری میں ہوا، اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۴ ہجری میں ہوا۔ اور یہی قول راجح (۶) (صحیح) ہے۔

---

(۱) یعنی: کیا تم بلا عذر اپنی ہجرت کی جائے (یعنی مدینہ) سے نکل گئے ہو؟ کیونکہ وہ لوگ (یعنی سلف صالحین) اس عمل کو ارتداد (یعنی دین سے پھر جانا) کے مشابہ سمجھتے تھے۔

(۲) تَعَرُّب سے مراد ہے بیابان (دیہات) میں رہائش اختیار کرنا اور بدو عربوں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا۔ اور یہ عمل (یعنی مدینہ جیسی ہجرت کی جگہ چھوڑ کر دیہات میں بس جانا) ایک مہاجر (یعنی وہ صحابی جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکا ہو) کے لیے حرام تھا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہو۔

(۳) یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بیابان (دیہات) میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

(۴) الرَّبَذَة: مدینہ منورہ کے قریوں (دیہاتی بستیوں) میں سے ایک ہے، مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے، اور مقام ذات عرق کے قریب ہے، جو مکہ مکرمہ کے راستے میں آتا ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ۲۴/۳، نیز دیکھیں: معجم المعالم الجغرافية في

السیرۃ النبویۃ،ص ۱۳۵)۔
(۵) صحیح البخاری (۶۶۷۶)۔
(۶) فتح الباری (۱۳/۴۱)۔

پندرہویں شخصیت: معقل بن یسار المُزَنی البصری رضی اللہ عنہ:

انہوں نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا، اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے (۱)۔

عجلی نے کہا: ان کی کنیت ابو علی تھی، اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں ان کے سوا کسی اور کے بارے میں معلوم نہیں جو ابو علی کی کنیت سے مشہور ہو (۲)۔

انہوں نے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتنوں کے بارے میں ایک حدیث روایت کی۔

[۲۴۳] امام مسلم نے روایت کیا ہے: **حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ (ح) وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، رَدَّهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، رَدَّهُ إِلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، رَدَّهُ إِلَى النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال:** (اور اسی حدیث کو ہمیں قتیبہ بن سعید نے بھی حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے معلّٰی بن زیاد سے روایت کی، اور انہوں نے اسے معاویہ بن قرہ سے، انہوں نے اسے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: ''فتنوں کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے مانند ہے۔''

[۲۴۴] اور اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے: **حَدَّثَنَا يَزِيدُ، حَدَّثَنَا مُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ:** وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فتنہ کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے مانند ہے (۳)۔''

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/۵۷۶)، الاصابہ (۱۸۵/۶)۔
(۲) (یہ بات) ثقات العجلی (۱۷۶۱) میں ہے، اور ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۲/۵۷۶) میں ذکر کیا ہے، پھر اس کو محمد بن سعد کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔
(۳) (یہ روایت) مسند احمد (۲۰۳۱۱) میں ہے، اور یزید سے مراد یزید بن ہارون ہیں۔ اسے شیخ البانی اور شیخ شعیب الارنوؤط دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیں: صحیح الترمذی (۲۲۰۱)۔

❑ سولھویں شخصیت: براء بن عازب بن حارث انصاری حارثی رضی اللہ عنہ:

جلیل القدر فقیہ، صحابہ کرام میں نمایاں مقام رکھنے والے تھے، بہت زیادہ احادیث روایت کیں، اور نبی ﷺ کے ساتھ پندرہ غزوات میں شریک ہوئے، جبکہ غزوۂ بدر کے دن کم عمر ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے (۱)۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا نہروان میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونا صحیح سند سے ثابت ہے، لیکن ان کی جانب سے جنگِ جمل اور صفین میں شرکت کا ثبوت نہیں ملتا۔

خطیب نے کہا: وہ (یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قاصد تھے، جنہیں نہروان میں خوارج کے پاس بھیجا گیا تھا، تا کہ انہیں اطاعت کی طرف بلائیں اور مخالفت چھوڑنے کی دعوت دیں (۲)۔

[۲۴۵] پھر خطیب نے اس روایت کو یوں نقل کیا: أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ رَوْحٍ النَّهْرَوَانِيُّ (۳) بِهَا، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَلَمَةَ الْكُهَيْلِيُّ (۴) بِالكُوفَةِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْحَضْرَمِيُّ (۵) قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ دِينَارٍ (۶) قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ - يَعْنِي ابْنَ مَنْصُورٍ - (۷)، [عَنْ] (۸) هُرَيْم (۹)، عَنْ مُطَرِّفٍ (۱۰)، عَنْ أَبِي الْجَهْمِ (۱۱) قَالَ (وہ کہتے ہیں): علی رضی اللہ عنہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کی طرف تین دن تک انہیں (اطاعت کی طرف) دعوت دینے کے لیے بھیجا، لیکن جب انہوں نے انکار کر دیا، تو پھر (علی رضی اللہ عنہ) ان کی طرف روانہ ہوئے (۱۲)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۱۹۴/۳)۔
(۲) تاریخ بغداد (۱/ ۱۸۸)۔
(۳) خطیب نے کہا: میں نے ان سے نہروان اور بغداد میں روایت لکھی۔ وہ سچے، دیندار، خوش ذوق مذاکرہ کرنے والے، اور عمدہ گفتگو کرنے والے تھے۔ وہ معتزلہ کے مکتبِ فکر سے وابستہ تھے، اور ۴۴۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ ماخذ: تاریخ بغداد (۵/۵۲)، اور دیکھیے: المنتظم (۱۵/۳۴۱)، تاریخ الاسلام (۱۰۹/۳۰)، لسان المیزان (۱/۲۳۶)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۱/۴۴۰)۔
(۴) ابن الجوزی نے کہا: [انہوں نے مُطیَّن سے روایت کی، ان کا سماع درست تھا، دیانت و استقامت پر قائم رہے اور عمدہ روش پر زندگی بسر کی، اور کوفہ میں سنہ (۳۸۳ھ) میں وفات پائی۔] اور ذہبی نے ان کی کنیت ابو الحسن ذکر کی ہے۔ مراجع: المنتظم (۱۴/۳۶۷)، تاریخ الاسلام (۲۶/۶۷۵)۔
میں کہتا ہوں: کہیلی کا ایک حدیثی جزء (جزء حدیثی) مخطوطہ کی صورت میں موجود ہے، جسے جوامع الکلم نے شائع کیا ہے، اور یہ المکتبہ الشاملہ الالیکٹرانیہ پر (من حديث أبي الحسين محمد بن إبراهيم بن سلمة الكهيلي) کے عنوان سے دستیاب ہے۔ اس نسخے کی ابتدا میں کہیلی کو الحضرمی کے لقب سے موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ عبارت ہے: [أخبرنا أبو الحسين محمد بن إبراهيم بن سلمة الكهيلي الحضرمي] اور تاریخ بغداد (۱/۴۳۲) میں ایک ترجمہ موجود ہے: [محمد بن إبراهيم، أبو الحسن الحضرمي] لہٰذا اس بنیاد پر احتمال ہے کہ یہی شخص ہو، واللہ اعلم۔
(۵) یہ مطیَّن ہیں، دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: ثقہ، پہاڑ جیسی شخصیت کے حامل۔ ماخذ: سؤالات حمزہ للدارقطنی (۲) سیر اعلام النبلاء (۱۴/۴۱)
(۶) ابو محمد القرشی، کوفی، الطحان ہیں۔ بعض اوقات ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ ثقہ ہیں۔ (م)، (ت)، (س)، (ق) میں ان کا ذکر ہے۔ [تقریب: ۵۴۵۹]۔
(۷) اسحاق بن منصور السلولی، ان کے موالی میں سے تھے، کنیت ابوعبدالرحمٰن، کوفی ہیں۔ صدوق ہیں، لیکن تشیع کی وجہ سے ان پر کلام کیا گیا ہے۔ (ع) [تقریب: ۳۸۵]۔
(۸) مطبوعہ نسخے میں یہ لفظ تصحیف ہو کر ''عم'' بن گیا ہے، جب کہ صحیح صورت شیخ بشار عواد معروف کی طباعت (۱/۵۲۸) اور کتبِ تراجم سے ع ثابت ہے۔
(۹) ہُرَیم بن سفیان البجلی، کنیت ابومحمد، کوفی ہیں۔ ابن معین، ابوحاتم اور دیگر نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے: [صدوق، ع]۔ جبکہ تحریر التقریب میں انہیں ثقہ کہا گیا ہے۔ [تقریب: ۷۲۷۹]۔
(۱۰) مُطَرِّف بن طریف الحارثی، اور بعض کے نزدیک الخارفی، کنیت ابوبکر یا ابوعبدالرحمٰن، کوفی ہیں۔ ثقہ اور فاضل ہیں۔ (ع) [تقریب: ۶۷۰۵]۔
(۱۱) سلیمان بن جُہم بن ابوالجہم الانصاری الحارثی، کنیت ابوالجہم الجوزجانی ہے، وہ براء بن عازب کے مولیٰ ہیں۔ ثقہ ہیں۔ (د)، (س)، (ق) [تقریب: ۲۵۴۳]۔
(۱۲) تاریخ بغداد (۱/ ۱۸۹) میں یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، اور اس کی سند جید ہے۔ یہ روایت آگے نمبر [۴۹۲] پر دوبارہ آئے گی۔ نیز، اگلا اثر بھی ملاحظہ ہو۔

[۲۴۶] اسے بیہقی نے روایت کیا: أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ

يَعْقُوبَ بْنِ أَحْمَدَ الْفَقِيهُ بِالطَّابِرَانِ (۱) ، أبنا أَبُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ الصَّوَّافِ (۲)، ثَنَا أَبُو يَعْقُوبَ إِسْحَاقُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ مَيْمُونِ الْحَرْبِيُّ (۳)، ثَنَا أَبُو غَسَّانَ (۴)، ثَنَا زِيَادُ الْبَكَّائِيُّ (۵)، ثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ طَرِيفٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْجَهْمِ أَبِي الْجَهْمِ، مَوْلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ،

براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے مجھے نہر کی طرف خوارج کے پاس بھیجا، تو میں نے انہیں قتال سے پہلے تین مرتبہ دعوت دی (۶)۔

ابن عبد البر اور ابن اثیر نے مدائنی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: براء بن عازب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شریک ہوئے، پھر کوفہ میں آ کر مقیم ہو گئے، اور وہیں مصعب بن زبیر کے زمانے میں فوت ہوئے (۷)۔

لیکن مدائنی نے اس روایت کی سند ذکر نہیں کی، لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں ابن حجر نے بھی یہ عبارت الاصابہ میں نقل کی، مگر مدائنی کی طرف اس کی نسبت نہیں کی (۸)۔

اور میں نے مدائنی کے سوا کسی اور کو یہ ذکر کرتے نہیں پایا کہ براء بن عازب جنگ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ہوں، سوائے نصر بن مزاحم کے، جس نے صرف صفین میں ان کی شرکت کا ایک مقام پر ذکر کیا ہے (۹)۔ رہا جمل، تو اس میں ان کی شرکت کا کہیں ذکر نہیں ملا۔

---

(۱) امام، ابوالحسن الطوسی، فقیہ، متکلم، اشعری تھے۔ عبد الغفار الفارسی نے کہا: وہ امام شافعی کے اصحاب میں سے مشہور اساتذہ، مفتیان اور کثرت سے حدیث بیان کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے عراق کا سفر کیا، وہاں علم حاصل کیا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ الاسنوی نے کہا: وہ فقیہ، امام، علمِ کلام کے ماہر اور سماع وتحدیث والے عالم تھے۔ ابوالحسن السلیمانی نے کہا: ثقہ، کثرت سے روایت کرنے والے اور فقیہ تھے۔ مراجع: المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيسابور (ص ۷۰)، طبقات الشافعية للإسنوي (ص ۲۶۸)، العقد المذهب لابن الملقن (ص ۴۷، ۸۷، ۱۵۲۴)، السَلسَبِيلُ النَّقِي في تَرَاجِمِ شيوخ البيهقي (ص ۲۰۰)۔

(۲) شیخ، امام، محدث، ثقہ، حجت، ابوعلی محمد بن احمد بن الحسن بن اسحاق البغدادی، معروف بہ ابن الصواف تھے۔ دارقطنی نے کہا: میری آنکھوں نے ابوعلی بن الصواف اور فلاں مصری کے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ ابن ابی الفوارس نے کہا: ابوعلی ثقہ، امانت دار تھے، اور میں نے ان جیسا کسی کو احتیاط برتنے میں نہیں پایا۔ وہ شعبان ۳۵۹ ہجری میں وفات پا گئے، اُس وقت ان کی عمر ۸۹ برس تھی۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۶/۱۸۴]۔

(۳) امام ذہبی نے کہا: وہ بغدادی، امام، حافظ، صدوق تھے، علمائے سادات میں سے ایک شمار ہوتے تھے، اور انہی کی روایت سے ہم نے امام مالک کا موطا قعنبی کی روایت سے سنا۔ ان کی توثیق عبداللہ بن احمد اور دارقطنی نے کی ہے۔ وہ شوال ۲۸۴ ہجری میں وفات پا گئے، اور اس وقت ان کی عمر نوے برس سے زائد ہو چکی تھی۔ [سؤالات السلمی: ۲۸، سؤالات الحاکم: ۵۷، تاریخ بغداد: ۸۷/۳، ٦، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۴۱۰]۔

(۴) مالک بن اسماعیل بن دِرہَم النہدی، جو ان کے موالی میں سے تھے، کنیت ابوغسان، کوفی ہیں۔ ثقہ، متقن اور کتابت میں درست تھے۔ (ع) [تقریب: ٦۴۳۴]۔

(۵) صدوق ہے اور ابن اسحاق سے مغازی کی روایت میں پختہ ہے، لیکن ابن اسحاق کے علاوہ سے روایت میں اس کی حدیث میں کچھ نرمی (کمزوری) ہے۔ اس کی تفصیلی ترجمہ [۱۲۲] پر گزر چکی ہے۔

(٦) السنن الکبری للبیہقی (۱٦۷۳۹) کی یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، اور اس کی سند زیاد البکائی کی متابعت کی وجہ سے حسن ہے، اسے متابعت حاصل ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ یہ روایت آگے نمبر [۴۹۳] پر دوبارہ آئے گی، اور جو پہلے گزرا ہے، اسے بھی ملاحظہ کریں۔

التخریج:

اسے بیہقی نے السنن الصغری (۳۱۵۰) میں بھی اسی سند اور اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۷) الاستیعاب (۱۵۷/۱)، (۸) اسد الغابہ (۲۵۸۱/۱)۔

(۹) وقعہ صفین ص (۴۴۸)۔

❑ سترہویں شخصیت: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن حارث عامری قرشی رضی اللہ عنہ:

وہ امیر اور سپہ سالار تھے، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان کو صحابیت حاصل تھی اور انہوں نے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے، اور افریقہ کو فتح کرنے والے یہی تھے (۱)۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی اور رملہ میں آ کر مقیم ہوئے (۲)، پھر ۳٦ ہجری میں وفات پائی، جیسا کہ نووی نے راجح قرار دیا ہے۔ بعض نے ۳۷ ہجری بھی کہا ہے، اور کچھ نے اس کے علاوہ اقوال بھی نقل کیے ہیں (۳)۔

[۲۴۷] امام بغوی نے روایت کیا: **حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، نَا أَبُو عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْمُقْرِئُ. وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ، نَا أَبُو إِسْحَاقَ الطَّالْقَانِيُّ، نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي**

حَبِیبٍ کہ جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی وفات کا وقت آیا جبکہ وہ رملہ میں تھے، اور وہ فتنہ سے بچنے کے لیے وہاں نکل گئے تھے، تو وہ رات بھر لوگوں سے پوچھتے رہے: کیا صبح ہوگئی؟ لوگ کہتے: نہیں۔ جب صبح کا وقت قریب آیا تو کہنے لگے: میں صبح کی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہوں، دیکھو ذرا۔ پھر کہا: اے اللہ! میرے عمل کا خاتمہ فجر کی نماز پر فرما۔ پھر انہوں نے وضو کیا اور نماز فجر ادا کی۔ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ العادیات پڑھی، اور آخری رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور ایک سورت، پھر دائیں طرف سلام پھیرا، اور جیسے ہی بائیں طرف سلام پھیرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمالی۔ اور یہ الفاظ احمد بن منصور کے ہیں (۴)۔

اور ابو مخنف نے اپنی ایک من گھڑت روایت (۵) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی السرح اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما دونوں صفّین میں شریک ہوئے تھے، اور اس کی روایت میں ان دونوں کے متعلق تکفیر اور گالی گلوچ کا مضمون شامل ہے!!

ابن الاثیر نے سنہ ۳۷ ہجری کے وفیات کے ضمن میں لکھا: اور اسی سال (۳۷ھ) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ عسقلان میں اچانک اس وقت وفات پا گئے جب وہ نماز میں تھے۔ وہ معاویہ کے ساتھ صفّین جانے کو ناپسند کرتے تھے، اور کہا گیا کہ وہ وہاں شریک ہوئے، لیکن یہ بات صحیح نہیں (٦)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۳/۳۳)۔

(۲) الرملة: یہ ایک شہر ہے جو فلسطین میں بیت المقدس کے مغرب میں ساحل کے قریب واقع ہے، اور آج کل صہیونی قبضے کے تحت ہے۔ (ماخذ: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: ۱۸، نیز دیکھیں: معجم البلدان ۳/٦۹)۔

(۳) ملاحظہ ہو: التاریخ الکبیر (۵/۲۹)، تہذیب الاسماء للنوی (۱/۲۵۴)، البدایہ والنہایہ (۳۷۳-۳۷۲)، میزان الاعتدال (۳/۳۳)، الاصابہ (۴/۱۱۰)، اور مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، صفحہ ۲۹۵۔

(۴) معجم الصحابہ (۲۵/۴-۲۴) اور دوبارہ (۲۵۱/۴-۲۵۰) میں ذکر کیا، اس کی سند صحیح ہے۔ محمد بن اسحاق: وہ ابوبکر الصاغانی ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن المقری: وہ خود عبداللہ بن یزید ہیں۔ ابواسحاق الطالقانی: وہ ابراہیم بن اسحاق بن عیسیٰ البنانی ہیں۔

(۵) تاریخ طبری (۳/۷٦) میں اور دیگر بعض روایتوں میں عبداللہ بن ابی السرح کے صفّین میں شریک ہونے کا ذکر آتا ہے، لیکن

یہ روایات صحیح نہیں۔ چنانچہ:
طبری نے اپنی تاریخ (٦/٧٧،٣/١٠١) میں ابومخنف کی دو روایات نقل کی ہیں۔
ابن عساکر نے (٢٩ /٤١-٤٢) ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کے واسطے سے ابومخنف کی روایت پیش کی ہے۔
نیز ابن عساکر (٩/١٣٦-١٣٧) اور ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (٤/٢٤٣) میں ابوعلی محمد بن سلیمان بن حیدرۃ کے واسطے سے ایک خبر ذکر کی ہے جس میں العباس بن الولید بن مرید روایت کرتے ہیں۔
مگر ابن حیدرۃ مجہول ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے ذکر کیا، اور العباس (م: ٢٦٩ھ) اور واقعہ کے درمیان بڑا انقطاع ہے۔
ابن حیدرۃ کی نسبت دیکھیے: الانساب المتفقہ لابن القیسرانی ص: ١١، الانساب للسمعانی (١/١٨٣)، تاریخ الاسلام (٢٥/٤/٨٧)، السلسلۃ الضعیفہ (٢/١٧٢) تحت رقم: ٧٤٩۔
لہٰذا جو مؤرخین یا متأخرین عبداللہ بن ابی السرح کی صفین میں شرکت کے قائل ہیں، وہ انہی کمزور اور ساقط الاسناد روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔
(٦) الکامل فی التاریخ ٣٧ھ۔
التخریج:
اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (٢٩/ ٤٣) میں بغوی کے طریق سے روایت کیا ہے۔
اور ابن حجر نے الاصابہ (٤/١١٠) میں ذکر کیا اور کہا: روى البغوي بإسنادٍ صحيح، عن يزيد بن أبي حبيب... پھر اسے مختصر طور پر بیان کیا۔ اور امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (٣/٣٥) میں سعید بن ابی ایوب کے طریق سے نقل کیا ہے۔

❑ اٹھارھویں شخصیت: ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو الاموی رضی اللہ عنہ:

وہ امیر (حاکم) تھے، اور خلیفۂ راشد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے۔ انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا، اور انہوں نے شام میں جہاد بھی کیا۔ سیرت اور تراجم کے ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد انہوں نے الرّقہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، اور دونوں گروہوں (یعنی علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکروں) میں سے کسی کے ساتھ جنگ نہیں کی، یہاں تک کہ وہ وہیں سنہ ٦١ ہجری میں وفات پا گئے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ اس سے پہلے، خلافتِ معاویہ کے دور میں فوت ہو گئے تھے(١)۔

ڈاکٹر یحییٰ الیحیی نے کہا: علما کے اقوال میں جو بات ثابت شدہ ہے وہ یہ ہے کہ ولید (بن عقبہ) نے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے الرقہ میں وفات پائی(٢)۔

❑ انیسویں شخصیت: عمران بن حصین بن عبید بن خلف خزاعی رضی اللہ عنہ:

(وہ) قدوہ، امام، (اور) قاضیِ بصرہ تھے، جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ کی

تعلیم وتربیت اور فقہ سکھانے کے لیے وہاں بھیجا تھا(۳)۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کی، اور وہ لوگوں کو بھی فتنوں سے دور رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔

[۲۴۸] ابن سعد نے روایت کیا: **أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ، عَنْ حُجَيْرِ بْنِ الرَّبِيعِ: عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ** نے اسے بنو عدی کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں کہے کہ وہ عصر کے وقت اپنی مسجد میں جس قدر جمع ہوسکیں، ہوں۔ پھر وہ کھڑا ہوکر ان سے بات کرے۔ چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور کہا: مجھے تمھارے پاس عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی، نے بھیجا ہے۔ وہ تمہیں سلام اور رحمتِ خداوندی پہنچاتے ہیں اور تمہیں اطلاع دیتے ہیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر کوئی حبشی غلام جس کے اعضاء کٹے ہوں، پہاڑ کی چوٹی پر حضنی بکریاں(۴) چرا رہا ہو اور وہیں موت پالے، تو یہ اُنہیں اس سے زیادہ پسند ہے کہ وہ دونوں گروہوں (جمل وصفین) میں سے کسی ایک پر تیر پھینکیں، چاہے وہ تیر خطا جائے یا نشانہ بنے۔ پس باز آجاؤ، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ راوی کہتا ہے: قوم نے اپنے سر اٹھائے اور کہا: اے لڑکے، ہمیں چھوڑ دو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت(۵) کو کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ چنانچہ وہ لوگ جمل کے دن نکلے، اور اللہ کی قسم! عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے اردگرد بہت سے لوگ مارے گئے، ان میں ستر (۷۰) ایسے تھے جنہوں نے مکمل قرآن حفظ کیا ہوا تھا، اور جنہوں نے قرآن حفظ نہیں کیا تھا، وہ ان سے بھی زیادہ تھے(۶)۔

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنو عدی نے جنگِ جمل میں شرکت پر اصرار اس لیے کیا تھا

تاکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرسکیں۔

---

(۱) عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے کنارہ کش رہنے کا ذکر متعدد مصادر میں موجود ہے، جیسے کہ: الطبقات الکبریٰ (۲۴/۶)، الثقات لابن حبان (۴۳۰۳)، الاستیعاب (۱۵۵۶/۴)، تاریخ دمشق (۲۱۸/۶۳)، اسد الغابہ (۴۷۰/۵)، تہذیب الکمال (۵۴/۳۱)، سیر اعلام النبلاء (۴۱۴/۳)، الوافی بالوفیات للصفدی (۲۷۸/۲۷)، البدایہ والنہایہ (۲۳۴/۸)، التکمیل فی الجرح والتعدیل لابن کثیر (۱۰۶/۲)، الاصابہ (۶۱۷/۶)، اور الاعلام للزرکلی (۱۲۲/۸)۔ ابن عساکر نے بھی ان کے اعتزال (فتنہ سے علیحدگی) پر اہل علم کے متعدد اقوال وروایات ذکر کی ہیں، جن میں امام ابواحمد الحاکم، ابن مندہ اور دیگر محدثین شامل ہیں (۲۲۳/۶۳)۔

(۲) مرویات ابی مخنف في تاریخ الطبری ص (۲۹۵)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء (۵۰۸/۲)۔

(۴) ابن قتیبہ نے کہا: حضنیات نسبت ہے حضن کی طرف، اور حضن نجد میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ عرب اس پہاڑ کو ایک ضرب المثل میں یوں استعمال کرتے ہیں: (أنجد من رأى حضنًا) یعنی جس نے حضن کو دیکھ لیا، وہ نجد کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس جملے کا مطلب ہے کہ اگر میں نجد کے اس پہاڑ حضن میں ایک غلام چرواہا بن کر زندگی گزاروں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی فتنے کی جنگ میں شریک ہوں۔ اس قول کو زمخشری اور ابن الجوزی نے بھی اختیار کیا ہے (دیکھیے: غریب الحدیث لابن قتیبہ ۳۲۸/۲، الفائق ۲۹۱/۱، غریب الحدیث لابن الجوزی ۲۲۱/۱)۔

لسان العرب میں ہے کہ (أنجد من رأى حضنًا) کا مطلب ہے: جس نے اس پہاڑ کو دیکھا، وہ نجد کے علاقے میں داخل ہو گیا (لسان العرب: ۱۲۴/۱۳، مادہ: حضن)۔ نیز، ابراہیم الحربی نے ذکر کیا ہے کہ الشاة الحضَان وہ بکری ہے جس کے دونوں تھن برابر نہ ہوں؛ یعنی ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو، اور اسے بکری کے عیوب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضَان بکری کی ایک خاص نسل ہے جو شدید سرخ یا سیاہ رنگ کی ہوتی ہے (دیکھیں: غریب الحدیث ۹۰۰/۲، اور النہایہ فی غریب الحدیث ۴۰۱/۱)۔

(۵) مطبوع نسخے میں لفظ "ثَقَل" تصحیف (یعنی چھپائی کی غلطی) سے آیا ہے، اصل میں یہ "ثُقَل" ہونا چاہیے۔ عربی زبان میں ثَقَل کا مطلب ہے: مسافر کا سامان یا اس کے ساتھ جانے والے خدام وخدم، اور اس کی جمع أثقال ہے۔ عربوں کے نزدیک ہر وہ چیز جو قیمتی، اہم، محفوظ اور وزنی ہو، وہ ثَقَل کہلاتی ہے۔ اس مقام پر ثَقَل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) ہے۔ اسی مفہوم میں ایاس بن مالک کے شعر میں آیا ہے:

"كِلَا ثَقَلَيْنَا طَامِعٌ بِغَنِيمَةٍ، وقد قَدَرَ الرَّحْمَنُ ماهوَ قَادِرُ"

اس شعر میں ثَقَل سے مراد عورتیں ہیں، اور قادِر کا مطلب ہے مقدّر یعنی جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہو۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: تاج العروس (۲۸/۱۵۶) مادہ ثقل، اور (۱۷/۳/۱۳-۲۷۳) مادہ قدر۔

(۶) الطبقات الکبریٰ (۲۸۸/۴) کی یہ روایت صحیح ہے، اور اس کا سند ابونعامہ عدوی کی وجہ سے حسن ہے، ان کا پورا نام عمرو بن عیسیٰ بن سوید ہے۔ وہ صدوق (سچے) ہیں، لیکن آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہوئے تھے (التقریب، حدیث نمبر: ۵۰۸۹)۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

یہ خبر حُجیر بن ربیع سے مروی ہے، اور اس کی روایت میں اختلاف ہوا ہے:

اسے ایوب السختیانی اور سلیمان بن مغیرہ دونوں نے حمید بن ہلال کے واسطے سے حُجیر سے روایت کیا ہے۔

اور اسے ابونعامہ عدوی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان سے روایت کرنے میں اختلاف ہے:

روح بن عبادہ نے ابونعامہ عدوی سے، اور انہوں نے حمید بن ہلال سے، اور انہوں نے حُجیر سے روایت کیا۔

جبکہ یزید بن زریع نے ابونعامہ عدوی سے براہِ راست حُجیر بن ربیع کی روایت بیان کی اور حمید کو حذف کر دیا۔

حالانکہ ابونعامہ نے دونوں، حمید اور حُجیر سے روایت سنی ہے، اوران کی حُجیر سے روایت مسلم (۱/۶۴) میں موجود ہے۔ نیز مزی نے بھی تہذیب الکمال (۲۲/۸۲) میں ان کی دونوں سے روایت کا ذکر کیا ہے۔ پس حمید کو سند میں ثابت کرنا ہی زیادہ صحیح ہے، واللہ اعلم۔

التخریج:

اس روایت کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف (حدیث نمبر: ۳۸۲۷۲) میں روایت کیا ہے: ہمیں ابن علیہ نے حدیث سنائی، انہوں نے ایوب سے روایت کی۔

اسی روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۸/۱۰۵) میں نقل کیا ہے: ہمیں بشر بن موسیٰ نے حدیث سنائی، انہوں نے ابوعبدالرحمن (یعنی عبداللہ بن یزید المقری) سے، انہوں نے سلیمان بن مغیرہ سے، اوران دونوں نے حمید بن ہلال سے اسی طریق سے روایت کی، اور ان تمام رواۃ کا شمار ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں میں ہوتا ہے۔

اسی روایت کو امام ابراہیم الحربي نے اپنی کتاب غریب الحدیث (۲/۸۹۹) میں عبیداللہ بن عمر بن میسرہ القواریری کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور امام طبری نے اسے اپنی تاریخ (۳/۷-۳۸) میں ابوحفص عمرو بن علی بن بحر الصیر فی الفلاس کے واسطے سے نقل کیا ہے، اوران دونوں نے یزید بن زریع سے، انہوں نے ابونعامہ العدوی سے، اور انہوں نے حُجیر بن ربیع سے یہ روایت نقل کی۔ ابراہیم الحربي نے اس روایت کو مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔

❑ بیسویں شخصیت: ابوبکرہ نُفیع بن حارث ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ تھے۔

ابوبکرہ نُفَیع بن الحارِث الثقفی الطائفی رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بطور وفد حاضری دی[1]۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل اور صفین کی فتنہ انگیزی[2] سے کنارہ کشی اختیار کی، اور وہ لوگوں کو بھی اس فتنہ سے دور رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔ وہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی وہ احادیث سنایا کرتے تھے جن میں فتنوں میں مداخلت سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث تھی، جو فتنے میں پڑنے یا اس میں حصہ لینے سے روکتی تھی۔

[۲۴۹] امام بخاری نے روایت کیا ہے: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ نے مجھے جنگ جمل کے دنوں میں ایک بات سے نفع دیا - یعنی مجھے اس بات کی وجہ سے فتنے میں پڑنے سے بچالیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو (اپنے امور کا) حاکم بنالیا ہے، تو آپ ﷺ نے

فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی، جنہوں نے اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کر دیا(۳)۔''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی بنیاد پر اہلِ جمل کی شکست کو بھانپ لیا تھا(۴)۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اسی طرح سمجھا، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود لشکر کی قیادت نہیں کر رہی تھیں، بلکہ قیادت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس لیے گئیں کہ لوگ انہیں دیکھ کر صلح کر لیں اور قتال سے باز آ جائیں، کیونکہ ان کا مقام نہایت بلند تھا، وہ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔

یہ تمام حضرات (حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم) جنگ کے قائد نہیں تھے، بلکہ اصلاح کے قائد تھے۔ جنگ کا آغاز سبائیوں کے ہاتھوں ہوا، دونوں فریقین کی مرضی کے بغیر(۵)۔ میدانِ جنگ کی قیادت حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے الگ ہو گئے، پھر انہیں شہید کر دیا گیا۔

[۲۵۰] امام احمد نے روایت کیا: جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر پر روانہ ہوئیں اور رات کے وقت قبیلہ بنی عامر کے پانی کے مقام پر پہنچیں تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون سا پانی ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ حوأب کا مقام ہے(۶)۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرا گمان ہے کہ مجھے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ ان کے ساتھ موجود بعض افراد نے کہا: نہیں، آپ آگے بڑھیں تاکہ مسلمان آپ کو دیکھیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ان کے درمیان صلح کر دے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ہم ازواج مطہرات سے فرمایا تھا: تم میں سے کسی ایک پر ایسا وقت آئے گا کہ اس پر حوأب کے

کتے بھونکیں گے (۷)۔

[۲۵۱] یہ روایت امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے: **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ:** (کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا): جب وہ مقام حواب پر پہنچیں تو کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، تو فرمانے لگیں: میرا گمان ہے کہ مجھے واپس لوٹ جانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم (ازواجِ مطہرات) سے ایک دن فرمایا تھا: تم میں سے کون ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا آپ واپس جائیں گی؟! ہوسکتا ہے اللہ آپ کے ذریعے لوگوں کے درمیان اصلاح فرمادے (۸)۔

ابوبَکْرَہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی تھے جنہوں نے اَحنَف بن قَیس رحمہ اللہ کو جنگِ جمل میں شرکت نہ کرنے کی نصیحت کی، چنانچہ احنف نے اس فتنے سے کنارہ کشی اختیار کی، اور اُن کے ساتھ چھ ہزار افراد (۹) نے بھی جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تاہم، بعد میں اَحنَف بن قَیس نے جنگِ صفین میں شرکت کی اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔

[۲۵۲] امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: **حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، وَيُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ۔** (احنف کہتے ہیں): میں نکلا جبکہ میرا ارادہ اس شخص (یعنی علی رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کا تھا، تو مجھے ابوبَکْرَۃ رضی اللہ عنہ ملے (۱۰)۔ انہوں نے کہا: اے احنف! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی نصرت کے لیے جا رہا ہوں (یعنی علی رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے)۔ تو انہوں نے کہا: اے احنف! واپس لوٹ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ آمنے سامنے ہوں (یعنی جنگ کریں)، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا - یا کہا گیا -: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے، مقتول کا کیا قصور؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔''(۱۱)

[۲۵۳] امام مسلم نے روایت کیا ہے: **حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الشَّحَّامُ قَالَ:** کہ عثمان الشحام کہتے ہیں: میں اور فرقد سَبَخی، مسلم بن ابی بکرہ کے پاس ان کی زمین میں گئے اور ان سے دریافت کیا: کیا تم نے اپنے والد (ابوبکرہ رضی اللہ عنہ) کو فتنوں کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرتے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک عنقریب فتنہ برپا ہوگا۔ خبردار! پھر ایک ایسا فتنہ آئے گا کہ اس میں بیٹھا ہوا شخص اس میں چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور جو اس میں چل رہا ہو وہ اس کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ تو جب وہ فتنہ نازل ہو یا وقوع پذیر ہو جائے، تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ ان کے پاس چلا جائے، جس کے پاس بکریاں ہوں وہ ان کے پاس چلا جائے، اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین کی طرف لوٹ جائے۔'' ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کسی کے پاس اونٹ، بکری یا زمین کچھ بھی نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اپنی تلوار کی دھار کو پتھر سے مار کر کند کر دے(۱۲)، پھر اگر وہ بچ سکتا ہو تو بچنے کی کوشش کرے۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟'' پھر ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر مجھے زبردستی کسی ایک گروہ کی طرف

لے جایا جائے، اور وہ مجھے تلوار مار دے، یا کوئی تیر آ کر مجھے ہلاک کر دے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص پر (۱۳) تمہارا اور اس کا گناہ ہوگا، اور وہ جہنمی ہوگا (۱۴)۔"

[۲۵۴] امام بخاری نے روایت کیا: کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے عبدالرحمن اور ایک اور شخص نے (۱۵)۔ جو عبدالرحمن سے زیادہ ثقہ اور معتبر تھے - روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور فرمایا: "کیا تم جانتے ہو آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کو دہرایا) یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس دن کا کوئی دوسرا نام رکھ دیں گے۔ پھر فرمایا: "کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں؟" ہم نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! پھر پوچھا: "یہ کون سا شہر ہے؟ کیا یہ بلدہ حرام (مکہ مکرمہ) نہیں؟" ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے جسم (۱۶) ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں، جیسے اس دن کی، اس مہینے کی اور اس شہر کی حرمت ہے۔ خبردار! کیا میں نے تمہیں (یہ بات) پہنچا دی؟" ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! گواہ رہ۔ چاہیے کہ حاضر لوگ غائب لوگوں تک یہ بات پہنچائیں، بہت ممکن ہے کہ کوئی سننے والا، اسے اس سے بہتر سمجھ رکھتا ہو جس نے براہِ راست سنا ہو۔" پھر فرمایا: "میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا، کفر کی طرف نہ لوٹ جانا۔" جب ابن حضرمی (۱۷) کو جلایا گیا، جسے جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا تھا، تو کہا (۱۸) گیا: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر اوپر سے نظر رکھو (۱۹)! لوگ کہنے لگے: یہ دیکھو، ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تمہیں دیکھ رہے ہیں (۲۰)۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ نے بیان کیا (۲۱) کہ

میری والدہ نے مجھ سے روایت کی کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا(۲۲): ”اگر وہ میرے پاس بھی داخل ہو جاتے، تو میں ان پر ایک چھڑی تک نہ اٹھاتا(۲۳)۔“(۲۴)

واقعۂ حرقِ ابنِ حضرمی، حکمین کے فیصلے کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ صفین کی جنگ کے ضمنی واقعات میں سے ہے۔ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے فتنوں میں قتال سے متعلق موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اگر وہ لوگ میرے گھر میں داخل بھی ہو جاتے تو میں اُن سے قتال نہ کرتا، خواہ ایک تنکے (قصبہ) کے ذریعے بھی کیوں نہ ہو۔“

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۵/۳)۔ (۲) فتح الباری لابن حجر (۵۶/۱۳)۔

(۳) یہ حدیث صحیح البخاری (حدیث نمبر: ۶۶۸۶) میں آئی ہے: عوف سے مراد عوف الاعرابی ہیں، اور حسن سے مراد حسن بصری ہیں۔

(۴) فتح الباری (۵۶/۱۳)۔

(۵) ملاحظہ فرمائیں: تاريخ الطبري (۳/۳۹)، البداية والنهاية لابن كثير (۷/۲۶۲)، منهاج السنة النبوية لابن تيمية (۴/۴۶۶-۴۶۵)۔

(۶) الحواب ایک پانی (چشمہ یا مقام) تھا جو بصرہ اور مکہ کے راستے میں واقع تھا۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ یہ مقام بنی عامر کا علاقہ تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: معجم البلدان (۲/۳۱۴)۔

(۷) مسند احمد (حدیث نمبر ۲۴۲۵۴) کی سند میں یحییٰ سے مراد یحییٰ بن سعید القطان ہیں، اسماعیل سے مراد اسماعیل بن ابی خالد، اور قیس سے مراد قیس بن ابی حازم ہیں۔ اس حدیث کو کئی اہلِ علم نے صحیح قرار دیا ہے، جن میں علامہ البانی اور شعیب الارناؤوط شامل ہیں۔ علامہ البانی نے فرمایا: یہ ان صحیح ترین احادیث میں سے ہے، اسی لیے قدیم وجدید ائمہ نے اس کی صحت پر متفقہ طور پر اعتماد کیا ہے (السلسلة الصحيحة، حدیث ۴۷۴)۔

(۸) مسند احمد (حدیث نمبر ۲۴۶۵۴) بھی اپنی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے والے محمد بن جعفر، جنہیں غُندَر کے لقب سے جانا جاتا ہے، ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔

(۹) دیکھو: عمر بن جاوان کی روایت حدیث نمبر [۲۶۲] میں آئی ہے، اس میں ہے: (پس وہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر جلحاء کے مقام پر الگ ہو گئے، اور ان کے ساتھ تقریباً چھ ہزار افراد نے اعتزال اختیار کیا)۔

(۱۰) ولفظ البخاري: (خَرَجْتُ بِسِلَاحِي لَيَالِيَ الفِتْنَةِ، فَاسْتَقْبَلَنِي أَبُو بَكْرَةَ ..... اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: (میں فتنے کی راتوں میں اپنے ہتھیار کے ساتھ نکلا، تو مجھے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے ۔۔۔)

(۱۱) صحیح مسلم (۱۶۹/۸)۔

التخریج:

أخرجه البخاري في صحيحه (٦٦٧٢) من طريق الحسن، به.

(۱۲) يَبُوءُ بِالإِثْمِ کا مطلب ہے: وہ گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہے اور اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ یعنی وہی شخص گناہ کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے اور اس کا انجام اس پر عائد ہوتا ہے۔

(۱۳) يَدُق: کا مطلب ہے توڑ دے یا کچل دے۔ اور فتنوں میں تلوار توڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر قتال (جنگ) کا

دروازہ بند کر لے، تاکہ وہ فتنہ انگیزی یا خونریزی میں شامل نہ ہو۔

(۱۴) صحیح مسلم (۱۶۹/۸)۔

(۱۵) یہ حمید بن عبدالرحمن حمیری ہیں۔

(۱۶) بَشَرَة: کی جمع ہے، اور اس سے مراد انسان کی ظاہری جلد ہے۔

(۱۷) یہ عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی ہیں، جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۳۸ھ میں بصرہ پر قبضہ کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلے میں جَارِیَہ بن قُدَامہ کو روانہ کیا، جنہوں نے عبداللہ بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کو اس مکان میں قتل کر دیا جس میں وہ پناہ لیے ہوئے تھے، اور اسی مکان میں انہیں جلا کر مار دیا۔ ان کا واقعہ آگے چل کر بحث ''معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلافت کے استحقاق کا معیار'' کے تحت تفصیل سے آئے گا۔

(۱۸) القائل ھو جاریۃ بن قدامۃ یعنی: یہ قول (جملہ) جَارِیَہ بن قُدَامہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(۱۹) جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض لشکریوں سے کہا: ''اوپر سے دیکھو''، اور اشراف کا مطلب ہے: کسی بلند جگہ سے جھانکنا۔ تو انہوں نے جھانکا اور اُسے (ابوبکرہ کو) ایک باغ میں دیکھا۔ اور جاریہ کا مقصد یہ تھا کہ اس کا امتحان لے (یہ جاننے کے لیے) کہ آیا وہ محارب ہیں یا (حالتِ) اطاعت میں۔

(۲۰) یعنی انہوں نے جَارِیَہ بن قُدَامہ سے کہا: اے جَارِیَہ! یہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اُنہوں نے دیکھ لیا ہے جو تم نے ابن الحضرمی اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا ہے، تو ممکن ہے کہ وہ تم پر ہتھیار یا کسی بات سے انکار کرے۔

(۲۱) وہ اس خبر کو روایت کرنے والے، یعنی عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ ہیں۔

(۲۲) یعنی: جب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جاریہ رضی اللہ عنہ کے آدمیوں کی یہ بات سنی جو اُنہوں نے اُن کے متعلق کہی تھی، تو فرمایا: اگر وہ میرے گھر میں داخل بھی ہو جاتے تو میں ان پر ایک تنکا تک نہ اٹھاتا، کیونکہ میں مسلمانوں سے قتال (لڑائی) کو جائز نہیں سمجھتا، تو پھر کیسے میں ان سے اسلحے کے ساتھ جنگ کروں؟

(۲۳) مَا بَهَشْتُ کا مطلب ہے: میں نے ایک تنکے کے ذریعے سے بھی مزاحمت نہیں کی۔ مراد یہ ہے کہ اگر وہ لوگ میرے اوپر داخل بھی ہو جاتے تو میں نہ انہیں روکتا اور نہ ہی ان سے لڑتا، چاہے وہ ایک تنکے (قصبہ) کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ اور قصبہ (جمع: قصب) اس ہر پودے کو کہا جاتا ہے جس کی ساخت نلی دار ہو۔ یعنی وہ کہنا چاہتے تھے کہ میں نہ تو تلوار اٹھاؤں گا بلکہ لکڑی کا ایک ہلکا سا تنکا بھی ان پر نہ اٹھاؤں گا۔

(۲۴) صحیح البخاری (۲۲۶۷)، اور دیکھیں: فتح الباری (۱۳/۲۸)۔ (۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کی والدہ کا نام ہالہ (اور بعض کے نزدیک ہَولہ) بنت غلیظ العجلیہ تھا۔ (۲) مراجعات کے لیے دیکھیں: الطبقات (۱۹۰۷)، التقریب (۸۸۰۰)۔

❑ اکیسویں شخصیت: عبداللہ بن سلام بن حارث اسرائیلی رضی اللہ عنہ- یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہود کے ایک بڑے عالم تھے، جو بعد میں اسلام لے آئے، اور اُن کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔

امام، جلیل القدر عالم، جن کے لیے جنت کی بشارت دی گئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے تھے [1]۔ وہ یہود کے بڑے علما میں سے تھے، پھر اللہ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی۔ وہ

نبی یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے (۲)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی بصیرت عطا فرمائی تھی جو ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ خود اپنی اسلام لانے کی داستان بیان کرتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:۔۔۔

[۲۵۵] امام ابن ماجہ نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، وَعَبْدُ الْوَهَّابِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ:** جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق (۳) آپ کی طرف دوڑ پڑے (۴)، کہا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے نکلا، جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک واضح طور پر دیکھا، تو پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلی بات جو فرمائی (۵) وہ یہ تھی: ''اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رات میں اس حال میں نماز پڑھو کہ لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے (۶)۔''

عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ وہ عراق نہ جائیں بلکہ مدینہ ہی میں قیام کریں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔

[۲۵۶] ابویعلی نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَعْيَنَ، عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:** (سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں): میرے پاس عبد اللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) آئے جبکہ میں نے اپنے پاؤں رکاب میں رکھ دیے تھے (۷) (یعنی کوچ کے لیے

تیار تھا)، تو انہوں نے مجھ سے کہا: عراق کی طرف مت جانا، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں تمہیں تلوار کی چمک (۸) (یعنی قتل) پہنچے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مجھے یہی بات بتائی تھی۔ ابوالاسود کہتے ہیں: ”آج تک میں نے ایسا منظر نہیں دیکھا کہ کوئی جنگجو خود اپنی ہلاکت کی خبر دے رہا ہو!!

[۲۵۷] **حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، نا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، نَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ، نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُغَفَّلِ قَالَ** (وہ کہتے ہیں): عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن اپنی زمین سے گدھے پر سوار ہو کر مسجد آتے اور نماز پڑھتے، جب نماز ختم ہو جاتی تو اپنی زمین کی طرف واپس چلے جاتے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ مشتعل ہو گئے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو، بلکہ انہیں سمجھاؤ اور ان سے اصلاح کی درخواست کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کبھی بھی کسی امت نے اپنے نبی کو قتل نہیں کیا، مگر اللہ نے ان کے درمیان فساد ڈال دیا، یہاں تک کہ ستر ہزار کا خون بہایا گیا۔ اور کبھی کسی امت نے اپنا خلیفہ قتل نہیں کیا، مگر اللہ نے ان کے درمیان فساد ڈال دیا، یہاں تک کہ چالیس ہزار کا خون بہایا گیا۔ اور کبھی کوئی امت ہلاک نہیں ہوئی، مگر یہ کہ انہوں نے قرآن کو (بطور ہتھیار) حکومت کے خلاف بلند کر دیا۔ پھر انہوں نے دوبارہ کہا: انہیں قتل نہ کرو، بلکہ سمجھاؤ۔ لیکن لوگوں نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے راستے میں بیٹھ گئے، جب علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عراق جا رہا ہوں۔ عبد

اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: عراق نہ جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کو لازم پکڑو، اللہ بہتر جانتا ہے کہ تمہیں کون نجات دے سکتا ہے، اگر تم نے منبر چھوڑ دیا، تو پھر تم کبھی اسے نہ دیکھ سکو گے۔ تو جو لوگ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے گرد کھڑے تھے، انہوں نے کہا: ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبداللہ بن سلام کو چھوڑ دو، وہ ہم میں سے ایک نیک آدمی ہے۔

ابن مغفّل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا (۱۰) کہ اُن کی زمین کے قریب جو زمین ہے، میں اُسے خریدلوں۔ تو انہوں نے کچھ عرصے بعد مجھ سے کہا: یہ چالیسویں سال کا آغاز ہے، اور اس کے آس پاس صلح ہونے والی ہے، چنانچہ انہوں نے مجھے وہ زمین خریدنے کا مشورہ دیا۔

سلیمان نے کہا: میں نے حمید سے پوچھا: لوگ قرآن کو سلطان (حکمران) پر کیسے بلند کریں گے؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم نے اہلِ ہواء [۱۱] (اہلِ بدعت) کو نہیں دیکھا، جو قرآن کو (اپنے مطلب کے مطابق) تاویل کرکے حکمرانوں [۱۲] کے خلاف استعمال کرتے ہیں؟

اصحابِ اہواء سے مراد خوارج ہیں۔

ابنِ سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ (زمانہ) چالیسویں سال کی سرحد ہے، اور اس کے قریب ایک صلح واقع ہوگی)۔ اس میں ایک صریح دلیل ہے کہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کا ذکر اہلِ کتاب کی کتب (یعنی اسرائیلیات) میں موجود تھا۔ دوسرے الفاظ میں: بنی اسرائیل کے بعض انبیاء نے حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان ہونے والی صلح کی بشارت دی تھی۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/ ۴۱۳)۔

(۲) الاستیعاب (۳/ ۹۲۱، ترجمہ ۱۵۶۱) الاصابہ (۴/ ۱۱۸)۔

(۳) انْجَفَلَ النَّاسُ کا مطلب ہے: لوگ تیزی سے دوڑ پڑے یا جلدی سے لپکے۔ (یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف شوق وجستجو میں دوڑتے ہوئے گئے)۔

(۴) زاد أحمد: فَكُنْتُ فِيمَنِ انْجَفَلَ: اور احمد (ابن حنبل) نے یہ اضافہ نقل کیا: ''تو میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو دوڑ کر گئے۔''

(یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے اور لوگ لپک کر آپ کو دیکھنے گئے، تو میں بھی ان میں شامل تھا)۔

(۵) امام احمد کے لفظ ہیں: ''فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ يَقُولُ''، یعنی: یہ پہلا کلام تھا جو میں نے نبی ﷺ سے سنا۔

(۶) سنن ابن ماجہ (۱۳۳۴) کی یہ روایت ہے، جسے علامہ البانی اور شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔ رواۃ کی وضاحت درج ذیل ہے: یحییٰ بن سعید: یہ یحییٰ بن سعید القطّان ہیں، جو ثقہ اور مشہور محدث ہیں۔ ابن ابی عدی: ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے، یہ بھی ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ عبدالوہاب: یہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی ہیں، ثقہ محدث تھے۔ محمد بن جعفر: یہ محمد بن جعفر غُندر کے نام سے مشہور ہیں، جلیل القدر محدث تھے۔ (یہ تمام راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں، اسی بنا پر حدیث کو صحیح قرار دیا گیا)۔

التخریج:

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند (حدیث: ۲۳۷۸۴) میں روایت کیا ہے۔ انہوں نے یحییٰ بن سعید القطان اور محمد بن جعفر غُندر کے واسطے سے عوف بن ابی جُمیلہ سے، اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۷) الغَرْزُ: یہ زین کی رکاب کو کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا چمڑے، لکڑی یا لوہے کا تسمہ یا لٹکا ہوا پٹا جو زین (رَحل) کے دونوں طرف ہوتا ہے، اس میں سوار اپنا پاؤں رکھتا ہے تاکہ سوار ہونے میں سہولت ہو، اور سوار ہونے کے بعد اس میں پاؤں جما کر بیٹھتا ہے۔

عربی میں کہا جاتا ہے: غَرَزَ رِجلَه فِي الغَرْزِ یعنی اس نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تاکہ سواری پر چڑھ سکے۔

الرَّحْلُ: وہ چیز ہے جو جانور (مثلاً اونٹ) کی پیٹھ پر رکھی جاتی ہے تاکہ اس پر سوار بیٹھ سکے، یہ زین کی طرح ہوتی ہے۔ لفظ سَرْج عموماً گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب کہ رَحل اونٹ کے لیے۔

(۸) ذُبَابُ السَّيفِ: اس کی مراد تلوار کا وہ کنارہ یا نوک ہے جس سے وار کیا جاتا ہے، یعنی تلوار کا وہ حصہ جو دشمن کو لگتا ہے۔ (ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث، ۲/۱۵۲، مادہ: ذ ب ب)۔

(۹) مسند ابی یعلی (۴۹۱) اس کی سند حسن ہے۔ اسحاق: وہ ابنِ ابی اسرائیل، ابراہیم بن کامجر ہیں، اور سفیان: وہ سفیان بن عُیَینہ ہیں۔

التخریج:

اس حدیث کو حمیدی (۵۳)، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی (۱۷۲) میں، عبداللہ نے السنّۃ (۱۳۰۸) میں، بزار (۷۱۸)، ابن حبّان (۶۷۳۳)، حاکم (۴۶۷۸)، اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ (۸۴/۱، رقم ۳۲۹) میں سفیان بن عیینہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے البانی اور شعیب الارنؤوط نے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: التعلیقات الحسان (۶۶۹۸)۔

(۱۰) استأمرتُ: یعنی میں نے مشورہ کیا۔ اور المطالب العالیہ کی روایت میں لفظ ہے: استأذنتُ (یعنی میں نے اجازت طلب کی)۔

(۱۱) محمد بن مخلد اور ابنِ راہویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: کیا تم نے خوارج کو نہیں دیکھا؟

(۱۲) معجم الصحابہ للبغوی (۴/۱۰۴، رقم ۱۶۳۸) اس کی سند صحیح ہے۔ شیبان: وہ ابنِ فروخ الحبطی ہیں۔ مطبوعہ نسخے میں بعض تصحیفیں (کاتب یا طابع کی غلطیاں) واقع ہوئی تھیں، جنہیں میں نے تفصیل سے ذکر کرنے کے بجائے نظرانداز کیا، اور ان کی درستی تاریخ دمشق اور المطالب العالیہ سے کی۔

التخریج:

ابن عساکر نے اسے اپنی کتاب تاریخ دمشق (۳۹/۳۵۱) میں امام بغوی کے ذریعے روایت کیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ نے اسے اپنے مسند میں نقل کیا ہے، جیسا کہ المطالب العالیہ (حدیث ۴۳۷۶) میں آیا ہے۔ محمد بن مخلد الدوري العطار نے اسے اپنے فوائد کے ایک جزء (حدیث ۹) میں روایت کیا، اور ابن عساکر نے بھی اسے ان کے واسطے سے (تاریخ دمشق، ۳۹۹/۳۵۳) میں نقل کیا ہے، نضر بن شمیل کے واسطے سے۔ امام خلال نے اپنی کتاب السنہ (حدیث ۱۱۷) میں قراد عبدالرحمن بن غزوان کے ذریعے اسے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی نے اسے اپنی کتاب المعجم الکبیر (حدیث ۳۶۶) میں محمد بن الحسن بن الزبیر

الاسدی کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ ان سب راویوں (نضر، قراد، اسدی) نے یہ روایت سلیمان بن المغیرہ سے نقل کی ہے۔ الطبرانی نے اس روایت کو اختصار سے ذکر کیا ہے، اور یہ مختصر تاریخ دمشق (۱۶/۲۰۷) میں بھی موجود ہے۔ مکمل تخریج کے لیے دیکھیں: المطالب العالیہ۔

آخر میں آپ نے فرمایا: مجھے ابن مخلد العطار کی فوائد کی کتاب تاریخ دمشق میں ابن عساکر کے مراجع کے طور پر شامل نہیں ملی۔ (یہ ایک مفید تنبیہ ہے کہ مؤرخین نے ان کے بعض اقوال یا اسناد کو روایت کیا، مگر وہ فوائد ابن مخلد کی اصلی کتاب یا اس کا مستقل ذخیرہ ابن عساکر کے مصادر میں شامل نہیں ہے)۔

❑ بائیسویں شخصیت: زید بن ثابت بن ضحاک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ:

یہ بڑے درجے کے امام، قاریوں اور علمِ فرائض (وراثت) کے شیخ، مدینہ کے مفتی، وحی کے کاتب تھے۔ نہایت ذہین شخص تھے۔ انھوں نے خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھیں تاکہ ان کے خطوط کو پڑھا جا سکے، تو انھوں نے آدھے مہینے میں وہ زبان سیکھ لی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے جاتے تو مدینہ میں ان کو اپنا جانشین مقرر کرتے۔ اور جنگ یرموک کے دن انھیں مالِ غنیمت کی تقسیم کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اور یہی وہ شخصیت ہیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا کام سونپا(۱)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے معرکوں (جنگوں) میں شریک نہ ہوئے(۲)۔

[۲۵۸] اسے ابو زُرعہ دمشقی نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ:** بے شک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وظیفہ (عطاء) لیا کرتے تھے(۳)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۲/۴۲۶)۔

(۲) الاستیعاب (۲/۵۴۰)۔

(۳) تاریخ ابوزُرعہ دمشقی، صفحہ (۱۹۰): یہ خبر قرائن کی بنیاد پر مقبول ہے، حالانکہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ ابن لہیعہ ضعیف راوی

ہے، البتہ باقی تمام راوی ثقہ (قابل اعتماد) ہیں۔عبدالرحمن بن ابراہیم: یہ دُحیم ہیں (یعنی معروف ثقہ راوی دُحیم)۔ابوالاسود: ان کا نام محمد بن عبدالرحمن بن نوفل بن خُوَیلِد بن اسد القرشی الاسدی ہے، اور یہ یتیم عروہ کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کے والد نے ان کی کفالت کی وصیت عروہ بن زبیر کو کی تھی۔ یہ روایت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی سے نقل کی گئی ہے، جسے ابوالاسود نے بیان کیا ہے۔

قرائن:

القرائن (قرائن ودلائل):

اگر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما، معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے انعامات قبول کرتے تھے حالانکہ وہ زید رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو زید رضی اللہ عنہ کا ان انعامات کو قبول کرنا تو بدرجہ اولیٰ (یعنی اور زیادہ مناسب) ہے۔ دیکھیے: قبولِ سبطین (یعنی حسن وحسین رضی اللہ عنہما) انعاماتِ معاویہ رضی اللہ عنہ: [۵۶۹][۵۷۰][۵۷۱]۔

❑ تیئیسویں شخصیت: ابوعبداللہ عثمان بن ابی العاص ثقفی طائفی رضی اللہ عنہ:

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ایک فاضل، امانت دار اور باوقار امیر تھے۔ وہ نو ہجری میں وفدِ ثقیف کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو سب اسلام لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عقل، دینی جوش اور خیر کے شوق کو دیکھ کر انہیں ان پر امیر مقرر فرمایا، حالانکہ وہ وفد کے سب سے کم عمر فرد تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں طائف پر قائم رکھا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عمان اور بحرین کا گورنر بنایا، اور ایک لشکر کا قائد مقرر کیا جس نے توّج شہر کو فتح کیا اور اسے آباد کیا۔ بعد ازاں وہ بصرہ میں مقیم ہو گئے۔ وہی شخص تھے جنہوں نے قبیلہ ثقیف کو ارتداد سے روکا، اور انہیں خطبہ دیا: ''تم اسلام لانے میں سب سے آخر میں تھے، تو مرتد ہونے میں سب سے پہلے نہ بنو۔'' ان کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت موجودگی کا شرف حاصل کیا تھا۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سنہ ۵۱ ہجری میں بصرہ میں وفات پا گئے (۱)۔

ابنِ حبان نے اُن کے بارے میں کہا ہے: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عبادت گزاروں اور زاہدانہ زندگی گزارنے والوں میں سے تھے، بصرہ میں جہاد کے لیے سکونت اختیار کی، اور فتنوں سے کنارہ کش رہتے تھے (۲)۔

انہوں نے تمام فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کی، اور فتنوں سے کنارہ کش رہنے کے بارے میں اُن کا ایک قول ہے جو اُن سے محفوظ ہے،،،

[۲۵۹] امام احمد نے کتاب ''الزہد'' میں روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ

سَلَّامٍ، حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُثْمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ قَالَ: (عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا): اگر جمعہ اور جماعت نہ ہوتے تو میں اپنے اس مکان کی بالائی منزل پر ایک حجرہ بناتا، اور پھر اس سے نہ نکلتا یہاں تک کہ اپنی قبر کی طرف نکل جاتا(۳)۔

☐ چوبیسویں شخصیت: اُمُّ المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر صدیق تیمیہ رضی اللہ عنہا آگے چل کر عمار رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر پر ان کے موقف، اور جنگ جمل وصفین کے بارے میں ان کے مؤقف کا ذکر آئے گا(۴)۔

---

(۱) مراجع: الطبقات الکبری (۵/۵۰۸)، (۷/۴۰) سیر اعلام النبلاء (۲/۳۷۴) الاصابہ (۴/۴۵۱)۔

(۲) مشاهیر علماء الامصار (۲۲۴)۔

(۳) الزہد از امام احمد بن حنبل (۸۲۳)-اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اس میں مصعب (بن سلام) کی وجہ سے کچھ کلام ہے؛ وہ صدوق ہے، مگر اسے اوہام ہوتے ہیں، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (۴) دیکھیں: [۶۱۱] اور [۶۱۲] نیز ان کے بعد آنے والی تعلیق۔

التخریج:

اسے ابوداؤد نے ''الزہد'' (۳۸۶) میں، اور ابن ابی الدنیا نے ''العزلہ والانفراد'' (۸۶) میں مصعب کے طریق سے روایت کیا ہے، اسی سند کے ساتھ۔

◆ ضمیمہ میں بعض ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بھی شامل کیے گئے ہیں جن کے بارے میں میرے لیے یہ بات واضح نہیں ہوسکی کہ انہوں نے (واقعہ میں) شرکت کی تھی یا نہیں۔

اوّلاً: وَہب بن عبداللہ، ابو جُحَیفہ سُوائی، جنہیں ''وَہبُ الخیر'' بھی کہا جاتا ہے- یہ صحابہ میں سے کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو وہب سنِ بلوغ کے قریب تھے۔ ان کی عمر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہم عمر لوگوں میں شمار ہوتی ہے۔ وہ علی رضی اللہ عنہ کے پولیس دستے کے افسر (صاحبِ شرطہ) تھے، اور کہا گیا ہے کہ جب علی بن ابی طالب رضی

اللہ عنہ خطبہ دیتے تو ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ ان کے منبر کے نیچے کھڑے ہوتے۔ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے،لیکن راجح قول یہ ہے کہ وہ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ان کی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں (۱)۔

[۲۶۰] امام احمد نے ''العلل'' میں روایت کیا ہے: **حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ:** (انہوں نے کہا): ابو جُحیفہ جنگِ جمل کے دن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ مدینہ کے خلاف تھے (۲)۔

خطیب نے کہا: ابو جُحیفہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان میں شرکت کی، اور مدائن میں ان کے ہمراہ وارد ہوئے (۳)۔

[۲۶۱] پھر خطیب نے روایت نقل کی ہے: **أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الأَزْهَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْبَكَّائِيُّ، بِالْكُوفَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْحَضْرَمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي: عَبْدَ الْحَمِيدِ الْحِمَّانِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ مَيْسَرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو جُحَيْفَةَ: قَالَ عَلِي:** (وہ کہتے ہیں: ابو جُحیفہ نے کہا): علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا جب ہم حروریوں (خوارج) سے فارغ ہو چکے تھے: ''بے شک ان میں ایک شخص ہے جس کا بازو مفلوج ہے (۴)، اس کے بازو میں ہڈی نہیں، یا اس کے بازو پر ایک گوشت کی گٹھلی ہے جو عورت کے پستان کے تھن کی مانند ہے، اس پر لمبے، مڑے ہوئے بال ہیں (۵)، پس اسے تلاش کرو، اسے تلاش کرو۔'' مگر وہ نہ ملا، اور میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا جو اسے تلاش کر رہے تھے۔ راوی کہتا ہے: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کبھی اس دن کی گھبراہٹ سے زیادہ گھبرایا ہوا نہیں دیکھا، انہوں نے کہا: ''ہمیں وہ نہیں ملا، اے امیر المؤمنین!'' تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''افسوس! اس

جگہ کا نام کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہرَ وان''۔ فرمایا: ''تم نے جھوٹ بولا، وہ ان ہی میں ہے۔'' پھر ہم نے مقتولین کو الٹ پلٹ کر دیکھا(۶) مگر وہ نہ ملا، ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور کہا: ''اے امیر المؤمنین! ہمیں وہ نہیں ملا۔'' انہوں نے پھر پوچھا: ''اس جگہ کا کیا نام ہے؟'' کہا: ''نہرَ وان''۔ تو فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور تم نے جھوٹ بولا، وہ ضرور انہی میں ہے، اسے تلاش کرو۔'' چنانچہ ہم نے پھر تلاش کیا اور ایک نہر کے کنارے اسے پا لیا، پھر ہم اسے لے کر آئے، تو میں نے اس کے بازو کی طرف دیکھا تو اس میں کوئی ہڈی نہ تھی، اور اس پر عورت کے پستان کے تھن کی طرح ایک گٹھلی تھی، جس پر لمبے، مڑے ہوئے بال تھے(۷)۔

ابن عبد البر نے کہا ہے: ابو جُحیفہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام غزوات ومعرکوں میں شریک ہوئے(۸)۔

اور ابن عبد البر نے اس (بات) کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

اور غالب گمان ہے کہ ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی پولیس (شرطہ) کے امور کی ذمہ داری صفین کے بعد ہی سنبھالی ہو، کیونکہ اس سے پہلے علی رضی اللہ عنہ جنگِ جمل اور پھر صفین کے لیے تیاری میں مصروف تھے۔ پس اگر معاملہ ایسا ہی تھا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ نے صفین میں شرکت کی ہو۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۳/۲۰۲)۔

(۲) العلل ومعرفۃ الرجال (۹۵۶) - یہ روایت عبداللہ (بن احمد) کی ہے۔ روح سے مراد روح بن عبادہ القیسی ہیں۔

التخریج:

اسے ابوبکر الخلال نے السنۃ (۷۳۰) میں روایت کیا ہے؛ ہمیں عبداللہ بن احمد نے اسی سند سے خبر دی۔

(۳) تاریخ بغداد (۱/۲۱۳)۔

(۴) مُخدَج: یعنی ناقص الخَلق - وہ شخص جس کی جسمانی ساخت میں کوئی کمی یا نقص ہو، یعنی پیدائشی طور پر ناقص الاعضاء یا بدن میں کچھ کمی والا۔

(۵) عَقُف: یعنی مَلْوِیَّۃ - مڑے ہوئے، گھُنے یا بل کھائے ہوئے۔ (ماخوذ: النہایہ فی غریب الحدیث، ۳/۲۷۶، مادہ: عقف)۔

(٦) تَوَرْنَا: یعنی نَقَرْنَا- ہم نے کھودا، کرید کر دیکھا۔ اور تنقیر کا مطلب ہے: تفتیس (باریکی سے تلاش کرنا، چھان بین کرنا)۔ اسی طرح: انْتَقَرَ الشَّيْءَ، تَنَقَّرَه، نَقَرَه، نَقَرَ عَنْهُ- یہ سب الفاظ تلاش، کھوج یا جستجو کے مفہوم میں آتے ہیں۔ (ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث، ۱/۲۲۹، مادہ: نقر)۔

(۷) تاریخ بغداد (۱/۲۱۳) میں ہے کہ ازہری محدث اور حجت تھے، اور سیر اعلام النبلاء (۱۷/۵۷۸) میں بھی اُن کا یہی وصف بیان ہوا ہے۔ بکّائی کے بارے میں سیر اعلام النبلاء (۱۶/۳۰۹) میں آیا ہے کہ وہ صدوق تھے۔ حضرمی سے مراد مطیّن ہے، اور دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا: ثقہ جبل۔ (ماخذ: سؤالات حمزہ للدارقطني، ۲)۔ رہے خالد، عطا، اور میسرہ، تو ان کی تفصیلی تراجم نمبر [۳۵۳] کے تحت آئیں گے۔

التخریج:

اسے ابوالفرج ابن الجوزی نے المنتظم (۵/۱۳۶) میں خطیب کے طریق سے روایت کیا ہے، اسی سند سے۔ اور اسے عبداللہ (بن احمد) نے السنہ (۱۵۰۳) میں روایت کیا ہے: مجھے وہب بن بقیہ واسطی نے حدیث سنائی، انہوں نے خالد بن عبداللہ سے، اسی سند سے- مگر قدرے اختصار کے ساتھ۔

(۸) الاستیعاب (۱۶۲۰/۴)۔

◆ ضمیمہ میں بعض تابعین کے مشہور واقعات یا اُن کے مؤقف شامل کیے گئے ہیں

○ اوّلاً: احنف بن قیس بن معاویہ بن حُصَین تمیمی رحمہ اللہ۔

وہ بنی تمیم کے سردار تھے، حلم و بردباری میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ انہوں نے جنگِ جمل سے کنارہ کشی اختیار کی، پھر صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سرداروں میں شامل تھے [1]۔ اور احنف رحمہ اللہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ خود روایت کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ احنف صفین میں موجود تھے [2]۔

[۲۶۲] (أَخْرَجَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ فِي مُسْنَدِهِ - كَمَا فِي إِتْحَافِ الْبُوصَيْرِيِّ وَمَطَالِبِ ابْنِ حَجَرٍ - قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، قَالَ: سَمِعْتُ حُصَيْنًا، يُحَدِّثُ عَنْ عُمَرَ بْنِ جَاوَانَ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ) اسے امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ بوصیری کی اتحاف اور ابنِ

حجر کی مطالب میں مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ادریس نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حصین کو عمر بن جاوان سے، اور وہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے سنا، وہ کہتے ہیں: ہم حج کے لیے نکلے اور مدینہ پہنچے۔ ہم اپنے ٹھکانوں میں سامان اتار ہی رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا: بے شک لوگ گھبرا گئے ہیں اور مسجد میں جمع ہو چکے ہیں۔ ہم مسجد کی طرف چل پڑے۔۔۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مناقب کے ذکر پر مشتمل خطاب کا واقعہ ذکر کیا- احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور کہا: مجھے تو لگتا ہے کہ یہ (عثمان رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے جائیں گے، تو اب تم مجھے کس کی بیعت کا حکم دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی۔ میں نے کہا: کیا تم مجھے ان ہی کی بیعت کا حکم دیتے ہو اور میرے لیے اسے پسند بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر میں مکہ پہنچا ہی تھا کہ خبر ملی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں، اور وہاں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ میں ان کے پاس گیا اور عرض کیا: اللہ کے واسطے بتائیے، آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کا حکم دیتی ہیں؟ انہوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے ان کی بیعت کا حکم دیتی ہیں اور ان کو میرے لیے پسند کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ میں واپس مدینہ آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر بصرہ میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ آیا، اور میرا خیال تھا کہ اب معاملہ درست ہو گیا ہے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ ایک شخص آیا اور بتایا: ام المؤمنین عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم خریبہ (۳) کے قریب آ چکے ہیں۔ میں نے کہا: وہ کس لیے

آئے ہیں؟ کہا گیا: انہوں نے تمہیں پیغام بھیجا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون پر مدد چاہتے ہیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں۔ میں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا اور کہا: ایسے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینا جن کے ساتھ ام المؤمنین اور حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، بہت سخت ہے، اور ابنِ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑنا، جس کی بیعت کا تم لوگوں نے مجھے خود حکم دیا، وہ بھی سخت ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا: آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون پر مدد لینے۔ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کے واسطے! کیا میں نے آپ سے نہیں پوچھا تھا کہ کس کی بیعت کروں؟ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا؟ اور پھر پوچھنے پر آپ نے کہا کہ ہاں، میں نے تمہیں یہی حکم دیا۔ پھر میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اے طلحہ! اللہ کے واسطے بتائیے، کیا میں نے آپ دونوں سے نہیں پوچھا تھا کہ کس کی بیعت کروں؟ آپ نے کہا تھا: علی رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم مجھے ان کی بیعت کا حکم دیتے ہو اور اسے میرے لیے پسند بھی کرتے ہو؟ تم نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں لڑوں گا جبکہ تمہارے ساتھ ام المؤمنین اور حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں، اور نہ ہی ابنِ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑوں گا، جس کی بیعت کا حکم تم نے خود مجھے دیا تھا۔ میرے لیے تین میں سے ایک راستہ چن لو: یا تو پل کا دروازہ کھول دو تاکہ میں فلاں علاقے یعنی عجم کی طرف نکل جاؤں، یہاں تک کہ اللہ اس معاملے کا جو فیصلہ کرے، وہ ہو جائے، یا میں مکہ چلا جاؤں، یا میں تم سے کنارہ کش ہو کر تمہارے قریب ہی رہوں، نہ تمہارے ساتھ نہ تمہارے خلاف۔ انہوں نے کہا:

ہم مشورہ کرتے ہیں (۴) اور پھر تمہیں خبر دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے مشورہ (۵) کیا اور کہا: اگر اسے پل کا دروازہ دے دیا جائے تو وہ عجم کی سرزمین چلا جائے گا، وہاں اس کے پاس جدا ہونے والے اور منحرف افراد آ کر جمع ہو جائیں گے، اور اگر وہ مکہ چلا گیا تو قریش میں تمہارے خلاف لوگوں کو بھڑکائے گا (۶) اور ان تک تمہاری خبریں پہنچائے گا۔ یہ تمہارے حق میں مناسب نہیں، بلکہ اسے یہیں قریب رکھو تا کہ تم اس پر قابو (۷) رکھ سکو۔ چنانچہ میں جلحاء (بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر) چلا آیا، میرے ساتھ چھ ہزار کے قریب افراد نے بھی اعتزال اختیار کر لیا۔ پھر دونوں لشکر آپس میں ٹکرا گئے، اور سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ کعب بن سور (۸) قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور دونوں طرف والوں کو سمجھا رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ اور بھی کئی لوگ مارے گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بصرہ کے مقام صفوان پہنچے، جو قادسیہ کی طرف ہے، وہاں نِعر (۹) نامی بنو مجاشع کا ایک شخص ملا اور بولا: اے حوارِیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہاں جا رہے ہو؟ میرے ساتھ رہو، تم میری امان میں ہو، کوئی تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ہو لیے۔ پھر احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے کسی شخص نے آ کر خبر دی کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صفوان پہنچ چکے ہیں۔ تو میں نے کہا: انہیں کیا اطمینان ہے؟ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا گئے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی بھنویں تلوار سے کاٹ دی گئیں، اور اب اپنے بیٹوں اور اہل و عیال سے جا ملے ہیں! یہ بات عُوَیمر بن جُرموز (۱۰)، فضالہ بن حابس اور نُفَیع (۱۱) نے سنی، تو وہ تینوں ان کے تعاقب میں نکلے اور زبیر رضی اللہ عنہ کو نعر کے ساتھ جا لیا۔

[۲۶۳] اور اسے اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا ہے: وَأَخْبَرَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ حُصَيْنٍ، ثَنَا عُمَرُ بْنُ جَاوَانَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، (جو بنی تمیم کے ایک شخص تھے) نے کہا: میں نے ان سے پوچھا: احنف بن قیس کا کنارہ کش ہونا، یہ کیا معاملہ تھا؟ تو انہوں نے کہا: میں نے احنف بن قیس کو یہ کہتے سنا: میں حج کے ارادے سے مدینہ آیا۔۔۔۔ پھر انہوں نے پہلے گزر چکی روایت کے ہم معنی حدیث بیان کی- انہوں نے کہا: پس کچھ بگڑے ہوئے لوگوں نے یہ بات سنی، جن میں ابن جرموز، فضالہ اور نُفیع شامل تھے، تو وہ ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ وہ اسے نعر کے ساتھ آتے ہوئے ملے۔ تب عمیر بن جرموز پیچھے سے اس کے قریب آیا اور ایک کمزور نیزہ مارا، اس حال میں کہ وہ ایک کمزور گھوڑے پر سوار تھا۔ تو زبیر رضی اللہ عنہ اس پر ایک گھوڑے پر جھپٹے، جسے ذوالحمار کہا جاتا تھا۔ جب ابن جرموز نے گمان کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے والے ہیں، تو اس نے فضالہ اور نُفیع کو پکارا، چنانچہ ان دونوں نے زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر دیا (۱۲)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء (۸۶/۴)۔

(۲) احنف کی روایت آگے نمبر [۳۶۴] پر آئے گی۔

(۳) (الخُرَيْبَة): خَربہ کا تصغیر ہے، اور یہ بصرہ کا ایک مقام ہے۔ الزجاجی کے بقول اس کا نام اس لیے الخُرَيْبَة پڑا کیونکہ مرزبان نے وہاں ایک قصر تعمیر کیا تھا جو بعد میں کھنڈر بن گیا۔ جب مسلمان بصرہ میں اُترے تو انہوں نے اسی جگہ کے قریب عمارتیں بنائیں اور اس مقام کو الخُرَيْبَة کا نام دیا۔ اسی جگہ علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان وقعہ الجمل پیش آئی۔ (ماخذ: معجم البلدان ۳۶۳/۲)۔

(۴) نَأْتَمِرُ: ہم باہم مشورہ کرتے ہیں۔

(۵) فَأْتَمَرُوا: پس انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔

(۶) (لِيَتَعَجَّسَكُمْ): تاکہ تمہارا پیچھا کرے اور تمہارا تعاقب کرے، یا تاکہ دوسروں کے نزدیک تمہاری رائے کو کمزور ظاہر کرے۔ (ماخذ: تاج العروس ۱۶/۲۳۰-۲۳۱، اور دیکھیں: النہایہ لابن الاثیر ۱۸۶/۳، مادہ: عجس)۔

(۷) (تَطَؤُونَ عَلَى صِمَاخِهِ): تم اس کے معاملے پر غالب آرہے ہو۔ اور الصِّمَاخ سے مراد ہے کان کا وہ اندرونی سوراخ جو دماغ تک پہنچتا ہے۔ (ماخذ: تاج العروس ۲۹۳/۷، مادہ: صمخ)۔

(۸) انہیں ایک تیر آلگا اور وہ شہید ہو گئے، رحمہ اللہ۔ جیسا کہ ابن سعد نے روایت کیا ہے: أَخْبَرَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ جَأْوَانَ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: جب جنگِ جمل کے دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، تو کعب بن سور مصحف کھولے نکلے، ایک فریق کو بھی نصیحت کر رہے تھے اور دوسرے کو بھی یاد دہانی کرا رہے تھے، یہاں تک کہ ان کو ایک تیر آلگا اور وہ شہید ہو گئے۔ (ماخذ: الطبقات الکبریٰ ۹۲/۷)۔

(۹) یہ نُعر بن زَمَّام المُجاشِعی ہیں، جیسا کہ ابن سعد کی الطبقات میں آیا ہے (۱۱۱/۳)۔

(۱۰) اس کا اصل نام: عَمرو بن جُرموز تھا، اور اس کا تصغیر شاید (تحقیر یا تذلیل کے) ارادے سے کیا گیا ہے۔

(۱۱) یہ دونوں: فَضَالہ بن حَابِس تمیمی اور نُفَیع بن حَابِس تمیمی ہیں، جیسا کہ طبقات ابن سعد (۱۱۲/۳) میں مذکور ہے۔

(۱۲) إتحاف الخیرۃ المهرۃ (۷۳۹۲)، المطالب العالیہ (۴۴۰۱) اور الفاظ المطالب العالیہ کے ہیں، تصحیف کی تصحیح کے ساتھ۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

نوٹ: [میں نے واقعۂ جمل سے متعلق وارد شدہ روایات کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا، اس لیے میں اس خبر کو قبول یا رد کرنے کا حکم نہیں لگا سکتا؛ کیونکہ کسی خبر کو قابلِ قبول قرار دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب تمام صحیح روایات کو جمع کر لیا جائے، تب ہی صحیح شواہد کی بنیاد پر رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

اور میں نے یہ خبر صرف معلومات کے لیے ذکر کی ہے، پس اگر کسی محقق کو اس خبر کی کوئی صحیح اصل مل جائے تو وہ خبر قابلِ قبول ہوگی، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے]۔ حصین: وہ ابن عبدالرحمن السُّلَمی ہے، اور ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہے۔

اور عُمَرُ بن جاوان (اور بعض روایات میں عمرو) کے بارے میں: ابن سعد نے کہا: وہ سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے ایک فرد تھے۔ ان سے صرف حصین بن عبدالرحمن نے روایت کی ہے، جیسا کہ امام مسلم کی کتاب المنفردات والوحدان، اور المیزان للذہبی میں ذکر ہے۔ جب حصین سے پوچھا گیا: عمر بن جاوان کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: ایک شیخ جس نے میرے ساتھ کشتی میں سفر کیا تھا۔ بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی (سکوت اختیار کیا)، جبکہ ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دیا اور اپنی صحیح میں روایت لی۔ ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت لی، اور نسائی نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے کہا: لایُعرف (یعنی یہ معروف نہیں)، اور ابن حجر نے کہا: مقبول، لیکن تحریر التقریب میں ان پر تبصرہ ہے: بل مجہول [بلکہ وہ مجہول الحال ہیں]۔

دیکھیے: الطبقات (۲۱۸/۷)، التاریخ الکبیر (۱۴۶/۶)، المنفردات والوحدان لمسلم (۷۶۲)، صحیح ابن خزیمہ (۲۴۸۷)، الجرح والتعدیل (۱۰۱/۶)، الثقات لابن حبان (۱۶۸/۷)، صحیح ابن حبان

(۶۹۲۰)، تہذیب الکمال (۵۶۴/۲۱)، میزان الاعتدال (۲۵۰/۳)، تہذیب التہذیب (۱۲/۸)، تقریب التہذیب (۴۹۹۸)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عمرو بن جاوان مجہول ہے۔ ابن حجر نے فتح الباري (۳۴/۱۳) میں کہا: [طبری نے حُصین بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے عمرو بن جاوان سے، اسناد صحیح کے ساتھ روایت نقل کی، کہ عمرو بن جاوان نے کہا: میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے احنف کے اعتزال (کنارہ کشی) کے بارے میں سنا ہے کہ وہ کیوں تھا؟۔۔۔] پھر اسے مختصر طور پر ذکر کیا۔

○ ابنِ جاوان کی خبر کے شواہد:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ: اسے امام احمد نے اپنی مسند (حدیث نمبر ۴۲۰) میں روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: **حَدَّثَنَا أَبُو قَطَنٍ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ:** (انہوں نے کہا): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محل (قصر) سے جھانکا جبکہ وہ محصور تھے۔۔۔ (پھر حدیث کا باقی حصہ ہے)۔ اسے شیخ شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔

الاحنف اور واقعۂ اعتزال الاحنف یوم الجمل کی اصل روایت: اسے امام بخاری نے (حدیث ۳۱، ۶۶۷۲) اور امام مسلم نے (۱۶۹/۸) روایت کیا ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں: ابنِ قیس (یعنی الاحنف) بیان کرتے ہیں: میں نکلا اور میرا ارادہ اس شخص (یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کا تھا۔ تو مجھے ابوبکرہ ملے، اور کہا: اے احنف! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی (یعنی علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ تو انہوں نے کہا: اے احنف! واپس لوٹ جا۔۔۔ واپس لوٹ جا۔۔۔ (پھر حدیث آگے چلتی ہے)۔ اور پوری روایت حدیث نمبر [۲۵۲] پر آگے آئے گی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کی اصل روایت: اسے امام احمد نے اپنی مسند (حدیث ۶۷۹) میں بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: **حَدَّثَنَا هَاشِمٌ، وَحَسَنٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ،** (وہ کہتے ہیں): ابنِ جُرمُوز نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس داخلے کی اجازت مانگی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابنِ جُرمُوز اجازت مانگ رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے قریب آنے دو، تاکہ قاتلِ زبیر (جہنم کی) آگ میں داخل ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''ہر نبی کا ایک حواری (قریبی ساتھی) ہوتا ہے، اور میرا

حواری زبیر ہے۔'' شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے (دیکھیں: مسند احمد حدیث ۶۸۰، طبع دار الحدیث)۔

♦ ابنِ جاوان کی خبر کی تخریج:

اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں (۳۱۲۱۷) اور (۳۸۹۵۳) پر، اور طبری نے اپنی تاریخ (۳/۳۴) میں عبداللہ بن ادریس کے طریق سے، جو حصین سے روایت کرتے ہیں، ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کے یہاں ایک منکر زیادتی ہے، اور وہ یہ کہ جب احنف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کس کی بیعت کی جائے؟ تو انھوں نے حضرت علی کی طرف رہنمائی کی، اور ان کا جواب یہ تھا: ''نَعَم، وَلٰكِنَّهُ بَدَّل'' (ہاں، لیکن (علی رضی اللہ عنہ نے) تبدیلی کر دی ہے)، تو یہ لفظ منکر ہے، اور اس میں تنہا عمرو بن جاوان - جو کہ مجہول ہے - نے احنف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم صرف اصلاح کی نیت سے نکلے تھے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے، نہ کہ کسی موہوم تبدیلی کے سبب۔

اسے امام احمد نے اپنی مسند (۱/۵۳۵) میں حصین کے طریق سے، جو عمرو بن جاوان کے واسطے سے احنف سے روایت کرتے ہیں، صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے، اور شعیب الارنؤوط نے اس سند کو عمرو بن جاوان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کو صحیح شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔

ابن حجر کے قول [بِسَنَدٍ صَحِیحٍ] پر تعاقب یہ ہے کہ میں نے مقدمہ منہجی میں وضاحت کر دی ہے کہ یہ تصحیح پوری سند کی نہیں، بلکہ صرف اس کے بعض حصے کی ہے، لہٰذا تفصیل کے لیے صفحہ ۵۶ ملاحظہ فرمائیں۔

- اور رہا لفظ (وَلٰكِنَّهُ بَدَّلَ): تو یہ چار وجوہات کی بنا پر درست نہیں:

- السبب الاول: کہ یہ ایک منکر لفظ ہے، اور (وَلٰكِنَّهُ بَدَّلَ) میں طعن پایا جاتا ہے۔
- السبب الثانی: کہ ابنِ جاوان مجہول ہے۔
- السبب الثالث: یہ ہے کہ ایک ایسی خبر آئی ہے جو اس لفظ کے خلاف ہے، اور وہ ابن ابی شیبہ کے مصنف (۳۸۹۸۶) میں حسن سند کے ساتھ منقول ہے، اس میں بیان ہے کہ:

[خالد بن مخلد نے ہمیں حدیث بیان کی، کہا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي الْمُغِيرَةِ، عَنِ ابْنِ

أَبْزَی قَالَ (انہوں نے کہا): عبداللہ بن بدیل جنگِ جمل کے دن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے جب وہ ہودج میں تھیں، تو انہوں نے کہا: اے ام المؤمنین! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں یاد ہے کہ میں تمہارے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن آیا اور میں نے کہا: عثمان قتل ہو چکے، اب مجھے کیا حکم دیتی ہو؟ تو تم نے مجھ سے کہا تھا: علی کے ساتھ ہو جاؤ، قسم بخدا! نہ اس نے کوئی تبدیلی کی نہ کچھ بدلا۔ تو وہ خاموش رہیں، پھر اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، لیکن وہ خاموش ہی رہیں، تب اس نے کہا: اونٹ کو مار ڈالو، چنانچہ اونٹ کو مار گرایا گیا۔ راوی نے کہا: پھر میں اور اس (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بھائی محمد بن ابی بکر نیچے اترے اور ہم نے ہودج کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا، تو علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا، اور ہودج کو عبداللہ بن بدیل کے گھر لے جایا گیا]۔

اس روایت کی سند حسن ہے۔ یعقوب: وہ ابن عبداللہ بن سعد القمی ہیں، اور ابن ابزی: وہ عبدالرحمن ہیں، جیسا کہ الفتح میں آیا ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/۵۷) میں اس کی سند کو جید قرار دیا، انہوں نے کہا: [ابن ابی شیبہ نے اسے عبدالرحمن بن ابزی سے ایک جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، پس اسے ذکر کیا]۔

پس یہ خبر، جس کے واقعات معرکہ کے دوران پیش آئے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت وہ بات فرما رہی تھیں جو عمرو بن جاوان کی اُس روایت کے خلاف ہے جو معرکہ سے پہلے کی ہے، اور جب اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا خود جنگ کے درمیان، قتال کے وسط، سخت ترین مخالفت اور معرکہ کی گرمی کے عالم میں تھیں، تو عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ نے اُنہیں اُنہی کے الفاظ یاد دلائے: (علی کو لازم پکڑو، پس اللہ کی قسم! اس نے نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ کوئی تغیر)، تو انہوں نے (ولکنہ بدّل) نہیں فرمایا، بلکہ خاموش رہیں، اور ان کی خاموشی ہمارے لیے بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عراق کی طرف نکلنے پر نادم تھیں، جب انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل وقتال کو شدت اختیار کرتے دیکھا، اور بلاشبہ جنگ شروع ہونے سے پہلے کا حال ہلکا ہوتا ہے اور اس وقت کا جواب بھی نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

● اور چوتھا سبب یہ ہے کہ خبر کی ابتداء اس کے اختتام کے خلاف جاتی ہے، کیونکہ آغاز میں احنف رحمہ اللہ زبیر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے خلاف قتال کو بہت بڑا معاملہ قرار دیتے ہیں، انہوں نے کہا: [پس میرے پاس سب سے ہولناک خبر آئی، میں نے کہا: بے شک میرا ان لوگوں کو چھوڑ دینا جن کے ساتھ اُم المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری موجود ہوں، بہت ہی سنگین بات

ہے۔۔۔] اور انہوں نے کہا: [پس میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم سے قتال نہیں کروں گا، جبکہ تمہارے ساتھ اُم المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری موجود ہوں۔۔۔]۔

پھر خبر کے اختتام پر وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ناپسندیدہ بات کہتے ہیں، جب ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ زبیر رضی اللہ عنہ صفوان کی طرف چلے گئے ہیں، تو احنف نے کہا: [تو اُسے کیا اطمینان ہے؟ اُس نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا یہاں تک کہ بعض نے بعض کی بھنوؤں پر تلوار ماری، پھر اپنے بیٹوں اور گھر والوں کے پاس جاملا!]۔

اور یہ خبر محققین نے صحیح تاریخ الطبری (۳۸۰/۳) میں ذکر کی ہے اور اس کے بعض حصوں کے لیے صحیح شواہد بھی ذکر کیے ہیں، البتہ جملہ (وَلٰکِنَّهُ بَدَّلَ) کے بارے میں دونوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ اس کے لیے کوئی صحیح سند موجود نہیں، چنانچہ ان دونوں نے کہا:

[لفظ (نَعَمْ، وَلٰکِنَّهُ بَدَّلَ) کے بارے میں دل میں کچھ کھٹک ہے، کیونکہ عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا مشورہ دیا تھا، اور وہ اس لیے نہیں نکلے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کچھ بدل دیا ہو، بلکہ وہ لوگوں کے درمیان صلح کے لیے اور قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبے کے لیے نکلے تھے۔ اس لیے ہم ترجیح دیتے ہیں کہ یہ عبارت (وَلٰکِنَّهُ بَدَّلَ) ''شاذ'' ہے، اور زیادہ راجح بات یہ ہے کہ وہ خاموش رہے، نہ یہ کہا کہ (بدل دیا)۔ اور ہمیں اس طرف مائل کرنے والی دلیل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ (عبداللہ بن بدیل خُزاعی رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المؤمنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو میں آپ کے پاس آیا تھا اور پوچھا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: علی کے ساتھ رہو۔) تو اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ اور ابن حجر نے فتح الباری میں اس روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قابلِ ذکر ہے، جب جنگ کے بعد انہوں نے ان پر خروج کے بارے میں عتاب کیا، تو وہ نہ صرف خاموش رہیں بلکہ عمار رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور انہیں حق گو قرار دیا]۔ انتھی! (تمام بات ختم ہوئی)۔

ان دونوں کا قول: ''فلم تسکت فحسب، بل مدحت عماراً۔۔۔'' سے مراد وہ روایت ہے جسے طبری نے تاریخ الطبري (۶۱/۳) میں نقل کیا ہے: (عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کا معاملہ ختم ہوگیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المؤمنین! یہ سفر اس عہد سے کس قدر دُور ہے جو آپ سے لیا گیا تھا! عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم ابوالیقظان ہو؟ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں۔ تو عائشہ

رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! جتنا میں جانتی ہوں، تم حق گو ہو۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے میرے لیے تمہارے منہ سے یہ بات جاری کر دی)۔ یہ روایت صحیح السند ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اس کی شرح وتخریج آگے نمبر [۶۱۲] پر آئے گی۔

یہ خبر اس بات کی دلیل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمار رضی اللہ عنہ - جو علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے اکابر میں سے تھے - کے بارے میں حق بات کہی، اور نہ یہ کہا کہ ''تم نے یا علی نے (بَدَّلَ)''۔ ان کا قول (حِينَ فَرَغَ الْقَوْمُ) یعنی جب لوگ جنگ جمل سے فارغ ہو چکے تھے۔

یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ محققین نے ابنِ جاوان کے متعلق کہا: [قال الذهبي: ثقة]، حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ انہوں نے صرف ''وُثِّقَ'' کہا ہے، جیسا کہ الکاشف (۴۱۳۴) میں ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اس کی توثیق کا قول کمزور ہے، اور دراصل امام ذہبی کا اشارہ یہ ہے کہ اسے ابنِ حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور خبر جو صفین کے زمانے کی ہے، اس میں بھی آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمار رضی اللہ عنہ کی تعریف کی،،،

زُفَر بن حارث نے کہا: (میں صفین کی لڑائی کی خبر لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد بن کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: لوگوں میں سے کون قتل ہوا؟ میں نے کہا: عمار بن یاسر۔ تو وہ بولیں: وہ تو ایسا شخص تھا جس کے دین کی پیروی لوگ کرتے تھے۔۔۔) یہ روایت اپنی شواہد کے اعتبار سے صحیح ہے، اور پوری روایت اور اس کی شرح آگے نمبر [۶۱۱] پر آئے گی۔ (ماخذ: سیر اعلام النبلاء ۴/۱۶۱)۔

ثانیاً: ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی رضی اللہ عنہ:

بزرگ امام، کوفہ کے شیخ، مُخَضرَم (یعنی جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کر سکے)، ان کی احادیث صحاح ستہ میں وارد ہیں (۱)۔

انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام معرکوں میں شرکت کی۔

اور وہی ہیں جنہوں نے کہا: (علی رضی اللہ عنہ نے نہ تو یومِ جمل میں کسی کو قیدی بنایا، اور نہ ہی یومِ نہروان میں (۲))۔

[۲۶۴] ابن ابی شیبہ نے روایت نقل کی، انہوں نے کہا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ: وہ شقیق سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا: کیا آپ صفین میں شریک تھے؟ تو انہوں نے کہا: ''ہاں، اور وہ بڑی ہی بُری صفیں (۳) تھیں۔''(۴)

[۲۶۵] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ، سَمِعْتُ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ: میں نے ابووائل سے پوچھا: کیا آپ نے صفین میں شرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔۔۔ میں نے صفین میں شرکت کی تھی، اور ''صفون''(۵) بہت بری تھیں۔

○ **ثالثاً: علقمہ بن قیس نخعی کوفی رحمہ اللہ۔**

کوفہ کے فقیہ اور اُس کے جلیل القدر عالم، جنہوں نے صفین کی جنگ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہو کر لڑی، اور اس میں ان کا پاؤں زخمی ہوا۔

[۲۶۶] ابو بکر خلال نے روایت کیا: أَخْبَرَنَا عَلِيٌّ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: انہوں نے کہا: علقمہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں اس وقت تک قتال کیا کہ اُن کا پاؤں مفلوج (۶) ہو گیا، تو علقمہ نے کہا: اس امت کے کچھ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے رائے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، جس طرح نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں ہلاک ہو گئے تھے (۷)۔

[۲۶۷] ابن سعد نے روایت کیا: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: (میں نے ابراہیم سے پوچھا) کیا

علقمہ نے صفین میں شرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور اس قدر قتال کیا کہ ان کی تلوار خون سے رنگین ہوگئی، اور ان کا بھائی اُبَیّ بن قیس قتل ہوگیا(۸)۔

[۲۶۸] ابن سعد نے روایت کیا: أَخْبَرَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ: کیا علقمہ نے صفین میں شرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور اس نے اپنی تلوار کو خون سے رنگا، اور اس کا پاؤں لنگ ہوگیا، اور اس کے بھائی أُبَيُّ الصَّلَاةِ کو زخم لگا۔ طَلْق نے کہا: اُسے أُبَيُّ الصَّلَاةِ اس کی کثرتِ صلاۃ/ نماز کی وجہ سے کہا جاتا تھا(۹)۔

[۲۶۹] عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے والد (امام احمد) پر یہ روایت پڑھی تو انہوں نے اس کی تصدیق کی: ابن نمیر نے شریک سے، اور انہوں نے منصور سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم سے پوچھا: کیا علقمہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور انہوں نے اپنی تلوار کو خون سے رنگا(۱۰)۔

[۲۷۰] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِي قَالَ: (وہ کہتے ہیں): صفین کے دن علقمہ واپس آئے اس حال میں کہ اُن کی تلوار علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں خون آلود ہوچکی تھی(۱۱)۔

[۲۷۱] ابن سعد نے روایت نقل کی ہے: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى وَالْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَا : أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ غَالِبٍ أَبِي الْهُذَيْلِ قَالَ: (وہ کہتے ہیں): میں نے ابراہیم سے علقمہ اور اسود کے بارے میں پوچھا کہ ان دونوں میں افضل کون تھا؟ تو انہوں نے کہا: علقمہ، اور وہ صفین میں شریک ہوئے تھے(۱۲)۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۱۶۱/۴)۔
(۲) دیکھو: [۸۱]۔
(۳) یعنی: جو کچھ اس میں پیش آیا، وہ بہت ہی برا تھا۔ اور الصَّفُونَ صاد کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، اس سے مراد ''صفین'' ہے۔ اس لفظ کے ساتھ جمع مذکر سالم کا معاملہ کیا گیا ہے، اس لیے اسے واو کے ساتھ مرفوع کیا گیا۔ (فتح الباری ۱۳/۲۸۸)۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۱۷) کی روایت صحیح ہے امام مسلم کی شرط پر، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں سے ہیں۔
(۵) صحیح البخاری (۶۸۷۸) میں ہے: عبدان: یہ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد ازدی ہیں۔ اور ابوحمزہ: یہ محمد بن میمون سکری ہیں۔
(۶) عَرِجَ، بِکَسرِ الرّاء: اس کا مطلب ہے لنگڑا ہو گیا۔ (ماخذ: تاج العروس ۶/۹۴، مادہ: عرج)۔
(۷) کتاب السُنَّة للخلال (۳۵۷) میں مذکور یہ روایت صحیح السند ہے۔
علی: یہ ابنِ حرب الطائی ہیں۔ امام نسائی نے ان کے بارے میں کہا: صالح، اور ابوحاتم نے کہا: صدوق، جبکہ دارقطنی، سمعانی اور مسلمہ نے ان کو موثق قرار دیا۔ خطیب بغدادی نے کہا: یہ ثقہ، ثبت ہیں، اور ابنِ حجر نے کہا: صدوق۔ جبکہ تحریر التقریب میں کہا گیا: بلکہ ثقہ ہیں۔ دیکھیے: تہذیب التہذیب (۲۹۴/۷)، التقریب (۴۷۰۱)۔
اور ابن فضیل: ان سے مراد محمد ہیں، ابن ابی خالد: ان سے مراد اسماعیل ہیں، عامر: اس سے مراد شعبی ہیں، اور علقمہ: نخعی ہیں۔
التخریج:
اسے خلّال نے السنہ (۲۴۷) میں اسی سند سے مختصر طور پر صرف ابتدائی حصہ ذکر کرتے ہوئے روایت کیا ہے، بغیر علقمہ کے قولِ کے۔ پھر خلّال ہی نے (۲۹۶) پر اسی سند سے صرف قولِ علقمہ کو نقل کیا ہے۔
اسی طرح عبداللہ نے السنہ (۱۲۷۵) اور (۱۲۸۲) میں اسے ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر کے طریق سے روایت کیا ہے، اور ابراہیم الحربی نے غریب الحدیث (۵۸۱/۲) میں اسے ہُشَیم بن بشیر کے طریق سے، دونوں نے اسماعیل سے، اور یہ دونوں روایات صرف قولِ علقمہ کے ذکر پر مشتمل ہیں۔
اور اسے امام احمد نے فضائل الصحابہ (۹۷۴)، ان کے بیٹے عبداللہ نے السنہ (۱۳۴۰)، اور ابن الاعرابی نے اپنے معجم (۱۴۲۳) میں دو طریقوں سے، مالک بن مغول، عن أکیل، عن الشعبي کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور یہ بھی صرف قولِ علقمہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔ نیز اگلا حصہ بھی ملاحظہ ہو۔
(۸) الطبقات الکبریٰ (۸۷/۶) کی یہ سند حسن ہے۔ شریک: وہ نخعی ہیں، اور الفضل بن دُکین نے کہا: میں نے ان سے قضا (قاضی بننے) کے بعد صرف ایک ہی حدیث لکھی۔ سیر اعلام النبلاء (۲۰۴/۸)۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ منصور: وہ ابن معتمر ہیں، اور ابراہیم: وہ ابن یزید النخعی ہیں۔ اس روایت کے ساتھ اگلی تین روایات بھی ملاحظہ ہوں، اور سابقہ ذکر شدہ روایات پر بھی نظر کریں۔
التخریج:
اسے ابن ابی شیبہ نے بھی (۳۹۰۲۴) پر شریک کے واسطے سے روایت کیا ہے۔
(۹) الطبقات الکبریٰ (۸۸/۶) اس کی سند سابقہ کی طرح حسن ہے۔ نیز پچھلا اور اگلا (اثر) بھی ملاحظہ کریں۔
التخریج:
اسے خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ (ص ۱۹۶) میں روایت کیا ہے، فرمایا: ہمیں ابوعبداللہ نے شریک سے اسی کے ہم معنی روایت بیان

کی۔
(۱۰) العلل ومعرفۃ الرجال (۲۸۵۱)۔ یہ روایت صحیح ہے۔ابن نمیر: وہ عبداللہ الہمدانی ہیں۔اور سابق ولاحق روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔
(۱۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۲۵) کی یہ روایت صحیح ہے،اوراس کا سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، جو شیخین (بخاری ومسلم) کے راوی بھی ہیں۔تاہم مجھے معلوم نہیں کہ آیا ابوالبختری نے یہ روایت براہِ راست علقمہ سے سنی ہے یا نہیں۔مسلم: یہ ابوعمران البطین ہیں۔اور ابوالبختری: یہ سعید بن فیروز الطائی ہیں۔
(۱۲) الطبقات الکبریٰ (۹۱/۶): اس کی سند حسن ہے غالب کی وجہ سے- اور وہ غالب بن ہذیل الاودی ہے- صدوق ہے مگر رافضی ہونے کا الزام دیا گیا ہے،اور باقی رجال ثقہ ہیں۔نیز پچھلی پانچ روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

○ رابعاً: اُشتر، مالک بن حارث نخعی رحمہ اللہ:

وہ اشراف اور مشہور بہادروں میں سے ایک تھے، یرموک کے دن ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔وہ جری، با اثر، اور سخت مزاج تھے[۱]۔انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو اُکسایا، اوران سے جنگ کی۔وہ فصاحت وبلاغت کے مالک بھی تھے[۲]، اورعلی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے۔

[۲۷۲] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حَسَنِ بْنِ فُرَاتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: کہ جب علی رضی اللہ عنہ جمل سے واپس آئے اور صفین کی طرف روانگی کی تیاری کی، تو قبیلہ نخع کے لوگ جمع ہوکر اشتر کے پاس داخل ہوئے۔اشتر نے پوچھا: کیا گھر میں صرف نخعی لوگ ہی ہیں؟ سب نے کہا: ہاں۔تو اشتر نے کہا: اس اُمت نے اپنے بہترین فرد (عثمان رضی اللہ عنہ) کو چن کر قتل کردیا، اور ہم اہلِ بصرہ کی طرف گئے، وہ قوم جن پر ہمارا بیعت کا حق تھا، تو ہم ان پر ان کی لغزش کے سبب غالب آگئے۔اوراب تم اہلِ شام کی طرف جاؤ گے، وہ قوم جس پر تمہاری کوئی بیعت نہیں، لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی تلوار کہاں رکھتا ہے[۳]۔

[۲۷۳] اوراسے حاکم نے روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ، ثنا أَحْمَدُ

بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: وہ کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ شام کی طرف صفین جانے کا ارادہ رکھتے تھے، اور قبیلہ نخع کے لوگ اکٹھے ہو کر اشتر کے گھر میں داخل ہوئے۔ اشتر نے کہا: کیا گھر میں صرف نخعی لوگ ہی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اشتر نے کہا: اس امت نے اپنے بہترین شخص -یعنی عثمان رضی اللہ عنہ- کو قتل کر دیا، اور ہم نے اہل بصرہ سے اس بیعت کے سبب جنگ کی جس کی ہم نے اپنی طرف سے تاویل کی، اور تم اب ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جن پر ہمارا کوئی بیعت کا حق نہیں، پس ہر شخص کو چاہیے کہ غور کرے وہ اپنی تلوار کہاں رکھتا ہے (۴)۔

اس روایت پر تبصرہ ایک مستقل عنوان کے تحت آگے آئے گا، جس میں صفین میں اشتر رحمہ اللہ کی شرکت میں تردد کی وجہ بھی بیان کی جائے گی، لہٰذا اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں (۵)۔

---

(۱) زَعِرًا: سخت مزاج، بدخُلق۔ (لسان العرب: ۴/۳۲۳، مادہ: زعر)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء (۴/۳۴)۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۱۲۵۷) کی سند حسن ہے، یہ سند حسن بن فرات کی وجہ سے حسن ہے، وہ صدوق ہیں لیکن وہم کر جاتے ہیں، امام مسلم نے ان سے روایت لی ہے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن ادریس کا نام عبداللہ ہے، اور عمیر بن سعید، ابو یحییٰ النخعی کوفی ہیں۔

التخریج:

اسے ابن ابی شیبہ نے (۳۸۹۳۹) اسی سند اور متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اسے ابن دیزِل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں (میرے جمع واہتمام کے مطابق حدیث نمبر [۳۲]) روایت کیا ہے- جیسا کہ تاریخ دمشق (۵۶/۳۸۶) میں ہے- انہوں نے یحییٰ بن سلیمان الجعفی سے، اور انہوں نے عبداللہ بن ادریس سے یہی روایت نقل کی ہے۔

مزید دیکھیں: مختصر تاریخ دمشق (۲۰/۲۴)، موارد ابن عساکر (۱/۳۹۸)، اور آگے کی روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

(۴) مستدرک حاکم (۴۵۷۱) کی روایت حسن ہے، اور اس کی سند میں احمد بن عبد الجبار، یعنی ابو عمر العطاردی، شامل ہیں جن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ذہبی نے ان کی دفاع کیا ہے، جبکہ ابن حجر (نے انہیں ضعیف کہا ہے، البتہ ان کی السیرۃ کی روایات کو صحیح السماع قرار دیا ہے)۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۳/۵۵، التقریب: ۶۴)۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور امام ذہبی نے کہا: یہ مسلم کی شرط پر ہے۔

ابو العباس: ان کا نام محمد بن یعقوب بن یوسف نیشاپوری، المعروف بالاصم ہے، انہیں سمعانی اور ذہبی دونوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کا

ترجمہ [۲۵] میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور مزید تفصیل گزشتہ سطور میں بھی دیکھیں۔
(۵) دیکھیے: [۲۸۹] اور [۲۹۰] نیز ان دونوں کے بعد آنے والا تبصرہ۔

○ خامساً: ابو اسماعیل مُرَّہ بن شَراحیل ہَمدانی بَکیلی کوفی رحمہ اللہ:

وہ ''مرہ الطیب'' اور ''مرہ الخیر'' کے نام سے معروف تھے، اپنی عبادت، نیکی اور علم کی بنا پر یہ القاب پائے۔ تابعی مخضرم تھے، بڑی شان ومرتبت والے تھے، یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا، اور وہ کوفہ میں اسی (۸۰) کے کچھ اوپر سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ابن حجر نے بھی انہیں ''ثقہ'' کہا ہے (ع)[۱]۔

انہوں نے جنگ جمل اور صفین سے کنارہ کشی اختیار کی، اور ایامِ جمل میں فتنوں سے بچنے کے لیے دیلم چلے گئے۔

[۲۷۴] بلاذری نے روایت کی: حَدَّثَنِي حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَزْوَانَ، أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ الْيَامِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِمُرَّةَ بْنِ شَرَاحِيلَ الطَّيِّبِ: (زید الیامی نے مرہ بن شراحیل طیب سے کہا: کیا آپ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ بدر اور اس جیسے دیگر معرکوں میں اپنی نیکیوں کے ساتھ مجھ سے آگے نکل چکے ہیں، اور میں نہیں چاہتا کہ اب اس معاملے میں ان کا شریک بنوں جس میں وہ داخل ہو چکے ہیں[۲]۔

[۲۷۵] قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ هَانِي النَّيْسَابُورِيُّ: قَالَ لِي أَبُو عَبْدِ اللهِ: اسحاق بن ابراہیم بن ہانی نیشاپوری نے کہا: مجھے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) نے فرمایا: نہ مسروق نے جنگ جمل میں شرکت کی، نہ مرہ نے؛ مرہ تو دیلم[۳] چلے گئے تھے اور جمل میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ پھر فرمایا[۴]: اہلِ کوفہ اگر

قدرت رکھتے تو ہر ایک کو(۵) (جھوٹ میں) لتھیڑ(۶) دیتے(۷))۔

(۱) سیر اعلام النبلاء (۴/۷۴)، التقریب (۶۵۶۲)۔
(۲) انساب الاشراف (۲/۳۵۷) بتحقیق المحمودي (۱۳۱/۳) وتحقیق زکّار: اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحیح (بخاری و مسلم) کے راویوں میں سے ہیں۔ اور یہ روایت آگے بھی [۲۹۱] نمبر پر دوبارہ آئے گی۔
(۳) الدَّیْلَمُ: یہ بنوعبس کا ایک چشمہ (پانی کا مقام) ہے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ یمامہ کے علاقے میں واقع ایک چشمہ ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ۲/۵۴۴)۔
(۴) یعنی احمد بن حنبل۔
(۵) یعنی وہ جھوٹ کے ساتھ اُس (مرہ بن شراحیل) کی جمل اور صفین میں شمولیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور تلطیخ کسی چیز کو آلودہ کرنے، یا اُس کا رنگ بدلنے کو کہتے ہیں۔
(۶) رہے اہلِ کوفہ، تو اگر ان کے بس میں ہوتا کہ وہ ہر شخص کو (فتنوں میں) ملوث کر دیں، تو ضرور ایسا کرتے۔ یعنی وہ ہر ایک کی طرف جمل وصفین میں شرکت کی نسبت کر دیتے، چاہے اس نے ان میں شرکت نہ بھی کی ہو۔
(۷) مسائل الامام احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم بن ہانئ نیشاپوری کی روایت (۲۰۲۹) میں مذکور ہے، اور اس کا تخریج نمبر [۳۶] گزر چکا ہے۔ مسروق سے مراد ابنِ الاجدع ہیں اور مرہ سے مراد مرہ الطیب ہیں۔

○ سادساً: ابو العالیہ رُفَیع بن مِہران الرِّیاحی البصری رحمہ اللہ:

امام، قاری، حافظِ قرآن اور مفسر، جلیل القدر علماء میں سے ایک تھے، انہوں نے دورِ جاہلیت کو پایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد اسلام قبول کیا، پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، قرآنِ کریم حفظ کیا، اور انہوں نے قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا، نیز اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی تین مرتبہ قرآن پڑھا(۱)۔

[۲۷۶] ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل المحاملی نے اپنی کتاب امالی میں- جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے- روایت کیا: قَالَ: حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ أَسْلَم نَا النَّضْرُ، أَنَا هِشَامٌ، عَنْ حَفْصَةَ قَالَت: (حفصہ کہتی ہیں): ابو العالیہ نے مجھ سے کہا: میں نے قرآن عمر رضی اللہ عنہ پر تین مرتبہ پڑھا(۲)۔(۳)

ابو العالیہ صفین کے دن، جو بظاہر معلوم ہوتا ہے، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے آ ملے تھے، لیکن وہ واپس لوٹ گئے اور قتال میں شریک نہ ہوئے، اور انھوں نے اپنے واپس لوٹنے کا سبب بھی

بیان کیا،،،،

[۲۷۷] ابن سعد نے روایت کیا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خُلَيْفٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: (ابوخلدہ نے کہا): ابوالعالیہ نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان زمانہ تھا، اور میں اس وقت جوان تھا، اور لڑائی مجھے پسندیدہ کھانے سے بھی زیادہ محبوب تھی، تو میں نے بہترین ساز وسامان کے ساتھ تیاری کی یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچا۔ پس میں نے دیکھا کہ دونوں صفیں ایسی تھیں کہ ان کے کنارے نظر نہ آتے تھے۔ جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف والے بھی تکبیر کہتے، اور جب یہ لوگ تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) کہتے تو وہ بھی تہلیل کہتے۔ تو میں نے اپنے دل سے مشورہ کیا اور کہا: میں دونوں گروہوں میں سے کس کو کافر قرار دوں؟ اور مجھے اس (فیصلے) پر کس نے مجبور کیا ہے؟ چنانچہ شام ہونے سے پہلے ہی میں واپس لوٹ آیا اور انھیں چھوڑ دیا(۴)۔

[۲۷۸] ابونعیم الاصبہانی نے اس کو روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو حَامِدِ ابْنُ جَبَلَةَ(۵) قَالَ : ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ(۶) قَالَ : ثنا سَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ : ثنا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ : ثنا أَبُو خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ: جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین قتال کا وقت آیا تو میں (ابوالعالیہ) اس وقت ایک نوجوان تھا۔ میں نے تیاری کی اور اپنا ہتھیار پہنا، پھر ان لوگوں کی طرف گیا (یعنی لشکر تک پہنچا)، تو دیکھا کہ دونوں صفیں ایسی ہیں جن کے کنارے نظر نہیں آتے۔ میں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ (اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، تو اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ

رہے گا(۷))، چنانچہ میں واپس لوٹ آیا اور انہیں چھوڑ دیا(۸)۔

[۲۷۹] اور اسے خلیفہ بن خیاط نے اپنی ''تاریخ'' میں تستری کی روایت سے نقل کیا ہے، جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے۔ انہوں نے کہا: أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: انہوں نے کہا: جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جنگ کا موقع آیا، تو میں ان کے پاس گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ دونوں لشکر صف آراء ہیں جن کے دونوں کنارے نظر نہیں آتے، جب ایک طرف کے لوگ تکبیر کہتے تو دوسری طرف بھی تکبیر کہی جاتی، اور جب ایک طرف کے لوگ تہلیل کہتے تو دوسری طرف بھی تہلیل کہی جاتی۔ میں نے کہا: تم کس فریق کو کافر سمجھتے ہو؟ اور کس فریق کو مؤمن؟ چنانچہ شام ہونے سے پہلے میں واپس لوٹ آیا(۹)۔

---

(۱) بغیۃ الطلب (۳۶۷۹/۸)، تہذیب الکمال (۲۱۵/۹)، تاریخ الاسلام (۵۲۹/۶)، سیر اعلام النبلاء (۲۰۷/۴)، تہذیب التہذیب (۲۸۴/۳) تقریب التہذیب (۱۹۵۳)۔

(۲) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پورے قرآنِ کریم کو حفظ کیے ہوئے تھے۔

(۳) تاریخ دمشق (۱۶۸/۱۸-۱۶۹) کی یہ سند صحیح ہے، اور اسے امام ذہبی اور ابن الجزری دونوں نے صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تخریج میں آگے آئے گا۔

اور دیکھیں: موارد ابن عساکر، تاریخ دمشق (۹۵۱/۲)۔

النَّضر: وہ ابنِ شُمَیل ہیں، اور ہشام: وہ ابنِ حسّان الازدِی القُر دوسی ہیں، اور حفصہ: وہ بنتِ سِیرِین ہیں۔

التخریج:

اس روایت کو امام ذہبی نے تاریخ الاسلام (۴۴/۱۱۰) میں اپنی سند کے ساتھ المحاملی کے طریق سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح امام ذہبی نے اسے التاریخ (۶/۵۳۰)، سیر اعلام النبلاء (۴/۲۰۸)، اور معرفۃ القراء الکبار (۱/۶۱) میں معتمر بن سلیمان وغیرہ کے واسطے سے، ہشام بن حسان کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور معرفۃ القراء میں کہا: (یہ حدیث صحیح اور غریب ہے، اسے ایک جماعت نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے)۔

ابن الجزری نے بھی اسے غایۃ النہایہ (۱/۵۹۱) میں ایک جماعت ثقہ راویوں کے ذریعے ہشام بن حسان سے نقل کیا، اور پھر کہا: (یہ سند صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں)۔

نیز انہوں نے غایۃ النہایہ (۱/۲۸۵) میں یہ بھی لکھا: [اور دارقطنی نے ابوحاتم کے واسطے سے، وہ یعقوب سے، وہ مہدی بن میمون سے، وہ شعیب بن الحجاب سے، وہ ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوالعالیہ نے کہا: میں نے قرآن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر چار مرتبہ پڑھا، اور ان کے ساتھ گوشت کھایا]۔

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں: ابوحاتم: وہ سہل بن محمد بن عثمان السجستانی ہیں۔ یعقوب: وہ ابن اسحاق بن زید الحضرمی ہیں۔
(۴) الطبقات الکبریٰ (۱۱۴/۷) کی یہ روایت صحیح ہے، اور اس کی سند حسن ہے متابعت کی بنا پر۔ یحییٰ بن خلیف بن عقبہ السعدی کے بارے میں ابن عدی نے الکامل (۲۴۵۷) میں کہا ہے: ان کی منکر روایتیں وہ ہیں جو سفیان ثوری کی طلحہ بن یحییٰ سے مروی ہیں، اور یہ روایت ان میں سے نہیں۔ اور یہ روایت دونوں خبروں میں متابَع ہے (یعنی دیگر طرق سے بھی آئی ہے)۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابو خلدہ: ان کا پورا نام خالد بن دینار التمیمی السعدی ہے۔
التخریج:
یہ روایت ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۸۱/۱۸ - ۱۸۲) میں ابن سعد کے طریق سے روایت کی ہے۔ اسی خبر کو الذہبی نے تاریخ الاسلام (۵۳۱/۶) اور سیر اعلام النبلاء (۲۰۹/۴ - ۲۱۰) میں ابو خلدۃ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اگلی روایت ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) (جَبَلَۃٌ): یعنی جسامت میں بھاری بھرکم، جسمانی لحاظ سے بڑا۔ جب کسی آدمی کا جسم بھاری اور مضبوط ہو تو کہا جاتا ہے: بیشک وہ جَبَلَۃ کا حامل ہے (یعنی قوی الجثہ ہے)۔ اور اگر عورت کو جَبَلَۃ کہا جائے تو اس سے مراد ہوتی ہے: جسمانی لحاظ سے بڑی اور مضبوط ساخت والی عورت۔ ابن فارس کہتے ہیں: [جیم، باء اور لام کا مادہ ایک اصل پر دلالت کرتا ہے جو برابر رہتی ہے اور قیاس کی جاتی ہے، اور وہ ہے: کسی چیز کا بلند ہو کر جمع ہو جانا]۔ (مراجع: الصحاح فی اللغۃ ۱۶۵۰/۴، مقاییس اللغۃ ۵۰۲/۱، لسان العرب ۹۸/۱۱، مادہ: جبل)۔

اور وہ ہیں: احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن یزید بن سنان بن جبلہ، کنیت ابوحامد، لقب الصائغ، نسبتاً نیشاپوری۔ وہ امام ابونعیم اصفہانی کے شیخ (استاد) تھے۔ ابونعیم نے ان سے بہت زیادہ روایتیں نقل کیں، حتیٰ کہ صرف کتاب ''الحلیہ'' میں ان سے پانچ سو سے زائد روایتیں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے ابونعیم انہیں کبھی ابوحامد اور کبھی ابن جبلہ کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔
امام سمعانی اور امام ذہبی دونوں نے ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے، اور ان دونوں نے نہ ان کے بارے میں کوئی جرح (تنقید) بیان کی اور نہ تعدیل (توثیق)۔ سمعانی نے ان کا نام ذکر کرنے کے بعد کہا: (یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، ابوالعباس محمد بن اسحاق السراج، اور ابوقریش محمد بن جمعہ بن خلف القہستانی سے حدیث سنی۔ اور بغداد میں ابوالحسن حجاجی کے ساتھ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز الحافظ اور یحییٰ بن محمد بن صاعد اور ان جیسے طبقہ کے لوگوں سے حدیث لکھی۔) ان سے امام حاکم ابوعبداللہ، اور ابوالعباس جعفر بن محمد بن معتز المستغفری نے حدیث سنی۔ امام حاکم نے ان کا ذکر تاریخ نیشاپور میں ان الفاظ میں کیا: ابوحامد الصائغ نے خراسان اور عراق میں بہت زیادہ احادیث سنی تھیں۔ اور انہوں نے نیشاپور میں کئی سال تک حدیث روایت کی۔ ان کا ایک بیٹا بخارا میں مقیم تھا، چنانچہ وہ ان کو بخارا لے گیا، اور وہیں سنہ ۳۷۴ ہجری (تین سو چوہتر ہجری) میں ان کا انتقال ہوا۔ (ماخذ: الانساب ۲۶۸/۸) اور دیکھیے: تاریخ الاسلام (۵۵۲/۲۶)۔ ان کا ذکر تلخیص تاریخ نیشاپور (تالیف خلیفہ نیشاپوری، صفحہ ۸۰) میں بھی ان لوگوں کے ساتھ آیا ہے جن سے امام حاکم نے طبقہ ششمہ کے طور پر سماع کیا تھا، مگر صرف ان کا نام ذکر کیا ہے۔
ان کا نام تاریخ الاسلام میں غلط لکھا گیا، جس کی وجہ سے کئی محققین ان کا ترجمہ نہ پا سکے۔ اس میں ان کا نام اس طرح بگڑ کر آیا: احمد بن محمد بن عبداللہ بن حامد الصائغ یہ تحریف درج ذیل دونوں مطبوعہ نسخوں میں پائی جاتی ہے:
● دار الکتاب الاسلامی (تحقیق: ڈاکٹر عمر بن عبدالسلام تدمری) - اسی مطبوعہ پر اعتماد کیا گیا۔
● المکتبۃ التوفیقیۃ (۲۶/۴۰۶)۔
جبکہ دار الغرب الاسلامی کی طباعت (۳۹۷/۸) جو ڈاکٹر بشار بن عواد بن معروف کی تحقیق سے ہے، اس میں نام اس طرح درست درج ہے: [احمد بن محمد بن عبداللہ، ابوحامد الصائغ] - اور یہی درست نام ہے۔

اسی طرح اس کے فوراً بعد آنے والے راوی کی ترجمہ میں بھی تحریف (نام کی بگاڑ) واقع ہوئی ہے!!
ڈاکٹر بشار عواد نے اپنی کتاب فی تحقیق النص (صفحہ ۲۷۵) میں تاریخ الاسلام کی دیگر طبعات میں کئی تحریفات (تصحیف) کی نشاندہی کی ہے، اور صفحہ ۲۷۵ تا ۳۳۱ پر [۱۱۴۴] ایسی تراجم (سوانح) کا ذکر کیا ہے جو طبعہ تدمری میں سرے سے ساقط (چھوٹ) گئی ہیں، نیز دیگر کئی امور بھی بیان کیے ہیں۔

(۶) محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران، ابو العباس السراج الثقفی، ان کے خراسانی موالی میں سے، نیشاپوری - وہ امام، حافظ، ثقہ، شیخ الاسلام، خراسان کے محدث اور کتاب (المسند الکبیر) علی الابواب والتاریخ کے مؤلف تھے۔۔(ماخذ: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۸۸)۔

(۷) [النساء: ۹۳]۔

(۸) حلیۃ الاولیاء (۲/۲۱۹) یہ روایت صحیح ہے، اور اس کی سند متابعت کی وجہ سے حسن ہے، خاص طور پر ابو حامد ابن جبلہ کی وجہ سے، جبکہ باقی تمام راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔

التخریج:

اس روایت کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۸/۱۸۲) میں اور ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (۸/۳۶۸۰) میں روایت کیا ہے، اور دونوں نے ابونعیم اصفہانی کی سند سے یہی روایت نقل کی ہے۔ نیز اس سے پہلے اور بعد کی روایات بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۹) تاریخ دمشق (۱۸/۱۸۲) کی یہ روایت سنداً صحیح ہے۔ ابو داؤد سے مراد یہاں ابو داود الطیالسی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۱۱۹) اور اسی موضوع سے متعلق پچھلی دونوں روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

التخریج:

ابن عدیم نے بغیۃ الطلب (۱/۳۱۳) میں اپنی سند سے روایت نقل کی ہے، جس میں ہیثم بن عدی کہتے ہیں: (من طريق الهيثم بن عدي قال: أخبرنا يونس بن أبي إسحاق قال: حدثني أبي قال: قلت لأبي:) ہمیں یونس بن ابی اسحاق نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: [ابّا جان! کیا آپ نے صفین میں شرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے عجیب منظر دیکھا۔ ایک دن میں ان کے ساتھ موجود تھا، تو انہوں نے ہمیں نیزوں سے جھاڑ دیا، اور ہم نے انہیں نیزوں سے جھاڑ دیا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان نیزوں پر چلنا چاہتا تو بآسانی چل سکتا تھا۔ ایک جانب سے آواز آتی: لا إله إلا الله والله أكبر، اور دوسری جانب سے بھی یہی آواز آتی: لا إله إلا الله والله أكبر ......] پھر انہوں نے واقعہ ذکر کیا۔

تیسری فصل: صفین کی جنگ اور تحکیم کی دعوت

اس میں چودہ مباحث شامل ہیں:

۞ **پہلا مبحث:** معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو بیعت کی دعوت دینا۔
۞ **دوسرا مبحث:** صفین کی طرف پیش قدمی اور پانی پر جنگ۔ (اس میں ۶ مطالب ہیں)
۞ **تیسرا مبحث:** علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے لشکر اور ان کے پیروکاروں پر قنوت پڑھنا۔
۞ **چوتھا مبحث:** علی رضی اللہ عنہ کا لعنت، گالی گلوچ اور اہلِ شام پر طعن و تشنیع سے متعلق مؤقف۔
۞ **پانچواں مبحث:** معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک دلیرانہ موقف جو روم کی بنیادوں کو ہلا دیتا ہے۔
۞ **چھٹا مبحث:** علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام سے باغیوں کے احکام کے مطابق معاملہ کرنا۔
۞ **ساتواں مبحث:** صفین میں جنگ کا بھڑک اٹھنا۔ (اس میں دو مطالب ہیں)
۞ **آٹھواں مبحث:** عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ (اس میں ۸ مطالب ہیں)
۞ **نواں مبحث:** وہ اسباب جنہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کے ذریعے جنگ روکنے کے لیے تحکیم پر آمادہ کیا۔
۞ **دسواں مبحث:** تحکیم کی دعوت اور جنگ کا خاتمہ۔ (اس میں ۶ مطالب ہیں)
۞ **گیارھواں مبحث:** صفین کے دن صلح کے بارے میں خوارج (قراء) کا مؤقف اور ان کی تعداد۔ (اس میں دو مطالب ہیں)
۞ **بارھواں مبحث:** صفین کی جنگ ختم ہونے کے بعد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف۔
۞ **تیرھواں مبحث:** ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی کا خواب۔
۞ چودھواں مبحث: صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد۔

❖❖❖

تیسری فصل: صفین کی جنگ اور تحکیم کی دعوت

[۲۸۰] ابوداوٗد نے روایت کیا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ نَاجِيَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (آپ ﷺ نے فرمایا): ''اسلام کی چکی پینتیس (۱) یا چھتیس یا سینتیس سال تک گردش میں رہے گی، پھر اگر وہ ہلاک ہوئے تو ان کی راہ وہی ہوگی جو ان لوگوں کی راہ رہی جو ہلاک ہوئے اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر سال تک قائم رہے گا'' میں نے عرض کیا: کیا اس زمانہ سے جو باقی ہے یا اس سے جو گزر گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس زمانہ سے جو گزر گیا (۲)''۔

(تَدُورُ رَحَى الْإِسْلَامِ) یعنی: اسلام کا نظام قائم و برقرار رہے گا اور اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں چکی کے گھومنے کو اس حالت کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے جو کسی کے لیے قائم ہو اور مسلسل باقی رہے، کیونکہ چکی اسی وقت کامل اور مفید سمجھی جاتی ہے جب وہ مسلسل گھوم رہی ہو۔

(لِخَمْسٍ وَثَلَاثِينَ) میں لام وقت کے لیے ہے، جیسے کوئی کہے: أنت طالقٌ لرمضان یعنی رمضان کے وقت طلاق واقع ہوگی۔ یا یہ لام بمعنی ''إلی'' (یعنی تک) بھی ہو سکتی ہے۔

(قَالَ التَّورِبِشْتِيُّ) تورِبشتی نے کہا: (نبی ﷺ کا مقصود امت کے معاملے کی درستی تھا، یعنی یہ کہ امت حکمرانوں کی اطاعت میں رہے، حدود و احکام کو قائم رکھے، اور آپ ﷺ نے اس کی ابتداء ہجرت کے ابتدائی زمانے سے کی۔ آپ نے انہیں خبر دی کہ وہ جس حالت پر ہیں، اس پر پینتیس، یا چھتیس، یا سینتیس سال تک قائم رہیں گے، پھر خلافت کی رسی کو توڑ ڈالیں گے، اور ان کا کلمہ اختلاف کا شکار ہو جائے گا۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ان کا انجام بھی انہی لوگوں جیسا ہوگا جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے، اور اگر ان کا معاملہ دوبارہ اطاعت کو ترجیح دینے اور حق کی نصرت کی

طرف لوٹ آیا تو وہ ان کے لیے مکمل ہو جائے گا یہاں تک کہ ستر سال پورے ہو جائیں گے)۔

اور انہوں نے کہا: (ان تین سنین کے ذکر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین فتنوں کی طرف اشارہ فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل، جو پینتیسویں سال میں ہوا، جنگِ جمل، جو چھتیسویں سال میں ہوئی، اور جنگِ صفین، جو سنتیسویں سال میں پیش آئی۔ یہ تینوں فتنے انہی تین برسوں میں پے در پے واقع ہوئے تھے[۳])۔

(أَمِمَّا بَقِيَ) یعنی: کیا (۳۵ یا ۳۶ یا ۳۷ کے بعد) ایک نئی گنتی کا آغاز ہوگا؟ یعنی شمار کا آغاز ۳۷ کے بعد سے اس طرح ہو: ۳۸، ۳۹۔۔۔ یہاں تک کہ ۷۰؟

دوسرے الفاظ میں: کیا ۳۷ کے بعد ستر (سال) باقی رہیں گے؟

(أَوْ مِمَّا مَضَى) یعنی: کیا (۳۵)، یا (۳۶)، یا (۳۷) ہی کو ستر (سال) میں شمار کیا جائے گا؟ اور ان کے بعد کوئی نئی گنتی شروع نہ کی جائے؟ بلکہ شمار اسی طرح جاری رہے: ۳۸، ۳۹، ۴۰۔۔۔ یہاں تک کہ ۷۰[۴]۔

دوسرے الفاظ میں: کیا (۳۷) گزر چکی ہوگی اور ستر (سال) میں سے کم ہو چکی ہوگی؟

[۲۸۱] امام احمد نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُمْهَانَ، ح وَعَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنِي حَمَّادٌ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُمْهَانَ، عَنْ سَفِينَةَ قَالَ:** (وہ کہتے ہیں): میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''خلافت تیس سال ہوگی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ سفینہ کہتے ہیں: گنتی کرو: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال، عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال، اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال، (یہ سب ملا کر تیس سال بنتے ہیں)[۵]۔

اس کے قول (اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال) سے مراد ہے: ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتھ، جو چھ ماہ پر مشتمل تھی۔

[۲۸۲] ابو یعلی نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو**

دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: (وہ کہتے ہیں): ''یقیناً یہ امت امتِ مرحومہ ہے، اس پر کوئی (آخرت کا) عذاب نہیں، سوائے اس کے جو وہ خود اپنے آپ کو عذاب دے۔'' میں نے کہا: وہ اپنے آپ کو کیسے عذاب دیتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''کیا یوم النہر (یعنی حرّہ کا دن (مترجم)) عذاب نہیں تھا؟ کیا یوم الجمل (جنگ جمل کا دن) عذاب نہیں تھا؟ کیا یوم صفین (جنگ صفین کا دن) عذاب نہیں تھا؟''(۶)

[۲۷۳] ابو داؤد نے روایت کیا: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِصِّيصِيُّ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ جُبَيْرٍ، حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: (کہ انہوں نے کہا): اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے دور رکھا گیا، بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے بچالیا گیا، بے شک کامیاب وہی ہے جسے فتنوں سے بچالیا گیا، اور جو شخص آزمائش میں ڈالا گیا اور صبر کیا، تو واہ واہ (کیا ہی خوش نصیب ہے(۷))!(۸)''

بیشک امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوب رکھا، تو انھیں آزمائش میں ڈالا، سو انھوں نے صبر کیا، اور وہ صبر وحق پر ثابت قدمی میں ایک عجیب و بے مثال نمونہ تھے۔

(۱) اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: پینتیسویں سال کے آغاز پر (المسند: ۳۷۰۷)، اور ایک اور روایت میں ہے: پینتیس سال کے ساتھ (المسند: ۳۷۳۰)۔
(۲) سنن ابی داؤد (۴۲۵۴) صححہ الالبانی وشعیب الارنؤوط، دیکھو: عون المعبود (۲۲۰/۱۱، رقم ۴۲۵۴)، السلسلۃ الصحیحہ (۹۷۶)۔
(۳) [المیسر فی شرح مصابیح السنۃ ۱۱۴۷/۴، حدیث نمبر: ۴۰۴۲]۔
(۴) المیسر فی شرح مصابیح السنۃ، ۱۱۴۷/۴، حدیث نمبر: ۴۰۴۲۔

(۵) مسند احمد (۲۱۹۱۹): اسے امام احمد بن حنبل اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے، اور شیخ شعیب ارناؤوط نے حسن کہا ہے۔ (مزید مراجع:) السنۃ للخلال (۶۲۶)، المنتخب من علل الخلال (۱۲۸)، السلسلۃ الصحیحۃ (۴۵۸)۔

(مترجم کا نوٹ) ''یوم النہر'' سے بعض محدثین نے ''واقعۂ حرّہ'' مراد لیا ہے، جو ۶۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیش آیا، جب یزید کے لشکر نے اہلِ مدینہ پر ظلم ڈھایا۔ اس واقعے میں صحابہ وتابعین کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی، اور مدینہ کی حرمت پامال ہوئی۔ اسی بنا پر اسے ''عذاب'' قرار دیا گیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے ''یوم النہر'' کا اطلاق ''نہروان'' پر بھی ہوسکتا ہے، جہاں خوارج کے خلاف جنگ ہوئی، مگر نہروان کو مفسرین وشارحین نے عموماً عذاب کے ضمن میں شامل نہیں کیا، کیونکہ وہ ایک فتنہ کے خلاف اقدام تھا، نہ کہ خود امت پر عذاب۔ (مترجم)

(۶) مسند ابی یعلی (۶۲۰۴): اس کی سند موقوف اور صحیح ہے۔ ابوداود حفری سے مراد عمر بن سعد ہیں، ابن ابی زائدہ سے مراد یحییٰ بن زکریا ہیں، اور ابو حازم سے مراد سلمان اشجعی ہیں۔

التخریج:

اسے ابنِ راہویہ نے اپنی مسند (۲۲۷) میں ابوداود حفری کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور ابن حجر نے اسے المطالب العالیہ (۴۱۸۶) اور بذل الماعون صفحہ (۲۱۴) میں ابویعلی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور بذل الماعون میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیں: السلسلۃ الصحیحہ (۹۵۹)۔

(۷) وَاهًا: ایک اسمِ فعل مضارع ہے، جس کا معنی ہے: میں تعجب کرتا ہوں یا کیا ہی تعجب ہے!

(۸) سنن ابی داود (۴۲۶۳)، اسے علامہ البانی اور شیخ شعیب الارنؤوط دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

المبحث الاوّل:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو بیعت کی دعوت

جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی، تو آپ مدینہ سے لشکر لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی طرف روانہ ہوئے، اور کوفہ کا قصد کیا تا کہ اہلِ شام کے قریب رہیں۔ لیکن راستے میں آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ایک لشکر کے ساتھ مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ بصرہ کی طرف موڑ دیا اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا، اور اہلِ شام کے معاملے کو اس وقت تک مؤخر کر دیا جب تک طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے معاملے سے فارغ نہ ہو جائیں (۱)۔

جب جمادی الآخر ۳۶ ہجری کے وسط میں جنگ جمل ختم ہوئی (۲)، تو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام اور ان کی بغاوت کے معاملے پر دوبارہ توجہ دی، چنانچہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کی طرف قاصد بھیجے اور انہیں بیعت کی دعوت دی، لیکن یہ مراسلات کوئی نتیجہ نہ دے سکیں۔

[۲۸۴] ابن دیزِل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں -جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں موجود ہے- روایت کیا: **حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ عُبَيْدِ الْحَنَفِيُّ، نا أَبِي قَالَ:** ابو مسلم الخولانی اور کچھ لوگ ان کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: ''کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے حکومت کے معاملے میں نزاع کرتے ہیں، یا آپ ان کے برابر ہیں؟'' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں! اللہ کی قسم، میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے افضل ہیں اور وہ اس معاملے (خلافت) (۳) کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان

رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کیے گئے؟ اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں، میں تو صرف خونِ عثمان کا مطالبہ کررہا ہوں۔ تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلانِ عثمان کو میرے حوالے کردیں، تب میں ان کی بیعت کرلوں گا۔'' وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ بات کی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قاتلانِ عثمان کے حوالے نہ کیا(۴)۔

[۲۸۵] ابنِ حجر نے یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''یحییٰ بن سلیمان الجعفی - جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں - نے اپنی تصنیف کتاب صفّین میں ایک جید سند کے ساتھ ابو مسلم خولانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت میں نزاع کرتے ہیں؟ یا آپ ان جیسے ہیں؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے، اور میں ان کا چچازاد اور ولی ہوں، اور ان کے خون کا بدلہ طلب کررہا ہوں؟ تو تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلینِ عثمان کو ہمارے حوالے کریں۔ چنانچہ وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بات کی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ (یعنی اہل شام) پہلے بیعت میں داخل ہوں، پھر وہ ان (قاتلین) کے بارے میں مجھ سے فیصلہ طلب کریں۔ لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات قبول نہ کی، تو علی رضی اللہ عنہ عراق سے لشکر لے کر صفّین کی جانب روانہ ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے۔ یہ ذوالحجہ ۳۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ دونوں طرف سے خط وکتابت ہوئی لیکن کوئی بات طے

نہ ہو سکی، پس جنگ واقع ہوئی(۵)۔''

☒ **یہ خبر صحیح نہیں ہے:**

[۲۸۶] یہ خبر ابنِ دیزِیل اور نصر بن مزاحم نے روایت کی ہے، اور یہ ایک طویل روایت ہے، جس میں یہ واقعہ مذکور ہے: (ابوالدرداء اور ابوامامہ [باہلی] رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے معاویہ! آپ اس شخص (یعنی علی رضی اللہ عنہ) سے کس بنیاد پر قتال کر رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! وہ آپ اور آپ کے والد سے پہلے اسلام لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں، اور اس معاملے (یعنی خلافت) میں آپ سے زیادہ حق دار ہیں۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں لڑ رہا ہوں، کیونکہ انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ تم دونوں ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہمیں عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے دیا جائے، پھر میں سب سے پہلے شام والوں میں ان کی بیعت کرنے والا ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ بات کہی۔ تو حضرت علی نے فرمایا: یہ لوگ جنہیں تم دیکھ رہے ہو (عثمان کے قاتل یہی لوگ ہیں)۔ اس پر بہت سے لوگ نکل آئے اور کہنے لگے: ہم سب نے ہی عثمان کو قتل کیا ہے، جو چاہے ہم پر تیر برسائے اور ہمیں قصاص میں قتل کرے! یہ سن کر ابوالدرداء اور ابوامامہ واپس لوٹ گئے اور اس جنگ میں شریک نہ ہوئے(۶))۔

---

(۱) پروفیسر ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث نے اپنی کتاب ''استشهاد عثمان رضي الله عنه ووقعة الجمل'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفر کی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ (یہ کتاب اردو میں ہمارے ورڈ پریس بلاگ پر موجود ہے)۔

(۲) تاریخ خلیفہ صفحہ (۱۸۴) - (۱۸۵)، اور ڈاکٹر خالد الغیث نے اسی کتاب ''استشهاد عثمان رضي الله عنه ووقعة

الجمل ‘‘ میں اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔
(۳) الأمر: سے مراد خلافت ہے۔
(۴) تاریخ دمشق (۵۹/۱۳۲)، (کتاب ’’صفّین‘‘ از ابنِ دیزیل، حدیث نمبر [۳۳]، میری تحقیق و جمع کے ساتھ)۔ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے، دیکھیے اگلی روایت۔ اور اس کی تخریج پہلے بھی ہو چکی ہے [۱]۔
(۵) فتح الباری (۱۳/۸۶)، (کتاب ’’صفّین ‘‘ از یحییٰ بن سلیمان الجعفی، روایت نمبر [۱۴]، میری جمع و ترتیب کے مطابق)، اور ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے [۲]۔
(۶) وقعہ صفین صفحہ ۱۹۰، البدایہ والنہایہ (۷/۲۸۸) اور یہی الفاظ اسی کے ہیں، جبکہ معقوف جملے ’’وقعہ صفین‘‘ سے اضافی ہیں۔ ابن کثیر نے اسے ابن دیزیل کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ روایت ’’کتاب صفین لابن دیزیل‘‘ (حدیث نمبر: ۴۲، بجمع و تحقیق میری) میں موجود ہے۔
یہ خبر منکر (قابلِ رد) ہے، کیونکہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صفین سے پہلے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۲ ہجری میں وفات پا چکے تھے، دیکھیں: تاریخ الاسلام (۳/ ۴۰۴) اور سیر اعلام النبلاء (۲/۳۵۳)۔
رہی بات ابواُمامہ صُدی بن عَجلان الباہلی رضی اللہ عنہ کی تو وہ کنارہ کش نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی، جیسا کہ ہم نے اسے مواقف الصحابہ میں ذکر کیا ہے، دیکھیے [۳۲۱]۔

میں نے ایک طویل خبر دیکھی جو کچھ تاریخی معلومات پر مشتمل تھی، جن میں سے بعض کا اصل صحیح ہے، لیکن اس میں طعن و تشنیع، گالی گلوچ اور تحریف شامل کر دی گئی تھی۔

یہ خبر ابن دیزل (عَنْ یَحیی، عَنْ نَصرِ بْنِ مُزَاحِمٍ) یحییٰ کے واسطے سے، نصر بن مزاحم کے ذریعے روایت کرتے ہیں - جو کہ متروک اور متہم راوی ہے - اپنی سند سے نقل کرتا ہے۔ اس روایت میں صحیح اور ضعیف دونوں اقسام کی روایات شامل ہیں، جنہیں مورخین اکثر ایک ہی خبر میں ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ اس خبر کو نقل کروں، اور متن میں صرف وہی باتیں درج کروں جو شواہد سے صحیح ثابت ہوں، اسی طرح جو (مقبول) روایتیں ہیں وہ بھی، اور جو باتیں گھڑی گئی ہوں یا جن میں تحریف ہو، اُنہیں حاشیے میں درج کروں۔ اس کے دو اسباب ہیں:

۱) تاکہ صحیح روایت کو گھڑی ہوئی (مدسوس) روایت سے چھان کر الگ کیا جا سکے۔

۲) تاکہ معزز قاری یہ دیکھ سکے کہ بدعتی لوگ روایات میں کس طرح تحریف کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مناقب، خوبیاں اور حقائق گالیوں، عیوب، طعن و تشنیع، مسخ اور حقیقت کو الٹ دینے میں بدل جاتی ہیں۔

ابن دیزیل نے اپنی کتاب ’’صفین‘‘ میں -جیسا کہ تاریخِ دمشق میں ہے- یہ روایت نقل کی ہے کہ: (أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ يَحيى بْنُ سُلَيمَانَ الْجُعْفِيُّ، نَا نَصرُ بْنُ

مُزَاحِمٍ، نَا عُمَرُ بْنُ سَعْدِ الأَسَدِيُّ، عَنْ نُمَيْرِ بْنِ وَعْلَةَ، عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ) عامر شعبی کہتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو انہوں نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی گورنری سے معزول کر دیا۔ جریر رضی اللہ عنہ کوفہ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد اور خط بھیجیں۔ جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے بھیجیں، کیونکہ وہ (معاویہ) میرے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی اور محبت سے پیش آتے رہے ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ آپ کے ہاتھ پر خلافت سپرد کریں، حق پر آپ کا ساتھ دیں، اور آپ کے تابع ایک امیر یا گورنر کی حیثیت سے رہیں جب تک کہ وہ اللہ کی اطاعت اور قرآن کی پیروی پر قائم رہیں، نیز میں اہلِ شام کو بھی آپ کی اطاعت اور ولایت کی طرف بلاؤں گا، کیونکہ ان میں سے اکثر میرے اپنے قبیلے کے لوگ ہیں، اور مجھے امید ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔ اس پر اشتر نخعی نے کہا: انہیں نہ بھیجیں اور ان پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان کی نیت اور جھکاؤ ان (اہل شام) ہی کی طرف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جانے دو، دیکھتے ہیں وہ کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا اور روانگی سے پہلے فرمایا: تم جانتے ہو میرے اردگرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے اہلِ دین اور اہلِ رائے موجود ہیں، لیکن میں نے تمہیں ان سب پر اس لیے ترجیح دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے بارے میں فرمایا تھا: ''یمنیوں میں سے بہترین شخص۔'' جاؤ، میرا خط معاویہ کو دو، اگر وہ مسلمانوں کے اجماع میں شامل ہو جائے تو بہتر، ورنہ اس

سے برابری کی سطح پر علیحدگی کا اعلان کر دینا[1]، اور بتا دینا کہ میں نہ اسے امیر تسلیم کرتا ہوں اور نہ ہی عوام اسے خلیفہ مانتی ہے۔ چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے۔ پھر جریر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر کہا: اما بعد، اے معاویہ! بے شک تمہارے ابنِ عم (علی) کے لیے اہلِ حرمین، اہلِ مصرین، اہلِ حجاز، یمن، مصر، عمان، بحرین اور یمامہ سب نے اجتماع کر لیا ہے، پس اب صرف یہی قلعے باقی رہ گئے ہیں جن میں تُم ہو۔ اگر ان پر وادیوں سے کوئی سیلاب آ جائے تو انہیں غرق کر دے گا۔ میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تمہیں ایسی بات کی طرف بلاؤں جو تمہیں راہ دکھائے اور ہدایت دے، یعنی امیر المؤمنین علی کی پیروی کی طرف۔ پھر انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کا خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا- اور کہا: اس خط کا متن یہ تھا-:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (یہ خط) اللہ کے بندے، علی امیر المؤمنین کی جانب سے معاویہ بن ابوسفیان کے نام۔ اما بعد! بے شک میری بیعت تُم پر لازم ہے، اگرچہ تُم شام میں ہو، کیونکہ میری بیعت اُنہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بھی اُسی اصول پر بیعت کی تھی، پس نہ کسی موجود کو اختیار ہے کہ انکار کرے اور نہ کسی غیر موجود کو حق ہے کہ رد کرے۔ مشورہ تو صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے، جب وہ کسی ایک شخص پر جمع ہو جائیں اور اسے امام مقرر کر دیں، تو یہی اللہ کی [2] رضا ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے فیصلے سے روگردانی کرے، طعن یا حرص کے ساتھ، تو وہ اس راہ کی طرف لوٹایا جائے جس سے نکلا تھا، اور اگر وہ انکار کرے، تو مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلنے پر اس سے قتال کیا جائے گا، اور اللہ اسے اسی کے حوالے کرے گا، اور وہ جہنم میں جائے گا، جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔[...[3] پس

تُم بھی ان امور میں شامل ہو جاؤ، جن میں مسلمان داخل ہو چکے ہیں، کیونکہ میں تم سے سب سے زیادہ عافیت کو پسند کرتا ہوں، مگر اگر تُم بلاء (فتنہ) میں داخل ہوئے، تو میں تم سے قتال کروں گا، اور اللہ سے تمہاری مخالفت میں مدد طلب کروں گا۔ تُم نے قاتلانِ عثمان کے معاملے کو بہت اچھالا ہے، تم بھی وہی اختیار کرو جو سب نے کیا ہے، پھر ان قاتلوں کو میرے پاس لے آؤ، تا کہ میں اور تُم سب کو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ پر آمادہ کریں۔[...(۴) میں نے تمہارے پاس اور تمہارے متعلقین کی طرف جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے، جو ایمان اور ہجرت والوں میں سے ہیں، پس اس نے بیعت کر لی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں۔

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا - اس وقت ان کے پاس لوگوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی - تو جریر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: ہر قسم کی حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی عنایات ہمیشہ سے قابلِ تعریف ہیں، جس سے خیر و برکت کی اُمید رکھی جاتی ہے، جس سے اجر کی توقع اور عذاب کا خوف ہوتا ہے، وہی مصیبتوں میں مدد دینے والا ہے۔ میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور انہی امور میں اس سے مدد چاہتا ہوں جن میں عقلیں حیران ہو جاتی ہیں اور اسباب مفقود ہو جاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، "ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اس کی ذات کے، اسی کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے"(۵)۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اُس نے اس وقت بھیجا جب ایک طویل مدت سے رسول نہیں آئے تھے، سابقہ رسولوں، گزری ہوئی قوموں، بوسیدہ

جسموں اور سرکش فطرتوں کے بعد۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغامِ رسالت پہنچایا، امت کو نصیحت کی، وہ حق ادا کیا جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا، اور جسے آپ کو آپ کی امت تک پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا[۶]۔ اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اُن لوگوں کو بھی مشکل لگتا ہے جنہوں نے خود اس واقعے کو دیکھا، تو تم اُن لوگوں کا کیا گمان رکھتے ہو جو اس سے غیر حاضر تھے؟ لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے، نہ کسی کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوئے اور نہ کسی انتقام کی بنیاد پر[۷]۔ [۔۔۔[۸]] جان لو کہ دین فساد[۹] کو برداشت نہیں کرتا، اور عرب تلوار کو برداشت نہیں کرتے۔ بصرہ میں کل جو جنگ ہوئی، اگر اس جیسی[۱۰] کوئی اور جنگ ہوئی تو اس کے بعد لوگوں کا باقی رہنا مشکل ہوگا۔ عوام نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے، اور اگر ہمیں اپنے امور پر اختیار ہوتا تو ہم اس کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو منتخب نہ کرتے۔ جو اس سے اختلاف کرے، اسے سمجھایا جائے۔ پس اے معاویہ! تم بھی وہی اختیار کرو جو لوگوں نے کیا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے عامل مقرر کیا تھا اور مجھے معزول نہیں کیا، تو یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اگر مان لیا جائے تو دینِ الٰہی قائم ہی نہ ہو، اور ہر شخص اپنے ہاتھ کے مال کا مالک بن بیٹھے۔ لیکن اللہ نے بعد والوں کو پہلوں کے معاملات کا حق دار بنایا ہے، اور ان معاملات کو ایسا نظام دیا ہے کہ بعض امور، بعض پر فوقیت رکھتے ہیں اور بعض کو منسوخ کر دیتے ہیں۔

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں غور کروں گا، انتظار کروں گا اور اہلِ شام کی رائے معلوم کروں گا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو حکم دیا، تو اُنہوں نے اعلان کیا: نماز کے لیے سب جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے، تو معاویہ رضی اللہ

عنہ منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا، کہا: ''تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اسلام کی بنیادوں کو ستون بنایا، اور ایمان کی شریعتوں کو دلیل اور برہان ٹھہرایا۔ اس کا نور، اس کی روشنی اس مقدس سرزمین میں چمکتی ہے جسے اللہ نے انبیاء اور اپنے نیک بندوں کا مسکن بنایا، پس اللہ نے اسے شام میں قرار دیا، اور ان (شامیوں) کو اس سرزمین کے لیے پسند کیا اور اس سرزمین کو ان کے لیے، جیسا کہ اس کے مخفی علم میں ان کی فرمانبرداری اور اس کے اولیاء کے ساتھ وفاداری پہلے سے طے شدہ تھی۔ اسی لیے اللہ نے ان (اہلِ شام) کو اس امت کے لیے نظم ونسق کا ذریعہ بنایا، اور بھلائی کی نشانیوں میں عظمت عطا کی، جن کے ذریعے اللہ عہد توڑنے والوں کو روکتا ہے، اور مؤمنین کی وحدت انہی کے ذریعے قائم کرتا ہے۔ ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں ان مسائل کے حل کے لیے جو مسلمانوں کے درمیان تفرقے اور بگاڑ کا باعث بنے، اور جنہوں نے ان کے درمیان قربت اور محبت کے بعد دوری پیدا کر دی۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں پر غلبہ عطا فرما جو ہمارے سونے والوں کو جگاتے ہیں، ہمارے پر امن لوگوں کو خوف میں ڈالتے ہیں، اور ہمارے خون بہانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور ہمارے راستے کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ ہم ان کے لیے نہ کوئی سزا چاہتے ہیں، نہ ان کی حرمت پامال کرنا چاہتے ہیں، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں عزت کا لباس پہنایا ہے، اور جب تک گونج جواب دیتی رہے، شبنم گرتی رہے، اور ہدایت پہچانی جاتی رہے، ہم اسے رضاکارانہ طور پر نہیں اتاریں گے۔ [۔۔۔[۱۱]

اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوں، اور تم پر امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بھی ہوں، اور میں نے تم میں سے کسی کو

کبھی ذلت و رسوائی پر مقرر نہیں کیا، اور میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی اور ان کا چچا زاد بھائی ہوں۔ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: (جسے ظلم سے قتل کیا گیا، ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا) (الاسراء: ۳۳)، اور تم جانتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ قتل ہوئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے مجھے بتاؤ کہ ان کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے؟

اہلِ شام سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم ان کے خون کا بدلہ لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس مطالبے پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی جان و مال اس کام میں لگا دیں گے، یا تو عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے یا اللہ ان کی روحیں اس سے پہلے قبض کر لے گا[۱۲]۔

پھر جریر رضی اللہ عنہ واپس علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا موقف بتایا، تو اشتر نے جریر پر سخت کلام کیا، جس پر جریر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر قرقیساء چلے گئے اور فتنہ سے کنارہ کش ہو گئے۔

---

(۱) (فَانۢبِذۡ إِلَيۡهِ): یعنی اُس کے ساتھ جو عہد و پیمان میرے اور اس کے درمیان ہے، اُسے پھینک دے، یعنی اسے باطل کر دے اور منسوخ کر دے۔ (عَلَىٰ سَوَاءٍ): اس انداز میں کہ عہد شکنی کی خبر سب کو یکساں طور پر معلوم ہو جائے، تاکہ دور و نزدیک سب لوگ جان لیں کہ یہ عہد توڑ دیا گیا ہے، کیونکہ وہ اس کو اعلانیہ اور واضح طریقے سے مطلع کرے گا۔
منابذۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں کے درمیان صلح یا عہد ہو، پھر وہ اس کو توڑنے کا ارادہ کریں، تو ہر ایک فریق دوسرے کو اُس عہد کو لوٹا دے جس پر صلح ہوئی تھی، تاکہ وہ اچانک حملہ نہ کرے، بلکہ پہلے واضح طریقے سے عہد شکنی کی اطلاع دے دے۔ (دیکھیں: تاج العروس، مادہ نبذ؛ فتح القدیر للشوکانی، سورۃ الانفال: ۵۸)
یعنی: اُسے ایسی عام اطلاع دے دے جو سب پر برابر ہو، اور کسی ایک فرد کو مخصوص نہ کرے، کہ میں اور وہ اب حالتِ جنگ میں ہیں اور ہمارے درمیان کوئی صلح باقی نہیں۔
(۲) (للہ) طباعت شدہ تاریخِ دمشق میں موجود نہیں ہے، میں نے اسے وقعہ صفین سے مکمل کیا ہے۔
(۳) [بے شک طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے میری بیعت کی، پھر انہوں نے اس بیعت کو توڑ دیا، اور ان کا توڑنا (بیعت کا) ایسا ہی تھا جیسے انہوں نے (ابتداء) انکار کیا ہو، تو میں نے اس (انکار) پر ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا، حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے]۔

(۴) [رہی وہ بات جس کا تم ارادہ رکھتے ہوائے معاویہ! تو وہ تو ایسے ہی ہے جیسے بچہ دودھ کے لیے فریب دیا جائے، اور قسم ہے میری جان کی! اگر تم اپنی خواہش کی بجائے عقل سے دیکھو، تو مجھے قریش میں سب سے زیادہ عثمان کے خون سے بری پاؤ گے۔ اور جان لوائے معاویہ! تم ان آزاد کردہ غلاموں (طُلَقَاء) میں سے ہو جن کے لیے خلافت حلال نہیں، اور نہ ہی ان میں مشورے (شوریٰ) کا حق ہے]۔

(۵) [القصص:۸۸]۔

(۶) صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی طرف سے بھیجے گئے اور منتخب کیے گئے (منتخب کذا) اور وقعہ صفین: میں یہ الفاظ ہیں: ﷺ بھیجے گئے (مُبْتَعَثٍ) اور چنیدہ (مُنتَجَبٍ)۔

(۷) الْوَائِرُ: قاتل کو کہتے ہیں، اور الْمَوْتُوزُ: اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی قتل کر دیا گیا ہو اور وہ اپنے مقتول کا بدلہ نہ لے سکا ہو۔ (ماخذ: جمہرۃ اللغہ لابن دُرَید، ۳۹۵/۱، مادہ: ت ر و اور تاج العروس، ۳۴۴/۱۴، مادہ: وتر۔

(۸) [اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس (علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی تھی، پھر بغیر کسی نئے واقعے کے اپنی بیعت توڑ دی]۔

(۹) (الفتق): وقعہ صفین میں "الفتن" (فتنے) کے معنی میں آیا ہے۔

(۱۰) وقعہ صفین میں آیا ہے: اگر آزمائش کسی ویسی ہی (آزمائش) کے ذریعے شفاعت کرے۔

(۱۱) [انہیں ہمارے خلاف بغاوت اور حسد نے آمادہ کیا، پس ہم اللہ سے ان پر مدد چاہتے ہیں]۔

(۱۲) تاریخ دمشق (جلد ۵۹/ ۱۲۷-۱۳۰)، (کتاب صفین از ابن دیزیل، حدیث نمبر [۳۶]، میری تحقیق وجمع کے ساتھ)، وہ حصہ جو ہم نے متن میں درج کیا ہے، وہ شواہد اور متابعات کے لحاظ سے صحیح کے مابین اور قرائن کے اعتبار سے مقبول کے درجے میں آتا ہے۔

نصر: جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے، اس کا ترجمہ صفحہ (۷۳) پر گزر چکا ہے۔

اور عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی، نصر بن مزاحم کا شیخ ہے، نصر نے وقعہ صفین میں اس سے بہت زیادہ روایتیں نقل کی ہیں، جن کی تعداد ۱۴۵۰ سے زائد ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: [عمر بن سعد الاسدی: اس نے اعمش سے روایت کی ہے۔۔۔ میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: پرانا شیخ ہے، شیعہ میں سے ہے، اس کی حدیث ترک کی جاتی ہے] اور ذہبی نے کہا: [بغض رکھنے والا شیعہ]۔ اس کا ترجمہ: وقعہ صفین ص (۳)، الجرح والتعدیل (۱۱۲/۶)، میزان الاعتدال (۱۹۹۳)، لسان المیزان (۳۰۷/۴)۔

اور عمر بن سعد کی اعمش سے روایت: وقعہ صفین کے ص (۳۶۲-۳۶۳) اور ص (۳۶۶) میں وارد ہوئی ہے۔

اور نُمَیر بن وعلہ: ذہبی نے اس کے بارے میں کہا: مجہول ہے، دیکھیں: میزان الاعتدال (۲۷۳/۴)، دیوان الضعفاء (۴۴۰۵)، المغنی فی الضعفاء (۶۶۷۰)، لسان المیزان (۱۷۱/۶)، اور اس میں تصحیف ہو کر نمیر بن دعلمہ ہو گیا ہے۔

التخریج:

یہ روایت ابن مزاحم کی وقعہ صفین میں (صفحہ ۲۷ تا ۳۲) اسی سند کے ساتھ، تقریباً انہی الفاظ میں موجود ہے۔

المتابعات والشواہد:

- مرفوع حدیث: "ذی یمن کے بہترین شخص" اسے امام بخاری نے الادب المفرد (حدیث: ۲۵۰) میں روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "اس دروازے سے ایک شخص داخل ہوگا جو یمن کے بہترین لوگوں میں سے ہے، اس کے چہرے پر فرشتے کی سی چمک ہوگی۔" تو (اسی وقت) جریر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ اس حدیث کو البانی اور شعیب الارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: السلسلۃ الصحیحۃ (۳۱۹۳)، مسند احمد (۱۹۱۸۰)۔
- رہی بات معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کرنے کی، اور ان کے اس قول کی: (اے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں امیر

المؤمنین عمر بن خطاب کا جانشین (خلیفہ / گورنر) ہوں، اور میں ۔۔۔وغیرہ) تو یہ (قول) صحیح ہے، ہم نے اسے [۱۱] کے تحت اس کے شواہد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

- رہی بات جریر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اُس خط کے مضمون کی جس میں ہے: (مجھے اُن لوگوں نے بیعت دی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی ۔۔۔) تو یہ روایت مؤرخین کے ہاں مشہور ومعروف ہے، اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں، لہٰذا یہ خبر قرائن کی بنا پر مقبول ہے، اور ہم نے وہ قرائن مقدمہ منہجیہ میں صفحہ () پر ذکر کیے ہیں، پس وہاں رجوع کریں۔
- رہا اشتر کا جریر رضی اللہ عنہ کو بھیجنے سے انکار کرنا، تو ممکن ہے کہ یہ اس کی سخت مزاجی (یا تندی وتیزی) کی وجہ سے ہو، اور اس واقعے کی حیثیت پچھلے واقعے جیسی ہی ہے۔یعنی جریر کو بھیجنے اور خط کے مضمون جیسی۔ پس یہ بھی ایک قرائن کے ساتھ مقبول خبر ہے۔

[۲۸۸] ابن کثیر فرماتے ہیں: جریر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے اور ان کو ان لوگوں کی باتوں سے آگاہ کیا۔ اس پر مالک اشتر نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ جریر کو (سفیر بنا کر) نہ بھیجیں؟ اگر آپ مجھے بھیجتے تو میں معاویہ کو کوئی دروازہ کھولنے نہ دیتا مگر میں اُسے بند کر دیتا۔ جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم وہاں ہوتے تو وہ تمہیں عثمان کے خون کے بدلے میں قتل کر دیتے۔ اشتر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے بھیجا جاتا تو مجھے معاویہ کا جواب دینا مشکل نہ ہوتا، بلکہ میں اسے سوچنے کی مہلت بھی نہ دیتا۔ اور اگر امیر المؤمنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) میری بات مانتے، تو تمہیں اور تم جیسے دوسروں کو قید کر لیتے، یہاں تک کہ اس امت کا معاملہ درست ہو جاتا۔ اس پر جریر رضی اللہ عنہ غصے میں اٹھ کر چلے گئے اور قرقیسیاء میں جا کر قیام کیا(۱)۔(۲)

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبے میں آیا ہے: (اے اللہ! ہمیں ان لوگوں پر فتح عطا فرما، جو ہمارے سونے والوں کو جگاتے ہیں، ہمارے پُرامن لوگوں کو خوفزدہ کرتے ہیں، ہمارا خون بہانا چاہتے ہیں، اور ہمارے راستے کو پرخوف بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ ہم ان پر کوئی عذاب نازل کرنا نہیں چاہتے، نہ ہی ان کی عزت کے پردے چاک کرنا چاہتے ہیں)۔ یہ (دعا) اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف درج ذیل تھا:

۱) معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان اوصاف سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ پر ظلم کیا، پھر بعد میں وہ عراق کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

۲) معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ بھی خیال تھا کہ عراق کے لشکر میں ایسے ظالم موجود ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور اہلِ شام پر اسی طرح زیادتی کرنا چاہتے ہیں جیسے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کی تھی۔

۳) اور یہ کہ صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کی کوئی خواہش نہ تھی، لیکن وہ اور اہلِ شام اس پر مجبور ہو گئے۔

۴) اور معاویہ رضی اللہ عنہ یہ رائے رکھتے تھے کہ صفین کے دن اہلِ عراق کی فوج سے لڑائی دفاعی جنگ تھی؛ کیونکہ اہلِ عراق کی فوج ان پر حملہ آور ہوئی تھی، اور حملہ آور کے خلاف لڑائی جائز ہے۔ پس نہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی اہلِ شام نے جنگ کی ابتداء کی، بلکہ اہلِ عراق نے ہی پہلے جنگ شروع کی (۳)۔

اس خبر میں آیا ہے:

(تو اہلِ شام سب کے سب بول اٹھے: بلکہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیں گے۔ پس انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر جواب دیا (یعنی رضامندی ظاہر کی)، اور ان سے بیعت کی، اور اس بات پر ان کے ساتھ پختہ عزم کیا کہ وہ اس مقصد میں اپنی جانیں اور مال لگا دیں گے، یا تو وہ اس کا بدلہ لے لیں گے، یا اللہ ان کی روحیں اس سے پہلے قبض کر لے)۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ شام کا موقف معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف جیسا ہی تھا۔ وہ بھی ان چار امور کو درست سمجھتے تھے جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ درست سمجھتے تھے۔ اس کی دلیل وہ الفاظ ہیں: (**فَأَجَابُوهُ إِلَى ذَلِكَ**) یعنی انہوں نے اس کی بات کو قبول کیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خطبے میں کہی۔

اور یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اہلِ شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بیعت کی تھی، جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں (۴)۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا: (اور بے شک لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ

کی بیعت کی، وہ (نہ کسی کا قاتل ہے) اور نہ ہی مقتول کا وارث [5]۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہیں۔

---

(۱) قرقیسیاء: عراق کا ایک شہر ہے جو فرات کے کنارے واقع ہے، جہاں ندی خابور آ کر ملتی ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ۳۲۸/۴)۔

(۲) البدایہ والنہایہ (۲۸۲/۷): یہ مقدار جو ہم نے ذکر کی ہے، قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے۔ بے شک اشتر کے کلام پر جریر رضی اللہ عنہ کا غصے میں آنا، پھر قرقیسیا میں گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اور اس بات کا قرینہ بھی موجود ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے، اور بعد ازاں فتنہ سے کنارہ کش ہو گئے۔ پس، اشتر کے ساتھ ان کے واقعے سے ان کے اعتزال (کنارہ کشی) کی وجہ واضح ہوتی ہے۔

(۳) ملاحظہ فرمائیں: منہاج السنہ (۴ / ۳۸۳)، **الإنصاف فيما وقع في العصر الراشدي من الخلاف از حامد الخليفة**، صفحہ (۶۳۹)۔

(۴) دیکھو: [۱۱۱]۔

(۵) الوائِر: قاتل کو کہتے ہیں، الموتور: اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی مقتول ہو گیا ہو اور وہ اس کے خون کا بدلہ نہ لے سکا ہو۔ ماخذ: جمهرة اللغة لابن دريد، ۱/۳۹۵، مادہ: ت ر و تاج العروس، ۱۴/۳۴۴، مادہ: وتر۔

دوسرا مبحث: صفین کی طرف پیش قدمی اور پانی پر لڑائی

پہلا مطلب: اشتر نخعی کا اپنی مذحجی فوج کے ساتھ لشکر خلافت سے علیحدہ ہونا، پھر اس کا واپس آنا:

[۲۸۹] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ حَسَنِ بْنِ فُرَاتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: (وہ کہتے ہیں): جب علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل سے واپس آئے اور صفین کی طرف روانگی کی تیاری کرنے لگے، تو قبیلہ نخع کے لوگ جمع ہو گئے یہاں تک کہ اشتر کے پاس آئے۔ اشتر نے پوچھا: کیا گھر میں صرف نخعی لوگ ہی موجود ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تو اشتر نے کہا: یقیناً اس امت نے اس کے سب سے بہتر شخص کو قتل کر دیا[1]، اور ہم اہلِ بصرہ کی طرف گئے، وہ لوگ جن پر ہماری بیعت تھی، تو ہم ان پر ان کے اپنے ہی جرم کے سبب غالب آئے۔ اور اب تم لوگ اہلِ شام کی طرف روانہ ہو رہے ہو، وہ لوگ جن پر تمہاری کوئی بیعت نہیں ہے، تو ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی تلوار کہاں چلاتا ہے[2]۔

یہ خبر درج ذیل باتوں پر دلالت کرتی ہے:

- یہ کہ نخع قبیلے کا اجتماع اشتر کے گھر میں جنگ جمل کے بعد قریبی وقت میں ہوا۔
- یہ کہ اشتر جنگ صفین میں شریک ہونے کے بارے میں متردد تھا، کیونکہ وہ شام جانے کے بجائے بصرہ میں گورنر بن کر وہیں رکنا چاہتا تھا[3]۔

- جب اشتر کو گمان ہوا کہ بصرہ کی ولایت لازماً اسے ملنے والی ہے، تو اس نے نخع کے سواروں کو صفین کی طرف روانہ ہونے سے روکنے کی کوشش کی تاکہ وہ اس کے ساتھ وہیں رہیں؛ تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنی متوقع ولایت میں تقویت حاصل کرے۔ اور اس نے یہ کوشش اشارے اور کنائے سے کی، نہ کہ صاف الفاظ اور کھلے اعلان کے ساتھ۔

- اشتر امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کرتا تھا، اور اپنے قبیلہ نخع کو فتنوں کے دور میں ایسے ہی غلطیوں میں پڑنے سے ڈراتا تھا۔ حالانکہ اشتر انہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ پر کھانے پینے کی چیزیں بند کر دی تھیں، یہاں تک کہ انہیں بھوک اور پیاس سے مار ڈالنے کے قریب کر دیا تھا(۴)۔ تو ممکن ہے کہ اشتر کو ان کے قتل پر ندامت ہوئی ہو، یا اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذکر نخع کے لوگوں سے اس لیے کیا ہو کہ انہیں صفین جانے سے باز رکھے، تاکہ وہ اس کی متوقع ولایت میں اس کے لیے تقویت کا باعث بنیں۔

---

(۱) یعنی عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۱۲۵۷)، اس کی سند حسن ہے۔ اور یہ [۲۷۲] میں تخریج کے ساتھ گزر چکا ہے۔

(۳) اس کی تفصیل اگلی روایت اور اس پر کیے گئے تبصرے میں آئے گی۔

(۴) علی بن الجعد نے اپنے مسند میں - جیسا کہ سیر اعلام النبلاء (۱۸۱/۸-۱۸۲) میں ہے - روایت کیا: [حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ كِنَانَةَ قَالَ: میں اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زخمی حالت میں عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے اٹھا کر لے گئے تھے، اور میں صفیہ بنت حُيَيّ رضی اللہ عنہا کو لے کر آیا تاکہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کریں۔ تو ان کو اشتر ملا، اور اس نے ان کی خچر کے منہ پر مارا، یہاں تک کہ خچر جھک گئی۔ صفیہ نے کہا: ”مجھے واپس لے چلو، کہیں یہ کتا مجھے رسوا نہ کر دے! راوی کہتا ہے: چنانچہ انہوں نے اپنے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے درمیان ایک لکڑی کا پل بنایا، جس پر سے وہ کھانے پینے کی اشیاء منتقل کرتی تھیں]۔

اس روایت کی سند حسن ہے، اور ابن حجر نے اسے الاصابہ (۱۴۱/۷) میں حسن قرار دیا ہے۔ مزید ملاحظہ کریں: المعجم المفہرس (صفحہ ۱۰۶۹)۔

جہاں تک علامہ البانی کا تعلق ہے، تو وہ اسے متصل سند کے ساتھ نہیں پا سکے، بلکہ انہوں نے اسے عبد البر کی الاستیعاب میں اسد بن موسیٰ کے حوالے سے معلق پایا۔ البانی نے تسلیم کیا کہ اسد بن موسیٰ سے کنانہ تک سند حسن ہے، مگر چونکہ روایت معلق ہے، اس لیے انہوں نے توقف کیا اور اسے حسن نہیں کہا۔ کیونکہ ابن عبد البر نے اسد بن موسیٰ سے اسے معلق بیان کیا۔ میں (فواز) کہتا ہوں: یہ روایت جیسا کہ مذکورہ مصادر میں ہے، متصل سند کے ساتھ موجود ہے، والحمد للہ۔ اور اسد بن موسیٰ کی روایت متصل صورت میں اگلی روایت کے تخریج میں اسی حاشیے میں آئے گی۔

ملاحظہ کریں: موسوعة الإمام الألباني، مرتّب از شادی آل نعمان (۸/ ۳۸۲-۳۸۵، روایت نمبر ۱۴۳۴) - یہ ایک زبانی گفتگو ہے جو شیخ ذیاب بن سعد الغامدی کے ساتھ منعقدہ مجلس میں ہوئی، جس میں شیخ پر ان کی کتاب ”تسديد الإصابة فيما شجر بين الصحابة“ کے بعض مندرجات پیش کیے گئے۔

زُهَيْر: یہ زُہَیر بن مُعَاوِیَہ بن حُدَیج الجُعْفی، ابو خَیثَمہ ہیں، اور یہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔

کنانہ، اُمّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔ امام عجلی نے ان کے بارے میں کہا: یہ مدنی تابعی اور ثقہ (قابل اعتماد) ہیں۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر کلام نہیں کیا (یعنی سکوت اختیار کیا)، اور ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب الثقات (ثقہ راویوں کی فہرست) میں ذکر کیا۔ امام ذہبی نے بھی ان کو موثق (قابل اعتماد) کہا۔ جبکہ ابن حجر نے التہذیب میں لکھا کہ کنانہ کو ازدی نے الضعفاء (کمزور راویوں) میں ذکر کیا ہے اور کہا: اس کی روایت کی سند قائم نہیں ہوتی۔ امام ترمذی نے بھی، ہاشم بن سعید کی سند سے ان کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا: اس کی سند کچھ خاص نہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اس کی سند معروف نہیں ہے۔ ابن حجر

نے التقریب میں کہا: یہ مقبول ہیں، ازدی نے انہیں بلا دلیل ضعیف کہا ہے، پس وہ معتبر تضعیف نہیں۔
میں (فواز) کہتا ہوں: امام ذہبی نے کنانہ کو المیزان (کتاب الضعفاء) میں ذکر نہیں کیا، بلکہ الکاشف میں ان کے بارے میں فرمایا: وثق (یعنی ان کو ثقہ کہا)، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ذہبی نے انہیں ضعیف نہیں سمجھا۔ رہی بات جو ابن حجر نے امام ترمذی سے نقل کی ہے، تو اس میں کنانہ سے روایت کرنے والا راوی ہاشم بن سعید الکوفی ہے، جو کہ ضعیف ہے۔ [دیکھیں: التقریب (۷۲۵۴)]، لہٰذا کمزوری کا سبب وہ راوی ہے، کنانہ نہیں۔ اس سے کنانہ کی بریت ثابت ہوتی ہے (یعنی سند کی کمزوری کا بوجھ کنانہ پر نہیں بلکہ ہاشم پر ہے)۔
ترمذی (حدیث نمبر ۳۵۵۴) [تحقیق: احمد محمد شاکر] نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت صرف اسی طریق سے جانتے ہیں، یعنی ہاشم بن سعید کوفی کی روایت سے۔ اور اس کی سند معروف (مضبوط یا مشہور) نہیں ہے۔
ترمذی نے (حدیث نمبر ۳۸۹۲) میں فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث صرف ہاشم کوفی کے طریق سے جانتے ہیں، اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔
کنانہ کی ترجمہ درج ذیل کتب میں موجود ہے:
الثقات للعجلی (۱۵۶۰)، التاریخ الکبیر (۷/۲۳۷)، الجرح والتعدیل (۷/۱۶۹)، الثقات لابن حبان (۵/۳۳۹)، تہذیب الکمال (۲۴/۲۳۰)، الکاشف (۴۶۷۹)، تہذیب التہذیب (۸/۴۴۹)، التقریب (۵۶۶۹)، التذییل علی کتب الجرح والتعدیل (۶۷۸)۔
التخریج:
یہ روایت مسند ابن الجعد (۲۶۶۶) میں ہے، اور ابن شبّہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۳۱۱) میں اسے ابن الجعد کے واسطے سے بیان کیا ہے، لیکن اس میں حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھانے کا ذکر نہیں ہے۔
اور اسے ابن سعد نے (۸/۱۲۸) پر روایت کیا:
(أخبرنا مالك بن اسماعيل، والحسن بن موسى، قالا: حدثنا زهير، به)۔
اس خبر کو امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۷/۲۳۷) میں معلقاً نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: ''اور احمد بن یونس نے کہا: (وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: نَا زُهَيْرٌ) ہمیں زہیر نے حدیث سنائی''، اور اسی سند سے روایت کی لیکن آخر میں یہ اضافہ کیا: (اور میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اہلِ مصر میں سے دیکھا، اس کا نام جبلہ تھا)۔ یہ اضافہ ابن الجعد نے اپنی مسند (۲۶۶۵) میں اور ان سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۹/۴۱۲) میں زہیر کے طریق سے روایت کیا۔ نیز عمر بن شبہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۳۰۸) میں عاصم بن علی کے طریق سے، اور ابن سعد نے (۳/۸۳) میں احمد بن یونس کے واسطے سے یہی روایت زہیر سے بیان کی۔ ابن سعد کے الفاظ کچھ یوں ہیں:
(میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کو دارالخلافہ میں دیکھا، وہ ایک سیاہ فام مصری آدمی تھا جس کا نام جبلہ تھا، اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے - یا کہا: ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے - اور وہ کہہ رہا تھا: میں نَعْثَل (عثمان رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہوں)۔ جبکہ ابن الجعد نے اپنی روایت میں قاتل کا نام (جبلہ) ذکر نہیں کیا۔
یہ روایت سیر اعلام النبلاء (۲/۲۳۷) میں موجود ہے۔
اسے طبری نے اپنی تاریخ (۲/۶۷۲) میں سیف بن عمر کے واسطے سے تفصیل سے نقل کیا ہے، جس میں ''صفیہ'' کی جگہ ''حبیبہ'' کا ذکر ہے۔
حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لانے کی روایت ابن الجعد نے اپنی مسند (۲۶۶۵) میں، ابن شبہ نے تاریخ المدینہ (۳/۱۱۳۱) (۴/۱۲۷۵) میں، اور حاکم نے مستدرک (۴۵۶۸) دار التاصیل ایڈیشن (۵/۲۹۷، حدیث ۴۶۲۵) میں زہیر بن معاویہ، عن کنانہ کے

طریق سے نقل کی ہے۔ المستدرک میں ''کنانہ'' کی جگہ غلطی سے ''قتادہ'' درج ہوا ہے، جو کہ تصحیف (تحریری غلطی) ہے۔
یہ خبر ابنِ راہویہ نے بھی تفصیل کے ساتھ اپنی مسند (۲۰۸۸) میں نقل کیا ہے:
اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں، ہمیں ابو عامر العقدی نے حدیث سنائی، انہوں نے محمد بن طلحہ بن مصرف سے، اور انہوں نے کنانہ مولیٰ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت کی: میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود تھا، اور میری عمر اُس وقت چودہ سال تھی۔ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے ہمیں حکم دیا کہ خچر پر ہودج رکھیں، چنانچہ ہم نے تیار کیا، اور پھر ہم اُس کے گرد چلتے ہوئے دروازے تک آئے۔ وہاں الاشتر اور اُس کے ساتھ کچھ لوگ موجود تھے۔ اشتر نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے گھر واپس جاؤ۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا، تو الاشتر نے اپنی نیزہ یا برچھی سے خچر کے پچھلے حصے پر ضرب لگائی، جس سے خچر بدک گیا اور ہودج ایک طرف جھک گیا، حتیٰ کہ گرنے کے قریب ہو گیا۔ جب صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگیں: مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔
پھر دار الخلافہ سے چار قریشی زخمی حالت میں باہر لائے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کر رہے تھے: حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، ابن حاطب، اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہم۔ میں (راوی سے) نے پوچھا: کیا محمد بن ابی بکر نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں کوئی حصہ لیا؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیرا ہدف نہیں ہوں۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ باتیں کیں، تو محمد چلا گیا اور اس نے اُن کے خون میں کوئی حصہ نہ لیا۔ میں نے پوچھا: تو پھر انہیں قتل کس نے کیا؟ اس نے کہا: ایک مصری آدمی جس کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔ پھر وہ تین مرتبہ کہتا رہا: میں نعثل (عثمان رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہوں۔ میں نے پوچھا: اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ اس نے کہا: گھر (الدار) میں۔ اس روایت کی سند حسن ہے، اور اس میں موجود تصحیفوں (تحریری غلطیوں) کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ جہاں تک (جبلہ بن ایہم) کا تعلق ہے، تو ابن حجر نے اپنی کتاب المطالب العالیہ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔
ابو عامر العقدی: یہ عبدالملک بن عمرو القیسی ہیں، ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔ اور محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی کے بارے میں ابن حجر نے کہا ہے: یہ صدوق (سچے) ہیں، لیکن ان سے وہم (غلطی) بھی ہو جاتی تھی۔ امام ذہبی نے کہا: یہ صدوق اور مشہور راوی ہیں، اور ان سے صحیحین (بخاری و مسلم) میں حجت کے طور پر روایت لی گئی ہے۔ (ماخذ: میزان الاعتدال ۳/۵۸۷؛ التقریب، رقم ۵۹۸۲)۔

التخریج:

اس روایت کو ابن حجر نے المطالب العالیہ (۴۳۹۲) میں ابنِ راہویہ کے ذریعے نقل کیا ہے اور محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے اسے تاریخ صفحہ (۱۷۵) میں ذکر کیا، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر نے (۳۹/۴۰۸) میں، ابو داود طیالسی کے واسطے سے روایت کی۔ اسی روایت کو عمر بن شبہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۲۹۸، ۱۳۱۱) میں اسد بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کیا۔ ابو القاسم بغوی نے اسے معجم الصحابہ (۵/۳۳۴) میں اور ان کے طریق سے ابن عساکر نے (۳۹/۴۱۲) میں ذکر کیا۔ ابو نعیم نے اسے معرفۃ الصحابہ (۱/۶۶) میں محمد بن بکار بن ریان الرصافی کے ذریعے نقل کیا۔ حاکم نے المستدرک (۴۵۶۸) میں شبابہ بن سوار کے طریق سے روایت کیا۔ ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ (۱/۶۶) میں اسد بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کی، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر نے (۳۹/۴۰۷) میں روایت ذکر کی۔ عمر بن محمد بن الحسن بن الزبیر الاسدی ابن التل نے اپنے والد سے نقل کیا، ان تمام کی سند محمد بن طلحہ تک پہنچتی ہے، بعض نے روایت کو کم یا زیادہ اختصار سے ذکر کیا۔ محمد بن بکار (جو کہ ثقہ راوی ہیں) نے اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا: (**أنا قاتل نعثل، فما تعرض له أحد من الناس**) (میں نعثل [عثمان رضی اللہ عنہ] کا قاتل ہوں، اور لوگوں میں سے کسی نے اس کو کچھ نہ کہا)۔
یہ روایت انساب الاشراف (۵/۵۷۱-۵۷۲) میں مدائنی کے قول سے بغیر سند کے نقل کی گئی، اور الاستیعاب (۳/۱۰۴۶، ۱۳۶۷) میں اسد بن موسیٰ سے، اور تہذیب الکمال (۱۹/۴۵۶) میں محمد بن طلحہ کے طریق سے ذکر کی گئی۔

● **عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام جبلہ ہونے کی تحقیق:**

یہ روایت کنانہ سے دو افراد نے روایت کی ہے:
اوّل: زہیر بن معاویہ، جنہوں نے کہا: (جبلہ)، اور ان کی روایت پہلے اسی حاشیہ میں التاریخ الکبیر اور الطبقات الکبری میں گزر چکی ہے۔ دوم: محمد بن طلحہ بن مصرف، جن کے بارے میں اختلاف ہے۔
اسد بن موسیٰ اور شبابہ بن سوار دونوں نے محمد بن طلحہ سے نقل کیا کہ قاتل کا نام (جبلة بن الأيهم) تھا۔
ان دونوں کے خلاف عمر بن محمد بن الحسن بن الزبیر الاسدی ابن التل نے اپنے والد سے نقل کیا کہ قاتل کا نام (جبلة بن الأَهْتَم) تھا۔
ابو داود طیالسی نے اسے (حمار) کے لفظ سے روایت کیا۔
محمد بن بکار نے قاتل کا نام ذکر نہیں کیا۔
الترجیح:
(ابن الایھم) کا اضافہ شاذ (غیر معروف یا غیر محفوظ) ہے، اس میں محمد بن طلحہ منفرد ہے، اور اس نے مشہور معروف راستہ اختیار کیا ہے، کیونکہ (جبلة بن الأيهم الغساني) مشہور ہے جو خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہو گیا تھا۔ زہیر بن معاویہ نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ محمد بن طلحہ کی نسبت کئی درجے زیادہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہیں۔
مزید یہ کہ، محمد بن طلحہ سے اس بارے میں راویوں کا اختلاف بھی ہو چکا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے،،،،
رہی بات عمر بن محمد بن الحسن الاسدی کی، تو ان کا وہم (غلطی) بالکل واضح ہے، اور وہ صدوق (سچا راوی) ہے لیکن کبھی کبھار وہم (غلطی) کر جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اس کے بارے میں کہا: وہ تصحیف (الفاظ کو بگاڑ کر پڑھنے) کیا کرتا تھا، چنانچہ معاذ بن خبیل کہتا، حجاج بن فراقصہ، اور علقمہ بن مرتد۔ تو میں نے اس سے کہا: کیا تمہارے والد نے تمہیں کُتّاب (مدرسہ) کے سپرد نہیں کیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا: ہمارے ذمے بوجھ تھے جنہوں نے ہمیں حدیث سے مشغول رکھا۔ انتہیٰ۔ جہاں تک اس کے والد کا تعلق ہے: وہ بھی صدوق تھا، مگر اس میں کچھ نرمی (ضعف) تھی۔
رہے ابو داود الطیالسی، تو وہ ثقہ حافظ (قابل اعتماد اور حافظہ کا حامل) تھے، لیکن بعض احادیث میں انہوں نے غلطی کی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک غلطی حاشیہ نمبر (۳۴۸) میں دیکھی جا سکتی ہے، جہاں ان سے ''جَبَلَۃ'' (نام) کا لفظ تصحیف ہو کر ''حمار'' (گدھا) بن گیا۔
اور میں نے اس تصحیف (کاتب کی غلطی) کے مطالعے میں اپنے شیخ، پروفیسر ڈاکٹر خالد الغیث کی کتاب ''استشہاد عثمان رضی اللہ عنہ اور واقعہ جمل'' سے فائدہ اٹھایا۔

اشتر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا تذکرہ نخع قبیلے کے سامنے اس غرض سے کیا تاکہ انہیں صفّین جانے سے روکے، تاکہ اپنی متوقع حکومت میں ان کے ذریعے قوت حاصل کر سکے۔

[۲۹۰] ابن ابی شیبہ نے روایت نقل کی: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: (حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ الْمِنْهَالِ (۱) قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ الْجَرْمِيّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ:) مجھے علاء بن المنہال نے حدیث سنائی، وہ کہتے ہیں: ہمیں عاصم بن کلیب الجرمی نے حدیث سنائی، وہ اپنے

والد سے روایت کرتے ہیں۔۔۔(راوی کہتے ہیں کہ اس نے جنگ جمل کا ایک طویل واقعہ بیان کیا)، راوی کہتا ہے: پھر میرے والد اس کے قریب آئے اور کہا: اے بصرہ کے صاحب(۲)! میری سفارش کرنا(۳)، کیونکہ میرے بعد بھی کوئی مقام باقی ہے(۴)۔ راوی کہتا ہے: اس نے جواب دیا: اگر بصرہ کا امیر تمہیں دیکھ لیتا تو یقیناً تمہیں عزت دیتا۔ راوی کہتا ہے: گویا وہ خود کو امیر سمجھ رہا تھا(۵)۔ راوی کہتا ہے: پھر میرے والد وہاں سے نکلے تو راستے میں ایک شخص ملا، اس نے کہا: امیر المؤمنین پہلے خطبہ دے چکے ہیں اور ابن عباس کو اہل بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے، اور دعویٰ کیا ہے کہ وہ فلاں تاریخ کو شام روانہ ہوں گے۔ راوی کہتا ہے: میرے والد واپس گئے اور اشتر کو یہ اطلاع دی، تو اشتر نے پوچھا: کیا تم نے خود یہ بات سنی ہے؟ میرے والد نے کہا: نہیں۔ تو اشتر نے انہیں جھڑک دیا اور کہا: بیٹھ جاؤ، یہ جھوٹ ہے۔ راوی کہتا ہے: میں ابھی وہیں تھا کہ ایک اور شخص آیا اور وہی خبر دی جو میں نے دی تھی۔ اشتر نے اس سے بھی پوچھا: کیا تم نے خود سنا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو اشتر نے اسے بھی جھڑک دیا، مگر نسبتاً کم، اور میری طرف دیکھنے لگا(۶) گویا کہتا ہو کہ اس نے بھی وہی خبر دی ہے جو تم نے دی۔ راوی کہتا ہے: اسی وقت عتاب تغلبی آیا جبکہ اس کی تلوار گردن کے ساتھ ہل رہی تھی(۷) یا لٹک رہی تھی، اس نے کہا: یہ ہیں تمہارے امیر المؤمنین، انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وہ فلاں تاریخ(۸) کو شام روانہ ہوں گے۔ اشتر نے اس سے کہا: اے اعور! کیا تم نے خود سنا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! اے اشتر، میں نے خود ان دونوں کانوں سے سنا ہے۔ راوی کہتا ہے: اشتر مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں طنز(۹) کی جھلک تھی۔ پھر اشتر نے

کہا: تو اب ہم نہیں جانتے کہ پھر مدینہ میں ہم نے اس شیخ (۱۰) (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو کس بنیاد پر قتل کیا تھا* ؟

پھر اشتر نے اپنی قوم مذحج والوں (۱۱) سے کہا: اٹھو اور سوار ہو جاؤ (۱۲)، چنانچہ وہ سوار ہو گئے۔ راوی کہتا ہے: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اس کا ارادہ صرف معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھا (۱۳)۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ ارادہ کرنے لگے کہ ایک سوار فوج روانہ کریں جو اشتر سے جنگ کرے (۱۴)، لیکن پھر انہوں نے اشتر کو خط لکھا: مجھے تمہیں (بصرہ پر) امیر بنانے سے کوئی چیز اس لیے نہیں روکی کہ تم اس کے اہل نہیں ہو، بلکہ میرا ارادہ شام کے لوگوں سے (میدان جنگ میں) ملاقات کا ہے- اور وہ تمہارے اپنے قوم کے لوگ ہیں، تو میں چاہتا تھا کہ ان کے خلاف تمہاری مدد حاصل کروں۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے لشکر میں کوچ کا اعلان کرا دیا (۱۵)۔ اشتر وہیں رکا رہا یہاں تک کہ لشکر کے ابتدائی حصے اس تک پہنچ گئے (۱۶)۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے - جیسا کہ راوی کا گمان ہے- ان سے روانگی کے لیے پیر (یوم الاثنین) کا دن مقرر کر رکھا تھا، لیکن جب اشتر نے اپنی من مانی کی، تو علی رضی اللہ عنہ نے اس مقرر دن سے پہلے ہی لشکر میں کوچ (۱۷) کا اعلان کرا دیا۔

اس خبر کے اس حصے میں ذکر کی گئی تمام واقعات اشتر کے گھر میں نَخَع قبیلے کے جمع ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد پیش آئے۔

اشتر نے کہا: (یہ تو باطل ہے)، اور اس کے باطل سے مراد یہ تھی کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا ہے۔

پھر اشتر نے مزید کہا: (تو پھر ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے مدینہ میں اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا)، اور اُس کے بزرگ سے مراد امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اشتر کا

دعویٰ یہ تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس لیے قتال کیا تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو مناصب پر مقرر کرتے تھے۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو (اس کے گمان کے مطابق) انہوں نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیے۔ اشتر کی بات میں اشارہ تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے رشتہ داروں کو مناصب دینے پر قتال کرے گا، جیسے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اسی لیے اشتر نے اپنی قبیلہ مدحج کے لوگوں سے کہا: (اٹھو اور سوار ہو جاؤ)۔ راوی کہتا ہے: (اور میں نہیں سمجھتا کہ اُس دن اس کا ارادہ کسی اور کی طرف تھا سوائے معاویہ کے۔ پھر بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ گھوڑ سواروں کا ایک دستہ بھیج کر اس سے قتال کریں)۔

اشتر نے کلیب سے کہا: (بصرہ کے حاکم سے میری سفارش کرنا، کیونکہ تمہارے بعد میرا یہاں قیام ہوگا)۔ کلیب نے اشتر کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا: (گویا وہ خود کو امیر سمجھ رہا تھا)۔ پھر اشتر کو خبر ملی کہ (امیر المؤمنین اس سے پہلے خطبہ دے چکے ہیں اور اہلِ بصرہ پر ابن عباس کو مقرر کر دیا ہے) تو اشتر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: (یہ تو سراسر باطل ہے۔۔۔ پھر ہمیں معلوم نہیں کہ مدینہ میں ہم نے اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا)۔ یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اشتر بصرہ کی گورنری کے لیے انتہائی حریص تھا، بلکہ یہ اُس کا مقصد تھا اور اسے یقین تھا کہ بصرہ کی حکومت لازمی طور پر اُسے ہی ملے گی۔

مگر وہ بات پیش آ گئی جس کا اشتر کے وہم و گمان میں بھی گزر نہ تھا۔ جب اشتر کو یہ خبر ملی کہ بصرہ کی گورنری اس کے ہاتھ سے نکل کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں چلی گئی ہے تو وہ سخت حیران اور ششدر رہ گیا۔ اس نے علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: (یہ تو سراسر باطل ہے۔۔۔ پھر ہمیں معلوم نہیں کہ مدینہ میں ہم نے اُس بزرگ کو کس لیے قتل کیا تھا)۔ بزرگ سے اس کی مراد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ایک سخت جملہ تھا جس میں اشتر نے بیک وقت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں پر طعن کیا - اللہ اشتر کو معاف فرمائے - یہ بات اس نے شدید غصے اور بصرہ کی گورنری کے ہاتھ سے نکل جانے کے صدمے میں کہی۔ مگر اس جملے میں اس نے دو باتوں کا اعتراف کیا۔

اعتراف کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں مبتلا ہے، چنانچہ اشتر نے کہا: (ہم نے

قتل کیا)۔

اور اعتراف کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور ان کے خلاف لوگوں کو اُکسایا، بصرہ کی ولایت کے لالچ میں۔

اشتر اس وقت غضبناک ہو گیا جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا ہے۔ اس پر اس نے اپنی قبیلہ مذحج کے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچو تا کہ وہاں اس کی عزت اور قربت حاصل کر سکے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی گورنری سے محروم رکھا تھا۔ چنانچہ اشتر اپنی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے اس ارادے کی خبر ملی تو انہوں نے سوچا کہ اشتر کے معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے سے پہلے اس کے خلاف گھڑسوار لشکر روانہ کریں، مگر پھر اس ارادے سے باز آ گئے اور اشتر کے ساتھ نرمی اور حکمت سے معاملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خط لکھا جس میں وضاحت کی کہ اسے بصرہ کی ولایت کیوں نہیں دی گئی۔

اشتر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط شام کے راستے میں ملا، تو اس کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں واپس آ گیا۔ خبر کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو حکم دیا کہ وہ شام کے راستے ہی میں رک جائے اور واپس نہ لوٹے، اور یہ بھی کہ وہ اس وقت تک حرکت نہ کرے جب تک عراق کا لشکر اس کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس مقصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو ''نخیلہ'' سے اس طے شدہ وقت سے پہلے روانہ ہونے کا حکم دیا جو پہلے ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا، تا کہ وہ اشتر تک پہنچ جائیں اور اسے اپنے درمیان وسط میں لے کر قابو میں رکھیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ابتدائی دستے اشتر تک پہنچ گئے تو اشتر ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو بصرہ کی گورنری دو وجوہات کی بنا پر نہیں دی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اشتر بصرہ کی ولایت (گورنری) کا بہت حریص ہے، اور اگر اشتر کو بصرہ دے دیا جاتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین نہ جاتا۔

کہ اشتر کی افادیت جنگ میں، ولایت کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اور یہ بھی نتیجہ نکالا جاتا ہے: کہ اشتر اپنی قبیلہ مذحج کے ساتھ ایک ایسی طاقت رکھتا تھا جسے کم نہیں سمجھا جاسکتا۔ وہ بہادروں میں سے ایک بہادر اور اپنی قوم مذحج میں سردار اور مطاع تھا، اور مذحج ایک بڑی قبیلہ تھی۔ اس پر مزید یہ کہ اشتر ضدی، مشکل سے قابو میں آنے والا اور قیادت و سرداری کا شوقین تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر علی رضی اللہ عنہ اسے خلافت کی فوج کے بڑے سرداروں میں شامل رکھتے تھے، تاکہ اس کے ساتھ نرمی وحکمت کا برتاؤ کیا جائے، حالانکہ اشتر ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں مبتلا ہوئے۔ اگر علی رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ یہ طرزِ عمل نہ اپناتے تو فتنہ اور بغاوت دو میں سے کسی ایک یا دونوں صورتوں میں بڑھ جاتی۔

◆ پہلا امر یہ ہے کہ اشتر (مذحجی فوج) اور خلیفہ کی فوج کے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔

اور یہ معاملہ قریب تھا کہ پیش آجائے، اگر اللہ تعالیٰ اور پھر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی حکمت نہ ہوتی۔ انہوں نے اشتر سے مقابلہ کرنے سے گریز کیا اور اس کو ایک خط بھیجا جس میں بصرہ کی گورنری نہ دینے کا سبب بیان کیا۔ اس پر اشتر کا دل مطمئن ہوگیا۔ خبر میں آیا ہے: (پس علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہوا کہ گھڑسوار لشکر بھیج کر اس سے قتال کریں، پھر انہوں نے اس کو خط لکھا۔۔۔)

◆ دوسرا امکان یہ تھا کہ اشتر اپنی مذحجی فوج کے ساتھ خلافت کی فوج سے علیحدہ ہوکر شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملتا۔

اور یہ واقعہ حقیقت میں پیش آچکا تھا، مگر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کو حکمت کے ساتھ سنبھالا، اور جب انہوں نے اشتر کو ایک خط بھیجا جس میں بصرہ کی ولایت نہ دینے کا سبب بیان کیا، تو وہ اسے دوبارہ اطاعت میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ پس، انشقاق تو ہوا، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ اس سے پہلے سنبھال لیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملتا۔

---

(۱) الغنوی کوفی راوی تھے۔ امام ابوزُرعہ رازی نے ان کے بارے میں کہا: یہ ثقہ (قابل اعتماد) ہیں۔ امام عجلی نے بھی کہا: یہ کوفی اور ثقہ ہیں۔ اور امام ابنِ حبان نے انہیں اپنی کتاب الثقات (قابل اعتماد راویوں) میں ذکر کیا ہے۔
عقیلی نے قطبہ بن العلاء بن المنہال کے ذریعے، ان کے والد سے، اپنی سند کے ساتھ ایک مرفوع حدیث نقل کی: (جوشخص لوگوں کی

تعریف کا طالب ہو۔۔۔)۔ پھر عقیلی نے اس حدیث کو العلاء پر منکر (یعنی نا قابل قبول) قرار دیا۔لیکن امام بخاری نے اس انکار کو قطبہ (بیٹے) پر کیا، نہ کہ ان کے والد العلاء پر، جیسا کہ ابن عدی نے ذکر کیا۔ چنانچہ اس وضاحت کے ذریعے العلاء بن المنھال بری الذمہ ہو گئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: الثقات للعجلی (۱۲۸۷)، الجرح والتعدیل (۳۶۱/۶)، الضعفاء الکبیر (۴۳۶/۴، ۱۴۶/۵)، الثقات لابن حبان (۵۰۲/۸)، الکامل فی الضعفاء (۵۳/۸)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۴۳۲/۷)، التذییل علی کتب الجرح والتعدیل (۵۵۴)۔

(۲) یعنی عاصم نے کہا: پھر میرے والد الاشتر کے قریب آئے اور الاشتر نے کہا۔۔۔اور یہ واقعہ جنگِ جمل کے بعد کا ہے۔

(۳) صاحب البصرۃ سے مراد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ الاشتر کا مطلب یہ تھا کہ کلیب، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے میرا تذکرہ کرے تاکہ مجھے بصرہ کی ولایت (گورنری) دی جائے۔

(۴) اس (الاشتر) کا مطلب یہ تھا کہ وہ بصرہ میں ٹھہر کر اس کی نگرانی ونظم وضبط سنبھالے گا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوں گے؛ کیونکہ واقعۂ جمل اس سے تقریباً دو ماہ پہلے پیش آیا تھا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ الاشتر ان کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی گورنری نہیں دی۔

(۵) یعنی اشتر کو پورا یقین تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے بصرہ کا والی مقرر کریں گے۔

(۶) فلان کو لحظ کیا اور اس کی طرف لحظ کیا کا مطلب ہے: اس کی طرف آنکھ کے کنارے سے (یعنی نظر کی پچھلی جانب سے) دیکھا، خواہ دائیں طرف سے ہو یا بائیں طرف سے۔اور یہ اندازِ دیکھنا شزر (تیوری چڑھا کر دیکھنے) سے بھی زیادہ تیز اور گہرا ہوتا ہے۔ (لسان العرب (۴۵۸/۷) تاج العروس (۲۶۷/۲۰) مادہ: لحظ)۔

(۷) يَخْطِرُ بِسَيْفِهِ یعنی وہ اپنے تئیں متاثر ہو کر اور فخر کے انداز میں، مقابلے (مبارزہ) کے لیے خود کو پیش کرتے ہوئے، اپنی تلوار کو جھٹکتا یا لہراتا ہے۔(ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث، ۴۶/۲)۔

(۸) وہ دن پیر کا تھا، جیسا کہ خبر کے آخر میں آئے گا۔

(۹) الکَشْر: ہنستے وقت دانت ظاہر ہونا۔(لسان العرب ۱۴۲/۵) مادہ: کشر۔

(۱۰) مراد ہے: امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ اشتر (مالک بن حارث) کا دعویٰ تھا کہ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو (عہدوں پر) مقرر کرتے تھے، مگر جب خود اشتر کے گمان میں علی رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیے۔

(۱۱) اشتر نخعی تھا، اور نخع قبیلہ مدحج کی شاخ ہے۔یعنی اشتر نے اپنی قوم نخع کے لوگوں سے (جو اس کے قبیلے کے تھے) کہا۔

(۱۲) یعنی: اپنے گھوڑے اور سواریاں تیار کرو۔

(۱۳) یعنی: معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملنا، تاکہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے انصار میں شامل ہو جائے اور جب علی رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کی ولایت سے محروم رکھا تو وہ اس کے بدلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام ومرتبہ حاصل کرے۔

(۱۴) کیونکہ اس نے لشکرِ خلافت سے علیحدگی اختیار کی۔

(۱۵) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج میں شام کی طرف کوچ کرنے کا اعلان کیا۔

(۱۶) یعنی الاشتر راستے میں رک گیا تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا انتظار کرے، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے دستے اس تک پہنچ گئے۔

(۱۷) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو شام کی طرف روانگی کی تاریخ بتا دی تھی اور یہ تاریخ آئندہ پیر کا دن مقرر کی گئی تھی، لیکن جب اشتر اپنی قبیلے کی فوج، یعنی مدحجیہ کے لشکر، کے ساتھ بغاوت کر کے الگ ہوا اور پھر دوبارہ اطاعت میں واپس آیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ مقررہ تاریخ سے پہلے، یعنی پیر سے پہلے ہی شام کی طرف روانہ ہو جائیں، تاکہ مدحجیہ کا لشکر مرکزی

فوج کے درمیان میں آجائے اور یوں وہ خلیفہ کے مکمل قابو اور نگرانی میں رہے۔
(۱۸) مصنف ابن ابی شیبہ (حدیث نمبر ۳۸۹۱۲) اس کی سند حسن ہے۔ ابواسامہ سے مراد حماد بن اسامہ کوفی ہیں۔
التخریج:
اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے (حدیث نمبر ۳۴۵۲۰) میں اسی سند کے ساتھ مختصر طور پر نقل کیا ہے، جس میں خبر کے آغاز کا ذکر ہے، جو یہاں بیان نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اسے امام طبری نے اپنی تاریخ (۳۰/۴-۳۱) میں بیان کیا، جہاں انہوں نے کہا: میں نے زیاد بن ایوب بن زیاد طوسی سے لکھا۔ انہوں نے کہا: ہمیں مصعب بن سلام تمیمی نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں محمد بن سوقہ نے، انہوں نے عاصم بن کلیب الجرمی سے اسی کے ہم معنی طویل روایت بیان کی، لیکن اس کے بعض حصے منکر ہیں، اور اس خرابی کا سبب مصعب بن سلام ہیں۔ انہیں امام ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے اور فرمایا کہ وہ شیعہ تھے (تہذیب الکمال ۲۸/۲۸)۔
معمر بن راشد نے اپنی جامع (حدیث نمبر ۲۰۹۷۰) میں اشتر کا ایک واقعہ تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ابن طاؤس، عن عکرمہ بن خالد سے روایت ہے کہ مالک اشتر، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: لوگوں نے کچھ معاملات پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ آج کی رات بالکل کل رات جیسی لگ رہی ہے؛ ہم ایک معاملے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ پھر اسی جیسے معاملے میں پڑ گئے ہیں۔ اس وقت وہاں حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لڑکے! میرے پاس جامعہ (بیڑی یا باندھنے کی زنجیر) اور تلوار لے آؤ۔ اس پر حسن بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور کہا: اے امیر المؤمنین! ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں۔ وہ دونوں برابر بات کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ارادہ ترک کر دیا اور اشتر سے کہا: چلے جاؤ۔ اشتر فوراً باہر نکل گئے اور گھر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے خوفزدہ دکھائی دیے۔ جب وہ جا چکے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے ہمیں خوفزدہ کیا تو ہم نے بھی اسے خوفزدہ کر دیا، تو ہم میں سے کون اپنے ساتھی سے زیادہ ڈرا ہوا تھا؟ اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے، اور اس کے متن میں بھی نکارت ہے، کیونکہ اشتر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں آئے تھے بلکہ شام کی طرف نکل گئے تھے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس قاصد بھیجا تھا جیسا کہ اس باب کی پچھلی خبر میں گزر چکا ہے۔ یہ روایت صرف واقفیت اور وضاحت کی غرض سے ذکر کی گئی ہے۔
شرح الخبر:
یہ واقعہ- جسے معمر نے روایت کیا- ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنے کے بعد پیش آیا۔
قولہ (أَنَّ مَالِكًا الْأَشْتَرَ دَخَلَ عَلَى عَلِيٍّ)
یعنی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان کے پاس داخل ہوا، جیسا کہ خبر کے آخر میں وضاحت سے آیا ہے۔
قول الاشتر (قَدْ أَنْكَرُوا بَعْضَ الْأَمْرِ)
یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ (اس کے گمان میں) علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو عہدے دیے ہیں۔
قولہ (مَا أَشْبَهَ اللَّيْلَةَ بِالْبَارِحَةِ)
یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ (اس کے زعم کے مطابق) علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے رشتہ داروں کو مناصب دے رہے ہیں، جیسے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔
قولہ (عَتَبْنَا أَمْرًا)
یعنی یہاں امر سے مراد ہے رشتہ داروں کو عہدے دینا۔
قولہ (ائْتِنِي بِالْجَامِعَةِ وَالسَّيْفِ)
یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ اشتر کی گردن مار دیں۔ جامعہ سے مراد بیڑی ہے، اس کی جمع اغلال ہے، اور یہ ایک لوہے کا قید ہے۔ اسے جامعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دیتی ہے۔ لسان العرب (۵۹/۸) مادہ: جمع، اور

(۵۰۴/۱۱)مادہ:غلل۔

ان کے قول[اورعلی رضی اللہ عنہ نے اس سے،یعنی اشتر سے،کہا:چلے جاؤ،تو اشتر فوراً نکل گیا،اور نیچے اُتر گیا۔۔۔] کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اشتر کے بارے میں سفارش قبول کر لی،لہٰذا اسے رہا کر دیا اور قتل نہیں کیا۔

ان کے قول(اس نے ہمیں ڈرایا،تو ہم نے اسے ڈرا دیا،اب بتاؤ ہم دونوں میں سے کس نے اپنے ساتھی کو زیادہ ڈرایا؟)میں تَفْرِیق کا مطلب ہے ڈرانا یا خوف دلانا۔اس سے مراد یہ ہے کہ اشتر نے ہمیں خوف زدہ کیا،تو ہم نے بھی اسے خوف زدہ کر دیا،اب سوال یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے کس نے اپنے ساتھی کو زیادہ ڈرایا۔دیکھو:لسان العرب(۳۰۵/۱۰)تاج العروس(۲۹۶/۲۶)مادہ:فرق۔

(*) (یہ ایک افسوس ناک لمحہ ہے جس میں اشتر حقیقت کا ادراک کرتا ہے اور افسوس ظاہر کرتا ہے کہ جس بنیاد پر جنگ اور قتل ہوئے،وہ شاید جھوٹ یا دھوکہ تھا۔اور اب ان لوگوں کو بھی اشتر کے جملے کا مطلب سمجھ لینا چاہیے کہ''پھر مدینہ میں ہم نے اس شیخ کو کس بنیاد پر قتل کیا تھا'' کہ یہ ایک الزامی اور طنزیہ جملہ ہے۔ابومصعب اثری)۔

● دوسرا مطلب:دونوں لشکروں کی صفین کی طرف پیش قدمی۔

جمل کی لڑائی کے ختم ہونے کے بعد،جو جمادی الآخر کے وسط(سن ۳۶ ہجری)(۱) میں واقع ہوئی،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بصرہ سے کوفہ منتقل ہوئے اور بارہ رات گزارنے کے بعد ماہِ رجب(۲) سن ۳۶ ہجری میں وہاں داخل ہوئے۔آپ وہاں ٹھہرے،یہاں تک کہ جب شوال(۳) آیا تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نخیلہ(۴) کے مقام پر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے،اپنی فوج کو جمع کرنے اور شام کی طرف مسیر کی تیاری کرنے لگے۔پھر غالباً شوال کے اواخر(سن ۳۶ ہجری)(۵) میں وہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حرکت کا علم ہوا تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور صفین پہنچنے میں سبقت لے گئے۔وہاں انہوں نے لشکر کے قیام کے لیے زمین منتخب کی اور وہاں کے پانی پر قبضہ کر لیا۔پھر دونوں لشکر صفین میں ذی الحجہ کے اوائل(۶) میں آمنے سامنے ہوئے اور پورا مہینہ لڑائی جاری رہی(۷)۔

✓ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے جب صفین کی طرف روانگی اختیار کی تو کوفہ پر ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

✓ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق پر فضالہ بن عبید بن نافذ انصاری رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا(۸)۔

خیثمۃ بن عبدالرحمن نے کہا:جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے کوفہ

پر عقبہ بن عمر وابو مسعود رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا(۹)۔

سعید بن عبدالعزیز التنوخی نے کہا: جب معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کو دمشق کا جانشین مقرر کیا(۱۰)۔

[۲۹۱] بلاذری نے روایت کیا: (حَدَّثَنِي حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَزْوَانَ، أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ الْيَامِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِمُرَّةَ بْنِ شَرَاحِيلَ الطَّيِّبِ): کیا تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین پہنچو گے؟ اس نے جواب دیا: علی رضی اللہ عنہ نے بدر اور اس جیسے مواقع میں میرے سے بہتر عمل کیا ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ اس میں شریک ہوں جو انہوں نے کیا(۱۱)۔

[۲۹۲] ابن سعد نے روایت کیا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خُلَيْفٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: (ابو العالیہ نے فرمایا کہ): جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا، تو مجھے لڑائی میں حصہ لینا کھانے پینے سے زیادہ محبوب تھا۔ میں نے اچھی تیاریاں کیں اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں صفین کا میدان تھا جہاں دونوں طرف کے لشکر دکھائی نہیں دیتے تھے۔ جب ایک طرف تکبیر کہتے تو دوسری طرف بھی تکبیر کرتی، اور جب ایک طرف اللہ اکبر کا ورد کرتی تو دوسری طرف بھی ایسا ہی ہوتا۔ میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا: میں ان دونوں میں سے کس کو کافر کہوں؟ اور کون مجھے اس پر مجبور کرتا ہے؟ آخر کار میں واپس پلٹ گیا اور انہیں چھوڑ دیا (۱۲)۔

---

(۱) تاریخ خلیفہ ص ۱۸۴-۱۸۵، اور اسے ڈاکٹر خالد الغیث نے اپنی کتاب استشہاد عثمان رضی اللہ عنہ ووقعۃ الجمل میں راجح قرار دیا ہے۔

(۲) یہ روایت نصر نے وقعہ صفین ص (۳) پر ابوالکنود وغیرہ سے نقل کی ہے، اور اسی مفہوم کے ساتھ البدایہ والنہایہ ۲۸۲/۷ میں بھی ہے۔نصر نے وقعہ صفین ص (۸۰) پر شعبی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ یکم رجب کو کوفہ میں داخل ہوئے۔

(۳) وقعہ صفین ص (۳۱۳)، اور اگلے کے بعد کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(۴) تاریخ الطبری (۳/۷۱)۔اور النخیلہ، نخلہ کی تصغیر ہے، یہ ایک مقام ہے جو کوفہ کے باہر اس کے قریب شام کی سمت میں واقع ہے۔معجم البلدان (۲۷۸/۵)۔اور السَّمت کا مطلب ہے: راستہ۔ملاحظہ ہو: لسان العرب (۴۶/۲)، مادہ: ''سمت''۔

(۵) نصر نے وقعہ صفین ص (۱۳۱) پر ابوالکنود سے روایت کیا ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نخیلہ سے شام روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے تو پانچ شوال کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔تاہم راجح یہ ہے کہ آپ شوال کے اواخر میں روانہ ہوئے، کیونکہ صفین تک کا سفر دو مہینے نہیں بلکہ ایک مہینہ کافی ہوتا ہے۔اور علی رضی اللہ عنہ صفین سن (۳۶ھ) کے اوائل ذی الحجہ میں پہنچے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

(۶) البدایہ والنہایہ (۲۸۴/۷)۔

(۷) تاریخ الطبری (۸۳/۱ ۷)۔

(۸) ملاحظہ کریں [۱۹۲]، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۹) ابومحمد الاوسی، جو قاضی اور فقیہ تھے، انہوں نے احد، خندق اور تمام میدانِ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی، پھر مصر کے فتح میں حاضر ہوئے، اس کے بعد شام تشریف لے گئے اور وہاں مقیم ہوئے۔انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے غزوہ کی قیادت کی، پھر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، اور جب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ غیر حاضر ہوتے تو ان کی جگہ حکمرانی کرتے۔آپ کا انتقال سن (۵۳ھ) میں ہوا۔سیر اعلام النبلاء (۱۱۳/۳)۔

(۱۰) تاریخ ابوزرعہ الدمشقی ص (۱۹۹)، قرائن کے لحاظ سے یہ ایک مقبول خبر ہے، اور اس کی سند وتخریج نمبر [۶۲۷] پر آئے گی۔

(۱۱) انساب الاشراف (۳۵۷/۲) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقات اور رجال الصحیح ہیں۔یہ روایت پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے [۲۷۴] اور ہم نے وہاں مرہ الطیب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔

(۱۲) الطبقات الکبریٰ (۱۱۴/۷) سند صحیح ہے۔یہ روایت پہلے [۲۷۷] پر تخریج کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے اور اس پر گفتگو بھی ہو چکی ہے۔

● تیسرا مطلب: صفین کے مقام پر دونوں لشکروں کی تعداد۔

لشکروں کی تعداد جو مورخین نے یوم صفین کے حوالے سے بیان کی ہے، اس میں بہت اختلاف اور مبالغہ آرائی (نکارت) پائی جاتی ہے، اور اس کا حال بالکل یوں ہے جیسے صفین میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا ذکر ہے، جس میں شدت سے مبالغہ کیا جاتا ہے تاکہ ایک فریق کو دوسروں پر برتری اور فتح دلائی جا سکے۔

میں ان ضعیف خبروں میں پائے جانے والے اعداد وشمار کا موازنہ اور مطالعہ کے لیے ذکر کرنے والا ہوں۔

تو ضعیف خبریں یاد کیجیے (۱):

◆ علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد مختلف اندازوں میں بتائی گئی ہے: بعض نے اسے ایک

لاکھ بیس ہزار، کچھ نے ایک لاکھ، اور کچھ نے نوے ہزار قرار دیا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر (ساٹھ ہزار) اور کہا گیا: (ستّر ہزار) تھا۔ ابن اعثم نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے گھڑسواروں اور پیادوں کی قیادت کرتے ہوئے صفین کی طرف پیش قدمی فرمائی، جن کی تعداد تقریباً تراسی ہزار تھی۔ ملک کے مختلف گوشوں سے ان کی فوج میں مزید لشکر شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ گئی (۲)۔ المسعودی نے لشکر کی تعداد پچاسی ہزار بتائی ہے، جبکہ ایک اور مقام پر انہوں نے ایک لاکھ پچاس ہزار کی بھی رقم ذکر کی ہے (۳)۔

ڈاکٹر عبدالحمید فقیہی (۴) نے صفوان بن عمرو بن ہرم السکسکی کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، مگر اس میں نکارت (۵) پائی جاتی ہے، لہٰذا یہ روایت درست نہیں ہے۔

تنقید اور تبصرہ:

خلفائے راشدین کے دور میں جب اسلامی فتوحات کی جنگیں لڑی جارہی تھیں، اس وقت لشکر کبھی ایک لاکھ یا ستر ہزار فوجیوں کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوا، حالانکہ وہ جنگیں بالکل حق پر مبنی تھیں اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑی جارہی تھیں، جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عراق سے ایک لاکھ آدمی کسی خانہ جنگی کی لڑائی کے لیے اکٹھے ہو جائیں؟! اور جب اصل فتوحات کا وقت تھا تو یہ لشکروں کی اتنی بڑی تعداد کہاں تھی؟!

اسی طرح شام کے بارے میں بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا وہاں سے ستر ہزار کا لشکر کہاں سے جمع ہو گیا؟ اور جب فتوحات کا زمانہ تھا تو یہ سب کہاں تھے؟! اس دور میں ذرا دیکھیے تو، بصرہ اور کوفہ اور ان کے نواحی علاقوں کی آبادی کتنی تھی، اور دمشق وحمص اور ان کے گردونواح میں کتنے لوگ رہتے تھے، جو وہاں سے یہ حیران کن لشکر نکال لائے جائیں جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں! تاریخی روایات اور تذکروں کی کتابوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صفین میں شریک ہونے والے دونوں فریقوں کے زیادہ تر لوگ انہی چار شہروں سے نکلے تھے۔ لہٰذا یہ جو اعداد وشمار بیان کیے جاتے ہیں، وہ درست نہیں، کیونکہ ان میں مبالغہ کیا گیا ہے اور ایسے حساب کتاب دیے گئے ہیں جو اس زمانے کی حقیقت سے میل نہیں کھاتے۔

درست بات یہ ہے کہ:

[۲۹۳] خلیفہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو الحسن، عَنْ أَبِي الْوَزير [6]، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيلَ بن مجالد، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: (شعبی نے کہا): حضرت علی رضی اللہ عنہ پچاس ہزار [7] (کے لشکر) کے ساتھ روانہ ہوئے۔

یہ تعداد جو شعبی نے بیان کی ہے، ان قرائن کے مطابق درست ہے جنہیں ہم آگے ذکر کریں گے، اور جب عراق کے لشکر کی تعداد معلوم ہو جائے تو شام کے لشکر کی تعداد جاننا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اور قرائن درج ذیل ہیں:

۱) یہ بات راجح ہے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا لشکر نہروان کے دن چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) [8] کا تھا، اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اسی تعداد کے ساتھ شام پر چڑھائی کی تیاری کر چکے تھے، جب حکمین کا معاملہ ختم ہوا۔ ان کا اسی تعداد کے ساتھ شام کا قصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ یہ تعداد شام میں فتح حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔

صفین میں شام کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) تھی، جن میں سے تقریباً پانچ ہزار (۵۰۰۰) [9] مارے گئے، کچھ زخمی ہوئے، اور بعض کے لڑائی کے حوصلے پست ہو گئے۔ چنانچہ اگر علی رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوتے تو ان کا سامنا تقریباً تیس ہزار یا اس سے کم فوج سے ہوتا، یعنی عراق کے لشکر کے لگ بھگ دوگنا لشکر سے۔ اسی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) کا لشکر فتح کے لیے کافی سمجھا۔

۲) ڈاکٹر صالح العلی نے ذکر کیا ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں دیوانُ الجند میں بصرہ اور کوفہ کے ایک لاکھ مجاہد درج تھے'' [10]، اور یہ شمار اُن مبالغہ آمیز اعداد و شمار پر مبنی ہے جو مؤرخین نے یوم صفین میں عراقی لشکر کی تعداد کے بارے میں بیان کیے ہیں [2]، اس لیے یہ اعداد و شمار درست نہیں ہیں۔

اور غالب گمان یہ ہے کہ دیوانِ جند میں تقریباً (۵۰۰۰۰) جنگجو بصرہ اور کوفہ کے شامل تھے، کیونکہ قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں عراق، مدینہ اور دیگر شہروں سے مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار

اور چند ہزار مزید ہوا کرتی تھی۔

پس اگر یومِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ اور کوفہ کے لشکر سے چالیس ہزار افراد آ ملے، اور اس طرح دس ہزار افراد ایسے باقی رہ گئے جو ملک کی حفاظت پر مامور تھے یا جو لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے، پھر دیگر شہروں سے دس ہزار مزید افراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے، تو کل تعداد پچاس ہزار بنتی تھی۔

۳) مؤرخین اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بصرہ کے قبیلہ اَزد پیچھے رہ گئے تھے، اور یہ بھی کہ اشتر کا جنگ کے لیے جوش کمزور پڑ گیا تھا، بلکہ اس نے اپنے لوگوں کو صفین میں شرکت سے قبل اچھی طرح غور کرنے کا مشورہ دے کر ان کا حوصلہ بھی ٹھنڈا کر دیا تھا(۱۲)۔

۴) یہ بات ثابت ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ اس لیے چالاکی سے بہانے بنانے لگے تاکہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین نہ جائیں،،،،

ابن سعد نے روایت کیا ہے: عَنْ خَيْثَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: (وہ بیان کرتے ہیں کہ) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے عقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ خَیثمہ کہتے ہیں: کچھ لوگ چھپ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ نکلے۔ عقبہ بن عمرو منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! جو کوئی چھپا ہوا ہے وہ سامنے آ جائے، قسم ہے میری جان کی، اگر بات کثرت کی ہے تو ہمارے ساتھی بہت زیادہ ہیں (۱۳)۔

ابن سعد نے (شعبی سے روایت کیا ہے کہ: جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس وقت کوفہ کے کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے، مگر جب علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے تو وہ ظاہر ہو گئے۔۔۔ (۱۴))۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے: (عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ: (عبد العزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں کہ): جب علی رضی اللہ عنہ صفین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن انہیں خطاب کیا اور دیکھا کہ ان کی تعداد کم ہے۔ اس پر انہوں نے کہا: اے لوگو! نکل آؤ، جو بھی نکلے گا وہ محفوظ رہے گا۔ ہم اللہ کی قسم! یہ جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ اس معاملے کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے

گریزاں ہیں، لہٰذا نکل آؤ، جو بھی نکلے گا وہ محفوظ رہے گا۔۔۔ (۱۵))

۵) تاریخی روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر، شام کے لشکر سے تعداد میں زیادہ تھا، مگر یہ زیادتی دس ہزار سے زیادہ نہ تھی، کیونکہ دونوں فوجیں قوت میں تقریباً برابر تھیں۔

۶) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا لشکر، جس کے ساتھ آپ شام کی طرف نکلے، تقریباً ستر ہزار یا اس سے زیادہ (۱۶) افراد پر مشتمل تھا۔ ان کا لشکر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس لشکر سے جو آپ کے ساتھ جنگِ صفین کے دن نکلا تھا، تعداد میں نمایاں طور پر زیادہ تھا۔ اس لیے قرینِ قیاس یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر سے تقریباً بیس ہزار کم ہو تا کہ یہ کمی واضح محسوس ہو۔

اور حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کی نمایاں کثرت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے یہ ہے کہ:

- ابن کثیر کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بارے میں یہ بیان ہے: ''وہ اس قدر بڑی تعداد میں جمع ہوئے کہ اس جیسی مثال پہلے کبھی نہ سنی گئی۔'' (۱۷)

- بخاری کی روایت: ''اللہ کی قسم! حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا استقبال ایسے لشکروں کے ساتھ کیا جو پہاڑوں کی مانند تھے۔'' (۱۸) پس عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ایسے لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنی صفوں کے سرداروں کو قتل کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' (۱۹)

✓ پس راجح بات یہ ہے کہ: صفین کے دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد تقریباً (چالیس ہزار) تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد تقریباً (پچاس ہزار) تھی۔

---

(۱) تاریخ خلیفہ ص (۱۹۳)، المعرفۃ والتاریخ (۳/۳۱۳)، مروج الذہب (۲/۲۹۲، ۳۰۶)، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۱/۳۱۰-۳۱۱)۔ اور پروفیسر ڈاکٹر اکرام ضیاء العمری نے لشکروں کی تعداد کے حوالے سے دیگر مصادر اور اقوال کا بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ کریں: عصر الخلافہ الراشدہ ص (۴۶۵-۴۶۶)۔

(۲) کتاب الفتوح لابن اعثم (۲/۵۳۸) بغیر سند کے ساتھ۔

(۳) مروج الذہب (۲/۲۹۲، ۳۰۶) بغیر سند کے ساتھ۔

(۴) خلافت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ص (۱۹۴)، نقلاً عن سیرۃ علی الصلابی [(۲/۶۳۲) کتابۃ الصحابہ، الشارقہ]۔

(۵) یعقوب بن سفیان نے المعرفہ والتاریخ میں - جیسا کہ دلائل النبوۃ للبیھقی (۶/۴۱۹) میں بھی ہے - روایت کیا (حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ): ابو یمان نے ہم سے بیان کیا، صفوان بن عمرو نے کہا: شام کے لوگ ساٹھ ہزار تھے جن میں سے بیس ہزار مارے گئے، اور عراق کے لوگ ایک لاکھ بیس ہزار تھے جن میں سے چالیس ہزار ہلاک ہوئے۔ اور اس روایت کو محقق المعرفہ والتاریخ (۳/۳۱۳) نے بھی شامل کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ منقطع ہے، صفوان نے یہ واقعہ نہیں پایا، اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے، بالخصوص لشکروں اور مقتولین کی تعداد میں مبالغہ کیا گیا ہے؛ کیونکہ مقتولین کی تعداد افسانوی اور انتہائی مبالغہ آمیز ہے، حالانکہ قتل تو زیادہ تر اہلِ شام میں ہوا تھا (دیکھیے ۹۸/۷۷۳)، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عراق کے لشکر کے مقتولین کی تعداد شام کے مقتولین سے دوگنی ہو؟!!

یہ خبر ابن کثیر نے (۶/۲۳۹) میں یعقوب سے اور (۷/۴۰۳) میں بیہقی سے یعقوب کے واسطے سے ذکر کی ہے۔ اسی سے محقق المعرفۃ والتاریخ (۳/۳۱۳) نے بھی نقل کیا ہے۔

اور اسے ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں (میرے جمع واہتمام سے: حدیث نمبر ۲۷، ۵۷) روایت کیا ہے، جیسا کہ بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۱/۲۸۰، ۱/۲۸۱، ۱/۳۱۰) میں ہے: حدّثنا ابو الیمان ۔۔۔ اور اس کی ابتداء میں ایک زیادتی ہے جو پہلے مقام پر صرف کعب الاحبار کے قول سے آئی ہے۔

(۶) عمر بن مطرف بن محمد البغدادی، جنہیں ابو الوزیر کاتب کے لقب سے جانا جاتا تھا، قبیلہ عبد القیس کے آزاد کردہ غلام تھے اور دیوان المہدی کے منتظم تھے۔ اصل میں مرو کے رہنے والے تھے۔ خلافتِ مہدی کے دور میں، جب وہ ولی عہد تھے، آپ مشرقی دیوان کے انچارج رہے۔ بعد میں مہدی کی خلافت، اور پھر ہادی ورشید کے زمانے میں بھی ان کے لیے کتابت کا کام کرتے رہے۔ اس سے پہلے منصور اور مہدی کے لیے بھی لکھتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں کتاب مفاخرة العرب ومنافرة القبائل في النسب، کتاب منازل العرب وحدودها وأين كانت محلة كل قوم وإلى أين انتقل منها، اور کتاب رسائلہ شامل ہیں۔ آپ کا انتقال ہارون الرشید کی خلافت میں سنہ ۱۸۶ھ میں ہوا، اور ایک قول کے مطابق ۱۸۸ھ میں۔ آپ کا تذکرہ الفہرست صفحہ ۱۵۹، تاریخ بغداد (۱۴/۴۰۶)، معجم الادباء یاقوت حموی (۵/۲۰۹۹، ترجمہ ۸۷۰)، ذیل تاریخ بغداد ابن النجار (۲۰/۱۲۶)، الاعلام زرکلی (۵/۶۷)، اور طبقات النسابین بکر ابو زید (۵۸، ۶۰) میں ملتا ہے۔

(۷) تاریخ خلیفہ بن خیاط صفحہ ۱۹۳ - یہ خبر اپنی قرائن کے ساتھ مقبول ہے، اور ہم اس کے قرائن متن میں ذکر کریں گے۔ یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔ ابن اسحاق، یعنی محمد بن اسحاق صاحبِ سیرت، اور اسماعیل - دونوں نے شعبی کو نہیں پایا۔ اور ابو الحسن سے مراد علی بن محمد المدائنی ہیں۔

(۸) دیکھو: صفحہ (۶۶۴)۔

(۹) دیکھو: صفحہ (۳۶۴)۔

(۱۰) امتداد العرب فی صدر الاسلام ص (۲۵)، (۲۶) نقلاً از: عصر الخلافۃ الراشدہ ص (۴۶۵-۴۶۶)۔

(۱۱) دیکھیے: عصرِ خلافتِ راشدہ، صفحہ (۶۵-۶۶)۔

(۱۲) عصرِ خلافتِ راشدہ، صفحہ (۴۶۶)۔ اور اشتر کا قول [۲۷۲] اور [۲۷۳] نمبر پر گزر چکا ہے۔

(۱۳) یہ روایت [۱۹۲] مکمل طور پر گزر چکی ہے اس کے الفاظ کی وضاحت کے ساتھ، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۱۴) دیکھیے [۱۹۳] اور اس کی سند اپنی تقویت کی بنا پر حسن ہے۔

(۱۵) دیکھیے [۱۹۴] اور یہ صحیح ہے۔

(۱۶) دیکھیے [۵۹۰]، [۵۹۱]۔

(۱۷) دیکھو: [۵۶۵]۔

(۱۸) یعنی ان کی کثرت کی وجہ سے ان کا کوئی سرا نظر نہیں آتا، جیسے پہاڑ کے سامنے کھڑے شخص کو اس کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ان کی شدید جنگی قوت ہو۔
(۱۹) دیکھیے: [۵٦٦]۔

● چوتھا مطلب: صفین کی سرزمین کا تعارف اور اس کی کیفیت:

◆ صفین: یہ ایک مقام ہے جو موجودہ ملک شام میں شہر رقہ کے قریب واقع ہے۔

یاقوت حموی نے کہا: یہ ایک مقام ہے جو رقہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے پر، رقہ اور بالِس کے درمیان واقع ہے[۱]۔

● صفین کی زمین کی نوعیت اور اس میں دریائے فرات کا پانی:

زکریا القزوینی صفین کے متعلق تفصیل کو یوں بیان کرتے ہیں:

◆ صفین ایک قدیم ویران گاؤں [۲] ہے جو رومیوں کے زمانے کی تعمیرات پر مشتمل ہے، واقع ہے رقہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے پر۔ اور اس کے ساتھ ایک گھنا جنگل ہے [۳] جو چھوٹے درختوں اور جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے [۴]۔ اور بیجد ارکھارے پانی کا چشمہ ہے، جس کی لمبائی تقریباً دو فرسخ ہے [۵](۔ ان دو فرسخوں کے درمیان پانی تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو پتھروں سے فرش کیا گیا ہے، اور باقی جگہیں کھلی زمین [٦] اور گھنے جھاڑیوں [۷] سے بھری ہوئی ہیں [۸]۔

پس وہ زمین جہاں معرکہ پیش آیا، ایک وسیع میدان تھا جسے فرات سے ایک پٹی جدا کرتی تھی، جو قدرے پُرپیچ اور دشوار گزار تھی [۹]۔ یہ پٹی اتھلے پانی کے تالابوں پر مشتمل تھی [۱۰] جن میں گھنا جنگلی درخت (غَیضَہ) اگا ہوا تھا۔ اس پٹی کی زمین نرم اور کسی قدر چکنی مٹی جیسی تھی۔ یہ پٹی فرات کے ساتھ ساتھ تقریباً دو فرسخ (یعنی تقریباً ۹٦۵۴ میٹر یا قریباً ساڑھے نو کلومیٹر) تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس پٹی میں فرات تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جو پتھروں سے بچھا ہوا تھا، اور آنے والوں کے لیے فرات تک پہنچنے کا اس سے آسان کوئی راستہ نہ تھا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی واحد راستے پر قبضہ کر لیا۔

اور گاؤں کی زمین بھی میدانِ جنگ کا ایک حصہ تھی۔

◆ اس زمین کا بیان جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اترے اور اپنے لشکر سمیت پڑاؤ کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر ایک کھلے اور وسیع میدان میں اُترا، جو چراگاہ کے لیے موزوں تھا اور پانی کے قریب واقع تھا۔ یہ جگہ دریائے فرات سے ایک ایسے پتھروں سے جَمے ہوئے راستے کے ذریعے جُڑی ہوئی تھی جو پانی تک پہنچنے کے لیے فرات کے کنارے کا سب سے آسان راستہ تھا۔

[۲۹۴] مسعودی نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے صفین پہنچ گئے اور ایک کھلے اور وسیع میدان میں لشکر اتارا، جسے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد سے قبل ہی منتخب کر لیا تھا۔ یہ جگہ ایک ایسے گھاٹ پر واقع تھی جو اس مقام پر دریائے فرات کے کنارے پانی تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام جگہیں یا تو اونچی ڈھلوانیں تھیں (۱۱) یا پھر پانی تک پہنچنے کے لیے سخت اور کٹھن (۱۲) راستے تھے (۱۳)۔

ان کے قول: [اور اس کے علاوہ اونچے میدان اور پانی تک جانے کے مقامات (راستے) دشوار گزار ہیں] سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف سے پانی تک جانے کے کچھ مقامات (راستے) موجود تو تھے، لیکن وہ پُر مشقت اور کٹھن تھے، جن کے ذریعے پانی کو لاکھوں نہیں تو کم از کم ہزاروں کی تعداد میں موجود افراد تک پہنچانا نہایت مشکل تھا۔

[۲۹۵] جہاں تک ابنِ اعثم کا بیان ہے: تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زمین کو تین اہم اوصاف سے متصف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھڑسوار اور پیدل لشکر کے ساتھ چلتے ہوئے صفین میں اترے، اس وقت ان کے ہمراہ تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) افراد تھے، اور یہ محرم کے چند دن گزر جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ انہوں نے سبقت حاصل کی: زمین کی ہمواری میں، چراگاہ کی

وسعت میں، اور دریائے فرات کی قربت میں، پس وہیں قیام کیا[۱۴])۔

[۲۹۶] امام طبری بیان کرتے ہیں: (وَحَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ يَزِيدَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ عَوْفِ بْنِ الْأَحْمَرِ، قَالَ: (وہ کہتے ہیں): جب ہم صفین میں معاویہ اور اہلِ شام کے پاس پہنچے، تو ہم نے انہیں ایک جگہ اُترے ہوئے پایا جسے انہوں نے خود منتخب کیا تھا، وہ جگہ ہموار، بچھا ہوا[۱۵] اور کشادہ تھی۔ انہوں نے پانی کے کنارے (شریعہ) پر قبضہ کر رکھا تھا، جو اس وقت ان کے اختیار میں تھا۔۔[۱۶]

[۲۹۷] نصر بن مزاحم بیان کرتے ہیں: عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، [حَدَّثَنِي][۱۷] رَجُلٌ، عَنْ أَبِي زُهَيْرِ العَبْسِيِّ، عَنْ صَالِحِ بْنِ سِنَانِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :۔۔۔۔صبح ہم روانہ ہوئے[۱۸] اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے[۱۹]، تو دیکھا کہ ابو الاعور سلمی رحمہ اللہ زمین کی ہمواری، قیام گاہ کی کشادگی، اور پانی کی شریعۃ (کنارہ) پر سبقت لے جا چکے ہیں، یہ ایک کشادہ جگہ تھی، اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقدمہ فوج کے کمانڈر[۲۰] تھے۔

◆ زمین کی وہ جگہ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اُترے، کا بیان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ ایک وسیع بیابان میں اُترے، جہاں چراگاہ کم تھی، جو دریائے فرات سے زیادہ فاصلے پر واقع تھی، اور ہمواری اور آسانی کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پڑاؤ سے کم تھی۔ اس جگہ کو دریائے فرات سے ایک پٹی حائل تھی جو دشوار گزار تھی اور جس میں اتھلے پانی کے تالاب موجود تھے، جن میں گھنا درخت اگا ہوا تھا۔ یہ پٹی نرم، کسی قدر چکنی مٹی کی سی زمین پر مشتمل تھی۔

---

(۱) مُعْجَمِ البُلْدَانِ (۳/۴۱۴)۔

(۲) البوار کا مطلب ہے: ویرانی یا خرابی۔ یعنی رومیوں نے اسے تعمیر کیا تھا، لیکن وہ قدیم زمانے میں خالی اور برباد ہوگئی۔ دیکھیے: تاج العروس (۱۰/۲۵۳) لفظ: بور۔

(۳) الغَیضة کا مطلب ہے: گھنا جنگل یا جھاڑیاں، یعنی ایسی جگہ جہاں پانی جمع ہو اور وہاں درخت اُگتے ہوں۔ جمع کے لیے الفاظ ہیں: غیاض اور اغیاض۔ دیکھیے: تاج العروس (۱۸/۴۷۳) لفظ: غیض۔

(۴) البزور کا مطلب ہے: بچے یا اولاد، اور اس سے مراد چھوٹے درخت یا جھاڑیاں ہیں۔ دیکھیے: لسان العرب (۴/۵۶) لفظ: بزر۔

(۵) فرسخ: اس کا جمع فرسخ ہے۔ یہ ایک طول کی پیمائش ہے جس کی مقدار تقریباً تین میل (۴۸۲۷ میٹر) یا (۱۸۰۰۰ فٹ) کے برابر ہوتی ہے۔ دیکھیے: معجم اللغة العربية المعاصرة (۳/۱۶۹۰)۔

(۶) عَزَب، عَازِب اور عَزِیب: اس سے مراد بیابان میں موجود دور دراز کی چراگاہ ہے جس پر نہ چرایا گیا ہو اور نہ ہی کسی نے قدم رکھا ہو۔ دیکھیے: تاج العروس (۳/۳۶۴-۲۶۵)، مادہ: عرب۔

(۷) خِلاف: یہ صفصاف کے درخت کو کہا جاتا ہے، جو عرب کے علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسے سَوجَر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں اور ان کی کئی اقسام ہیں، اور تمام اقسام ہلکی اور نازک لکڑی والی ہوتی ہیں۔ دیکھیے: لسان العرب (۹/۹۷)، مادہ: خلف۔

(۸) آثار البلاد واخبار العباد، ص (۲۱۴)۔

(۹) کٹھن راستہ: وہ راستہ جس پر چلنا دشوار ہو۔ کٹھنائی (وُعُورَة) کبھی پہاڑ کی سختی اور کھردرے پن میں ہوتی ہے، اور کبھی ریت میں دھنس جانے کی وجہ سے۔ ملاحظہ کریں: تاج العروس (۱۴/۳۶۶) مادہ: وعر۔ معجم اللغة العربية المعاصرة (۳/۲۴۶۷)۔

(۱۰) ضَحل: ایسا پانی جو زمین کی سطح پر ہو اور جس کی گہرائی نہ ہو۔ ماخذ: تاج العروس (۲۹/۳۴۱)، مادہ: ض ح ل۔

(۱۱) چھپے ہوئے نسخے میں بھی ایسا ہی ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے: خَرق ایسی زمین کو کہتے ہیں جو دور ہو، چاہے ہموار ہو یا نہ ہو۔ اور خَرق کا مطلب وسیع صحرائی میدان بھی ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں ہوا بلا رکاوٹ گزر سکتی ہے۔ اس کا جمع خُرُوق آتا ہے۔ ماخذ: لسان العرب (۱۰/۷۴)، مادہ: خرق۔

(۱۲) ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے ''الوعر'' کا معنی بیان کیا ہے۔

(۱۳) مروج الذہب (۲/۲۹۲) میں یہ عبارت ہے: یہ مقدار / حصہ: قابلِ قبول بیان ہے۔ اگلی سے متصل آنے والی خبر کو دیکھیں۔

(۱۴) کتاب الفتوح لابنِ اعثم (۲/۵۳۸) - یہ حصہ قابلِ قبول ہے سوائے لشکر کی تعداد اور محرم کے مہینے کے ذکر کے۔ مزید دیکھیں اگلا واقعہ۔

(۱۵) بِساطاً: بچھا ہوا، یعنی ہموار اور برابر کیا ہوا۔

(۱۶) تاریخ الطبری (۳/۷۶) کا یہ حصہ جو ہم نے نقل کیا ہے، قابلِ قبول خبر ہے، مگر اس کی سند کمزور ہے، اور ہم نے اس سے زمین کی جغرافیائی کیفیت کا بیان حاصل کیا ہے۔

شواہد:

یہ خبر دو اہم واقعات بیان کرتی ہے: پہلا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کی زمین پر پہنچنے میں سبقت لے گئے۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پانی پر قبضہ کرلیا، اور انہوں نے پانی پر تب ہی قبضہ کیا جب وہ عراقی لشکر سے پہلے پہنچ گئے۔ یہ واقعہ آئندہ آنے والی خبروں میں بھی بیان ہوا ہے۔

التخریج:

اسے نصر بن مزاحم نے وقعة صفین (صفحہ ۱۶۰) میں عمر بن سعد سے، اور انہوں نے یوسف بن یزید سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا

ہے۔
(۱۷) قوسینِ مربع کے درمیان والا حصہ تاریخ دمشق سے ہے۔
(۱۸) (وَصَبَحْنَا عَلَى غُدْوَةٍ) یعنی: انہوں نے صبح کے آغاز میں حملہ کیا۔ صبحنا باء کو ہلکا پڑھ کر یا اس کو مشدد پڑھ کر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔
یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مجہول کے صیغے میں ہو: ''صُبحنا''، یعنی ان پر صبح کے آغاز میں حملہ کیا گیا۔
اور ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ انہوں نے صبح کے وقت صبوح پیا، یعنی دن کے ابتدائی حصے میں پیا۔ صبوح سے مراد وہ دودھ ہے جو صبح کے وقت دوہا جائے، یا وہ مشروب جو صبح کے وقت پیا جائے، اور ظہر سے پہلے پیا جائے تو بھی اسے صبوح کہتے ہیں۔ اسی طرح صبوح ہر اس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو صبح کے وقت کھائی یا پی جائے۔ یہ غبوق (جو شام کو پیا یا کھایا جائے) کے برعکس ہے۔
پہلا معنی (یعنی صبح سویرے حملہ کرنا) زیادہ ظاہر ہے۔ (ماخذ: تاج العروس ۶/۵۱۸، مادہ: صبح)۔
(۱۹) فَسَار یعنی: مراد الاشتر النخعی ہے۔
(۲۰) وقعہ صفین، صفحہ (۱۵۵-۱۵۶) میں بیان کیا گیا یہ حصہ پچھلے کی طرح قابل قبول ہے، البتہ اس کی سند ناقص ہے، اور اس سے ہمیں زمین کی جغرافیائی کیفیت معلوم ہوئی۔
سلسلۂ سند ابوحاتم کے یہاں مختلف ہے۔ ابوحاتم نے کہا: [نضر بن صالح العبسی، جن کی کنیت ابوزہیر ہے، انہوں نے سنان بن مالک سے، اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ان سے ابومخنف نے روایت لی لیکن نضر اور سنان دونوں مجہول (نامعلوم) ہیں]۔ (الجرح والتعدیل ۸/۴۷۷)
امام ذہبی نے کہا: نضر بن صالح، سنان بن مالک سے روایت کرتے ہیں، اور وہ مجہول ہیں۔ (میزان الاعتدال ۴/۲۵۸)۔
التخریج:
اس روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت کیا ہے (میری تحقیق وجمع کے مطابق نمبر [۷۳]) - جیسا کہ تاریخ دمشق (۴۶/۵۷-۵۸) میں ہے - یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے کہا: نصر، یعنی نصر بن مزاحم، نے اسے اسی سند سے بیان کیا۔
مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۳۹۸)۔

● پانچواں مطلب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانی پر قبضہ اور اُن کا اہلِ عراق کی فوج کو پانی پینے سے روک دینا، اور اس روکنے کی حقیقت:

طویل سفر کی مشقت جب اہلِ عراق کی فوج پر غالب آ گئی تو وہ اس بات پر حیران رہ گئے کہ اہلِ شام نے پانی پر قبضہ کرلیا ہے اور انہیں پینے سے روک دیا ہے، اسی طرح وہ اس بات پر بھی حیران ہوئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرات کے قریب اُس زمین پر قبضہ کرلیا ہے جو کھلے اور وسیع میدان اور فراخ چراگاہ کی حامل تھی۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ تھے جنہوں نے پانی روکنے کا حکم دیا تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو جنگ کے بغیر عراق واپس جانے پر مجبور کر دیا جائے اور خون بہنے سے بچ جائے۔

[۲۹۸] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ، قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ قَيْسٍ، قَالَ سَمِعْتُ حُجْرَ بْنَ عَنْبَسٍ، قَالَ: صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہمارے اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشعث کے پاس پیغام بھیجو۔ چنانچہ اشعث آئے اور کہا: مجھے ابن سہر کی زرہ لاؤ- جو بنو براء کا ایک شخص تھا -تو اس زرہ کو انہوں نے پہن لیا[۱]۔ پھر وہ ان (اہل شام) کے پاس گئے اور ان سے قتال کیا یہاں تک کہ انہیں پانی سے ہٹا دیا[۲]۔

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ روکنا ایک ظاہری اور رسمی سا روک تھا، حقیقی نہیں تھا[۳]، کیونکہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی پانی روکنا چاہتے تو وہ پانی پر اپنی فوج کو مزید مضبوطی سے تعینات کرتے، پانی کا راستہ اپنے پیچھے رکھتے اور اس پر مکمل قبضہ کر لیتے، جیسا کہ جنگوں میں لشکروں کی حکمتِ عملی ہوتی ہے کہ دشمن کو محاصرہ، بھوک اور پیاس سے ختم کیا جائے، جیسے صلاح الدین ایوبی نے حطین [۴] کی لڑائی میں صلیبیوں کو پانی سے محروم کر کے پیاس سے ہلاک کیا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک چھوٹی سی جماعت بھیجی جس کی قیادت اعور سُلمی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، اور ان کا مقصد اہلِ عراق کو پیاس سے ختم کرنا نہیں بلکہ بغیر جنگ کے ان کو عراق واپس جانے پر مجبور کرنا تھا۔ اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اہلِ عراق سخت پیاس میں مبتلا ہیں اور واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، تو آپ نے پانی تک ان کی رسائی کھول دی۔ یہ سب (پانی روکنے اور پھر چھوڑ دینے کا معاملہ) دونوں لشکروں کے صفین پہنچنے کے ابتدائی دنوں میں ہوا، اور یہ ذی الحجہ کے اوائل کے دن تھے، کیونکہ کوئی لشکر چند دن بھی بغیر پانی کے سامان کے نہیں رہ سکتا۔

اور بعض روایات میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ عراقی لشکر کو پانی پینے کی اجازت دے دیں، اور یہ روایت ایک عینی شاہد نے بیان کی ہے،،،،

پہلا شاہد: ابو الصلت سلیم الحضرمی:

عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں - جیسا کہ ''تاریخ دمشق''

میں مذکور ہے- روایت کیا: **حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ قَالَ : حَدَّثَنَا صَفْوَانُ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو الصَّلْتِ سُلَيْمُ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ:** (مجھے ابو صلت سلیم حضرمی نے بیان کیا)، کہا: ہم جنگ صفین میں موجود تھے، اور ہم نے اہلِ عراق اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال رکھی تھی۔ اتنے میں ایک سوار ہمارے پاس آیا جو ایک خچر (۵) پر سوار تھا، لوہے کے خود میں پوری طرح ڈھکا ہوا۔ اس نے کہا: ''السلام علیکم''۔ ہم نے کہا: ''وعلیک'' (۶)۔ اس نے پوچھا: ''معاویہ کہاں ہیں؟'' ہم نے کہا: ''وہ سامنے ہیں''۔ وہ ان کے پاس پہنچا اور آ کر رُکا، پھر اپنا خود اتارا تو معلوم ہوا کہ وہ اشعث بن قیس کندی ہیں، ایک گنجے آدمی جن کے سر پر صرف چند بال تھے۔ انہوں نے کہا: ''اے معاویہ! اللہ سے ڈرو، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بارے میں سوچو (۷)۔ فرض کرو کہ تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا، تو پھر ان کے لشکروں اور عورتوں و بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ اور فرض کرو کہ ہم نے اہلِ شام کو قتل کر دیا، تو ان کے لشکروں اور عورتوں و بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ فرماتا ہے:

﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾

''اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' (الحجرات: ۹)

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟'' اشعث نے کہا: ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دیں۔ اللہ کی

قسم! یا تو آپ پانی تک ہمارا راستہ کھول دیں گے یا ہم اپنی تلواریں میان (۸) سے نکال کر جنگ کریں گے، یہاں تک کہ یا تو پانی تک پہنچ جائیں یا اس پر جان دے دیں"۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوالاعور عمرو بن سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا: "اے ابوعبداللہ! اپنے بھائیوں اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو"۔ ابوالاعور رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنلہ سے کہا: "ہرگز نہیں، اللہ کی قسم اے ام عبداللہ! (۹) ہم ان کے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ نہیں ہٹائیں گے۔ اے اہلِ شام! یہ موقع ہے (۱۰)، اللہ نے تمہیں ان پر قابو دے دیا ہے"۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا، یہاں تک کہ ابوالاعور رحمہ اللہ نے راستہ چھوڑ دیا اور پانی تک رسائی دے دی۔ اس کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا کہ دونوں کے درمیان صلح ہوگئی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ شام لوٹ گئے اور علی رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے ساتھ عراق واپس چلے گئے (۱۱)۔

[۳۰۰] ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس روایت کو ذکر کیا ہے: أَبُو الْمُغِيرَةِ الخَوْلَانِيُّ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنِي أَبُو الصَّلْتِ الحَضْرَمِيُّ قَالَ: ابوالمغیرہ الخولانی بیان کرتے ہیں: ہمیں صفوان بن عمرو نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا کہ مجھے ابوالصلت حضرمی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں: ہم نے اہلِ عراق اور پانی کے درمیان حائل ہو کر پانی پر قبضہ کر رکھا تھا کہ ایک سوار ہمارے پاس آیا، پھر اس نے اپنا چہرہ کھولا تو دیکھا کہ وہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہے۔ اس نے کہا: اے معاویہ! اللہ کا خوف کرو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بارے میں۔ فرض کرو کہ تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا، تو لشکروں اور عورتوں و بچوں کا سہارا کون ہوگا؟ یا یہ فرض کر لو کہ ہم

نے تمہیں قتل کر دیا، تو لشکروں اور عورتوں و بچوں کا سہارا کون دے گا؟ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو“۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوالاعور رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنے ان بھائیوں اور پانی کے درمیان رکاوٹ کو ختم کر دو(۱۲)۔

دوسرا شاہد: ابوحفصہ حُبَیش بن شُریح الحَبَشی:

[۳۰۱] طبرانی نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وُهَيْبٍ** (۱۳)، **حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي السَّرِي** (۱۴)، **حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ** (۱۵)، **عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمَلَةَ** (۱۶)، **عَنْ أَبِي حَفْصَةَ الْحَبَشِيِّ** (۱۷) **قَالَ**: (وہ کہتے ہیں): میں نے صفین میں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ آئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کھڑے ہوئے اور کہا: اے معاویہ! ہمارے اور پانی کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دو۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، اے ابومحمد! کیا ہم تمہارے لیے کوئی مشروب نہ منگوا دیں؟ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ستو کا مشروب منگوایا، تو وہ پی کر واپس چلے گئے(۱۸)۔

یہ دونوں واقعات اس بات کی نفی نہیں کرتے کہ پانی پر لڑائی ہوئی تھی، بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ اشعث رضی اللہ عنہ اور ابوالاعور سلمی رحمہ اللہ کے درمیان کچھ مناقشہ اور تکرار پیش آئی جو تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ اشعث رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ معاملہ پانی پر جنگ تک پہنچ جائے، چنانچہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عراقی لشکر کا پیچھے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں، تو انہوں نے ابوالاعور سلمی سے کہا: (ہمارے بھائیوں اور پانی کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔) اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے

اشعث رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی اور ان کے لیے ستو کا مشروب منگوایا، جسے انہوں نے پیا اور پھر پانی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر اشعث رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ابوالاعور کے لشکر سے لڑائی کی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ابوالاعور کے سپاہی بتدریج پیچھے ہٹ گئے اور پانی کا راستہ عراقی لشکر کے لیے چھوڑ دیا۔ اس پر محمد بن مخنف کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے: (ہم نے ان سے کچھ دیر لڑائی کی، پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے لیے پانی کا راستہ چھوڑ دیا)۔

اور محمد بن مخنف نے - جیسا کہ انہوں نے خود پوری داستان میں اپنے بارے میں بیان کیا - پانی پر ہونے والی لڑائی میں شرکت کی تھی، اسی لیے انہوں نے لشکرِ شام کے پیچھے ہٹنے کو زبردستی نہیں بلکہ اپنی مرضی سے قرار دیا۔

رہا حُجر بن عَنبس کا یہ قول کہ ''اشعث رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑائی کی یہاں تک کہ انہیں پانی سے ہٹا دیا''(۱۹)، تو یہ ابتدائی طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صفین میں موجود تھے، لیکن انہوں نے پانی پر ہونے والی لڑائی نہیں دیکھی۔ وہ صرف وہی بات روایت کر رہے ہیں جو ان کے علم تک پہنچی، اور انہیں اشعث رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا علم نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ظاہرِ حال کی بنیاد پر یہ گمان کیا کہ لشکرِ شام کو پانی سے زبردستی ہٹایا گیا، نہ کہ یہ کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے پیچھے ہٹے۔

اشعث رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اس وجہ سے تھا کہ یہ علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ہوا، جیسا کہ اس خبر سے واضح ہے: ''صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہمارے اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے، تو انہوں نے فرمایا: اشعث کو بھیجو(۲۰)۔''

ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا دراصل ان خط وکتابت میں شامل تھا جو دونوں لشکروں کے درمیان صلح کی امید میں جاری تھی، اور پانی پر صلح کے معاملے میں ان کے درمیان تیزی سے بات چیت ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک دوسرے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ صرف بیعت لینا چاہتے تھے، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ صرف امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا چاہتے تھے۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں: کہ فریقین کے درمیان پہلا معاہدہ پانی پر صلح کا تھا، پھر دوسرا معاہدہ

ہوا جو کہ پورے محرم کے مہینے تک کے لیے صلح (جنگ بندی) تھا۔

---

(۱) (فَصَبَّهَا عَلَيْهِ) یعنی: اس نے اسے پہنا۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۱۰)، اس کی سند حسن ہے۔

التخریج:

اسے خلیفہ نے اپنی تاریخ صفحہ (۱۹۳) میں مختصراً الفضل بن دکین سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۳) اور یہی بات محب الدین الخطیب نے اپنی کتاب ''العواصم من القواصم'' کے صفحہ ۱۷۵ پر اپنے تعلیق میں مؤکد کی ہے۔ پھر محب الدین الخطیب نے پانی روکنے کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی، اور وہ یہ کہ اہلِ شام رضی اللہ عنہم یہ چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ہولناک واقعے کی یاد دلائیں، جب اُنہیں پانی سے محروم کر دیا گیا تھا اور وہ سخت پیاس سے تڑپے تھے۔ اہلِ شام رضی اللہ عنہم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو اس بات کی یاددہانی کرائی جائے کہ ان مجرموں سے جلد بدلہ لینا کس قدر ضروری ہے۔

(۴) صلاح الدین الایوبی لعلی الصلابی ص (۴۶۰-۴۶۱)۔

(۵) البِرْذَوْن: یہ لفظ غیر عربی گھوڑوں اور خچروں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کا جمع بَرَاذِین ہے، اور زیادہ تر یہ روم (بازنطینی علاقوں) سے لائے جاتے تھے۔ یہ اپنے بڑے جسم، مضبوط ٹانگوں، متکبرانہ چال، بھاری بوجھ اٹھانے کی صلاحیت اور کٹھن جگہوں پر چلنے کی قدرت کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، اور اس زمانے میں ایک شاندار سواری تصور کیے جاتے تھے۔ ملاحظہ کریں: لسان العرب (۱۳/۵۱) مادہ: برذن، فتح الباری (۶/۶۷)۔

(۶) سلام کا جواب اس انداز میں دینا (وَعَلَيْكَ) یا (وَعَلَيْكُمْ)، بغیر اس کے کہ اس کے بعد لفظ ''السلام'' کا اضافہ کیا جائے – یہ جائز امر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے:

بخاری نے الادب المفرد (۱۰۳۵) میں – اور یہ الفاظ اسی کے ہیں – اور مسلم نے اپنی صحیح (۷/۱۵۴) میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: (میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، اور میں پہلا شخص تھا جس نے آپ کو اسلام کی سلامتی کے الفاظ سے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَعَلَيْكَ، وَرَحْمَةُ اللهِ (تم پر بھی اور اللہ کی رحمت ہو)۔ پھر پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا: غِفار قبیلے کا۔) اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں: (میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ۔۔۔)

اسی طرح بخاری نے الادب المفرد (۱۰۳۳) میں بھی حضرت ابو جمرہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے: (میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سنا کہ جب ان پر سلام کیا جاتا تو وہ کہتے: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ)۔ اس روایت کو ابن حجر اور البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کریں: فتح الباری (۱۱/۳۷)۔

(۷) هَبْ یعنی: فرض کرو۔ مطلب یہ ہے: تو فرض کرلو کہ تم نے اہلِ عراق کو قتل کر دیا، تو پھر کون لشکر کشی اور جہاد کا کام کرے گا؟ اور کون بچوں اور عورتوں کی کفالت کرے گا؟

(۸) لَنَضَعَنَّ أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا ایک کنایہ ہے جو جنگ میں پوری سنجیدگی اور عزم و ہمت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ (فتح الباری ۱۳/۲۸۸)۔

(۹) (يَا أُمَّ عَبْدِ اللهِ) میں ماں کا ذکر کرنے سے مقصد یہ تھا کہ اس سے اس بات کو دور اور ناممکن ظاہر کرے جو اس سے طلب کی گئی تھی، گویا وہ کہہ رہا ہو: (یہ کہاں ممکن ہے کہ وہ پانی پئیں!)۔

(۱۰) یعنی: اے اہلِ شام! موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں پیاس سے مار ڈالو، کیونکہ اللہ ہی ہے جس نے انہیں پیاس کے ذریعے ہلاک

کیا ہے۔ اور عَقر کا اصل مطلب یہ ہے کہ اونٹ یا بکری کی پنڈلیوں پر تلوار سے ضرب لگانا جب وہ کھڑا ہو، اور عَقِیرۃ اس شکار یا کسی اور چیز کو کہا جاتا ہے جسے تم نے زمین پر گرا کر ذبح یا قتل کیا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ کی کسی حد کے نفاذ کے باعث قتل ہو، اسے عَقِیرۃُ اللہ کہا جاتا ہے۔ حوالہ: المحلی بالآثار لابن حزم (۱۲/۳۷)، تاج العروس (۱۳/۱۰۲)، مادہ: عقر۔

(۱۱) تاریخِ دمشق (۹/۱۳۸-۱۳۷) - اس کی سند متابعات میں حسن ہے، اس کے راوی سب ثقہ ہیں سوائے ابو الصلت سلیم حضرمی شامی کے، جو تابعی تھے، جنگِ صفین میں شریک ہوئے اور اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان کے بارے میں سکوت کیا ہے، البتہ یہ روایت انہوں نے اکیلے بیان نہیں کی، بلکہ ان کی متابعت ایک اور عینی شاہد نے کی ہے، جسے طبرانی نے الزیادات میں ذکر کیا ہے، اور وہ ہیں ابو حفصہ حبشی۔

ابو الصلت کا تعارف: التاریخ الکبیر (۴/۹۴)، الجرح والتعدیل (۴/۲۱۲)، تاریخ دمشق (۲۲/۲۸۳)، اور مختصر تاریخ دمشق (۱۰/۲۰۴) میں آیا ہے۔ امام بخاری نے کہا: ابو الصلت، عیسیٰ بن معمر کے دادا ہیں، جو کعب سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں: صفوان، ابو المغیرہ الخولانی شامل ہیں۔

ابو المغیرہ کا نام عبد القدوس بن الحجاج ہے، اور صفوان بن عمرو کا پورا نام ابو عمرو السکسکی الحمصی ہے۔

التخریج:

اسے ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (۴/۱۹۱۳) میں روایت کیا ہے، اور المزی نے تہذیب الکمال (۳/۲۹۲) میں اسے عبد اللہ بن احمد بن حنبل کی کتاب صفین سے، ان کے والد کے واسطے سے، ابو المغیرہ سے نقل کیا ہے، بسند مذکور۔ یہ روایت مختصر تاریخ دمشق (۴/۴۱۵) میں بھی موجود ہے۔

اسی کو الدولابی نے الکنی والاسماء (۱/۴۵) (۲/۶۶۳) میں روایت کیا ہے، اور ان کے طریق سے ابن عساکر نے (۲۲/۲۸۳) میں، عمران بن بکار کلاعی کے واسطے سے، ابو المغیرہ سے نقل کیا ہے، بسند مذکور۔ پھر ابن عساکر نے کہا: ''اسے نسائی نے عمران بن بکار سے روایت کیا ہے...''

اسی کو ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ، حصۂ متمم، طبقہ چہارم، صفحہ (۶۸۱-۶۸۲) میں اس طرح ذکر کیا ہے: مجھے ابو الیمان الحمصی نے صفوان بن عمرو سے خبر دی، اسی کے ہم معنی الفاظ میں۔ نیز اگلی دو روایات کو بھی ملاحظہ کریں۔

(۱۲) سیر اعلام النبلاء (۲/۴۱) - پہلے کی طرح یہ روایت حسن ہے، اور یہ سند معلق ہے۔

(۱۳) عبد اللہ بن وہیب (اور کہا جاتا ہے: عبد اللہ بن محمد بن وہیب) بن عبد الرحمن بن عمر بن حفص، کنیت ابو العباس، الجُذامی الغزّی، طبرانی کے شیوخ میں سے ہیں۔ طبرانی نے اپنی معاجم میں ان سے روایت کی ہے، اور ابن عدی نے بھی ان سے روایت کی، لیکن اپنی کتاب الکامل میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عدی نے اپنی مقدمہ میں کہا ہے: [میں اپنی اس کتاب میں ہر اس شخص کا ذکر کروں گا جس کے بارے میں کسی قسم کی کمزوری کا ذکر کیا گیا ہو، یا جن کے بارے میں اختلاف ہو کہ بعض نے جرح کی اور بعض نے تعدیل، اور میں اپنی علم کی حد تک ان میں سے کسی ایک قول کو بغیر کسی جانبداری کے ترجیح دوں گا۔ اور جو رواۃ اس کتاب میں ذکر نہ ہوں گے، وہ یا تو ثقہ ہوں گے یا صدوق، چاہے ان پر کسی خاص رجحان (ہَوٰی) کا الزام ہو، مگر وہ اس میں متاوّل ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنی اس کتاب کو مکمل طور پر بھر دوں گا اور اس کے دیکھنے والے کو تشفی دوں گا، اور اس میں وہ چیز بھی شامل کروں گا جو اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے کسی نے ذکر نہیں کی۔ میں نے اس کا نام رکھا: الکامل فی ضعفاء الرجال۔] (الکامل فی الضعفاء ۱/۷۸-۷۹، اختصار کے ساتھ)۔

الضیاء نے بھی اپنی المختارہ (۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۲۲۷۷، طبع ابن دہیش) میں ان سے روایت کی ہے، اور عبد الملک بن دہیش نے پہلی جگہ پر حاشیہ میں کہا: [عبد اللہ بن وہیب، میں ان پر واقف نہیں ہوا، مگر وہ طبرانی کے ان شیوخ میں سے ہیں جن پر ''المیزان'' میں کوئی جرح نہیں کی گئی، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ یا تو ثقہ ہیں یا صدوق۔]

انہیں ابن ماکولا نے الاکمال میں اور سمعانی نے الانساب میں ذکر کیا ہے، اور دونوں نے ان پر نہ جرح کی نہ تعدیل۔
جبکہ ابوالحسن السلیمانی نے اپنی کتاب ارشاد القاصی والدانی کے خلاصے میں کہا: [مجهول الحال]۔ میں کہتا ہوں: وہ اس درجے تک نہیں گرتے، ابن عدی نے ان کے حال کو مجہول قرار نہیں دیا، اور ان سے الضیاء نے روایت کی ہے، لہٰذا وہ ان شاءاللہ صدوق ہیں۔
مزید مراجع: الاکمال لابن ماکولا ۷/۱۱۲، الانساب للسمعانی ۴/۲۹۳، تاریخ دمشق ۳۳/۲/۴۷۳، تاریخ الاسلام ۲۳/۶۹، مختصر تاریخ دمشق ۱۴/۹۲، تراجم رجال الدارقطنی فی سننه لمقبل الوادعی ص ۶۷، ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی ص ۶۱۸، الفرائد علی مجمع الزوائد، اور ترجمۃ الرواۃ الذین لم یعرفهم الحافظ الہیثمی ص ۱۶۲۔
(۱۴) محمد بن ابی السری متوکل العسقلانی کے بارے میں: ابن معین اور ذہبی نے انہیں ثقہ کہا، جبکہ ابو حاتم نے فرمایا: ان کی حدیث میں نرمی (کمزوری) ہے۔ ابن حجر نے کہا: یہ صدوق اور فنِ حدیث کے ماہر تھے، مگر ان سے بہت زیادہ وہم (غلطیاں) واقع ہوئی ہیں۔ تاہم علی بن القطان نے کہا: [یہ ثقہ اور حافظ تھے، لیکن کثرتِ محفوظات (بہت زیادہ احادیث یاد ہونے) کی وجہ سے ان پر کچھ وہم لازم آ گئے، جنہیں زیادہ وہم شمار نہیں کیا گیا، بلکہ یہ کسی جلیل القدر شخص پر گنی جانے والی چند خامیاں اور کسی فاضل پر شمار کی جانے والی چند لغزشیں ہیں۔] (بیان الوہم والایہام ۵/۲۱۸)
کتاب تحریر التقریب میں آیا ہے: [بلکہ یہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں، اور صرف اپنے وہموں کی وجہ سے اس درجے تک نیچے آئے، ورنہ ابن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے اور ابوداؤد نے ان سے روایت کی ہے، اور وہ (ابوداؤد) صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے الثقات میں کہا: ''یہ حفاظ میں سے تھے۔'' ذہبی نے کہا: ثقہ ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: ''حدیث میں نرمی ہے''۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ابو حاتم اور ابو زرعہ رازی دونوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ کثیر الغلط (زیادہ غلطی کرنے والے) تھے۔ مسلمہ بن قاسم نے کہا: یہ کثرتِ وہم کے شکار تھے، لیکن کوئی حرج کی بات نہ تھی]۔
مزید مراجع: الجرح والتعدیل ۸/۱۰۵، من تکلم فیه وهو موثق ص ۳۱۴، دیوان الضعفاء (۳۹۵۱)، اکمال تہذیب الکمال ۱۰/۳۲۸، التقریب (۶۲۶۳)۔
(۱۵) ضمرہ بن ربیعہ، ابوعبداللہ رَملی: صدوق ہیں، کبھی کبھار وہم (غلطی) کر جاتے ہیں۔ (التقریب ۲۹۸۸)
(۱۶) علی بن ابی حملۃ، جن کا نام سعید اور کنیت ابونصر القرشی مولاہم ہے: امام احمد نے کہا، ثقہ ہیں اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ عجلی نے کہا، شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے المشاہیر میں کہا، مضبوط حافظے والے لوگوں میں سے ہیں۔ مراجع: العلل ومعرفة الرجال (۴۳۱۳) روایت عبداللہ بن احمد، ثقات العجلی (۱۲۹۲)، مشاہیر علماء الامصار (۱۴۳۲)، الثقات (۱۲۹۲)۔
(۱۷) یہ حُبَیس بن شریح ہیں۔ عجلی نے کہا: شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا، اسی طرح ابن خلفون نے بھی اپنی الثقات میں ذکر کیا۔ ابن حجر نے کہا: مقبول ہیں۔ ابو داؤد نے ان سے روایت کی ہے۔ مراجع: ثقات العجلی (۲۱۲۱)، ثقات ابن حبان (۴/۱۹۰)، اکمال مغلطای (۳/۳۸۴)، التقریب (۱۱۱۶)۔
(۱۸) کتاب الجود والسخاء للطبرانی کی الزیادات (۴۰)۔ اس کی سند متابعت کی وجہ سے حسن ہے، اور پچھلی دو روایات کو بھی ملاحظہ کریں۔
(۱۹) دیکھو: [۲۹۸]۔
(۲۰) دیکھو: [۲۹۸]۔

● چھٹا مطلب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پانی کے بارے میں موقف جب اہل شام اس پر قابض ہو گئے:

جب لشکرِ شام پانی سے پیچھے ہٹ گیا اور اس کی جگہ لشکرِ عراق آ گیا تو پانی پر عملی قبضہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اہلِ شام کو پانی پینے کی اجازت دیں، چنانچہ دونوں لشکر پانی کے گھاٹ پر بھیڑ لگاتے لیکن نہ ایک دوسرے کو تکلیف دیتے اور نہ ہی روکتے (۱)۔

[۳۰۲] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ** (۲): اس سے جس نے اسے بیان کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا: جب میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تو وہ مجھ سے پہلے پانی پر قابض ہو گئے، تو میں نے کہا (۳): ''انہیں چھوڑ دو، کیونکہ پانی کو روکا نہیں جاتا (۴)۔''

[۳۰۳] اور طبری نے پانی پر ہونے والی لڑائی کے بارے میں ایک خبر ابو مخنف کی سند سے روایت کی ہے، اور اس میں یہ ہے کہ محمد بن مخنف (۵) - جو صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے - نے کہا: (تو ہم نے ان سے کچھ دیر لڑائی کی، پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے لیے پانی چھوڑ دیا، اور شام ہونے تک ہم نے دیکھا کہ ہمارے پانی بھرنے والے اور ان کے پانی بھرنے والے کنارے پر ازدحام کر رہے ہیں، اور کوئی شخص کسی کو اذیت نہیں دے رہا تھا (۶))۔

[۳۰۴] اور ابنِ اثیر نے بھی اس کے ہم معنی بات ذکر کی ہے، اور اس میں یہ الفاظ ہیں: ''پس علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجا کہ پانی سے اپنی ضرورت پوری کر لو اور ان (اہلِ شام) کو اس سے آزاد چھوڑ دو (۷)۔''

اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام سے پانی نہیں روکا، اور ان میں سے کسی نے اس کے خلاف کوئی بات نقل نہیں کی۔ اس واقعے میں اس بات کی وضاحت ہے

جو اس وقت پیش آئی جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کی طرف سے یہ احکام جاری ہوئے کہ دونوں لشکروں کے لیے پانی روکنا نہیں ہے۔ چنانچہ معاملہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ طبری نے یہاں روایت کیا ہے: ''ہم نے دیکھا کہ ہمارے پانی پلانے والے اور ان کے پانی پلانے والے نہر پر ازدحام کر رہے تھے اور کوئی شخص کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہا تھا(۸)۔''

یہ وہ بات ہے جو ہمارے پاس موجود ذرائع سے واقعۂ قتال برسرِ آب (پانی پر لڑائی) کے بارے میں صحیح ثابت ہوئی ہے۔ پھر طبری نے پانی پر لڑائی کے بارے میں چھ روایات ذکر کی ہیں (۹)، اور یہ سب کی سب ابومخنف سے مروی ہیں۔ ان کی روایات میں گالی گلوچ کے الفاظ شامل ہیں، اور اسی طرح نصر بن مزاحم نے بھی اپنی کتاب وقعہ صفین میں ان کو روایت کیا ہے (۱۰)، جو کہ ابومخنف کی ہی روایات ہیں، جن میں صحابہ پر طعن موجود ہے۔ ابومخنف اور نصر- دونوں متہم ہیں۔

---

(۱) دیکھو: البدایہ والنہایہ (۲۸۵/۷)۔

(۲) کہنے والا: وہ نامعلوم راوی ہے جو عینی شاہد ہے، اور وہ علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔

(۳) یعنی: جب علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ پانی پر سبقت لے گئے، پھر جب علی رضی اللہ عنہ پانی پر قابض ہو گئے تو انہوں نے کہا۔۔۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۰۵)- یہ خبر مقبول ہے، اس کا ابتدائی حصہ اپنی شواہد کی بنا پر اور آخری حصہ اپنے قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے، البتہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ راوی مجہول ہے۔ معاویہ بن ہشام: ابوالحسن القصّار، مولیٰ بنی اسد، صدوق ہیں لیکن ان سے وہم بھی ہوئے ہیں۔ ابن ابی ذئب: محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب، ابوالحارث العامری، ثقہ ہیں۔

شواہد:

جہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ کے پانی پر سبقت لے جانے کا تعلق ہے تو اس کی تائید اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوتی ہے [۲۹۹][۳۰۰][۳۰۱]۔ اور جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کو پانی پر آنے کی اجازت دینے کا تعلق ہے، تو اس پر قرینہ یہ ہے کہ تمام تاریخی مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پانی سے نہیں روکا۔

(۵) مجہول۔ ملاحظہ کریں: میزان الاعتدال (۳۲/۴)، لسان المیزان (۳۷۵/۵)۔

(۶) تاریخ الطبری (۷۵/۳)- وہ حصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اپنی قرائن کی بنا پر قابلِ قبول ہے۔ ملاحظہ کریں: پچھلی خبر۔

التخریج:

اسے نصر نے وقعۃ صفین صفحہ (۱۸۴) میں ابومخنف کے طریق سے روایت کیا ہے، اور یہ خبر البدایہ والنہایہ (۲۸۵/۷) میں بھی موجود ہے۔ نیز دیکھیں: سیرۃ علی رضی اللہ عنہ از صلابی، صفحہ (۴۸۶)۔

(۷) الکامل فی التاریخ (۱۶۷/۳)- وہ حصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اپنی قرائن کی بنا پر پچھلی کی طرح قابلِ قبول ہے۔ اور ابن اثیر نے اسے ابومخنف کی روایت سے، جو طبری (۷۶/۳) میں ہے، نقل کیا ہے۔

(۸) دیکھو: [۳۰۳]۔

(۹) تاریخ الطبری (۳/ ۷۴-۷۶)۔

(۱۰) ص (۱۵۷، ۱۶۱، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۳)

تیسرا مبحث: علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے لشکر اور ان کے پیروکاروں پر قنوت (بددعا) کرنا

یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے صفین کی لڑائی کے دوران اہلِ شام کے لشکر اور ان کے پیروکاروں پر قنوت (بددعا) کی، یعنی صرف حالتِ جنگ میں۔ پھر جنگ کے بعد ان پر قنوت کرنا ترک کر دیا اور ان کے ساتھ عملی حل اختیار کیے، جیسے کہ تحکیم۔

[۳۰۵] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ الْهَمْدَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ، قَالَ:** (انہوں نے کہا): جب علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر میں قنوت کیا تو لوگوں نے اس پر نکیر کی، تو انہوں نے فرمایا: ''ہم نے تو صرف اپنے دشمن پر مدد طلب کی ہے(۱)۔''

[۳۰۶] اور امام طبری نے تہذیب الآثار میں روایت نقل کی: **حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ بَشِيرٍ، عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْقُنُوتِ فِي الْفَجْرِ، فَقَالَ:** (انہوں نے کہا): ہر نماز میں قنوت کیا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا: میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ کس طرف ہے، یعنی علی رضی اللہ عنہ قنوت میں اپنے دشمن کے خلاف دعا کرتے تھے۔ تو شعبی نے کہا: انہوں نے قنوت اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ ایک فریق نے دوسرے کے خلاف دعا نہ کی(۲)۔

اور فجر، مغرب اور عشاء میں اُن (اہل شام) پر علی رضی اللہ عنہ کے قنوت کی خبر عبدالرحمٰن بن معقل نے روایت کی، اور اس کو اُن سے تین ثقہ راویوں نے بیان کیا۔

[۳۰۷] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ قَالَ:** (انہوں نے کہا): میں نے علی رضی اللہ

عنہ کے ساتھ صبح کی نماز (۳) پڑھی، تو انہوں نے قنوت کیا، اور اپنے قنوت میں کہا:

''اے اللہ! تو معاویہ اوراس کے ساتھیوں پر، عمرو بن عاص اوراس کے ساتھیوں پر، ابو الاعور سلمی اور اس کے ساتھیوں پر، اور عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں پر (عذاب نازل فرما (۴))۔''

ان کے قول (اور عبداللہ بن قیس اوراس کے ساتھی) میں: عبداللہ بن قیس سے مراد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ ایک شاذ (غیر معمولی) اضافہ ہے جس میں ہشیم نے اکیلے روایت کی ہے حُصین سے، اور حُصین نے عبدالرحمن بن معقل سے، جبکہ ابن معقل سے روایت کرنے والے باقی راویوں نے اس اضافہ کا ذکر نہیں کیا۔

اور تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے،،،

تو پھر علی رضی اللہ عنہ کسی ایسے شخص کے خلاف کیسے بد دعا کر سکتے ہیں جس نے میدانِ جنگ میں ان سے قتال ہی نہیں کیا؟ حالانکہ قنوت صرف باغیوں کے خلاف مشروع ہے، نہ کہ ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے اپنے ہاتھ روکے رکھے ہوں۔

اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تو زمانۂ فتنہ میں کوئی ساتھی ہی نہیں تھے، سوائے اس کے کہ مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے ان کی بات مان کر فتنہ میں داخل ہونے سے ہاتھ روک لیا، تو ایسے کنارہ کش لوگوں پر قنوت مشروع نہیں، بلکہ قنوت تو باغیوں پر ہی کیا جاتا ہے۔

اور علی رضی اللہ عنہ ان پر بد دعا کیسے کریں گے اور ان کا لشکر پیچھے سے آمین کہے گا، پھر چند ہی دن بعد وہ اور ان کا لشکر انہیں ایک نہایت اہم اور سنگین معاملے - یعنی ''تحکیم'' - میں اپنا نمائندہ منتخب کریں گے؟!!

اور اگر علی رضی اللہ عنہ اس فتنہ میں لوگوں پر حقیقت کو واضح کرنا چاہتے تو وہ یا تو ایک غیر جانبدار شخص یا اپنے پیروکاروں میں سے کسی کو منتخب کرتے تاکہ حقیقت سامنے آجائے اور وہ مقدمہ جیت سکیں، نہ کہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس کا نام قنوت میں باغیوں کے ساتھ لیا گیا ہو، اور جسے ان کا لشکر نمازوں میں سنتا اور اس پر آمین کہتا رہا ہو۔

یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے: جو شخص حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتا ہو، وہ کسی ایسے آدمی کو نہیں چنتا

جو غلط رائے رکھتا ہوتا کہ اس کے پیچھے سے حق واضح ہو، کیونکہ حق سے حق ہی نکلتا ہے اور غلطی سے غلطی ہی جنم لیتی ہے۔

یوں اس بات کا واضح ہونا ہے کہ یہ اضافہ شاذ (غیر معمولی اور منفرد) ہے، اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو اس کی ایک توجیہ ہے جس کا ذکر آگے آئے گا(۵)۔

[۳۰۸] اور یعقوب بن سفیان نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: ثنا شُعْبَةُ، عَنْ عُبَيْدٍ أَبِي الْحَسَنِ، سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَعْقِلٍ يَقُولُ:** (کو یہ کہتے ہوئے سنا): میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا جب انہوں نے عشاء(۶) کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت کیا، اور اپنے قنوت میں پانچ آدمیوں پر بددعا کی، جن میں معاویہ اور ابوالاعور شامل تھے(۷)۔

[۳۰۹] اور امام ابوبکر ابن المنذر نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ** (سے روایت کیا کہ): حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نمازِ مغرب میں قنوت پڑھا، پس انہوں نے کچھ مخصوص لوگوں اور ان کے پیروکاروں کے خلاف دعا کی، اور یہ قنوت رکعت کے بعد پڑھا(۸)۔

اس بات پر دلائل کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد اہلِ شام کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں پر قنوت (بددعا) کرنا ترک کر دیا تھا:

[۳۱۰] امام احمد نے روایت کیا: **حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مَالِكٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي:** اے ابا جان! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے یہاں کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی ہے، کیا وہ قنوت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ”اے بیٹے! یہ تو بعد میں پیدا کی گئی چیز

ہے(۹)۔"

[۳۱۱] نسائی نے اسے روایت کیا: أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ خَلَفٍ وَهُوَ ابْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: (انہوں نے کہا): "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے قنوت نہیں کیا، میں نے ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں کیا، میں نے عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں کیا، میں نے عثمان کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں کیا، اور میں نے علی کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بھی قنوت نہیں کیا۔" پھر انہوں نے کہا: "اے میرے بیٹے! یہ بدعت ہے(۱۰)۔"

ان کے اس قول: اور تم نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے یہاں کوفہ میں قریباً پانچ سال نماز پڑھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کوفہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام پر قنوت نہیں کیا، بلکہ انہوں نے صرف صفین کی سرزمین میں، جنگ کے زمانے میں، قنوت کیا تھا۔ کیونکہ اگر انہوں نے کوفہ میں قنوت کیا ہوتا تو اہلِ کوفہ نے اسے سنا اور نقل کیا ہوتا۔ لیکن طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے کوفہ میں قریباً پانچ سال نماز پڑھی اور کبھی بھی انہیں کوفہ کے اندر قنوت کرتے نہیں سنا۔

اور چونکہ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرض نماز میں قنوت کرتے کبھی نہیں سنا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ صفین میں موجود نہیں تھے، کیونکہ قنوت تو صرف صفین کی سرزمین میں ہوا تھا۔

اور یہ عبارت: (اور عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں پر......) ہم اس کے شاذ ہونے کو پہلے واضح کر چکے ہیں(۱۱)، اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قنوت صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں پیش نہیں آیا۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے نمائندے کی حیثیت سے حکم مقرر کیا تھا، اور اس وقت امت دونوں حکمین کی ملاقات کے انتظار میں تھی، تو ایسی صورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان پر بددعا کیسے کر سکتے تھے، جب کہ وہ

خود انہیں مقرر کر چکے تھے؟

اور جہاں تک دونوں حکمین رضی اللہ عنہما کے جدا ہونے کے بعد کا معاملہ ہے تو کوفہ میں ہلچل مچ گئی۔ خوارج نے لوگوں کے اندر جوش بھڑکا دیا اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے قتال کے لیے نہروان میں جمع ہونے لگے۔ انہوں نے یہ اجتماع اُس وقت سے شروع کر دیا تھا جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کے لیے روانہ ہوئے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کی ابتداء نہیں کی، بلکہ انہیں (اطاعت میں واپس آنے) اور (اہلِ شام کے خلاف دوبارہ مقابلہ کرنے) کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، سوائے اس صورت کے کہ وہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دیں اور توبہ کریں۔ پھر خوارج نے لوگوں کے خون اور مال پر حملے شروع کر دیے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ ان کے قتال کے لیے نہروان کی طرف نکلے اور ان کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے شام کے معاملے کے لیے فارغ نہ ہو سکے۔

اس زمانے کی سیاسی صورتِ حال [۱۲] کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اہلِ شام کے معاملے سے ہٹ کر خوارج کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے تھے، تو بہتر یہی ہوتا - اگر حکمین کے جدا ہونے کے بعد کوئی قنوت ہوتا - کہ وہ خوارج کے خلاف ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اس طرح حکمین رضی اللہ عنہما کے جدا ہونے کے بعد صورتِ حال نہروان تک بڑی مضطرب رہی۔ لیکن نہروان کے بعد، حضرت علی رضی اللہ عنہ بار بار اہلِ کوفہ کے لیے بددعا کرتے رہے، ان کی نافرمانی اور ضد کی وجہ سے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: (اور مجھے ان سے کسی بدتر شخص سے بدل دے)، اور یہ بھی فرمایا: (اے اللہ! ان کے دلوں کو ایسے مردہ کر دے جیسے پانی میں نمک مر جاتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی [۱۳]۔

لہٰذا یہ لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے سرداروں پر قنوت پڑھنا صرف میدانِ صفین میں جنگ کے دوران ہی تھا، پھر جنگ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ترک کر دیا۔

☒ اس خبر کی صحت ثابت نہیں:

[۳۱۲] طبری نے روایت بیان کی: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى (۱۴) قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى (۱۵)، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَالِدٍ (۱۶)، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: (وہ کہتے ہیں): میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے تیسری رکعت سے سر اُٹھایا تو فرمایا: ''اے اللہ! فلاں اور فلاں پر، اور ابو فلاں اور ابو فلاں پر لعنت فرما''۔ اعمش کہتے ہیں: ہمارے ساتھ ابو بردہ (۱۷) بھی موجود تھے، تو میں نے حیاء کی وجہ سے ابو فلاں کا ذکر نہیں کیا۔ ابو بردہ نے کہا: ابو فلاں بھی اُن میں شامل تھے (۱۸)۔ آئندہ آنے والی دو روایات (۱۹) میں ذکر ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اس لیے ان ضعیف اور منکر روایات کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے جو صحیح کے خلاف ہوں۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۷۰۵۵)۔ یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے (یعنی محدثین کے منہج کے مطابق)۔ اور یہ سند منہجِ تاریخی کے مطابق بھی صحیح اور متصل ہے، اس کے تمام راوی شیخین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ شعبی نے صفین کا مشاہدہ نہیں کیا، اور علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات صفین کی سرزمین پر زمانۂ جنگ میں کہی تھی، لیکن شعبی نے اس تاریخی واقعے کا زمانہ پایا، جیسا کہ ہم نے ''المقدمة المنهجية'' میں صفحہ (۵۰) پر ذکر کیا ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔ ہشیم: یہ ابن بشیر سلمی ہیں، اگرچہ وہ ثقہ ہیں مگر تدلیس کرتے تھے اور کبھی خفی ارسال بھی کرتے تھے، لیکن یہاں انہوں نے صراحت کے ساتھ تحدیث کی ہے۔ عروہ ہمدانی: یہ ابو فروہ اکبر ابن الحارث کوفی ہیں۔

شواہد:

اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے۔

(۲) تہذیب الآثار (۳۸۲/۱) رقم (۶۹۴)۔ مسند ابن عباس اپنی شواہد کے ساتھ صحیح ہے، اور یہ سند منہجِ تاریخی کے مطابق حسن اور متصل ہے۔ یہ شعبی کا ایک فتویٰ ہے، اور جو پہلے ذکر ہو چکا ہے اسے بھی دیکھیں۔

کندی: صدوق ہے۔ احمد بن بشیر: صدوق ہے لیکن اسے بعض وہم ہو جاتے تھے۔ ابن شبرمہ: یعنی عبداللہ الضبی، ثقہ ہیں۔

(۳) صلاة الغداة: سے مراد نماز فجر ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۷۱۲۳)۔ اس کی سند صحیح ہے سوائے اس کے قول کے: (اور عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھی)۔ ہشیم: یہ ابن بشیر سلمی ہے، جو اپنی ثقاہت کے باوجود تدلیس کرتا تھا اور خفیہ طور پر ارسال کرتا تھا، لیکن یہاں اس نے صراحت کے ساتھ تحدیث بیان کی ہے۔

حُصَین: یہ ابو الہذیل بن عبدالرحمن سلمی ہیں، جن کا حافظہ آخر عمر میں بدل گیا تھا، اور حافظ ابن حجر کے مطابق ہشیم نے ان سے اس تبدیلی

سے پہلے سنا تھا (مقدمہ فتح الباری ۱/ ۳۹۸، نھایۃ الاغتباط ص ۲۶)۔
عبدالرحمن بن معقل: یہ ابو عاصم مزنی ہیں۔
التخریج:
اسے ابن المنذر نے الاوسط (۱۵۸۰) میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے روایت کیا ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: [میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی، تو انہوں نے قنوت کیا اور اپنی قنوت میں کہا: ''اے اللہ! فلاں اور اس کے ساتھیوں پر، اور ابوالاعور سلمی اور اس کے حامیوں پر، اور عبداللہ بن فلاں اور اس کے حامیوں پر (عذاب فرما)'']
اسے ابن جریر طبری نے [تہذیب الآثار (۱/۳۴۵، حدیث (۵۷۷)، مسند ابن عباس] میں روایت کیا: حَدَّثَنَا نَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ يَعْنِي الْأَزْرَقَ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ: (انہوں نے کہا): ''میں نے علی بن ابی طالب - رضوان اللہ علیہ - کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی، تو انہوں نے سات آدمیوں پر قنوت کیا، جن میں فلاں، فلاں، ابوفلاں اور ابوفلاں شامل تھے۔''
اسی طرح ابن ابی شیبہ (حدیث ۷۰۱۳) نے شریک سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا اور الفاظ یہ ہیں: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی، تو انہوں نے قنوت کیا۔'' اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ شریک بن عبداللہ نخعی قاضی ضعیف ہیں۔ اور [حدیث ۳۰۸] میں آیا ہے کہ وہ پانچ تھے، سات نہیں۔
ذہبی نے تنقیح التحقیق (۱/۲۴۶) میں ابوداؤد طیالسی سے نقل کیا: نا شُعْبَة، عَن حُصَين، عَن عبد الرَّحْمَن بن مَعْقِل قَالَ: (انہوں نے کہا): ''میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی، تو انہوں نے قنوت کیا اور ابوالاعور سمیت کئی لوگوں پر بددعا کی۔''
طحاوی نے شرح معانی الآثار (حدیث ۱۴۹۸) میں روایت کیا: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ: ثنا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَعْقِلٍ يَقُولُ: میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی، تو انہوں نے قنوت کیا اور بددعا کی۔''
(۵) یہ آگے حدیث نمبر [۳۹۷] کے بعد آئے گا۔
(۶) صلاة العَتَمَة: یعنی عشاء کی نماز۔
(۷) المعرفۃ والتاریخ (۳/۱۳۵)- اس کی سند صحیح ہے۔ عبیداللہ: یہ ہیں عبیداللہ بن معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان العنبری۔ عبید: یہ ہیں عبید بن الحسن المزنی، ابوالحسن الکوفی۔
التخریج:
اسے بیہقی نے السنن الکبری (حدیث ۳۳۲۵) میں روایت کیا ہے، اور ذہبی نے تنقیح التحقیق (۱/۲۴۵) میں معاذ بن معاذ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ البتہ ذہبی کے بیان میں ''عبداللہ'' کا ذکر ہے، عبدالرحمن کی جگہ۔
(۸) الاوسط لابن المنذر (۲۷۲۲) کی روایت صحیح ہے، اور یہ سند حسن ہے عبداللہ کی وجہ سے - جو ابن الولید بن میمون، ابو محمد المکی العدنی ہیں - وہ صدوق ہیں مگر کبھی کبھار خطا کر جاتے تھے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ علی بن الحسن: یہ ابوالحسن الہلالی الدار بجردی ہیں۔
التخریج:
اسے بیہقی نے السنن الکبری (۳۳۲۴) میں علی بن الحسن کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
اس کی مخالفت عبدالرزاق نے اپنی مصنف (۴۹۷۶) میں کی، انہوں نے اسے یحییٰ کے واسطے سے، انہوں نے ثوری سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا، مگر وہاں ''عبداللہ'' کی جگہ عبدالرحمن کہا، اور یہ بھی کہا: ''۔۔۔ اور انہوں نے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا۔''
(۹) مسند احمد (۱۵۸۷۹)- شعیب الارناؤوط نے کہا: اس کی سند صحیح ہے مسلم کی شرط پر۔ ابو مالک الاشجعی: وہ سعد بن طارق بن اشیم

کوفی ہیں۔

(۱۰) سنن النسائی (۱۰۸۰) صححہ الالبانی۔

(۱۱) دیکھو: [۷-۳]۔

(۱۲) یعنی: حکمین کے جدا ہونے کے بعد۔

(۱۳) اس کی تفصیل صفحہ (۱۰۷-۱۱۷) میں آئے گی۔

(۱۴) عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن التمیمی النہشلی، کوفی، کسائی -صدوق ہیں۔ان کی وفات ہوئی، اور یہ یحییٰ بن عیسیٰ رملی کے بھتیجے ہیں۔(تقریب: ۵۳۱۰)

(۱۵) ابوزکریا التمیمی، النہشلی، کوفی، پھر رملی۔ابن معین نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں۔اور ایک مرتبہ کہا: ضعیف ہے، اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔عجلی نے کہا: ثقہ ہے، لیکن اس میں تشیع تھا۔ نسائی نے کہا: قوی نہیں۔ابن عدی نے کہا: اس کی اکثر روایات وہ ہیں جن پر متابعت نہیں کی جاتی۔ابوداؤد نے کہا: مجھے احمد بن حنبل کے بارے میں پہنچا کہ انہوں نے اس کی تعریف کی۔ابن حجر نے کہا: صدوق ہے، لیکن غلطی کرتا ہے، اور اس پر تشیع کا الزام ہے۔(بخ، م، د، ت، ق)

مراجع: الکامل فی الضعفاء (۷/۲۱۷)، تہذیب الکمال (۳۱/۴۸۸)، تہذیب التہذیب (۱۱/۲۶۲)، تقریب التہذیب (۷۶۱۹)۔

(۱۶) عبدُ اللہ بن خالد العبسی (باکے ساتھ) کوفی ہیں۔یہ عبدالرحمن بن معقل، زیاد بن حدیر اور ضحاک سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے عبدالمؤمن بن عبداللہ بن خالد العبسی، اعمش اور ثوری ہیں۔امام بخاری اور ابوحاتم نے ان کے بارے میں سکوت کیا ہے، جبکہ ابن معین نے کہا کہ یہ ایک مشہور شیخ ہیں، اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ان کا ترجمہ: تاریخ ابن معین ۱/۱۳۳ - روایت ابن محرز و (۴۰۷/۳) روایۃ الدوری العلل احمد بن حنبل ۳/۴۰۷، ان کے بیٹے عبد اللہ کی روایت ۳/۱۳۸، التاریخ الکبیر ۵/۷۷، الجرح والتعدیل ۵/۴۴، الثقات لابن حبان ۷/۱۸، **الثقات ممن لم یقع في کتب السنة ۶/۹**)۔

یہ عبداللہ بن عبداللہ بن خالد العنسی (بالنون) کوفی سے مختلف ہیں، جس کی توثیق یعقوب بن سفیان نے کی تھی؛ (عبداللہ بن عبداللہ العنسی) عبدالرحمن بن الاصبہانی سے روایت کرتے ہیں، جو عبداللہ بن معقل سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے اعمش روایت کرتے ہیں۔

ان کا ترجمہ: (المعرفۃ والتاریخ ۳/۱۰۵)۔

(۱۷) ابوبردہ بن ابوموسی الاشعری، امام اور فقیہ تھے، اور ثبت (پختہ کار) شخصیت کے حامل تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۴/۳۴۳)۔

(۱۸) تہذیب الآثار میں (۱/۳۴۶) نمبر ۵۷۸ پر مسند ابن عباس میں جو خبر درج ہے وہ باطل ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔اس خبر میں بلاء عبداللہ بن خالد سے ہے، جو مجہول الحال ہیں، اور بعض راوی اس اسناد میں شک وشبہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اسے یا تو چھوڑ دیتے ہیں یا کسی اور سے بدل دیتے ہیں۔

یہ خبر جسے اعمش نے روایت کیا، اس کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ابو معاویہ الضریر اور یحییٰ بن عیسی النہشلی دونوں نے اسے اعمش سے روایت کیا، عن عبداللہ بن خالد، عن عبدالرحمن بن معقل، اور ابو معاویہ نے اسے مختصر کیا۔لیکن ابوبکر بن عیاش نے اس سے اختلاف کیا اور عبداللہ بن خالد کو اس سلسلہ سے خارج کر دیا، روایت کرتے ہوئے: **عن الأعمش، عن عبد الرحمن بن معقل**۔اس کے علاوہ، یعقوب بن سفیان نے اسے معلقاً اعمش سے روایت کیا، **عن عبد الله بن عبد الله بن خالد العنسي، عن عبد الرحمن (ابن الأصبهاني)**، عن عبداللہ بن معقل۔یہاں یہ واضح رہے کہ یہ عبدالرحمن بن معقل نہیں ہے، اور العنسی کی ترجمہ پہلے کے حاشیہ میں موجود ہے۔مجموعی طور پر، قول ابو معاویہ اور النہشلی کو درست مانا جاتا ہے۔

التخریج:

ابن ابی شیبہ نے روایت کی (۲۱۳۷): حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن عبد الله بن خالد، عن ابن معقل، قال: قنّت عليّ في المغرب۔

۲۔الطبری نے اسے تہذیب الآثار میں درج کیا[۵ ۳۴/۱، رقم ۷۷۵، مسند ابن عباس]: حدثنا أبو كُرَيب قال: حدثنا أبو بكر يعني ابن عيّاش قال: حدثنا الأعمش عن عبد الرحمن بن معقل قال: صلّى علي رضي الله عنه المغرب، فلما رفع رأسه من الركعة الثالثة قال: ''اللهم العن فلاناً و فلاناً و فلاناً''، اورابو بردہ اس وقت موجود تھے اورروایت کررہے تھے، کہتے ہیں: يقول: إي والله، وأبا سفيان''۔

یعقوب بن سفیان نے اسے المعرفۃ والتاریخ میں (۱۰۵/۳) معلقاً روایت کیا: روى الأعمش عن عبد الله بن عبد الله بن خالد العنسي عن عبد الرحمن عن عبد الله بن معقل أن علياً قنّت يلعن فلاناً و فلاناً]۔

(۱۹) برقم: [۳۱۳]، [۳۱۴]۔

❖❖❖❖

چوتھا مبحث: اہلِ شام پر لعنت، گالی گلوچ اور عیب جوئی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف

[۳۱۳] عبداللہ بن المبارک نے روایت کیا: عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَفْوَانَ: کہ صفین کے دن ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اہلِ شام پر لعنت فرما۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہلِ شام کی کثیر تعداد کو گالی مت دو، کیونکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس (فتنے) کو ناپسند کرتے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو، اور ان میں ابدال بھی ہیں (۱)۔

[۳۱۴] اور محمد بن مروان السعیدی نے اپنی کتاب المجالسہ میں - جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے - روایت کیا: أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، نا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي أَبُو شُرَيْحٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْحَارِثَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ زُرَيْرٍ الْغَافِقِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ کہ انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اہلِ شام کو گالی مت دو، کیونکہ ان میں اَبدال موجود ہیں، اور ان کے ظالموں کو گالی دو (۲)۔

یہ دونوں روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے پیروکاروں کو لعنت کرنے اور اُس سبّ سے، جو گالی اور دشنام کے معنی میں ہو، روکتے تھے۔

لسان العرب میں ہے: ''سبّ'' کا مطلب گالی دینا ہے، اور یہ سَبَّهُ يَسُبُّهُ سَبًّا کا مصدر ہے، یعنی اس نے اسے گالی دی (۳)۔

رہا وہ ''سبّ'' جس سے مراد غلطیوں کا ذکر اور خطا کو واضح کرنا ہو، تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منع نہیں فرمایا، بلکہ اس کی اجازت دی، تا کہ (حق کو اس شخص پر واضح کیا جائے جو اس

سے ناواقف ہو) اور (اہلِ شام کی خطا اور ان کے بَغی (بغاوت) کو بے نقاب کیا جائے)؛ کیونکہ زمانۂ فتنہ میں حق و باطل اور درست و غلط ایک دوسرے سے خلط ملط ہو سکتے ہیں، اس لیے لوگوں کو متنبہ کرنا اور ان پر حق کو روشن کرنا زمانۂ فتنہ میں ایک لائقِ تحسین مقصد ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ''اور ان کے ظالموں کو برا کہو''، اس کی توضیح نصر کی وہ روایت کرتی ہے جس کے واقعات جنگِ صفین کے دنوں میں پیش آئے۔

[۳۱۵] نصر بن مزاحم بیان کرتے ہیں: **عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ حَصِيرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ:** (وہ کہتے ہیں): حجر بن عدی اور عمرو بن حمق (رضی اللہ عنہما) نکلے اور کھلم کھلا اہلِ شام سے براءت اور ان پر لعنت کا اظہار کرنے لگے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ''جو کچھ تمہارے بارے میں میری طرف پہنچتا ہے، اس سے باز آ جاؤ۔'' چنانچہ وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: اور کیا وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: تو پھر آپ نے ہمیں ان کو گالی دینے سے کیوں روکا؟ آپ نے فرمایا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ لعنت و ملامت کرنے والے اور گالی گلوچ کرنے والے بن جاؤ، جو صرف گالیاں دیتے اور براءت کا اعلان کرتے رہیں۔ بلکہ اگر تم ان کے اعمال کی برائیاں بیان کرو، یوں کہو کہ ان کے طریقۂ کار میں فلاں فلاں بات ہے، اور ان کے عمل میں فلاں فلاں خرابی ہے، تو یہ بات کہنے میں زیادہ درست اور عذر کے اعتبار سے زیادہ مؤثر ہوگی۔ اور اگر تم ان پر لعنت کرنے اور ان سے براءت ظاہر کرنے کے بجائے یوں دعا کرو: ''اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون محفوظ رکھ، اور ہمارے اور ان کے مابین اصلاح فرما، اور ان کو ان کی گمراہی سے

ہدایت دے''، یہاں تک کہ ان میں سے جو حق سے ناواقف ہے وہ حق کو پہچان لے [۴]، اور جو شخص گمراہی وظلم پر اصرار کیے ہوئے ہے وہ اس سے باز آجائے [۵]۔ تو یہ طریقہ میرے نزدیک زیادہ محبوب اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس پر دونوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہم آپ کی نصیحت قبول کرتے ہیں [۶] اور آپ کے ادب سے مؤدب ہوں گے [۷]۔

[۳۱۶] اور اسے ابو حنیفہ دینوری نے بھی ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ حُجر بن عدی اور عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہما، معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں۔ تو آپ نے ان دونوں کو یہ پیغام بھیجا کہ: جو کچھ تمہارے بارے میں مجھے پہنچتا ہے، اس سے باز آجاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ۔۔۔) پھر پورا قصہ تفصیل سے ذکر کیا [۸]۔

[۳۱۷] اور نہج البلاغہ میں آیا ہے: (اور یہ اُن کے کلام [۹] میں سے ہے (جب اُنہوں نے) اپنے بعض اصحاب کو سنا جو صفین کی جنگ کے دنوں میں اہلِ شام کو برا بھلا کہہ رہے تھے: میں تمہارے لیے یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے بن جاؤ، لیکن اگر تم اُن کے اعمال کا تذکرہ کرو اور اُن کے حالات بیان کرو تو یہ بات قول میں زیادہ درست اور عذر میں زیادہ مؤثر ہوگی ......) [۱۰] پھر اس قصے کو پورا ذکر کیا۔

---

(۱) الجہاد لابن المبارک (۱۹۲) اس کی سند موقوف اور صحیح ہے، اور یہ پہلے [۱۳۸] نمبر پر تخریج اور اس پر کلام کے ساتھ گزر چکا ہے۔
(۲) تاریخ دمشق (۱/۳۳۵) - یہ روایت صحیح ہے اور متابعت کی بنا پر اس کی سند حسن ہے۔ عبداللہ بن صالح صدوق ہیں لیکن ان سے بہت زیادہ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، ان کا مفصل حال ہم اپنی کتاب ''خطبة الحسن و معاوية رضی الله عنهما عند البيعة'' میں رقم

[۳۵] کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ باقی تمام رواۃ ثقہ ہیں۔
التخریج:
اسے حاکم (۸۶۵۸) نے روایت کیا ہے: أَخبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ الْعَنَزِيُّ، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدِ الدَّارِمِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَنْبَأَ نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنِي عَيَّاسُ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُ...... پھر انہوں نے اسے ذکر کیا اور اس میں ایک اضافی قصہ بھی بیان کیا۔
حاکم نے کہا: ''یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔'' امام ذہبی نے ان کی موافقت کی اور علامہ البانی نے اسے موقوفاً صحیح قرار دیا۔ دیکھیں: السلسلۃ الضعیفہ (۳۲۰/۱۰) رقم (۴۷۷۹)۔

(۳) لسان العرب (۴۵۵/۱) مادۃ: سبب۔

(۴): يَرْعَوِي: اِرْعِواء سے ماخوذ ہے، اور اس کا مطلب ہے: حق کی طرف رجوع کرنا۔

(۵) لَهِجَ بِهِ: یعنی اس سے دل لگاؤ رکھنا اور اس سے چمٹے رہنا۔

(۶) العِظَة: یعنی نصیحت، اور اس سے مراد وہ نصیحت ہے جو انجام کی یاد دہانی اور خیر خواہی پر مشتمل ہو۔ بعض اہلِ لغت کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسے ثواب اور عقاب کی یاد دلانا جو اس کے دل کو نرم کر دے۔ (لسان العرب ۴۶۶/۷، مادہ: وعظ)۔

(۷) وقعہ صفین ص, (۱۰۲-۱۰۳): یہ ایک مقبول خبر ہے، لیکن اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

شواہد:
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح بنیاد رکھتا ہے، جیسا کہ پچھلی دو خبروں میں گزر چکا ہے کہ آپ نے اہلِ شام پر لعنت کرنے اور گالی دینے سے منع فرمایا، اور یہ کہ آپ نے ان کی غلطیوں کا ذکر کرنے کی اجازت دی تھی، جیسا کہ فرمایا: (وَسُبُّوا ظَلَمَتَهُمْ) (اور ان کے ظالموں کو برا کہو)۔
التخریج:
اسے ابنِ اعثم نے اپنی کتاب الفتوح, (۵۴۳/۲) میں ذکر کیا ہے۔ نیز آگے آنے والی دو روایات بھی ملاحظہ ہوں۔

(۸) الاخبار الطوال، صفحہ (۱۶۵): یہ خبر، سابقہ کی طرح مقبول ہے۔

(۹) یعنی: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

(۱۰) نہج البلاغہ (۱۸۵/۲-۱۸۶)، خطبہ نمبر (۲۰۶)، خبر مقبول ہے جیسے اس سے پہلے والی دونوں خبریں ہیں۔

پانچواں مبحث:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک شجاعانہ موقف جو اپنی ہیبت سے روم کی بنیادوں کو ہلا دیتا ہے

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بادشاہِ روم کو ذلیل وخوار کر دیا اور اس کو معرکوں میں اپنے ہاتھوں سے شدید اور کچل دینے والی شکستوں کا مزہ چکھایا۔ انہوں نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قیساریہ، بیروت اور دیگر کئی شہروں کو فتح کیا۔ یہ فتوحات بادشاہِ روم کے لیے شدید جلن اور غیظ وغضب کا باعث بنیں۔ ان میں سب سے زیادہ جس چیز نے اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آگ بگولا کیا، وہ قیساریہ کی فتح تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا محاصرہ کیا اور سخت جنگ لڑی یہاں تک کہ اسے فتح کر لیا۔ یہ فتح نہایت عظیم تھی، اور اس معرکے اور محاصرے کے دوران روم کے ایک بڑے لشکر کو ہلاک کیا گیا، یہاں تک کہ کہا گیا کہ رومیوں کے قتل شدہ افراد کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی (۱)۔

فتنے کے دوران بادشاہِ روم نے اس بات سے فائدہ اٹھایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف میں مصروف ہیں، اور اس نے یہ لالچ کیا کہ مسلمانوں کی فتح کی ہوئی بعض زمینوں کو دوبارہ حاصل کر لے۔ چنانچہ اس نے عظیم لشکر تیار کیے اور وہ ان کے ساتھ کچھ اسلامی علاقوں کی طرف بڑھا یا بڑھنے ہی والا تھا۔ بادشاہِ روم کی اس غدارانہ حرکت کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اس کے نام ایک نہایت سخت اور دھمکی آمیز خط بھیجا، جس میں فرمایا:

[اللہ کی قسم! اے ملعون! اگر تو باز نہ آیا اور اپنے ملک کو واپس نہ لوٹا تو میں اپنے چچازاد (یعنی علی رضی اللہ عنہ) (۲) سے صلح کر کے تیرے خلاف جنگ کروں گا، اور تجھے تیرے تمام علاقوں سے نکال باہر کروں گا، اور زمین کو اس کی وسعت کے باوجود تجھ پر تنگ کر دوں گا]۔

یہ خط پا کر بادشاہِ روم خوف زدہ ہوگیا، اپنے لشکر سمیت پسپا ہوگیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور جنگ بندی کی درخواست بھیج دی (۳)۔

اس خبر کو ابنِ کثیر نے ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند اور ماخذ بیان نہیں کیا، پھر میں نے اس کی ایک سند پائی،،،

[۳۱۸] ابوالقاسم الزجاجی (۴) نے روایت کیا: أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَالِكٍ النَّحْوِيُّ الضَّرِيرُ (۵) قَالَ: أَخْبَرَنِي تَعْلَبُ (۶)، عَنْ عُمَرَ بْنِ شَبَّةَ (۷) قَالَ: (انہوں نے کہا): معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ایک مخبر (۸) (جاسوس) بلادِ روم میں تھا۔ اس نے لکھا (۹): یہ طاغیہ (۱۰) (رومی بادشاہ) اپنی مجلس میں کہہ رہا تھا: یہ وہ وقت ہے کہ میں عرب کا قلع قمع کردوں، کیونکہ وہ آپس میں اختلاف میں پڑ چکے ہیں۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خط لکھا (۱۱)، جس میں قسم کھاتے ہوئے کہا: ''اگر تم نے اپنی مجلس میں جو بات ظاہر کی ہے، اس پر عمل کا پختہ ارادہ کرلیا ہے، تو میں اپنے ساتھی (یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) سے صلح کرلوں گا، اور خود ان کی فوج کے مقدمہ (۱۲) (آگے) میں ہوکر تمہارے مقابلے پر آؤں گا، پھر قسطنطنیہ کے جرماقہ (۱۳) کو تم پر اتاروں گا، اور تمہیں اس طرح ارلسیہ (ایک پسماندہ مقام) (۱۴) میں بھیج دوں گا جیسے تم خنزیر کے بچوں کو چراتے تھے (۱۵)۔'' اس پر بادشاہِ روم نے جواب میں اسے ایک خط لکھا، جس میں قسم کھا کر کہا کہ وہ اس بات سے اور اس کا ذکر کرنے سے بری ہے، اور اگر اس نے ایسا ارادہ کیا یا بات کی ہو تو وہ معمودیہ (۱۶) (عیسائی بپتسمہ) سے بری ہوکر حنیفی دین (اسلام) میں داخل ہوجائے۔ اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے تحائف بھیجے، جن میں سب سے زیادہ یُزبون (۱۷) (ایک قیمتی کپڑا یا شے) تھا۔

(۱) تاریخ الطبری (۲/۴۴۶)، البدایہ والنہایہ (۷/۶۳)، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما از صلاح الدین الصلابی، ص ۴۹۔
(۲) یعنی: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
(۳) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر (۸/۱۲۷)، اور ملاحظہ کریں: سیرۃ علی رضی اللہ عنہ للصلابی ص (۴۸۹)۔
(۴) شیخُ العربیہ، ابو القاسم عبد الرحمٰن بن اسحاق الزجاجی النہاوَندی البغدادی النحوی، آپ کی تصانیف میں الجمل اور الایضاح فی علل النحو شامل ہیں۔ آپ کو الزجاجی اس لیے کہا گیا کہ آپ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن السری الزجاج کی طویل صحبت و ملازمت میں رہے۔ طبقات النحویین واللغویین ص (۱۱۹)، تاریخ بغداد (۱۱۶/۲۱)، تاریخ دمشق (۲۰۲/۳۱)، إنباء الرواۃ علی أنباہ النحاۃ (۲/۱۶۰)، وفیات الاعیان (۳/۱۳۶)، تاریخ الاسلام (۲۵/۱۹۱)، سیر اعلام النبلاء (۱۵/۴۷۵)، الاعلام (۳/۲۹۹)۔
(۵) خطیب نے اس کا ذکر تاریخ بغداد میں کیا ہے (۱۰/۱۷۸)۔
(۶) احمد بن یحییٰ بن زید بن سیار، ابو العباس نحوی شیبانی، ان (بنی شیبان) کے آزاد کردہ غلام، جو ثعلب کے نام سے مشہور ہیں، نحو اور لغت میں اہلِ کوفہ کے امام تھے۔ دارقطنی، خطیب اور مسلمہ بن قاسم اندلسی نے انہیں ثقہ ہی کہا ہے۔ سؤالات السلمی للدارقطنی (۲۶)، تاریخ بغداد (۵/۴۱۴)، الثقات ممن لم یقع في الکتب الستۃ (۲/۱۳۲)۔
(۷) عمر بن شبہ بن عبیدہ النمیری، ابو زید بصری، نحوی اور اخباری، صدوق ہیں۔ التقریب (۴۹۱۸)۔
(۸) العین: الجاسوس۔
(۹) یعنی: جاسوس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔
(۱۰) مراد ہے: بادشاہِ روم۔
(۱۱) یعنی: معاویہ رضی اللہ عنہ نے بادشاہِ روم کو خط لکھا۔
(۱۲) یعنی وہ جماعت جو لشکر کے آگے آگے ہوتی ہے۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (۴/۲۷)، مادہ: قدم۔
(۱۳) الجراهِقَۃ: عجم کی ایک قوم جو موصل میں آ گئی۔ کہا گیا ہے کہ وہ ابتداء اسلام میں وہاں آ گئے تھے، اور لیث نے کہا: شام کے جرامقہ اس کے انباط ہیں۔ الصحاح تاج اللغۃ (۴/۱۴۵۴)، تاج العروس (۲۵/۱۲۵)، مادہ: ج ر م ق۔
(۱۴) مطبوعہ نسخے میں یہی ہے، اور مصادرِ تخریج میں "إریساً" ہے، اور اس سے مراد کسان ہے، اور کہا گیا: خادم، اور کچھ نے اس کے سوا بھی کہا ہے۔ اسی میں سے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل کے نام پیغام بھیجا: "پھر اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر اَریسیوں کا گناہ ہوگا"۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۷)۔
(۱۵) سور کے بچے، اور اس کا واحد خنوص ہے۔
(۱۶) یعنی اس نے کہا: اگر میں نے تم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا ہو یا اس کا ذکر کیا ہو، تو میں نصرانیت سے بیزار ہوں اور اسلام میں داخل ہوتا ہوں، لیکن نہ میں نے اس کا ارادہ کیا اور نہ اس کا ذکر کیا۔
اور تعمید یا معمودیۃ نصاریٰ کے مذہبی رسومات میں سے ہے اور ان کے سات اسرار میں سے ایک ہے۔ یہ نصرانیت میں داخلے کی باضابطہ علامت اور اس میں داخل ہونے کی کنجی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص تعمید یافتہ نہ ہو وہ نصرانی نہیں، خواہ اس کے والدین دونوں نصرانی ہوں۔ کسی شخص کو بچپن میں بھی تعمید دی جا سکتی ہے اور اس کی زندگی کے کسی بھی وقت دی جا سکتی ہے، حتیٰ کہ موت کے بستر پر بھی تعمید ممکن ہے۔ ان کا مقصود تعمید سے یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ سے پاک ہو جائے۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی پر پانی چھڑکا جائے، یا جسم کے کسی حصے کو پانی میں ڈبو یا جائے، یا پورے شخص کو پانی میں غوطہ دیا جائے، اور یہ صرف چرچ میں اور پادری کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ تعمید کو بنی اسرائیل پر واجب کیے گئے ختنہ کے بدلے میں مقرر کیا گیا ہے۔
دیکھیں: تخجیل من حرّف التوراۃ والإنجیل (۱/۱۳۴)، تحقیق: محمود عبد الرحمن قدح، مکتبۃ العبیکان، ط: اولیٰ۔ الاعلام بمافی دین

النصاری من الفساد والاوہام (۴۰۳)، دار التراث العربی -قاہرہ۔ دراسات فی الادیان الیہودیۃ والنصرانیۃ (۳۴۳)، أضواء السلف، ط: رابعہ۔

(۱۷) اخبار ابی القاسم الزجاجی ص (۹۸-۹۹): خبر قرائن کی بنا پر مقبول ہے، اور یہ سند منقطع ہے۔

شواہد وقرائن:

فتنہ کے زمانے میں بادشاہِ روم کی سرگرمیاں مؤرخین کے ہاں مشہور ومعروف ہیں، اور اس قرینے سے کہ بادشاہِ روم اپنی مصلحتوں کے حصول کے لیے ایسے فتنوں سے فائدہ اٹھانے کا حریص ہوتا ہے۔

اور اس خبر کے شواہد بھی ہیں:

طبری نے اپنی تاریخ (۳/۲۶۶) میں روایت کیا: حدثني عبد الله بن أحمد ابن شَبَوَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أبي، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيمَانُ بنُ صَالِحٍ، المعروف بِسَلْمُوَيْهِ، قَالَ: حدثني عبد الله (بن المبارك)، عن حرملة بن عمران، قَالَ: (کہا): ایک رات معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ قیصر نے لوگوں کے ساتھ ان کا رخ کیا ہے...... پھر ذکر کیا کہ انہوں نے اس بارے میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، اور قصے کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ واقعہ موقعۃ الجمل کے بعد کا ہے۔

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں، سوائے اس کے کہ حرملہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ نہیں پایا۔ محققین نے اسے صحیح تاریخ الطبری (۴/۴۰) میں ذکر کیا ہے۔

ابوحنیفہ الدینوری نے اسے الاخبار الطوال ص (۱۵۰) میں ذکر کیا ہے، اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ موقعۃ الجمل کے بعد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی گئی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا، اس میں یہ عبارت تھی: ''میرے ساتھ ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کی تھی، پس حاضر کو اختیار کا حق نہیں اور غائب کو رد کرنے کا حق نہیں، اس معاملے میں اختیار صرف مہاجرین وانصار کو ہے، جب وہ کسی مسلمان پر جمع ہو جائیں اور اسے امام نامزد کر دیں تو یہ اللہ کی رضا ہوتی ہے......'' پھر ذکر کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا: [قیصر روم نے لشکر جمع کر لیے ہیں تاکہ وہ ہمارے مقابلے کے لیے نکلے اور ہم پر شام میں چڑھائی کرے]۔

ابوحنیفہ نے جو ذکر کیا، اسے نصر بن مزاحم نے وقعۃ صفین ص (۳۴-۳۷) میں عمر بن سعد اور محمد بن عبیداللہ سے روایت کیا، دونوں نے بیان کیا...... اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا۔

علی رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا خط پہلے [۲۸۷] نمبر پر گزر چکا ہے۔

الزبیر بن بکار نے الاخبار الموفقیات ص (۲۵۰-۲۵۲) میں کہا: قال: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُؤَمَّلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: مجھے خبر پہنچی...... پھر ایک طویل واقعہ ذکر کیا، پھر ذکر کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ سے شام پر رومی حکمران کی دھمکی کے بارے میں مشورہ کیا۔

التخریج:

اس خبر کو خطابی نے غریب الحدیث (۲/۵۳۵)، زمخشری نے الفائق فی غریب الحدیث (۱/۴۶)، اور ابن الاثیر نے النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (۱/۳۸) میں تقریباً اسی طرح ذکر کیا ہے جیسا ابن کثیر اور زجاجی نے بیان کیا۔

دیکھیے: مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة ص (۵۴۴)۔

چھٹا مبحث:

علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے ساتھ باغیوں کے احکام کے مطابق معاملہ کیا

علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو کافر قرار نہیں دیا، ان کے پیٹھ پھیرنے والوں کا پیچھا نہیں کیا، ان کے زخمیوں کو ختم نہیں کیا، ان کا مالِ غنیمت نہیں بنایا اور نہ ہی ان کے قیدیوں کو قتل کیا، اور یہی باغیوں کے احکام ہیں۔

[۳۱۹] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ رِيَاحِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: كُنْتُ إِلَى جَنْبِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ بِصِفِّينَ، وَرُكْبَتِي تَمَسُّ رُكْبَتَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: كَفَرَ أَهْلُ الشَّامِ، فَقَالَ عَمَّارٌ: لَا تَقُولُوا ذَلِكَ؛ نَبِيُّنَا وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ، وَقِبْلَتُنَا وَقِبْلَتُهُمْ وَاحِدَةٌ، وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ مَفْتُونُونَ جَارُوا عَنِ الْحَقِّ، فَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نُقَاتِلَهُمْ حَتَّى يَرْجِعُوا إِلَيْهِ(۱).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں یزید بن ہارون نے بیان کیا، انہیں حسن بن حکم نے، انہیں ریاح بن حارث نے۔ وہ کہتے ہیں: میں صفین میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تھا اور میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگ رہا تھا۔ ایک آدمی نے کہا: اہلِ شام کافر ہو گئے ہیں۔ تو عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کہو؛ ہمارا نبی اور ان کا نبی ایک ہی ہے، ہمارا قبلہ اور ان کا قبلہ ایک ہی ہے، لیکن وہ ایک آزمائش میں مبتلا قوم ہیں جو حق سے ہٹ گئے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان سے قتال کریں یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

[٣٢٠] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ حَنَسِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ شَيْخٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ رَيَاحٌ، قَالَ : قَالَ عَمَّارٌ : لَا تَقُولُوا : كَفَرَ أَهْلُ الشَّامِ، وَلَكِنْ قُولُوا: فَسَقُوا، ظَلَمُوا)(٢).

ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے حنش بن حارث سے، اورانہوں نے اپنے ایک شیخ سے جو ''ریاح'' کہلاتے تھے۔ ریاح نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ اہلِ شام کافر ہو گئے ہیں، بلکہ یوں کہو کہ وہ فاسق اور ظالم ہو گئے ہیں۔

ان کے قول ''فَسَقُوا'' (وہ فاسق ہوئے) سے مراد یہاں لغوی معنی ہے، یعنی اطاعت اور حکم سے باہر نکل جانا(٣)۔ پس اہلِ شام خلیفہ کی اطاعت اور اس کے حکم سے باہر نکل گئے۔

اور ان کے قول ''ظَلَمُوا'' (انہوں نے ظلم کیا) سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ پر بغاوت کر کے ظلم کیا۔

لیکن وہ مجتہد ہیں، جنہیں اجر ملے گا۔

نووی فرماتے ہیں: یہ روایات صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر اور مصیب تھے، جبکہ دوسری جماعت یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تاویل کی بنا پر نکلنے والے باغی تھے۔ ان روایات میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ دونوں جماعتیں مومن تھیں، قتال کی وجہ سے نہ وہ ایمان سے خارج ہوئے اور نہ ہی فاسق ٹھہرے۔ یہی ہمارا مذہب ہے(٤)۔

[٣٢١] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ قَالَ : ثنا مَيْمُونٌ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ : شَهِدْتُ صِفِّينَ، فَكَانُوا لَا يُجْهِزُونَ عَلَى جَرِيحٍ، وَلَا يَطْلُبُونَ مُوَلِّيًا، وَلَا يَسْلُبُونَ قَتِيلًا(٥).

ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں کثیر بن ہشام نے بیان کیا، انہوں نے جعفر بن

برقان سے، کہا: ہمیں میمون نے بتایا، انہوں نے اپنے والد امامہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں صفین میں حاضر تھا۔ وہ لوگ نہ زخمی پر جارحیت کرتے تھے، نہ کسی سرپرست کی تلاش کرتے تھے، اور نہ کسی مارے گئے شخص کی غنیمت لوٹتے تھے۔

اور یہ قصہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خوارج کے ساتھ مناظرہ میں بھی آئے گا، جہاں انہوں نے انہیں فرمایا: اور جہاں تک تمہارے قول کا تعلق ہے: ''اس نے لڑائی کی، لیکن کسی کو قیدی نہیں بنایا اور نہ ہی غنیمت حاصل کی......''(۶)

[۳۲۲] أَخْرَجَ الخَطِيبُ البَغْدَادِيُّ: أنا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ(۷)، أنا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ(۸)، نا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الصُّوفِيُّ(۹) قَالَ، قَالَ أَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ الزَّمِّيُّ: كُنَّا عِنْدَ سُفْيَانَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَلْخَ، فَجَعَلَ يَكْتُبُ، فَسَمِعَ سُفْيَانَ وَقْعَ الْمِيلِ(۱۰) عَلَى اللَّوْحِ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَأَخَذَ لَوْحَهُ، فَقَالَ: تُكْتَبُ عِنْدِي؟ فَقُلْنَا لَهُ: اسْكُتْ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ حَدِيثِهِ وَأَرَادَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ، قَالَ لَهُ: يَا بَلْخِيُّ، أَتَدْرِي مَا مَثَلِي وَمَثَلُكَ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، قَالَ: نا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، سَمِعَ أَبَا فَاخِتَةَ سَعِيدَ بْنَ عِلَاقَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَارٌ لِي قَالَ: أَتَيْتُ عَلِيًّا بِأَسِيرٍ يَوْمَ صِفِّينَ فَقَالَ: لَا تَقْتُلْنِي صَبْرًا(۱۱). قَالَ: «لَا أَقْتُلُكَ صَبْرًا، إِنِّي أَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ، أَتُبَايِعُ؟ أَفِيكَ خَيْرٌ؟»، قَالَ: نَعَمْ. قَالَ لِلَّذِي جَاءَ بِهِ: خُذْ سِلَاحَهُ». قَالَ سُفْيَانُ: لَمْ يُنَفِّلْهُ، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، وَلَكِنْ قَالَ: خُذْ سِلَاحَهُ، لَا يُقَاتِلُنَا بِهِ مَرَّةً أُخْرَى حَتَّى يَنْقَطِعَ الْحَرْبُ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، وَقَدْ أَخَذْتُ سِلَاحَكَ - يَعْنِي أَلْوَاحَهُ - وَقَدْ رَدَدْتُهُ عَلَيْكَ(۱۲).

خطیب بغدادی نے روایت کی: میں، ابوالحسن محمد بن عبدالواحد بن محمد بن جعفر، کہتا ہوں، اور میں عمر بن محمد الناقد، اور میں احمد بن الحسن بن عبدالجبار الصوفی کہتا ہوں کہ ابو زکریا یحییٰ بن یوسف الزمی نے فرمایا: ہم سفیان کے پاس تھے کہ بلخ کے ایک شخص نے ان کے پاس آ کر لکھنا شروع کیا۔ سفیان نے لکھنے کی آواز سنی، اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کا لوح لے لیا اور پوچھا: یہ یہاں میرے پاس لکھی جا رہی ہے؟ ہم نے کہا: چپ رہیں۔ جب اس نے اپنا قصہ ختم کیا اور اٹھنے کا ارادہ کیا تو سفیان نے اس سے کہا: اے بلخی! کیا تم جانتے ہو میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، نہیں جانتا۔ پھر کہا: عمرو بن دینار سے روایت ہے، انہوں نے ابو فاخرہ سعید بن علاقہ سے سنا کہ انہوں نے اپنے پڑوسی سے روایت سنی: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قیدی لے کر آیا صفین کے دن۔ اس نے فرمایا: مجھے صبر کے ساتھ نہ مارو۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں صبر کے ساتھ (قیدی بنا کر) نہیں ماروں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ کیا تم بیعت کرو گے؟ کیا یہ تمہارے لیے بہتر ہے؟ قیدی نے کہا: جی ہاں۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس قیدی کو لانے والے سے فرمایا: اس کا ہتھیار لے لو۔ سفیان نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ نے اسے غنیمت کے طور پر نہیں لیا، کیونکہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں، لیکن فرمایا: اس کا ہتھیار لے لو، یہ ہمارے خلاف دوبارہ لڑائی میں استعمال نہ ہو جب تک ہمارے درمیان جنگ ختم نہ ہو جائے، اور میں نے تمہارا ہتھیار – یعنی لوح – لے لیا اور واپس کر دیا۔

[۳۲۳] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا أُتِيَ بِأَسِيرٍ يَوْمَ صِفِّينَ أَخَذَ دَابَّتَهُ، وَأَخَذَ

سِلَاحَهُ، وَأَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَعُودَ، وَخَلَّى سَبِيلَه(۱۳).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہم سے شریک نے بیان کیا، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ ابوجعفر سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین کے دن کوئی قیدی آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ اس کی سواری لے لیتے، اس کا ہتھیار لے لیتے، اس سے عہد لیتے کہ وہ دوبارہ (جنگ میں شریک ہونے کے لیے) واپس نہ آئے، پھر اسے آزاد کر دیتے۔“

اور اس سے عہد لیتے کہ وہ دوبارہ اس کے ساتھ قتال کی طرف نہ لوٹے، پھر اگر وہ ایسا کرتا تو اس کا راستہ چھوڑ دیا جاتا (یعنی اسے آزاد کر دیا جاتا)۔

[۳۲۴] أَخْرَجَ أَبُو بِشْرِ الدَّوْلَابِيُّ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا كَيْسَانُ أَبُو عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَوْلَايَ يَزِيدُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: شَهِدْتُ مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ صِفِّينَ، فَكَانَ إِذَا أُتِيَ بِالْأَسِيرِ قَالَ: «لَنْ أَقْتُلَكَ صَبْرًا إِنِّي أَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ». وَكَانَ إِذَا أَخَذَ الْأَسِيرَ أَخَذَ سِلَاحَهُ، وَحَلَّفَهُ أَنْ لَا يُقَاتِلَهُ، وَأَعْطَاهُ دَرَاهِمَ، وَيُخَلِّي سَبِيلَهُ(۱۴).

ابو بشر الدولابی نے روایت کیا: ہمیں علی بن معبد نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں ابو احمد الزبیری نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں کیسان ابو عمر نے حدیث سنائی، کہا: مجھے میرے مولیٰ یزید بن بلال نے خبر دی، کہا: میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شریک تھا، تو جب کوئی قیدی لایا جاتا تو آپ فرماتے: ”میں تمہیں صبراً (یعنی پابند کر کے) قتل نہیں کروں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔“ اور جب قیدی کو پکڑتے تو اس کا ہتھیار لے لیتے، اور اس سے قسم لیتے کہ وہ دوبارہ قتال نہ کرے، پھر

اسے دراہم دیتے اور آزاد چھوڑ دیتے۔

عنقریب یہ بھی ذکر ہوگا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے مقتولین کے لیے مغفرت کی دعا کی اور ان کے لیے جنت کی بشارت دی (۱۵)۔

قولہ (وَأَعۡطَاهُ دَرَاهِمَ): ان کا قول (اور اسے کچھ دراہم دیتے تھے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دراہم اس لیے دیے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے وطن شام کی طرف واپسی کے سفر میں زادِ راہ کے طور پر استعمال کر سکے؛ کیونکہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے یہ عہد کر چکا ہوتا تھا کہ اب دوبارہ قتال میں شریک نہ ہوگا، لہٰذا اس کے لیے دوبارہ اہلِ شام کی فوج میں شامل ہونا ممکن نہ تھا۔

قولہ (وَيُخَلِّي سَبِيلَهُ): ان کا قول: (اور اس کا راستہ چھوڑ دیتے) سے مراد یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اس کا راستہ اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ ان سے قتال نہ کرنے کا عہد اور اس پر قسم نہ کھا لیتا۔

اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک اسی مقصد سے کیا تھا تاکہ فتنہ کا خاتمہ ہو۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۹۹۶)، یہ روایت صحیح ہے، اور اس کی سند حسن ہے کیونکہ اس میں حسن بن حکم النخعی ہیں، وہ صدوق ہیں مگر وہم کرتے ہیں، اور ان کی متابعت بھی ہوئی ہے، جبکہ باقی رجال سب ثقہ ہیں۔

خبر میں اختلاف:

- یہ خبر دو الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے:

پہلا لفظ: (وَلَكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ مَفۡتُونُونَ: لیکن وہ ایک آزمائش میں مبتلا قوم ہیں)۔ یہ حسن بن حکم، ریاح بن حارث نخعی سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا لفظ: (وَلَكِنۡ قُولُوا: فَسَقُوا، ظَلَمُوا: بلکہ یوں کہو: وہ گمراہی و فسق میں پڑ گئے اور انہوں نے ظلم ڈھایا)۔ یہ حنش بن حارث اور عبداللہ بن رباح قرشی دونوں روایت کرتے ہیں، ریاح بن حارث نخعی سے۔

- حنش نے پہلا لفظ (قوم مفتونون) حسن بن حکم سے روایت کیا، پھر حنش کو شک ہوگیا کہ آیا اس نے یہ لفظ براہِ راست ریاح سے بھی سنا ہے یا نہیں۔
- یحیٰی بن سلیمان الجعفی نے اس کی سند میں وہم کیا ہے۔
- اور بعض مطبوعہ نسخوں میں روایتِ عبداللہ بن رباح، عن ریاح بن حارث میں سندی تصحیفات واقع ہوئی ہیں، سوائے مصنف ابن ابی شیبہ اور تلخیص المتشابہ کے۔

التخریج:

اسے یعقوب بن شیبہ نے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۸) میں ہے، یزید کے طریق سے۔
اور اسے محمد بن نصر مروزی نے تعظیم قدر الصلاۃ (۵۹۸) میں روایت کیا ہے:
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى (الذَّهْلِي)، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ (بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ الطَّنَافِسِيُّ)، ثنا الْحَسَنُ، به، پھر اسی سند کے ساتھ۔ اور اس کے شروع میں یہ الفاظ کہے: (إِنَّا بِوَادِي الظَّبي، وَإِنَّ رُكْبَتِي.....)
اور اسی مصدر میں (۵۹۹) دوسری سند کے ساتھ روایت کیا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا قَبِيصَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَكَمِ، به، اور انہوں نے اسی سند سے یہ حدیث مختصر بیان کی۔
اور اسے یعقوب بن شیبہ نے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا ہے- جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۷-۳۴۸) میں ہے:
(نَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، نا حَنَشٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، نا الْحَسَنُ بْنُ الْحَكَمِ النَّخَعِيُّ، عَنْ رِيَاحِ بْنِ الْحَارِثِ، - قَالَ حَنَشٌ: اور غالباً میں نے یہ روایت براہِ راست ریاح بن حارث سے بھی سنی ہے۔ ریاح کہتے ہیں: اہلِ کوفہ کا ایک شخص بولا: اہلِ شام کافر ہو گئے......) پھر خبر آگے آئی۔
یوں حنش نے اس روایت میں ریاح اور اپنے درمیان حسن بن حکم کو واسطہ بنایا ہے، اور اس بات میں شک کیا کہ آیا اس خبر کو اسی لفظ کے ساتھ (قوم مفتونون) ریاح سے براہِ راست سنا ہے یا نہیں۔
اور زیادہ قرینِ قیاس: یہ ہے کہ حنش نے یہ روایت ابن حکم ہی سے سنی تھی، اور ریاح سے نہیں سنی تھی (یعنی اس خاص لفظ کے ساتھ)، کیونکہ یہ لفظ (وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ مَفْتُونُونَ) دراصل حسن بن حکم کی روایت ہے، ریاح سے۔
البتہ حنش کی وہ روایت جو ریاح سے بلا واسطہ ہے، وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ ہے: (وَلَكِنْ قُولُوا: فَسَقُوا، ظَلَمُوا)، اور وہ اگلی خبر میں آ رہی ہے۔ [۳۲۰]
پھر یعقوب بن شیبہ نے اسے اپنی ''مسند'' - میں روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۷) اور بغیۃ الطلب (۱/۳۰۳) میں ہے۔ (نا ابْنُ الْأَصْبَهَانِي وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ، أنا شَرِيكٌ، عَنْ حَنَشٍ، عَنْ رِيَاحِ بْنِ الْحَارِثِ) پھر اسے اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا: (وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ مَفْتُونُونَ) ''بلکہ وہ ایک فتنہ میں مبتلا قوم ہیں''۔ لیکن یہ وہم ہے، اور درست بات یہ ہے کہ حنش اور ریاح کے درمیان ایک واسطہ موجود ہے، اور وہ واسطہ حسن بن حکم ہے، جیسا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وضاحت گزر چکی، کیونکہ یہ عبارت دراصل صرف ابنِ حکم کی ہی ہے۔ اور دیکھیے: مسند یعقوب بن شیبہ، موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۵۸۷)۔
(۲) مصنف ابنِ ابی شیبہ (۳۸۹۹۷)- اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ وکیع سے مراد ابن الجراح ہیں۔ اور حنش بن حارث بن لقیط نخعی کوفی ہیں۔ ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا ہے: ان میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ تحریر التقریب (۱/۳۳۲) میں ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ انہیں ابونعیم فضل، یعقوب، ابن سعد، عجلی اور ابن خلفون نے ثقہ کہا ہے۔ ابوحاتم نے فرمایا: ان کی حدیث صالح ہے، ان میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان نے بھی انہیں اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔
ریاح سے مراد ریاح بن حارث ابوالمثنی نخعی کوفی ہیں۔
التخریج:
اسے یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے- جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۶) اور بغیۃ الطلب (۱/۳۰۳) میں ہے اور ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین (حدیث نمبر [۱۱۸]، میری تحقیق وجمع کے مطابق) میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۷) میں ہے یہ سب روایت وکیع کے طریق سے ہے، اسی سند کے ساتھ۔
اسی طرح اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (۳۸۹۹۸) میں، اور یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۶) میں ہے اور مروزی نے تعظیم قدر الصلاۃ (۶۰۰) میں، اور بیہقی نے السنن الکبریٰ (۱۶۷۲۱) میں روایت کیا ہے، اور ان ہی کے طریق سے ابن عساکر نے (۱/۳۴۶-۳۴۷) اور خطیب نے تلخیص المتشابہ فی الرسم (۱/۱۹۷) میں نقل کیا ہے۔ یہ سب روایت مشعر بن

کدام، عن عبداللہ بن رباح، عن ریاح بن الحارث کے طریق سے ہیں، اسی سند کے ساتھ۔
اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عبداللہ بن رباح کے، جو ابو رباح قرشی کوفی ہیں۔ بخاری اور ابو حاتم نے ان پر سکوت کیا ہے، اور ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔لیکن ان کی متابعت حنش نے کی ہے۔
اور مطبوعہ نسخہ جات تعظیم قدر الصلاۃ، سنن بیہقی اور تاریخ دمشق میں اس سند میں تصحیف واقع ہوئی ہے، اور اس کی درستگی تلخیص المتشابہ سے معلوم ہوتی ہے۔ان میں سے بعض میں یہ تصحیف اس طرح آئی ہے: عن مسعر، عن عبداللہ بن ریاح، عن عمار، حالانکہ صحیح صورت یہ ہے: عن عبداللہ، عن ریاح، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔
عبداللہ بن رباح القرشی کا ترجمہ کتب میں ملاحظہ ہو: التاریخ الکبیر (۵/۸۵)، الجرح والتعدیل (۵/۵۲)، الثقات (۷/۳۴)، تلخیص المتشابہ فی الرسم (۱/۱۹۷)، اور **الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ** (۶/۱۴)۔
اسی کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین (حدیث نمبر [۱۱۷]، میری تحقیق وجمع کے مطابق) میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۷) میں ہے انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے روایت کی، کہا: ہمیں یعلیٰ نے روایت کی، کہا: ہم سے مسعر بن کدام نے روایت کی، کہا: ہم سے عبداللہ بن ریاح بن الحارث نخعی نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔الخبر۔یہ وہم یحییٰ بن سلیمان کا ہے، انہوں نے گمان کرلیا کہ عبداللہ بن رباح (ب باء) دراصل ریاح (ب یاء) کا بیٹا ہے۔
کتاب صفین ابن دیزیل کے متعلق مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۳۹۸)۔
(۳) لسان العرب (۱۰/۳۰۸) مادۃ: فسق۔
(۴) المنہاج شرح صحیح مسلم (۷/۱۶۸)۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۳۹۵۳) اس کی سند صحیح ہے۔جعفر بن برقان: ان کی روایت خصوصاً زہری سے زیر بحث آئی ہے، اور دیگر کے بارے میں وہ ثقہ ہیں۔دارقطنی نے فرمایا: ان کی روایت میمون بن مہران اور یزید بن اصم سے ثابت اور صحیح ہے۔(سؤالات البرقانی ۸۱)۔ابو امامہ: وہ صُدی بن عجلان الباہلی ہیں۔مزید ملاحظہ کریں: بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۱۰/۴۳۲۸)۔
التخریج:
اسے الحاکم نے روایت کیا (۲۶۶۰)-اور اسی سے بیہقی نے السنن الکبریٰ (۱۶۷۵۳) اور معرفۃ السنن والآثار (۱۶۴۹۲) میں روایت کیا ہے-من طریق الحارث بن ابی اسامہ سے۔اور اللالکائی نے اپنی کتاب شرح اصول الاعتقاد (۲۰۱۴) میں روایت کیا ہے، عباس بن محمد الدوری کے طریق سے۔دونوں روایتیں جعفر بن برقان کے ذریعہ ہیں۔الحارث نے کہا: (وَلَا يَقْتُلُونَ مُوَلِّيًا) -یعنی "کسی سر پرست کو نہیں ماریں گے"-یہ لفظ "یطلبون" کی جگہ آیا ہے۔
حاکم نے فرمایا: یہ حدیث اس باب میں صحیح الاسناد ہے اور اس کے پاس ایک صحیح شاہد بھی موجود ہے۔ذہبی نے فرمایا: صحیح ہے، اور ابن کثیر اور البانی نے بھی اس کی توثیق کی۔مراجع: ارشاد الفقیہ لابن کثیر (۲/۲۸۹)، إرواء الغلیل (۲۴۶۳)۔
(۶) دیکھو: [۴۸۲]۔
(۷) جسے ابن زوج الحُرّہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔خطیب نے فرمایا: ہم نے اس کے بارے میں لکھا اور وہ صدوق تھا۔اس کی وفات کا سال ۴۴۲ھ ہے۔حوالہ جات: تاریخ بغداد (۳/۱۶۴)، تاریخ الاسلام (۳۰/۷۱)، **الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة** (۸/۴۴، ترجمہ ۱۰۱۷۶)۔
(۸) شیخ، حافظ، اور ثقہ، ابو حفص عمر بن محمد بن علی بن یحییٰ البغدادی، ابن الزیات الناقد۔دارقطنی نے فرمایا: صدوق ہے، اور ایک بار اس کی توثیق کی۔ابو الفوارس اور العتیقی نے بھی اس کی توثیق کی۔اس کی وفات کا سال ۳۲۳ھ ہے۔حوالہ جات: تاریخ الاسلام (۲۶/۵۷۹)، سیر اعلام النبلاء (۱۶/۳۲۳)، الدلیل المغنی لشیوخ الدارقطنی (۳۴۸)۔
(۹) شیخ، محدث، ثقہ، معمر، ابو عبداللہ احمد بن الحسن بن عبدالجبار بن راشد بغدادی، صوفیِ کبیر۔ان کی توثیق کئی ائمہ نے کی ہے، جن میں

دارقطنی، خطیب اور دیگر شامل ہیں۔ اس کی تفصیل منصوری کی تحریر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ان کا انتقال سنہ (۳۰۶ھ) میں ہوا۔ ان کے ترجمہ کا مآخذ: سیر اعلام النبلاء (۱۴/۱۵۲)، الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (۱/۳۱۰)، إرشاد القاصي و الداني الی شیوخ الطبراني (۸۲)۔

(۱۰) ''مِیل'': وہ لوہے کی سلاخ جس سے تختی پر لکھا جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا: اصل میں یہ ''مُلْمُول'' ہے۔ (لسان العرب ۱۱/۶۳۹، مادہ: میل)۔

(۱۱) قتل صبرًا: اس سے مراد یہ ہے کہ کسی آدمی کو اس لیے قید کر لیا جائے کہ بعد میں اسے قتل کیا جائے، پھر جب اس کے قتل کا وقت آ جائے تو اسے آگے لایا جائے اور اس کی گردن ماری جائے۔ ''صبر'' کی اصل معنی قید (روکنے) کے ہیں، اور جس نے بھی کسی چیز کو قید کر لیا تو اس نے اسے ''صبر'' کیا۔ (لسان العرب ۴/۴۳۸، مادہ: صبر)

(۱۲) الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع خطیب بغدادی (۱/۲۲۹، رقم ۴۴۴) یہ خبر مقبول ہے۔ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے اس ایک مجہول شخص کے۔ الرَّمِی: ثقہ ہیں (التقریب: ۶۸۰۷)۔ اور سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ ابن عیینہ اور بلخی کے درمیان جو واقعہ مشہور ہے، وہ صحیح الاسناد ہے۔

شواہد:

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نہ تو قیدیوں کو قتل کیا گیا اور نہ ہی بُغاۃ (باغیوں) کے اموال کو مالِ غنیمت بنایا گیا۔ اس کی تائید ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: (میں صفین میں موجود تھا۔۔۔) (تفصیل کے لیے پچھلی خبر [۳۲۱] ملاحظہ کریں)۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خوارج کے ساتھ مناظرہ بھی اس پر شاہد ہے، جب انہوں نے ان سے کہا تھا: (اور رہا تمہارا یہ کہنا کہ انہوں نے قتال کیا لیکن نہ تو قیدی بنائے اور نہ ہی مالِ غنیمت لیا۔۔۔) (دیکھیے خبر [۴۸۲])۔

التخریج:

اسے امام شافعی نے الام (۴/۲۳۷) میں، عبدالرزاق نے (۱۸۵۹۲) میں، سعید بن منصور نے (۲۹۵۱) میں، ابن ابی شیبہ نے (۳۳۹۴۵) میں، اور بیہقی نے الکبریٰ (۱۶۷۵۴) اور معرفة السنن والآثار (۱۶۴۹۵) میں، رامہرمُزی نے المحدث الفاصل ص ۵۸۰ میں، یہ سب سفیان بن عیینہ کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی طرح اسے ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین (میرے جمع و اہتمام کے مطابق، رقم [۱۳۳]) میں روایت کیا ہے، جیسا کہ بغیۃ الطلب (۱/۳۰۱، ۱۰/۴۵۵۸) میں مذکور ہے۔ انہوں نے کہا: قال: (حَدَّثَنَا يَحْيَى الجُعْفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي فَاخِتَةَ قَالَ:) ''ہم سے یحییٰ الجعفی نے روایت کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے سفیان بن عیینہ نے روایت کیا، عمرو بن دینار سے، وہ ابو فاختہ سے بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قیدی لایا۔۔۔'' پھر پوری روایت ذکر کی۔

یہاں ابن دیزیل نے قیدی لانے والے کو خود ابو فاختہ قرار دیا ہے، لیکن یہ بات شاذ ہے، کیونکہ یحییٰ (یعنی یحییٰ بن سلیمان الجعفی) نے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے۔ یحییٰ بن سلیمان الجعفی ''صدوق'' تھے مگر ان سے خطا ہو جاتی تھی۔

(۱۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۳۹۴۴) (۳۹۰۱۴) یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مکرر ہے، اور یہ خبر اپنے ماقبل کی طرح مقبول ہے۔ البتہ یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں شریک النَّخَعی کا ضعف ہے، اور ابن اسحاق کا عنعنہ ہے، نیز ابو جعفر (راوی) نے اسے مرسلاً بیان کیا ہے۔ ابو جعفر سے مراد محمد الباقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔

(۱۴) الکنیٰ والاسماء للدولابی (۲/۳۷۷، رقم ۱۳۴۱) یہ خبر اپنے سابقہ کی طرح مقبول ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے۔

کیسان ابو عمر: یہ فزاری کوفی قصّار ہیں، جو یزید بن بلال بن حارث الفزاری کے آزاد کردہ غلام تھے، اور ضعیف ہیں۔ (التقریب: ۵۶۷۷)

یزید بن بلال: ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے، اور علی رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو ان کی احادیث سے مشابہت نہیں رکھتیں، اس کی منفرد روایت پر احتجاج جائز نہیں، البتہ اگر کوئی اسے اس صورت میں معتبر سمجھے کہ وہ ثقات کی روایت کے موافق ہو اور اس پر اعتماد نہ کرے تو مجھے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں: ان مجروحین کی متابعت موجود ہے۔
(ابن حبان ۱۰۵/۳، التقریب: ۷۶۹۶)۔

التخریج:

اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے (۳۹۰۱۶) میں نقل کیا ہے۔ ہمیں محمد بن عبداللہ الاسدی نے بیان کیا اور کہا: ہمیں کیسان نے اس سے روایت کی۔

(۱۵) [ملاحظہ ہو: ۳۹۳۳، ۳۹۴۴، ۳۹۵۵]۔

❖❖❖❖

ساتواں مبحث: صفین میں جنگ کا بھڑک اٹھنا

پہلا مطلب: مکمل جنگ سے گریز اور ماہِ محرم بھر صلح وسکون:

دونوں فریقین اس اندیشے سے کہ کہیں کُلّی ہلاکت نہ ہو جائے، براہِ راست اور مکمل ٹکراؤ سے بچتے رہے۔ اس لیے انہوں نے جنگ کو چھوٹی چھوٹی دستوں کی جھڑپوں اور انفرادی مقابلوں کی صورت میں رکھا۔ یہ کیفیت سنہ ۳۶ھ کے پورے ذوالحجہ تک برقرار رہی۔ پھر جب محرم ۳۷ھ داخل ہوا تو دونوں نے صلح کا معاہدہ کیا اور ایک مہینے کے لیے لڑائی روک دی تا کہ شاید کوئی مستقل صلح کی صورت نکل آئے۔ اس دوران ان کے درمیان خطوط کا تبادلہ اور باہمی گفت وشنید بھی ہوئی، لیکن یہ تمام کوششیں ناکام رہیں یہاں تک کہ محرم ختم ہو گیا اور صفر کا مہینہ آ گیا۔ چنانچہ جنگ پھر وہی چھوٹے چھوٹے دستوں کی جھڑپوں اور انفرادی مقابلوں کی شکل میں شروع ہو گئی اور ایک ہفتہ تک یہی کیفیت جاری رہی۔

[۳۲۵] قَالَ الطَّبَرِيُّ : ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ، فَكَانَ فِي أَوَّلِ شَهْرٍ مِنْهَا - وَهُوَ الْمُحَرَّمُ - مُوَادَعَةُ الْحَرْبِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ، قَدْ تَوَادَعَا عَلَى تَرْكِ الْحَرْبِ فِيهِ إِلَى انْقِضَائِهِ طَمَعًا فِي الصلح [1].

طبری نے کہا: پھر سنہ سینتیس ہجری داخل ہوا، تو اس کے پہلے مہینے یعنی محرم میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ روک دی گئی۔ دونوں نے اس مہینے کے ختم ہونے تک لڑائی چھوڑنے پر اتفاق کیا تھا، اس امید پر کہ شاید صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔

دوسرا مطلب: مکمل تصادم

جب محرم کا مہینہ ختم ہوا تو صفر کے پہلے ہی دن دوبارہ جنگ شروع ہو گئی۔ تاہم دونوں لشکر مکمل تصادم سے گریز کرتے رہے، ایک طرف ہلاکتِ عامہ کا اندیشہ تھا اور دوسری طرف صلح کی امید باقی تھی۔ مگر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جنگ طول پکڑ رہی ہے اور اہلِ شام کی

جانب سے صلح کی کوئی صورت ظاہر نہیں ہو رہی، کیونکہ وہ بیعت سے پہلے قصاص پر اصرار کیے ہوئے تھے۔اس موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے حکم صادر فرمایا کہ کل بروز بدھ (۸ صفر ۳۷ھ)(۲) مکمل جنگ ہوگی۔ چنانچہ ان کا لشکر اس کے لیے تیار ہو گیا، اور جب یہ خبر لشکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لشکر کو تیاری اور صف بندی کا حکم دیا۔

چنانچہ جب بدھ کی صبح ہوئی تو ایک سخت جنگ بھڑک اٹھی جو غروبِ آفتاب تک جاری رہی۔

پھر اگلے دن (جمعرات، ۹ صفر) کو بھی صبح سے لے کر غروبِ آفتاب تک اسی طرح جنگ برپا رہی، اور اُس دن کی لڑائی پہلے دن سے بھی زیادہ سخت تھی۔

لیکن جنگ دوبارہ اُسی رات (جمعہ کی رات) بھڑک اُٹھی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا یہاں تک کہ جمعہ کے دن کی صبح کو سورج طلوع ہو گیا (۱۰ صفر)۔ اُس رات کو ''لیلۃ الھریر'' کہا جاتا ہے(۳)۔

یوں مکمل معرکے کے اوقات کا مجموعہ تقریباً پینتیس (۳۵) گھنٹے سے اڑتیس (۳۸) گھنٹے تک بنتا ہے۔

اور جمعہ کی رات کا قتال صفّین میں دونوں فریقوں کے درمیان سب سے زیادہ شدید لڑائی تھی۔فجر کی نماز انہوں نے اشاروں سے ادا کی۔

ابو النضر زیاد بن النضر الحارثی - جو عینی شاہد ہیں - انہوں نے معرکے کے تیسرے دن کا دردناک منظر بیان کیا ہے،،،،

[۳۲۶] قَالَ نَصرُ بنُ مُزَاحِمٍ : قَالَ عُمَرُ : وَحَدَّثَنِي مُجَالِدٌ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ زِيَادِ بْنِ النَّضْرِ الحَارِثِي - وَكَانَ عَلَى مُقَدِّمَةِ عَلِيٍّ - قَالَ : شَهِدْتُ مَعَ عَلِيٍّ بِصِفِّينَ، فَاقْتَتَلْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَثَلَاثَ لَيَالٍ، حَتَّى تَكَسَّرَتِ الرِّمَاحُ ، وَنَفِدَتِ(۴) السِّهَامُ ، ثُمَّ صِرْنَا إِلَى الْمُسَايَفَةِ، فَاجْتَلَدْنَا بِهَا إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، حَتَّى صِرْنَا نَحْنُ وَأَهْلُ الشَّامِ فِي اليَوْمِ الثَّالِثِ يُعَانِقُ بَعْضُنَا بَعْضاً، وَقَدْ قَاتَلْتُ لَيْلَتَئِذٍ بِجَمِيعِ السِّلَاحِ، فَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ مِنَ السِّلَاحِ إِلَّا

قَاتَلْتُ بِهِ، حَتّى تَحَاثَيْنَا بِالتّرَابِ، وَتَكَادَمْنَا(۵) بِالْأَفْوَاهِ، حَتّى صِرْنَا قِيَاماً يَنْظُرُ بَعْضُنَا إِلَى بَعْضٍ مَا يَسْتَطِيعُ وَاحِدٌ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ يَنْهَضُ إِلَى صَاحِبِهِ وَلَا يُقَاتِلُ(۶).

نصر بن مزاحم نے کہا: عمر نے بیان کیا: اور مجھے مجالد نے روایت کی، شعبی سے، اور انہوں نے زیاد بن النضر الحارثی سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مقدّمہ فوج (یعنی اگلی صف) پر تھے- کہا: میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفّین میں شریک ہوا۔ ہم نے تین دن اور تین راتیں جنگ کی، یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تیر ختم ہو گئے۔ پھر ہم تلواروں کے ساتھ آمنے سامنے ہوئے، اور آدھی رات تک ان سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ تیسرے دن ہم اور اہلِ شام اس حال تک پہنچ گئے کہ ایک دوسرے سے گلے ملنے کے انداز میں گتھم گتھا ہو گئے۔ میں نے اس رات ہر قسم کے ہتھیار سے قتال کیا، کوئی ہتھیار باقی نہ رہا مگر میں نے اس سے لڑائی کی، یہاں تک کہ ہم مٹی کے ڈھیلے ایک دوسرے پر پھینکنے لگے اور منہ سے کاٹنے لگے، یہاں تک کہ ہم سب کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، نہ کسی فریق میں یہ طاقت باقی رہی کہ اپنے حریف پر حملہ کر سکے اور نہ ہی لڑائی جاری رکھنے کی سکت رہی۔

[۳۲۷] وَيَصِفُ ابْنُ كَثِيرٍ مَأْسَاةَ لَيْلَةِ الْهَرِيرِ فَيَقُولُ: (وَاسْتَمَرَّ الْقِتَالُ فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ كُلِّهَا، وَهِيَ مِنْ أَعْظَمِ اللَّيَالِي شَرًّا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، وَتُسَمَّى هَذِهِ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْهَرِيرِ(۷)، وَكَانَتْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ... وَذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ عُلَمَاءِ السِّيَرِ: أَنَّهُمُ اقْتَتَلُوا بِالرِّمَاحِ حَتّى تَقَصَّفَتْ(۸)، وَبِالنَّبَالِ حَتّى فَنِيَتْ، وَبِالسُّيُوفِ حَتّى تَحَطَّمَتْ، ثُمَّ صَارُوا إِلَى أَنْ تَقَاتَلُوا بِالْأَيْدِي وَالرَّمْيِ

بِالْحِجَارَةِ وَالتُّرَابِ يَعْفِرُونَهُ فِي الوُجُوهِ، ثُمَّ تَعَاضُوا بِالأَسْنَانِ، فَكَانَ يَقْتَتِلُ الرَّجُلَانِ حَتَّى يُثْخِنَا ثُمَّ يَجْلِسَانِ يَسْتَرِيحَانِ، وَكُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَهْمِرُ عَلَى الْآخَرِ وَيَهْمِرُ عَلَيْهِ(۹)(۱۰) ، ثُمَّ يَقُومَانِ فَيَقْتَتِلَانِ كَمَا كَانَا ، وَلَا يَتَمَكَّنُ أَحَدُهُمَا الْفِرَارَ مِنَ الْآخَرِ ، فَإِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَلَمْ يَزَلْ ذَلِك دَأْبُهُمْ حَتَّى أَصْبَحَ النَّاسُ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَهُمْ كَذَلِك، وَصَلَّى النَّاسُ الصُّبْحَ إِيمَاءً، وَهُمْ فِي القِتَالِ حَتَّى تَضَاحَى النَّهَارُ ، وَتُوَجَّهَ النَّصْرُ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ عَلَى أَهْلِ الشَّامِ(۱۱).

[۳۲۷] ابن کثیر لیلۃ الہریر کے سانحے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (اس رات ساری رات جنگ جاری رہی، اور یہ مسلمانوں کے درمیان سب سے بدترین راتوں میں سے ایک تھی۔ اسی لیے اسے لیلۃ الہریر کہا جاتا ہے۔ یہ جمعہ کی رات تھی......اور متعدد سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ وہ نیزوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئے، تیر چلاتے رہے یہاں تک کہ ختم ہو گئے، تلواروں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ چور چور ہو گئیں۔ پھر وہ ہاتھوں سے لڑنے لگے اور ایک دوسرے پر پتھر اور مٹی پھینکنے لگے، یہاں تک کہ مٹی کو چہرے پر مل دیتے۔ پھر ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹنے لگے۔ دو آدمی لڑتے یہاں تک کہ نڈھال ہو کر گر پڑتے، پھر کچھ دیر بیٹھ کر سانس لیتے، مگر دونوں ایک دوسرے پر خون بہاتے رہتے۔ پھر اٹھ کر دوبارہ اسی طرح لڑنے لگتے، اور کسی کو یہ طاقت نہ تھی کہ دوسرے سے پیچھا چھڑا کر بھاگ سکے۔ إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ جمعہ کی صبح ہو گئی اور لوگ اسی حالت میں تھے۔ نمازِ فجر انہوں نے اشاروں کے ساتھ ادا کی، اور

قتال کا سلسلہ دو پہر چڑھنے تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ بالآخر اہلِ عراق کے حق میں اہلِ شام پر فتح ونصرت کا رُخ ہو گیا)۔

[۳۲۸] أَخرَجَ أَبُو القَاسِمِ الطَّبَرَانِيُّ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ(۱۲)، ثنا أَبِي، حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الخَفَّافُ، عَنِ الأَعْمَشِ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ: شَهِدْنَا مَعَ عَلِيٍّ صِفِّينَ، وَقَدْ وَكَّلْنَا بِفَرَسِهِ رَجُلَيْنِ، فَكَانَتْ إِذَا كَانَتْ مِنَ الرَّجُلِ غَفْلَةٌ غَمَزَ عَلِيٌّ فَرَسَهُ فَإِذَا هُوَ فِي عَسْكَرِ الْقَوْمِ، فَيَرْجِعُ إِلَيْنَا وَقَدْ خَضَبَ سَيْفَهُ دَمًا وَيَقُولُ إِذَا رَجَعَ: يَا أَصْحَابِي، اعْذُرُونِي اعْذُرُونِي. وَكُنَّا إِذَا تَوَادَعْنَا(۱۳) دَخَلَ هَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، فَكَانَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ عَلَمًا لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، لَا يَسْلُكُ عَمَّارٌ وَادِيًا مِنْ أَوْدِيَةِ صِفِّينَ إِلَّا تَبِعَهُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ(۱۴) وَقَدْ رَكَزَ الرَّايَةَ، فَقَالَ: مَا لَكَ يَا هَاشِمُ؟ أَعَوَرًا وَجُبْنًا؟! لَا خَيْرَ فِي أَعْوَرَ لَا يَغْشَى البَأْسَ. قَالَ: فَنَزَعَ هَاشِمٌ الرَّايَةَ وَهُوَ يَقُولُ:

أَعْوَرُ يَبْغِي أَهْلَهُ مَحَلَّا ... قَدْ عَالَجَ الحَيَاةَ حَتَّى مَلَّا
لَا بُدَّ أَنْ يَفُلَّ أَوْ يُفَلَّا(۱۵)

فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: أَقْدِمْ، فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ البَارِقَةِ(۱۶)، قَدْ تَزَيَّنَ الْحُورُ الْعِينُ، مَعَ مُحَمَّدٍ وَحِزْبِهِ، فِي الرَّفِيقِ الأَعْلَى.

فَحَمَلَا، فَمَا رَجَعَا حَتَّى قُتِلَا. وَكُنَّا إِذَا تَوَادَعْنَا دَخَلَ هَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِأَرْبَعَةٍ يَسِيرُونَ: مُعَاوِيَةُ، وَأَبُو الأَعْوَرِ السُّلَمِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ العَاصِ، وَابْنُهُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: إِنْ أَخَذْتُ عَنْ يَمِينِ اثْنَيْنِ لَمْ أَسْمَعْ كَلَامَهُمْ، فَاخْتَرْتُ لِنَفْسِي أَنْ أَضْرِبَ فَرَسِي

فَأُفَرِّقَ بَيْنَهُمْ، فَفَعَلْتُ، فَجَعَلْتُ اثْنَيْنِ عَنْ يَمِينِي وَاثْنَيْنِ عَنْ يَسَارِي، فَجَعَلْتُ أُصْغِي بِسَمْعِي أَحْيَانًا إِلَى مُعَاوِيَةَ وَإِلَى أَبِي الْأَعْوَرِ، وَأَحْيَانًا إِلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَابْنِهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ لِأَبِيهِ: يَا أَبَةِ، قَتَلْنَا هَذَا الرَّجُلَ، وَقَدْ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا قَالَ. فَقَالَ: وَأَيُّ رَجُلٍ؟ فَقَالَ: عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ يَوْمَ بَنَى الْمَسْجِدَ، وَنَحْنُ نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ يَحْمِلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَمَرَّ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: »تَحْمِلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ وَأَنْتَ تُرْحَضُ (۱۷)؟! أَمَا إِنَّهُ سَيَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، وَأَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَسَمِعْتُ عَمْرًا يَقُولُ لِمُعَاوِيَةَ: قَتَلْنَا هَذَا الرَّجُلَ وَقَدْ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا قَالَ قَالَ: أَيُّ رَجُلٍ؟ قَالَ: عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ؛ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ بَنَى الْمَسْجِدَ، وَنَحْنُ نَنْقُلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ يَحْمِلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَمَرَّ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا أَبَا الْيَقْظَانِ، أَتَحْمِلُ لَبِنَتَيْنِ وَأَنْتَ تُرْحَضُ؟! أَمَا إِنَّهُ سَتَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، وَأَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اسْكُتْ، فَوَاللّٰهِ مَا تَزَالُ تَدْحَضُ (۱۸) فِي بَوْلِكَ، أَنَحْنُ قَتَلْنَاهُ؟! إِنَّمَا قَتَلَهُ مَنْ جَاءُوا بِهِ فَأَلْقَوْهُ بَيْنَ رِمَاحِنَا. قَالَ: فَتَنَادَوْا فِي عَسْكَرِ مُعَاوِيَةَ: إِنَّمَا قَتَلَ عَمَّارًا مَنْ جَاءَ بِهِ (۱۹)

یہ روایت ابو القاسم الطبرانی نے بیان کی ہے: ہمیں محمد بن اسحاق بن راہویہ نے حدیث سنائی، کہا: مجھے میرے والد نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں عطا بن مسلم الخفاف نے اعمش سے حدیث سنائی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد الرحمن السّلمی نے کہا: ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شریک تھے، اور ہم نے ان کے گھوڑے کی نگرانی کے لیے دو آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔ لیکن جب کبھی ان میں سے کوئی ذرا سی بھی غفلت کرتا تو

علی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو ایڑی مارتے اور یکا یک دشمن کے لشکر میں پہنچ جاتے۔ پھر واپس ہماری طرف لوٹتے تو ان کی تلوار خون سے تر ہوتی، اور واپسی پر فرماتے: اے میرے ساتھیو! میری معذرت قبول کرو، میری معذرت قبول کرو۔ اور جب بھی ہم جنگ سے ذرا توقف کرتے تو یہ حال ہوتا کہ ایک گروہ دوسرے کے لشکر میں داخل ہوجاتا۔ ان دنوں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک علَم کی حیثیت رکھتے تھے۔ صفین کی جس وادی سے بھی عمار گزرتے، اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے پیچھے چلتے۔ یہاں تک کہ ہم ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک پہنچے، وہ پرچم گاڑے کھڑے تھے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا بات ہے اے ہاشم! ایک تو تم کانے ہو اور پھر بزدلی بھی دکھا رہے ہو؟ اندھے میں کوئی خیر نہیں جو معرکے کے میدان میں نہ اترے۔ اس پر ہاشم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اکھاڑ لیا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے:

[ایک کانا آدمی اپنے گھر والوں کے لیے ٹھکانا ڈھونڈ رہا تھا، زندگی کی مشقتوں سے گزر کر وہ تھک چکا تھا۔ وہ بولا: مجھے ضرور کچھ کہنا ہے یا پھر چپ رہ جانا ہے]

اس پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: آگے بڑھ، جنت تلواروں کی چمک کے نیچے ہے، حورِ عین زیب و زینت سے آراستہ ہیں، وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اعلیٰ رفیق میں ہیں۔ پھر وہ دونوں (اللہ کی راہ میں) بڑھے اور واپس نہ لوٹے یہاں تک کہ شہید کر دیے گئے۔ جب کبھی جنگ میں صلح یا توقف ہوتا تو ایک فریق کے لوگ دوسرے کے لشکر میں اور دوسرے کے لوگ ان کے لشکر میں آجایا

کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چار آدمی آہستہ آہستہ چل رہے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ، ابو الاعور السلمی، عمرو بن العاص اور ان کا بیٹا رضی اللہ عنہم۔ میں نے سوچا کہ اگر میں دائیں طرف سے قریب ہوا تو سب کی بات نہ سن سکوں گا، اس لیے میں نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا اور ان کے درمیان جا نکلا۔ اس طرح دو میرے دائیں اور دو بائیں ہو گئے، اور میں کبھی معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابو الاعور رضی اللہ عنہ کی طرف کان لگاتا اور کبھی عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی طرف۔ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو اپنے والد سے کہتے ہوئے سنا: ابا جان! ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سا شخص؟ انہوں نے کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں سنا تھا کہ جب ہم مسجد بنا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے جبکہ عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا: ”تم دو دو اینٹیں اٹھا رہے ہو حالانکہ تم پر مشقت ڈالی جا رہی ہے؟ سنو! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، اور تم اہلِ جنت میں سے ہو۔ یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات فرمائی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اس کو تو وہ لوگ قتل کرنے والے ہیں جو اسے یہاں لے کر آئے اور ہماری صفوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ پھر لشکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ندا دی گئی: عمار رضی اللہ عنہ کو تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو اسے لے کر آئے۔

[۳۲۹] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ جَرِيرِ الطَّبَرِيُّ بِنَحْوِهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَد بن مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ: كُنَّا مَعَ عَلِيٍّ بِصِفِّينَ، فَكُنَّا قَدْ وَكَّلْنَا بِفَرَسِهِ رَجُلَيْنِ يَحْفَظَانِهِ وَيَمْنَعَانِهِ مِنْ أَنْ يَحْمِلَ، فَكَانَ إِذَا حَانَتْ مِنْهُمَا غَفْلَةٌ يَحْمِلُ فَلَا يَرْجِعُ حَتَّى يَخْضِبَ سَيْفَهُ، وَإِنَّهُ حَمَلَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرْجِعْ حَتَّى انْثَنَى سَيْفُهُ، فَأَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ وَقَالَ: لَوْلَا أَنَّهُ انْثَنَى مَا رَجَعْتُ. - فَقَالَ الْأَعْمَسُ: هَذَا وَاللهِ ضَرْبُ غَيْرِ مُرْتَابٍ. فَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ: سَمِعَ الْقَوْمُ شَيْئًا فَأَدَّوْهُ وَمَا كَانُوا بِكَذابِينَ، قَالَ: وَرَأَيْتُ عَمَّارًا لَا يَأْخُذُ وَادِيًا مِنْ أَوْدِيَةِ صِفِّينَ إِلَّا تَبِعَهُ مَنْ كَانَ هُنَاكَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، وَرَأَيْتُهُ جَاءَ إِلَى الْمِرْقَالِ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ(۲۰) وَهُوَ صَاحِبُ رَايَةِ عَلِيٍّ، فَقَالَ: يَا هَاشِمُ، أَعَوَرًا وَجُبْنًا؟! لَا خَيْرَ فِي أَعْوَرَ لَا يَغْشَى الْبَأْسَ، فَإِذَا رَجُلٌ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ قَالَ: هَذَا وَاللهِ لَيُخْلِفَنَّ إِمَامَهُ، وَلَيَخْذُلَنَّ جُنْدَهُ، وَلَيَصْبِرَنَّ جُهْدَهُ، ارْكَبْ يَا هَاشِمُ، فَرَكِبَ، وَمَضَى هَاشِمٌ يَقُولُ:

أَعْوَرُ يَبْغِي أَهْلَهُ مَحَلَّا قَدْ عَالَجَ الْحَيَاةَ حَتَّى مَلَّا
لَا بُدَّ أَنْ يَفُلَّ أَوْ يُفَلَّا

وَعَمَّارٌ يَقُولُ: تَقَدَّمْ يَا هَاشِمُ الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ، وَالْمَوْتُ فِي أَطْرَافِ الْأَسَلِ، وَقَدْ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَتَزَيَّنَتِ الْحُورُ الْعِينُ.

الْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ

فَلَمْ يَرْجِعَا وَقُتِلَا - قَالَ: (يُفِيدُ لَكَ عِلْمَهُمَا مَنْ كَانَ هُنَاكَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُمَا كَانَا عَلَمًا)(۲۱) - فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ قُلْتُ: لَأَدْخُلَنَّ إِلَيْهِم حَتَّى أَعْلَم: هَلْ بَلَغَ مِنْهُمْ قَتْلُ عَمَّارٍ مَا بَلَغَ مِنَّا؟ وَكُنَّا إِذَا تَوَادَعْنَا مِنَ

الْقِتَالِ تَحَدَّثُوا إِلَيْنَا وَتَحَدَّثْنَا إِلَيْهِمْ، فَرَكِبْتُ فَرَسِي وَقَدْ هَدَأَتِ الرِّجْلُ (۲۲)، ثُمَّ دَخَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِأَرْبَعَةٍ يَتَسَايَرُونَ (۲۳) : مُعَاوِيَةُ، وَأَبُو الْأَعْوَرِ السُّلَمِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو - وَهُوَ خَيْرُ الْأَرْبَعَةِ - ، فَأَدْخَلْتُ فَرَسِي بَيْنَهُمْ مَخَافَةَ أَنْ يَفُوتَنِي مَا يَقُولُ أَحَدُ الشِّقَّيْنِ ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لِأَبِيهِ : يَا أَبَتِ، قَتَلْتُمْ هَذَا الرَّجُلَ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا ، وَقَدْ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا قَالَ قَالَ : وَمَا قَالَ ؟ قَالَ : أَلَمْ تَكُنْ مَعَنَا وَنَحْنُ نَبْنِي الْمَسْجِدَ، وَالنَّاسُ يَنْقُلُونَ حَجَرًا حَجَرًا ، وَلَبِنَةً لَبِنَةً ، وَعَمَّارٌ يَنْقُلُ حَجَرَيْنِ حَجَرَيْنِ، وَلَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَغُشِيَ عَلَيْهِ ، فَأَتَاهُ رَسُولُ اللهِ ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ التُّرَابَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُولُ : وَيْحَكَ يَا ابْنَ سُمَيَّةَ النَّاسُ يَنْقُلُونَ حَجَرًا حَجَرًا ، وَلَبِنَةً لَبِنَةً، وَأَنْتَ تَنْقُلُ حَجَرَيْنِ حَجَرَيْنِ وَلَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ رَغْبَةً مِنْكَ فِي الْأَجْرِ وَأَنْتَ وَيْحَكَ مَعَ ذَلِكَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ! «فَدَفَعَ عَمْرٌو صَدْرَ فَرَسِهِ، ثُمَّ جَذَبَ مُعَاوِيَةَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا مُعَاوِيَةُ، أَمَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ عَبْدُ اللهِ؟! قَالَ: وَمَا يَقُولُ؟ فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : إِنَّكَ شَيْخٌ أَخْرَقُ، وَلَا تَزَالُ تُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ وَأَنْتَ تَدْحَضُ فِي بَوْلِكَ! أَوَ نَحْنُ قَتَلْنَا عَمَّارًا؟ إِنَّمَا قَتَلَ عَمَّارًا مَنْ جَاءَ بِهِ. فَخَرَجَ النَّاسُ (۲۴) مِنْ فَسَاطِيطِهِمْ وَأَخْبِيَتِهِمْ (۲۵) يَقُولُونَ : إِنَّمَا قَتَلَ عَمَّاراً مَنْ جَاءَ بِهِ. فَلَا أَدْرِي مَنْ كَانَ أَعْجَبَ؟ هُوَ أَوْ هُمْ (۲٦)

ذِكْرُ رِوَايَةِ الطَّبَرِيِّ مَعَ كَوْنِهَا مُكَرَّرَةً لِأَنَّ فِيهَا مَزِيدَ تَوْضِيحٍ.

اور امام ابن جریر طبری نے بھی اس روایت کو تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ولید بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عطا بن مسلم نے اعمش سے

روایت کی، انہوں نے کہا: ابوعبدالرحمن سلمی نے فرمایا: ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں تھے۔ ہم نے ان کے گھوڑے کے ساتھ دو آدمیوں کو مقرر کیا تھا تا کہ وہ گھوڑے کی حفاظت کریں اور اسے اس بات سے روکیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بار بار حملہ نہ کریں۔ لیکن جب بھی وہ دونوں ذرا سی غفلت برتتے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حملہ آور ہوتے اور واپس نہ آتے جب تک کہ اپنی تلوار خون سے رنگ نہ لیتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور واپس نہ لوٹے یہاں تک کہ ان کی تلوار مڑ گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار ہمیں پھینک دی اور فرمایا: اگر یہ تلوار نہ ٹوٹتی تو میں کبھی واپس نہ آتا - اعمش کہتے ہیں: یہ قسم بخدا ایسے وار تھے جو کسی متردد یا شک کرنے والے کے نہیں تھے۔ ابوعبدالرحمن کہتے ہیں: لوگوں نے جو کچھ سنا وہی نقل کیا اور وہ جھوٹے نہ تھے- میں نے (صفین کے دنوں میں) دیکھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جس وادی میں داخل ہوتے، وہاں موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے چل پڑتے۔ میں نے انہیں حضرت ہاشم بن عتبہ (المرقال) کے پاس آتے دیکھا جو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمبردار تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ہاشم! کیا تم ایک آنکھ کے ساتھ ہو اور پھر بھی ڈرتے ہو؟ کسی ایک آنکھ والے کے لیے کوئی بھلائی نہیں اگر وہ میدانِ جنگ میں نہ آئے!۔ اسی دوران ایک شخص صفوں کے بیچ سے بولا: اللہ کی قسم! یہ اپنے امام کی سچائی پر جمے رہیں گے، اپنی فوج کا بھرپور ساتھ دیں گے اور صبر و استقامت سے لڑیں گے۔ اے ہاشم! آگے بڑھو۔ تو ہاشم گھوڑے پر سوار ہو گئے اور چلتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگے:

[ایک آنکھ والا اپنی قوم کے لیے میدان ڈھونڈ رہا ہے، زندگی کی سختیوں کو سہتے سہتے

تھک گیا ہے، اب یا تو وہ دشمن کو توڑ ڈالے گا یا خود ٹوٹ جائے گا]

اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ یہ آواز بلند کر رہے تھے: آگے بڑھو اے ہاشم! جنت تلواروں کے سائے تلے ہے، موت نیزوں کی انیوں پر ہے، آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، اور حورِعین نے زیب وزینت اختیار کر لی ہے۔

[آج میں اپنے محبوبوں سے ملاقات کروں گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے قافلے سے!]

پھر نہ وہ دونوں (عمار اور ہاشم) واپس لوٹے - اور شہید ہو گئے۔ راوی کہتا ہے: (اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے وہ انہیں (عمار و ہاشم کو) اسلام کے علَم کی حیثیت سے پہچانتے تھے)۔ رات کے وقت میں نے سوچا کہ دشمن کی صفوں میں جا کر معلوم کروں کہ کیا ان تک بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اسی طرح پہنچی ہے جیسے ہمیں پہنچی۔ جب کبھی لڑائی میں وقفہ ہوتا تو ہم آپس میں گفتگو کر لیتے تھے۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور خاموشی سے ان کے پاس جا پہنچا۔ دیکھا کہ چار آدمی آپس میں بات کر رہے ہیں: معاویہ، ابو الاعور سلمی، عمرو بن العاص اور ان کا بیٹا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم - جو ان سب میں بہتر تھے- میں نے اپنا گھوڑا ان کے درمیان ڈال دیا تاکہ کوئی بات سننے سے نہ رہ جائے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ لوگوں نے آج کے دن اس شخص (یعنی عمار رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ آپ جانتے ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا فرمایا تھا؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ نہ تھے جب ہم مسجد تعمیر کر رہے تھے؟ لوگ ایک ایک پتھر اور ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور

عمار رضی اللہ عنہ دو دو پتھر اور دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے اور ان کے چہرے سے گرد جھاڑی اور فرمایا: ''افسوس! اے سمیہ کے بیٹے! لوگ ایک ایک پتھر اور اینٹ اٹھا رہے ہیں اور تم دو دو پتھر اور اینٹیں اٹھاتے ہو محض اجر کی زیادتی کے شوق میں۔ مگر افسوس! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا!'' یہ سن کر عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف موڑ دیا اور کہا: اے معاویہ! کیا آپ سن رہے ہیں کہ عبداللہ کیا کہہ رہا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کیا کہہ رہا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے پوری بات بیان کی۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم تو ایک بھولے بسرے بوڑھے ہو، ہمیشہ حدیث بیان کرتے رہتے ہو مگر خود ٹھوکر کھا جاتے ہو! کیا ہم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا؟ عمار رضی اللہ عنہ کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں ہمارے مقابلے میں لایا! پھر یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور لوگ اپنے خیموں اور ڈیرے چھوڑ کر نکل آئے اور کہنے لگے: عمار رضی اللہ عنہ کو تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں یہاں لایا۔ راوی کہتا ہے: مجھے سمجھ نہ آیا کہ زیادہ تعجب کس پر کیا جائے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات پر یا لوگوں کے اس کے بعد کے ردِّ عمل پر!

میں نے طبری کی روایت یہاں ذکر کی ہے، باوجود اس کے کہ یہ تکراری معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں کچھ مزید وضاحت پائی جاتی ہے۔

[۳۳۰] أَخْرَجَ أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا: حَدَّثَنِي سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، نا وَكِيعٌ قَالَ: نا الْأَعْمَشُ، عَنْ شِمْرِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ الْأَسَدِيِّ(٢٧) قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا رضی الله عنه بِصِفِّينَ وَمَعَهُ سَيْفُ رَسُولِ اللهِ ذُو الْفَقَارِ، يَحْمِلُ عَلَيْهِمْ، فَنَضْبِطُهُ فَيَنْفَلِتُ مِنَّا، فَيَحْمِلُ عَلَيْهِمْ فَيَضْرِبُ بِسَيْفِهِ

حَتَّى يَجِيءَ بِهِ قَدْ تَثَنَّى، فَيَقُولُ: "إِنَّ هَذَا يَعْتَذِرُ إِلَيْكُمْ" (۲۸).

ابوبکر ابن ابی الدنیا نے روایت کیا: مجھے سُریج بن یونس نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں اَعمش نے حدیث سنائی، اَعمش شِمر بن عطیہ سے، اور وہ عبداللہ بن سِنان اَسدی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ کو صفین میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ذوالفقار تھی۔ آپ دشمن پر حملہ کرتے، تو ہم (یعنی ساتھی) آپ کو روکنے کی کوشش کرتے لیکن آپ ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتے اور دشمن پر حملہ آور ہو جاتے۔ آپ اپنی تلوار سے مارتے یہاں تک کہ وہ تلوار دوہری (یعنی مڑ جاتی) حالت میں لوٹتی، تو آپ فرماتے: ''یہ (تلوار) تم سے اپنی معذرت بیان کر رہی ہے۔''

[۳۳۱] أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ خَازِمٍ (۲۹)، عَنْ عَمْرِو بْنِ شَرَاحِيلَ (۳۰)، عَنْ حَنَسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الصَّنْعَانِيِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زُرَيْرٍ الْغَافِقِيِّ - وَقَدْ كَانَ شَهِدَ صِفِّينَ مَعَ عَلِيٍّ - قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمًا وَالْتَقَيْنَا نَحْنُ وَأَهْلُ الشَّامِ، فَاقْتَتَلْنَا حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَا يَبْقَى أَحَدٌ، فَأَسْمَعُ صَالِحًا يَصِيحُ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ، اللهَ اللهَ، مَنْ لِلنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ مِنَ الرُّومِ؟ مَنْ لِلتَّرْكِ؟ مَنْ لِلدَّيْلَمِ (۳۱)؟ اللهَ اللهَ وَالْبُقْيَا (۳۲). فَأَسْمَعُ حَرَكَةً مِنْ خَلْفِي، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا عَلِيٌّ يَعْدُو بِالرَّايَةِ يُهَرْوِلُ بِهَا حَتَّى أَقَامَهَا، وَلَحِقَهُ ابْنُهُ مُحَمَّدٌ، فَأَسْمَعُهُ يَقُولُ: "يَا بُنَيَّ الْزَمْ رَايَتَكَ، فَإِنِّي مُتَقَدِّمٌ فِي الْقَوْمِ". فَأَنْظُرُ إِلَيْهِ يَضْرِبُ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُفْرَجَ لَهُ، ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهِمْ (۳۳).

ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے احمد بن

خازم نے بیان کیا، انہوں نے عمرو بن شراحیل سے، انہوں نے حنس بن عبداللہ الصنعانی سے، انہوں نے عبداللہ بن زریر الغافقی سے (جو صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے) بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ایک دن (اہلِ عراق) اور اہلِ شام کو آمنے سامنے دیکھا، ہم اس قدر لڑے کہ میں نے گمان کیا اب کوئی باقی نہ بچے گا۔ اسی دوران میں نے ایک نیک آدمی کو چیختے ہوئے سنا: اے جماعتِ مسلمین! اللہ کا خوف کرو، اللہ کا خوف کرو! ان عورتوں اور بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا جو رومیوں کے ہاتھوں میں ہیں؟ ترکوں کا کون مقابلہ کرے گا؟ دیلم کا کون سامنا کرے گا؟ اللہ کا خوف کرو اور کچھ بچاؤ باقی رکھو! میں نے اپنے پیچھے سے ایک حرکت کی آواز سنی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو علی رضی اللہ عنہ تھے جو پرچم لے کر دوڑ رہے تھے اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھاتے رہے یہاں تک کہ اسے نصب کر دیا۔ ان کے بیٹے محمد بھی ان سے آ ملے، میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: ''بیٹے! میرے ساتھ جمے رہنا، میں تمہیں (اپنی نگاہ میں) دیکھ رہا ہوں؛ میں تو ان لوگوں میں سب سے آگے بڑھنے والا ہوں''۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ اپنی تلوار سے حملے کر رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کے لیے (صفیں) کھل جاتی، پھر دوبارہ ان پر پلٹ آتے۔''

[۳۳۲] قَالَ نَصرُ بنُ مُزَاحِمٍ: قَالَ أَبُو جَعفَرٍ: ثُمَّ قَامَ الطَّفَيلُ بنُ أَدهَمَ حِيَالَ عَلِيٍّ، وَقَامَ أَبُو شُرَيحٍ الجُذَامِيُّ حِيَالَ المَيمَنَةِ، وَقَامَ وَرقَاءُ بنُ المُعَمَّرِ حِيَالَ المَيسَرَةِ، ثُمَّ نَادَوا: يَا مَعشَرَ العَرَبِ، اللهَ اللهَ فِي نِسَائِكُم وَبَنَاتِكُم، فَمَن لِلرُّومِ وَالأَترَاكِ وَأَهلِ فَارِسَ غَدًا إِذَا فَنِيتُم؟ اللهَ اللهَ فِي دِينِكُم، هَذَا كِتَابُ اللهِ بَينَنَا وَبَينَكُم(۳۴).

نصر بن مزاحم نے بیان کیا، کہا ابوجعفر نے: پھر طفیل بن ادہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہوئے، اور ابوشریح جُذامی دائیں بازو (مَیمنہ) کے مقابل کھڑے ہوئے، اور ورقاء بن معمر بائیں بازو (مَیسرہ) کے سامنے کھڑے ہوئے۔ پھر وہ پکار اٹھے: اے گروہِ عرب! اللہ سے ڈرو اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے بارے میں۔کل جب تم سب ختم کر دیے گئے تو روم، ترک اور اہلِ فارس کے مقابلے کے لیے کون ہوگا؟ اللہ سے ڈرو اپنے دین کے بارے میں! یہ اللہ کی کتاب ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن ہے۔

طفیل بن ادہَم، ابوشریح جذامی اور ورقاء بن معمر، یہ سب معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اوران کی فوج سے قتال روکنے اور کتاب اللہ عزوجل کے ذریعے فیصلے پر آمادہ ہونے کی پُرزور اپیل کی۔

[۳۳۳] وَذَكَرَ ابْنُ كَثِيرٍ أَنَّ أَهْلَ الشَّامِ حِينَمَا أُزِيحُوا عن أَمَاكِنِهِمْ وَتَوَجَّهَ النَّصْرُ لجيش العراق قَالَ أَهْلُ الشَّامِ: هَذَا[۳۵] بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، قَدْ فَنِيَ النَّاسُ، فَمَنْ لِلثُّغُورِ؟ وَمَنْ لِجِهَادِ الْمُشْرِكِينَ وَالْكُفَّارِ؟)[۳۶].

ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ شام اپنی جگہوں سے ہٹا دیے گئے اور عراق کی فوج کو غلبہ حاصل ہونے لگا تو اہلِ شام نے کہا: یہ (کتاب اللہ) ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن ہے۔ لوگ تو ختم ہو گئے، پھر سرحدوں (کی حفاظت) کے لیے کون باقی رہے گا؟ اور مشرکین و کفار کے خلاف جہاد کرنے والا کون ہوگا؟''۔

پچھلی روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین میں اس کامل یقین اور پختہ قناعت کے ساتھ قتال کر رہے تھے کہ وہ حق پر ہیں، اور وہ کبھی بھی اس بارے میں متردد نہ تھے کہ اہلِ شام قتال کے مستحق ہیں جب تک کہ وہ خلیفہ کے خلاف اپنے بَغی

سے باز نہ آجائیں۔

اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قائدین علی رضی اللہ عنہ کو قتال میں داخل ہونے سے روکتے تھے، اُن پر اندیشہ کرتے ہوئے، لیکن علی رضی اللہ عنہ برابر قتال میں شمولیت پر اصرار فرماتے تھے۔ وہ کبھی کبھی پہرے داروں کی غفلت کا موقع پاتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکل کھڑے ہوتے اور واپس نہ لوٹتے جب تک اپنی تلوار کو خون سے تر نہ کر لیتے، اور ایک مرتبہ صرف اپنی تلوار کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پلٹے اور فرمایا: (اگر یہ نہ ٹوٹتی تو میں واپس نہ آتا)(۳۷)۔ ''اسی طرح رضی اللہ عنہ خود ہی لشکر کا جھنڈا اُٹھا کر دوڑتے تھے''(۳۸)۔

[۳۳۴] أَخْرَجَ أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ صَالِحٍ، نَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ : قَالَ عَمْرُو بْنُ شُرَحْبِيلَ، لَيْلَةَ صِفِّينَ : "رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ الْبَارِحَةَ كَأَنَّا وَهَؤُلَاءِ جَمِيعًا اقْتُصَّ لِبَعْضِنَا مِنْ بَعْضٍ، ثُمَّ أُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ جَمِيعًا". قَالَ : فَكَانَ أَبُو وَائِلٍ يَقُولُ: "إِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَا أَبِي مَيْسَرَةَ"(۳۹).

ابوبکر ابن ابی الدنیا نے روایت کیا: ہمیں عبدالرحمن بن صالح نے خبر دی، کہا: ہمیں ابوبکر بن عیّاش نے روایت کیا، انہوں نے عاصم بن بہدلہ سے، اور انہوں نے ابو وائل سے روایت کیا، انہوں نے کہا: عمرو بن شرحبیل نے صفین کی رات کہا: ''گزشتہ رات میں نے خواب میں دیکھا گویا ہم اور یہ سب (یعنی اہلِ شام) ایک دوسرے سے بدلہ لے چکے ہیں، پھر ہم سب کو ایک ساتھ جنت میں داخل کر دیا گیا۔'' ابووائل کہا کرتے تھے: ''اگر ابومیسرہ کا خواب سچا ہے۔''

یہ سند جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کوفی ہے، اور شقیق اور ابومیسرہ دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کی سچائی، انصاف اور اس خبر کے روایت کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور یہ خواب صفین کی رات ہی کا تھا جیسا کہ خبر میں آیا ہے، اور غالباً اس سے مراد وہ رات ہے جو مکمل لڑائی سے پہلے تھی (۷ صفر ۳۷ھ)، کیونکہ جب معرکۂ صفین کا ذکر کیا جاتا ہے تو اکثر اس سے مراد ۸ صفر کی مکمل جنگ ہی لی جاتی ہے۔

[۳۳۵] أَخْرَجَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ فِي "مُسْنَدِهِ" - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ - : حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ سَالِمٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، حَدَّثَنَا [يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ](۴۰)، عَنْ عَمِّهِ(۴۱) قَالَ: "لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي أُصِيبَ فِيهِ عَمَّارٌ، كَانَ الرَّجُلَانِ يَضْطَرِبَانِ بِسَيْفِهِمَا حَتَّى يَفْتُرَا(۴۲)، فَيَجْلِسَا حَتَّى يَتَرَوَّحَا(۴۳)، فَيَعُودَا"، وَرُبَّمَا قَالَ: "فَانْتَصَفَ النَّهَارُ(۴۴)، وَقَدْ ضَرَبَ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَلَيْسَ أَحَدٌ يَتَحَرَّكُ، فَيَخْتَلِطُونَ هَكَذَا - وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ - ، حَتَّى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ(۴۵) إِذَا رَجُلٌ قَدْ بَرَزَ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ جَسِيمٌ، عَلَى فَرَسٍ جَسِيمٍ، ضَخْمٌ عَلَى ضَخْمٍ، يُنَادِي: "يَا عِبَادَ اللهِ—بِصَوْتٍ مُوجِعٍ(۴۶)، يَا عِبَادَ اللهِ، رُوحُوا إِلَى الْجَنَّةِ، - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - ، الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ الْأَسَلِ(۴۷)"، فَثَارَ النَّاسُ(۴۸)، فَإِذَا هُوَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ قُتِلَ رَحِمَهُ اللهُ(۴۹).

یعقوب بن شیبہ نے اپنی "مسند" میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے: ہمیں حدیث بیان کی خلف بن سالم نے، انہوں نے وہب بن جریر سے، انہوں نے جویریہ سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے اپنے چچا سے، انہوں نے کہا: جس دن عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اُس دن (صفین میں) دو آدمی اپنی تلواروں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے یہاں تک کہ تھک جاتے، تو بیٹھ کر دم لیتے، پھر دوبارہ لڑنے لگتے۔ اور کبھی (راوی) یہ بھی کہتے کہ نصف دن بیت گیا، اور سب لوگ

ایک دوسرے کو مار چکے تھے، کوئی حرکت کرنے والا نہ رہا، پھر یوں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے اور (راوی) نے اپنی انگلیوں میں ایک دوسرے کو پیوست کر کے اشارہ کیا یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا، اچانک ایک آدمی دونوں صفوں کے درمیان ظاہر ہوا، نہایت جسیم، جسیم گھوڑے پر سوار، بڑا ڈیل ڈول والا، بلند آواز میں نہایت دردناک لہجے میں پکارنے لگا: ''اے اللہ کے بندو! آؤ جنت کی طرف، اے اللہ کے بندو! آؤ جنت کی طرف، اے اللہ کے بندو! آؤ جنت کی طرف'' یہ تین مرتبہ کہا ''جنت نیزوں کے سائے تلے ہے''۔ پھر لوگ یکبارگی لپک پڑے، دیکھا تو وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں، اور زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ شہید کر دیے گئے، اللہ ان پر رحم فرمائے۔''

قوله (لَمّا كَانَ اليَوْمُ الَّذِي أُصِيبَ فِيْهِ عَمَّارٌ ... يُنَادِي : يَا عِبَادَ اللهِ - بِصوتٍ مُوجِع - ، يَا عِبَادَ اللهِ، رُوْحُوا إِلَى الجَنَّةِ ، - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - ، الجَنَّةُ تَحتَ ظِلَالِ الأَسَلِ): هذه الحادثة ورد ذكرها في نُسْخَةِ حَرْمَلَةَ، قال الراوي: (سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ بِصِفِّينَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ، وَهُوَ يُنَادِي : أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ، وَزُوِّجَتِ الْحُورُ الْعِينُ الْيَوْمَ نَلْقَى حَبِيبَنَا مُحَمَّدًا ﷺ، عَهِدَ إِلَيَّ: "أَنَّ آخِرَ زَادِكَ مِنَ الدُّنْيَا ضَيْحٌ (۵۰) مِنْ لَبَنٍ" (۵۱)).

ان کے اس قول: (جب وہ دن آیا جس میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ صفین میں شہید ہوئے ......تو وہ بلند آواز سے پکارنے لگے: اے اللہ کے بندو!: ایک درد سے بھری ہوئی صدا کے ساتھ: اے اللہ کے بندو! آگے بڑھو جنت کی طرف! آگے بڑھو جنت کی طرف! آگے بڑھو جنت کی طرف! جنت تو نیزوں کے سائے تلے ہے)۔ یہ واقعہ نسخۂ حرملہ میں مذکور ہے۔ راوی بیان کرتا ہے: (میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ اس دن جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے، وہ بار بار ندا لگا رہے تھے: جنت قریب لا دی گئی ہے، حورِ عین کے نکاح کر دیے گئے ہیں،

آج ہم اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارا دنیا سے آخری توشۂ سفر دودھ کا ایک گھونٹ ہوگا)۔

ان کے اس قول سے: (دو آدمی اپنی تلواروں سے برابر لڑتے رہتے یہاں تک کہ دونوں تھکن سے نڈھال ہو کر سست پڑ جاتے، پھر بیٹھ کر دم لیتے، کچھ دیر راحت پاتے اور جب ذرا سنبھل جاتے تو دوبارہ اٹھ کھڑے ہو کر پھر سے لڑنے لگتے)۔

اس ہولناک معرکے کی شدت اور تھکن کا حال بخوبی ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں پر طاری تھی۔ اسی کیفیت کو زیاد بن نضر الحارثی نے بھی نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں: (ہم سب میدان میں کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے، کسی بھی فریق کا کوئی شخص اپنے مخالف پر بڑھنے کے قابل نہ رہا، اور نہ کسی میں یہ سکت تھی کہ وہ لڑنے کی ہمت کر سکے)(۵۲)

اور ابن کثیر نے بھی اسی کے قریب ایک واقعہ ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (دو آدمی اس طرح لڑتے رہتے یہاں تک کہ دونوں نڈھال ہو کر گرنے لگتے (۵۳)، پھر بیٹھ کر دم لیتے اور کچھ دیر آرام کرتے۔ اس دوران ہر ایک دوسرے پر کاری ضرب لگاتا اور دوسرا بھی اس پر وار کرتا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوتے اور دوبارہ اسی طرح لڑنے لگتے جس طرح پہلے لڑ رہے تھے، اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے بھاگنے کی بھی طاقت نہ رکھتا تھا۔ پس إنا لله وإنا إليه راجعون۔ یہی ان کا حال مسلسل رہا یہاں تک کہ لوگ جمعہ کے دن کی صبح اسی حالت میں تھے)(۵۴)

ان کے اس قول: (جب دن نصف تک پہنچا اور سب لوگ قتال میں مصروف ہو چکے تو کوئی بھی حرکت کرنے کے قابل نہ رہا) کا مطلب یہ ہے کہ جب دن آدھا گزر گیا تو وہ سب حرکت کرنا چھوڑ بیٹھے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی دو وجوہ تھیں:

◆ پہلی وجہ: قتل ہونے والوں کی کثرت تھی۔ زمین لاشوں سے بھر گئی تھی، اس لیے نہ کوئی حرکت کر سکتا تھا اور نہ ہی قتال جاری رکھ سکتا تھا، چنانچہ لوگ لڑائی سے رک گئے۔ اس کی وضاحت عم یحییٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: (جب ہم صفین میں تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص حملہ کرتا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس جاتا (۵۵) یہاں تک کہ وہ خندقِ

معاویہ میں جا کر قتل کر دیا جاتا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے بھی کوئی شخص حملہ کرتا اور علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس کر ان کی خندق میں داخل ہو جاتا اور قتل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے قتل سے ہاتھ روک لیا اور گھوڑے بھی زخمی ہو کر گر گئے)(۵۶)

یعنی عراق کے لشکر کا کوئی لڑنے والا جب اہلِ شام کے لشکر پر ہلہ بولتا تو وہ شام کے لشکر کے قریب جا کر قتل ہو جاتا اور اس کی لاش وہیں پڑی رہتی جسے اس کے عراقی ساتھی نکالنے پر قادر نہ ہوتے، اور اسی طرح جب شام کے لشکر کا کوئی لڑنے والا ہلہ بولتا تو وہ قتل کر دیا جاتا اور اس کی لاش وہیں رہ جاتی جسے شامی لوگ نہیں نکال پاتے تھے۔ اس طرح مقتولین کی کثرت اس حد تک ہو گئی کہ زمین لاشوں سے بھر گئی اور لوگ حرکت وقتال کے قابل نہ رہے۔

◆ دوسرا سبب شدید تھکن تھی، کیونکہ جیسے ہی لوگوں کو صلح کی خبر ملی تو وہ تھکن کے باعث یوں زمین پر گر پڑے جیسے مردہ ہوں اور آرام کرنے لگے!!

ایک اور عینی شاہد ''ابو مروان اسلمی'' ہیں، جنہوں نے اس وقت کے حالات بیان کیے ہیں جب دوپہر ڈھل چکی تھی اور عمار رضی اللہ عنہ زوال کے بعد شہید کیے گئے۔ ابو مروان کہتے ہیں: (**اللہ کی قسم! لوگ اپنی اپنی حالت میں مصروف تھے** (۵۷)**؛ کوئی اپنے گھوڑے کی زین درست کر رہا تھا، کوئی لگام درست کر رہا تھا، اور کوئی اپنی سواری کو چارہ ڈال رہا تھا**)۔ یہ سب کچھ اس جنگ بندی کے دوران تھا جو دوپہر کے وقت ہوئی تھی۔ (**اچانک ہمیں عمار رضی اللہ عنہ کی آواز نے چونکا دیا**(۵۸))۔ یعنی وہ دل دہلا دینے والی اور نہایت بلند آواز میں چیخ رہے تھے۔ اس وقت لوگ سکون و اطمینان کے ساتھ جنگ بندی کی غفلت میں تھے، ہر ایک اپنی اپنی جگہ اپنے ذاتی کام میں مشغول تھا، جنگ سے یکسر بے پروا۔ لیکن عمار رضی اللہ عنہ کی پر جوش صدائیں سن کر سب لرز اُٹھے۔ ابو مروان بیان کرتے ہیں: ہمیں تو عمار رضی اللہ عنہ کی آواز نے ہلا ڈالا جب وہ پکارنے لگے: (**اے لوگو! کون ہے جو اللہ کی طرف بڑھنے والا ہے؟**)[پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے]۔ جان لو! جنت تو تلواروں کے سروں (۵۹) کے نیچے ہے۔'' یہ اس وقت کی بات ہے جب سورج ڈھلنے (۶۰) کو تھا۔ پھر اسی دن **عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اور ان کے ساتھ خزیمہ بن ثابت**

انصاری رضی اللہ عنہ اورعبدالرحمٰن بن کلدہ بھی شہید ہوئے۔یعنی یہ سب نمازِ ظہر کے وقت کے بعد شہید کیے گئے۔ابومروان مزید کہتے ہیں: (**ہمارے درمیان اس قدر لاشیں جمع ہوگئی تھیں کہ وہ پہاڑوں کی مانند لگتی تھیں**(۶۱))۔یہ بے شمار مقتولین اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ لوگ لڑائی سے کیوں عاجز آ گئے تھے۔میدانِ جنگ میں لاشوں کی ایسی بھرمار ہوگئی تھی کہ لوگوں کے لیے حرکت کرنا اورلڑائی جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔یہی وجہ تھی کہ اچانک ایک عارضی جنگ بندی کی گئی تاکہ پہاڑوں کی مانند ڈھیر ہوجانے والی لاشوں کو ہٹا کر میدان صاف کیا جاسکے۔

پھر گفتگو دوبارہ عمر یحییٰ بن سعید کی روایت کی طرف لوٹتی ہے۔۔۔

ان کے اس قول (فَيَخْتَلِطُونَ هَكَذَا اور اپنی انگلیوں میں ایک دوسرے کو پھنسا کر دکھایا) کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بندی کے وقت لوگ اس طرح باہم گھل مل گئے کہ ہر فریق اپنے اپنے مقتولین کو نکال کر دفنانے لگا۔اور ایک دوسری روایت میں الفاظ ہیں: (چنانچہ کچھ لوگ کچھ دوسرے لوگوں میں اس طرح مل گئے کہ بالکل یوں ہوگئے اور آپس میں اپنی انگلیوں کو پھنسا کر دکھایا۔)(۶۲)۔

ان کے اس قول (حَتَّى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ إِذَا رَجُلٌ ... الخ) سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح (جنگ بندی) کا آغاز اس وقت ہوا جب دن نصف پر پہنچا، اوراس کا اختتام سورج کے زوال کے ساتھ ہوا، پھر دوبارہ جنگ بھڑک اٹھی۔پس عمار رضی اللہ عنہ نے فوراً جنگ بندی کے بعد اہلِ شام پر حملہ کردیا اورنہایت بلند آواز سے اپنے ساتھیوں کو قتال پر ابھارتے رہے۔چنانچہ جب ان کے ساتھیوں نے انہیں سنا تو پرجوش ہوکر اہلِ شام پر ٹوٹ پڑے۔زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ جنگ بندی کے تھوڑے ہی وقفے بعد شہید ہوگئے۔

✓ اب ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور گفتگو کو مکمل کریں گے، اور [۳۴۳] کے بعد جنگ بندی کے موضوع پر مزید بات کریں گے۔

اور یہ خبر بلاذری نے بھی روایت کی ہے، تفصیل کے ساتھ، جس میں اس نے اس جنگ بندی کے سبب کو واضح کیا جونصف النہار کے وقت واقع ہوئی تھی اوراس میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جنگ جاری رکھنے کے موقف کو بھی بیان کیا ہے، البتہ عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسی سند سے الگ روایت کیا ہے۔

[۳۳۶] أَخرَجَ البَلاذُرِيُّ : حَدَّثَنِي أَحمَدُ بنُ إِبرَاهِيمَ الدَّورَقِيُّ ، حَدَّثَنَا وَهبُ بنُ جَرِيرٍ، عَن جُوَيرِيَةَ، عَن يَحيَى بنِ سَعِيدٍ، عَن عَمِّهِ](۶۳) قَالَ: تَنَازَلنَا بِصِفِّينَ ، فَاقتَتَلنَا بِهَا أَيَّامًا، فَكَثُرَتِ القَتلَى بَينَنَا ، وَعُقِرَتِ الخَيلُ، فَبَعَثَ عَلِيٌّ إِلَى عَمرٍو : إِنَّ القَتلَى قَد كَثُرُوا، فَأَمسِك حَتَّى يَدفِنَ الجَمِيعُ قَتلاهُم، فَأَجَابَهُ، فَاختَلَطَ بَعضُ القَومِ بِبَعضٍ حَتَّى كَانُوا هَكَذَا - وَشَبَّكَ بَينَ أَصَابِعِهِ ، وَكَانَ الرَّجُلُ مِن أَصحَابِ عَلِيٍّ يَشُدُّ فَيُقتَلُ فِي عَسكَرِهِ(۶۴) فَيُستَخرَجُ مِنهُ، وَكَانَ عَمرُو يَجلِسُ بِبَابِ خَندَقِهِ فَلا يَخفَى عَلَيهِ قَتِيلٌ مِنَ الفَرِيقَينِ ، فَمُرَّ عَلَيهِ بِرَجُلٍ مِن أَصحَابِ عَلِيٍّ قَد قُتِلَ فِي عَسكَرِ مُعَاوِيَةَ، فَبَكَى عَمرُو وَقَالَ: "لَقَد كَانَ مُجتَهِدًا(۶۵)، فَكَم مِن رَجُلٍ أَخشَنَ(۶۶) فِي أَمرِ اللهِ قَد قُتِلَ، يَرَى عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ أَنَّهُمَا بَرِيئَانِ مِن دَمِهِ؟!") (۶۷).

بلاذری نے روایت کیا: ہمیں احمد بن ابراہیم الدّورقی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، انہوں نے جویریہ سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے [اپنے چچا سے روایت کیا]، انہوں نے کہا: ہم صفین میں اترے اور کئی دنوں تک وہاں جنگ کرتے رہے۔ ہمارے درمیان مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور گھوڑے بھی زخمی ہوکر گرنے لگے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) کی طرف پیغام بھیجا: ''بے شک مقتولین بہت زیادہ ہوچکے ہیں، تم رکو تاکہ سب اپنے اپنے مقتولین کو دفنا لیں۔'' تو انہوں نے جواب دیا (یعنی راضی ہوگئے)۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے لوگ اس طرح گھل مل گئے جیسے یہ (اور راوی نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرکے دکھایا)۔ اور معاملہ یہ تھا کہ کبھی علی رضی

اللہ عنہ کے لشکر کا کوئی آدمی اچانک حملہ کرتا اور شام کے لشکر میں قتل ہو جاتا، پھر اسے وہاں سے نکالا جاتا۔ اور عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) اپنے خندق کے دروازے پر بیٹھتے تھے، اس لیے دونوں فریقوں کے مقتولین ان سے پوشیدہ نہ رہتے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا ایک آدمی لایا گیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قتل ہو گیا تھا۔ اس پر عمرو (رضی اللہ عنہ) رو پڑے اور کہا: ''یہ تو مجتہد شخص تھا۔ اللہ کے دین کے معاملے میں کتنے ہی سخت کوش مرد قتل کر دیے گئے ہیں، مگر علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں؟!''۔

[۳۳۷] وَقَالَ البَلَاذُرِيُّ: حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، أَنْبَأَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: ''لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي أُصِيبَ فِيهِ عَمَّارٌ، إِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ عَلَى فَرَسٍ ضَخْمٍ يُنَادِي: يَا عِبَادَ اللهِ رُوحُوا إِلَى الْجَنَّةِ'' - بِصَوْتٍ مُوجِعٍ - الجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ وَالأَسَلِ، وَإِذَا هُوَ عَمَّارٌ. قَالَ: فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ قُتِلَ (۶۷).

بلاذری نے کہا: مجھے احمد بن ابراہیم الدورقی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ بن اسماء نے خبر دی، یحییٰ بن سعید سے، اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جس دن عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ایک گٹھے ہوئے مضبوط جسم والا شخص بڑے گھوڑے پر سوار ہو کر بلند آواز میں پکار رہا تھا: ''اے اللہ کے بندو! جنت کی طرف بڑھو! جنت تلواروں اور نیزوں کے سائے تلے ہے'' - اور یہ آواز بڑی دردناک تھی۔ تو دیکھا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ وہ شہید کر دیے گئے۔

[۳۳۸] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ صِفِّينَ " - كَمَا فِي بُغْيَةِ الطَّلَبِ -: حَدَّثَنَا يَحيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الجُعْفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ الحُبَابِ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحيَى بْنُ سَعِيدٍ الأَنْصَارِيُّ، عَنْ عَمٍّ لَهُ شَهِدَ صِفِّينَ مَعَ عَلِيٍّ قَالَ: لَمَّا كُنَّا بِصِفِّينَ كَانَ الرَّجُلُ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ يَشُدُّ(۶۸) عَلَى أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ حَتَّى يَدْخُلَ خَنْدَقَ(۶۹) مُعَاوِيَةَ فَيُقْتَلَ، وَيَشُدُّ الرَّجُلُ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ عَلَى أَصْحَابِ عَلِيٍّ فَيَدْخُلُ خَنْدَقَ(۷۰) عَلِيٍّ فَيُقْتَلُ، حَتَّى امْتَنَعَ العَسْكَرَانِ مِنَ القَتْلِ(۷۱)، وَعُقِرَتِ الخَيْلُ، فَأَرْسَلَ عَلِيٌّ إِلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ - وَكَانَ يَلِي حَرْبَ مُعَاوِيَةَ -: إِنَّ عَسْكَرَنَا قَدِ امْتَنَعَ عَلَيْنَا مِنَ القَتْلَى وَلَا أَرَاكُمْ إِلَّا قَدْ لَقِيَكُمْ مِثْلَ مَا لَقِينَا، فَلْيُؤَمِّنْ بَعْضُنَا بَعْضًا حَتَّى نُوَارِيَ(۷۲) قَتْلَانَا، وَتُوَارُوا قَتْلَاكُمْ. فَبَعَثَ إِلَيْهِ عَمْرٌو: إِنِّي قَدْ فَعَلْتُ. فَجَلَسَ عَمْرٌو عَلَى بَابِ الخَنْدَقِ، فَكَانَ إِذَا مُرَّ عَلَيْهِ بِالرَّجُلِ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ: سَأَلَ عَنْهُ، فَيُخْبَرُ، فَمُرَّ عَلَيْهِ بِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ مِنَ الْمُتَهَجِّدِينَ (۷۳)، - أَظُنُّهُ سَمَّاهُ -، فَسَأَلَ عَنْهُ عَمْرٌو، فَأُخْبِرَ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ العَاصِ: ((يَرَى(۷۴) عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ أَنَّهُمَا بَرِيئَانِ مِنْ دَمِ هَذَا(۷۵)))؟!(۷۶)

ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں اسے روایت کیا ہے جیسا کہ بغیۃ الطلب میں ہے: ہمیں یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے حدیث بیان کی، کہا: مجھے زید بن حباب نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں جویریہ بن اسماء الضبعی نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید انصاری نے اپنے ایک چچا سے حدیث بیان کی جو صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے کہا: جب ہم صفین میں تھے تو کبھی علی رضی اللہ عنہ کے

ساتھیوں میں سے کوئی شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑتا یہاں تک کہ معاویہ کے خندق میں داخل ہو جاتا اور شہید ہو جاتا، اور کبھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں میں سے کوئی شخص علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں پر حملہ کرتا یہاں تک کہ علی کی خندق میں داخل ہو جاتا اور شہید ہو جاتا، یہاں تک کہ دونوں لشکروں نے قتل وقتال سے رک جانا شروع کیا اور گھوڑے بھی نڈھال ہو گئے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت معاویہ کے لشکر کی جنگی قیادت کر رہے تھے یہ پیغام بھیجا: ''ہمارا لشکر ہم پر قتل وقتال سے رک گیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی وہی صورت حال پیش آئی ہوگی جو ہمیں پیش آئی ہے۔ تو آؤ، ہم ایک دوسرے کو امان دیں یہاں تک کہ ہم اپنے مقتولین کو دفن کر سکیں اور تم اپنے مقتولین کو دفن کر لو۔'' عمرو نے جواب بھیجا: ''میں نے ایسا کر لیا ہے۔'' پھر عمرو خندق کے دروازے پر بیٹھ گئے، اور جب علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں میں سے کوئی جنازہ ان کے پاس سے گزرتا تو وہ اس کے متعلق پوچھتے اور انہیں خبر دی جاتی۔ اس دوران علی رضی اللہ عنہ کے ایک ایسے ساتھی کو ان کے سامنے لایا گیا جو تہجد گزار تھا میرا خیال ہے اس کا نام بھی لیا گیا تو عمرو نے اس کے بارے میں دریافت کیا، جب انہیں خبر دی گئی تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا علی اور معاویہ یہ دونوں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس (نیک بندے) کے خون سے بری ہیں؟!''۔

[۳۳۹] وَأَخْرَجَ يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالتَّارِيخ - كَمَا فِي تَارِيخ دِمَشْقَ - : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي زُكَيْرٍ (۷۷)، أَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ: أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ لَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ مِنْ يَوْمِ صِفِّينَ، جَلَسَ فِي رِوَاقٍ

(۷۸)، فَكَانَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَدْفِنُونَ قَتْلَاهُمْ، وَأَهْلُ الشَّامِ يَحْمِلُونَ قَتْلَاهُمْ فِي الْأَكْسِيَةِ(۷۹) وَالْعَبَا(۸۰) فَيَدْفِنُونَهُمْ ، فَكُلَّمَا مُرَّ بِرَجُلٍ قَالَ : مَنْ هَذَا؟ فَيَقُولُونَ لَهُ : فُلَانٌ. فَقَالَ عَمْرٌو : كَمْ مِنْ رَجُلٍ أَخْشَنَ فِي اللهِ عَظِيمِ الْحَالِ لَمْ يَنْجُ مِنْ قَتْلِهِ فُلَانٌ وَفُلَانٌ(۸۱).

اور یعقوب بن سفیان نے المعرفۃ والتاریخ میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے:- انہوں نے کہا: مجھ سے محمد بن ابی زُکیر نے بیان کیا، کہا: مجھ سے ابن وہب نے روایت کیا، کہا: مجھ سے مالک نے بیان کیا: جب صفین کے دن دوپہر کا وقت ہو گیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک خیمہ میں بیٹھے تھے۔ اہلِ عراق اپنے مقتولین کو دفنا رہے تھے اور اہلِ شام اپنے مقتولین کو کمبلوں اور عبا میں لپیٹ کر اٹھاتے اور پھر دفن کرتے تھے۔ چنانچہ جب بھی کسی مقتول کو لے جایا جاتا تو عمرو رضی اللہ عنہ پوچھتے: یہ کون ہے؟ لوگ جواب دیتے: فلاں۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنے ہی ایسے لوگ جو اللہ کی راہ میں سخت محنت کرنے والے اور بلند مرتبہ والے تھے، لیکن وہ بھی فلاں اور فلاں کے ہاتھوں کے قتل سے بچ نہ سکے۔

[۳۴۰] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ "صِفِّينَ" - كَمَا فِي شَرْحِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِابْنِ أَبِي الْحَدِيدِ - مِنْ طَرِيقِ ابْنِ وَهْبٍ ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ : جَلَسَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ بِصِفِّينَ فِي رِوَاقٍ، وَكَانَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَدْفِنُونَ قَتْلَاهُمْ ، وَأَهْلُ الشَّامِ يَجْعَلُونَ قَتْلَاهُمْ فِي الْعَبَاءِ وَالْأَكْسِيَةِ يَحْمِلُونَهُمْ فِيهَا إِلَى مَدَافِنِهِمْ، فَكُلَّمَا مُرَّ عَلَيْهِ بِرَجُلٍ قَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: فُلَانٌ، فَقَالَ عَمْرٌو : كَمْ مِنْ رَجُلٍ (أَخْشَنَ)(۸۲) فِي اللهِ عَظِيمِ الْحَالِ لَمْ يَنْجُ مِنْ قَتْلِهِ فُلَانٌ وَفُلَانٌ قَالَ :

يَعْنِي عَلِيًّا وَ مُعَاوِيَةَ(۸۳)

اور اسے ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفّین''میں روایت کیا ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید کے شرح نہج البلاغہ میں ہے ابن وہب کے طریق سے، مالک بن انس سے، انہوں نے کہا: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صفین میں ایک خیمہ (رواق) میں بیٹھے تھے، اور اہلِ عراق اپنے مقتولین کو دفن کر رہے تھے، جبکہ اہلِ شام اپنے مقتولین کو عباء اور کمبلوں میں لپیٹ کر ان کے مدافن کی طرف لے جا رہے تھے۔ پھر جب بھی کسی مقتول کو ان کے سامنے سے گزارا جاتا تو وہ پوچھتے: یہ کون ہے؟ کہا جاتا: فلاں۔ تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کتنے ہی سخت کوش اور اللہ کی راہ میں بلند مرتبہ رکھنے والے آدمی ایسے ہیں کہ جنہیں فلاں اور فلاں کے ہاتھوں مارے جانے سے نجات نہ مل سکی۔ اور اس سے ان کی مراد علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔

''ان کے قول (فلاں اور فلاں'' سے مراد علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما ہیں)۔ اس کی تائید عمرو رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ: ''کیا علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دونوں اس کے خون سے بری ہیں؟''(۸۴)

[۳۴۱] أَخْرَجَ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ ''صِفِّينَ'' - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ وَبُغْيَةِ الطَّلَبِ : نا يَحْيَى هُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ ، نا نَصْرُ هُوَ ابْنُ مُزَاحِمٍ ، نا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعم الإِفْرِيقِيِّ، وذَكَرَ أَهْلَ صِفِّينَ، فَقَالَ : كَانُوا عَرَبًا يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، والْتَقَوْا فِي الإِسْلَامِ مَعَهُمْ تِلْكَ الْحَمِيَّةُ(۸۵) **ونِيَّةُ الإِسْلَامِ**(۸۶) **، فَتَصَابَرُوا وَاسْتَحْيَوْا مِنَ الْفِرَارِ، وكَانُوا إِذَا تَحَاجَزُوا : دَخَلَ هَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ، فَيَسْتَخْرِجُونَ قَتْلَاهُمْ فَيَدْفِنُونَهُمْ...**(۸۷).

ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفین'' میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق اور بغیۃ الطلب میں ہے-: ہمیں بیان کیا یحییٰ نے، اور وہ ابنِ سلیمان ہے، اس سے روایت کی نصر نے، اور وہ ابنِ مزاحم ہے، اس سے روایت کی عمر بن سعد نے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی سے روایت کیا۔ نہوں نے اہلِ صفین کا ذکر کیا اور کہا: وہ سب عرب تھے جو جاہلیت میں ایک دوسرے کو جانتے تھے، پھر اسلام میں وہ باہم آمنے سامنے ہوئے تو ان کے ساتھ وہی حمیت (غیرت وحمیت) اور نیتِ اسلام بھی تھی، چنانچہ وہ ثابت قدم رہے اور بھاگنے کو عار سمجھا۔ اور جب کبھی دونوں لشکر ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے تو ان میں سے یہ لوگ ان کے لشکر میں داخل ہوجاتے اور وہ لوگ ان کے لشکر میں داخل ہوجاتے، پھر اپنے اپنے مقتولین کو نکال کر دفن کردیتے تھے......۔

اوراس کی پہلی قسم شعبی کے قول کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے،،،

[۳۴۲] أَخْرَجَهُ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ "صِفِّينَ" - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ وَبُغْيَةِ الطَّلَبِ : نَبَّأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ (۸۸) ، نَبَّأَنَا الوَلِيدُ بْنُ بُكَيْرٍ التَّمِيمِيُّ (۸۹) ، عَنْ سَيفِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ : سُئِلَ (۹۰) عَنْ أَهْلِ الجَمَلِ وَأَهْلِ صِفِّينَ، فَقَالَ: أَهْلُ الجَنَّةِ لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، فَاسْتَحْيَوْا أَنْ يَفِرَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ (۹۱).

ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفّین'' میں روایت کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق اور بغیۃ الطلب میں ہے-: ہمیں خبر دی عبداللہ بن عمر نے، ہمیں خبر دی ولید بن بُکیر تمیمی نے، انہوں نے سیف بن عمر سے، انہوں نے مُجالد سے، انہوں نے عامر شَعبی سے،

انہوں نے کہا: ان سے اہلِ جمل اور اہلِ صفّین کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: وہ سب جنتی ہیں، ایک دوسرے سے ملے اور ان پر یہ بات گراں گزری کہ ان میں سے کوئی دوسرے کے سامنے سے بھاگے۔

[۳۴۳] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الأَجْدَعِ اللَّيْثِي، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ صِفِّينَ، قَالَ: كَانَ عَمَّارٌ يَخْرُجُ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ، وَقَدْ أُخْرِجَتِ الرَّايَاتُ، فَيُنَادِي حَتَّى يُسْمِعَهُمْ بِأَعْلَى صَوْتِهِ: رُوحُوا إِلَى الْجَنَّةِ، قَدْ تَزَيَّنَتِ الْحُورُ الْعِينُ (۹۲).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں حدیث سنائی اسحاق بن منصور نے، انہوں نے محمد بن راشد سے، انہوں نے جعفر بن عمرو بن امیہ سے، انہوں نے مسلم بن اَجدع لیثی سے جو اُن میں سے تھے جنہوں نے جنگِ صفّین میں شرکت کی وہ کہتے ہیں: عمار دونوں صفوں کے درمیان نکلتے، جبکہ جھنڈے نکالے جاچکے ہوتے، تو وہ بلند آواز سے پکار کر سب کو سنا دیتے: چلو جنت کی طرف! حورِ عین نے اپنی زیب و زینت اختیار کر لی ہے۔

جب عراق کے لشکر کا میدانِ جنگ اہلِ شام کے مقتولوں سے بھر گیا اور شام کا لشکر اہلِ عراق کے مقتولوں سے، تو لوگ حرکت کرنے اور لڑائی جاری رکھنے کے قابل نہ رہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے شام کے لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ جنگ میں عارضی صلح (ہُدنہ) پر راضی ہو جائیں تاکہ ہر فریق اپنے اپنے مقتولین کو دفنا سکے۔ عم یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں: (ہم صفین میں آمنے سامنے ہوئے اور کئی دن تک جنگ جاری رہی۔ ہمارے درمیان مقتولین کی کثرت ہوگئی اور گھوڑے بھی زخمی اور ہلاک ہوئے۔ تب علی رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا توقف کرو

یہاں تک کہ سب اپنے اپنے مقتولین کو دفن کرلیں)۔

انہوں نے یہ بھی کہا: (پھر علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کی قیادت کررہے تھے پیغام بھیجا: ہمارا لشکر مقتولین کی کثرت کی وجہ سے ہمارے قابو سے باہر ہوگیا ہے، اور میرا گمان ہے کہ تمہیں بھی اسی حال کا سامنا ہے جو ہمیں درپیش ہے، لہٰذا ایسا کیا جائے کہ ایک دوسرے کو امان دے دی جائے تاکہ ہم اپنے مقتولین کو دفنا سکیں اور تم اپنے مقتولین کو دفنا لو۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب میں پیغام بھیجا: میں نے ایسا کر دیا)۔

چنانچہ عمرو رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے پیغام کو قبول کیا اور نصف النہار کے وقت وہ ہنگامی ہُدنہ (عارضی صلح) شروع ہوئی جو مقتولین کی تدفین کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔ اس موقع پر دونوں لشکروں کی جماعتیں ایک دوسرے کے کیمپوں میں داخل ہوئیں، ہر فریق دوسرے کے لشکر میں جاکر اپنے مقتولین کو نکالتا اور دفن کرتا، اس طرح دونوں کے لوگ ایک دوسرے میں گھل مل گئے۔ عم یحییٰ بن سعید نے اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہا: (لوگ اس طرح آپس میں گھل مل گئے کہ یوں معلوم ہوتا تھا پھر انہوں نے اپنی انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر اس حالت کی تصویر کشی کی (۹۳)) اسی منظر کو عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی نے ان الفاظ میں بیان کیا: (جب بھی جنگ میں توقف ہوتا تو یہ لوگ اُن کے لشکر میں چلے جاتے اور وہ لوگ ان کے لشکر میں آجاتے، پھر اپنے اپنے مقتولین کو نکال کر دفن کرتے (۹۴))۔ اور ابو عبدالرحمٰن سلمی نے بھی افریقی کے قول کے ہم معنی بیان کیا (۹۵)۔

ہُدنہ کے وقت عمرو رضی اللہ عنہ اپنے خندق میں بیٹھے مقتولین پر نظر رکھے ہوئے تھے جنہیں دونوں لشکروں سے نکالا جارہا تھا۔ کوئی بھی مقتول ان سے اوجھل نہ رہتا جب اسے ہُدنہ کے دوران نکالا جاتا۔ وہ دیکھتے کہ شام کے مقتولین لشکرِ عراق سے نکالے جارہے ہیں اور شام کے لشکر میں لائے جارہے ہیں، اور عراق کے مقتولین لشکرِ شام سے نکال کر لشکرِ عراق میں لائے جارہے ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ ہر اس مقتول کے بارے میں دریافت کرتے جو ان کے سامنے سے گزرتا اگر وہ اسے نہ پہچانتے، تو لوگوں سے کہا جاتا: یہ فلاں بن فلاں ہے، اور یہ فلاں۔۔۔ اور اسی طرح یہ

سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ایک عراقی (یعنی لشکرِ علی رضی اللہ عنہ کا ایک سپاہی) کی لاش نکالی گئی جو تقویٰ، عبادت اور صلاحیت میں مشہور تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے بتایا: یہ فلاں بن فلاں ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا اور اس پر رونے لگے، اور ان نیک وصالح لوگوں پر بھی روئے جن کی لاشیں دونوں لشکروں سے نکالی جا رہی تھیں، حالانکہ یہ جنگ دراصل علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اجتہاد اور رائے کا نتیجہ تھی۔ عمرو رضی اللہ عنہ پر دونوں لشکروں کے مقتولین میں سے کوئی بھی پوشیدہ نہ رہتا۔ چنانچہ اس عابد وصالح کے مقتل پر دل گرفتہ ہو کر عمرو رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہا: ''یقیناً یہ مجتہد (یعنی عبادت وصلاحیت میں کوشاں) تھا۔'' ایک روایت میں ہے: ''وہ ایک ایسا شخص تھا جو علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا اور تہجد گزار تھا۔'' پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: (کتنے ہی لوگ ہیں جو اللہ کے معاملے میں سخت گیر اور عظیم المرتبت تھے مگر قتل کر دیے گئے)۔ ایک اور روایت میں ہے: (کتنے ہی ایسے مرد تھے جو اللہ کے معاملے میں سخت اور حال میں عظیم تھے)۔ یعنی (دونوں لشکروں میں بہت سے نیک اور عبادت گزار لوگ تھے جو خیر وصلاح اور کثرتِ عبادت میں ممتاز تھے، مگر اس جنگ صفین میں قتل کر دیے گئے)۔ جب عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کی لاشیں اپنی آنکھوں سے نکالتے دیکھا تو ان نیکوکاروں کے قتل نے ان کے غم کو اور بڑھا دیا۔ چنانچہ اس عابد صالح کے قتل پر دل گرفتہ ہو کر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: (کیا علی اور معاویہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں؟!) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: (کیا علی اور معاویہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس (صالح انسان) کے خون سے بری ہیں؟) اور ایک روایت میں یہ ہے: (اس کے قتل سے فلاں اور فلاں بچ نہ سکے) یعنی علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما۔ یعنی عمرو رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما(۹۶) اس کے خون کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہو سکے۔

عمرو رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگ کے شعلہ بھڑکنے اور اس کے جاری رہنے سے سخت دل گرفتہ اور بیزار تھے، اور وہ جنگ کے خواہاں نہ تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صفین میں جو خون بہایا گیا ہے اس کی ذمہ داری علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کے متحمل ہیں۔ اسی لیے انہوں نے کہا: (**کیا علی اور معاویہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں؟!''**)

✓ عمرو رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، لہٰذا اسے لازماً دوبارہ ملاحظہ کریں تا کہ واقعہ کی تصویر مکمل ہو جائے (۹۷)۔

پس عمرو رضی اللہ عنہ کا غم درحقیقت یہ تھا کہ وہ صفین میں صالحین، علما، عباد اور نیک لوگوں کی موت پر غمگین تھے۔ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی گفتگو اسی گہرے معنی کی طرف متوجہ ہے جس کی طرف ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ کا کلام اشارہ کرتا ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے (معرکہ صفین سے پہلے) خبردار کیا تھا کہ اس جنگ میں علما، صالحین، اہلِ خیر اور جانباز مٹ جائیں گے اور اسلامی معاشرہ اپنی خالص متاع کھو بیٹھے گا، اور جنگ کے بعد لوگوں کی رذالت وپستی ہی باقی رہ جائے گی۔ تو پھر ایسی حالت میں کسی ایک فریق کی فتح کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے، جبکہ جنگ ان کے سرسبز وشاداب افراد کو نگل جائے اور ان کے سوکھے بے کار لوگ باقی رہ جائیں؟!!

قال والي الكوفة أَبُو مَسْعُودٍ البَدْرِيُّ رضى الله عنه فِي خُطْبَتِهِ: (وَمَا نَعُدُّهُ فَتْحاً أَنْ يَلْتَقِيَ هَذَانِ الخَيْلَانِ غَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَيَقْتُلُ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا رِجْرِجَةٌ(۹۸) مِنْ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ: ظَهَرَتْ (۹۹) إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ غَداً عَلَى الأُخْرَى!!) (۱۰۰)۔

کوفہ کے والی ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا: (ہم اسے کسی طور فتح نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں لشکر کل مسلمانوں کے آمنے سامنے آ جائیں، پھر یہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور وہ ان کو قتل کریں، یہاں تک کہ جب ان دونوں میں سے صرف رذیل قسم کے لوگ ہی باقی رہ جائیں تو کل ان میں سے ایک جماعت دوسری پر غالب آ جائے!!)

◆ اور اُن میں سے جو صِفِّین میں اہلِ وقعت/ ذی شان میں سے قتل ہوئے:

(۱) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما، جو سابقینِ اوّلین میں سے اور اہلِ بدر کے اَعیان میں سے تھے۔

(۲) خزیمہ بن ثابت، ذُوالشہادتین رضی اللہ عنہ، جن کی گواہی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

(۳) عبداللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی رضی اللہ عنہما، وہ عبداللہ اپنی قوم خُزاعہ کے سردار تھے

اور اُن کے والد رضی اللہ عنہ بھی سردار تھے۔ یہ تینوں (عمار، خزیمہ اور ابنِ بدیل رضی اللہ عنہم) کا ہم نے ''مواقفھم ''میں تذکرہ کیا ہے۔

(۴) سعد بن حارث بن صمّہ رضی اللہ عنہ، صحابی، جو صفّین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے (۱۰۱)۔

(۵) اویس بن عامر قرنی، زاہد، عابد اور سیدُ التابعین، جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے (۱۰۲)۔

(٦) حابس بن سعد الطائی، قاضیِ حِمص، تابعی مُخضَرم، اور کہا گیا ہے کہ اُن کی صحبَت بھی ثابت ہے۔ وہ عبادت گزار تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے (۱۰۳)۔

(۷) کریب بن صباح حِمیَری، تابعی، مشہور بہادروں میں سے ایک، جو اپنی سخت جرات اور قوت میں معروف تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے (۱۰۴)۔

(۸) ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص زہری، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھتیجے۔ ہاشم کو المِرقال (۱۰۵) کے لقب سے بھی پہچانا جاتا تھا۔ وہ تابعی اور جلیل القدر بہادروں میں سے تھے۔ فتح دمشق اور یرموک میں شریک ہوئے، جہاں اُن کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی اور وہ کانا ہوگئے۔ پھر قادسیہ میں اپنے چچا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ہاشم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے (۱۰۵)۔

(۹) ابوحسان قیس بن مَکشوح مُرادی، امیر، عرب کے ان نمایاں سرداروں میں سے تھے جو اپنی شجاعت کے لیے مشہور تھے۔ یمن میں نبوت کے دعویدار اسود عَنسی کو قتل کرنے میں شریک ہوئے۔ یرموک کے دن اُن کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ وہ جنگ میں رائے اور مدد رسانی میں مشہور تھے۔ صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے امراء میں سے تھے اور وہیں شہید ہوگئے (۱۰٦)۔

(۱۰) ذوالکلاع حِمیَری، اپنی قوم کے سردار، جنہوں نے یرموک میں شرکت کی اور فتح دمشق میں شریک ہوئے۔ صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دائیں بازو (میمنہ) کے سپہ سالار تھے، وہیں (۱۰۷) شہید ہوئے۔

(۱۱) حوشب ذو ظُلیم، تابعی، جاہلیت اور اسلام دونوں میں قبیلہ اَلھان کے سردار تھے۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹے نبی اسود عنسی کے قتل میں اُن سے مدد لی۔ یرموک میں ایک دستے کے امیر تھے۔ بعدازاں صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ حمص کے پیادوں پر امیر تھے (۱۰۸) اور وہیں شہید ہوئے۔

(۱۲) جُندب بن زہیر بن حارث غامدی ازدی کوفی، علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک قائد۔ کہا گیا ہے کہ اُن کی صحبت ہے، لیکن یہ بات ثابت نہیں (۱۰۹)۔

پس یہ بالکل بجا تھی کہ ہمارے سردار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر علما، فضلا، عباد، صالحین، اشراف اور اپنی قوم کے سادات کے وفات پر روئیں اور غمگین ہوں، نیز ان جانبازوں، شجاعوں، قادسیہ و یرموک کے ہیروز، لشکروں کے سالاروں اور ان مجاہد فاتحین کی موت پر بھی جنہوں نے مشرق ومغرب کو فتح کیا اور پھر صفین میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔ اور ان ہزاروں جانوں پر بھی جو وہاں مارے گئے۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عارضی صلح (جنگ بندی) جس پر علی اور عمرو رضی اللہ عنہما نے اتفاق کیا تھا اور جو مقتولین کی تدفین کے لیے مخصوص کی گئی تھی نہایت مختصر تھی، جو آفتاب کے نصف النہار پر (یعنی دوپہر کے وقت) آسمان کے بیچوں بیچ پہنچنے سے لے کر اس کے ڈھلنے تک جاری رہی۔ یہ ہماری آج کی گھڑی کے حساب سے شاید ایک گھنٹے سے بھی کم ہو۔ اس قلیل مہلت میں ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ہر مقتول کو علیحدہ قبر میں دفن کرسکیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے (۱۱۰)۔

[۳۴۴] أَخرَجَ أَبُو إِسحَاقَ ابنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ "صِفِّينَ" - كَمَا فِي بُغيَةِ الطَّلَبِ - : [حَدَّثَنَا يَحيَى قَالَ : حَدَّثَنَا ابنُ زِيَادٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَبدِ اللهِ الثَّمَالِيُّ (۱۱۱)، عَن مَعمَرٍ، عَنِ الزُّهرِيِّ قَالَ : التَقَى عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ بِصِفِّينَ، فَاقتَتَلُوا زَمَاناً، فَلَقَد بَلَغَنِي أَنَّهُ كَانَ يُدفَنُ فِي القَبرِ خَمسُونَ إِنسَاناً.

قَالَ مَعمَرٌ : فَلَقَد رَأَيتُهَا مَدَّ البَصَرِ. يَعنِي : قُبُورَهُم] (۱۱۲).

ابو اسحاق ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" میں روایت کیا ہے جیسا کہ "بغیۃ

الطلب‘‘ میں ہے: [ہمیں یحییٰ نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابن زیاد نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابوعبداللہ الثمالی نے روایت کیا، معمر سے، انہوں نے زہری سے نقل کیا، انہوں نے کہا: علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما صفین میں آمنے سامنے ہوئے اور ایک مدت تک جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ ایک قبر میں پچاس آدمیوں کو دفن کیا جاتا تھا۔ معمر نے کہا: میں نے ان قبروں کو مدّنظر تک پھیلا ہوا دیکھا]۔

اور آگے ابومروان اسلمی کا یہ قول آئے گا: ’’ہمارے درمیان مقتولین پہاڑوں کے مانند تھے۔‘‘(۱۱۳)

[۳۴۵] وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ، فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ(۱۱۴) .

اور اسے بخاری نے روایت کیا ہے: ہم سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا، کہا ہمیں معمر نے خبر دی، وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو گروہ آپس میں نہ لڑیں گے، اور ان کے درمیان ایک عظیم قتل و قتال ہوگا، حالانکہ دونوں کی دعوت ایک ہی ہوگی۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک قریباً تیس دجال کذاب نہ بھیجے جائیں گے، ہر ایک یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔‘‘

یہ ضروری نہیں کہ ہر قبر میں پچاس پچاس افراد دفن کیے گئے ہوں، بلکہ غالباً بعض قبروں میں

یہ تعداد اتنی یا اس کے قریب پہنچی ہوگی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار یا اس طرح کے مبالغہ آمیز اعداد و شمار تک پہنچی جیسا کہ بعض مؤرخین ذکر کرتے ہیں؛ کیونکہ ان کو ایک ہی قبر میں جماعت کی صورت میں دفن کرنے پر جس چیز نے مجبور کیا وہ دراصل ہدنے (جنگ بندی) کی قلیل مدت تھی، نہ کہ مقتولین کی کوئی بہت بڑی تعداد۔ پس اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس دن مقتولین کی تعداد پانچ ہزار تھی تو بھی وہ مجبور تھے کہ ہر قبر میں تیس سے پچاس افراد دفن کریں تاکہ اس مختصر ہدنے کے دوران سب کو دفن کرنے کی تکمیل ہو سکے۔

اور اس مختصر ہدنے (جنگ بندی) کے دوران شام کے لشکر کے سپاہی عراق کے لشکر میں اور عراق کے لشکر کے سپاہی شام کے لشکر میں داخل ہو گئے، ہر گروہ اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے لیے اٹھاتا رہا، یہاں تک کہ وہ اس قدر باہم مل گئے کہ راوی نے ان کے حال کو اپنی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر بیان کیا۔ یہ باہمی اختلاط اور ازدحام مقتولین کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

[۳۴۶] أَخْرَجَ أَبُو بَكْرٍ الخَلَّالُ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْمَرُّوذِيُّ(۱۱۵) قَالَ: قِيلَ لأَبِي عَبْدِ اللهِ وَنَحْنُ بِالْعَسْكَرِ وَقَدْ جَاءَ بَعْضُ رُسُلِ الْخَلِيفَةِ - وَهُوَ يَعْقُوبُ - فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ، مَا تَقُولُ فِيمَا كَانَ مِنْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ رَحِمَهُمَا اللهُ؟ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: مَا أَقُولُ فِيهَا إِلَّا الْحُسْنَى، رَحِمَهُمُ اللهُ أَجْمَعِينَ)(۱۱۶).

ابو بکر الخلّال نے روایت کیا: ہمیں ابو بکر المروذی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم لشکر میں تھے کہ خلیفہ کے ایک قاصد یعقوب آئے اور انہوں نے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ علی اور معاویہ رحمہما اللہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو ابو عبد اللہ نے فرمایا: میں ان کے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہیں کہتا، اللہ ان سب پر اپنی رحمت فرمائے۔"

اور میں بھی کہتا ہوں: اللہ ان سب پر اپنی رحمت فرمائے۔

❖❖❖❖

(۱) تاریخ الطبری (۳/۷۹) یہ خبر قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔اور قرائن۔
قرائن:
مورخین کے ہاں محرم کی صلح (یعنی جنگ بندی) کا ذکر بکثرت ملتا ہے، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ صحیح روایات میں التحام کامل (یعنی پوری جنگ) کے وقوع کا ذکر ماہِ صفر میں آیا ہے۔
(۲) تاریخوں کی دقت (یعنی ان کی درستگی) میں ایک اشکال ہے، جس کا ذکر ہم صفحہ ۴۶۷-۴۷۷ پر کر چکے ہیں۔
(۳) تاریخ الطبری (۳/۹۵-۹۶) خبر اپنی قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔
قرائن:
یہ تفصیلات مؤرخین کے ہاں مشہور ہیں، اور قرینہ یہ ہے کہ صحیح روایات میں مکمل معرکہ اور لیلۃ الھریر کا وقوع ماہ صفر میں مذکور ہے۔
(۴) یعنی: (وہ) ختم ہو گئیں، اور ان میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔
(۵) تَكَادَمْنَا: کَدْم کا مطلب ہے دانتوں سے کاٹنا۔(النہایہ فی غریب الحدیث ۱۵۶/۴، تاج العروس ۳۳/۳۳۴، مادہ: کدم)۔
(۶) وقعہ صفین ص ۳۶۹ کی خبر مقبول ہے۔
شواہد:
یحییٰ بن سعید کے چچا نے کہا: جب وہ دن آیا جس میں عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو دو آدمی اپنی اپنی تلواروں سے لڑتے لڑتے تھک جاتے، پھر بیٹھ جاتے تا کہ ذرا سانس بحال کر سکیں، پھر دوبارہ لڑنے لگتے۔۔۔ یہاں تک کہ دن کا نصف حصہ گزر گیا اور سب لوگ ضرب لگاتے لگاتے نڈھال ہو گئے، یہاں تک کہ کوئی حرکت نہ کر سکا۔ دیکھئے: [۳۳۵] اور یہ روایت [۳۵۷] نمبر پر بھی مکرر ہے۔
اور اس بات کی قرینہ یہی ہے کہ لشکروں نے رات اور دن کو ملا کر مسلسل جنگ کی، یہاں تک کہ وہ اتنے تھک گئے کہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے لیکن اٹھنے کی طاقت نہ رہی۔

رجالِ سند:

عمر: یہ عمر بن سعد بن ابی الصید اسدی ہیں۔ابن ابی حاتم نے کہا ہے: (یہ پرانے زمانے کے ایک شیعہ بزرگ ہیں، لیکن حدیث کے اعتبار سے متروک ہیں)۔اور ذہبی نے کہا ہے: (یہ سخت ناپسندیدہ شیعی تھے)۔ان کی تفصیل پہلے [۲۸۷] نمبر پر گزر چکی ہے۔
مجالد: یہ مجالد بن سعید بن عمیر بن بسطام ہمدانی ہیں۔ یہ بھی شیعی تھے اور ضعیف شمار کیے گئے ہیں۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲۳۲/۴، الضعفاء الصغیر ۲۶۸، الکامل فی الضعفاء ۴۲۰/۶، تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین لابن شاھین ۶۳۸، تہذیب الکمال ۲۱۹/۲۷، میزان الاعتدال ۲۳/۶)
زیاد بن النضر الحارثی: کنیت ابوالنضر۔ ذہبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: [زیاد بن النضر ابوالنضر، انہوں نے محمد بن حنفیہ اور دیگر سے روایت کی ہے، اور ان سے شعبی، منصور بن معتمر اور حجاج بن ارطاۃ نے روایت لی ہے۔ یہ صدوق ہیں]۔
ان کی سوانح درج ذیل کتب میں آئی ہے: التاریخ الکبیر (۳۶۷/۳)، الکنی والاسماء لمسلم بن الحجاج (۸۴۰/۲)، الکنی والاسماء للدولابی (۳۵۷/۱، ۳۵۹)، الجرح والتعدیل (۵۴۷/۳)، الثقات لابن حبان (۲۴۸/۸)، المؤتلف والمختلف للدارقطنی (۲۲۲۱/۴)، الاکمال لابن ماکولا (۲۶۷/۷)، تاریخ دمشق (۲۴۲/۱۹) اور اس میں انہیں ابوالاوبر کی کنیت سے بھی یاد کیا ہے، بغیۃ الطلب لابن العدیم (۳۹۴۳/۹) مختصر تاریخ دمشق (۱۰۱/۹)، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۳۹۴۳/۹)، تاریخ الاسلام (۳۶۶/۷)، المقتنی فی سرد الکنی للذہبی (۶۲۱۰)، الاصابہ لابن حجر (۶۴۳/۲)، مغانی الاخیار للعینی (۷۳۶)، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ لابن

قطلو بغا (۳۶۳/۴)، المعجم الصغیر لرواۃ الامام ابن جریر لمحمد بن اکرم زیادۃ الاثری (۱۲۵۰)۔ نیز ان کا ذکر الانساب للصحاری [انساب مذحج - مازن] میں بھی آیا ہے، مگر فی الحال وہ مجھے دستیاب نہیں۔

اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ابو النضر اور ابو الاوبر ایک ہی شخص نہیں ہیں۔ کیونکہ ابو الاَوبر نے زمانۂ جاہلیت کو پایا تھا، جبکہ ابو النضر کی وفات ۱۱۱ھ کے بعد ہوئی جیسا کہ تاریخ الاسلام میں ہے۔

(۷) الھریر: کتے کی وہ آواز ہے جو بھونکنے سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہا گیا، کیونکہ جنگ میں جب مجاہدین کی آوازیں تھکن اور مشقت کے باعث دب جاتیں، تو ان کے منہ سے صرف گھمبیر اور دبی دبی آوازیں نکلتی تھیں، بالکل ویسے ہی جیسے درندے ایک دوسرے پر جھپٹتے وقت غرّاتے اور ہلکی ہلکی آواز نکالتے ہیں۔

(۸) تقصّفت کا مطلب ہے: دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئیں۔ (تاج العروس ۲۴/۲۵۹، مادہ: ق ص ف۔

(۹) (وَیَھمِزُ عَلَیہِ): یعنی دوسرا اس پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

(۱۰) یعنی دونوں میں سے ہر ایک، حالتِ استراحت میں بیٹھتے وقت، مٹی دوسرے پر ڈال دیتا تھا۔ اور الھَمر سے مراد ہے: بہت زیادہ ریت۔ (تاج العروس ۱۴/۴۴۲، مادہ: ھمر)۔ دار ہجر کی طباعت میں یہ عبارت یوں منقوط ہے: (وَکُلٌّ وَاحِدٍ مِنهُمَا یَھمِزُ عَلَی الْآخَرِ وَیَھِرُّ عَلَیہِ)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں استراحت کے وقت ایک دوسرے کو گالیاں دیتے اور برائیاں کرتے تھے۔

یَھمِزُ عَلَی الْآخَرِ: یعنی اسے عیب لگاتا تھا۔ (تاج العروس ۱۵/۳۹۰، مادہ: ھمز)۔

یَھِرُّ عَلَیہِ: یعنی اس پر بدخلقی کرتا تھا۔ زُبیدی کا کہنا ہے: (ھَرَّ یَھِرُّ - بالفتح - إذا ساء خلقه) یعنی جب کسی کا اخلاق بگڑ جائے۔ (تاج العروس ۱۴/۴۲۱، مادہ: ھرر)۔

(۱۱) البدایۃ والنہایۃ (۳۰۲/۷) [۵۴۲/۱۰ - ۵۴۳، دار ہجر] [۴۶۲/۷ - ۴۶۳، دار ابن کثیر دمشق، دوسرا ایڈیشن]۔ یہ خبر اپنے ماقبل کی طرح مقبول ہے، اور میں نے اس متن کو ان تینوں طباعتوں سے تقابل کر کے ضبط کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱۲) ابو الحسن الحنظلی المروزی کے بارے میں خطیب نے کہا ہے: وہ فقہ کے عالم، جمیل الطریقہ اور حدیث میں مستقیم تھے۔ اور خلیلی نے کہا: حفاظ نے انہیں پسند نہیں کیا اور نہ ہی اہلِ خراسان ان پر متفق ہوئے۔ ابن حجر نے اس پر جواب دیتے ہوئے کہا: خلیلی کا مقصود اس قول سے ان کی حدیث میں جرح کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رافع بن ہرثمۃ اللیثی کی طرف سے قضا کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ پھر خلیلی نے اپنے کلام کے بعد یہ بھی کہا: اور وہ ثقہ افراد میں سے ہیں۔ انہیں قرامطہ نے حج سے واپسی پر سنہ ۲۹۴ھ میں قتل کر دیا۔

حوالے: الارشاد للخلیلی (۹۱۱/۳)، تاریخ بغداد (۲۵۹/۱)، المنتظم (۵۳/۱۳)، میزان الاعتدال (۴۷۵/۳)، سیر اعلام النبلاء (۵۴۴/۱۳)، لسان المیزان (۶۵/۵)، الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (۱۷۵/۸)، ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی (۸۲۳)۔

(۱۳) مِنَ الْمُوَادَعَةِ: یعنی صلح وآتش بس سے، اور یہی ہُدنہ ہے۔

(۱۴) ان کی سوانح آئندہ حدیث میں ذکر کی جائے گی۔

(۱۵) الفَلّ: کسی عضو کے ٹوٹنے کو کہتے ہیں۔ النہایۃ فی غریب الحدیث (۴۷۲/۳)، مادہ: فلل۔

(۱۶) البارقۃ: تلواروں کو کہا جاتا ہے۔ النہایۃ فی غریب الحدیث (۱۲۰/۱)، مادہ: برق۔

(۱۷) تُرحَضُ: اس سے مراد ہے بہت زیادہ پسینہ آنا، یہاں تک کہ اس کی کثرت کی وجہ سے بدن دھلنے لگے۔ تاج العروس (۳۴۳/۱۸) مادہ: رحض۔

(۱۸) تَدحَضُ: اس کا مطلب ہے پھسل جانا۔ (دَحَضَت رِجلُه تَدحَضُ دَحْضًا وَدُحُوضًا) یعنی اس کا پاؤں پھسل گیا۔ النہایۃ فی غریب الحدیث (۱۰۵/۲)، تاج العروس (۳۲۶/۱۸)، مادہ: دحض۔

اور گویا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اپنی اس تفسیر میں کہ باغی گروہ (وہ ہے) جو عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرے، اہلِ شام کو مراد لینا خطا کی اور صواب سے ہٹ گئے۔ عمار رضی اللہ عنہ کو دراصل اس نے قتل کیا جو اُسے لے کر آیا۔
یا پھر گویا یوں فرمایا: تم اپنی رائے (فہم) کی خطا میں پھسل گئے ہو۔
(۱۹) المعجم الکبیر [(۴۶۱/۱۳)، رقم (۱۴۳۲۷)، طبع: سعد الحمید والجریسی]۔ اس کی سند شواہد و متابعات میں حسن ہے۔ عطاء: صدوق ہیں، لیکن کثرت سے وہم کرتے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی: ان کا نام عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ کوفی مقریٔ ہے۔ ابن حجر نے فرمایا: [ثقہ، ثبت]۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی۔ یہ بات واقدی اور ابن العدیم نے ذکر کی ہے۔ مراجع: بغیۃ الطلب (۱۰/۴۵۱۸)، تہذیب التہذیب (۱۸۴/۵)۔
التخریج:
اس روایت کو طبری نے اپنی تاریخ (۹۹/۳) میں ذکر کیا ہے اور ہم اسے آئندہ آنے والی خبر میں ذکر کریں گے۔
اسی روایت کو حاکم نے بھی نقل کیا، البتہ انہوں نے اس طویل خبر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:
پہلا حصہ انہوں نے المستدرک (۵۶۶۰) میں روایت کیا، اور ان ہی کے واسطے سے بیہقی نے دلائل النبوۃ (۵۵۱/۲-۵۵۲) میں ذکر کیا، اور بیہقی کے واسطے سے ہی ابن عساکر نے (۴۳ / ۴۱۴) میں نقل کیا۔
حاکم نے کہا: أَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا الْعَنْبَرِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ، ثَنَا إِسْحَاقُ، بِهِ۔ ہمیں ابو زکریا العنبری نے خبر دی، کہا: ہم سے محمد بن عبدالسلام نے بیان کیا، کہا: ہم سے اسحاق نے بیان کیا......الخ۔
اس سند کے ساتھ انہوں نے ان فوجوں کے ایک دوسرے میں داخل ہو جانے، اور معاویہ، عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ، اور مرفوع حدیث کا ذکر کیا ہے۔
المستدرک کے مطبوعہ نسخے میں متعدد تصحیفیں واقع ہوئی ہیں، جنہیں دار التاصیل کی طباعت (۱۸۲/۶) میں درست کیا گیا ہے۔
ابو زکریا العنبری: ان کا نام یحییٰ بن محمد بن عبداللہ النیسابوری ہے۔ ذہبی نے انہیں ثقہ کہا ہے (سیر اعلام النبلاء ۱۵/۵۳۳)۔
ان کے شیخ ہیں: ابو عبداللہ محمد بن عبدالسلام بن بشار النیسابوری الورّاق الزاہد۔ ذہبی نے ان کے بارے میں کہا: وہ نیشاپور کے محدث تھے، صائم وقائم، ربانی، ثقہ۔ ان کی وفات ۲۸۶ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۶۴، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۶۰)۔
اور اسحاق سے مراد ابن راہویہ ہیں۔
پھر حاکم نے المستدرک (۵۶۸۷) میں اسے اس سند سے بھی روایت کیا: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُصْمِ بْنِ بِلَالٍ الضَّبِّيُّ الشَّهِيدُ، ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ رَزِينٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا أَبُو مَخْلَدٍ عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ، بِهِ۔
مجھ سے ابو عبداللہ محمد بن العباس بن محمد بن عصم بن بلال الضبی شہید نے بیان کیا، کہا: ہم سے احمد بن محمد بن علی بن رزین نے بیان کیا، کہا: ہم سے علی بن خشرم نے بیان کیا، کہا: ہم سے ابو مخلد عطاء بن مسلم نے بیان کیا......الخ۔
اس سند کے ساتھ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دو محافظوں کا واقعہ، عمار اور ہاشم رضی اللہ عنہما کا واقعہ اور ان کا شعر، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمار رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنا ذکر کیا۔
ابن حجر نے الاصابہ (۵۱۶/۶) میں اسے ابن السکن کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا: (ابن السکن نے اسے اعمش کی سند سے روایت کیا ......) پھر اس کا ذکر کیا۔
ابو عبداللہ الضبی شہید: ان کا نام ابن ابی ذُہل العصمی الہروی ہے۔ انہیں حاکم اور خطیب نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الارشاد للخلیلی (۸۷۹/۳)، تاریخ بغداد (۳/۳۳۵)، الثقات ممن لم يقع في الكتب السنة (۳۵۹/۸)، الدلیل المغنی فی شیوخ الدارقطنی (۴۴۱)۔ نیز منصوری نے ان کے لیے حاکم کی توثیق کو نقل کیا ہے۔
ابن رزین: ان کا نام ابو علی الباشانی الہروی ہے۔ ذہبی نے انہیں محدث ثقہ کہا ہے (سیر اعلام النبلاء ۵۲۳ / ۱۴، تاریخ الاسلام

۲۴/۹۷)۔
علی بن خشرم: ثقہ ہیں۔(م،ت،س)۔(التقریب ۴۷۷۹)۔
متابعات وشواہد
عطاء کی متابعت وہ ہے جو ابویعلی (۷۳۵۱) نے عبداللہ بن الحارث بن نوفل، سے عبداللہ بن عمرو کے واسطے سے نقل کی ہے، جو تقریباً وہی ہے جو حاکم (۵۶۶۰) نے روایت کیا، مگر ابویعلی نے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے: (وَ كُنَّا إِذَا تَوَادَعْنَا دَخَلَ هَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ ......) اسے شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے، اور یہ روایت آگے [۳۷۳][۳۷۴] میں آئے گی۔
رہا یہ جملہ: (وَ كُنَّا إِذَا تَوَادَعْنَا دَخَلَ هَؤُلَاءِ فِي عَسْكَرِ هَؤُلَاءِ) تو اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو یحییٰ بن سعید انصاری کے چچا سے مروی ہے: (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ: ''مقتولین تعداد میں زیادہ ہو گئے ہیں، پس رک جاؤ یہاں تک کہ سب اپنی اپنی لاشیں دفن کر لیں'' تو عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس پر دونوں لشکروں کے کچھ لوگ آپس میں گھل مل گئے یہاں تک کہ ایسا لگ رہا تھا - اور بیان کرنے والے نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے اشارہ کیا - گویا ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہوں)۔(دیکھیے [۳۳۶])۔
ملاحظہ:
امام ذہبی نے مستدرک کی اپنی تلخیص میں اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں خطا ہے۔ عمرو اور اس کا بیٹا مسجد کی تعمیر کے دن کہاں تھے؟ اور عطا کو امام ابوداود نے ضعیف کہا ہے]۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ مسجد نبوی کی پہلی تعمیر ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، جبکہ عبداللہ نے اسلام غزوۂ خندق (۵ھ) کے بعد قبول کیا اور اس کے والد نے اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ ابن عمرو کے اسلام لانے کے بارے میں دیکھیں: معجم الصحابہ للبغوی (۴۹۵/۳)۔
میں کہتا ہوں: یہ حدیث مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کے بارے میں نہیں ہے بلکہ دوسری تعمیر (یعنی توسیع) کے بارے میں ہے جو فتح خیبر (۷ھ) کے بعد ہوئی، اور اسی کو امام ابن رجب نے راجح قرار دیا ہے۔ میں نے اس کی تفصیل حاشیہ [۳۴۷] میں ذکر کی ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث خطا نہیں، وللہ الحمد۔
اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ عطا نے وہم کیا اور عبداللہ اور اس کے والد عمرو کو مسجد کی تعمیر کے وقت موجود بتایا تو باقی خبر اور حدیث مرفوع اپنی جگہ ثابت اور بلا اشکال ہیں۔ اس صورت میں حدیث پر حکم یوں لگایا جائے گا: (حسن ہے، سوائے اس نسبت کے کہ عمرو اور اس کے بیٹے نے مسجد کی تعمیر میں شرکت کی)۔
(۲۰) ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری، جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، ان کا لقب المِرقال تھا۔ وہ بڑے دلیر اور بہادر سپاہی شمار ہوتے تھے۔ فتح دمشق اور یرموک میں شریک ہوئے اور یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی، چنانچہ وہ ایک آنکھ والے (اعور) ہو گئے۔ قادسیہ کی جنگ میں بھی اپنے چچا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک رہے۔ بعد ازاں صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔(مشاہیر علماء الامصار ص ۴۰، تاریخ دمشق ۳۳/۷۳، تاریخ الاسلام ۵۸۴/۳)۔
المِرقال کا پس منظر: ''الارقال'' تیز دوڑنے یا تیز چلنے کی ایک قسم کو کہا جاتا ہے۔ ہاشم کو ''المِرقال'' اس لیے کہا جانے لگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں ان کے ہاتھ میں جھنڈا دیا تھا، اور وہ اسے لے کر برق رفتاری سے آگے بڑھتے تھے۔(تاج العروس ۹۴/۲۹-۹۵، مادہ: رق ل۔
(۲۱) تاریخ طبری میں اسی طرح منقول ہے، لیکن البدایہ والنہایہ میں یہ الفاظ ہیں: (اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اہلِ شام پر ایک ہی شخص کی مانند زبردست حملہ کیا، گویا عمار اور ہاشم دونوں ان کے لیے ایک جھنڈا تھے)۔
(۲۲) هَدَأَتِ الرِّجْلُ: یعنی جنگ تھم گئی۔
(۲۳) البدایۃ والنہایۃ میں ہے: يَتَسَامَرُونَ یعنی رات کو بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔

(۲۴) النَّاسُ: یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکری۔
(۲۵) الفُسطَاطُ: خیمہ۔ الخِبَاءُ: وہ خیمہ جو دو یا تین کھمبوں پر کھڑا کیا جائے۔
(۲۶) تاریخ طبری (۹۹/۳) کی روایت پچھلی روایت کی طرح حسن ہے، سوائے اس جملے کے (إِنَّكَ شَیْخٌ أَخْرَقُ)، یہ ایک منکر لفظ ہے جسے اکیلے احمد بن محمد نے روایت کیا ہے، جو کہ ابنُ نیزَک بن حبیب البغدادی ابوجعفر الطوسی ہیں۔ ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ہے: ان میں کلام ہے، اور ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہیں، مگران کے حافظے میں کچھ ہے۔ (مراجع: الکاشف[۸۲]، التقریب[۱۰۱]، معجم شیوخ الطبری لاکرم زیادۃ[۳۱]) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عرب کے بڑے دُہاۃ (مدبر اور سیاست دان) میں سے تھے۔ ان کی حکمت ودانائی کی گواہی قریبی اور دُور والے سب دیتے ہیں، حتی کہ خود معاویہ رضی اللہ عنہ بھی۔ اسی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں صفین کے دن اپنی فوج کا سالار بنایا۔

التخریج:

ابن کثیر نے اسے البدایہ والنہایہ (۲۲۹/۷) میں طبری کے طریق سے روایت کیا ہے۔
(۲۷) ابوسنان کوفی: ان کا نام عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش نے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی کنیت ابومریم تھی۔ ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ ہیں اور ان کی احادیث صالح (جید) ہیں۔ ابن معین نے کہا: ثقہ۔ ابن حبان نے بھی انہیں اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ ان کا انتقال حجاج کے زمانے میں، جنگ جماجم سے پہلے ہوا۔ (مراجع: الطبقات الکبریٰ[۶/۱۷۸]، الجرح والتعدیل[۵/۶۸]، الثقات لابن حبان[۵/۱۱]، تلخیص المتشابہ فی الرسم[۱/۳۴۹]، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ[۶/۳۴])۔
(۲۸) مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا (۱۶۰): یہ روایت اپنی شواہد کی بنا پر حسن ہے، سوائے اس جملے کے: اوران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار تھی۔ یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اَعمش نے شمر سے سماع نہیں کیا، جیسا کہ امام احمد نے فرمایا ہے، اور ابن ابی حاتم نے المراسیل (ص ۸۲، رقم ۲۹۶) میں نقل کیا ہے۔
اور تلوار ''ذوالفقار'' کا ذکر صحیح نہیں ہے، یہ ان مشہور باتوں میں سے ہے جو کوفہ کے متشیعین نے پھیلا رکھی ہیں۔
پہلے [۳۲۹] نمبر پر گزر چکا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سے جنگ کر رہے تھے اور ایک مرتبہ اس وجہ سے واپس لوٹے کہ تلوار مڑ گئی تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ (حملہ کرتے اور اس وقت تک واپس نہ آتے جب تک اپنی تلوار کو خون میں نہ بھگو دیتے، اور ایک دن وہ اس حال میں واپس لوٹے کہ ان کی تلوار مڑ گئی تھی، تو انہوں نے تلوار لوگوں کی طرف پھینک دی اور فرمایا: اگر یہ نہ مڑتی تو میں واپس نہ آتا)۔
قولہ: (فَأَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ) (تو انہوں نے اسے لوگوں کی طرف پھینک دیا): اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی تلوار سے چھٹکارا حاصل کیا، اور اس سے یہ بات لازمی طور پر نکلتی ہے کہ آپ نے لڑائی جاری رکھنے کے لیے دوسری تلوار اختیار کر لی، اور اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ہوتی تو آپ اسے نہ پھینکتے۔

التخریج:

اسے ابن ابی شیبہ نے (۳۹۰۳۳) پر روایت کیا: ''ہمیں وکیع نے روایت کیا......'' اسی سند کے ساتھ۔
(۲۹) احمد بن خازم المعافری المصری الاندلسی ابن یونس نے کہا: ان کا انتقال اندلس میں ہوا اور ان کی اولاد بھی وہیں رہی۔ امام ذہبی نے المیز ان میں لکھا ہے: وہ مصر ہی میں جوانی کی عمر میں وفات پا گئے۔ اور اپنی تاریخ میں انہیں پندرھویں طبقہ (یعنی جن کی وفات ۱۴۱ھ تا ۱۵۰ھ کے درمیان ہوئی) میں ذکر کیا ہے۔
ان سے عبداللہ بن لہیعہ اور واقدی نے روایت کی ہے۔
ان کا ایک نسخہ موجود تھا، جس سے ابن حجر نے الاصابۃ (۱۸۲/۷) میں نقل کیا ہے۔ اور ابن حجر نے المجمع المؤسس (۲۶۱/۱، رقم ۱۷۲) اور المعجم المفہرس (۱۱۳۹) میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ طبرانی نے ان کی مسند جمع کی تھی، جسے ابن حجر نے (مسند احمد بن خازم المعافری للطبرانی)

کا نام دیا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن (۲۳۱۷) میں ان کی ایک حدیث روایت کی ہے۔
ابن عدی نے کہا: [یہ معروف نہیں ہیں، لیکن ان سے ابن لہیعہ جو روایت کرتے ہیں، ان کی اکثر احادیث صحیح وسالم ہیں]۔ ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہا: [(ان سے ابن لہیعہ اور واقدی نے روایت کیا)، ان کی احادیث درست ہیں، اور ان کی ایک معروف نسخہ ہے، جسے ہم نے بھی سنا ہے]۔ اور المیز ان میں کہا: [اس جزو کے صاحب کا تعارف معلوم نہیں جو ابن لہیعہ نے ان سے روایت کیا، لیکن یہ نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ میں نے انہیں صرف اس لیے ذکر کیا کہ ابن عدی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ان کی اکثر احادیث صحیح ہیں]۔ اور الدیوان میں کہا: [مجہول ہیں، مگر ان کا نسخہ صحیح وسالم ہے]۔ ابن قطلوبغا نے انہیں الثقات میں ذکر کیا اور کہا: [ان سے ابن لہیعہ نے ایک نسخہ روایت کیا جو اچھی حالت میں ہے۔ ابن عدی نے بھی ذکر کیا اور کہا: ان کی اکثر احادیث صحیح ہیں]۔ اور یہ نہیں کہا کہ وہ انہیں پہچان نہ سکے۔

ان پر حتمی کلام:

احمد بن خازم کو مجہول یا غیر معروف کہنا درست نہیں، کیونکہ طبرانی نے ان کے لیے مستقل مسند مرتب کی تھی، جس کی ایک نسخہ ابن حجر کے پاس موجود تھا۔ اس بنا پر ان پر جہالت کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ طبرانی ایک ایسے شخص کی مسند جمع کریں جسے وہ جانتے ہی نہ ہوں؟ اگرچہ ابن عدی اور ذہبی انہیں نہ پہچان سکے، لیکن طبرانی کے نزدیک وہ معروف تھے۔ چنانچہ خود ذہبی نے بھی ان کی نسخہ کو معروف کہا اور یہ بھی ذکر کیا کہ انہوں نے اسے سنا ہے۔
ان میں نوعِ تعدیل بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن عدی نے ان کی اس نسخہ کے بارے میں، جسے ابن لہیعہ ان سے روایت کرتے ہیں، کہا: اس کی اکثر احادیث صحیح ہیں۔ اور ذہبی نے اسے نسخہ حسن الحال قرار دیا۔ ابن قطلوبغا نے بھی عدمِ معرفت کا ذکر نہیں کیا۔ ان سے دو اشخاص نے روایت کیا: ایک صدوق مگر مختلط (ابن لہیعہ) اور دوسرا متروک (واقدی)۔
پس خلاصہ یہ ہے کہ: جس کے لیے طبرانی نے مستقل مسند تصنیف کی ہو، اور جس کی اکثر احادیث صحیح اور حسن الحال ہوں، اسے صدوق سے کم درجے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ غالباً وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے کیونکہ جوانی ہی میں وفات پا گئے، لیکن ان کی نسخہ مشہور رہی۔ واللہ اعلم۔
ان کی سوانح درج ذیل کتب میں آئی ہے:
تاریخ ابن یونس (۹/۱)، الکامل فی الضعفاء (۱۶۷/۱)، المؤتلف والمختلف للدارقطنی (۶۵۳/۲)، تاریخ العلماء والرواۃ بالاندلس لابن الفرضی (۳۳/۱)، تلخیص المتشابہ فی الرسم للخطیب (۲۱۱/۱)، الاکمال لابن ماکولا (۲۸۷/۲)، جذوۃ المقتبس (۱۲۰)، ذخیرۃ الحفاظ لابن القیسرانی (۱۱۰۵/۲)، بغیۃ الملتمس (۱۷۴)، دیوان الضعفاء (۳۱)، المغنی فی الضعفاء (۲۷۷)، تاریخ الاسلام (۹/۶۳)، میزان الاعتدال (۱/۹۵)، توضیح المشتبہ (۳/۱۶)، مختصر الکامل فی الضعفاء (ص ۱۰۲، ترجمہ ۳)، لسان المیزان (۱/۱۶۵)، تبصیر المنتبہ (۱/۳۸۶)، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ (۱/۳۲۸)، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱۳/۲۰۴، رقم ۶۰۹۰)، تراجم رجال الدارقطنی فی سننہ (۱۶۵)۔

(۳۰) عمرو بن شراحیل بن محمد المعافری، ابن الفرضی نے اسی طرح ان کا نسب ذکر کیا ہے، اور خشنی نے انہیں ابوحفص کنیت دی۔ خشنی کہتے ہیں: ان کا اصل وطن باجہ تھا، پھر قرطبہ آ گئے۔ عبدالرحمن الداخل نے انہیں قضاء قرطبہ پر مامور کیا، معاویہ بن صالح بن حدیر کے بعد۔ پھر انہیں معزول کر کے دوبارہ معاویہ کو مقرر کیا، چنانچہ دونوں باری باری قاضی بنتے رہے: ایک سال معاویہ، اور ایک سال وہ۔
ابن یونس نے کہا: وہ اندلس گئے اور وہیں سکونت اختیار کی، ان کی اولاد بھی وہیں معروف رہی۔
انہوں نے ابوعبدالرحمن عبداللہ بن یزید المعافری الحبلی المصری اور ابوزید الغافقی المصری سے روایت کی۔ ان سے ابووہب عامر بن عبداللہ المصری اور احمد بن خازم المعافری نے روایت کیا۔
ان کا ایک بیٹا محمد تھا، کنیت ابوسعید، قرطبہ ہی کے رہنے والے، جنہوں نے جیّان اور اِستجہ میں قضاء کے فرائض انجام دیے۔ ابن الابار نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کی سوانح درج ذیل کتب میں ملتی ہے:
اخبار القضاۃ لوکیع (۳/۳۲۵)، تاریخ ابن یونس (۱/۳۷۳)، قضاۃ قرطبہ وعلماء إفریقیۃ للخشنی (ص ۳۷)، تاریخ العلماء والرواۃ بالاندلس لابن الفرضی (۱/۳۶۲)، بغیۃ الملتمس (ص ۴۲۸)، اکمال تھذیب الکمال (۱۱/۲۷۲) ترجمہ: معاویہ بن صالح بن حدیر۔
ان کے بیٹے محمد کا ذکر: ''التکملہ لکتاب الصلہ'' لابن الابار (۱/۲۸۵) میں آیا ہے۔
(۳۱) دیلم: ایک عجم کی قوم تھی جو دیلم کی پہاڑیوں میں سکونت پذیر تھی۔ یہ پہاڑ آج کل موجودہ ریاست ایران کے شمال میں صوبہ ''گیلان'' میں واقع ہیں، جن کے شمالی جانب بحیرۂ قزوین اور آذربائیجان کی سرحد ہے۔ ملاحظہ ہو: **المسالك والممالك للاصطخري** ص ۲۰۴، المعجم الوسیط ۱/۲۹۴، **المعالم الأثیرۃ في السنۃ والسیرۃ** ص ۱۱۷۔
(۳۲) یعنی: ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ ہمارے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں اُن پر رحم کرو (اور انہیں زندہ رہنے دو)۔ ملاحظہ ہو: لسان العرب ۱۴/۸۰، مادہ: بقی۔
(۳۳) الطبقات الکبریٰ (۵/ ۹۳۔ ۹۴): یہ روایت اپنی شواہد کی بنا پر حسن ہے، لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر (الواقدی) ہے جو متروک ہے۔ رہا احمد بن حازم تو اس کی بیشتر روایات درست اور جید ہیں، اور یہ خبر بھی اسی وصف پر پوری اترتی ہے۔ یہ ایک تاریخی خبر ہے جس کا ایک متابع بھی موجود ہے اور اس میں کوئی نکارت نہیں۔ باقی رجال سب ثقہ ہیں۔ اس خبر کی تفصیل [۳۸۳] کے بعد آئے گی۔
التخریج:
یہ خبر تاریخ الاسلام (۳/۵۴۴) اور الخلفاء الراشدین للذہبی ص (۲۶۶) میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے ہے۔
(۳۴) وقعہ صفین ص (۴۷۸) یہ روایت اپنی شواہد کے ساتھ سابقہ کی طرح حسن ہے، اور اس کی سند بے کار ہے۔ ابو جعفر غالباً محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں جو امام باقر کے نام سے معروف ہیں، اور طفیل، ابو شریح اور ورقاء: میں ان کی کوئی ترجمہ نہیں پا سکا۔ مزید دیکھیں: سابقہ اور بعد والا۔
(۳۵) یعنی: اللہ عز وجل کی کتاب۔
(۳۶) البدایۃ والنہایۃ (۷/۳۰۲): میں نے جو یہ مقدار ذکر کی ہے، وہ اپنی شاہد روایات کے اعتبار سے سابقہ کی طرح حسن ہے۔ [۳۲۹/۳] ملاحظہ کریں۔
(۳۷) دیکھو: [۳۲۹]۔
(۳۸) دیکھو: [۳۳۱]۔
(۳۹) المنامات لابن ابی الدنیا (۲۴۶) اس کی سند حسن ہے۔ عبد الرحمن بن صالح: یہ ازدی عتکی، ابو صالح ہیں، اور کہا جاتا ہے: ابو محمد کوفی۔ یہ صدوق ہیں، تشیع کی طرف مائل تھے۔ عاصم بن بہدلہ: یعنی ابن ابی النجود کوفی، صدوق ہیں مگر ان سے وہم واقع ہوا ہے۔ ابو وائل: یہ شقیق بن سلمہ اسدی کوفی ہیں، ثقہ ہیں۔ صفین میں ان کی حاضری کے بارے میں دیکھیں [۲۶۴] [۲۶۵] [۳۷۸]۔ عمر بن شرحبیل: یہ ابو میسرہ ہمدانی کوفی ہیں، ثقہ ہیں۔ ابن ابی خیثمۃ نے اپنی التاریخ الکبیر (۳/۱۷۲، رقم ۴۳۳۰) میں کہا: (میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو میسرہ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے)۔
اور ایک دوسرا خواب بھی ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل نے صفین اور نہروان کے بعد کسی زمانے میں دیکھا، جو آگے [۴۰۰] [۴۰۱] پر آئے گا۔''
(۴۰) تاریخ دمشق میں (ابو سعید) آیا ہے، جو کہ تصحیف ہے، اور مختصر تاریخ دمشق میں (ابن سعید) درج ہے، جبکہ انساب الاشراف، السیر، التذکرہ اور فیض القدیر میں (یحییٰ بن سعید) لکھا گیا ہے، اور یہی درست ہے۔
یہ ہیں یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو، ابو سعید انصاری خزرجی نجاری مدنی، قاضی، امام، علامہ، جید، اپنے زمانے میں مدینہ کے سب سے

بڑے عالم، مدینہ کے عالم کے شیخ، فقہاء سبعہ کے شاگرد۔ یہ ثقہ ہی ہیں، شیخین کے رجال میں سے۔ انہوں نے انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۴۶۸)۔

(۴۱) یہ مجہول ہے، جیسا کہ البانی نے إرواء الغلیل (۸/۱۱۰) میں کہا ہے۔ اس نے محاصرۂ عثمان رضی اللہ عنہ میں شرکت کی، اور جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا۔ ابن العدیم نے بغیۃ الطلب (۱۰/۴۷۰۸) میں اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور کہا ہے: [یحییٰ بن سعید انصاری کے چچا: وہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے، پھر وہ خبر ذکر کی جو آگے حدیث نمبر [۳۳۸] کے تحت آئے گی]۔

اس کے جمل میں شریک ہونے کا ذکر تاریخ خلیفہ ص (۱۸۱)، تاریخ المدینہ لابن شبہ (۴/۱۱۷۰، ۱۲۶۷)، المستدرک (۵۵۹۳) میں آیا ہے۔ مطبوعہ المستدرک کی سند میں کئی تصحیفات واقع ہوئی ہیں جنہیں [۶/۱۵۶، ط: دار التاصیل] میں درست کیا گیا ہے۔ نیز السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۶۷۴۳) میں بھی آیا ہے۔

بعض محققین نے گمان کیا کہ ''یحییٰ کے چچا'' سے مراد (یزید بن حیان تیمی کوفی) ہیں، اور یہ غلطی ہے جو ''یحییٰ بن سعید'' کے بارے میں التباس سے پیدا ہوئی ہے۔

انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ (یحییٰ بن سعید بن حیان ابو حیان تیمی کوفی) ہے، جس کا چچا یزید بن حیان تھا،

حالانکہ خبر نمبر [۳۳۸] میں یحییٰ بن سعید ''انصاری'' کی نسبت صراحتاً آئی ہے۔

اور تاریخ المدینہ لابن شبہ (۴/۱۱۷۲) میں بھی اس کا نام واضح طور پر مذکور ہے، محاصرۂ عثمان کے بارے میں ایک خبر میں: [حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي أَوْ عَمٌّ لِي قَالَ: بَيْنَمَا .....] زہیر بن حرب نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، کہا: ہمیں جویریہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید انصاری نے بیان کیا، کہا: مجھے میرے چچا یا میرے کسی چچا نے بیان کیا کہ جب ہم......]۔

(۴۲) حَتَّى يَفْتُرَا کا مطلب ہے: یہاں تک کہ وہ کمزور اور ساکن ہو جائیں یعنی شدید تھکن کی وجہ سے۔ دیکھیں: تاج العروس (۱۳/۲۹۳)، مادہ: ف ت ر۔

(۴۳) یعنی: یہاں تک کہ دونوں آرام کر لیں۔

(۴۴) انتِصافُ النَّهار: اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج بالکل آسمان کے وسط میں عموداً ہو، اور یہ وہ وقت ہے جو ظہر کے اذان سے تقریباً دس منٹ پہلے ہوتا ہے۔ پھر جب سورج ڈھلتا ہے اور مغرب کی سمت جھک جاتا ہے تو ظہر کا وقت داخل ہو جاتا ہے، کیونکہ ظہر کا وقت سورج کے عمود سے ہٹ جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

(۴۵) یعنی: ظہر کے اذان کے وقت، دیکھیے سابقہ حاشیہ۔

(۴۶) یعنی: نہایت بلند آواز سے۔

(۴۷) الأَسَلُ: نیزے۔ (النہایہ ۱/۴۹)۔ اور سیر و تذکرہ میں ہے: ''تلواروں کے سائے تلے''۔

(۴۸) یعنی: صلح کی وجہ سے جب وہ لڑائی سے رکے ہوئے تھے تو (اس آواز کے بعد) فوراً قتال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

(۴۹) تاریخ دمشق (۴۳/۴۷۰)، اس کی سند دیگر شواہد کی بنا پر حسن ہے، اس کے راوی سب ثقہ ہیں سوائے ''یحییٰ کے چچا'' کے، کیونکہ وہ مجہول ہے جیسا کہ ابھی کچھ پہلے گزر چکا۔

جُوَیریہ: وہ اسماء ضُبعی بصری کے بیٹے ہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں جیسا کہ ذہبی نے کہا ہے، جبکہ ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہیں، اور تحریر التقریب میں ہے کہ بلکہ ثقہ ہی ہیں۔ (التقریب: ۹۸۸)۔

مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۵۹۰)۔

شواہد:

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح ہے، ہم نے اسے نمبر[۳۵۱] پر ذکر کیا ہے۔
اور جنگ بندی کے دوران لشکروں کے گھل مل جانے کا واقعہ ہم نے نمبر[۳۲۸] پر ذکر کیا ہے، متابعت کے ساتھ اس کی سند حسن ہے، اوراس میں یہ الفاظ ہیں:
(جب ہم صلح کر لیتے تو یہ لوگ ان کے لشکر میں داخل ہو جاتے اور وہ لوگ ان کے لشکر میں آ جاتے ......)
التخریج:
اسے ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱/۴۲۷) اور (۱۱/۱۵۰) میں، اور تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۲) میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح مناوی نے فیض القدیر (۲۰۷) میں، ان دونوں کی سندوں کے ساتھ یعقوب بن شیبہ تک روایت کیا ہے، مگر صرف سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے ذکر کے ساتھ مختصر کر کے۔
مزید تفصیل کے لیے آگے دیکھیں۔
(۵۰) الصَّبَاحُ وَ الضَّيَحُ: ایسا کھٹا دودھ جس میں پانی ڈالا جائے اور پھر اسے ملا دیا جائے۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث ۳/۱۰۷، مادہ: ضیح)
(۵۱) دیکھو: [۳۵۱]۔
(۵۲) دیکھو: [۳۲۶]۔
(۵۳) اس عبارت کی شرح گزر چکی ہے۔
(۵۴) دیکھو: [۳۲۷]۔
(۵۵) ''يَشُد'' کا مطلب ہے: حملہ کرتا ہے/ جھپٹتا ہے۔
(۵۶) یہ آگے رقم [۳۳۸] پر آئے گا۔
(۵۷) ''الشَّاكِلَةُ'' کا مطلب ہے: پہلو اور جہت۔ یعنی ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا یا کھڑا اپنے کام میں مشغول تھا اور جنگ سے غافل تھا؛ کیونکہ وہ ہُدنہ (جنگ بندی) کی حالت میں تھے۔ ملاحظہ ہو: تاج العروس (۲۹/۲۷۰)، مادہ: ش ک ل۔
(۵۸) فَمَا رَاعَنَا یعنی ''فَمَا أَفْزَعَنَا'' (ہمیں جو کچھ خوف زدہ کر گیا)، الرَّوْع سے ماخوذ ہے، اور الرَّوْع کے معنی ہیں: گھبراہٹ اور ڈر۔ ملاحظہ ہو: تاج العروس (۲۱/۱۲۸)، مادہ: روع۔
(۵۹) العَوَالي سے مراد نیزے ہیں۔
(۶۰) ''تَعْتَدِل'' یعنی سیدھا ہو کر آسمان کے وسط میں آ جانا۔ اور سورج کا آسمان کے عین وسط میں ہونا وہ وقت ہے جو ظہر کے اذان سے تقریباً دس منٹ پہلے ہوتا ہے، اور یہی نصف النہار ہے۔ پھر جب سورج ڈھلتا ہے اور مغرب کی سمت جھک جاتا ہے تو ظہر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ظہر کا وقت سورج کے عمود سے ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔
(۶۱) یہ خبر آگے حدیث نمبر [۳۵۵] اور [۳۵۶] کے تحت آئے گی۔
(۶۲) دیکھو: [۳۳۶]۔
(۶۳) مطبوعہ نسخے میں اس کا لفظ بگڑ کر عتبہ ہو گیا ہے، اور اسی تحریف کے ساتھ تاریخ کے ماہرین بھی آگے چلتے رہے، چنانچہ وہ اسے پہچان نہ سکے۔ مگر جب میں نے اس خبر کو (پچھلی اور اگلی) دونوں روایات کے ساتھ ملا کر دیکھا اور ان کا تقابل کیا، تو مجھے صحیح بات معلوم ہو گئی، والحمد للہ۔
(۶۴) یعنی: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں (یعنی اہلِ شام کے لشکر میں)۔
(۶۵) یعنی: عبادت میں محنت کرنے والا اور اس میں سختی (ومشقت) اختیار کرنے والا، جیسا کہ اگلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔
(۶۶) خُشُونَت: نرمی اور رفق کے برعکس کو کہا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کتنے ہی نیک، پرہیزگار اور عبادت گزار لوگ، جنہوں نے

اپنی جانیں اور اپنی پوری طاقت عبادت میں صرف کر دی تھی، معرکہ صفین میں شریک ہوئے اور شہید کر دیے گئے۔ لیکن علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ ان عابدوں اور صالحین کے قتل کی ذمہ داری دوسرے پر ہے، اس پر نہیں، اور وہ ان خونوں سے بری ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کا گمان تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا خطا پر ہے۔ یہ بات عمرو رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہی۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ جنگ سے بیزاری رکھتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کا اس جنگ میں داخل ہونا ایک خطا ہے، جس نے عمرو رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی نادر فکر سے جنگ کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کی طرف دعوت دیں۔

اور ایک اور واقعہ ایسا تھا جس نے عمرو رضی اللہ عنہ پر اثر ڈالا اور جنگ روکنے کے عزم کو اور مضبوط کر دیا، اور وہ تھا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ یہ دونوں واقعات یعنی اس سخت عبادت گزار کا قتل اور عمار رضی اللہ عنہ کا قتل ایک ہی دن پیش آئے تھے۔

(٦٧) انساب الاشراف (۳۲۸/۲)، اس کی سند سابقہ کی طرح حسن لغیرہ ہے۔

عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسی خبر کا ایک حصہ ہے جیسا کہ پچھلی خبر میں گزر چکا ہے لیکن بلاذری نے اس خبر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:

- چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ کے واقعے کو الگ ذکر کیا جیسا کہ اگلی خبر میں ہے۔
- اور اس میں (حضرت علی اور عمرو رضی اللہ عنہما کی ہدنہ کا واقعہ) اور (عمرو رضی اللہ عنہ کے رونے اور جنگ کے جاری رہنے پر ان کے تَضَجُّر) کا ذکر بھی شامل کیا۔

(٦٨) انساب الاشراف (۳۱۷/۲) اس کی سند سابقہ کی طرح حسن لغیرہ ہے۔ اور آگے دیکھیں۔

(٦٨) يَشُدُّ: یعنی حملہ کرتا ہے۔

(٦٩) (خندق) مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے، غالباً یہ تصحیف ہے اور صحیح لفظ (عَسکر) یعنی: لشکر یا معسکر ہے۔ اور [۳۳٦] میں یہ عبارت گزر چکی ہے: (ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے حملہ کرتا اور اپنے ہی لشکر میں قتل کر دیا جاتا) اور یہ بھی: (پھر اس کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک آدمی کو گزارا گیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قتل کیا گیا تھا)۔

(٧٠) (خندق) مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے، اور صحیح لفظ (عَسکر) ہے۔ حوالہ کے لیے پچھلا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(٧١) یعنی: یہاں تک کہ دونوں لشکر کثرتِ مقتولین کی وجہ سے جنگ سے رک گئے، اور زمین لاشوں سے بھر جانے کے باعث وہ حرکت بھی نہ کر سکے۔

(٧٢) نُوارِي: دفن کریں۔

(٧٣) یعنی نیکوکار عبادت گزاروں میں سے تھے جو تہجد اور قیام اللیل کے اہتمام کرنے والے تھے۔

(٧٤) معنی یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس مقتول کے بارے میں پوچھا، تو اس نے اس کا نام بتایا، پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس مقتول کے خون سے بری ہیں؟!!

(٧٥) بُغیۃ الطلب میں یہ الفاظ ہیں: (ترى علي و معاوية بريتان من دم هذا)۔ اور جو عبارت درج کی گئی ہے وہ شرح نہج البلاغہ سے ہے۔

(٧٦) بُغیۃ الطلب فی تاریخ حلب لابن العدیم (۴۷۰۸/۱۰) (کتاب صِفِّین لابن دیزِیل برقم [۱۳٦] میری جمع و تحقیق کے ساتھ)۔ اس کی سند سابقہ کی طرح حسن لغیرہ ہے۔

مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳۹۹/۱)، اور (۴۰۰/۱) حاشیہ۔

اور ابن العدیم کی کتاب صِفِّین (ابن دیزِیل کی) کی روایت پر سابقہ (قدیم) مؤلفات میں جو تبصرہ آیا ہے اسے دیکھیں: صفحہ (٧٦)۔

التخریج:

اسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ (۲۵٦/۵) میں ابن دیزِیل سے مختصر صورت میں نقل کیا ہے، لیکن ابن ابی الحدید نے سند ذکر

نہیں کی۔

(۷۷) محمد بن ابی زُکیر یحییٰ بن اسماعیل الفقیہ، ابوعبداللہ الصَّدَفی مولاہم المصری۔ ابوعمر الصدفی کہتے ہیں: میں نے ان کے بارے میں ابوجعفر عقیلی اور ابوبکر حضرمی سے پوچھا تو دونوں نے کہا: ''یہ ثقہ ہیں''۔ قاضی عیاض نے کہا: ''یہ فقیہ تھے، ابن وہب کے اکابر اصحاب میں سے۔ ذہبی نے کہا: یہ صدوق ہیں اور ایک بار کہا: یہ ابن وہب سے بکثرت روایت کرنے والے تھے۔ ان کا انتقال سنہ (۲۳۲ھ) میں ہوا۔ مراجع: ترتیب المدارۃ وتقریب المسالک (۳۶/۴)، تاریخ الاسلام (۳۲۱/۱۷، ۳۵۲)، التذییل علی کتب الجرح والتعدیل (۲۹۷)۔

(۷۸) الرِّوَاقُ را کو کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے: فسطاط یعنی خیمہ۔ لسان العرب (۱۳۳/۱۰) مادہ: روق۔

(۷۹) الأَکْسِیَۃ: اس کی واحد کساء ہے، اور یہ لباس یعنی کپڑا ہے۔ تاج العروس ۳۹/۴۰۰، مادہ: کسو؛ المعجم الوسیط (۷۸۸/۲)

(۸۰) العَبَاءُ اور العَبَاءَۃُ: أکسیۃ کی ایک قسم ہے جس میں لکیریں ہوتی ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہ اون کی جبہ (چغہ) ہے۔ لسان العرب (۱۱۸/۱)؛ تاج العروس (۳۳۸/۱-۳۳۹)، مادہ: عباً۔

(۸۱) تاریخ دمشق (۳۸/۳۷-۴۷) کی روایت سابقہ کی طرح حسن لغیرہ ہے۔ یہ سند معضل ہے مگر اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ یہ بالکل اسی خبر کی مانند ہے جو یحییٰ بن سعید کے چچا نے روایت کی ہے۔ ابن وہب: وہ عبداللہ، ابومحمد مصری ہیں۔ اور مالک: وہ انس اصبحی کے بیٹے، امام مالک مشہور ہیں۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱۲۷/۱)۔

(۸۲) مطبوعہ نسخے میں: ''أحسن'' ہے۔

(۸۳) معنیٰ یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے اس مقتول کے بارے میں پوچھا، تو اس آدمی نے اسے اس کا نام بتایا۔ پھر عمرو نے کہا: کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دونوں اس مقتول کے خون سے بری ہیں؟!!

(۸۴) ان کے قول ''فلاں اور فلاں'' سے مراد علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس کی تائید عمرو رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ: ''کیا علی اور معاویہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دونوں اس کے خون سے بری ہیں؟''

(۸۵) اگر حمیت سے مراد جاہلیت کی حمیت لی جائے تو یہ باطل ہے اور درست نہیں، البتہ اگر اس سے مراد دین کی حمیت اور اس حق کی نصرت پر غیرت ہو جو ہر فریق اپنے نزدیک سمجھتا تھا، تو یہ صحیح ہے، اور یہی معنی اس خبر پر محمول کیا جائے گا۔

(۸۶) (و نیۃ الإسلام) یعنی ان کا مقصد اسلام اور اس کے شرعے کو قائم کرنا تھا، اور البدایہ والنہایہ میں اس کی جگہ ''و سنۃ'' کا لفظ آیا ہے۔

(۸۷) تاریخ دمشق (۳۹۳/۱۷)، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۲۸۷/۱-۲۸۸)، (کتاب ''صفین'' لابنِ دیزیل، حدیث نمبر [۱۷]، میری جمع وتحقیق کے ساتھ)۔ یہ حصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے قابلِ قبول خبر ہے، البتہ اس کا آخری حصہ (إِذَا تَحَاجَزُوا دَخَلَ... الخ) شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ عمر بن سعد: وہ اسدی ہے، اور متروک الحدیث ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے [۲۸۷]۔ اور الافریقی: وہ اپنے حفظ میں ضعیف ہے، البتہ نیک شخص تھا۔ (التقریب: ۳۸۶۲)

مزید دیکھئے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)۔

شواہد:

اس خبر کے آغاز میں دونوں گروہوں کے ایمان کا ذکر ہے، اور یہ کہ وہ ''حمیت اسلام'' اور اس حق کی نصرت کے لیے لڑے جو ہر فریق اپنے نزدیک حق سمجھتا تھا، اور یہ بات درست ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اہلِ شام سے ان کے بغی کے سبب قتال کیا، اور بُغاۃ سے قتال شرعاً ثابت ہے۔ جبکہ اہلِ شام نے اس لیے قتال کیا کہ وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ کی شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ کررہے تھے۔

جہاں تک دونوں لشکروں کے باہم ملنے اور ایک دوسرے کے لشکروں میں داخل ہو کر اپنے مقتولین کو دفن کرنے کا تعلق ہے: اس کا شاہد

پہلے [۳۳۵] کے حاشیہ میں حسن سند کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔
التخریج:
اسے نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین (۳۳۲۔۳۳۹) میں اسی سند کے ساتھ طویل طور پر روایت کیا ہے، اور اس میں کچھ ایسے الفاظ بھی اضافہ کیے ہیں جو ابنِ دیزیل کے یہاں نہیں ملتے۔
اور یہ روایت البدایہ والنہایہ (۳۰۸/۷) میں عبدالرحمٰن بن زیاد سے، ابنِ دیزیل کی روایت کے ہم معنی طور پر آئی ہے۔ مزید دیکھئے آگے۔
(۸۸) مُشکُدانہ، نام عبداللہ بن عمر بن محمد بن ابان اموی ہے، اور انہیں جُعفی بھی کہا جاتا ہے۔ صدوق ہیں، ان میں تشیع (کا رجحان) تھا۔
(۸۹) الطَّہوی، ابوخبّاب کوفی، حدیث میں ضعیف ہیں۔ (التقریب ۷٤۱۷)۔
(۹۰) یعنی: شعبی سے سوال کیا گیا۔
(۹۱) تاریخ دمشق (۱۱/۴۸۸)، بغیۃ الطلب (۳۰۱/۱)، (کتاب صفّین لابن دیزیل برقم [۱۵۰]، میری تحقیق وجمع کے ساتھ)، یہ خبر بھی اپنی سابقہ کی طرح قابلِ قبول ہے، اور یہ سند ضعیف ہے۔
التخریج:
ابن کثیر نے اسے البدایہ والنہایہ (۳۰۸/۷) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: (شعبی نے کہا: وہ سب جنتی ہیں، ایک دوسرے سے ملے اور کسی نے کسی سے بھاگنے کی راہ اختیار نہیں کی)۔
(۹۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۹۹۳)۔ اس کی سند دیگر شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ اسحاق بن منصور: وہ ابوعبدالرحمٰن سلولی ہیں، صدوق ہیں، مگر ان پر تشیع کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ محمد بن راشد: وہ خزاعی مکحولی ہیں، ان کی تفصیل آگے [۴۱۷] پر آئے گی۔ اور جعفر: وہ ثقہ ہیں۔ اور مسلم: وہ ابن عُوَیمر بن اَجدع لیثی ہیں، امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے ان پر سکوت کیا ہے، اور ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔
مسلم بن اَجدع کا ترجمہ دیکھیں: التاریخ الکبیر (۲۶۵/۷، ۲۶۹)، الجرح والتعدیل (۱۹۱/۸)، الثقات (۳۹۵/۵)۔
شواہد:
دیکھیے [۳۳۵]۔
التخریج:
ابن عساکر نے (۴۶۴/۴۳) میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے۔
(۹۳) دیکھو: [۳۳۶]۔
(۹۴) دیکھو: [۳۴۱]۔
(۹۵) دیکھو: [۳۳۹]۔
(۹۶) دیکھو: [۳۴۰]۔
(۹۷) ملاحظہ کریں: صفحہ (۴۵۸۔۴۵۹) بعنوان: [وہ اسباب جنہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کے ذریعے حَکَمین کے ذریعے جنگ روکنے پر آمادہ کیا]۔
(۹۸) الزِجرِجَۃُ سے مراد ہے: لوگوں کے رذیل اور اوباش طبقے جو نہ عقل رکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی بھلائی ہوتی ہے۔ اور الزِجرِجَۃُ اس گدلے پانی کے بقیہ حصے کو بھی کہا جاتا ہے جو حوض میں کیچڑ کے ساتھ ملا ہوا رہ جائے اور جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ (النہایہ ۱۹۸/۲، مادہ: زجرج۔ لسان العرب ۲۸۱/۲، مادہ: زجج)۔

ابومسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ کسی سخت اور ہلاکت خیز جنگ میں کیا بھلائی ہے، جس میں اہلِ خیر، علماء، صالحین، سادات، عقلاء، بہادر اور دلیر لوگ سب ختم ہو جائیں، اور دونوں طرف سے صرف جاہل، اوباش اور کمزور لوگ باقی رہ جائیں، پھر ان میں سے کسی ایک کو فتح مل بھی جائے تو ایسی فتح کی کیا قیمت ہے؟!

(۹۹) ظَهَرت: یعنی فتح پائی۔

(۱۰۰) دیکھو: [۱۹۲]۔

(۱۰۱) الطبقات الکبریٰ (۸۲/۵)۔

(۱۰۲) مشاہیر علماء الامصار (۴۴۳) سیر اعلام النبلاء (۱۹/۴)۔

(۱۰۳) ان کی شہادت صفین میں ہوئی، اس کا ذکر روایتِ یعقوب بن سفیان کے طریق سے رقم [۱۱۵] پر آیا ہے، اور یہ خبر اپنی شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ دیکھیں: الاستیعاب (۲۷۹/۱)، تہذیب الکمال (۱۸۳/۵)، تاریخ الاسلام (۵۶۱/۳)، تہذیب التہذیب (۱۲۷/۲)، تقریب التہذیب (۹۹۲)۔

یہ وہی ہیں جن کے بارے میں حکایت ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں قتال کر رہے ہیں۔ عمرو (رضی اللہ عنہ) نے اُن سے پوچھا: تم کس کے ساتھ تھے؟ انہوں نے کہا: چاند کے ساتھ تو عمرو نے انہیں قضاء سے معزول کر دیا۔ یہ قصہ الاستیعاب، مصنف ابن ابی شیبہ (۳۱۱۴۵، ۳۱۳۴۸، ۳۹۰۱۹) اور تاریخ دمشق (۱۰۵/۶۸۔ ۱۰۳) میں مذکور ہے۔

(۱۰۴) تاریخ دمشق (۱۱۷/۵۰) العبر للذہبی (۲۹/۱)۔

(۱۰۵) الاِرْقَال دوڑ کی ایک قسم ہے۔ اور ہشام کو المرقال کا لقب اس لیے دیا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن انہیں جھنڈا دیا، تو وہ اسے لے کر دوڑتے تھے، یعنی تیز رفتاری کرتے تھے۔ (تاج العروس ۹۴/۲۹، ۹۵، مادہ: رقل۔

(۱۰۶) مشاہیر علماء الامصار (۴۰) تاریخ دمشق (۳۳/۷۳) تاریخ الاسلام (۵۸۴/۳)۔

(۱۰۷) سیر اعلام النبلاء (۵۲۰/۳)۔

(۱۰۸) تاریخ الاسلام (۵۶۵/۳)۔

(۱۰۹) الکُرْدُوس: سواروں کی ایک جماعت (لشکری دستہ)۔ (تاج العروس ۴۳۳/۱۶) مادہ کردس۔ تاریخ دمشق (۳۴۲/۱۵) الاصابہ (۱۸۵/۲)۔ تاریخ الاسلام (۵۶۰/۳) الاصابہ (۵۰۷/۱)۔

(۱۱۰) فقہاء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک ہی قبر میں ایک سے زیادہ افراد کو دفن کرنا جائز نہیں، سوائے ضرورت کے۔ جیسے: کثرتِ اموات کسی وبا کے سبب ہو یا جنگ کی وجہ سے، اور ہر ایک کو الگ قبر میں دفن کرنا ممکن نہ ہو، یا اس جیسی دیگر شدید ضرورتیں پیش آ جائیں، تو اس صورت میں ان کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیۃ الروض المربع (۱۳۲/۳)، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ (۱۸/۲۱)۔

(۱۱۱) یہی عبارت مطبوعہ نسخے میں بھی ہے، اور ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفین'' (حدیث نمبر [۱۶۵]، میری جمع وتحقیق کے مطابق) جیسا کہ تاریخ دمشق (۴۲۸/۴۹-۴۲۹) میں ہے اسی سند کے ساتھ ایک خبر روایت کی ہے۔ اس میں کہا: (ہمیں یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن زیاد نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ الیمانی نے روایت کیا، جو یمن کے تاجروں میں سے ایک شخص تھے، معمر سے، اور انہوں نے زہری سے۔۔۔ پھر محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ کے مصر میں قتل کے بارے میں ایک خبر ذکر کی۔) اور مجھے اس ابوعبداللہ کی کوئی ترجمہ (سوانح/تعارف) نہیں ملا۔

(۱۱۲) بغیۃ الطلب في تاریخ حلب (۳۱۱/۱-۳۱۲) (کتاب صفین لابن دیزیل، حدیث نمبر [۱۴۴]، میری جمع وتحقیق کے مطابق)۔ یہ خبر اپنی قرائن کے اعتبار سے مقبول ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اور زہری کا قول مرسل ہے۔ ابن زیاد سے مراد عبدالرحمن الرصاصی ہیں، جن کا ترجمہ حاشیہ [۵۷۶] میں آئے گا۔ مؤرخین کے نزدیک صفین میں مقتولین کی کثرت معروف ومشہور ہے، اور قرینہ

یہ ہے کہ ہدنہ (صلحِ عارضی) کا مختصر وقت انہیں مجبور کرتا تھا کہ ایک ہی قبر میں متعدد مقتولین کو دفن کریں۔ یحییٰ: اس سے مراد یحییٰ بن سلیمان الجعفی ہیں۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)۔ تخریج: ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۷/ ۳۰۴، ۳۰۷) میں زہری کا یہ قول بلا سند ذکر کیا ہے۔

(۱۱۳) دیکھو: [۳۵۵]۔

(۱۱۴) صحیح البخاری (۳۴۱۳)۔

(۱۱۵) امام، قدوہ، فقیہ، محدث، شیخ الاسلام، ابوبکر احمد بن محمد بن حجاج المرّوذی، جو بغداد میں مقیم تھے، امام احمد بن حنبل کے خاص اصحاب اور اُن کے ساتھ رہنے والے تھے۔ آپ نے امام احمد بن حنبل سے حدیث روایت کی اور اُن کی صحبت اختیار کی۔ آپ اُن کے اصحاب میں سب سے جلیل القدر تھے۔ آپ کا وصال سنہ ۲۷۵ھ میں ہوا۔'' (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۱۷۳)۔

(۱۱۶) **السنة للخلال** (۷۱۳) اس کی سند صحیح ہے۔ ابوعبداللہ سے مراد امام احمد بن حنبل ہیں۔

التخریج:

اسے ابن الجوزی نے مناقب الامام احمد صفحہ (۲۲۱) میں ابوبکر المرّوذی کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور یہ تاریخ الاسلام (۱۸/۸۹) میں بھی ہے۔

❖❖❖❖

آٹھواں مبحث: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حق کی نصرت اور خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں سے لڑنے پر پختہ ایمان رکھتے تھے، اور بڑھاپا بھی انہیں اس سے باز نہ رکھ سکا۔ ان کی نیزہ تھامے ہوئی ہاتھ لرزتے تھے، حالانکہ وہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکے تھے جو بڑھاپے کی انتہا ہے، یعنی نوّے برس سے کچھ زیادہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبر دی تھی کہ وہ ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل کیے جائیں گے اور دنیا سے ان کا آخری مشروب دودھ ہوگا۔ چنانچہ وہ ڈٹے رہے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

● پہلا مطلب: وہ حدیث جو اس باغی گروہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا:

[٣٤٧] أَخْرَجَ البُخَارِيُّ: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الحَذَّاءُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ: انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ، فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُصْلِحُهُ(١)، فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبَى(٢)، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى أَتَى ذِكْرُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَرَآهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: «وَيْحَ(٣) عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ(٤) إِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ»، قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الفِتَنِ(٥).

بخاری نے روایت کیا: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مختار نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں خالد حذّاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے اور اپنے بیٹے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم دونوں ابوسعید (خدری رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کی حدیث

سنو۔ چنانچہ ہم دونوں گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے باغ میں اس کی مرمت کررہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی چادر اٹھا کر لپیٹ لی اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پھر ہمیں حدیث سنانے لگے۔ یہاں تک کہ مسجد کی تعمیر کا ذکر آیا تو کہا: ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: (افسوس عمار پر! اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ وہ اپنے قاتلوں کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے)۔ (ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) عمار رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں فتنوں سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''(**وہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا**)'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ انہیں جنت کے راستے اور اس کے داخلے کے سبب کی طرف بلائے گا، اور وہ ہے: امام کی اطاعت کرنا اور بغاوت سے بچنا۔

اور اس کے فرمان (وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم کے راستے اور اس کے داخلے کے سبب کی طرف بلاتے ہیں، اور وہ سبب ہے امام کے خلاف بَغی کرنا۔ البتہ ان کی طرف سے یہ بَغی صادر ہوا تھا تو وہ ایک تأویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھا(٦)۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قول (أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الفِتَنِ) اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے جب سے پہلی بار اسے سنا یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ ایک فتنہ کی جنگ میں ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل کیے جائیں گے۔ اسی لیے انہوں نے اللہ عزوجل کی پناہ فتنوں سے مانگی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کو فتنہ کی لڑائی ہی سمجھتے تھے، اس بنیاد پر کہ انہوں نے وہ حدیث سن رکھی تھی۔

کیا فئہ باغیہ سے مراد پورا شامی لشکر ہے یا صرف وہ چھوٹا سا گروہ جس نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: (پھر یہ کہ ''عمار کو فئہ باغیہ قتل کرے گی'' اس بات پر

صریح نص نہیں کہ اس لفظ سے مراد معاویہ اوران کے اصحاب ہیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہی جماعت ہو جوان پر ٹوٹ پڑی حتیٰ کہ انہیں قتل کر دیا، اور وہ لشکر کا ایک حصہ تھی (۷)۔ اور جس نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر رضامندی ظاہر کی، اس کا حکم بھی اسی جیسا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی نہ تھے، جیسے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے۔ بلکہ تمام لوگ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کرتے تھے، حتیٰ کہ خود معاویہ اور عمرو بھی (۸)۔

اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا: (بلکہ اس سے مراد معاویہ اور ان کے اصحاب ہیں (۹)) میں کہتا ہوں: یعنی پورا شامی لشکر۔ اور صحیح دلائل سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''فئۃ باغیۃ'' سے مراد پورا شامی لشکر ہی ہے، اور اس پر درج ذیل دو دلائل دلالت کرتے ہیں:

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کو سمجھنا یہ ہے کہ عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ، اور معاویہ بن ابی سفیان جو شامی لشکر کے نمایاں قائدین تھے انہوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ ''فئۃ باغیۃ'' سے مراد پورا لشکر ہے، نہ کہ اس کا کوئی چھوٹا سا گروہ۔ چنانچہ عمرو اور ان کے بیٹے نے یہ سمجھا کہ ''فئۃ باغیۃ'' شامی لشکر ہی ہے، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تاویل یہ کی کہ اس سے مراد عراقی لشکر ہے۔

رہا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو جب انہیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ''انہیں فئۃ باغیۃ قتل کرے گی'' کی خبر دی گئی تو وہ سخت گھبرا گئے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد پورا شامی لشکر ہے۔ پس وہ سخت اضطراب کی حالت میں واپس لوٹے (۱۰) یہاں تک کہ معاویہ کے پاس داخل ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: عمار قتل ہو گئے! اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس رات تو کوئی قتال نہیں ہوا، اور وہ جمعرات کی رات (۱۱) تھی، کیونکہ جمعہ کی رات (۱۲) ہی لیلۃ الہریر تھی جس میں لڑائی مسلسل جاری رہی، رہا دنِ جمعہ (۱۳) تو اس میں دن کے وقت قتال حکمین کی وجہ سے رک گیا تھا۔

[۳۴۸] أَخْرَجَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ

مُرَّةَ قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلِمَةَ يَقُولُ : رَأَيْتُ عَمَّارًا يَوْمَ صِفِّينَ ، شَيْخًا كَبِيرًا آدَمَ(۱۴) ، طُوَالًا(۱۵) ، آخِذًا الْحَرْبَةَ بِيَدِهِ، وَيَدُهُ تُرْعَدُ(۱۶) فَقَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ قَاتَلْتُ بِهٰذِهِ الرَّايَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، وَهٰذِهِ الرَّابِعَةُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ ضَرَبُونَا حَتَّى يَبْلُغُوا بِنَا سَعَفَاتِ هَجَرَ(۱۷) ، لَعَرَفْتُ أَنَّ مُصْلِحِينَا عَلَى الْحَقِّ، وَأَنَّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ(۱۸) .

امام احمد نے روایت کیا: ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا، کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے عمرو بن مرہ نے کہا: میں نے عبداللہ بن سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو صفین کے دن دیکھا، وہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے، سانولے رنگ کے، لمبے قد کے، ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے تھے اور ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ پھر انہوں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے اس ہی جھنڈے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تین مرتبہ قتال کیا ہے، اور یہ چوتھی مرتبہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ ہمیں اس وقت تک مارتے رہیں کہ ہمیں ہجر کے کھجوروں کی چوٹیوں تک پہنچا دیں، تب بھی میں جان لوں گا کہ ہمارے اصلاح کرنے والے حق پر ہیں اور وہ (یعنی ہمارے مقابل) گمراہی پر ہیں۔

عمار رضی اللہ عنہ کا فرمان ''مُصْلِحِينَا عَلَى الْحَقِّ'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دراصل مفسد اور گھس بیٹھیے تھے، جنہیں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے معاملے نے آزمائش میں ڈال دیا تھا۔

☒ اور ہم نے تخریج میں اس خبر کے لیے ایک شاذ اور غیر صحیح لفظ کا ذکر کیا ہے، پس واقفیت

کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔

ہم صحیح روایات کی طرف واپس آتے ہیں،،،،

[۳۴۹] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْوَضِيءَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يَقُولُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ تَكْتَنِفَهُ الْحُورُ الْعِينُ فَلْيَتَقَدَّمْ بَيْنَ الصَّفَيْنِ مُحْتَسِبًا ، فَإِنِّي لَأَرَى صَفًّا لَيَضْرِبَنَّكُمْ ضَرْبًا يَرْتَابُ مِنْهُ الْمُبْطِلُونَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ ضَرَبُونَا حَتَّى يَبْلُغُوا بِنَا سَعَفَاتِ هَجَرَ لَعَرَفْتُ أَنَّا عَلَى الْحَقِّ، وَأَنَّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ(۱۹).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں غندر نے حدیث سنائی، انہیں شعبہ نے، انہیں ابومسلمہ نے، وہ کہتے ہیں: میں نے وضیء کو کہتے سنا کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”جس کو یہ خوشی ہو کہ حورِعین اس کا استقبال کریں، تو اسے چاہیے کہ دونوں صفوں کے درمیان اللہ کی رضا کے لیے آگے بڑھے۔ کیونکہ میں ضرور ایک ایسی صف دیکھ رہا ہوں جو تم پر اس طرح حملہ کرے گی کہ باطل پرست اس سے شک میں پڑ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر وہ ہمیں مارتے مارتے ہَجَر کے کھجوروں کی شاخوں تک بھی پہنچا دیں، تب بھی میں جان لوں گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ گمراہی پر۔“

[۳۵۰] وَأَخْرَجَهُ أَبُو نُعَيْمٍ الْأَصْبَهَانِيُّ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْمَعْمَرِيُّ(۲۰)، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي الرَّجَاءِ، ثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ، ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَمْرٍو الضَّمْرِيُّ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيِّ صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ(۲۱)، قَالَ: رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ دَعَا بِشَرَابٍ فَأُتِيَ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ: صَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ، وَالْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: «إِنَّ آخِرَ شَيْءٍ تُزَوَّدُهُ مِنَ الدُّنْيَا ضَيْحَةُ(۲۲) لَبَنٍ»، ثُمَّ قَالَ: وَاللهِ لَوْ هَزَمُونَا حَتَّى يُبْلِغُونَا سَعَفَاتِ هَجَرَ لَعَلِمْنَا أَنَّا عَلَى حَقٍّ، وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ(۲۳).

ابونعیم اصفہانی نے اسے روایت کیا: ہمیں روایت کیا سلیمان بن احمد نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا حسن بن علی المعمری نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا محمد بن سلیمان بن ابی الرجاء نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا ابومعشر نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا جعفر بن عمرو ضمری نے، انہوں نے ابوسنان دولی سے روایت کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مشروب طلب کیا تو ان کے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، انہوں نے اس میں سے پیا پھر کہا: ''اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، آج میں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رفقاء سے ملاقات کروں گا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''تمہارا دنیا سے لیا جانے والا آخری توشہ دودھ کا ایک پیالہ ہوگا۔'' پھر کہا: قسم ہے اللہ کی! اگر وہ ہمیں پیچھے دھکیلتے دھکیلتے ہجر کے کھجوروں تک بھی لے جائیں تب بھی ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔

[۳۵۱] وَأَخْرَجَهُ الحَاكِمُ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الْفَقِيهُ(۲۴)، وَأَبُو بَكْرِ ابْنُ قُرَيْشٍ(۲۵) قَالَا: ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ(۲۶)، ثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ، بِصِفِّينَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ، وَهُوَ يُنَادِي: أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ، وَزُوِّجَتِ الْحُورُ الْعِينُ الْيَوْمَ نَلْقَى حَبِيبَنَا مُحَمَّدًا، عَهِدَ إِلَيَّ: ''أَنَّ آخِرَ زَادِكَ مِنَ الدُّنْيَا ضَيْعٌ مِنْ لَبَنٍ''(۲۷)

حاکم نے اسے روایت کیا: ہمیں خبر دی ابو الولید الفقیہ اور ابو بکر ابن قریش نے، دونوں نے کہا: ہمیں روایت کیا حسن بن سفیان نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا حرملہ بن یحییٰ نے، انہوں نے کہا: ہمیں روایت کیا عبداللہ بن وہب نے، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی ابراہیم بن سعد نے، اپنے والد سے، اپنے دادا سے، وہ کہتے ہیں: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو صفین کے دن سنا، جس دن وہ شہید ہوئے، وہ پکار رہے تھے: ''جنت قریب کردی گئی ہے، حور العین کا نکاح کردیا گیا ہے، آج ہم اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں گے، انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ تمہارا دنیا کا آخری توشہ دودھ کا ایک پیالہ ہوگا''۔

[۳۵۲] وَأَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِرْسٍ، نَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ، بِصِفِّينَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي أُصِيبَ فِيهِ، وَهُوَ يُنَادِي: إِنِّي لَقِيتُ الْجَبَّارَ (۲۸)، وَتَزَوَّجْتُ الْحُورَ الْعِينَ، الْيَوْمَ تَلْقَى الْأَحِبَّةَ، مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ، عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِنَّ آخِرَ زَادِكَ مِنَ الدُّنْيَا ضَيَاحٌ مِنْ لبن (۲۸).

اور طبرانی نے اسے روایت کیا ہے: ہم سے بیان کیا محمد بن عبداللہ بن عرس نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا حرملہ بن یحییٰ نے، انہوں نے کہا: ہم سے روایت کیا ابن وہب نے، انہوں نے کہا: مجھے بیان کیا ابراہیم بن سعد نے، اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے کہا: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو صفین میں اس دن سنا جب وہ شہید ہوئے، وہ پکار رہے تھے: ''یقیناً میں جبّار (اللہ) سے ملا، اور

حورِعین سے نکاح کرلیا، آج تم اپنے محبوبوں سے ملو گے، محمد ﷺ اوران کے گروہ سے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ تمہارا دنیا سے آخری توشہ دودھ کی ایک کٹوری ہوگا۔

[۳۵۳] أَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى : حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ مَيْسَرَةَ، وَأَبِي الْبَخْتَرِيِّ : أَنَّ عَمَّارًا يَوْمَ صِفِّينَ جَعَلَ يُقَاتِلُ فَلَا يُقْتَلُ، فَيَجِيءُ إِلَى عَلِيٍّ، فَيَقُولُ: «يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَيْسَ هَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا هُوَ ؟»، فَيَقُولَ : أَذْهِبْ عَنْكَ. فَقَالَ ذَلِكَ مِرَارًا، ثُمَّ أُتِيَ بِلَبَنٍ فَشَرِبَهُ، فَقَالَ عَمَّارٌ : إِنَّ هَذِهِ لَآخِرَ شَرْبَةٍ أَشْرَبُهَا مِنَ الدُّنْيَا، ثُمَّ تَقَدَّمَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ (۳۰).

ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے: ہم سے بیان کیا وہب بن بقیہ نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا خالد نے، عطا سے، انہوں نے میسرہ اور ابوالبختری سے کہ صفین کے دن عمار رضی اللہ عنہ قتال کرتے رہے مگر قتل نہ ہوتے، پھر وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور کہتے: ”اے امیر المؤمنین! کیا یہ وہی دن نہیں جس کا وعدہ کیا گیا تھا؟“ تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: ”اپنے آپ کو سنبھالو (یہ بات چھوڑ دو)“۔ عمار رضی اللہ عنہ نے یہ بات کئی بار دہرائی۔ پھر انہیں دودھ پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے پی لیا اور کہا: ”یقیناً یہ دنیا میں میری آخری گھونٹ ہے۔“ پھر وہ آگے بڑھے اور قتال کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

[۳۵۴] وَأَخْرَجَهُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمِ ابْنِ الْمُقْرِئِ فِي ”فَوَائِدِهِ“ بِرِوَايَةِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَنْصُورٍ السُّلَمِيِّ - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ ـ: حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ أَخِي الْإِمَامِ بِحَلَبٍ (۳۱)، نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ (۳۲)، نَا أَبُو الْجَوَّابِ (۳۳)، نَا سُلَيْمَانُ بْنُ

قَوْمٍ(۳۴)، عَنْ هَارُونَ بْنِ سَعْدٍ(۳۵)، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ ظَبْيَانَ(۳۶)، عَنْ أَبِي التَّحَيى(۳۷) قَالَ: إِنِّي لَفِي الصَّفِّ بِصِفِّينَ إِذْ مَرَّ عَلَيْنَا عَلِيٌّ عَلَى بَغْلَةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُسَوِّي الصُّفُوفَ، فَقَامَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، فَأَخَذَ بِالرِّجَامِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَيَوْمُ الْعَتِيقِ هُوَ؟ فَمَضَى وَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا، ثُمَّ رَجَعَ عَلَيْنَا يُسَوِّيهَا، فَقَامَ إِلَيْهِ فَأَخَذَ بِالرِّجَامِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَيَوْمُ الْعَتِيقِ هُوَ؟ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، مَا لَكَ لا تَكَلَّمُ؟ أَيَوْمُ الْعَتِيقِ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَأَرْسَلَ الرِّجَامَ وَهُوَ يَقُولُ: الْيَوْمَ أَلْقَى الأَحِبَّةَ، مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ(۳۸).

اور اسے ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم ابن المقرئ نے اپنی ''فوائد'' میں ابراہیم بن منصور سلمی کی روایت سے ذکر کیا ہے جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے انہوں نے کہا: ہمیں ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ ابنِ اخی الامام بحلب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعید جوہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الجواب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن قوم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمران بن ظبیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوالتَّحیی نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں صفین کے معرکہ میں صف میں کھڑا تھا کہ اچانک ہمارے سامنے علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خچر پر سوار آئے اور صفیں درست کرنے لگے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اٹھے اور رِجام (لگام) پکڑ کر کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! کیا یہ یوم العتیق ہے؟ تو وہ آگے بڑھ گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر واپس ہمارے پاس آئے اور صفیں درست کرنے لگے۔ عمار رضی اللہ عنہ پھر ان کے

پاس آئے اور لگام پکڑ کر کہا: اے امیر المؤمنین! کیا یہ یوم العتیق ہے؟ پھر کہا: اے امیر المؤمنین! آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ کیا یہ یوم العتیق ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔عمار رضی اللہ عنہ نے لگام چھوڑ دی اور کہتے ہوئے واپس گئے: آج میں اپنے محبوبوں سے ملوں گا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے۔

(قولِ علی رضی اللہ عنہ: (اَذْهِبْ عَنَك) غالباً اس کا محذوف یہ ہے: ''اَذْهِبْ عَنَك الخَوْفَ''، یعنی: موت سے مت گھبراؤ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خوف زدہ دیکھا تھا، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ غیر مستقیم انداز میں جواب دے دیں کہ ''ہاں، یہی وہ دن ہے جس کے بارے میں تم نے مجھ سے سوال کیا تھا۔'' گویا علی اور عمار رضی اللہ عنہما دونوں جانتے تھے کہ اسی دن عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے۔اسی لیے جواب پانے کے بعد عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: (آج میں اپنے محبوبوں سے ملاقات کروں گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے)۔ یعنی اب مجھے قتل کیا جائے گا اور میں ان سے جا ملوں گا۔ پھر ان کے پاس دودھ لایا گیا تو انہوں نے پی لیا اور فرمایا: (یہ دنیا میں میرا آخری گھونٹ ہے۔'' پھر آگے بڑھے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے)

عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: (اے امیر المؤمنین! آپ خاموش کیوں ہیں؟ کیا یہ یوم العتیق ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ پھر لگام چھوڑ دی اور عمار رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے: ''آج میں اپنے محبوبوں سے ملاقات کروں گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے)۔شاید انہوں نے اس دن کو یوم العتیق کا کنایہ دیا، تشبیہ دیتے ہوئے اس دن سے جس میں کوئی غلام فوت ہو جائے اور اس کا آقا اس کی میراث کا وارث بن جائے (۳۹)۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ علی اور عمار رضی اللہ عنہما اس دن (یعنی دنِ شہادتِ عمار رضی اللہ عنہ) کو جانتے تھے، تو یہ یقینی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع سے تھا۔

[۳۵۵] أَخْرَجَ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ ''صِفِّينَ'' - كَمَا فِي بُغْيَةِ الطَّلَبِ -: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الجَرَّاحِ (۴۰)، عَنْ أَبِي

يُوسُفَ (۴۱)، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ (۴۲) قَالَ: حَدَّثَنِي شَيْخٌ مِنْ أَسْلَمَ شَهِدَ يَوْمَ صِفِّينَ قَالَ: وَاللهِ إِنَّ النَّاسَ لَعَلَى شَاكِلَتِهِمْ (۴۳)، رَجُلٌ يُصْلِحُ سَرْجَهُ، وَآخَرُ يُصْلِحُ لِجَامَهُ، وَآخَرُ يُعْلِفُ دَابَّتَهُ، فَمَا رَاعَنَا (۴۴) إِلَّا صَوْتَ عَمَّارٍ: أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ رَائِحٌ إِلَى اللهِ، (الظَّمْآنُ يَرِدُ الْمَاءَ) (۴۵)، إِنَّمَا الجَنَّةُ تَحْتَ أَطْرَافِ العَوَالِي (۴۶).. وَقَالَ: حِينَ كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَعْتَدِلَ (۴۷)، قَالَ: فَقُتِلَ عَمَّارٌ يَوْمَئِذٍ وَخُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ الأَنْصَارِيُّ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ كَلَدَةَ (۴۸)، وَكَانَتْ بَيْنَنَا قَتْلَى مِثْلَ الجِبَالِ (۴۹).

ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں - جیسا کہ بغیۃ الطلب میں ہے - روایت کیا: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن الجراح نے، انہوں نے ابو یوسف سے، انہوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں: مجھے ایک بزرگ نے حدیث سنائی جو قبیلہ اسلم سے تھے اور یومِ صفین میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! لوگ اپنی اپنی حالت میں تھے، کوئی اپنے کجاوے کی مرمت کر رہا تھا، کوئی اپنی لگام درست کر رہا تھا، اور کوئی اپنے جانور کو چارہ ڈال رہا تھا، کہ اچانک ہمیں عمار رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی: ''اے لوگو! کون ہے جو اللہ کی طرف بڑھنے والا ہے؟ پیاسا پانی پر پہنچتا ہے۔ جنت تو نیزوں کی انیوں کے سائے تلے ہے۔'' اور یہ اُس وقت کہا جب سورج قریب تھا کہ ٹھہر جائے (زوال کے قریب)۔'' وہ کہتے ہیں: ''پس اُس دن عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اور خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن کلدہ بھی شہید ہوئے، اور ہمارے درمیان مقتولین اس طرح ڈھیر

تھے جیسے پہاڑ۔

ہم نے اس خبر کی وضاحت حدیث نمبر [۳۳۵] کے بعد کی ہے، لہٰذا اسے لازماً ملاحظہ کریں۔

یہ مبہم اسلمی شیخ، جو دراصل (عینی شاہد ہیں)، ابن سعد کی روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

[۳۵۶] أَخْرَجَهُ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي هَاشِمُ بْنُ عَاصِمٍ(۵۰)، عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَهْمٍ(۵۱) قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو مَرْوَانَ الْأَسْلَمِيُّ قَالَ: شَهِدْتُ صِفِّينَ مَعَ النَّاسِ، فَبَيْنَا نَحْنُ وُقُوفٌ إِذْ خَرَجَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَقَدْ كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغْرُبَ وَهُوَ يَقُولُ: "مَنْ رَائِحٌ إِلَى اللهِ، الظَّمْآنُ يَرِدُ الْمَاءَ، الْجَنَّةُ تَحْتَ أَطْرَافِ الْعَوَالِي الْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةَ الْيَوْمَ أَلْقَى مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ"(۵۲).

اسے ابن سعد نے روایت کیا ہے: ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ہاشم بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے منذر بن جہم سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: مجھے ابو مروان اسلمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں صفین میں لوگوں کے ساتھ شریک تھا، ہم کھڑے تھے کہ اچانک عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نکلے، اس حال میں کہ سورج قریب تھا غروب ہونے کے، اور وہ کہہ رہے تھے: ''کون ہے جو اللہ کی طرف (چلنے) والا ہے؟ پیاسا پانی پئے گا، جنت نیزوں کی انیوں کے نیچے ہے۔ آج میں اپنے محبوبوں سے ملاقات کروں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا''۔

[۳۵۷] أَخْرَجَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ فِي "مُسْنَدِهِ" - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ - : حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ سَالِمٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ،

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: ''لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي أُصِيبَ فِيهِ عَمَّارٌ، كَانَ الرَّجُلَانِ يَضْطَرِبَانِ بِسَيْفِهِمَا حَتَّى يَفْتُرَا(۵۳)، فَيَجْلِسَا حَتَّى يَتَرَوَّحَا(۵۴)، فَيَعُودَا''، وَرُبَّمَا قَالَ: فَانْتَصَفَ النَّهَارُ، وَقَدْ ضَرَبَ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَلَيْسَ أَحَدٌ يَتَحَرَّكُ(۵۵)، فَيَخْتَلِطُونَ هَكَذَا - وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ -، حَتَّى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ إِذَا رَجُلٌ قَدْ بَرَزَ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ جَسِيمٌ، عَلَى فَرَسٍ جَسِيمٍ، ضَخْمٌ عَلَى ضَخْمٍ، يُنَادِي: يَا عِبَادَ اللهِ - بِصَوتٍ موجعٍ(۵۶) -، يَا عِبَادَ اللهِ، رُوحُوا إِلَى الْجَنَّةِ، - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -، الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ الْأَسَلِ(۵۷)، فَثَارَ النَّاسُ، فَإِذَا هُوَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ قُتِلَ رَحِمَهُ اللهُ(۵۸).

یعقوب بن شیبہ نے اپنی ''مسند'' میں جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے روایت کیا: ہمیں خلف بن سالم نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں [یحییٰ بن سعید] نے اپنے چچا سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: ''جس دن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس دن دو آدمی اپنی تلواروں سے مسلسل ضرب لگاتے رہتے یہاں تک کہ تھک جاتے، پھر بیٹھ جاتے تا کہ کچھ راحت پا لیں، پھر دوبارہ لڑائی میں لگ جاتے۔ اور کبھی ایسا بھی کہا کہ جب دن نصف گزر گیا تو سب لوگ تلواریں چلا چکے تھے اور کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ پھر وہ یوں ایک دوسرے میں گھل مل جاتے اور راوی نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر (اندرونی اختلاط کا منظر) دکھایا۔ یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو اچانک ایک آدمی دونوں صفوں کے درمیان ظاہر ہوا۔ وہ نہایت جثہ والا تھا، جس کی سواری بھی بڑی تھی، یعنی ایک بڑا شخص بڑے گھوڑے پر۔ وہ نہایت

دردناک آواز میں پکار رہا تھا: ''اے اللہ کے بندو! اے اللہ کے بندو! جنت کی طرف بڑھو یہ جملہ اس نے تین مرتبہ کہا جنت نیزوں کے سایوں کے نیچے ہے۔ چنانچہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر دیکھا گیا کہ وہ شخص عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ شہید کر دیے گئے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے۔

[۳۵۸] أَخرَجَ ابنُ سَعدٍ: أَخبَرَنا عَفّانُ بنُ مُسلِمٍ قالَ: أَخبَرَنا حَمّادُ بنُ سَلَمَةَ قالَ: أَخبَرَنا أَبو حَفصٍ (۵۹)، وَكُلثومُ بنُ جَبرٍ، عَنْ أَبِي غادِيَةَ قالَ: سَمِعتُ عَمّارَ بنَ ياسِرٍ يَقَعُ فِي عُثمانَ يَشتِمُهُ بِالمَدِينَةِ. قالَ: فَتَوَجَّدتُهُ بِالقَتلِ، قُلتُ: لَئِنْ أَمكَنَنِي اللهُ مِنكَ لَأَفعَلَنَّ. فَلَمّا كانَ يَومُ صِفّينَ جَعَلَ عَمّارٌ يَحمِلُ عَلَى النّاسِ، فَقِيلَ: هَذا عَمّارٌ. فَرَأَيتُ فُرجَةً بَينَ الرِّئَتَينِ وَبَينَ السّاقَينِ، قالَ: فَحَمَلتُ عَلَيهِ فَطَعَنتُهُ فِي رُكبَتِهِ، قالَ: فَوَقَعَ فَقَتَلتُهُ، فَقِيلَ: قَتَلتَ عَمّارَ بنَ ياسر؟!!(۶۰)).

ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عفان بن مسلم نے خبر دی، کہا: ہمیں حماد بن سلمہ نے خبر دی، کہا: ہمیں ابو حفص اور کلثوم بن جبر نے ابو غادیہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا: تو میں نے ان کے قتل کا عزم کیا اور کہا: اگر اللہ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں ضرور ایسا کروں گا۔ پھر جب یومِ صفین آیا تو عمار (رضی اللہ عنہ) لوگوں پر حملہ کر رہے تھے، تو کہا گیا: یہ عمار ہیں۔ میں نے ان کے پھیپھڑوں اور ٹانگوں کے درمیان ایک جگہ خالی دیکھی، تو میں نے ان پر حملہ کر کے ان کی گھٹنے میں نیزہ مارا، جس سے وہ گر پڑے اور میں نے انہیں قتل کر دیا۔ تو کہا گیا:

کیا تم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا؟!!

وَأُخْبِرَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ: «إِنَّ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ(٦١) فِي النَّارِ»، فَقِيلَ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: هُوَ ذَا أَنْتَ تُقَاتِلُهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا قَالَ: «قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ(٦٢)».

اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس (واقعہ) کی خبر دی گئی تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یقیناً اس کے قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا دوزخ میں ہے۔'' تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: یہ تو آپ ہی ہیں جو اس سے قتال کر رہے ہیں! تو انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا: ''اس کے قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا''۔

---

(۱) الْحَائِط سے مراد باغ ہے، اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اسے ایسے کاموں کے ذریعے درست کیا جائے جو اس کے لیے نفع رساں ہوں، مثلاً آبپاشی وغیرہ۔

(۲) احْتَبَى کا مطلب ہے کہ اپنی پنڈلیوں اور رانوں کو کپڑے یا ہاتھوں کی مدد سے اپنی پیٹھ کی طرف باندھ لینا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ علم بیان کرنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے اور حدیث کو بیان کرتے وقت کسی مشغولیت یا بے تکلف حالت میں نہ ہونا چاہیے، تاکہ حدیث کی تعظیم اور توقیر قائم رہے۔

(۳) (وَيحَ): یہ رحمت کی دعا کا ایک کلمہ ہے۔

(۴) (يَدْعُوهُمْ) میں ضمیر اس کے قاتلوں کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی وہ اپنے قاتلوں کو جنت کی طرف بلاتا تھا اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔

(۵) صحیح بخاری (۴۳۶)، اور فتح الباری لابن حجر (۵۴۱/۱-۵۴۲) میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ یہ واقعہ مسجد کی تعمیر کے وقت کا ہے۔ ابن رجب نے ''فتح الباری'' (۳۰۰/۳-۳۰۹) میں یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہاں مراد مسجد کی دوسری تعمیر (یعنی توسیع) ہے، جو خیبر کی فتح کے بعد ساتویں سالِ ہجری میں ہوئی تھی، نہ کہ پہلی تعمیر جو ہجرت کے پہلے سال میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اس پر دلائل بھی ذکر کیے ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

راویِ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے اور اس وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی، اس بنا پر پہلی تعمیر میں ان کا شریک ہونا مشکل ہے کیونکہ اس وقت ان کی عمر دس برس یا اس سے بھی کم تھی۔ البتہ حدیث کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ تعمیر میں شریک تھے، لہٰذا یہ دوسری تعمیر ہوگی جو فتح خیبر کے بعد ہوئی۔

ام المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ تعمیرِ مسجد کے دوران کام کرتے ہوئے آپ کے سینے کے بال گرد آلود ہو گئے تھے۔ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے چوتھے سالِ ہجری میں نکاح فرمایا اور ان کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا، تو جس تعمیر کو انہوں نے دیکھا وہ دوسری تعمیر تھی۔

البتہ امام احمد نے ''المسند'' (۲۶۴۸۲) میں روایت کیا ہے: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ. وفي (٢٦٦٨٠) قال: حَدَّثَنَا مُعَاذ (بْنُ مُعَاذٍ العَنْبَرِي)، كلاهما عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: ''ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی۔ اور (۲۶۶۸۰) میں فرمایا: ہمیں معاذ بن معاذ عنبری نے حدیث بیان کی، دونوں نے ابن عون سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے اپنی والدہ سے، انہوں نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: ''میں خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کبھی نہیں بھولتی کہ آپ ﷺ ہمیں اینٹیں پکڑا رہے تھے اور آپ کے سینے کے بال گرد آلود تھے، اور آپ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةِ *** فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرَةِ

پھر آپ ﷺ نے عمار کو دیکھا تو فرمایا: ''وَيْحَ ابنَ سُمَيَّةَ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ'' (سمیّہ کے بیٹے پر افسوس! اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔''

اور اسے شعیب ارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابن رجب نے جواب دیا: اس حدیث میں خندق کھودنے کا ذکر محلِ نظر ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ ''(اس میں) مسجد کی تعمیر'' مراد ہے۔ اس پر دو پہلو دلالت کرتے ہیں:

ان میں سے پہلا پہلو یہ ہے کہ خندق کھودنے میں اینٹیں اٹھائی نہیں جاتی تھیں، وہاں تو صرف مٹی ہی ڈھونی پڑتی تھی، جبکہ اینٹیں اٹھائی جاتی ہیں مسجد کی تعمیر کے وقت۔

اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے سینے پر غبار پڑا ہوا نہیں بھولی، جب کہ آپ یہ فرما رہے تھے: ''اے اللہ! اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔۔۔'' (حدیث آگے مذکور ہے)۔'' تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا خندق کی کھدائی میں کہاں موجود تھیں؟ وہ تو صرف مسجد کی دوسری تعمیر ہی کو دیکھ رہی تھیں، کیونکہ ان کا حجرہ مسجد کے پہلو میں تھا۔

اور اُن دلائل میں سے جو ابن رجب نے ذکر کیے ہیں یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص اور اُن کے والد رضی اللہ عنہما دونوں نے مسجد کی دوسری تعمیر میں شرکت کی تھی۔ امام احمد نے اپنی مسند (۶۴۹۹) میں روایت کیا ہے: ''عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: اے ابّا جان! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو عمار سے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا: ''اے سمیہ کے بیٹے! تیرا برا ہو، تجھے باغی گروہ قتل کرے گا؟'' اسے شعیب الارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے، اور یہ روایت آگے حدیث نمبر [۳۷۳] میں آئے گی، اور دیکھیے [۳۷۲]۔

ابن رجب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کی سند میں اعمش سے اختلاف ہے، اور یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسجد کی تعمیر تاخیر سے ہوئی تھی، یہاں تک کہ عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اسے دیکھا۔ (فتح الباری ۳/۳۰۸)۔

میں کہتا ہوں: یہاں اختلاف سے مراد وہ ہے جس کا ذکر نسائی نے السنن الکبریٰ (۸۴۹۸، ۸۴۹۹، ۸۵۰۰) میں کیا ہے۔ (حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى ابْنُ بِنْتِ السُّدِّيِّ، حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، به وفيه:) اور اسے ابویعلیٰ نے اپنی مسند (۷۳۵۱) میں روایت کیا ہے: ہمیں اسماعیل بن موسیٰ (ابن بنت السدی) نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں اسباط بن محمد نے اعمش سے، اور انہوں نے اسی سند سے روایت کیا، اور اس میں یہ الفاظ ہیں: [اے میرے ابا جان! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے جب وہ مسجد بنا رہے تھے......؟] (تو عمرو نے کہا:) ''کیوں نہیں! میں نے خود ان سے یہ سنا ہے۔'' اس کی سند حسن ہے، اور یہ آگے [۳۷۴] نمبر پر آئے گا۔

ابن رجب نے مسجد کی دوسری تعمیر پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو طلق بن حبیب سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کی مسجد بنائی، تو آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: یمامہ والے کو مٹی آگے بڑھاؤ، کیونکہ وہ تم میں سے سب سے

اچھا ہے جس کا ہاتھ مٹی پر نرم ہے۔'' اسے ابن حبان (۱۱۲۲) نے روایت کیا ہے، اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ شعیب الارنؤوط نے کہا ہے: اس کی سند قوی ہے۔ دیکھیے: التعلیقات الحسان (۱۱۱۹)۔

ابن رجب نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ کی آمد وفد ہجرت کے پہلے سال میں نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وفود تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسلام کے پھیلنے کے بعد ہی آئے تھے۔ اور انہوں نے یہ بات قطعی طور پر کہی کہ طلق رضی اللہ عنہ نے دوسری تعمیر میں شرکت کی تھی۔ فتح الباری (۳/۳۰۳)۔

میں کہتا ہوں: امام احمد نے روایت کیا (۱۷۷۶۸) [حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ:] کہ ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے ابن طاؤس سے، انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا: جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عمرو بن حزم، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے اور کہا: عمار شہید ہو گئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''انہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔'' تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور پیچھے ہٹتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: عمار شہید ہو گئے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عمار تو شہید ہو ہی گئے ہیں، تو پھر کیا ہوا؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''انہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔'' اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم اپنے ہی پیشاب میں پھسل گئے ہو! کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ انہیں تو علی اور ان کے ساتھی لائے اور ہمارے نیزوں کے بیچ ڈال دیا یا فرمایا: ہماری تلواروں کے بیچ۔'' شعیب الارنؤوط نے کہا: ''اس کی سند صحیح ہے۔'' اور عمرو رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ اپنی سماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی ہے۔ اور یہی حدیث آگے [۳۷۲] نمبر پر بھی آئے گی۔

اور ابن رجب نے مسجد کی دوسری تعمیر کے وقوع پر دلائل ذکر کیے ہیں، جیسے کہ وہ روایت جسے ترمذی نے نقل کیا ہے (۲۷۶/۶، رقم ۴۰۳۶)۔ اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یوم الدار فرمایا: ''میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں! کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسجد اپنے نمازیوں پر تنگ ہو گئی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: کون ہے جو فلاں خاندان کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کرے، اس کے بدلے میں اسے جنت میں بہتر حصہ ملے گا؟ تو میں نے وہ زمین اپنی خالص ذاتی مال سے خریدی، اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روک رہے ہو؟'' سب نے کہا: ''یا اللہ! ہاں (ہم گواہی دیتے ہیں)۔'' ...... پھر حدیث آگے مذکور ہے۔ اور اسے البانی اور شعیب الارنؤوط نے حسن قرار دیا ہے۔

واقدی نے روایت کیا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ صفر کے مہینے میں سنہ آٹھ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مہاجر بنے۔ دیکھیے: الطبقات الکبریٰ (۴/۷/۵) الخ۔

احمد (۱۷۷۷۷) نے ایک طویل خبر روایت کی ہے، اور اس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: (پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسلام لانے کے ارادے سے نکلا، تو میری ملاقات خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ہوئی، اور یہ واقعہ فتح مکہ سے کچھ پہلے کا ہے، وہ مکہ سے آ رہے تھے۔ میں نے کہا: کہاں جا رہے ہو اے ابوسلیمان؟ ۔۔۔) اسے شعیب الارنؤوط نے حسن قرار دیا ہے۔

اور جس پر دلائل دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسجد کی دوسری تعمیر خیبر کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہوئی۔

(۶) فتح الباری لابن حجر (۵۴۲/۱)۔

(۷) یعنی: عسکر الشام (شامی لشکر)۔

(۸) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ (۷۶/۳۵)۔

(۹) مسائل امام احمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ، روایہ اسحاق بن منصور الکوسج (۳۵۰۹)۔

(۱۰) یعنی یرجع القہقری کا مطلب ہے پیچھے کی طرف چلنا بغیر اس کے کہ وہ اپنا چہرہ اپنے چلنے کی سمت کی طرف پھیرے۔ النہایہ فی غریب الحدیث (۴/۱۲۹)، مادہ: ق ہ ق ر۔
اور سندھی نے اسے (یُرجِعُ) کے ساتھ ضبط کیا ہے اور کہا: یہ ترجیع سے ہے، یعنی وہ: إنا للہ وإنا إلیہ راجعون کہہ رہا تھا۔ میں کہتا ہوں: سیاق پہلے معنی پر دلالت کرتا ہے، واللہ اعلم۔ دیکھیں: حاشیہ المسند للسندی (۱۰/۳۵۶، ح ۶۳۹۷)۔
(۱۱) یعنی بدھ کا دن (۸ صفر ۳۷ھ) کی رات جو جمعرات کی طرف آ رہی تھی۔
(۱۲) یعنی جمعرات کا دن (۹ صفر ۳۷ھ) کی رات جو جمعہ کی طرف آ رہی تھی۔
(۱۳) جمعہ کا دن (۱۰ صفر ۳۷ھ) ہے۔
(۱۴) الآدَمُ لوگوں میں اس شخص کو کہتے ہیں جو سانولا ہو، اور الأدمة کا مطلب ہے سانولا رنگ۔ لسان العرب (۱۲/۱۱) مادہ: أدم۔
(۱۵) طُوال: یعنی بہت زیادہ لمبا۔ اور بہت زیادہ لمبے آدمی کو الأھوج کہا جاتا ہے۔ تہذیب اللغۃ (۱۴/۱۴) باب الطاء واللام۔
(۱۶) وَیَدُہُ تُرْعَدُ: یعنی اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا، بڑھاپے کی وجہ سے۔ دیکھیں: النہایہ (۲/۳۳۴)۔
(۱۷) السَّعَفَات: یہ سَعَفَة (بالتحریک) کی جمع ہے، اور اس سے مراد کھجور کے درختوں کی شاخیں ہیں۔ کہا گیا ہے: جب یہ سوکھ جائیں تو انہیں سَعَفَة کہا جاتا ہے، اور جب تر و تازہ ہوں تو شَطْبَة کہلاتی ہیں۔ اور اس نے ہجر کو خاص طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ وہ فاصلے میں دُور واقع ہے اور اس لیے بھی کہ وہ کھجوروں کی کثرت کے ساتھ مشہور ہے۔ النہایہ لابن الاثیر (۲/۳۶۸) مادہ: سعف۔
ہَجَر: یہ ''الھفوف'' شہر ہے جو الاحساء میں، مملکتِ سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں واقع ہے۔ **معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، عاتق البلادي**، ص ۴۰۔ نیز دیکھیں: معجم البلدان (۵/۳۹۳)۔
اور ہجر کو مسافت کے طول اور کسی کام کے بعید ہونے پر بطورِ مثال ذکر کیا جاتا تھا، اور اسی طرح کھجوروں کی کثرت کے حوالے سے بھی ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔
(۱۸) مسند احمد (۱۸۸۸۴) کی یہ روایت اسناد کے اعتبار سے حسن ہے کیونکہ اگلی خبر میں اس کی متابعت موجود ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں اور سب شیخین کے رجال ہیں سوائے عبداللہ بن سلمہ المُرادی الکوفی کے، جنہیں اختلاط لاحق ہو گیا تھا، اور عمرو بن مرہ نے ان سے سماع ان کے اختلاط کے بعد کیا تھا۔ شعبہ نے عمرو سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: عبداللہ بن سلمہ ہمیں حدیث بیان کرتے تھے تو ہم کچھ پہچان لیتے اور کچھ انکار کر دیتے، وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ اسی بنا پر بخاری نے کہا: ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ اور ابن حجر نے کہا: وہ صدوق ہیں مگر ان کے حفظ میں تبدیلی آ گئی تھی۔
محمد بن جعفر: وہ غندر ہیں۔ اور شعبہ: وہ ابن حجاج ہیں۔
اس خبر کو حاکم نے شرطِ شیخین پر صحیح کہا ہے جیسا کہ آگے تخریج میں آئے گا، اور البانی نے اسے التعلیقات الحسان (۷۰۳۹) میں حسن قرار دیا ہے۔ جبکہ شعیب ارناؤوط نے اسے ضعیف کہا ہے، اور ان کے تضعیف کا جواب اگلی خبر کی شرح میں ذکر کیا جائے گا، پس دیکھیں۔

● **یہ لفظ شاذ ہے، ثابت نہیں:**

ابوداؤد الطیالسی نے اپنے متن میں اختلاف کیا ہے، انہوں نے اسے اپنی مسند (۶۷۸) میں روایت کیا ہے، اور ان ہی کے طریق سے ابن سعد نے الطبقات (۳/۲۵۶)، بلاذری نے انساب الاشراف (۲/۳۱۷)، اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ (۴/۲۰۷۱، رقم ۵۲۰۲) میں شعبہ کے اسی سند سے روایت کیا ہے، مگر اس میں یہ الفاظ ہیں:
[۔۔۔ تو عمار رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا جبکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا اور کہا: یہ وہی جھنڈا ہے جس سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ جنگ کی ہے۔۔۔] الخبر۔ یہ الفاظ شاذ ہیں اور یقینی طور پر خطا ہیں، کیونکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، بلکہ احد اور خندق میں مشرکین کے ساتھ شریک تھے، پھر بعد میں اسلام لائے رضی اللہ عنہ۔ تو یہ تیسری مرتبہ کہاں سے آ گئی؟!!

ابوداود الطیالسی کی اس روایت کی متابعت بعض ضعیف رواۃ نے بھی کی ہے۔
چنانچہ طبری نے اسے اپنی تاریخ (۳/۹۹) میں روایت کیا ہے: (حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَسْرُوقِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ قَالَ:) [ہم سے موسیٰ بن عبدالرحمن المسروقی نے بیان کیا، کہا: ہمیں عبید بن الصباح نے خبر دی، عن عطاء بن مسلم، عن الاعمش، عن ابی عبدالرحمن السلمی، انہوں نے کہا: میں نے صفین میں عمار بن یاسر کو سنا کہ وہ عمرو بن العاص سے کہہ رہے تھے: یقیناً تم نے اس جھنڈے کے مالک رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تین مرتبہ قتال کیا ہے، اور یہ چوتھی مرتبہ ہے، جو نہ زیادہ نیک ہے نہ زیادہ پرہیزگار]۔ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ عبید بن الصباح، ابو محمد الکوفی الخزاز ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: وہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور بزار نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسند البزار ۱۴۹۰، الجرح والتعدیل ۵/۴۰۸، التذییل علی کتب الجرح والتعدیل ص ۵۰۸)۔ اور عطاء بن مسلم، ابو مخلد الخفاف الکوفی الحلبی ہیں، صدوق ہیں مگر بہت زیادہ خطا کرتے ہیں۔ (التقریب رقم ۴۵۹۹)۔
ابن سعد نے بھی الطبقات (۳/۲۵۸) میں اسے واقدی کے طریق سے قریباً انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: [۔۔۔ یقیناً میں نے اس جھنڈے کے مالک رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تین مرتبہ قتال کیا ہے، اور یہ چوتھی مرتبہ ہے جو ان ہی جیسی ہے]۔
پھر اسے وکیع، غندر، یزید بن ہارون، وہب بن جریر، ابو الولید الطیالسی، اور یحییٰ بن عباد الضُّبَعی نے سب نے شعبہ کے طریق سے، اصل معروف متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔
التخریج:
اسے ابن سعد نے الطبقات (۳/۲۵۷) میں یحییٰ بن عباد الضُّبَعی کے طریق سے روایت کیا ہے۔
اور ابن ابی شیبہ نے (۳۹۰۲۱) میں وکیع کے طریق سے روایت کیا ہے۔ نیز ابن ابی شیبہ نے اسے اپنے مصنف (۳۹۰۲۷) اور مسند (۴۴۶) میں بھی روایت کیا ہے، اور ابو یعلیٰ نے (۱۶۱۰) میں، اور ابن حبان نے (۷۰۸۰) میں غندر کے طریق سے روایت کیا ہے۔
اور حاکم نے (۵۶۵۱) میں یزید بن ہارون کے طریق سے اور (۵۶۷۸) میں وہب بن جریر اور ابو الولید الطیالسی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ سب کے سب شُعبہ کے واسطے سے، اسی سند پر، اپنی اصل صورت میں ہیں۔
حاکم نے دوسرے مقام پر کہا: یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اگرچہ انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔
مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۹۹۴)۔ اس کی سند متابعت کی بنا پر حسن ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں، سوائے الوضیء کے۔ بخاری اور ابو حاتم نے اس پر سکوت کیا ہے، اور ابو حاتم نے کہا: [الوضی، اور کہا جاتا ہے: وضین]۔ ابو مسلمہ: وہ سعید بن یزید بن مسلمہ الازدی بصری الصغیر ہیں۔
ترجمۃ الوضیء: تاریخ کبیر (۱۹۱۸)، الجرح والتعدیل (۹/۴۹)۔
التخریج:
حافظ ابن حجر نے اس خبر کو مختصر صورت میں فتح الباری (۱۳/۸۶) میں ذکر کیا اور فرمایا: [ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو الرضا سے روایت کیا، انہوں نے کہا: میں نے عمار کو صفین کے دن سنا۔۔۔۔]۔ چنانچہ مطبوعہ فتح میں [عن أبی الرضا] ہے، ''الوضیء'' کی جگہ۔
شیخ شعیب ارناؤوط کے خبر کو ضعیف قرار دینے پر تعقیب (مسند احمد کی تحقیق میں):
مصنف ابن ابی شیبہ کی وہ تمام طبعات جو طبعہ ''عوامہ'' سے پہلے شائع ہوئیں ان میں یہ جملہ ساقط تھا: ''سَمِعْتُ الْوَضِيءَ قَالَ''، چنانچہ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس سقط کی وجہ سے یہ گمان کیا کہ (عن أبی مسلمه) دراصل ''عبداللہ بن سلمہ'' کی تصحیف ہے، اور یہ بھی خیال کیا کہ (عن عمرو بن مرہ) کا جملہ ساقط ہو گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی تحقیق مسند میں کہا: [ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں سقط اور تحریف واقع ہو گئی ہے، اور اسی سقط کی وجہ سے دونوں اسانید کے درمیان خلط ہو گیا ہے]۔

پس شیخ شعیب کو عبداللہ بن سلمہ کا کوئی معتبر متابع نہ مل سکا، تو انہوں نے اس خبر کو ضعیف قرار دیا، حالانکہ درست یہ ہے کہ خبر صحیح ہے، والحمد للہ۔

مزید تفصیل کے لیے پچھلی اور اگلی خبر ملاحظہ کریں۔

(۲۰) (المعمری) مطبوعہ نسخے میں تصحیف ہوکر ''العمری'' ہوگیا ہے۔ اس کا ترجمہ سیر اعلام النبلاء (۱۳/۵۱۰) میں موجود ہے۔

(۲۱) راوی نے یہی کہا ہے کہ ابوسنان صحابی ہیں اور ان کا نام یزید بن امیہ ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں۔ ان کی ترجمہ تہذیب الکمال (۳۲/۸۶) میں موجود ہے۔

(۲۲) الصَّباح اور الضَّیح: وہ گاڑھا دودھ ہے جس میں پانی ڈالا جاتا ہے پھر اسے ملا دیا جاتا ہے۔ النہایۃ فی غریب الحدیث (۳/۱۰۷)، مادہ: ضیح۔

(۲۳) حلیۃ الاولیاء (۱/۱۴۱): یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔

البانی نے کہا: [یہ سند شواہد کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے؛ الْمَعْمَرِي معروف حافظ ہیں، اور ان کے شیخ محمد بن سلیمان کو ابن حبان (۹/۹۵) نے ثقہ کہا ہے۔ اور ابو معشر: وہ نجیح بن عبدالرحمٰن السندی ہیں، جو اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ اور ہیثمی کا قول (۹/۲۹۸): ''اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے!'' یہ ان کی طرف سے تسامح ہے؛ الا یہ کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے، لیکن ظاہر حال اس کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ البانی کا کلام ختم ہوا۔ ملاحظہ کریں: سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۷/۶۶۲)۔

(۲۴) حسّان بن محمد بن احمد بن ہارون النیسابوری، کنیت ابوالولید، فقیہ شافعی اور عابد تھے۔ خلیلی نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور حاکم نے کہا: وہ خراسان میں اہلِ حدیث کے امام تھے، میں نے علماء میں ان سے زیادہ زاہد اور عابد کوئی نہیں دیکھا۔ نیز کہا: ابوالولید نے صحیح مسلم پر مستخرج تصنیف کیا۔ ذہبی نے العبر میں کہا: وہ حدیث اور اس کی علل کے بڑے ماہر تھے۔

دیکھو: انظر: الارشاد للخلیلی (۳/۸۴۲)، سیر اعلام النبلاء (۱۵/۴۹۲)، العبر فی خبر من غبر۔

(۲۵) محمد بن عبداللہ بن قریش، کنیت ابوبکر، لقب الورّاق، الریونجی۔ سمعانی نے کہا: [وہ اہلِ علم وصدق میں سے تھے۔ حاکم نے کہا: وہ کثرتِ حدیث والے، خوش خط اور روایت میں سچے تھے۔ میں نے ان پر حسن بن سفیان کی مسند پڑھی]۔ (الانساب للسمعانی ۶/۲۲۲، رجال الحاکم فی المستدرک ۹۹ ۱۳، الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم ۷ ۹۴)۔

(۲۶) الحسن بن سفیان بن عامر بن عبدالعزیز بن النعمان بن عطا الشیبانی، امام، حافظ، ثبت، ابوالعباس خراسانی نسوی، (المسند) کے مصنف۔ یہ قول امام ذہبی کا ہے۔ اور العبر میں کہا: وہ ثقہ، حجت، اور کثرتِ سفر والے تھے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: انہوں نے مجھے لکھا اور وہ صدوق ہیں۔

ابن حبان نے کہا: الحسن ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسفار کیے، تصنیف کی، حدیث بیان کی، ساتھ ہی صحیح دیانت اور سنت پر سختی تھی۔

حاکم نے کہا: الحسن بن سفیان اپنے دور میں خراسان کے محدث تھے، ضبط، کثرت فہم، فقہ اور ادب میں پیش رو۔

حافظ ابوبکر احمد بن علی رازی نے کہا: دنیا میں الحسن کا کوئی نظیر نہیں۔

وفات سنہ ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

(الجرح والتعدیل ۳/۱۶، تاریخ دمشق ۱۳/۹۹، العبر ۱/۴۴۵، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۵۷، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة ۳/۳۵۹)۔

(۲۷) المستدرک (۵۶۶۸)، اس کی سند صحیح ہے، راوی ثقہ ہیں، اور بخاری ومسلم کے راویوں کے مطابق ہیں، سوائے حرملہ کے کہ وہ صرف مسلم کے راوی ہیں۔ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف قرشی زہری ہیں اور ان کے جد کا نام بھی ابراہیم ہی ہے۔

حاکم نے کہا: یہ روایت ان دونوں (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا، اور ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی۔ میں کہتا ہوں: حرملہ، مسلم کے رجال میں سے ہیں۔
البانی اور شعیب ارناؤوط نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۳۲۱۷)، مسند احمد (۱/۳۱/۱۷۳)۔
التخریج:

یہ حدیث حرملہ بن یحییٰ نے اپنے نسخہ میں روایت کی ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۴۳/۴۶۸-۴۶۹) میں ہے، اور ان ائمہ نے اسے ان ہی کے طریق سے روایت کیا۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۷۷۲)۔
بیہقی نے دلائل النبوۃ (۲/۵۵۲) میں اسے حاکم کے واسطے سے روایت کیا۔
طبرانی نے الاوسط (۷۱۶۴) میں روایت کیا اور کہا: ہم سے محمد بن عبداللہ بن عرس نے بیان کیا، اس نے کہا: ہم سے حرملہ نے بیان کیا، اسی سند کے ساتھ۔ پھر طبرانی نے کہا: [یہ حدیث ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے صرف ان کے بیٹے نے روایت کی ہے، اور ابراہیم بن سعد سے صرف ابن وہب نے روایت کی ہے، اور اس کو حرملہ بن یحییٰ نے تنہا بیان کیا ہے]۔ ہم اسے آگے مکمل ذکر کریں گے۔ ابن عرس: ابوعبداللہ المصری ہیں، لیکن میں ان کی کوئی توثیق نہیں پا سکا۔ دیکھئے: إرشاد القاصی والدانی الی شیوخ الطبرانی (۹۴۶)۔
(۲۸) (یقیناً میں نے جبّار سے ملاقات کی) اسی طرح منقول ہے، مگر مجھے گمان ہے کہ یہ لفظ تحریف کا شکار ہو کر "أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ" (جنت قریب کردی گئی) سے بدل گیا ہے۔ دیکھیے: پچھلی حدیث۔
(۲۹) المعجم الاوسط (۷۱۶۴) اپنی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے، اور ہم نے پچھلی حدیث کے تخریج میں طبرانی کا اس پر تبصرہ ذکر کیا ہے۔
(۳۰) مسند ابی یعلیٰ (۱۶۲۶)، یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ خالد، ابن عبداللہ واسطی ہیں۔ اور عطاء، ابن سائب ہیں، صدوق ہیں لیکن ان میں اختلاط ہو گیا تھا۔ میں نے ان کے اختلاط کی تفصیل اپنی کتاب "خُطبة الحسن و معاوية لا عند البيعة" میں نمبر [۴۱] پر ذکر کی ہے۔ خالد کی روایت ان سے اختلاط کے بعد کی ہے، تاہم ان کی متابعت موجود ہے۔ اور میسرہ، ابوجمیلۃ بن یعقوب طہوی ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کے علَم بردار تھے، مقبول ہیں۔ اور ابوالبختری، سعید بن فیروز ہیں، ثقہ اور ثبت ہیں، ان میں کچھ کم درجے کا تشیع تھا، اور کثرت سے ارسال کرتے تھے، وہ اس واقعہ کے عینی شاہد نہیں تھے، لہٰذا ان کی روایت مرسل ہے، لیکن ان کی متابعت میسرہ نے کی ہے۔
التخریج:
ابن حجر نے اس کو المطالب العالیہ (۴۴۲۴) میں ابو یعلیٰ کے مسند سے نقل کیا ہے۔
اور ابونعیم نے الحلیۃ (۱/۱۴۱) میں یحییٰ الحِمّانی کے طریق سے، خالد بن عبداللہ سے، اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن صرف مرفوع حصہ ذکر کیا ہے۔ آگے دیکھیں۔
(۳۱) یہاں دو راوی ہیں جو تین امور میں مشترک ہیں: نام میں، اپنے شیخ (الجوہری) میں، اور ان دونوں سے روایت کرنے والے (ابن المقرئ) میں۔
اور یہ دونوں یہ ہیں:

- شیخ محدّث، ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالعزیز بن الفضل الہاشمی الحلَبی، جو ابن اخی الامام کے نام سے معروف ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابوالقاسم بھی تھی۔ ان کا انتقال تین سو دس کے بعد کسی سال میں ہوا۔ یہ قول ذہبی کا ہے۔ ابن حجر نے کہا: یہ بارھویں طبقہ سے مقبول ہیں۔ مراجع: تاریخ الاسلام (۲۳/۶۳۰)، سیر اعلام النبلاء (۱۴/۳۰۷)، التقریب (۳۹۴۰)
- محدّث، ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن احمد الاسدی الحلَبی الصغیر، معدّل، اور کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ابن اخی الامام کے نام سے معروف ہیں۔ یہ قول ذہبی کا ہے، اور اپنی تاریخ میں کہا: صدوق ہیں۔ ابن حجر نے کہا: یہ بھی بارھویں طبقہ سے مقبول ہیں۔ مراجع:

تاریخ الاسلام (۲۳/۱۳۱ ۹)، سیر اعلام النبلاء (۱۴/۳۰۷)، التقریب (۳۹۴۱)

پس اس خبر کا راوی ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔

- اور ایک تیسرا بھی ہے جو ان دونوں سے خلط نہیں ہوتا محض تعارف کی خاطر ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ ہے: عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن حکیم الاسدی، ابومحمد الحلبی الکبیر، جو ابن اخی الامام کے نام سے معروف ہیں۔ صدوق ہیں اور ابوحاتم نے کہا: یہ فہم رکھتے تھے۔ مراجع: التقریب (۳۹۳۹)۔

(۳۲) امام، حافظ، مجوّد، اور (المسند) الاکبر کے مصنف، ابواسحاق ابراہیم بن سعید البغدادی، الجوہری، جن کا اصل وطن طبرستان ہے۔ امام نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، یہ قول ذہبی کا ہے۔ ابن حجر نے کہا: یہ ثقہ حافظ ہیں، ان پر بلا دلیل کلام کیا گیا ہے۔ ان کا انتقال ۴ ہجری میں ہوا۔ التقریب (۱۷۹)۔

(۳۳) احوص بن جوّاب الضبی، ابوالجوّاب کوفی، صدوق ہیں، کبھی کبھار وہم کر جاتے ہیں۔ (م، د، ت، س) التقریب (۲۸۹)۔

(۳۴) سلیمان بن قرم بن معاذ تیمی ضبی، ابوداؤد بصری نحوی ہیں۔ احمد بن حنبل نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور ایک مرتبہ فرمایا: مجھے ان میں کوئی حرج نظر نہیں آتا، لیکن یہ تشیع میں غلو کرتے ہیں۔ ابن معین، نسائی، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور مسلم نے ان کی روایت شواہد میں لی ہے۔ ذہبی نے کہا: کوفی ہیں، حدیث میں صالح ہیں، لیکن غالی شیعی ہیں، ابن معین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

ابن حجر نے کہا: کم حافظے والے ہیں، تشیع رکھتے ہیں۔ (خت، م، د، ت، س)

تہذیب الکمال (۱۲/۵۱)، تاریخ الاسلام (۱۰/۲۴۷)، التقریب (۲۶۰۰)۔

(۳۵) ہارون بن سعد عجلی، اور کہا جاتا ہے: جعفی، کوفی أعور ہیں۔ صدوق ہیں لیکن ان پر رفض (یعنی رافضیت) کا الزام لگایا گیا، اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا، م۔ التقریب (۷۲۲۷)۔

(۳۶) حنفی کوفی۔ یعقوب بن سفیان نے کہا: ثِقہ ہیں۔ ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ بخاری نے کہا: ان میں نظر ہے۔ ابن حبان نے ان کو الثقات میں ذکر کیا، پھر المجروحین میں ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ ان رواۃ میں سے تھے جو غلطی کرتے تھے، لیکن ان کی غلطی اتنی شدید نہ تھی کہ ان کی روایت سے استدلال بالکل باطل ہو جائے، البتہ وہ خبریں جن میں وہ منفرد ہوں، ان سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ ابن حجر نے کہا: ضعیف ہیں اور ان پر تشیع کا الزام ہے، ابنِ حبان نے ان کے بارے میں تضاد کا مظاہرہ کیا۔ (بخ، س)، تہذیب الکمال (۳۳۴۲۲)، تہذیب التہذیب (۸/۱۳۳)، التقریب (۵۱۵۸)۔

(۳۷) حکیم بن سعد حَنَفی، ابویحییٰ، کوفی۔ ابن حجر نے کہا: صدوق ہیں۔ الاکمال لابن ماکولا (۱/۵۰۲)، (۲/۴۸۶)، التقریب (۱۴۸۳)۔

(۳۸) تاریخ دمشق (۴۳/۴۶۴)، اس کی سند دیگر شواہد کی بنا پر حسن ہے، سوائے اس قول کے: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر)، کیونکہ ایسا معاملہ اگر واقع ہوا ہوتا تو ثقہ رواۃ اس کی روایت کرتے اور یہ بات مشہور اور معروف ہو جاتی۔ مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۱۱۳۲)۔

اس لفظ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

ابن ابی شیبہ (۳۹۰۰۲) نے روایت کیا ہے: [ہمیں یحییٰ بن آدم نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں فطر نے حدیث سنائی، ابوالقعقاع سے، وہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہباء خچر پر سوار دیکھا کہ وہ مقتولین کے درمیان چکر لگا رہے تھے۔] اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں نکارت ہے، جو مبالغہ آرائی اور جھکاؤ پر مبنی ہے۔ یحییٰ: ثقہ ہیں۔ فطر: وہ ابنِ خلیفہ ہیں، صدوق ہیں لیکن ان پر تشیع کا الزام ہے۔ ابوالقعقاع: ابن العدیم نے ان کا ترجمہ "بغیۃ الطلب" (۱۰/۴۵۹۹) میں ذکر کیا ہے، کہا: [ابوالقعقاع الجرمی: انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی اور اس معرکہ کا حال بیان کیا، ان سے ابوجناب الکلبی نے روایت کی۔] ابن العدیم کا انداز یہ بتاتا ہے کہ یہ شخصیت "ابوالقعقاع عبداللہ بن خالد الجرمی" کے علاوہ کوئی اور ہیں، جن کے بارے میں بخاری اور ابو

حاتم نے سکوت کیا ہے، اور ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔ مراجع: الطبقات الکبریٰ (۶/۱۸۰)، التاریخ الکبیر (۵/۷۷)، الجرح والتعدیل (۵/۴۳)، الثقات لابن حبان (۷/۲۹)، الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (۶/۹)۔

● اس روایت کو نسائی نے السنن الکبری (۸۵۱۷) میں ذکر کیا ہے: [(أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلِ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ قَيْسٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ:) ہمیں عبدالاعلیٰ بن واصل بن عبدالاعلیٰ نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں الفضل بن دکین نے حدیث سنائی، موسیٰ بن قیس حضرمی سے، انہوں نے سلمہ بن کہیل سے، اور انہوں نے زید بن وہب سے روایت کیا: علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں ''قنطرۃ الدیجان'' پر خطبہ دیا اور فرمایا: مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ ایک جماعت مشرق کی طرف سے نکلے گی، ان میں ایک کانے بازو والا (ذوالثدیہ) ہوگا۔ پس تم ان سے قتال کرو۔ حروریہ (خوارج) نے آپس میں کہا: ''اس سے بات نہ کرو، ورنہ یہ تمہیں اسی طرح لوٹا دے گا جیسے اس نے تمہیں حروراء کے دن لوٹا دیا تھا۔ پھر وہ نیزوں کے ساتھ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے'' ۔ تو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: ''اوپر کی دھاریاں کاٹ دو'' (اور عَوالی سے مراد نیزے ہیں)، چنانچہ وہ ادھر اُدھر گھومنے لگے، اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے بارہ یا تیرہ آدمی قتل ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس مُخدَج (یعنی کانے بازو والے) کو تلاش کرو۔ یہ واقعہ سرد دن میں پیش آیا۔ لوگوں نے کہا: ''ہم اسے پانے سے قاصر ہیں، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی شہباء خچر پر سوار ہوئے اور زمین کے ایک نشیبی حصے میں آئے اور فرمایا: ''اسے انہی میں تلاش کرو۔ تو وہ نکالا گیا'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔ پھر فرمایا: ''عمل کرتے رہو اور صرف بھروسہ نہ کرو۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سہل انگار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دیتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے تمہارے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ اور بلاشبہ ہمارے ساتھ یمن کے کچھ لوگ بھی اس موقع پر شریک تھے۔'' لوگوں نے کہا: ''وہ کس طرح، اے امیر المؤمنین؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کی خواہش اور رائے ہماری ہی طرف تھی''] اور یہ خبر آگے مختصر صورت میں حدیث نمبر [۵۰۸] پر آئے گی۔

اور اسے ابن ابی شیبہ (۳۹۰۵۳) اور بزار (۵۸۰) نے فضل بن دکین کی سند سے روایت کیا ہے، اسی طریق سے۔ مگر ابن ابی شیبہ نے ''نبی ﷺ کی خچر'' کا ذکر نہیں کیا۔

نسائی کی روایت پر حکم:

اس میں (نبی ﷺ کی خچر) اور (۱۲ یا ۱۳ مقتولین) اور (یمن میں کچھ لوگوں کا ہونا...... الخ) کا ذکر منفرد طور پر آیا ہے۔

چنانچہ ان کے اس قول: (پھر علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی شہباء خچر پر سوار ہوئے) اور اس قول: (بیشک یمن میں کچھ لوگ ہمارے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا: کیسے اے امیر المؤمنین؟ فرمایا: ان کا میلان ہماری طرف تھا)۔ یہ دونوں زیادتیں شاذ ہیں، اور ان پر موسیٰ بن قیس نے تنہا روایت میں اضافہ کیا ہے جو اس نے سلمہ بن کہیل سے بیان کیا۔ حالانکہ یہ حدیث ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے مگر انہوں نے ان دونوں الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ اور موسیٰ بن قیس کو ''عصفور الجنة'' کہا جاتا ہے، وہ صدوق اور شیعی میلان رکھنے والا ہے۔ اس کی یہ زیادت جو ''نبی ﷺ کی خچر'' کے بارے میں ہے، اس کے تشیع کی طرف جھکاؤ ہے، اس لیے یہ زیادت اس سے قبول نہیں کی جائے گی، خصوصاً جب اس نے ثقہ راویوں سے الگ تنہا بیان کیا ہے، بلکہ اس کے متن میں مخالفت بھی موجود ہے جیسا کہ مسلم اور ابن ابی شیبہ کے ہاں آتا ہے، جس کا ذکر آگے ہوگا۔

اور موسیٰ بن قیس نے یہاں یہ غلطی بھی کی کہ کہا: (علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے بارہ یا تیرہ آدمی قتل ہوئے) اور اس پر مزید یہ کہ اس نے شک بھی کیا!! جبکہ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ صرف دو ہی تھے۔

◆ چنانچہ مسلم (۳/۱۱۵) نے اسے عبدالملک بن ابی سلیمان، عن سلمہ بن کہیل کے طریق سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں ہے: ''اس دن لوگوں میں سے صرف دو ہی آدمی مارے گئے تھے'' یعنی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے۔ پس وہ دو ہی تھے، بارہ یا تیرہ نہیں۔ اس کی مکمل روایت آگے حدیث [۴۹۴] میں آئے گی۔

◆ اور ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا: ''ہمیں ابومعاویہ نے بیان کیا، انہیں اعمش نے، انہیں زید بن وہب نے'' اس کے ہم معنی روایت کی، مگر ان دونوں زیادتوں کے بغیر۔ یہ آگے حدیث [۵۰٦] میں آئے گا۔

◆ اور عبداللہ نے اپنی ''زیادات علی المسند'' (۱۱۸۹) میں ابوالوَدیع سے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، مگر ان دونوں زیادتوں کا ذکر نہیں کیا۔ یہ آگے حدیث [۵۰۴] میں آئے گا۔

◆ اور ابن ابی شیبہ (۳۹۰٦۹) نے ابووائل سے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، مگر ان دونوں زیادتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں موسیٰ بن قیس کی روایت کے خلاف بات آئی ہے۔ ابووائل نے کہا: (پھر انہوں نے اپنی سوار سواری منگوائی اور اس پر سوار ہوئے اور نکل کر ایک نشیبی جگہ پر پہنچے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی اپنی سواری تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری نہیں۔ یہ روایت آگے حدیث [۴۹٦] میں آئے گی۔

یہ حدیث بہت مشہور ہے، اسے متعدد راویوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ دونوں زیادتیں ذکر نہیں کیں۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ابنِ قیس کی روایت کے شاذ ہونے کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے، لہٰذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

● خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۷۱) میں (**من طريق أحمد بن إسحاق بن إِبْرَاهِيم بن نبيط بن شريط الأشجعي قال: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ...**) احمد بن اسحاق بن ابراہیم بن نُبَیط بن شُرَیط الاشجعی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: مجھے میرے والد نے اپنے والد سے، اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۔۔۔ اور اس نے نہروان کے دن کا ایک طویل قصہ بیان کیا، جس میں یہ الفاظ ہیں: (ہم مقتولین کے گرد پھر رہے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خچر رک گئی اور علی رضی اللہ عنہ اس پر سوار تھے، تو آپ نے فرمایا: قتل شدگان کو الٹ دو۔۔۔)۔ یہ خبر موضوع ہے۔ احمد بن اسحاق کے بارے میں امام ذہبی نے کہا ہے: ''اس نے اپنے والد سے، اور اس نے اپنے دادا سے ایک نسخہ روایت کیا ہے جس میں بلائیں (بے شمار جھوٹی باتیں) ہیں، اس سے احتجاج جائز نہیں، کیونکہ وہ کذاب ہے۔'' اور اپنی تاریخ میں فرمایا: وہ اس مشہور موضوع نسخے کا راوی ہے۔ دیکھیں: تاریخ الاسلام (۵۱/۲۱)، میزان الاعتدال (۱/۸۲)، ارشاد القاصی والدانی (ص ٦۱)۔

اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ: وہ خچر دراصل علی رضی اللہ عنہ کا خچر تھا، نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خچر۔ اور میں اس پر دو دلیلوں پر مطلع ہوا ہوں:

پہلی دلیل: ابھی کچھ دیر قبل ابن ابی شیبہ کے حوالے سے گزرا کہ: (پھر علی رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری منگائی اور اس پر سوار ہوئے)، اور یہ واقعہ نہروان میں ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کے وقت کا ہے۔

دوسری دلیل: بزار نے ایک حسن سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو اپنی سفید خچر پر سوار ہوئے۔ پس یہ ان کی اپنی خچر تھی، نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خچر۔ یہ روایت مکمل صورت میں آگے [۵۰۱] نمبر پر آئے گی۔

یہ سب افواہیں ہیں جو کوفہ کے جاہ طلب لوگ پھیلاتے ہیں، اور اسی طرح کی ایک اور مشابہ افواہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ''ذوالفقار'' علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ دیکھیں: [۳۳۰]

اور اس باب میں وہ روایت ہے جسے وکیع نے اپنی نسخہ (۳۵) میں نقل کیا ہے: اعمش سے، انہوں نے ابوصالح سے روایت کیا کہ: عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک حادی اشعار پڑھ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

اِنَّ الْأَمِيـــرَ بَـعْـدَهُ عَـلِيٌّ   وَفِـي الـزُّبَـيْـرِ خَـلَـفٌ رَضِـيٌّ

یعنی: ان کے بعد امیر علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور زبیر رضی اللہ عنہ میں ایک پسندیدہ جانشین ہے۔

ابوصالح کہتے ہیں: تو کعب نے کہا: ''نہیں، بلکہ وہ تو سفید خچر والا ہے'' (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ)۔ یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ اس کے پاس آئے اور کہا: (اے ابواسحاق! تم یہ کیوں کہتے ہو؟ جبکہ یہاں علی رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے صحابہ موجود ہیں؟) اس پر کعب نے کہا: (ہاں، تم ہی اس کے صاحب ہو)

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ منقطع ہے۔ ابو صالح سے مراد ذکوان السَّمّان ہیں، اور انہوں نے کعب الاحبار سے سماع نہیں کیا۔

اس کے متن میں نکارت ہے: (یعنی صحیح متواتر کے خلاف ہونا) اور (مبالغہ ومیلان ہونا)۔ مخالفت کی جہت یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ علی رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔ جبکہ اس خبر میں دعویٰ کیا گیا ہے کعب کی زبان سے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: ''جبکہ یہاں علی اور زبیر (رضی اللہ عنہما) موجود ہیں؟!!'' تو کعب نے جواب دیا: ''ہاں، تم ہی اس کے صاحب ہو۔''

اور میں نے شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد کو فرماتے ہوئے سنا: ''ابو صالح یعنی سَمّان نے کعب الاحبار سے سماع نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر متوسط درجے کے صحابہ سے سماع کیا، بڑے صحابہ جیسے عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے سماع نہیں کیا، بلکہ ان کے بعد والوں سے روایت لی۔ جبکہ کعب کا انتقال عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، لہٰذا ابو صالح کی روایت کعب سے منقطع ہے۔'' انتہی۔

تخریج روایت وکیع: اسے خَلّال نے ''السنۃ'' (۷۰۹) میں اور ابن عساکر نے (۱۲۳/۵۹) میں وکیع کے طریق سے روایت کیا ہے۔''

(۳۹) دیکھو: أحکام المیراث بالولاء في: الموسوعة الفقهية الكويتية (۲۷۱/۲۹)۔

(۴۰) ابراہیم بن الجراح بن صبیح التمیمی، پھر المازنی، ان کے موالی میں سے تھے، اصل میں مرو کے رہنے والے تھے پھر کوفہ میں مقیم ہوئے، اہلِ رائے میں سے تھے۔ مصر میں قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے ابو یوسف سے فقہ حاصل کی، انہی سے حدیث سنی اور ان کی امالی بھی لکھیں۔ انہیں ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: وہ وہم کرتے تھے۔ اور حرملہ نے ان پر یہ شہادت دی کہ وہ خلقِ قرآن کے قائل تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ نے کہا: وہ نہایت ذہین اور عالم تھے۔ ان کا انتقال سنہ (۲۱۷ھ) یا (۲۱۹ھ) میں ہوا۔ مآخذ: الثقات لابن حبان (۶۹/۸)، کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ للکندی ص (۳۰۶)، تاریخ الاسلام (۵۲/۱۵)، لسان المیزان (۴۳/۱)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۱۶۴/۲)، الطبقات السنية في تراجم الحنفية لتقی الدین الغزی (۲۱۸/۱، ترجمہ ۲۹)۔

(۴۱) یہ ہیں امام، مجتہد، علامہ محدث، قاضی القضاۃ، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن حبیش بن سعد بن بجیر بن معاویہ انصاری کوفی، امام ابوحنیفہ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ امام احمد اور علی بن مدینی نے کہا: یہ صدوق ہیں۔

امام نسائی نے کہا: یہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں۔ دارقطنی نے کہا: ان کی حدیث میں ضعف ہے۔ ان کا وصال سنہ ۱۸۲ھ میں ہوا۔ حوالہ جات:

العلل لامام احمد روایت عبداللہ (۵۳۳۲)، سؤالات السلمی للدارقطنی (۳۳۸)، سیر اعلام النبلاء (۵۳۵/۸)۔

(۴۲) قریشی، زہری، ابوعبدالرحمٰن یا ابوعمران مدنی، یہ ثقہ ہیں۔ ان سے بخاری ومسلم نے روایت لی ہے۔ تقریب (۲۸۴۳)۔

(۴۳) شاکِلَہ کا معنی ہے: طرف، سمت۔ یعنی ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا یا کھڑا اپنے کام میں مشغول تھا اور جنگ سے غافل تھا؛ کیونکہ وہ صلح (یعنی ہُدنہ) کی حالت میں تھے۔ تاج العروس (۲۷۰/۲۹)، مادہ: ش ک ل۔

(۴۴) فما راعنا کا مطلب ہے: پس ہمیں ڈرانہ گیا، اور یہ روع سے ہے، جس کا معنی ہے: ڈر اور گھبراہٹ۔ تاج العروس (۱۲۸/۲۱) مادہ: روع۔

یعنی ہمیں اچانک اور سخت خوف میں ڈالنے والی چیز صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آواز تھی؛ کیونکہ عمار رضی اللہ عنہ نہایت بلند اور دردناک آواز میں پکار رہے تھے۔ اس وقت لوگ صلح (ہدنہ) کی حالت میں بالکل غافل اور ساکن تھے، ہر شخص اپنی سمت اور اپنی جگہ اپنے اپنے کام میں مشغول تھا جو اس کو مشغول رکھتا تھا، اور جنگ سے بالکل بےفکر تھا۔ تو عمار رضی اللہ عنہ کی بلند آواز ہی تھی جس نے ان سب کو اچانک ڈرا دیا۔

(۴۵) اصل نسخے میں لفظ ہے: ''الظما بردوا''، اور جو الفاظ ہم نے درج کیے ہیں وہ اگلی روایت سے ثابت ہیں، یعنی ابن سعد کی الطبقات کی روایت سے۔

(۴۶) **العَوَالي**: نیزے۔

(۴۷) **تَعْتَدِل**: یعنی سورج کا آسمان کے وسط میں عموداً کھڑا ہونا۔ اور سورج کا آسمان میں عموداً کھڑا ہونا وہ وقت ہے جو تقریباً اذانِ ظہر سے دس منٹ پہلے ہوتا ہے، اور یہی نصف النہار ہے۔ پھر جب سورج ڈھل جاتا ہے اور مغرب کی طرف جھکنے لگتا ہے تو نمازِ ظہر کا وقت داخل ہوتا ہے، کیونکہ نمازِ ظہر کا وقت سورج کے اپنے عین وسط سے ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

(۴۸) عبدالرحمن بن کَلَدَہ: اس کی کوئی مستقل ترجمہ مجھے نہیں ملی، البتہ اس کا ذکر صفین کے مقتولین میں آیا ہے، نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین ص ۳۹۴ پر اور خلیفہ نے اپنی تاریخ (ص ۱۹۴) میں، اور عبدالرحمن بن محمد بن اسحاق بن مندہ نے **المستخرج من کتب الناس** (۲/۵۷۴) میں، اور ذہبی نے الخلفاء الراشدین ص (۲۶۷) میں ذکر کیا ہے۔

(۴۹) بُغیۃ الطلب في تاریخ حلب (۳۲۵۵/۷)، (کتاب صفین لابن دیزیل، حدیث نمبر [۱۲۲]، میری جمع وترتیب کے ساتھ)۔ یہ روایت شواہد کی بنا پر حسن ہے، البتہ یہ سند ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سلیمان جعفی ہیں، جو بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، صدوق ہیں مگر خطا کرتے ہیں۔ اور محمد بن اسحاق ابن یسار مدنی ہیں، سیرت کے مصنف، صدوق ہیں لیکن تدلیس کرتے ہیں، نیز ان پر تشیع اور قدر کا الزام ہے۔ اور (عینی شاہد) ایک شیخ اسلمی ہیں جن کا نام ابن سعد کی اگلی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، مگر مجھے ان کا کوئی مستقل ترجمہ نہیں ملا۔

متابعت اور شواہد

ان کے اس قول پر (فَمَا رَاعَنَا إِلَّا صَوْتَ عَمَّارٍ) عم سعید بن یحییٰ کے اس قول (بصوت موجع) کی شہادت ہے، اور یہ روایت شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ ملاحظہ کریں: [۳۳۵]۔ عمار کا یہ مقولہ (**الْيَوْمَ تَلْقَى الأَحِبَّةَ...**) صحیح سند کے ساتھ [۳۵۱] اور اس کے بعد والی روایت میں آیا ہے۔ جہاں تک عمار کے اسی دن شہید ہونے کی خبر کا تعلق ہے تو اس پر شاہد وہ روایت ہے جو حاکم نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے صفین میں، اس دن جس دن عمار شہید ہوئے، عمار بن یاسر کو یہ پکارتے ہوئے سنا: «**أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ...**» اور اس کی سند صحیح ہے۔ ملاحظہ کریں: [۳۵۱] اور اس کے بعد والی روایت۔ تخریج: اسے شیخ مفید نے الاختصاص ص ۱۳ میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے طریق سے محمد بن اسحاق کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور اس کے آخر میں ایک زیادتی ہے جس میں بعض نکارت ہے، میں نے اسے صرف معرفت کے لیے ذکر کیا ہے، اور یہ مصدر غیر معتبر ہے۔ اور اسے مجلسی نے بحار الانوار (۳۳/۲۰) میں مفید کے واسطے سے ذکر کیا ہے۔

(۵۰) ہاشم بن عاصم اسلمی، یہ واقدی کے شیوخ میں سے ہیں، لیکن مجھے ان کا کوئی مفصل ترجمہ نہیں ملا۔ البتہ ان کے والد کا ترجمہ الاستیعاب (۲/ ۷۸۵، ترجمہ ۱۳۱۵) میں موجود ہے۔ اس میں کہا ہے: عاصم بن اسلمی، مدنی ہیں، ان سے ان کے بیٹے ہاشم بن عاصم نے روایت کی ہے۔ اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ (۴/۲۱۴۴) میں کہا ہے: عاصم ابو ہاشم الاسلمی...... اور معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم بن عاصم اخباری تھے، کیونکہ وہ متعدد تاریخی روایات اور بعض سیرتِ نبویہ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ روایات اپنے والد سے اور منذر بن جہم سے نقل کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو: الطبقات الکبری، طبعہ خانجی: ۹۵/۱، ۹۶/۱، ۲۳۹/۳، ۲۲۸/۴، ۶۰/۵، ۲۱۶/۵، ۲۰۳/۶، ۳۹۰/۶، ۳۹۲/۶ اور معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۱۲۷۶/۳، رقم ۳۲۰۴

(۵۱) منذر بن جہم اسلمی کے بارے میں بخاری اور ابن ابی حاتم نے سکوت اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: التاریخ الکبیر (۳۵۸/۷)، الجرح والتعدیل (۲۴۳/۸)، بیان خطا البخاری فی تاریخہ (۵۴۲)۔

(۵۲) الطبقات الکبری (۲۶۸/۳): یہ روایت شواہد کی بنا پر حسن ہے، سوائے اس جملے کے: (**كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغْرُبَ**)۔ اور یہ

سندنہایت ضعیف ہے۔تمام راوی اسلمی ہیں۔اس کے شواہد گزشتہ خبر میں ملاحظہ کریں۔
التخریج:
اسے ابن عساکر نے (۴۳/۴٦۵) میں ابن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔
اورابن سعد نے (۳/۲۵۸، ۲٦۴) اور حاکم نے (۳/۴۳۴) میں روایت کیا ہے، واقدی کے طریق سے، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن ابی عبیدہ نے اپنے والد سے، اورانہوں نے لؤلؤۃ (ام الحکم بنت عمار بن یاسر کی باندی) سے روایت کیا۔ اس نے بیان کیا:......اس نے عمار رضی اللہ عنہ کے دودھ پینے اوران کے قتل کا ذکر کیا، اور یہ بھی کہا کہ ان کو سورج ڈوبنے سے ذرا پہلے شہید کیا گیا۔مگر یہ روایت صحیح نہیں۔صحیح یہ ہے کہ انہیں رضی اللہ عنہ ابتدائے ظہر (زوال کے بعد) شہید کیا گیا۔
(۵۳) حَتَّى يَفْتُرَا: یعنی دونوں کمزوراورساکن ہوجائیں، یعنی شدید تھکن کی وجہ سے۔دیکھیے: تاج العروس (۱۳/۲۹۳)، مادہ: ف ت ر۔
(۵۴) یعنی: یہاں تک کہ وہ دونوں آرام کرلیں۔
(۵۵) ہم اس عبارت کی شرح پہلے [۳۳۵] کے بعد کر چکے ہیں۔
(۵٦) یعنی: نہایت بلند آواز میں۔
(۵۷) الأَسَلُ: نیزے۔النّہایۃ (۱/۴۹)۔
(۵۸) تاریخ دمشق (۴۳/۴۷۰)، اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔اس کی تخریج، مناسبت کی وضاحت اور شرح [۳۳۵] میں پہلے دی جا چکی ہیں؛ براہِ کرم وہاں ملاحظہ کریں۔
(۵۹) ابوحفص: میں اسے نہیں پاسکا اور نہ ہی شیخ شعیب الارناؤوط نے اسے پہچانا ہے، لہٰذا وہ مجہولین میں شمار ہوتا ہے۔
اور یہ ابوالاحوص نہیں ہے، جیسا کہ ڈاکٹر بلال بن فیصل البحر نے اپنے ایک مقالہ (النظر والاعتبار فی التقصی عن حدیث قاتل عمار) میں گمان کیا ہے، جو کہ انٹرنیٹ پر الالوکہ ویب سائٹ پر شائع ہوا۔ڈاکٹر بلال نے کہا ہے: [کہ اس کی صواب صورت (ابوالاحوص) ہے اور وہ عوف بن ابی جَمِیلہ الاعرابی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر کی إتحاف المہرۃ میں ہے]۔
اس پر جواب دو پہلوؤں سے ہے:
اوّل: عوف بن ابی جَمِیلہ کی کنیت ابوسہل ہے، نہ کہ ابوالاحوص۔
دوم: جو کچھ حافظ ابن حجر کی إتحاف المہرۃ (۱۵۹۷۴) میں ہے، وہ تصحیف ہے۔لہٰذا نسخہ ہائے إتحاف میں ابن الاحوص واقع ہوا ہے، اورمحقق نے اس میں تصرّف کرتے ہوئے اسے ''ابوالاحوص'' قرار دیا۔
اور جو بات درج ذیل تمام مصادرِ تخریج میں ثابت ہے وہ ''ابوحفص'' ہی ہے۔
(٦۰) (پھر کہا گیا: کیا تم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا؟!!) '' یعنی لوگوں نے اس پر عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کیا اور اس پر نکیر کی۔
(٦۱) سَلَب: وہ چیز ہے جو جنگ میں ایک حریف اپنے مقابل حریف سے لے لیتا ہے، یعنی اس کا وہ سامان جو اس پر یا اس کے ساتھ ہو، جیسے ہتھیار، کپڑے، جانور اور دیگر اشیاء۔النہایہ فی غریب الحدیث (۲/۳۸۷)، مادہ: سلب۔
اور قِرْن (کسرہ کے ساتھ): بہادری اور جنگ میں ہمسر اور نظیر کو کہا جاتا ہے۔اس کی جمع: أقران ہے۔النہایہ (۴/۵۵)، مادہ: قرن۔
یعنی جب کوئی مسلمان مجاہد معرکہ میں کسی کافر جنگجو کو قتل کر دے تو مقتول کا سلب قاتل مسلمان کے لیے ہوتا ہے۔
اور سلب صرف کافر مقتول میں ہی جائز ہے، وہ بھی شرائط کے ساتھ۔دیکھئے: الموسوعة الفقهية الكويتية (۲۲/۲۵۷، ۲۵/۱۷۷-۱۸۴)۔

(۶۲) الطبقات الکبریٰ (۳/۲۶۰)۔اس کی سند حسن ہے،سوائے لفظ (فقیل: هذا عمار) کے، یہ منکر ہے کیونکہ اس نے معنیٰ کو بدل دیا ہے۔ اور مرفوع حصے یعنی: (وأُخبر عمرو بن العاص فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن قاتله وسالبه في النار...الخ) کے سوا، وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ سند میں انقطاع ہے؛کلثوم نے ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا بلکہ اسے عمرو رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

اسی طرح متنِ حدیث مرفوع میں نکارت ہے، کیونکہ غنیمت اور سلب کافروں کے مقتولین میں ہوتی ہے، مسلمانوں کے مقتولین میں نہیں۔تو متن میں (قاتله وسالبه) کیسے ہوسکتا ہے؟!

اور اگر بالفرض مان بھی لیں تو حقیقت یہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو کسی نے سلب نہیں کیا تھا، لہٰذا اس صورت میں وعید بہرحال ثابت نہیں ہوگی۔

مزید یہ کہ حماد بن سلمہ کی روایت متن میں مخالف ہے؛ کیونکہ اس کی روایت کے مطابق ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں اور انہوں نے قصد کر کے قتل کیا (فقيل: هذا عمار)، جبکہ ربیعہ بن کلثوم [۳۵۹][۳۶۱] اور عبداللہ بن عون المزنی [۳۶۲] دونوں نے کلثوم سے اکیلے یہ روایت کی ہے، جس میں یہ ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، مگر بعد قتل کے پتا چلا (فضربته فإذا رأس عمار)۔اور ابن عون حماد سے زیادہ ثقہ ہیں اور ان کی متابعت ربیعہ نے کی ہے۔

جبکہ حماد نے اپنی روایت میں ابوحفص المہمل اور کلثوم بن جبر کو جمع کر دیا اور ان کے الفاظ میں امتیاز نہ رکھا۔ پس یہ زیادتی ابوحفص المہمل کی روایت سے ہے۔اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ذہبی نے یہ خبر سیر اعلام النبلاء ۲/۵۴۴ میں حماد بن سلمہ عن کلثوم بن جبر وحدہ ہی نقل کی ہے اور اس میں (فقيل: هذا عمار) نہیں ہے۔ پس لازم ہوا کہ یہ زیادتی ابوحفص المہمل کی ہے۔

ربیعہ کا تعارف ہم اگلی خبر میں کریں گے۔ اور ابن عون ثقہ، ثبت، فاضل ہیں، علم وعمل اور عمر میں ایوب کے ہم پلہ تھے۔ (التقریب ۳۵۱۹)۔

اور حماد کے بارے میں امام ذہبی نے کہا: ''ثقه صدوق يغلط''۔ ابن حجر نے کہا: ''ثقه عابد, اثبت الناس في ثابت البناني, وتغير حفظه بأخرة, خت م'' ثقہ عابد ہیں اور ثابت البنانی سے روایت کرنے میں لوگوں میں سب سے زیادہ پختہ کار ہیں، آخر عمر میں ان کے حافظے میں تغیر واقع ہوگیا تھا۔ (الکاشف ۱۲۲۰، التقریب ۳۵۱۹)۔

ہم متن پر مزید تفصیل سے بات کریں گے خبر [۳۶۲] کے بعد تحت عنوان: (هل كان أبو الغادية رضى الله عنه يعلم أن قرنه هو عمار بن ياسر؟) پس وہاں مراجعہ ضرور کریں۔

اور دیکھئے ہم البانی رحمہ اللہ کی رائے پر صفحہ ۴۴۰ پر تبصرہ کریں گے۔

التخریج:

اسے بلاذری نے انساب الاشراف ۱/۱۷۳ میں ابن سعد سے روایت کیا ہے، مگر اس میں ابوحفص کا ذکر نہیں کیا۔

اسے احمد (۱۷۷۶)، عمر بن شبّہ نے تاریخ المدینہ ۳/۱۱۰۲ اور بلاذری نے انساب الاشراف ۲/۳۱۴ میں عفان کے طریق سے روایت کیا ہے، اسی سند سے، مگر بلاذری نے ابوحفص کا ذکر نہیں کیا، البتہ اسے زیادہ مکمل نقل کیا ہے جبکہ احمد اور ابن شبّہ نے اختصار کیا۔

یہ روایت تاریخ دمشق ۴۷/۱۳۹ میں بھی ابن سعد کے طریق سے موجود ہے، مگر مرفوع حصے کے بغیر۔

بلاذری کا ابوحفص کو ساقط کرنا ناقابلِ قبول ہے، کیونکہ وہ ان سے زیادہ ثقہ ائمہ یعنی امام احمد، ابن سعد اور عمر بن شبہ کے خلاف ہے۔

اور البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ شعیب الارنؤوط نے کہا: اس کی سند قوی ہے۔ دیکھیے: السلسلة الصحيحة (۵/۱۹)، تحت رقم (۲۰۰۸)۔

چنانچہ دونوں (یعنی حاکم اور ذہبی) نے اس روایت کو پورے مرفوع حصے سمیت صحیح قرار دیا، لیکن انقطاع کی علت پر متوجہ نہ ہوئے، جس کا ذکر امام ذہبی نے کیا ہے۔ اور اصول ہے کہ: ''جو جانتا ہو وہ اُس پر حجت ہے جو نہیں جانتا''۔

امام ذہبی نے اس روایت کونقل کرنے کے بعد فرمایا: ''اسنادہ فیه انقطاع'' یعنی اس کی سند میں انقطاع ہے، اوران کا مقصد یہ ہے کہ کلثوم اورعمرو رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۵۴۴)۔

اسی طرح اس کے مرفوع حصے پر علت وارد کی ہے فاضل شیخ، علامہ، محدث عبداللہ السعد نے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ روایت ابوالغادیہ تک صحیح ہے، لیکن یہ جو الفاظ ہیں ''فأُخبر عمرو بن العاص ...'' تو کیا یہ ابوالغادیہ عمرو سے روایت کرتے ہیں؟ یا یہ کلثوم بن جبر کی روایت ہے عمرو بن العاص سے؟ اگر پہلا ہوتو یہ صحیح ہے، اور اگر دوسرا ہوتو یہ منقطع ہے، اور یہی قریب تر ہے؛ کیونکہ اس میں ہے ''فأخبر عمرو'' اوراس میں یہ بھی ہے ''قيل لعمرو: فإنك هو ذا تقاتله''۔ گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابوالغادیہ نے عمرو سے روایت نہیں کی، اسی لیے امام ذہبی نے کہا: ''إسناده فيه انقطاع''......اورخلاصہ یہ کہ یہ مرفوع حدیث ''قاتل عمار في النار'' اپنی ثبوت کے بارے میں محلِّ نظر ہے، واللہ اعلم۔ رہا عمار کے قتل کا واقعہ ابوالغادیہ کے ہاتھوں، تو یہ ثابت ہے''۔ ختم شد کلامِ شیخ بتصرف۔

دیکھیے: ''فتح الواحد العلي في الدفاع عن صحابة النبي ﷺ'' (النسخة الإلكترونية)۔

میں مطبوعہ نسخے پر نظر نہ ڈال سکا، جسے ''دار المحدث'' نے شائع کیا ہے، اپنی امریکا میں سکونت کی مجبوریوں کی وجہ سے۔

اس کی ایک متابعت بھی ہے:

اسے حاکم نے (۵۶۶۱) میں روایت کیا ہے عبدالرحمن بن المبارک کے طریق سے، وہ کہتے ہیں: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث دی، اپنے والد سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے، کہ دو آدمی عمرو بن العاص کے پاس آئے اور عمار بن یاسر کے خون اوراس کے سلب میں جھگڑنے لگے۔ عمرو نے کہا: ''اسے چھوڑ دو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللهم أولعت قريش بعمار، إن قاتل عمار وسالبه في النار''۔

حاکم نے کہا: ''اس کو عبدالرحمن بن المبارک نے تنہا روایت کیا ہے (اور وہ ثقہ مامون ہیں) معتمر سے، اپنے والد سے۔ اگر یہ محفوظ ہوتو یہ صحیح ہے شیخین کی شرط پر، مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور اسے لوگوں نے صرف اس طرح روایت کیا ہے: معتمر، عن لیث، عن مجاہد''۔

حاکم نے علت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ یہ کہ جماعت نے اسے معتمر عن لیث کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور لیث ضعیف ہے۔

یہ حدیث مجاہد سے مروی ہے اور اس میں اختلاف ہوا ہے:

اسے روایت کیا ہے عباس بن ولید النرسی، عمرو بن علی، محمد بن خلف، صالح بن حاتم اور مسدد نے، سب نے معتمر سے، انہوں نے لیث بن ابی سلیم سے، انہوں نے مجاہد سے۔ یہی محفوظ روایت ہے۔

ان کی مخالفت کی عبدالرحمن بن المبارک نے، انہوں نے معتمر سے، اپنے والد سے، مجاہد سے روایت کیا، یعنی انہوں نے ''جادۃ'' اختیار کیا۔

ابن ابی عاصم نے ''الآحاد والمثانی'' (۸۰۳) میں اسے عباس بن ولید النرسی کے طریق سے روایت کیا۔

بزار نے (۲۳۶۸) میں عمرو بن علی اور محمد بن خلف کے طریق سے۔

ابن اخی میمی نے اپنی ''فوائد'' (۲۰۷) میں صالح بن حاتم کے طریق سے۔

مسدد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ ''المطالب العالیہ'' (۴۴۱۴، ۴۴۱۵) میں ہے، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث دی، لیث سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے، اور کبھی اسے ''عن أبيه عمرو'' بھی بناتے ہیں۔

اسی طرح طبرانی نے ''الاوسط'' (۹۰۸) میں، ابن المقرئ نے اپنے ''معجم'' (۲۳۶) میں، اور ابن جمیع الصیداوی نے اپنے ''معجم'' (۲۴۲) میں روایت کیا اسماعیل بن عمرو البجلی کے طریق سے، وہ سفیان ثوری سے، وہ لیث سے۔ اور اسماعیل ضعیف ہے۔

اسی طرح بزار نے (۲۳۶۹) میں روایت کیا: عباد بن یعقوب الکوفی نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عبدالقدوس نے حدیث دی، یونس بن خباب سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے، نبی ﷺ سے کہ: ''تقتل عماراً الفئة الباغية''۔ اس کی سند

ضعیف ہے۔
شیخ عبداللہ السعد نے فرمایا: ''صحیح بات یہ ہے کہ یہ لیث عن مجاہد کی روایت ہے، اور عبدالرحمن بن المبارک کی روایت غلط ہے، دو وجہ سے:

۱- زیادہ تر لوگوں نے اسے معتمر عن لیث سے روایت کیا ہے، جیسا کہ حاکم نے کہا۔
۲- عبدالرحمن نے حدیثِ معتمر میں ''جادہ'' اختیار کی، اور اسے اپنے والد سے روایت کر دیا؛ کیونکہ معتمر اکثر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک جو ''جادہ'' کے خلاف روایت کرے وہ زیادہ مقدم ہوتا ہے اس پر جو جادہ اختیار کرے، کیونکہ یہ اس کے حفظ کی علامت ہے''۔ ختم شد کلام شیخ۔

پھر شیخ سعد نے اس متن کے شذوذ کا ذکر کیا کہ ''حديث الفئة الباغية'' متعدد طرق سے عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ان کے والد سے صحیح ثابت ہے، لیکن اس میں ''قاتله وسالبه في النار'' نہیں ہے۔

اور البانی نے عبدالرحمن معتمر والد مجاہد والی سند کو ''قاتل عمار وسالبه في النار'' والی حدیث کے لیے شاہد قرار دیا ہے، لیکن یہ حدیث معلول ہے، جو شاہد کے طور پر پیش کیے جانے کے لائق نہیں، اور نہ ہی متابعات وشواہد میں اس کا کوئی فائدہ ہے، کیونکہ یہ محض ایک خطا ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ السعد نے ابو غادیہ کی حدیث اور ان کے ذریعہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے قتل کے واقعے کی تخریج اپنے کتاب میں کی ہے، اس پر مفصل تحقیق پیش کی ہے اور اس کی علتوں پر گفتگو کی ہے، لہٰذا ان کی کتاب کا لازماً مطالعہ کیا جائے۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ابو غادیہ کے ذریعے حضرت عمار کے قتل کا قصہ صحیح ہے، جبکہ مرفوع حدیث ضعیف ہے۔ پھر اس کے بعد مجھے شیخ السعد کی کتاب ملی، اور اس سے پہلے مجھے اس کتاب کا علم نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرا حاصل شدہ نتیجہ فضیلۃ الشیخ کے لکھے ہوئے کے مطابق ہی ہے، والحمدللہ، البتہ میں نے شیخ پر اس بات میں اضافہ کیا ہے کہ جملہ ''فَقِيلَ: هَذَا عَمَّارٌ'' کو منکر قرار دیا ہے۔

پھر میں نے حال ہی میں اس حدیث کی ایک نہایت مفصل تخریج بھی دیکھی، جس میں علتوں پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔ یہ کام ڈاکٹر محمد بن ترکی الترکی نے کیا ہے، انہوں نے اپنی تحقیق ''تخريج المجلس الثالث من أمالي الْمَخْلَدِي'' کے نام سے مجلة جامعة أم القرى لعلوم الشريعة واللغلة العربية وآدابها (جلد ۱۸، عدد ۳۸، رمضان ۱۴۲۷ھ) میں شائع کیا، جس میں حدیث نمبر سات، صفحہ (۶۳۲-۶۳۹) پر گفتگو کی ہے۔ اس تحقیق میں بھی یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ مرفوع حدیث ''إِنَّ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ فِي النَّارِ'' ضعیف ہے۔

[۳۵۹] وَأَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالُوا : أَخْبَرَنَا رَبِيعَةُ بْنُ كُلْثُومِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: كُنْتُ بِوَاسِطِ الْقَصَبِ(۱) عِنْدَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ(۲)، فَقُلْتُ: الْإِذْنُ(۳)، هَذَا أَبُو غَادِيَةَ الْجُهَنِيُّ، فَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى : أَدْخِلُوهُ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ مُقَطَّعَاتٌ(۴) لَهُ، فَإِذَا رَجُلٌ طُوَالٌ(۵)، ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ(۶)، كَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ(۷)، فَلَمَّا أَنْ قَعَدَ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ

ﷺ. قُلْتُ : بِيَمِينِكَ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَخَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْعَقَبَةِ(٨)، فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ إِلَى أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟"، فَقُلْنَا : نَعَمْ، فَقَالَ : "اللَّهُمَّ اشْهَدْ"، ثُمَّ قَالَ: "أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ". قَالَ: ثُمَّ أَتْبَعَ ذَا فَقَالَ: إِنَّا كُنَّا نَعُدُّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ فِينَا حَنَانًا(٩)، فَبَيْنَا أَنَا فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ إِذْ هُوَ يَقُولُ: أَلَا إِنَّ نَعْثَلًا هَذَا - لِعُثْمَانُ - ، فَالْتَفَتُّ فَلَوْ أَجِدُ عَلَيْهِ أَعْوَانًا لَوَطِئْتُهُ حَتَّى أَقْتُلَهُ، قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ تُمْكِنِّي مِنْ عَمَّارٍ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ صِفِّينَ أَقْبَلَ يَسْتَنُّ أَوَّلَ الْكَتِيبَةِ رَجُلًا(١٠)، حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ فَأَبْصَرَ رَجُلٌ عَوْرَةً فَطَعَنَهُ فِي رُكْبَتِهِ بِالرُّمْحِ، فَعَثَرَ فَانْكَشَفَ الْمِغْفَرُ(١١) عَنْهُ، فَضَرَبْتُهُ فَإِذَا رَأْسُ عَمَّارٍ. قَالَ: فَلَمْ أَرَ رَجُلًا أَبْيَنَ ضَلَالَةً عِنْدِي مِنْهُ، إِنَّهُ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَا سَمِعَ، ثُمَّ قَتَلَ عَمَّارًا !! قَالَ : وَاسْتَسْقَى أَبُو غَادِيَةَ فَأُتِيَ بِمَاءٍ فِي زُجَاجٍ(١٢) فَأَبَى أَنْ يَشْرَبَ فِيهَا، فَأُتِيَ بِمَاءٍ فِي قَدَحٍ فَشَرِبَ، فَقَالَ رَجُلٌ عَلَى رَأْسِ الْأَمِيرِ(١٣) قَائِمٌ بِالنَّبَطِيَّةِ(١٤) :أوى يد كفتا، يَتَوَرَّعُ عَنِ الشَّرَابِ فِي زُجَاجٍ، وَلَمْ يَتَوَرَّعْ عَنْ قَتْلِ عَمَّارٍ(١٥).

وفي رواية البَلَاذُرِيّ : (فَقَالَ رَجُلٌ بِالنَّبَطِيَّةِ : تَوَرَّعَ عَنِ الشُّرْبِ فِي الزُّجَاجِ، وَلَمْ يَتَوَرَّعْ عَنْ قَتْلِ عَمَّارٍ) ، كَأَنَّ الذين سمعوه ترجموها إلى العربية.

وقال محقق أنساب الأشراف: (لعله : واى بد كفتار يعني : ويل للمتكلم بالسوء).

وَفَسَّرَ السِّنْدِيُّ(١٦) هَذِهِ الْجُمْلَةَ على أنه يَمْتَدِحُهُ على قَتْلِ عَمَّار له، وهو

بعيد جدا، فإن رواية ابن سعد تدل على أنه استنكر قتل عمار رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، (وَلَمْ يَتَوَرَّعْ.....)

قَالَ كُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ: (كُنْتُ بِوَاسِطِ الْقَصَبِ عِنْدَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ...) إلى أن قال: (فَقَالَ رَجُلٌ عَلَى رَأْسِ الْأَمِيرِ)، الأَمِيرُ: هو نفسه عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بِن عَامِرٍ، فإنه كان أميرا (واليا) على واسط القصب، ولاه أمير المؤمنين معاوية بن أبي سفيان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عليها.

وهذا يدل على أن قصة أبي الغَادِيَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِوَاسِطِ الْقَصَبِ: وَقَعَتْ زَمَنَ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عفّان بن مسلم، مسلم بن ابراہیم اور موسیٰ بن اسماعیل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ربیعہ بن کُلثوم بن جبر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا: میں واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھا۔ میں نے کہا: اجازت دیجئے، یہ ابو غادیہ جہنی ہیں۔ عبدالاعلیٰ نے کہا: انہیں اندر آنے دو۔ چنانچہ وہ اپنے کچھ پھٹے پرانے کپڑوں میں اندر داخل ہوئے۔ وہ ایک لمبے قد کے آدمی تھے، ایک مضبوط شخص کی طرح، یہاں تک کہ گویا اس امت میں سے نہ ہوں۔ جب وہ بیٹھ گئے تو کہنے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ میں نے کہا: اپنے ہاتھ سے؟ کہنے لگے: ہاں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یومِ عقبہ کے موقع پر خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! سن لو، تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو، جیسے کہ تمہارے اس دن کی حرمت ہے، اس مہینے کی حرمت ہے، اس شہر کی حرمت ہے۔ سنو! کیا میں نے پہنچا دیا؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ

رہنا‘‘۔ پھر فرمایا: ’’خبردار! میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔‘‘ (ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:) پھر اس کے بعد فرمایا: ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اپنے درمیان نرمی وشفقت والا سمجھتے تھے۔ ایک دن میں مسجدِ قباء میں تھا تو وہ یہ کہہ رہے تھے: ’’خبردار! یہ نَعْثَل (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) ہے‘‘۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا: اگر مجھے اس پر مددگار مل جاتے تو میں اسے روند ڈالتا یہاں تک کہ قتل کر دیتا۔ پھر میں نے کہا: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عمار پر قابو دے دینا۔ چنانچہ جب صفّین کے دن (جنگ میں) وہ ایک لشکر کے آگے آگے آ رہے تھے، یہاں تک کہ جب وہ دونوں صفوں کے درمیان پہنچے تو ایک شخص نے ان کی ران میں نیزہ مارا، وہ پھسل گئے اور ان کا خود (ہیلمٹ) کھل گیا، تو میں نے انہیں مارا اور دیکھا تو وہ عمار رضی اللہ عنہ تھے۔ کہنے لگے: پھر میں نے اس سے زیادہ گمراہ آدمی کوئی نہیں پایا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سب کچھ سنا جو اس نے سنا، اور پھر بھی عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا!! پھر ابو غادیہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، تو انہیں شیشے کے برتن میں پانی دیا گیا مگر انہوں نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں ایک پیالے میں پانی دیا گیا تو انہوں نے اس میں سے پیا۔ اس پر امیر کے سر کے پاس ایک شخص کھڑا ہو کر نبطی زبان میں بولا: ’’اَوَ یَد کَفتا (یعنی: تعجب ہے!) شیشے کے برتن سے پینے سے پرہیز کرتا ہے، اور عمار کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا!‘‘

بلاذری کی روایت میں یہ ہے: ’’اس شخص نے نبطی زبان میں کہا: شیشے سے پینے میں تو پرہیز کرتا ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کے قتل میں پرہیز نہ کیا۔‘‘ گویا جنہوں نے یہ بات سنی، انہوں نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا۔

انساب الاشراف کے محقق نے کہا: غالباً اس کا مطلب یہ ہے: ''وائے بدگفتار'' یعنی برے کلام کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

اور سِندی نے اس جملے کی یہ تفسیر کی کہ گویا اس نے عمار کے قاتل ہونے پر اس کی مدح کی، لیکن یہ بہت دوراز قیاس ہے، کیونکہ ابن سعد کی روایت صاف بتاتی ہے کہ اس نے عمار کے قتل پر نکیر کی تھی، کہ ''شیشے کے برتن سے پرہیز کرتا ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے پرہیز نہ کیا''۔

کُلثوم بن جبر نے کہا: میں واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھا...... یہاں تک کہ کہا: ''تو ایک شخص امیر کے سر کے پاس کھڑا تھا'' اور امیر یہی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر تھے، کیونکہ وہ واسط القصب پر گورنر تھے، اور انہیں امیر المؤمنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے وہاں مقرر کیا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابوغادیہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ واسط القصب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں پیش آیا۔

---

(۱) واسط القَصَب کا ذکر اگلی خبر کے بعد آئے گا۔

(۲) عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی، کنیت ابوعبدالرحمٰن بصری۔ وہ سب سے زیادہ بلیغ اور فصیح لوگوں میں سے تھے، نہایت کریم وسخی تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ اور واسط القَصَب کا والی مقرر کیا تھا۔ اور ابن سعد ہی کی اسی روایت میں یہ آیا ہے کہ وہ واسط القَصَب پر امیر تھے (چنانچہ کہا گیا: ایک شخص امیر کے دروازے پر کھڑا ہوا)۔ ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا: مقبول ہیں۔ ان سے ابوداود نے کتاب القدر میں روایت لی ہے۔

بحشل نے تاریخ واسط (ص ۳۵۔۳۶) میں ایک خبر ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبدالاعلیٰ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں واسط القَصَب کے والی تھے، اور یہ خبر آگے تفصیل سے آئے گی [۳۶۰]۔

ترجمۂ عبدالاعلیٰ: البیان والتبیین للجاحظ (۱/۲۷۸)، قری الضیف لابن ابی الدنیا (۲۹)، تقریب التہذیب (۳۷۳۲)۔

(۳) (فَقُلْتُ: الإذن) اسی طرح ہے، لیکن تاریخ دمشق اور اس کے مختصر میں یوں آیا ہے: ''فقال الإذن''۔ اور راجح یہ ہے کہ: فقال الآذِن، جیسا کہ انساب الاشراف، الاصابہ اور المعجم الکبیر میں ہے، اور یہی سیاق کے لحاظ سے درست معلوم ہوتا ہے۔

(۴) المُقَطَّعَات: چھوٹے کپڑے، انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ مکمل لمبائی تک پہنچنے سے پہلے ہی کاٹ دیے گئے۔ النہایۃ

لابن الاثیر (۴/۸۱)، مادہ: قطع۔
(۵) طِوال: بہت زیادہ لمبا، اور بہت زیادہ لمبے آدمی کو الأَهْوَج کہا جاتا ہے۔ تہذیب اللغۃ ۱۴/۱۴، باب الطاء واللام۔
(۶) (ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ): اس سے مراد وہ آدمی ہے جو گوشت پوست میں ہلکا، دراز قامت اور باریک اندام ہو۔ النہایہ لابن الاثیر (۳/۷۸)، مادہ: ضرب۔
(۷) اُمّت سے مراد عرب ہیں، یعنی گویا وہ عرب میں سے نہیں۔
(۸) یہ بیعتِ عقبہ ثانیہ ہے، جو ۱۲ ذوالحجہ کو بعثت کے تیرھویں سال میں ہوئی، یعنی ہجرت سے دو ماہ اور چند دن پہلے۔ دیکھیے: فتح الباری لابن حجر (۷/۲۲۷، ۲۳۵)۔
امام احمد (۱۵۷۹۸) نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں آیا ہے کہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ...... ہم حج کے لیے روانہ ہوئے، تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کے درمیانی ایام تشریق میں عقبہ پر ملاقات کا وعدہ کیا......'' اور اسے البانی اور شعیب الارنوؤط نے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: التعلیقات الحسان (۶۹۷۲)۔
(۹) حنانًا: اس سے مراد رحمت اور شفقت ہے، یا پھر وقار اور ہیبت۔ تاج العروس (۳۴/۴۵۸)، مادہ: حنن۔
(۱۰) طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: (وہ لشکر کے آگے آگے پیدل چلتے ہوئے آئے)۔
(يَسْتَنُّ) کا مطلب ہے: خوشی و سرور کے ساتھ چلنا یا نشاط کے ساتھ دوڑنا۔ اور رَجْلاً وَرَاجِلاً کا مطلب ہے: پاؤں پر چلنا (یعنی پیدل چلنا)۔ دیکھیے: تاج العروس (۳۵/۲۲۹-۲۳۰)، مادہ: سنن۔
(۱۱) المِغْفَر: لوہے کا ایک ڈھکنا (جو چھوٹے خود سے مشابہ ہوتا ہے)، جسے گھڑسوار اپنے سر پر پہنتا ہے، پھر اس کے اوپر خود پہنتا ہے۔
خود (الخوذة): ایک بالائی ڈھکنا ہے جو سر، پیشانی، ناک اور دونوں گالوں کو ڈھانپ لیتا ہے، جبکہ مِغْفَر ایک اندرونی ڈھکنا ہے (جو خود کے نیچے پہنا جاتا ہے) اور سر اور گردن دونوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔
مِغْفَر کے نچلے کناروں سے چاروں طرف (آنکھوں، ناک اور منہ کے علاوہ) بے شمار اور بہت باریک لمبی زنجیریں لٹکتی ہیں، جو گردن کے نیچے تک پہنچ کر سینے پر موجود زرہ سے مل جاتی ہیں۔ یہ زنجیریں جالی کی مانند گردن کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں، حلقوم کے علاوہ، اور ان کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ گردن پر نرم پڑتی ہیں، اس لیے آسانی سے گردن حرکت کر سکتی ہے، اور ساتھ ہی گردن کی حفاظت بھی رہتی ہے۔
بعض اوقات مِغْفَر (یعنی اندرونی ڈھکنا) کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہ زنجیریں خود کے ساتھ ہی جڑی ہوتی ہیں، اور ایسی صورت میں ان زنجیروں کو ''التَسْبِغَة'' کہا جاتا ہے، اور اس قسم کے خود کو بھی ''المِغْفَر'' کہا جاتا ہے۔ دیکھیے: لسان العرب (۵/۲۶)، مادہ: غفر، اور (۸/۴۳۳)، مادہ: سبغ۔ (بمعناہ)۔
(۱۲) (زجاج): یہ ربیعہ بن کلثوم بن جبر کی روایت کے الفاظ ہیں اپنے والد سے۔ اس کے برعکس عبداللہ بن عون مزنی (جو اس سے زیادہ ثقہ ہیں) نے یہ روایت کی: ''چاندی منقش برتن لایا گیا تو انہوں نے پینے سے انکار کر دیا۔'' اور یہ روایت آگے حدیث نمبر [۳۶۲] کے تحت آئے گی۔
الإناءُ المُفَضَّضُ: اس سے مراد وہ برتن ہے جو چاندی سے آراستہ یا جڑا ہوا ہو۔ دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین (۶/۳۴۳)۔ زبیدی نے کہا: ''المُفَضَّض'' کا مطلب ہے چاندی چڑھایا ہوا۔ ابن حجر نے فرمایا: ''المُمَوَّه'' وہ ہوتا ہے جس پر ملمع یا پالش کی گئی ہو۔ فتح الباری (۹/۵۵۵)؛ تاج العروس (۱۸/۴۹۵)، مادہ: فضض۔
جہاں تک زجاج (شیشے) کے برتن میں پینے کا تعلق ہے تو یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شیشے میں پینے سے احتیاط کرتے تھے، اور غالباً اس کی وجہ ترف (عیش و عشرت) کا پہلو تھا۔ دیکھیے: الطبقات الکبریٰ (۴/۱۷۱)۔

اور ربیعہ کے الفاظ اور ابن عون کے الفاظ میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ وہ شیشے کا برتن دراصل چاندی سے منقش تھا، تو ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے اس میں پینے سے انکار کر دیا، پھر دوسرا غیر منقش برتن لایا گیا اور انہوں نے اس سے پیا۔

جہاں تک چاندی منقش برتن (الإِنَاءُ الْمُفَضَّضُ) میں پینے کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بعض تابعین اس میں پینے سے اجتناب کرتے تھے، اور اس کی وجہ نبی کریم ﷺ کا یہ عمومی فرمان ہے:

''ریشمی اور دیباجی کپڑے نہ پہنو، اور نہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں پیو، اور نہ ان کے برتنوں میں کھاؤ، کیونکہ یہ دنیا میں ان کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے۔''

(بخاری ۵۱۱۰؛ نیز دیکھیے: الطبقات الکبریٰ ۱۷۱/۴؛ مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۶۲۹ وما بعدہ؛ شرح مشکل الآثار ۵۱/۴)۔

اور بہت سے صحابہ و تابعین نے چاندی منقش برتن میں پینے کی اجازت بھی دی ہے۔

دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبہ (۲۴۶۲۱، ۲۴۶۲۳)۔

یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ دیکھیے: الموسوعة الفقهية الكويتية (۱۱۸/۱-۱۱۹)۔

(۱۳) امیر سے مراد واسط القَصَب کا والی، عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن عامر بن کریز قریشی ہے۔

(۱۴) یعنی نبطی زبان میں۔

اور نبط، یا نبیط، یا أنبا کہلاتے ہیں، اور ان کی طرف نسبت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے: آدمی نبطی۔ یہ سُریانی قوم ہے جو عراق، جزیرہ اور شام میں سکونت پذیر تھی اور آرامی زبان بولتی تھی۔ انہیں نبط اس لیے کہا گیا کہ وہ زمین سے پیداوار نکالنے (استنباط کرنے) میں ماہر تھے۔ وہ زمین کی آبادکاری میں اس قدر ممتاز تھے کہ ان کی مثال دی جاتی تھی۔ یہ وہ أنباط نہیں ہیں جنہوں نے جنوبی اردن میں ایک سلطنت قائم کی تھی اور جن کی طرف پترا منسوب ہے۔ دیکھیے: الموسوعة العربية، دمشق (۴۴۳/۲۰)۔

(۱۵) الطبقات الکبریٰ (۲۶۰/۳)، اس کی سند حسن ہے۔

ربیعہ بن کلثوم: انہیں ابن معین، عجلی اور ذہبی نے ثقہ کہا ہے، اور امام احمد نے کہا: صالح ہیں۔ اور ذہبی نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جن پر کچھ کلام ہوا مگر وہ ثقہ ہیں، پھر کہا: صدوق ہیں، ثقہ قرار دیے گئے ہیں۔ نسائی کا ان کے بارے میں اختلاف ہے، ایک مرتبہ کہا: ان میں کوئی حرج نہیں، اور دوسری مرتبہ کہا: قوی نہیں ہیں۔ ابن حجر نے کہا: صدوق ہیں لیکن وہم کرتے ہیں۔ (خ، م، س) ان لوگوں میں سے ہیں جن پر کلام ہے مگر وہ ثقہ ہیں۔ (۱۱۴) دیکھیے: تہذیب الکمال (۱۴۲/۹)، تہذیب التہذیب (۲۶۳/۳)، تقریب (۱۹۱۷)۔

مسلم بن ابراہیم: ابو عمرو ازدی فَراہیدی۔ موسیٰ بن اسماعیل: ابو سلمہ منقری تبوذکی۔

یہ دونوں ثقہ ہیں۔

التخریج:

اسے ابن عساکر نے (۴۷۴/۴۳) میں ابن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے، اور یہ مختصر تاریخ دمشق (۲۳۰/۱۸) میں بھی ہے۔

اور اسے بلاذری نے انساب الأشراف (۱۷۲/۱/۲) (۳۱۵/۲) میں عمرو بن محمد ناقد، سے عفّان کے واسطے سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں مرفوع حدیث ذکر نہیں کی۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۳۶۴/۲۲، رقم ۹۱۳) میں عبد اللہ بن کلثوم بن جبر، عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے، اور اس میں اسی طرح کی خبر ذکر کی ہے، البتہ اس میں حجاج بن یوسف ثقفی کا ذکر کیا ہے، اور اس میں نکارت ہے۔ اور یہ عبد اللہ: مجھے ان کی کوئی ترجمہ نہیں ملی، اور بلا انہی کی طرف سے ہے۔ مزید دیکھیں۔

(۱۶) حاشیہ المسند للسندی (۴۶۴/۹، ح ۱۸۳۷)۔

[٣٦٠] أَخْرَجَ أَسْلَمُ بْنُ سَهْلٍ الْوَاسِطِيُّ الْمَعْرُوفُ بِبَحْشَلٍ: ثنا يَزِيدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: ثنا أَبِي مَخْلَدٌ، عَنْ عَوَانَةَ بْنِ الْحَكَمِ[١] قَالَ: وَلَّى عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ الْكُوفَةَ وَوَاسِطَ الْقَصَبِ وَالْبَصْرَةَ. فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى وَلِيَ مُعَاوِيَةُ، فَوَلَّى عَبْدَ الْأَعْلَى بْنَ عَبْدِ اللهِ الْبَصْرَةَ وَوَاسِطَ الْقَصَبِ. ثُمَّ وَلَّى عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ الْحَجَّاجَ الْكُوفَةَ وَوَاسِطَ الْقَصَبِ وَالْبَصْرَةَ[٢].

هذا الخبر يدل على أن وَاسِطَ الْقَصَبِ مدينة قديمة كانت قَبْلَ ولاية الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ الثَّقَفِيِّ. وقال الطبري في أحداث سنة (٩٥هـ): (وَفِيهَا بُنِيَتْ وَاسِطُ الْقَصَبِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)[٣]، وهذا يدل على أنها ظلت موجودةً كلها أو بعضها بعد بناء الحجاج لواسط.

وعندما تولّى الْحَجَّاجُ الْعِرَاقَ سَنَةَ (٧٤هـ) أو بعدها[٤]: بَنَى مدينة واسط عند "واسط القصب"، ويحتمل أنه أبقى القديمة أو أنه هدم بعضها، وقد شَرَعَ الحجاج في عِمَارَةِ واسط في سنة (٨٤هـ)، وفرغ منها في سنة (٨٦هـ)، فكان عِمَارَتُها في عامين، أي أنه فرغ من بنائها في العام الذي مات فيه عبد الملك بن مروان[٥]. قَالَ الْأَصْمَعِيُّ: بَنَى الْحَجَّاجُ وَاسِطًا فِي سَنَتَيْنِ، وَفَرَغَ مِنْهَا سَنَةَ سِتٍّ وَثَمَانِينَ[٦].

وَذَكَرَ يَاقُوتُ الْحَمَوِيُّ أَنَّ وَاسِطَ الْقَصَبِ: قَرْيَةٌ كَانَتْ قَبْلَ وَاسِطَ فِي مَوْضِعِهَا، تَقَعُ بَيْنَ الْبَصْرَةِ وَالْكُوفَةِ، وَمِنْهَا إِلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا خَمْسُونَ فَرْسَخًا[٧].

اسے روایت کیا اسلم بن سہل واسطی نے جو "بحشل" کے نام سے معروف ہیں: کہا، ہم سے بیان کیا یزید بن مخلد نے، کہا: ہم سے میرے والد مخلد نے بیان کیا، عن

عوانہ بن الحکم۔ انہوں نے کہا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ، واسط القصب اور بصرہ کا والی بنایا۔ وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبدالاعلیٰ بن عبد اللہ کو بصرہ اور واسط القصب کا والی مقرر کیا۔ پھر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو کوفہ، واسط القصب اور بصرہ کا والی بنایا۔ یہ خبر اس بات کی دلیل ہے کہ واسط القصب ایک قدیم شہر تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کی ولایت سے پہلے موجود تھا۔ اور طبری نے سنہ ۹۵ھ کے واقعات میں کہا: (اسی سال ماہِ رمضان میں واسط القصب تعمیر کیا گیا)۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حجاج کے واسط کی تعمیر کے بعد بھی پرانا واسط القصب مکمل یا جزوی طور پر موجود رہا۔ اور جب حجاج نے سنہ ۷۴ھ یا اس کے بعد عراق کی حکومت سنبھالی تو اس نے ''واسط القصب'' کے مقام پر واسط شہر تعمیر کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے پرانا شہر برقرار رکھا یا اس کا کچھ حصہ گرا دیا۔ حجاج نے واسط کی عمارت سنہ ۸۴ھ میں شروع کی اور سنہ ۸۶ھ میں مکمل کر لی، یعنی دو برسوں میں اس کی عمارت مکمل ہوئی، اور یہ وہی سال تھا جس میں عبدالملک بن مروان کا انتقال ہوا۔ اصمعی نے کہا: حجاج نے واسط کو دو برس میں بنایا اور سنہ چھیاسی میں اسے مکمل کیا۔ یاقوت حموی نے ذکر کیا ہے کہ واسط القصب ایک بستی تھی جو واسط سے پہلے اسی جگہ واقع تھی۔ یہ بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع تھی اور ہر ایک سے پچاس فرسخ کے فاصلے پر تھی۔

---

(۱) علّامہ، اخبار نویس عوانہ بن حکم بن عیاض بن وِزر کلبی، کنیت ابوالحکم کوفی، نابینا، فصحاء میں سے ایک تھے۔ ان کی تصانیف میں کتاب (التاریخ)، (کتاب سِیَر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ) اور دیگر کتابیں شامل ہیں۔ امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہا: یہ اشعار اور ایامِ عرب کے بڑے عالم تھے، اور بہت کم ایسا ہوا کہ انہوں نے کوئی حدیث مسندً ا روایت کی ہو، اسی لیے ان پر جرح و تعدیل ذکر نہیں کی گئی، اور ظاہر یہی ہے کہ یہ صدوق تھے۔ اور سیر میں کہا: اپنی نقل میں صدوق تھے۔

یاقوت حموی نے معجم الادباء میں لکھا:
[ہم سے ہیثم بن عدی نے روایت کی ۔۔۔ یہاں تک کہ کہا: اور روایت کی عبداللہ بن معتز نے حسن بن علیل عنزی سے کہ: عوانہ بن حکم عثمانی تھے، اور وہ بنی امیہ کے لیے خبریں گھڑا کرتے تھے]۔ یہ حکایت موضوع ہے اور اس بنیاد پر یہ جرح درست نہیں۔
ہیثم: کذاب ہے۔
عبداللہ بن معتز: ان کا پورا نام عبداللہ بن معتز باللہ محمد بن جعفر متوکل علی اللہ بن ابی اسحاق معتصم باللہ ہے۔ کنیت ابوالعباس تھی، بڑے شاعر تھے۔ ثعلب اور مبرد کے شاگرد تھے۔ خطیب نے کہا: ''یہ ادب میں ممتاز، علم میں وسیع اور فضل میں بارع تھے''۔ ان کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی مگر ایک دن اور ایک رات کے بعد معزول کر دیے گئے، اور سنہ ۲۹۶ھ میں قتل کر دیے گئے۔ میں نے ان کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل نہیں پائی۔ ان کی کتاب طبقات الشعراء مطبوع ہے۔ دیکھیے: تاریخ بغداد (۱۰/۹۵)۔
حسن بن علیل کے بارے میں خطیب نے کہا: وہ صدوق تھے۔ تاریخ بغداد (۷/۴۰۹)۔
یہی نص ابن حجر نے لسان میں ذکر کی ہے اور فرمایا: [یہ روایت عبداللہ بن معتز سے حسن بن علیل عنزی سے مروی ہے کہ عوانہ بن حکم عثمانی تھے اور وہ بنی امیہ کے لیے خبریں گھڑا کرتے تھے]۔ مطبوعہ نسخے میں ''عن'' کا لفظ آیا ہے۔
چنانچہ بعض محققین نے گمان کیا کہ یہ کلام ابن حجر ہی کا ہے، حالانکہ ابن حجر نے اسے صیغۂ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے۔
عوانہ بن حکم کے ترجمے کے لیے مراجعت کریں: معجم الادباء للحموی (۵/۲۱۳۵)، تاریخ الاسلام (۹/۵۵۵)، سیر اعلام النبلاء (۲۰۱۷)، لسان المیزان (۴/۳۸۷)۔
(۲) تاریخ واسط (ص ۳۵-۳۶) یہ خبر مقبول ہے، سوائے سعید بن العاص کی ولایت (گورنری) کے بیان کے، تو وہ قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔ اور اس کے قول (فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ) کے سوا، کیونکہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ کوفہ اور بصرہ پر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے لوگ بھی والی بنے تھے۔ اور یہ سند ایسی ہے جس میں یزید اور اس کا باپ ہیں، میں ان دونوں کو نہیں پا سکا۔ اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ (یزید بن مخلد واسطی ابوخِداش) ہے، جس کا ترجمہ الجرح والتعدیل (۲۹۱۹) اور تاریخ الاسلام (۱۷/۴۱۹) میں موجود ہے، اور ان دونوں کتابوں میں اس کے متعلق نہ کوئی جرح مذکور ہے اور نہ کوئی تعدیل۔

شواہد:

- رہا معاملہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولایت (گورنری) کا تو خلیفہ، زبیر بن بکار، ابن عبدالبر، ابن عساکر، الذہبی اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا والی بنایا تھا۔ غالباً واسط القصب چونکہ ایک چھوٹی سی بستی تھی، اس لیے اسے کوفہ یا بصرہ کی ولایت کے تابع بنا دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے: تاریخ خلیفہ (ص ۱۶۳)، الاستیعاب (۲/۶۲۲)، تاریخ دمشق (۲۱/۱۰۷، ۱۱۲)، تہذیب الکمال (۱۰/۵۰۳)، سیر اعلام النبلاء (۳/۴۴۵)۔
- رہا معاملہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کی ولایت بر واسط القصب کا تو یہ ابن سعد وغیرہ کے ہاں ''حسن سند'' کے ساتھ آیا ہے۔ دیکھیے: [۳۵۹] اور اس کے بعد۔
- رہا معاملہ حجاج بن یوسف ثقفی کی ولایت عراق اور اس کا ''واسط'' کو تعمیر کے بعد اپنا دارالحکومت بنانا، تو یہ بات ''تواتر'' سے ثابت ہے۔ دیکھیے مثلاً: تاریخ الطبری (۶/۶۴۶، ۳/۶۴۹؛ ۴/۲۶)، معجم البلدان (۵/۴۴۸، ۳۴۹، ۳۵۳)۔

(۳) تاریخ الطبری (۴/۲۶)۔
(۴) تاریخ دمشق (۱۲/۱۱۳) میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو عراق کا والی ابن زبیر کے قتل کے بعد ہی بنایا تھا، اور ان کا قتل سنہ ۷۳ھ کے آخر میں ہوا۔ دیکھیے: سیر اعلام النبلاء (۳/۲۴۲)۔
(۵) معجم البلدان (۵/۳۴۸)۔
(۶) تاریخ الاسلام (۶/۳۳۵) [ت: بشار عواد] (۲/۱۰۷۷)۔

(۷) معجم البلدان (۷/۳۴۷، ۵/۳۵۳)۔

[۳۶۱] أَخرَجَ الطبراني : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَأَبُو مُسْلِمٍ الْكَشِّيُّ قَالَا : ثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ثنا رَبِيعَةُ بْنُ كُلْثُومٍ، ثنا أَبِي، قَالَ : كُنْتُ بِوَاسِطِ الْقَصَبِ عِنْدَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ، فَقَالَ الْآذِنُ : هَذَا أَبُو غَادِيَةَ الْجُهَنِيُّ. فَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى : أَدْخِلُوهُ. فَدَخَلَ وَعَلَيْهِ مُقَطَّعَاتٌ لَهُ، رَجُلٌ طُوَالٌ، ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ، كَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ، فَلَمَّا أَنْ قَعَدَ قَالَ : بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ : بِيَمِينِكَ ؟ قَالَ : نَعَمْ، خَطَبَنَا يَوْمَ الْعَقَبَةِ، فَقَالَ : "يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" قَالُوا : نَعَمْ. قَالَ : "اللهُمَّ اشْهَدْ" قَالَ : "لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"، قَالَ : وَكُنَّا نَعُدُّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ مِنْ خِيَارِنَا، قَالَ : فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ أَقْبَلَ يَمْشِي أَوَّلَ الْكَتِيبَةِ رَاجِلًا، حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الصَّفَّيْنِ طَعَنَ رَجُلًا فِي رُكْبَتِهِ بِالرُّمْحِ، فَعَثَرَ فَانْكَفَأَ الْمِغْفَرُ عَنْهُ فَضَرَبْتُهُ، فَإِذَا هُوَ رَأْسُ عَمَّارٍ. قَالَ : يَقُولُ مَوْلَى لَنَا : أَيُّ يَدٍ كَفَتَاهُ؟ قَالَ : فَلَمْ أَرَ رَجُلًا أَبْيَنَ ضَلَالَةً عِنْدِي مِنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَا سَمِعَ، ثُمَّ قَتَلَ عَمَّارًا(۱).

طبرانی نے روایت کیا: ہمیں علی بن عبدالعزیز اور ابو مسلم کشی نے حدیث بیان کی، دونوں نے کہا: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ربیعہ بن کلثوم نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: میرے والد نے بیان کیا: میں واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھا، تو دربان نے کہا: یہ ابو غادیہ جہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبدالاعلیٰ نے کہا: انہیں اندر آنے دو۔ چنانچہ وہ داخل ہوئے اور ان کے جسم پر مختصر کپڑے تھے، وہ لمبے آدمی تھے، ایک خاص وضع کے آدمی، گویا اس امت

کے نہیں لگتے تھے۔ جب وہ بیٹھ گئے تو کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ میں نے کہا: اپنے دائیں ہاتھ پر؟ فرمایا: ہاں۔ ہمیں عقبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! آگاہ رہو! تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں، جیسے کہ اس دن کی حرمت ہے، اس مہینے کی حرمت ہے، اور اس شہر کی حرمت ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہ۔'' پھر فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔'' راوی کہتا ہے: ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اپنے بہترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ پھر جب صفین کا دن آیا تو وہ لشکر کے اگلے حصے میں پیدل چلتے ہوئے آئے۔ یہاں تک کہ جب دونوں صفوں کے درمیان پہنچے تو انہوں نے ایک آدمی کو نیزے سے گھٹنے پر مارا، وہ لڑکھڑا گیا اور اس کا خود گر گیا، تو میں نے اسے مارا، اور دیکھا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ کا سر ہے۔ ہمارا ایک غلام کہنے لگا: ''کیا یہ وہی ہاتھ ہے جس نے اسے ختم کیا؟'' راوی کہتا ہے: میں نے اپنی نظر میں کسی شخص کو اس سے بڑھ کر گمراہ نہیں پایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ بات سنی جو اس نے سنی، پھر عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔''

---

(۱) المعجم الکبیر (۲۲/۳۶۳، رقم ۹۱۲)۔ اس کی سند حسن ہے۔ علی بن عبدالعزیز: ان کا ترجمہ [۱۶۳] میں گزر چکا ہے۔ اور ابو مسلم کشی: وہ ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بصری ہیں، ان کی ترجمانی ارشاد القاصی والدانی (۲۶) میں ملتی ہے۔ یہ دونوں ثقہ ہیں۔

التخریج:

اسے یعقوب بن شیبہ نے مسند عمار میں روایت کیا ہے جیسا کہ الاصابہ (۷/۳۱۱) میں ہے ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث سنائی، اسی سند کے ساتھ۔

[۳۶۲] وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ فِي زِيَادَاتِهِ عَلَى مُسْنَدِ أَبِيهِ : حَدَّثَنِي أَبُو مُوسَى الْعَنَزِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ

، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ كُلْثُومِ بْنِ جَبْرٍ، قَالَ: كُنَّا بِوَاسِطِ الْقَصَبِ عِنْدَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: فَإِذَا عِنْدَهُ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: أَبُو الْغَادِيَةِ، اسْتَسْقَى مَاءً، فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ مُفَضَّضٍ(۱)، فَأَبَى أَنْ يَشْرَبَ، وَذَكَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا أَوْ ضُلَّالًا - شَكَّ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ - يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، فَإِذَا رَجُلٌ يَسُبُّ فُلَانًا، فَقُلْتُ: وَاللهِ لَئِنْ أَمْكَنَنِي اللهُ مِنْكَ فِي كَتِيبَةٍ(۲). فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ إِذَا أَنَا بِهِ وَعَلَيْهِ دِرْعٌ قَالَ: فَفَطِنْتُ إِلَى الْفُرْجَةِ(۳) فِي جُرُبَّانِ الدِّرْعِ(۴)، فَطَعَنْتُهُ، فَقَتَلْتُهُ، فَإِذَا هُوَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ. قَالَ: قُلْتُ: وَأَيَّ يَدٍ كَفَتَاهُ يَكْرَهُ أَنْ يَشْرَبَ فِي إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ، وَقَدْ قَتَلَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ(۵).

اسے عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد کے مسند پر اپنی زیادات میں روایت کیا ہے: ہمیں ابوموسیٰ العنزی محمد بن المثنی نے بیان کیا، کہا: ہمیں محمد بن ابی عدی نے ابن عون سے، اور انہوں نے کلثوم بن جبر سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم واسط القصب میں عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھے، اتنے میں وہاں ایک شخص موجود تھا جسے ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا۔ اس نے پانی مانگا تو اسے ایک چاندی منڈھا ہوا (مفضّض) برتن دیا گیا۔ اس نے پینے سے انکار کردیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا، پھر یہی حدیث بیان کی: ''میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہوجانا ابن ابی عدی نے شک کیا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' پھر ایک شخص نے فلاں کو گالی دی تو میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے کسی لشکر میں تجھ پر قابو دے دیا تو میں دیکھ لوں گا۔'' پھر جب صفین کے دن میں اس سے آمنے سامنے ہوا، اور اس پر زرہ تھی، تو

میں نے زرہ کی گرز (گرہ) میں ایک خلا کو بھانپ لیا اور اسے نیزے سے مار دیا، پس وہ مر گیا۔ دیکھا تو وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ میں نے کہا: کیا ہی تعجب کی بات ہے کہ ایک ہاتھ چاندی منڈھے ہوئے برتن سے پینے کو ناپسند کرے، لیکن اسی ہاتھ سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دے۔''

---

(۱) المفضّض: یعنی وہ چیز جو چاندی سے مزین یا مرصع ہو، یا اس پر چاندی کی ملمع کاری کی گئی ہو۔ اس کی تفصیل حاشیہ [۳۵۹] میں گزر چکی ہے۔

(۲) الجزاء مقدر یعنی: ''میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔'' یہ سندھی نے کہا ہے۔

(۳) سندی نے کہا: (فَرْجَة کو فتحہ اور سکون کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے، اور اس کا مطلب ہے غم سے نجات پانا یعنی: اس کا مطلب ہے کہ میں نے سمجھا کہ مجھے اس غم سے نجات دلانے والی چیز اس کا قتل ہے، اور وہ یہ کہ زرہ کے تسمے میں نیزہ ماروں۔ اور ''قاموس'' میں ہے: الفَرَجَة (تینوں حرکات کے ساتھ) یعنی غم سے خلاصی۔ اور الفُرْجَة (ضمہ اور سکون کے ساتھ) کا مطلب ہے کھل جانا، جیسے دیوار میں شگاف، اور یہ بھی اسی معنی میں ہو سکتا ہے۔

(۴) الجُرُبّان: بضم جیم اور باء پر تشدید کے ساتھ: قمیص کا گلا ہے۔ اور قمیص اور زرہ کا جیب اس کا گلا (یعنی گریبان / حلقہ) ہوتا ہے۔ النہایہ لابن الاثیر (۱/۲۵۳)، مادہ: جرب۔ تاج العروس (۲/۲۱۰)، مادہ: جیب۔

(۵) مسند احمد (۱۶۶۹۸)، حاشیہ المسند للسندی (۹/۴۶۴، ح ۱۸۳۷)۔ اسے البانی اور شعیب الارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلۃ الصحیحۃ (۵/۱۹) رقم (۲۰۰۸) کے تحت۔

[۳۵۸] سے [۳۶۲] تک سابقہ روایات پر تبصرہ:

◆ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں عمار رضی اللہ عنہ کے کلام کی توجیہ:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (خبردار! یہ نَعْثَل (یعنی عثمان) ہے)[۱]۔ اور ایک روایت میں ہے: (ابو غادیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں دیکھا کہ وہ عثمان کو برا بھلا کہہ رہے تھے)[۲]۔ اور ایک دوسری روایت میں الفاظ ہیں: پھر ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فلاں (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دے رہا ہے[۳]۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ معصوم نہ تھے۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''افسوس عمار پر! اسے باغی گروہ قتل کرے گا''[۴] لیکن یہ حدیث ان کی یا ان کے موقف کی عصمت پر دلالت نہیں

کرتی۔ اور خود عمار رضی اللہ عنہ نے سوال کرنے والے کو صراحتاً بتایا کہ وہ جنگ میں محض اپنے اجتہاد کی بنا پر شریک ہوئے تھے، نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی وصیت کی وجہ سے (۸)۔ لہٰذا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا موقف اس فتنے میں اہلِ شام کے مقابلے میں حق کے زیادہ قریب تھا(۹) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مکمل حق پر تھے یا اس فتنے میں ان کی مطلق عصمت ثابت ہو رضی اللہ عنہ۔

اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ اصحابِ بدر میں سے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا: ''شاید اللہ تعالیٰ اہلِ بدر پر نظر فرما چکے اور کہا ہو کہ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا''(۱۰)۔

◆ کیا ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم تھا کہ ان کے مدمقابل (۱۱) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں؟

صحیح بات یہ ہے کہ ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کا مقابل عمار رضی اللہ عنہ ہیں، مگر جب وہ انہیں قتل کر چکے، تب انہیں پتا چلا۔ ابو غادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (جب خود اس کا خود (ہیلمٹ) ہٹ گیا تو میں نے اسے ضرب لگائی، تو دیکھا کہ وہ عمار کا سر ہے)(۱۲)۔

''إِذَا'': یہ فجائیہ ہے۔ یعنی اچانک پیش آنے والے امر کے لیے آتا ہے۔

یعنی عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر خود (لوہے کا ٹوپ) تھا، جب وہ گر گیا تو خود ان کے سر سے ہٹ گیا، تو ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے فوراً حملہ کر کے انہیں ضرب لگائی، پھر بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) دیکھو: [۳۵۹]۔
(۲) دیکھو: [۳۵۸]۔
(۳) دیکھو: [۳۶۲]۔
(۴) دیکھو: [۳۴۷]۔
(۵) دیکھو: [۶۲]، [۶۳]۔
(٦) **دیکھیں: [٧٦] اور اس کے بعد۔**
(٧) صحیح البخاری (۲۸۴۵)۔
(۸) القِرْنُ (کسر کے ساتھ) ہمسر اور شجاعت و جنگ میں برابر کا مقابل، اور اس کی جمع أَقران آتی ہے۔ (النہایہ (۵۵/۴)، مادہ: قرن۔
(۹) دیکھیں: [۳۵۹] [۳۶۱] [۳۶۲]، یہ روایت ربیعہ بن کُلثوم بن جبر اور عبداللہ بن عون مُزَنی سے ہے، اور ان دونوں نے کُلثوم

بن جبر سے، اور انہوں نے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

[۳۶۳] وَيُؤَيِّدُهُ: مَا رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ الْوَاقِدِيِّ وَغَيْرِهِ(۱)، وَرَوَاهُ أَيْضًا ابْنُ جَرِيرٍ الطَّبَرِيُّ عَنْ هِشَامٍ الْكَلْبِيِّ، عَنْ أَبِي مِخْنَفٍ(۲)، في قصة طويلة، أَنَّ أَبَا الْغَادِيَةِ رضى الله عنه قَالَ: فَضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي حَتَّى بَرَدَ(۳). قَالَ: وَنَادَى النَّاسُ: قَتَلْتَ أَبَا الْيَقْظَانِ؟!! قَتَلَكَ اللهُ. فَقُلْتُ: اذْهَبْ إِلَيْكَ(۴)، فَوَاللهِ مَا أُبَالِي مَنْ كُنْتَ، وَبِاللهِ مَا أَعْرِفُهُ يَوْمَئِذٍ(۵)(۶).

اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابن سعد نے واقدی وغیرہ سے نقل کی ہے، اور اسے ابن جریر طبری نے بھی ہشام کلبی سے، اور انہوں نے ابومخنف سے روایت کیا ہے، ایک طویل قصہ میں، کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے اپنی تلوار سے مارا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ انہوں نے کہا: لوگ چلانے لگے: کیا تم نے ابو الیقظان کو قتل کر دیا ہے؟!! اللہ تمہیں ہلاک کرے۔ میں نے کہا: ''دفع ہو جاؤ، اللہ کی قسم! مجھے پرواہ نہیں کہ تم کون ہو، اور اللہ کی قسم! میں اسے اس دن پہچانتا بھی نہ تھا''۔

رہی خبر [۳۵۸](۷)، تو ہم نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ اس میں جو اضافہ ہے (فَقِيلَ: هَذَا عَمَّارٌ)، یہ ایک منکر زیادتی ہے جس نے معنی کو بدل ڈالا ہے، اور اس میں صرف ابو حفص منفرد ہیں، جو مجہول راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔

پس اس زیادتی نے معنی کو یوں بدل ڈالا کہ گویا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، لہٰذا انہوں نے قصداً انہیں قتل کیا۔ چنانچہ جب یومِ صفین آیا تو عمار رضی اللہ عنہ لوگوں پر حملے کر رہے تھے، تو کہا گیا: یہ عمار ہیں۔ میں نے پسلیوں اور ٹانگوں کے درمیان ایک خلاء دیکھا، تو میں نے ان پر حملہ کیا اور ان کی گھٹنے میں نیزہ مارا۔ وہ گر پڑے تو میں نے انہیں قتل کر دیا۔ پھر کہا گیا: تم نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا۔

◆ عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی تعداد:

روایات میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل میں براہِ راست کتنے افراد شریک تھے،،،

کلثوم بن جبر کی تمام روایات (۸) اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قاتل ایک ہی تھا، اور وہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تھے، سوائے ابن سعد کی روایت (۹) کے، کیونکہ وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے قتل میں دو اشخاص شریک تھے: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرا شخص جس نے ان کے گھٹنے پر نیزہ مارا تھا لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

---

(۱) الطبقات الکبریٰ (۳/۲۶۱) اور اس کی سند سے ابن عساکر (۴۳/۴/۶۷) میں ہے۔ ابن سعد نے کہا: ہمیں محمد بن عمر اور دیگر نے خبر دی، انہوں نے کہا: جب صفین میں جنگ شدت اختیار کر گئی ...... (باقی خبر)۔

(۲) المنتخب من ذیل المذیل للطبری ص ۱۶ میں ہے، انہوں نے کہا: اور رہا ہشام بن محمد تو اس نے ابو مخنف سے روایت کی ہے کہ عمار ...... پھر پوری قصہ ذکر کیا۔

(۳) بَرَدَ کا مطلب ہے: فوت ہو گیا۔ ملاحظہ ہو: النہایہ فی غریب الحدیث (۱/۱۱۵) مادہ: برد۔

(۴) إِذْهَبْ إِلَيْكَ: یعنی: اپنے آپ ہی میں مشغول رہ، اور اپنی ذات پر توجہ کر۔ ملاحظہ ہو: تاج العروس (۴۰/۳/۶۷) مادہ: إلى۔

(۵) یعنی: اپنے آپ ہی میں مشغول رہ، اس ذات کی قسم! مجھے کوئی پروا نہیں کہ تُو کون ہے جو مجھے ملامت کرتا ہے، اور اللہ کی قسم! جب میں نے اُسے قتل کیا، اُس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ عمار ہیں۔

(۶) یہ مقدار جو ہم نے ذکر کی ہے، شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اور پہلی سند میں واقدی ہے، جبکہ دوسری سند میں کلبی اور ابو مخنف ہیں۔

شواہد:

ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا قول: ''اللہ کی قسم! میں اسے اس دن پہچانتا ہی نہ تھا''۔ اس کی تائید ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ہی کے اس قول سے ہوتی ہے: ''میں نے اسے مارا تو دیکھا کہ وہ عمار کا سر ہے''۔ ملاحظہ کریں: [۳۵۹][۳۶۱][۳۶۲]۔ ان کا قول: ''اور لوگوں نے پکارا: کیا تم نے ابو الیقظان کو قتل کر دیا؟!!'' اس کی تائید ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے: ''وہ گرا تو میں نے اسے قتل کر دیا، پھر کہا گیا: تم نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا؟!!'' ملاحظہ کریں: [۳۵۸]۔

(۷) اور یہ روایت عفّان بن مسلم سے ہے، انہوں نے اسے حماد بن سلمہ سے، اور انہوں نے ابو حفص اور کلثوم بن جبر سے، اور انہوں نے ابو غادیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ بلاذری اسے عفّان سے بیان کرتے ہیں مگر اس میں ابو حفص کو ساقط کر دیتے ہیں، اور یہ مخالفت بلاذری کی طرف سے قابلِ قبول نہیں، کیونکہ بلاذری نے ان کی مخالفت کی ہے جو ان سے زیادہ ثقہ ہیں۔

(۸) دیکھو: [۳۵۸][۳۶۱][۳۶۲]۔

(۹) دیکھو: [۳۵۹]۔

جہاں تک ابن دیزَیل کی آنے والی روایت (۱) کا تعلق ہے تو اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل میں دو آدمی شریک تھے: ابو غادیہ جہنی رضی اللہ عنہ اور ابن حُوَیّ سکسکی۔ ابو غادیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایسی ضرب لگائی جس سے وہ گر گئے (۲)، پھر

ابن حُوَيّ نے ان کا سر قلم کیا۔لیکن اصل مہلک ضرب ابو غادیہ رضی اللہ عنہ ہی کی تھی، جیسا کہ کلثوم بن جبر (۳) کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ ابن دیزیل کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ میں ابھی کچھ سانس باقی تھا، پھر ابن حُوَيّ نے ان کا سر الگ کیا۔اس سے قبل ابن سعد (۴) کی روایت بھی گزر چکی ہے، جس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے پہلے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گھٹنے پر نیزہ مارا، پھر ابو غادیہ رضی اللہ عنہ نے ان پر وار کیا۔ اگر یہ روایت درست ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان کے قتل میں تین افراد شریک ہوئے۔

◆ **اسی طرح روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شام کی فوج کے ایک گروہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا دعویٰ کیا،،،،**

ابن دیزیل کی آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شام کی فوج کے کئی لوگ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، تاکہ اس پر انعام حاصل کریں، مگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان کے جھوٹ کو پہچان لیتے تھے اور ان میں سے کسی کے دعوے کی تصدیق نہ کرتے تھے، سوائے ابن حُوَيّ سَکسکی کے دعوے کے۔ لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے بھی کوئی انعام نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس اس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا: ”خدا کی قسم! تیرے ہاتھ کامیاب نہیں ہوئے، بلکہ تو نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے۔

[۳۶۴] أَخْرَجَ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ صِفِّينَ - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ وَبُغْيَةِ الطَّلَبِ - : نا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ الْجُعْفِيُّ، حَدَّثَنِي نَصْرٌ هُوَ ابْنُ مُزَاحِمٍ، ثنا عَمْرُو بْنُ شِمْرٍ، عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ - رَجَعَ إِلَى حَدِيثِهِ -، عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: ثُمَّ حَمَلَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ عَلَيْهِمْ، فَحَمَلَ عَلَيْهِ ابْنُ حُوَيٍّ السَّكْسَكِيُّ وَأَبُو الْغَادِيَةِ الْفَزَارِيُّ. قَالَ: وَأَمَّا أَبُو الْغَادِيَةِ فَطَعَنَهُ، وَأَمَّا ابْنُ حُوَيٍّ فَاحْتَزَّ رَأْسَهُ ...... فَكَانَ لَا يَزَالُ رَجُلٌ يَجِيءُ إِلَى مُعَاوِيَةَ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَيَقُولُ: أَنَا قَتَلْتُ عَمَّارًا. فَيَقُولُ لَهُ عَمْرٌو: فَمَا سَمِعْتَهُ يَقُولُ عِنْدَ

ذَلِك؟ فَيَخْلِطُونَ، حَتَّى قَالَ ابْنُ حُوَيٍّ: أَنَا قَتَلْتُهُ. فَقَالَ لَهُ عَمْرُو: فَمَا كَانَ آخِرُ مَنْطِقِهِ؟ قَالَ ابْنُ حُوَيٍّ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ:

الْيَوْمَ أَلْقَى الْأَحِبَّةْ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهْ

قَالَ لَهُ عَمْرُو: صَدَقْتَ، أَنْتَ صَاحِبُهُ(۵). ثُمَّ قَالَ لَهُ: رُوَيْدًا(۶)، أَمَا وَاللَّهِ مَا ظَفِرَتْ(۷) يَدَاكَ، وَلَقَدْ أَسْخَطْتَ رَبَّكَ(۸).

ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں -جیسا کہ تاریخ دمشق اور بغیۃ الطلب میں بھی ہے- روایت کیا ہے: ہمیں یحییٰ بن سلیمان جُعفی نے بیان کیا، کہا: مجھے نصر بن مزاحم نے حدیث سنائی، انہوں نے عمرو بن شِمر سے، انہوں نے جابر جُعفی سے، اور انہوں نے عامر شَعبی سے، اور وہ احنف بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ: جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تو ان پر ابنِ حُوَیّ سَکسکی اور ابوالغادیہ فَزاری حملہ آور ہوئے۔ ابوالغادیہ نے نیزہ مارا اور ابنِ حُوَیّ نے ان کا سر کاٹ دیا۔ ...... پھر اس کے بعد لگاتار کئی لوگ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس آتے اور دعویٰ کرتے کہ ''ہم نے عمار کو قتل کیا ہے''۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے: ''اس وقت تم نے اسے کیا کہتے سنا تھا؟'' وہ سب باتوں کو گڈمڈ کر دیتے اور کوئی صحیح جواب نہ دے پاتے۔ آخرکار ابنِ حُوَیّ آیا اور کہا: ''میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اس کی آخری بات کیا تھی؟'' ابنِ حُوَیّ نے کہا: ''میں نے اسے یہ کہتے سنا: آج میں اپنے محبوبوں سے ملاقات کروں گا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے۔'' اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو نے سچ کہا، وہ تیرا ہی شکار تھا۔'' پھر فرمایا: ''ذرا ٹھہرو! اللہ کی قسم، تیرے ہاتھوں نے

کچھ حاصل نہیں کیا، بلکہ تو نے اپنے رب کو ناراض کردیا ہے‘‘۔

اوراحمد کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو آدمی عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں جھگڑ پڑے۔ (حنظلہ بن خوَیلدعنزی کہتے ہیں: میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں دو آدمی آئے جو عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑنے لگے، اور دونوں میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا: میں نے انہیں قتل کیا ہے(۹)۔

◆ وہ دونوں آدمی جو عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے:

میں ان دونوں جھگڑنے والے آدمیوں کو نہیں پہچان سکا، اور وہ نہ تو ابوالغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ تھے اور نہ ہی ابنِ حُوَی سَکسکی، بلکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔

◆ رہے ابوالغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ:

۱) راوی کا یہ کہنا کہ: (پس اس کے پاس دو آدمی آئے جو باہم جھگڑ رہے تھے) نکرہ کے صیغے کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دونوں غیر معروف تھے۔ جبکہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ سابقین میں سے ہیں، بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے تھے، اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مشہور ہستی ہیں۔ پس اگر ان دو میں سے ایک ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو حنظلہ بن خویلد ان کو پہچان لیتے اور ان کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کرتے، کیونکہ وہ مشہور شخصیت تھے۔‘‘

۲) اور اگر ان دونوں میں سے ایک ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو حنظلہ اس کا ذکر اسی مجلس میں کردیتے جو واسطِ قصب میں منعقد تھی، کیونکہ یہ ذکر خود قتل کے واقعے سے کہیں ہلکی بات تھی۔

۳) ابن دیزَیل کی گزشتہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جو عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا دعویٰ کررہے تھے؛ کیونکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سب مدعیوں میں کسی کو بھی اپنے دعوے میں سچا نہیں پایا سوائے ابنِ حُوَی سکسکی کے(۱۰)۔

رہی یہ بات کہ اہلِ شام کے بعض فوجیوں کے درمیان عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں جھگڑا ہوا تھا، تو اس کا کچھ ذکر امام احمد کے ہاں ملتا ہے، دیکھیے [۳۷۵]۔

◆ رہا ابنِ حُوَيّ السکسکی:

۱) یہ واقعہ اس لیے الگ ہے کہ ابنِ حُوَی اس وقت عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جب وہ دونوں مدعی وہاں سے واپس جا چکے تھے، لہٰذا عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑنے والے دو آدمیوں کا واقعہ ابنِ حُوَی کے دعوائے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ سے بالکل مختلف ہے۔

۲) یہ بات بھی واضح ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑنے والے دونوں آدمیوں کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ ابنِ حُوَی کے دعوے پر انہوں نے رد کیا۔ ان دونوں مدعیوں کو دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے جواب دیا تھا، اور کہا تھا: تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے اپنی جان خوش کر لے، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: ’’اسے باغی جماعت قتل کرے گی (۱۱)۔‘‘

شاید یہی وجہ تھی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مدعیوں کو کچھ نہیں کہا، کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سن کر سخت حیرت اور اضطراب میں تھے۔ بعد میں جب ان کا اپنے بیٹے عبداللہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ کچھ تبادلۂ خیال ہوا تو ان کی کیفیت کچھ سنبھلی، اور پھر جب ابنِ حُوَی ان کے پاس آیا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کے دعوے کو سختی سے رد کر دیا۔

◆ مورخین کے اقوال اس بارے میں کہ عمار رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا:

مؤرخین کے درمیان ان دونوں کے ناموں کے ضبط (تلفظ و املا) میں اختلاف پایا جاتا ہے،،،

نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین میں بیان کیا ہے کہ جن دو افراد نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ یہ تھے: ابوالعادیہ فزاری اور ابن جون سکونی۔ اس کا کہنا ہے کہ ابوالعادیہ نے انہیں نیزہ مارا اور ابن جون نے ان کا سر کاٹ دیا (۱۲)۔

جبکہ ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں نصر بن مزاحم کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قاتل دو تھے: ابوالغادیہ فزاری اور ابن حُوی سکّسکی۔ اس روایت میں آتا ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا اور ابن حُوی نے ان کا سر کاٹ دیا (۱۳)۔

واقدی اور ابومخنف کا بیان ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ پر حملہ ابنِ حُوی سکّسکی اور ابوالغادیہ مزنی نے کیا اور دونوں نے مل کر انہیں قتل کیا (۱۴)۔

کلبی کہتے ہیں: اہلِ شام کا کہنا ہے (۱۵) کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا حوی بن ماتع بن زرعہ بن محض السکسکی تھا جو قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور کچھ دوسرے (۱۶) یہ کہتے ہیں کہ اسے ابو الغادیہ المری نے قتل کیا (۱۷)۔

اسی طرح مدائنی نے کہا: اہلِ شام کا کہنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو حُوَيّ بن ماتع بن زرعہ بن بیحص السَّکسَکی نے قتل کیا (۱۸)۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں (تستری کی روایت کے مطابق، جیسا کہ تاریخِ دمشق اور بُغیۃ الطلب میں ہے) کہا: دمشق کے قبیلۂ کندہ پر حُوَيّ بن مانع مقرر تھا، اور وہی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا۔ پس خلیفہ نے قاتل کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے، اور وہ ہے حُوَيّ (۱۹)۔

لیکن خلیفہ کی مطبوعہ تاریخ میں جو بقی بن مخلد کی روایت سے ہے اس طرح آیا ہے: دمشق کے قبیلۂ کندہ پر ابنِ حُوی السَّکسکی (۲۰) تھا، مگر اس میں عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی کوئی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

اور کچھ ایسی روایات بھی ہیں جو درست نہیں، جنہیں واقدی نے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تین افراد نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا: عقبہ بن عامر جہنی، عمر بن حارث خولانی اور شریک بن سلمہ مرادی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان تھا کہ عقبہ بن عامر ہی وہ شخص ہے جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا...... اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہیں، بلکہ اسے عمر بن حارث خولانی نے قتل کیا تھا (۲۱)۔

---

(۱) یہ روایت کچھ ہی دیر بعد نمبر [۳۶۴] کے تحت آئے گی۔

(۲) ''أَثْبَتَهُ'' کا مطلب ہے: اسے گرا دیا، زخمی کر دیا یہاں تک کہ وہ حرکت نہ کر سکا۔ ملاحظہ ہو: تاج العروس (۴/۷۵ ۴)، مادہ: ثبت۔

(۳) دیکھو: [۳۵۸] الی [۳۶۲]۔

(۴) دیکھو: [۳۵۹]۔

(۵) یعنی: تو ہی وہ شخص ہے جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔

(۶) رُوَیْدًا: یہ اسمِ فعل ہے، جس کا معنی ہے: ذرا ٹھہرو، آہستہ۔'' حوالہ: تاج العروس (۱۲۴/۸) مادہ: رود۔

(۷) ظَفِرَتْ: یعنی کامیاب ہوئی۔'' حوالہ: تاج العروس (۱۲/۳ ۴۷) مادہ: ظفر۔

(۸) تاریخ دمشق (۱۸/۲۷) اور بُغیۃ الطلب (۱۰/۴۶۷۱)، (کتاب صِفّین لابن دیزیل، برقم [۱۲۳]، میری جمع وتحقیق کے ساتھ)۔ یہ مقدار جو ہم نے ذکر کی ہے وہ ایک قابلِ قبول خبر ہے، اور یہ سند ناقص ہے۔عمرو بن شمر اور جابر جُعفی کی تراجم نمبر [۵۴] کے تحت گزر چکی ہیں۔اور دیکھیں: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)۔

الشواہد:

ابو العادیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور ان کا عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارنا ثابت ہے، دیکھیں [۳۵۸] اور اس کے بعد۔
جہاں تک شام کے بعض سپاہیوں کی طرف سے عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑے کا تعلق ہے تو اس کا کچھ ذکر امام احمد کے ہاں آیا ہے، دیکھیے [۳۷۵]۔اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر انکار دیکھنے کے لیے [۳۷۲] اور اس کے بعد کی توضیحات ملاحظہ کریں۔رہا معاملہ ابن حُوی کے ہاتھوں عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا، تو یہ مؤرخین کے ہاں مستفیض ہے، اور اس قرینے سے کہ اہلِ شام (یعنی شام کے مؤرخین) اس پر جزم کرتے ہیں، یہ بات عنقریب آگے بھی آئے گی، دیکھیے صفحہ (۴۳۷)۔

التخریج:

ابن کثیر نے اسے البدایہ والنہایہ (۲۹۷/۷-۲۹۸) میں ابن دیزیل کے طریق سے ذکر کیا ہے۔اور نصر بن مزاحم نے اسے وقعہ صفین (ص ۳۴۰-۳۴۲) میں عمر بن سعد کے واسطے سے روایت کیا ہے، اس نے قصہ ذکر کیا اور اس کے آغاز میں کچھ زیادت بھی بیان کی ہیں۔اور کہا: ''ابو العادیہ الفزاری اور ابن جون السکونی'' اس نے دونوں کے نام اسی طرح ضبط کیے ہیں۔

(۹) دیکھو: [۳۷۵]۔

(۱۰) واقدی کا گمان ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص جس کا نام اس نے واضح نہیں کیا وہی دونوں تھے جنہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑا کیا۔ یہ بات واقدی نے بغیر سند کے ذکر کی ہے، اور یہ خبر مردود ہے جس میں نکارت پائی جاتی ہے، اور یہ ابن دیزیل کی اگلی آنے والی روایت کے خلاف ہے جو قابلِ قبول ہے۔دیکھیے: الطبقات الکبریٰ (۲۵۹/۳)، اور اسی سے ابن عساکر نے نقل کیا ہے (۴۰۷/۱۶-۳۷۱) اور (۴۰۷/۴۳-۴۷۱) میں۔اور ابن جریر طبری نے اس کو المنتخب من ذیل المذیل صفحہ (۱۵) پر اور حاکم نے المستدرک (۴۳۴/۳) حدیث نمبر (۵۶۵۷) کے تحت واقدی ہی سے روایت کیا ہے۔واقدی نے اس سے پہلے خُزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا، پھر عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ بغیر سند کے بیان کر دیا اور دونوں کو ایک ہی حکایت میں جمع کر دیا۔

(۱۱) دیکھو: [۳۷۵]۔

(۱۲) وقعہ صفین ص (۳۴۱)۔

(۱۳) تاریخ دمشق (۲۷/۶۸) وبغیۃ الطلب (۱۰/۴۶۷۱)۔

(۱۴) الطبقات الکبریٰ (۳/۲۶۱) اور اس کے طریق سے ابن عساکر (۴۳/۴۷۶) میں یہ روایت واقدی وغیرہ سے منقول ہے۔اور طبری کی المنتخب من ذیل المذیل (ص ۱۶) میں یہ روایت ہشام بن محمد کلبی کے واسطے سے ابو مخنف سے نقل کی گئی ہے۔

(۱۵) اہلِ شام سے مراد شام کے مؤرخین ہیں۔

(۱۶) ایسا ہی ہے، اور غالباً اس سے مراد ہے: اور ان کے علاوہ لوگ یعنی اہلِ شام کے علاوہ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں۔۔۔

(۱۷) انساب الاشراف (۱/۱۷۱)۔

(۱۸) انساب الاشراف (۲/۳۱۱)۔

(۱۹) تاریخ دمشق (۱۵/۳۶۷) بغیۃ الطلب (۶/۲۹۹۵)۔

(۲۰) تاریخ خلیفہ ص (۱۹۶)۔

(۲۱) الطبقات الکبریٰ (۲۵۹/۳) المستدرک للحاکم (۳/۴۳۴) تحت رقم (۵۶۵۷)۔

● تیسرا مطلب: واقعۂ شہادتِ عمار رضی اللہ عنہ کی توضیح وتوجیہ:

شیخ علامہ محدث عبداللہ السعد نے فرمایا: (عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا جو واقعہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، یہ ثابت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا گناہ تھا۔ لیکن یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین گناہ نہیں کرتے یا کبائر میں نہیں پڑ سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۱)، اور والدین کے بارے میں فرمایا: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الاعراف: ۲۳)، اور اسی طرح کے دیگر نصوص بھی ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم نہ تھا کہ جس شخص سے ان کا مقابلہ ہے وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، بلکہ یہ انہیں بعد میں معلوم ہوا جب وہ انہیں قتل کر چکے۔

دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے آدمی اجتہاد اور تاویل کی بنا پر قتل ہوئے۔ عمار رضی اللہ عنہ کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بلاشبہ ان کا قتل ایک نہایت عظیم سانحہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اور معرکے میں پیش آنے والے تمام واقعات اسی اجتہاد اور تاویل کے دائرے میں آتے ہیں جس کے سبب یہ جنگ برپا ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ہزاروں مسلمان مارے گئے، مگر وہ سب اپنے اجتہاد پر تھے اور ان شاء اللہ اجر پانے والے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کر کے درست نتیجے تک پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر اجتہاد کرے اور خطا کرے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے[1]۔''

اہلِ بدعت کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور اسے اجتہاد و تاویل کے دائرے سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس غلو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہزاروں لوگوں کے قتل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور صرف ایک ہی جان، یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے خون کو بہت بڑا بنا کر پیش کیا جاتا ہے، گویا صفین کی جنگ میں سوائے ایک ہی آدمی کے کوئی اور قتل ہوا ہی نہیں!!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی بھی شہید ہوئے، جو ذوالشہادتین

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے غزوۂ اُحد اور اس کے بعد کی تمام غزوات میں شرکت کی تھی، اور بعض کے نزدیک غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ لیکن اہلِ بدعت کے طریقے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے خونِ شہادت کو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اصول ''جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے......'' کی روشنی میں نہ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں غلو اور حد سے بڑھی ہوئی بات ہونی چاہیے، نہ ہی ان کے خون کو ہلکا سمجھنا چاہیے، اور نہ ہی صفین میں شہید ہونے والے ہزاروں افراد کے خون کو نظرانداز کیا جانا چاہیے۔ یہی وہ عدل وانصاف ہے جو اس نبوی اصول پر مبنی ہے۔

جہاں تک حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مقتل سے متعلق صحیح حدیث کا تعلق ہے تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قتل کو ایک جماعت کے حق پر ہونے اور دوسری کے باغی ہونے کی نشانی قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہائے عمار! اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔ اور حدیث کے دوسرے حصے ''وہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا جبکہ وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے'' سے باغیوں کی حقیقت واضح ہوتی ہے جو امام وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے (۲)۔

ابن حجر نے فرمایا: ان جنگوں میں صحابہ کے بارے میں حسنِ ظن یہی ہے کہ وہ اجتہاد اور تاویل کی بنیاد پر شامل ہوئے تھے۔ اور مجتہد اگر خطا بھی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ پھر جب یہ اصول عام لوگوں کے حق میں ثابت ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حق میں بطریقِ اولیٰ (۳) ثابت ہونا زیادہ مناسب ہے۔

---

(۱) اسے بخاری نے اپنی صحیح (۶۹۱۹) میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ بات پہلے [۳۰] اور [۳۳] نمبر پر آ چکی ہے۔

(۲) ہم یہ بات صفحہ (۲۴۷، ۲۴۸) پر ذکر کر چکے ہیں، وہاں رجوع کیجیے۔

(۳) الاصابہ (۳۱۲/۷)۔

● چوتھا مطالبہ: شیخ البانی رحمہ اللہ کی ایک رائے اور اس کا جواب:

شیخ البانی نے ابن حجر کے پچھلے قول (''اور صحابہ کے بارے میں گمان ہے......'') پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

[یہ بات درست ہے، لیکن اسے ہر ہر صحابی پر لاگو کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس صورت میں مذکورہ قاعدے کا ٹکراؤ اس جیسی احادیث سے ہو جاتا ہے، جیسے کہ ترجمہ میں مذکور حدیث (۱)، کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ، جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، وہ مجتہد تھا اس لیے اجر کا مستحق ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''عمار کا قاتل جہنم میں ہے۔'' لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ قاعدہ اپنی جگہ درست ہے، مگر جہاں کوئی قطعی دلیل اس کے خلاف موجود ہو، وہاں وہ اس سے مستثنیٰ ہو جائے گی، جیسا کہ یہاں کی مثال ہے۔ یہی طریقہ اس سے بہتر ہے کہ صحیح حدیث کو اس قاعدے کے مقابلے میں چھوڑ دیا جائے۔ واللہ اعلم](۲)۔

میں کہتا ہوں: شیخ البانی رحمہ اللہ کی رائے کی بنیاد دراصل اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دینا ہے جو مرفوع تو ہے مگر ضعیف ہے: ''عمار کا قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا جہنم میں ہے''۔ یہ روایت منقطع السند ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔ لہٰذا جب معاملہ ایسا ہے تو عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کے لیے جہنم کی وعید پر کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے لشکر کو ''باغی گروہ'' قرار دیا اور خود عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ انہیں جنت کے راستے یعنی امام کی اطاعت کی طرف بلا رہے ہیں، جبکہ وہ انہیں جہنم کے راستے یعنی بغاوت کی طرف کھینچ رہے تھے۔

پھر خود حدیث کے متن میں نکارت ہے، اور وہ یہ کہ مالِ غنیمت اور قتل کے بعد سامان پر قبضہ صرف کفار کے بارے میں مشروع ہے، مسلمانوں کے بارے میں نہیں، خواہ وہ باغی ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لیے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے نہ جنگِ جمل سے کچھ مالِ غنیمت لیا، نہ صفین سے اور نہ ہی نہروان سے۔ تو پھر حدیث کے الفاظ ''اس کا قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا'' کس طرح درست ہو سکتے ہیں؟!!

اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا سامان کسی نے نہیں لوٹا۔ بلکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں آدمی اس لیے جھگڑ رہے تھے کہ عمار رضی اللہ عنہ لشکرِ عراق کے بڑے قائدین میں سے تھے، اور ان کے قتل پر انعام ملنے کی امید تھی۔ پس یہ جھگڑا دراصل انعام پر تھا، نہ کہ سامانِ جنگ پر۔ اسی طرح شام کے لشکر کے کچھ لوگوں نے جھوٹ بول کر دعویٰ کر دیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے قتل کیا ہے، مقصد یہ بھی انعام حاصل کرنا تھا، نہ کہ ان کا

سامان لینا۔

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے، تو حقیقت یہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا سامان کسی نے نہیں لوٹا، لہٰذا وعید کسی حال میں بھی صادق نہیں آتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن حجر کا بیان کردہ اصول صفین کے تمام فریقین پر منطبق ہوتا ہے، جن میں ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اور اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں، والحمد للہ۔ خاص طور پر یہ بات بھی واضح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم ہی نہ تھا کہ ان کا مقابل عمار رضی اللہ عنہ ہیں، بلکہ انہیں یہ بعد میں معلوم ہوا، سو یہ اجتہاد کے سبب شروع ہونے والی جنگ کے عذر کے ساتھ ایک اور معقول عذر ہے۔

---

(۱) 'ان کا مقصود یہ ہے کہ ''خطا کرنے والے مجتہد کو بھی اجر ملتا ہے'' والا قاعدہ اگر تمام صحابہ پر یکساں طور پر لاگو کیا جائے تو اس کا نتیجہ اس حدیث سے ٹکراؤ کی صورت میں نکلتا ہے: ''عمار کا قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا دونوں جہنم میں ہیں''۔

(۲) سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۱۹/۵) تحت رقم (۲۰۰۸)۔

● پانچواں مطلب: حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام اور اس پر جواب:

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (روافض کے نزدیک ابنِ ملجم آخرت میں تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ شقی ہے، مگر ہمارے اہلِ سنت کے نزدیک ہم اس کے بارے میں جہنم میں جانے کی امید رکھتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرما دے۔ اس معاملے میں ہمارا موقف وہ نہیں جو خوارج اور روافض کا ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کا ہے۔ ان سب کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہم ان سے بری ہیں اور اللہ کے لیے ان سے بغض رکھتے ہیں، اور ان کے انجام کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں)[۱]۔

میں کہتا ہوں: امام ذہبی رحمہ اللہ کا قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کو بھی اس فہرست میں ذکر کرنا ان کی طرف سے ایک سہو ہے۔ درست بات یہ ہے کہ ان تمام قاتلوں کو قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کے برابر قرار دینا صحیح نہیں، نہ ہی یہ کہنا درست ہے کہ سب ایک ہی درجہ رکھتے ہیں جیسا کہ امام ذہبی رحمہ

اللہ نے فرمایا۔ کیونکہ ان سب میں سے صرف قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، باقی سب اہلِ اَہواء میں سے تھے۔

● **رہا علی اور خارجہ رضی اللہ عنہما**: کے قاتلوں کا معاملہ تو وہ دونوں خوارج میں سے تھے، جنہوں نے چھپ کر حملہ کر کے شہید کیا۔ اور نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اس امت کا سب سے بدبخت قرار دیا ہے (۲)۔

● **رہے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ**: تو وہ اہلِ خواہش و گمراہی تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے قاتلوں اور مددگاروں کو منافق (۳) قرار دیا ہے۔ ان باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہلہ بولا، ان کے مکان میں گھس آئے اور وہیں شہید کر دیا، بغیر اس کے کہ حرمت و تقدس کا کوئی لحاظ کرتے۔

● **جہاں تک زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا تعلق ہے**: تو یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اسے دوزخ کی بشارت دی (۴)، اور یہ قول دراصل مرفوع کے حکم میں ہے۔ رہا زبیر رضی اللہ عنہ کا قتل تو وہ دھوکے سے کیا گیا، اس وقت جب وہ جنگ سے الگ ہو کر واپس لوٹ رہے تھے، نہ کہ میدانِ جنگ میں۔

● **جہاں تک طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کا تعلق ہے**: تو اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ اگر قاتل مروان بن حکم تھے تو وہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے امام ذہبی نے ان کی توصیف کی ہے، اور ان کا یہ قتل عہد شکنی، غداری اور جرم تھا، کیونکہ مروان طلحہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں وہ توبہ کر چکے ہوں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن اگر قاتل کوئی سبئی (ابن سباء کا پیروکار) تھا جو علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں چھپ کر شامل ہو گیا تھا تو وہ بھی بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ امام ذہبی نے کہا، کیونکہ سبئی دراصل اہلِ خواہش تھے اور انہوں نے اس سے پہلے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ پھر مجھے بغیر کسی شک کے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مروان بن حکم طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہیں۔ اور جو لوگ ان پر الزام ثابت کرتے ہیں، ان کے پاس سب سے بڑی دلیل قیس بن ابی حازم کی روایت ہے، لیکن وہ روایت باطل ہے۔ سند کے اعتبار سے وہ روایت مرسل ہے (۵)۔

اور جہاں تک متن کا تعلق ہے: تو وہ منکر ہے (۶)۔

درست بات یہ ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا شخص، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کا ایک آدمی تھا (۷)۔

آگے چل کر یہ بات بھی آئے گی کہ سبئیہ کی چالوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ خود جرم کرتے اور پھر اس کا الزام دوسروں پر تھوپ دیتے، جیسے حسن رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ (۸) اور ان کو زہر دینا (۹)۔

جہاں تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے قاتلوں کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب خواہشِ نفس اور مجرمانہ ذہنیت کے لوگ تھے۔ ان کے تمام قاتل، سوائے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کے، ان کا یہ عمل اجتہاد اور تاویل کے دائرے میں نہیں آتا بلکہ محض خواہشِ نفس کے تابع تھا۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو معاف فرما دے۔ ہم ان سے ان کے اعمال کے بقدر اللہ کے لیے بغض رکھتے ہیں، البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نے موت سے پہلے توبہ کر لی ہو۔

اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ اس نے جنگ کے دوران انہیں اس حال میں قتل کیا کہ اسے علم نہ تھا کہ یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قتال اجتہاد اور تاویل کا نتیجہ تھا، جو کہ قابلِ معافی ہے۔ ہم قاتل اور مقتول دونوں یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے قاتل سے صحابیت کے شرف کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے دو جلیل القدر صحابہ حضرت عمار اور حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہما پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ان دونوں نے وہ مرتبہ اور فضیلت پائی ہے، جو ہم ہرگز نہ پاسکیں گے، چاہے ہم اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر ڈالیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان سابقین میں سے ہیں جو بدر میں شریک ہوئے، جبکہ حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ ان اولین اہلِ ایمان میں سے ہیں جنہوں نے بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شرکت کی۔ ہوا یوں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ کہا جو کہا، اور حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جو اقدام کیا وہ کر ڈالا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ دونوں حضرات معصوم نہ تھے، اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ

ان کی اپنی رائے اور اجتہاد کا نتیجہ تھا رضی اللہ عنہما۔

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی صفحہ (۲۸۸)، اور یہ تاریخ الاسلام (۳/۶۵۴) میں بھی موجود ہے۔
(۲) حدیث آگے حدیث نمبر [۵۲۲] پر آئے گی۔
(۳) رقم [۲۳] پر یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے۔
(۴) اسے امام احمد (۶۸۱)، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۴/۱۸۶) میں اور حاکم (۵۵۸۰) نے عاصم بن ابی النجود کے طریق سے، زر بن حبیش سے، اور وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابنِ صفیہ (یعنی زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، اور میرا حواری زبیر ہے۔ اس حدیث کو شعیب ارناؤوط نے حسن قرار دیا ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ ابونعیم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری (۶/۲۲۹) میں اسے صحیح کہا ہے۔
(۵) قیس بن ابی حازم کی روایت مرسل ہے، کیونکہ وہ جنگِ جمل میں شریک ہی نہیں تھے۔ یہی بات امام علی بن مدینی نے کہی جب ان سے پوچھا گیا: ''کیا قیس بن ابی حازم جنگِ جمل میں موجود تھے؟'' تو انہوں نے کہا: ''نہیں، وہ عثمانی تھے۔'' دیکھیے: علل ابن المدینی (ص ۵۰، رقم ۴۶، کچھ اختصار کے ساتھ)۔ اور اسی سند سے یہ بات تاریخ بغداد (۱۲/۴۴۹) اور تاریخ دمشق (۴۹/۴۶۰) میں بھی موجود ہے۔
یعنی حقیقت یہ ہے کہ قیس اہلِ کوفہ میں سے تھے، اور اُس زمانے میں اہلِ کوفہ خلافت کے دور میں علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے اور ان کے ساتھ رہ کر اُن لوگوں سے لڑتے تھے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر مصر تھے۔ لیکن قیس ''عثمانی'' تھے، یعنی وہ اُن لوگوں میں سے تھے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کی حمایت کرتے تھے۔
اصطلاح (عثمانی) کا مطلب:
اگر کسی ایسے شخص کے بارے میں کہا جائے جس نے فتنہ کے زمانے کو پایا کہ ''وہ عثمانی تھا'' تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کرتا تھا یا اس کی حمایت کرتا تھا۔ بعد میں فتنہ کے خاتمے کے بعد ان ہی میں سے بعض لوگ غلو میں پڑ گئے اور علی رضی اللہ عنہ پر حملے کرنے لگے یا ان کو گالیاں دینے لگے، تو انہیں ''نواصب'' کہا گیا۔
تمام عثمانی، (جو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے قائل تھے)، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ اسی وجہ سے (عثمانی) کی ایک اور اصطلاحی صورت بھی ہے: یعنی وہ شخص جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو، خواہ وہ خونِ عثمان کے مطالبے کا حامی ہو یا نہ ہو۔ اس کی مثال ابووائل شقیق بن سلمہ کوفی ہیں، وہ عثمانی تھے (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے)، لیکن اس کے باوجود انہوں نے صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی۔ دیکھیے: سیر اعلام النبلاء (۴/۱۶۶، ۱۶۸)۔
اور اگر (شیعی) کا لفظ اُن لوگوں پر بولا جائے جنھوں نے فتنہ کا زمانہ پایا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خلافت کے زمانے میں علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ پھر بعد میں انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینی شروع کر دی۔ یوں شیعی کا ایک اور مفہوم وجود میں آیا، اور رفتہ رفتہ تشیع ایک مستقل مذہب کی صورت میں پروان چڑھا، اور اس کے غالی لوگوں کو (رافضہ) کہا گیا۔
اب بات واپس آتی ہے قیس بن ابی حازم کی روایت کی طرف......
ظاہر یہ ہوتا ہے کہ قیس نے یہ خبر کوفہ میں سنی اور پھر اسے آگے بیان کر دیا۔ یہ خبر ابن سعد (۳/۲۲۳) اور ابن ابی شیبہ (۱۲۲۲۲، ۳۸۹۲۵) نے روایت کی ہے، دونوں نے کہا: ''ہم سے ابواسامہ حماد بن اسامہ کوفی نے بیان کیا۔'' اور ابن ابی شیبہ نے (۳۱۲۱۹، ۳۸۹۵۸) میں یہ روایت وکیع سے بھی نقل کی ہے۔ نیز یعقوب بن سفیان نے المعرفۃ والتاریخ میں اسے روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ

دمشق (۲۵/۱۱۲) میں ابن عساکر نے ان کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ یہ سب حضرات اسماعیل بن ابی خالد کے واسطے سے، قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا: مرْوان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ پر تیر چلایا جوان کی گھٹنے پر لگا، اور پھر وہ اسی سے وفات پا گئے۔

دیکھیے: المعرفۃ والتاریخ اور ابن عساکر کے مرویات تاریخ دمشق (۱/۱۲۷)۔

ثقہ راویوں نے اس روایت کو مرسلاً ہی نقل کیا ہے۔

اس کے برعکس یحییٰ بن سلیمان الجعفی (جو صدوق ہیں لیکن غلطیاں کرتے ہیں) نے وکیع کے واسطے سے یہ روایت نقل کی اور اس میں اتصال کر دیا، اور کہا: (میں نے دیکھا کہ مروان نے ......)۔ اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۲۰۱) اور حاکم نے (۵۵۹۱) میں دو سندوں کے ساتھ الجعفی کے طریق سے ذکر کیا ہے۔

جعفی کی یہ مخالفت اس بات کی دلیل ہے کہ ثقہ راوی اس روایت کے مرسل ہونے کی علت سے باخبر تھے، اسی لیے انہوں نے یہ نہیں کہا (میں نے دیکھا)، جبکہ الجعفی سے وہم ہو گیا۔

یہ بات ثابت ہے کہ (عمران بن طلحہ بن عبید اللہ) اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب) اس بات کے قائل تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا۔

حاکم نے (۳۳۴۸) میں ربعی بن حراش کے طریق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا آیا اور اس نے علی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ میرا استقبال کر رہے ہیں، حالانکہ آپ ہی نے میرے والد کو قتل کیا تھا؟......'' (پوری روایت آگے ہے)۔

حاکم نے کہا: ''یہ حدیث سنداً صحیح ہے اور بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔'' اور امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی۔

یہ جملہ (آپ نے میرے والد کو قتل کیا) دراصل اس معنی میں ہے کہ (آپ کے آدمیوں نے میرے والد کو قتل کیا)۔ اور یہ کہنے والے عمران بن طلحہ بن عبید اللہ تھے، اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آلِ طلحہ نے کبھی بھی مروان بن حکم پر اپنے والد کے قتل کا الزام نہیں لگایا۔

اسی طرح ابن سعد (۳/ ۲۲۴)، احمد نے فضائل الصحابہ (۱۲۹۸، یہی الفاظ انہی کے ہیں)، اور حاکم (۵۶۱۳، ۵۷۲۰ طبع التاصیل) نے ابو حبیبہ مولیٰ طلحہ کے طریق سے روایت کیا ہے: ''عمران بن طلحہ، جنگِ جمل ختم ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کا خیر مقدم کیا اور فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے والد کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر: ۴۷)''۔ یہ سن کر دو آدمی جو بستر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے: ''اللہ عزوجل اس سے زیادہ عادل ہے کہ آپ نے کل ہی انہیں قتل کیا ہو اور پھر جنت میں بھائی بھائی بن کر بیٹھیں!'' (پوری روایت آگے ہے)۔

حاکم نے کہا: ''یہ حدیث سنداً صحیح ہے اور بخاری ومسلم نے روایت نہیں کیا۔'' امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی۔

ابو حبیبہ تابعی ہیں، بخاری نے انہیں التاریخ الکبیر (۹/۲۴) میں ذکر کیا ہے اور سکوت فرمایا ہے۔ ان سے دو راویوں نے روایت کی ہے۔ حاکم نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور چونکہ ان کی روایت کی متابعت ربعی بن حراش نے بھی کی ہے، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

اس جملے (آپ نے کل ہی انہیں قتل کیا) کا مطلب یہ ہے کہ: آپ کے لشکر نے کل طلحہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ حاکم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: (اللہ اس سے زیادہ عادل ہے کہ ہم نے انہیں قتل کیا ہو اور پھر وہ ہمارے بھائی جنت میں ہوں)۔

المستدرک کی دونوں طباعتوں میں یہ الفاظ گرے ہوئے ہیں: (عمران بن طلحہ حضرت علی کے پاس آئے)۔

ان کے علاوہ کچھ کمزور سندوں والی روایات بھی ہیں جن میں مروان کے ہاتھوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذکر ہے، لیکن ان سے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔ مثلاً:

ایک روایت ''عم یحییٰ بن سعید'' (مجہول) سے ہے، اس کا ترجمہ رقم ([۳۳۵]) میں گزر چکا ہے، جسے عمر بن شبہ نے تاریخ المدینہ (۴/۱۱۷۰) اور حاکم (۵۵۹۳) میں نقل کیا ہے۔

ایک روایت شریک بن خطاب، عن عتبہ بن صعصعہ، عن عکراش بن ذؤیب کے طریق سے ہے۔ اسے حاکم (۵۵۸۹) نے ذکر کیا ہے۔ لیکن شریک اور عتبہ دونوں مجہول ہیں۔ بخاری وابن ابی حاتم نے ان پر سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے۔ حاکم نے شریک کو (اہلِ اہواز کے ثقہ شیخ) کہا ہے (المستدرک، ص ۱۳۵)۔ لیکن محدث مقبل الوادعی نے ان پر نقد کیا ہے اور کہا: (حاکم متساہل ہیں، معتبر قول ابو حاتم کا ہے، جن کے نزدیک شریک مستور الحال ہے)۔

مزید دیکھیں: التاریخ الکبیر (۴/۲۴۰)، الجرح والتعدیل (۴/۳۶۷)، الثقات (۸/۳۱۱) شریک کے بارے میں۔

اور عتبہ کے بارے میں: التاریخ الکبیر (۶/۵۳۰)، الجرح والتعدیل (۳/۱۷۶)، الثقات (۵/۲۵۰)۔

ایک روایت نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، جسے ابن سعد نے طبقات (۳/۲۲۳) میں بیان کیا ہے۔ لیکن یہ مرسل ہے کیونکہ نافع نے جنگِ جمل کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ (تفصیل دیکھیے نمبر ۶۲۴)۔

ایک روایت محمد بن سیرین سے ہے، اسے ابن سعد نے (۳/۲۲۳) میں نقل کیا ہے۔ یہ بھی مرسل ہے کیونکہ محمد بن سیرین اس واقعے کے وقت شیر خوار بچے تھے۔ (اشارہ ص ۵۲ پر گزر چکا)۔

ایک روایت عمران بن داور القطان، عن قتادہ بن دعامہ، عن الجارود بن ابی سبرہ کے طریق سے ہے، جسے بغوی نے معجم الصحابہ (۳/۴۱۱) میں بیان کیا ہے۔ اس سند میں عمران بن داور ہیں جو صدوق تھے لیکن وہم کیا کرتے تھے اور خوارج کی رائے رکھتے تھے۔ اس میں قتادہ کی عنعنہ بھی ہے اور وہ مدلس تھے۔ پھر جارود نے بھی جنگِ جمل نہیں دیکھی کیونکہ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ (دیکھیے: التقریب، رقم ۸۸۱)۔

اور بھی کئی سندیں ہیں جنہیں میں نے ان کے ضعف کی وضاحت کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ اس موضوع پر (مقتل طلحہ رضی اللہ عنہ) میں مجھے بہت فائدہ ایک مفصل اور جید تحقیق سے ہوا جو عبدالحمید الازہری نے لکھی ہے اور موقع الالوکہ پر (کیا مروان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ بن عبید اللہ کو تیر مارا تھا؟) کے عنوان سے شائع کی۔ اس میں انہوں نے تمام روایات اور ان کی علتوں کو تفصیل سے جمع کیا ہے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

(۶) متن کی نکارہ (یعنی متن کے ردّ/ضعف) کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: جو کچھ میرے استاد ڈاکٹر خالد الغیث نے اپنی کتاب 'استشهادِ عثمان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اور واقعۂ جمل' میں لکھا ہے۔

یہ کتاب ہمارے بلاگ: (www.mushajarart.wordpress.com) پر آن لائن اور ڈاؤن لوڈ دونوں فارمیٹ میں موجود ہے۔

(۷) اس سے پہلے کے حاشیے میں گزر چکا ہے کہ آلِ طلحہ رضی اللہ عنہ اور اصحابِ علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کا ایک شخص تھا۔

(۸) دیکھیے [۶۰۷] اور اس کے بعد کی وضاحت۔

(۹) دیکھیے [۶۰۶] اور اس سے پچھلی دو سطریں، نیز اس کے بعد کے صفحات۔

● چھٹا مطلب: حافظ ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ کا ایک قول اور اس پر جواب:

ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ جب بھی امیر معاویہ رضی اللہ

عنہ یا کسی اور کے دربار میں جانے کی اجازت چاہتے تو کہا کرتے: ''عمار کا قاتل دروازے پر ہے''۔ اور جب ان سے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ بلا جھجک اس واقعے کو بیان کرتے۔ اہلِ علم کے نزدیک ان کا یہ طرزِ عمل بڑی تعجب کی بات ہے)[1]۔

میں کہتا ہوں: ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بلا قصد وارادہ صحابی جلیل ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک بڑی غلط فہمی کو جنم دے دیا۔ معاملہ اس وقت اور بھی بگڑ گیا جب بعد کے تذکرہ نگاروں اور دیگر اہلِ علم نے ان کی اس عبارت کو ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کی سوانح میں من وعن یا معنی کے ساتھ نقل کرنا شروع کر دیا، بغیر کسی تحقیق یا تنقید کے۔ کچھ لوگ تو اسے براہِ راست ابن عبد البر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: (ابو عمر نے کہا......)، جبکہ بعض صرف اقتباس کرتے ہیں لیکن نسبت نہیں کرتے[2]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض قارئین نے اس کے بار بار نقل کیے جانے، اس پر خاموشی اختیار کرنے اور متاخرین میں اس کے رائج ہونے کی وجہ سے یہ گمان کر لیا کہ یہ بات درست اور مسلمہ ہے۔ اللہ ہی مددگار رہے۔

چنانچہ ناقلین ابو الغادیہ جُہنی رضی اللہ عنہ کے ترجمے میں یہ کہتے ہیں کہ: (وہ جب معاویہ یا کسی اور کے پاس اجازت لیتے تو کہا کرتے: قاتلِ عمار دروازے پر ہے)، یا یہ کہ (وہ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت بیان کرنے سے احتراز نہیں کرتے تھے جب ان سے پوچھا جاتا)، یا پھر یہ جملہ کہ (وہ عمار کے قتل کا ذکر کر کے فخر جتاتے تھے)، اور اسی طرح کی دیگر تعبیریں جو سب ایک ہی مفہوم کے گرد گھومتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ابن عبد البر کی کتاب الاستیعاب ہی سے ماخوذ ہے۔

تو اے اہلِ فضل! کیا بہتر نہ ہوتا کہ آپ ابن عبد البر کے اس قول کو نقل کرنے سے پہلے اس پر نقد وتحقیق کا منہج اختیار کرتے؟!!

اور درست بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں ابو الغادیہ جُہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح ثابت نہیں، سوائے اس کے کہ وہ واقعی عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

سب سے پہلے ہم ابن عبد البر کے الاستیعاب میں اختیار کردہ منہج پر گفتگو کریں گے: ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ضعیف اور منکر روایات کو بہت وسعت کے ساتھ قبول کرتے ہیں، پھر انہی کو بنیاد بنا کر اعتماد کرتے ہیں اور انہیں ترجمے کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ یوں وہ اکثر اوقات انہی کمزور اور منکر خبروں سے کسی شخصیت کا تاریخی خاکہ مرتب کرتے ہیں۔ جو شخص ان کی کتاب الاستیعاب کو

تنقیدی نظر سے بار بار دیکھے، اس پر یہ بات بالکل نمایاں ہوجائے گی۔

جہاں تک ابن عبدالبر کے اس قول کا تعلق ہے کہ: (ابوالغادیہ جب بھی معاویہ یا کسی اور کے پاس جانے کے لیے اجازت لیتے تو کہتے: ''عمار کا قاتل دروازے پر ہے)، تو یہ بات دراصل دو خبروں پر مبنی ہے: ایک روایت مرثد بن عامر الہنائی نے بیان کی ہے اور دوسری محمد بن سائب کلبی نے۔

[۳۶۵] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَجَّاجٍ، ثنا مَرْثَدُ بْنُ عَامِرٍ الْهُنَائِيُّ، ثنا كُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ، قَالَ: كُنَّا بِوَاسِطِ الْقَصَبِ فِي مَنْزِلِ عَنْبَسَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيِّ، وَفِينَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ - فِي أُنَاسٍ - إِذْ جَاءَ إِذْنُ(٣) الْقَوْمِ فَقَالَ: إِنَّ قَاتِلَ عَمَّارٍ بِالْبَابِ. قَالَ: فَكَرِهَ بَعْضُ الْقَوْمِ، فَقَالَ: أَدْخِلُوهُ. فَدَخَلَ، فَإِذَا شَيْخٌ طُوَالٌ يَجُرُّ مُقَطَّعَاتٍ لَهُ، فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ أَدْرَكْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَإِنِّي لَأَنْفَعُ أَهْلِي وَأَرُدُّ عَلَيْهِمُ الْغَنَمَ. قَالَ: فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: يَا أَبَا غَادِيَةَ، كَيْفَ كَانَ أَمْرُ عَمَّارٍ؟ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ عَمَّارًا فِينَا حَنَانًا حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ اسْتَقْبَلَنِي يَقُودُ الْكَتِيبَةَ رَجُلًا، فَاخْتَلَفْتُ أَنَا وَهُوَ ضَرْبَتَيْنِ، فَبَدَرْتُهُ ضَرْبَةً، فَكَبَّ لِوَجْهِهِ، ثُمَّ اتَّبَعْتُهُ بِالسَّيْفِ فَقَتَلْتُهُ(٤).

ابن ابی عاصم نے روایت کیا: ہمیں ابراہیم بن حجاج نے حدیث سنائی، انہوں نے مرثد بن عامر الہنائی سے، اور انہوں نے کلثوم بن جبر سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: ہم واسِط القَصَب میں عنبسہ بن سعید قرشی کے مکان پر تھے، اور ہمارے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر بھی کچھ لوگوں کے ہمراہ موجود تھے کہ اتنے میں اہلِ مجلس کے آنے کی اجازت ملی۔ اجازت دینے والے نے کہا: عمار کا قاتل دروازے پر ہے۔ یہ سن کر بعض لوگ ناگوار سمجھنے لگے، لیکن کہا گیا: اسے اندر آنے دو۔ چنانچہ وہ داخل ہوا، تو ایک لمبا چوڑا بوڑھا شخص تھا جو اپنے چھوٹے چھوٹے کپڑے گھسیٹ رہا تھا۔ اس نے سلام

کیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، اور اس وقت بھی اپنے گھر والوں کے لیے نفع رساں تھا اور ان کے ساتھ مل کر بکریاں چراتا تھا۔ پھر بعض لوگوں نے کہا: اے ابو غادیہ! عمار کے بارے میں کیا معاملہ ہوا تھا؟ اس نے کہا: ہمارے نزدیک عمار نہایت عزیز تھے، لیکن جب صفین کا دن آیا تو وہ میرے سامنے ایک دستے کی قیادت کرتے ہوئے آئے۔ میرا اور ان کا آمنے سامنے مقابلہ ہوا، ہم نے دو ضربیں ایک دوسرے پر لگائیں، پھر میں نے ان پر وار کیا تو وہ منہ کے بل گر گئے، پھر میں نے تلوار کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں مُرشد اکیلا/منفرد ہے، اور اس پورے سیاق کے ضعیف ہونے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ (**قاتلِ عمار دروازے پر ہے**) کہنے والا دراصل اہلِ مجلس کا دربان (یعنی دروازے کا پہریدار) تھا، نہ کہ خود ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ۔

جیسا کہ بلاذری اور طبرانی کی روایت میں گزر چکا ہے: (دربان نے کہا: یہ ابو غادیہ جہنی رضی اللہ عنہ "دروازے"[5] پر ہیں، اور اس کی سند حسن ہے[6]۔

[۳٦٦] أَخْرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ حَبِيبِ بْنِ أُمَيَّةَ: حَدَّثَنِي أَبُو فِرَاسٍ مُحَمَّدُ بْنُ فِرَاسٍ (السَّامِيُّ)[7]، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ بِبَابِ الوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ فَأَقْبَلَ شَيْخٌ ضَخْمٌ أَحْمَرُ، بَيْنَ كَتِفَيْهِ مَكْتُوبٌ شَهِدَ فَتْحَ الفُتُوحِ - وَكَانُوا يُسَمُّونَ قَتْلَ عَمَّارٍ فَتْحَ الفُتُوحِ، فَقَالَ لِلْحَاجِبِ: اسْتَأْذِنْ لِي وَقُلْ: هَذَا أَبُو الغَادِيَةِ قَاتِلُ عَمَّارٍ قَالَ الكَلْبِيُّ: فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ وَقُلْتُ لَهُ: وَأَبِيكَ! لَقَدِ اسْتَسْمَنْتَ الخَصْمَ[5].

محمد بن حبیب بن اُمیہ نے روایت کیا: مجھے ابو فراس محمد بن فراس (سامی) نے بیان کیا، انہوں نے ہشام سے، اور انہوں نے اپنے والد سے کہ میں ولید بن

عبدالملک کے دروازے پر موجود تھا کہ ایک مضبوط جثے والا، سرخ رنگ کا بوڑھا آدمی آیا، جس کی دونوں مونڈھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: ''شھِدَ فَتحُ الفتوح'' اور وہ لوگ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو ''فتح الفتوح'' کہا کرتے تھے۔ اُس نے دربان سے کہا: ''میرے لیے اجازت طلب کرو اور کہہ دینا کہ یہ ابو الغادیہ ہے، قاتلِ عمار۔'' کلبی کہتا ہے: میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ''تیرے باپ کی قسم! تُو نے تو مخالف کو خوب موٹا کر دیا ہے۔

---

(۱) الاستیعاب (۱۷۲۵/۴)۔

(۲) جن لوگوں نے یہ عبارت ابن عبدالبر سے نقل کی، ان میں ابن الاثیر بھی ہیں، جنہوں نے اسے اسد الغابہ (۲۵۰/۶-۲۵۱) میں ذکر کیا لیکن ابن عبدالبر کی طرف اس کی نسبت نہیں کی۔ البتہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ (۶/۲۴۰) میں اس کو نقل کیا اور اسے ابن عبد البر کی طرف منسوب بھی کیا۔

اور حسینی نے الاکمال (۱۱۴۵) میں ابن عبدالبر سے اس کا مفہوم نقل کیا، مگر اس کی طرف نسبت نہیں کی۔

پھر ابن حجر نے تعجیل المنفعہ (۲/۵۱۹) میں حسینی سے یہ بات لی، جیسا کہ ان کا طریقہ ہے کہ انہوں نے الکمال (المقدسی) پر حسینی کی اضافات کو جمع کیا ہے، ملاحظہ ہو: مقدمہ التعجیل۔

اسی طرح البانی نے بھی اس بات کو مفہوم کے ساتھ نقل کیا، لیکن ابن عبدالبر کی طرف نسبت نہیں کی۔ البانی نے کہا: (ابو الغادیہ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے: جسے عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں ابن عون سے، اور وہ کلثوم بن جبر سے روایت کرتے ہیں کہ ہم واسط القصب میں عبدالاعلیٰ کے پاس تھے۔۔۔) پھر پوری روایت ذکر کی، جیسا کہ پہلے گزر چکا [۳۶۲]۔ ملاحظہ ہو: السلسلۃ الصحیحہ (۵/۱۹) تحت رقم (۲۰۰۸)۔ یوں وہ لوگ اس عبارت کو کبھی بعینہٖ اور کبھی مفہوم کے ساتھ، کسی کی طرف منسوب کر کے یا بغیر نسبت کے اپنی کتابوں میں نقل کرتے رہے، بغیر تحقیق اور نقد کے۔ اور البانی نے تو صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس پر اعتماد بھی کیا، اور اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے۔

جبکہ امام ذہبی نے بہترین رویہ اختیار کیا کہ انہوں نے ابن عبدالبر کے اس قول کو اپنی تمام تصنیفات میں ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے وقت بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔ دیکھیے: تاریخ الاسلام (۴/۱۳۵) اور سیر اعلام النبلاء (۲/۵۴۴)۔

(۳) 'ابونعیم کی معرفۃ الصحابہ اور توضیح المشتبہ میں ''آذن القوم'' کا مطلب ہے: دربان، دروازے کا محافظ، دروازے پر آنے جانے والوں کو روکنے والا۔ اور التاریخ الاوسط میں لفظ ''آذن'' آیا ہے۔

(۴) کتاب الآحاد والمثانی (۲۷۵) میں یہ سند اس سیاق کے ساتھ ضعیف ہے، کیونکہ مَرثَد بن عامر مجہول ہے۔ امام احمد نے اس کے بارے میں کہا ہے: میں اسے نہیں جانتا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۳۰۰)

التخریج:

اسے ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ میں روایت کیا ہے، جیسا کہ توضیح المشتبہ (۶/۴۰۹) میں ہے، اور ابونعیم نے بھی معرفۃ الصحابہ (۲۸۰۷/۵، رقم ۶۶۵۰) میں ابراہیم بن حجاج کے طریق سے روایت کیا ہے، مگر مختصر صورت میں، اور اس میں عمار رضی اللہ عنہ کے قتل

کی کیفیت کا ذکر نہیں کیا۔

اسے بخاری نے التاریخ الاوسط (۲۸۷) میں روایت کیا ہے: ہم سے حَرَمی بن حفص نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے مَرثد بن عامر نے بیان کیا...... مختصراً، اور اس میں ''آذن'' کا لفظ ہے بجائے (إذن القوم) کے۔ اسی طرح بخاری نے الاوسط (۱۱۳۹) میں روایت کیا ہے: ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے مرثد بن عامر الہنائی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے کُلثوم بن جُبر نے کہا: میں واسِط قصب میں عَنبَسہ بن سعید قرشی کے گھر پر تھا اور ہمارے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر قرشی بھی موجود تھے، اتنے میں ابوغادیہ داخل ہوئے جو صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔

(۵) (بالباب) کا لفظ صرف انساب الاشراف میں آیا ہے، طبرانی کے ہاں یہ موجود نہیں۔

(۶) حوالہ دیکھیں: [۳۵۹] حاشیہ اور [۳۶۱]۔

(۷) (السامی) مطبوعہ نسخوں میں تصحیف ہوکر ''السلمی'' بن گیا ہے، اور اس سے مراد ابوفراس محمد بن فراس بن محمد بن عطاء بن شعیث السامی ہیں، جو بنی سامہ بن لؤی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ نسب کے بڑے عالم تھے اور ان کی ایک کتاب ''نسب سامة بن لؤی'' کے نام سے تھی۔ انہوں نے ہشام بن کلبی سے روایت لی ہے۔

ان کے والد ''فراس'' خطیب تھے، اور ان کے دادا ''محمد بن عطاء'' پہلے ہشام بن عبدالملک کے اصحاب میں تھے، پھر ابوجعفر منصور کی مجالس میں شامل ہوگئے۔ ابن ماکولا نے ابوفراس محمد کی نسبی سند سامہ بن لؤی تک بیان کی ہے۔

شیخ بکر ابوزید فرماتے ہیں: ان کے پاس بنی سامہ کا نسب محفوظ تھا، ابن ماکولا نے اپنی کتاب ''الاکمال'' میں ان سے نقل کیا ہے۔ وہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں وفات پائے۔

ان کی تفصیلی سوانح کے لیے ملاحظہ کریں: الاکمال لابن ماکولا (۲/۵۸)، (۴/۵۵۷)، (۷/۴۵)، اور ''طبقات النسابین'' از شیخ بکر ابو زید (ص ۵۷۷)۔

(۸) **المحبَّر** (ص ۲۹۶) کی یہ روایت موضوع ہے، اور اس پر وضع کے آثار بالکل نمایاں ہیں۔ کلبی نے یہ جھوٹ بولا کہ اس نے صفین کو ''فتح الفتوح'' کا نام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ صفین کے لیے یہ نام کبھی معروف نہیں رہا، نہ محدثین کی زبانوں پر اور نہ ہی مؤرخین کے ہاں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ بلکہ جن لوگوں نے صفین میں شرکت کی تھی، وہ اس کا تذکرہ درد اور غم کے ساتھ کرتے تھے، نہ کہ فتح کے طور پر جیسا کہ کلبی نے دعویٰ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شقیق بن سلمہ (جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شریک تھے) نے کہا: ''میں صفین میں موجود تھا، اور وہ بڑی ہی بری صفون تھیں''، یعنی اس میں جو کچھ پیش آیا، وہ نہایت برا تھا۔ (دیکھیے: [۲۶۴])۔

ہشام یہی محمد بن سائب کلبی کا بیٹا ہے، اور وہ اور اس کا باپ دونوں رافضی اور متروک ومتہم تھے۔ ابن حجر نے محمد کلبی کے بارے میں کہا: جھوٹا ہونے کا الزام تھا اور رفض کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

فتح الفتوح: سے مراد وہ عظیم معرکہ ہے جو نہاوند (۲۱ھ) میں مسلمانوں اور مجوسی فارس کے درمیان سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مجوسیوں کو بدترین شکست دی، ان پر سخت قتل عام ہوا، ان کا سپہ سالار فیرزان بھاگ نکلا تو قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کر کے اسے جالیا اور قتل کر ڈالا۔ پھر فارس کے بادشاہ یزدجرد کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس جنگ کو فتح الفتوح اس لیے کہا گیا کہ اس کے بعد مجوسی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے معاملات کبھی مجتمع نہ ہو سکے۔ اس کے بعد مشرق میں فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے نہاوند میں مسلمانوں کے سالار سیدنا نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کو اپنی راہ میں شہادت کی نعمت عطا فرمائی۔ پس وہ اللہ کے اذن سے اس معرکہ کے پہلے شہید قرار پائے۔ یہ جنگ قادسیہ کے بعد لڑی گئی۔

اور محمد بن سائب سبئی تھا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ نہاوند کا معرکہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح الفتوح تھا اور مجوسیوں پر جو کچھ گزری، وہ سب ہوا، تو ہمیں بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کلبی سبئی نے کیوں ایسی افتراء پردازی کی۔

خلیفہ نے اپنی تاریخ (ص ۱۳۷) میں روایت بیان کی ہے: **ہم سے ایک سے زیادہ راویوں نے بیان کیا، انہوں نے ابوعوانہ سے،**

انہوں نے حصین سے، اورانہوں نے ابووائل سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: ''جلولاء کو فتح الفتوح کہا گیا۔''
اور جلولاء وہ معرکہ تھا جو امیر المؤمنین فاروق عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مجوسیوں کے لشکر کے خلاف لڑا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی مجوسیوں کو شکست فاش دی اور ان میں ایک لاکھ کے قریب مارے گئے۔ اس کا سنہ طبری نے ١٦ھ لکھا ہے جبکہ خلیفہ نے ١٧ھ ذکر کیا ہے۔ اور قادسیہ کی جنگ ١٥ھ میں ہوئی تھی۔ (تاریخ خلیفہ ص ١٣٧، تاریخ طبری ٢/ ٤٦٨)۔ اور قادسیہ کے بارے میں دیکھیں: تاریخ الاسلام (٣/١٤٢)۔
مزید آگے ملاحظہ کریں۔

[٣٦٧] وَقَالَ البَلَاذُرِيُّ: قَالَ هِشَامُ ابْنُ الكَلْبِيِّ: هُوَ [١] مُرِّيٌّ، حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا الغَادِيَةِ الْمُرِّيَّ أَيَّامَ الحَجَّاجِ بِوَاسِطَ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ [٢] مَكْتُوبٌ مِنْ خَلْفِهِ: شَهِدْتُ فَتْحَ الفُتُوحِ، يَعْنِي: صِفِّينَ [٣].

بلاذری نے کہا: ہشام بن کلبی نے بیان کیا: وہ (ابو الغادیہ) مُرّی تھے۔ مجھے میرے والد محمد بن سائب نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ابو الغادیہ مُرّی کو حجاج کے زمانے میں واسط میں دیکھا، اور ان کے اوپر ایک قباء تھی جس کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ''میں نے فتح الفتوح میں شرکت کی''، یعنی صفین۔

ان دونوں خبروں میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں بھی موجود تھے اور حجاج کے پاس بھی، لیکن یہ درست نہیں، بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں روایات من گھڑت ہیں۔ کیونکہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو ولید کی خلافت پائی [٤]، نہ ہی اس کے والد عبد الملک کی خلافت [٥]، اور نہ ہی حجاج کی عراق پر حکمرانی (جس میں واسط القصب شامل تھا) کو پایا [٦]۔ اس بات پر کہ انہوں نے رضی اللہ عنہ ان تمام ادوار کو نہیں پایا، چار امور دلالت کرتے ہیں:

- پہلا نکتہ یہ ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے واسط القصب میں، اس کے والی عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن عامر کے گھر میں حدیث بیان کی، اور ان کی ولایت خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی [٧]۔

- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امام ذہبی نے ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو ''طبقہ پنجم'' میں ذکر کیا ہے، یعنی وہ

لوگ جن کی وفات (۴۱ھ تا ۵۰ھ) کے درمیان ہوئی (۸)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کی وفات خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی نصف حصے میں ہوئی (۹)۔

- تیسرا نکتہ یہ ہے کہ امام ذہبی نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما کے ترجمے میں فرمایا ہے: (وہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے گواہوں میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے تھے (۱۰))۔ جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۰ھ (۱۱) کے بعد ہوئی، اور ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ بھی بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے۔ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔ میں نے پوچھا: کیا آپ کے دستِ مبارک پر؟'' فرمایا: ہاں۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عقبہ کے دن خطبہ دیا (۱۲))۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پا گئے ہوں، کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے آخری صحابی تھے جو دنیا سے رخصت ہوئے۔

- چوتھا نکتہ یہ ہے کہ وہ تمام روایات جن میں ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کا حجاج یا ان کے بعد کے کسی شخص مثلاً ولید بن عبدالملک سے ملاقات یا ان کا زمانہ پانا ذکر کیا گیا ہے، بالکل صحیح نہیں ہیں۔ یہ سب سخت ضعیف یا جھوٹے راویوں (۱۳) کی بیان کردہ روایات ہیں۔ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ ضعیف راوی جب بھی ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو واسط القصب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں تو وہ جادہ پر چلتے ہیں۔ کیونکہ واسط القصب کا نام حجاج سے خاص طور پر جڑ گیا تھا، کیوں کہ اس نے یہ شہر تعمیر کیا اور اس کا نام ''واسط'' رکھا۔ حتیٰ کہ وہ ''واسط الحجاج'' (۱۴) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پس یہ ضعیف راوی غلطی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو بھی واقعہ واسط القصب کے کسی والی کے ساتھ پیش آیا وہ لازماً حجاج کے ساتھ ہی ہوا ہوگا۔ غور وفکر کیجئے!

رہے جھوٹے راوی، تو وہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حجاج اور ان کے بعد کے لوگوں مثلاً ولید بن عبدالملک (۱۵) کے ساتھ من گھڑت قصے تراشتے ہیں۔

اور جہاں تک ابن عبدالبر کا یہ خاص ذکر ہے کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں (اجازت لے کر داخل ہوتے تھے اور کہا جاتا: ''عمار کا قاتل دروازے پر ہے''، تو مجھے

اس بات کا کوئی ماخذ نہیں ملا۔ نہ ہی ابن عبدالبر سے پہلے کسی کے ہاں یہ قول ملتا ہے۔ یہ ایسی خبر ہے جس کی کوئی بنیاد اور کوئی سند نہیں، اور اس کے متن میں بھی نکارت پائی جاتی ہے، لہٰذا یہ مردود ہے۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر گھڑے گئے جھوٹوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے۔

● جہاں تک ابن عبدالبر کے اس قول کا تعلق ہے کہ (ابوغادیہ رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کو بیان کرتے وقت اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے)، تو یہ بات درست نہیں۔ آخر ابن عبدالبر کو کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے پرواہ نہیں کی؟ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے محض اس واقعہ کا حال بیان کیا اور ذکر کیا کہ انہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اور یہ انہیں اس وقت معلوم نہ تھا کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ ہیں، بلکہ بعد میں پتا چلا۔ اس سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ جب ابوغادیہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ جہالت کو اپنی طرف سے ایک عذر کے طور پر پیش کر رہے تھے۔ ہم نے یہ واقعہ متعدد الفاظ کے ساتھ ایک حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، جن میں سے کسی روایت میں بھی بے پروائی یا عدمِ پرواہ کا کوئی اشارہ نہیں، بلکہ سب میں جہالت کو عذر کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا ابن عبدالبر کا یہ فہم محض ان کی اپنی رائے ہے، جس پر موافقت نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی حدیث میں اس کی کوئی دلیل قریب یا بعید سے پائی جاتی ہے۔

ابوغادیہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ امیر عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے گھر میں بیان کیا تھا، اور اسے ان سے کلثوم بن جبر نے روایت کیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق ہمیں کسی صحیح سند کے ذریعے یہ ثابت نہیں ملتا کہ انہوں نے یہ واقعہ اس ایک مرتبہ کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی بیان کیا ہو، اور نہ ہی یہ کہ کلثوم کے علاوہ یا وہ مبہم ابوحفص کے سوا کسی اور نے ان سے اسے روایت کیا ہو۔ ان دونوں نے بھی صرف وہی واقعہ نقل کیا ہے جو انہوں نے عبدالاعلیٰ کے گھر میں بیان کیا تھا۔

---

(۱) یعنی: ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) القباء: ایسا لباس جس کے کنارے سب اکٹھے ہوں۔ تاج العروس (۲۶۶/۳۹)، مادہ: قبو۔

(۳) انساب الاشراف (۳۱۱/۲) یہ بھی اپنے سابق کی طرح موضوع ہے۔

(۴) ولید بن عبدالملک بن مروان نے اپنے والد کے بعد خلافت سنبھالی اور ۹۶ھ میں وفات پائی۔ وہ دس سال اور چار ماہ کم خلافت پر فائز رہا۔ سیر اعلام النبلاء (۳۴۷/۴)۔

(۵) عبدالملک بن مروان بن حکم کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی۔ ابن حجر فرماتے ہیں: انہوں نے تیرہ برس تک بلا شرکتِ غیرے حکومت کی، اور اس سے پہلے نو برس تک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع میں مبتلا رہے۔ التقریب (۴۲۱۳)۔

(٦) حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ٧٣ھ کے آخر میں قتل کیا۔(سیر اعلام النبلاء ٣/ ٢٣٢)۔حجاج کو عراق کی ولایت اس کے بعد ہی ملی، کیونکہ عبدالملک بن مروان نے اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد ہی عراق کا گورنر بنایا۔(تاریخ دمشق ١٢/ ١١٣)۔جب حجاج نے عراق کا انتظام سنبھالا تو اس نے واسط شہر کو واسط القصب کے قریب تعمیر کیا۔غالب گمان ہے کہ پرانا شہر باقی رکھا یا اس کا کچھ حصہ منہدم کیا۔حجاج نے واسط کی تعمیر ٨٤ھ میں شروع کی اور ٨٦ھ میں مکمل کی، یعنی دو سال میں اس کی عمارت مکمل کی، اور اسی سال عبدالملک بن مروان کی وفات ہوئی۔معجم البلدان (٥/ ٣٤٨)۔اصمعی کہتے ہیں: حجاج نے واسط دو سال میں بنایا اور ٨٦ھ میں اس کی تکمیل کی۔(تاریخ الاسلام ٦/ ٣٢٥طبع بشار عواد ٢/ ١٠٧٧)۔

حجاج کی وفات ٩٥ھ میں ہوئی اور اس کی ولایتِ عراق بیس برس تک قائم رہی۔تاریخ الاسلام (٦/ ٣١٦،٣٢٦)۔

(٧) اس کی تفصیل [٣٥٩] کے بعد گزر چکی ہے۔

(٨) تاریخ الاسلام (٤/ ١٣٥) [(٢/ ٤٤٨) ط بشار عواد]۔

(٩) اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن ٦٠ ہجری میں ہوئی۔

(١٠) سیر اعلام النبلاء (٣/ ١٨٩)۔

(١١) یہ ابن حجر نے التقریب (١٧٨) میں کہا ہے، اور ابن عبدالبر نے کہا: ان کا انتقال سنہ (٧٤ھ) میں ہوا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ (٧٨ھ) میں ہوا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سنہ (٧٧ھ) میں ہوا۔

(١٢) دیکھو: [٣٥٩]۔

(١٣) ضعیف راویوں کی روایات کے لیے دیکھیے: [٣٦٨] [٣٦٩]۔اور کذابوں کی روایات کے لیے دیکھیے: [٣٦٦] [٣٦٧]۔

(١٤) یاقوت حموی نے ذکر کیا ہے کہ کئی شہر ایسے ہیں جن کا نام ''واسط'' ہے، پھر کہا: (ان میں سب سے بڑا اور سب سے مشہور واسط الحجاج ہے)۔معجم البلدان (٥/ ٣٤٧) میں معمولی تصرف کے ساتھ۔

(١٥) دیکھو: [٣٦٦] [٣٦٧]۔

اور میں دو ایسی روایتوں سے واقف ہوا ہوں جو سخت درجے کی نکارت رکھتی ہیں:

[٣٦٨] قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: بَيْنَمَا الحَجَّاجُ جَالِسٌ إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ يُقَارِبُ الخُطَا، فَلَمَّا رَآهُ الحَجَّاجُ قَالَ: مَرْحَبًا بِأَبِي غَادِيَةَ. وَأَجْلَسَهُ عَلَى سَرِيرِهِ وَقَالَ: أَنْتَ قَتَلْتَ ابْنَ سُمَيَّةَ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: كَيْفَ صَنَعْتَ؟ قَالَ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا حَتَّى قَتَلْتُهُ. فَقَالَ الحَجَّاجُ: يَا أَهْلَ الشَّامِ، مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ طَوِيلِ البَاعِ يَوْمَ القِيَامَةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا. ثُمَّ سَارَّهُ أَبُو الغَادِيَةِ فَسَأَلَهُ شَيْئًا، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَقَالَ أَبُو الغَادِيَةِ: نُوَطِّئُ لَهُمُ الدُّنْيَا ثُمَّ نَسْأَلُهُمْ مِنْهَا فَلَا يُعْطُونَنَا، وَيَزْعُمُ أَنِّي طَوِيلُ البَاعِ يَوْمَ القِيَامَةِ، أَجَلْ، وَاللهِ إِنَّ مَنْ ضِرْسُهُ مِثْلَ أُحُدٍ، وَفَخِذُهُ مِثْلَ وَرِقَانَ[1]،

وَ مَجۡلِسُهُ مَا بَيۡنَ الۡمَدِينَةِ وَ الرَّبَذَةِ(۲) لَعَظِيمُ البَاعِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ(۳).

ابن حجر نے کہا: ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے محمد بن ابی معشر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے، وہ کہتے ہیں: ایک دن حجاج بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آتا دکھائی دیا جو چھوٹے چھوٹے قدموں سے چل رہا تھا۔ جب حجاج نے اسے دیکھا تو کہا: خوش آمدید اے ابو غادیہ! پھر اسے اپنے تخت پر بٹھایا اور کہا: کیا تم نے ابن سمیہ (یعنی عمار رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ حجاج نے پوچھا: کیسے کیا تھا؟ اس نے جواب دیا: یوں یوں کیا یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ س پر حجاج نے کہا: اے شام والو! جسے یہ دیکھ کر خوشی ہو کہ قیامت کے دن ایک لمبے بازو والے شخص کو دیکھے، وہ اس کو دیکھ لے۔ پھر ابو غادیہ نے حجاج سے کان میں کچھ کہا اور کوئی چیز مانگی، مگر حجاج نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابو غادیہ نے کہا: ہم تو ان لوگوں کے لیے دنیا کو صاف ستھرا کر دیتے ہیں، پھر جب ہم ان سے کچھ مانگتے ہیں تو یہ ہمیں کچھ نہیں دیتے، اور وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قیامت کے دن میں لمبے بازو والا ہوں گا! ہاں، بخدا! وہ شخص جس کا ایک دانت احد پہاڑ کے برابر ہو، اور جس کی ران وِرقان پہاڑ کے برابر ہو، اور جس کی مجلس مدینہ سے ربذہ تک محیط ہو، وہی تو قیامت کے دن لمبے بازو والا ہوگا۔

---

(۱) وَرِقَان: ایک عظیم پہاڑ ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ۷۰ کلومیٹر جنوب کی جانب واقع ہے۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان (۵/۳۷۲)، تاج العروس (۲۶/۴۶۳) مادہ: ورق: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ص ۳۳۳۔

(۲) الرَّبَذَة: مدینہ منورہ کے نواحی دیہات میں سے ایک ہے، جو تین دن کی مسافت پر، مکہ مکرمہ کے راستے پر ذاتِ عرق کے قریب واقع ہے۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان (۳/۲۴)، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ص ۱۳۵۔

(۳) الاصابہ (۷/۳۱۲) میں ہے: یہ بات جھوٹ ہے اور اس پر وضع (گھڑت) کی علامات بالکل نمایاں ہیں۔ ابن حجر نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: (یہ روایت منقطع ہے، اور ابو معشر ضعیف ہیں، ان میں تشیع بھی پایا جاتا ہے، پھر بڑھاپے میں اختلاط کا بھی شکار

ہو گئے تھے، اور اس اضافی حصے میں سخت تشنیع موجود ہے)۔ ابو معشر کا نام نجیح بن عبدالرحمن السندی ہے۔ وہ ضعیف تھے، عمر رسیدہ ہوئے اور پھر اختلاط میں مبتلا ہو گئے۔ یہی خبر ابن ابی الدنیا کے واسطے سے اسد الغابہ (٢٥١/٦) میں بھی مذکور ہے۔

[٣٦٩] وَجَاءَ فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ: قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ، قَالَ ابْنُ شَوْذَبٍ: حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي زِيَادٍ قَالَ: رَأَيْتُ قَاتِلَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ بِوَاسِطِ الْقَصَبِ مَعَ الْحَجَّاجِ، رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ، عَلَيْهِ مُقَطَّعَاتٌ لَهُ، وَهُوَ يُحَدِّثُ كَيْفَ كَانَ قَتْلُهُ إِيَّاهُ، قَالَ: حَجَجْتُ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ، فَأَتَيْتُ خِيَامًا، فَإِذَا رَجُلٌ عَلَيْهِ جَمَاعَةٌ، وَهُوَ يَعِيبُ عُثْمَانَ، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ، فَأْذَنْ أَنْ تُوَلِّيَنِي دَمَهُ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ، فَقَصَدْتُ إِلَيْهِ بِالرُّمْحِ، فَطَعَنْتُهُ، فَأَقْتُلُهُ(١).

تاریخِ دمشق میں آیا ہے: یعقوب بن شَیبَہ نے کہا: ہمیں ہارون بن معروف نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں ضَمرہ نے حدیث بیان کی، کہا: ابن شوذب نے ہمیں خبر دی، کہا: اس نے ابوالمنہال سے، اور انہوں نے ابو زیاد سے روایت کی۔ ابو زیاد کہتے ہیں: میں نے واسطِ القَصَب میں حَجّاج کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قاتل کو دیکھا، وہ جُہَینہ قبیلے کا ایک شخص تھا، اس پر پھٹے پرانے کپڑے تھے، اور وہ یہ بیان کر رہا تھا کہ کس طرح اس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اس نے کہا: میں نے خلافتِ عثمان کے زمانے میں حج کیا، تو میں کچھ خیموں کے پاس آیا، وہاں ایک شخص بیٹھا تھا جس کے گرد لوگ جمع تھے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کر رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے اس کے خون کا ذمہ دار بنا دے۔ پھر جب صفین کا دن آیا تو میں نے اسے دیکھا اور سیدھا اس کی طرف نیزہ لے کر بڑھا، میں نے اسے چھیدا اور یوں اسے قتل کر دیا۔

ابو زیاد کا یہ زعم ہے کہ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر ''خیموں'' (یعنی مکہ

میں) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے سنا تھا، اور یہ بات غلط ہے۔ صحیح بات جیسا کہ ابن سعد کی دونوں روایتوں میں ہے یہ ہے کہ یہ واقعہ مسجدِ قباء (مدینہ منورہ میں) پیش آیا تھا(۲)۔

اسی طرح اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ حجاج کے پاس تھے، اور یہ بھی غلط ہے۔ درست بات یہ ہے کہ وہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے پاس تھے(۳)۔

ہم پہلے(۴) ذکر کر چکے ہیں کہ ضعیف راوی جب حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا واسط القصب میں پیش آنے والا واقعہ بیان کرتے ہیں تو جادہ پر چلنے لگتے ہیں، کیونکہ اس کا گہرا تعلق حجاج سے ہے جس نے یہ شہر تعمیر کیا تھا؛ لہٰذا ضعیف راوی یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ واسط القصب کے کسی بھی گورنر کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ لازماً حجاج ہی کے ساتھ تھا۔

ابن عبدالبر نے جب حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا:
(وہ اپنے قتلِ عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرتے تھے تو اس پر کوئی پروا نہیں کرتے تھے)، تو دراصل انہوں نے انہی سابقہ روایات (یا ان میں سے بعض) پر اعتماد کیا ہے۔

- رہا ابن ابی عاصم کی روایت تو اس میں ہے: (چنانچہ بعض لوگوں نے کہا: اے ابو الغادیہ! عمار کا معاملہ کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہم عمار کو اپنے لیے نرمی و محبت کا باعث سمجھتے تھے، یہاں تک کہ جب صفین کا دن آیا......)(۵)۔

- اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں یہ ہے کہ حجاج نے ہی ان سے پوچھا:
(کیا تم نے ابن سمیہ کو قتل کیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ اس نے پوچھا: تم نے کیسے کیا؟ انہوں نے کہا: ''میں نے یہ کیا، وہ کیا، یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا)۔

- اور یعقوب بن شیبہ کی روایت میں یہ ہے: (میں نے قاتلِ عمار کو حجاج کے ساتھ دیکھا...... وہ یہ بیان کر رہا تھا کہ اس نے کس طرح عمار کو قتل کیا تھا)۔ لیکن اس روایت میں کوئی سوال و جواب موجود نہیں ہے۔

اور اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ابن عبدالبر کا یہ قول درست نہیں ہے: (وہ اجازت طلب کرتا اور کہا جاتا: قاتلِ عمار دروازے پر ہے، اور وہ جب اپنے قتلِ عمار کے بارے

میں پوچھا جاتا تو بے پروائی سے بیان کرتا)۔ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے تراجم کے بیان میں ضعیف اور منکر روایات پر اعتماد کیا ہے۔اللہ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے۔ پھر ان کے بعد آنے والوں نے بھی اسے نقل کیا، یہاں تک کہ بعض قارئین یہ گمان کرنے لگے کہ یہ کوئی صحیح بات ہے۔اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

● رہا ابن عبدالبر کا یہ کہنا: (اور اس کی کہانی اہلِ علم کے نزدیک عجیب وغریب ہے)، تو مجھے کسی اور کا تعجب کرنا معلوم نہیں ہوا سوائے تین افراد کے:

◆ اوّل: خود ابن عبدالبر، اور جو بھی ان سے یہ غلط بات نقل کرتا ہے، خواہ انہی کے الفاظ میں ہو یا بالمعنیٰ، چاہے اس کی نسبت صراحت کے ساتھ ان کی طرف کرے یا نہ کرے۔

◆ دوم: وہ نبطی شخص جو عبدالاعلیٰ کے دربار میں موجود تھا۔ وہ ایک عام آدمی تھا، غالب گمان ہے کہ امیر کا دربان یا خادم تھا۔اس نے کہا: '(پانی کو شیشے میں پینے سے تو وہ پرہیز کرتا ہے، لیکن عمار کو قتل کرنے سے پرہیز نہ کیا!)۔

◆ سوم: کلثوم بن جبر، جو ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے۔اس نے کہا: (میں نے اپنی نظر میں اس سے زیادہ گمراہی والے شخص کو نہیں دیکھا؛ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست سنتا ہے، اور پھر عمار کو قتل کرتا ہے!!) البتہ طبرانی کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ کہنے والا دراصل وہی نبطی شخص تھا، نہ کہ کلثوم بن جبر (٦)۔ واللہ اعلم۔

رہا امام ذہبی کا قول: [ہشام بن عمار نے کہا، ہم سے سعید بن یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حسن بن دینار نے بیان کیا، کلثوم بن جبر کے واسطے سے، وہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''عمار کا قاتل جہنم میں ہوگا۔'' (پھر ذہبی نے کہا): [یہ بہت عجیب بات ہے، کیونکہ عمار کو تو ابو الغادیہ ہی نے قتل کیا تھا] (٧)۔

تو دراصل ذہبی کا تعجب عمار کے قاتل (ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ) سے نہیں ہے، بلکہ حسن بن دینار کے اندھے دل پر ہے کہ وہ ایسی سخت منکر روایت بیان کرتا ہے اور اسے سمجھ ہی نہیں پاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ واقعی عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، لیکن یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی روایت نہیں ہے۔

گویا ذہبی کہنا چاہتے ہیں: ”تعجب ہے حسن بن دینار پر، اس کا دل کتنا اندھا ہے!“

البانی نے فرمایا: (یہ حسن بن دینار کے گھپلے/تخالیط میں سے ہے، کیونکہ یہ حدیث ابوالغادیہ کی براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان عمرو بن العاص ہیں (٨))۔

اورحسن بن دینار کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وکیع اور ابن مبارک نے اسے ترک کردیا، اور امام احمد وامام یحییٰ (بن معین) نے اسے جھوٹا قرار دیا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعے کو اجتہاد اور تاویل کے دائرے میں نہیں لوٹایا، اسی وجہ سے وہ تعجب میں پڑے۔ ان کا تعجب اس بات پر تھا کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے خود نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سنا تھا: میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، پھر بھی انہوں نے صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا۔ لیکن اگر اس کو اجتہاد اور تاویل کے دائرے میں لوٹا دیا جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں رہتی۔ مزید یہ کہ یہ حدیث صرف ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے نہیں سنی تھی بلکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسے سنا تھا، بلکہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کے قتل اور فتنوں کے وقت قتال سے ممانعت والی احادیث ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سن رکھی تھیں، اس کے باوجود وہ بھی جنگِ صفین میں شریک ہوئے۔ پس جب ان جنگوں کا مرجع اجتہاد ہے تو پھر کوئی حیرت کی بات نہیں۔ والحمدللہ۔

یہ خود امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے فتنہ کے وقت قتال کی ممانعت والی حدیث، اہبان بن صیفی اور محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہما(٩) سے سنی تھی۔ اسی طرح نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا: **(تمہارے اور عائشہ کے درمیان ایک معاملہ پیش آئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”کیا وہ معاملہ میرے ساتھ ہوگا، اے اللہ کے رسول؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پوچھا: ”کیا واقعی میرے ساتھ؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”تو کیا میں ان میں سب سے زیادہ بدبخت ہوں گا، اے اللہ کے رسول؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، لیکن جب وہ وقت آئے تو تم انہیں ان کے محفوظ مقام تک پہنچا دینا)**(٢)۔ اس

کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر وہ جنگیں لڑیں۔

امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، اس وقت جب میں نے اپنی سواری کے پاؤں رکاب میں رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: ’’عراق کی طرف مت جائیے، مجھے ڈر ہے کہ وہاں آپ تلوار کی زد میں آجائیں گے۔‘‘ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ’’قسم بخدا! مجھے اس کی خبر خود رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔‘‘ ابوالاسود (١١) نے کہا: ’’آج تک میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص خود اپنی ہلاکت کی خبر دے اور پھر بھی لڑائی کے لیے روانہ ہو جائے!!‘‘) (١٢)

حسن رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کو جنگ سے اجتناب کی نصیحت کی تھی، لیکن انہوں نے ان کی بات قبول نہ کی، اس کے باوجود وہ دونوں بھی اجتہاد کی بنیاد پر ان کے ساتھ ان کی جنگوں میں شریک ہو گئے۔ تو پھر ابن عبد البر کے معیار کے مطابق اس پورے معاملے میں تعجب کیوں نہیں ہونا چاہیے؟

علی رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کا وہ خطبہ سنا جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا، جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ شریک تھے،،،،

[٣٧٠] أَخْرَجَ البُخَارِيُّ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟"، قَالُوا: يَوْمٌ حَرَامٌ. قَالَ: "فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟"، قَالُوا: بَلَدٌ حَرَامٌ. قَالَ: "فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟". قَالُوا: شَهْرٌ حَرَامٌ. قَالَ: "فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا"، فَأَعَادَهَا مِرَارًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟" - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلَى أُمَّتِهِ -، "فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ

الغَائِبَ، لَاتَرْجِعُوابَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (۱۳)".

امام بخاری نے روایت کیا: ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن سعید نے، ان سے فضیل بن غزوان نے، ان سے عکرمہ نے، اوران سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کولوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا: حرمت والا دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' لوگوں نے کہا: حرمت والا شہر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: حرمت والا مہینہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تمہارے خون، تمہارے مال اورتمہاری عزتیں تم پراسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت، اس شہر کی حرمت اور اس مہینے کی حرمت ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو بار بار دہرایا۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت کے نام وصیت تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پس موجود لوگ غیر موجود تک یہ بات پہنچا دیں، خبردار! میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

پس علی، عمار، ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی وہی بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی جو ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ نے سنی تھی، تو پھر ابن عبدالبر کے معیار کے مطابق اس میں تعجب کیوں نہیں ہونا چاہیے؟

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اصول کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ: ''اگر حاکم اجتہاد کرے......'' تو تعجب اور حیرت کی گنجائش باقی نہیں رہتی، کیونکہ قتل اور قتال اجتہاد اور تأویل کی

بنیاد پر ہوا تھا۔ قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ نے جو بات سنی تھی [۱۴]، وہی عمار رضی اللہ عنہ نے بھی سنی تھی۔ اور جب ہم صفین میں پیش آنے والے واقعات کی توضیح وتشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ اجتہاد پر قائم کرتے ہیں، تو قدم لغزش سے بچ جاتا ہے، دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور حق کے حکم کی تعمیل ممکن ہو جاتی ہے: ''اور جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے پہلے گزر گئے، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بے شک نہایت شفیق، مہربان ہے'' (الحشر: ۱۰)۔ پس ابن عبدالبر اور اُن کے متبعین کا یہ طرزِ کلام صحابہ پر طعن ولمز کے دروازے کو کھول سکتا ہے، جو کہ حرام ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اسی کے ساتھ ہم بحمد اللہ حافظ ابن عبدالبر کے کلام پر اپنا جواب مکمل کرتے ہیں۔

---

(۱) تاریخِ دمشق (۱۳۹/۷۴) کی یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے، کیونکہ یہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ ابوالمنہال اور ان کے شیخ ابوزیاد کو میں نے کہیں نہیں پایا، اور اس روایت میں قاتلِ عمار رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

ضَمرہ سے مراد ابنِ ربیعہ ہیں، اور ابنِ شوذب سے مراد عبداللہ بلخی ہیں۔

نعیم بن حماد، عن ضَمرہ عن بنِ شوذب عن بو المنھال عن ابی زیاد عن عب الأحبار کی سند سے بھی منکر خبریں روایت کرتے ہیں۔

دیکھیے: کتاب الفتن (۲۳۱)(۲۷۱)(۲۹۷)(۱۰۳۴)۔

(۲) دیکھو: [۳۵۸][۳۵۹]۔

(۳) دیکھو: [۳۵۸] سے [۳۶۲] تک۔

(۴) صفحہ (۷۴۴) میں۔

(۵) دیکھو: [۳۶۵]۔

(۶) دیکھو: [۳۶۱]۔

(۷) یہ روایت میزان الاعتدال (۱/۴۸۸-۴۸۹) میں آئی ہے اور لسان المیزان (۲/۲۰۴) میں بھی مذکور ہے۔ دونوں نے اس حدیث کو حسن بن دینار کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث ابن عدی نے الکامل (۲/۳۰۰) میں ہشام بن عمار کی سند سے نقل کی ہے، اور یہ ابن ابی حاتم کی العلل (۲۷۶۹) میں بھی موجود ہے۔

(۸) السلسلۃ الصحیحہ (۲۰/۵) تحت رقم (۲۰۰۸)۔

(۹) دیکھو: [۱۲۸][۲۲۹]۔

(۱۰) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (۲۷۱۹۸)، ابن حجر نے اسے حسن قرار دیا ہے، جبکہ شعیب الارناؤوط نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دیکھیے: فتح الباری (۵۵/۱۳)۔

(۱۱) وہ علی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرنے والا راوی ہے۔
(۱۲) دیکھو: [۲۵۶]۔
(۱۳) صحیح البخاری (۱٦۵۲)۔
(۱۴) وهو قول النبي: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

● ساتواں مطلب: عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر معاویہ، عمرو، اُن کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ شام کے لشکر کا موقف:

[۳۷۲] أَخْرَجَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا قُتِلَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ دَخَلَ عَمْرُو بْنُ حَزْمٍ عَلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَقَالَ: قُتِلَ عَمَّارٌ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ. فَقَامَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَزِعًا يَرْجِعُ مع[1] حَتَّى دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: قُتِلَ عَمَّارٌ!! فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَدْ قُتِلَ عَمَّارٌ، فَمَاذَا؟ قَالَ عَمْرُو: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ!!" فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: دُحِضْتَ فِي بَوْلِكَ، أَوَ نَحْنُ قَتَلْنَاهُ؟ إِنَّمَا قَتَلَهُ عَلِيٌّ وَأَصْحَابُهُ، جَاءُوا بِهِ حَتَّى أَلْقَوْهُ بَيْنَ رِمَاحِنَا، -أَوْ قَالَ: بَيْنَ سُيُوفِنَا[2].

امام احمد نے روایت کیا: ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا، کہا: ہمیں معمر نے ابن طاؤس سے، انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں: جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عمرو بن حزم، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پاس داخل ہوئے اور کہا: "عمار قتل کر دیے گئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "انہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" یہ سنتے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پیچھے پلٹتے ہوئے

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''عمار قتل کر دیے گئے ہیں!!'' معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو عمار تو قتل ہو گئے، اس میں نئی بات کیا ہے؟'' عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: 'انہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا!!'' اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ تو تمہاری اپنی اُلجھن ہے! کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں تو علی اور ان کے ساتھی قتل کرنے لائے، وہی انہیں لے کر آئے یہاں تک کہ ہماری نیزوں یا تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔''

طبری کی روایت میں یہ بات بھی آئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (''کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ عمار کو تو اس نے قتل کیا ہے جو اُسے (میدانِ جنگ میں) لے کر آیا تھا''۔ چنانچہ لوگ اپنے خیموں اور قیام گاہوں [۳] سے نکل آئے [۴] اور کہنے لگے: ''عمار کو تو دراصل اسی نے قتل کیا ہے جو اُسے یہاں لے کر آیا تھا'' [۵])۔

عمرو بن العاص اور اُن کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہما، دونوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر شدید نکیر کی، اور خود عمرو رضی اللہ عنہ اُن کی شہادت سے سخت ششدر اور مضطرب ہو گئے۔

رہا معاملہ عمرو رضی اللہ عنہ کا تو انہوں نے ابنِ حُوَیّ پر عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی سخت نکیر کی اور اسے کہا: (خدا کی قسم! تیرے ہاتھوں نے کوئی کامیابی نہیں پائی، اور یقیناً تو نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے [۶])۔

اور رہے اُن کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ تو انہوں نے اُن دونوں پر نکیر کی جو عمار رضی اللہ عنہ کا سر لے کر جھگڑ رہے تھے۔ انہوں نے ان دونوں سے کہا: تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی خاطر اس (سر) کے ذریعے اپنی جان کی تسکین چاہتا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے: ''عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا'' [۷]۔

(نیز آگے آنے والی روایات بھی ملاحظہ ہوں[۸])۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی ایک تاویل کی، اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ عمرو اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہما اس معاملے پر زیادہ بحث کریں، تاکہ لشکر کی ہمتیں کمزور نہ پڑ جائیں۔ اسی وجہ سے ان کے جوابات نہایت سخت اور دوٹوک تھے۔ چنانچہ عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا: تم تو اپنی ہی پیشاب میں پھنسا دیے گئے ہو! تم برابر کوئی نہ کوئی مشکل بات ہمارے سامنے لے آتے ہو۔ اور جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے والد کے سامنے گفتگو کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمرو! کیا تمہارا یہ مجنون[۹] ہمیں کچھ فائدہ دے رہا ہے؟ پھر انہوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ڈانٹتے ہوئے کہا: تو پھر خود ہمارے ساتھ کیوں ہے؟ اس پر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا جو ان کے دل میں صفین کے تمام حالات اور قتال سے سخت نفرت کو ظاہر کرتا تھا۔ انہوں نے کہا: میری شکایت میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''جب تک تمہارے والد زندہ ہیں ان کی اطاعت کرتے رہو، ان کی نافرمانی نہ کرنا۔'' پس میں تمہارے ساتھ ہوں مگر قتال میں شریک نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ شام عمار رضی اللہ عنہ کے قتل اور اُس حدیث سے سخت حیران تھے جس میں آیا تھا کہ انہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل میں انہیں ایسا سہارا مل گیا جس نے جنگ میں ان کے حوصلے ٹوٹنے سے بچا لیے۔ کیونکہ جنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری تھی اور ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، اور جنگ میں یا تو غالب ہونا ہوتا ہے یا مغلوب۔ اگر ان کے حوصلے ٹوٹ جاتے تو اہلِ عراق کی تلواریں انہیں پیس ڈالتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے فوراً (معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تاویل کو) لشکرِ شام میں پھیلایا۔ چنانچہ وہ اپنے خیموں سے نکل آئے اور بلند آواز سے پکارنے لگے: (عمار کو تو اسی نے قتل کیا ہے جو اُسے یہاں لے کر آیا ہے)۔ اس طرح شامی لشکر کے حوصلے بچا لیے گئے۔

ابنِ کثیر کہتے ہیں: (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو تو اُس نے قتل کیا ہے جو اُسے ہماری تلواروں کے سامنے لایا، نہایت ہی دُور از قیاس تاویل ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات درست مانی جائے تو پھر ہر وہ سپہ سالار قاتل ٹھہرتا جو اپنے لشکریوں کو دشمن کی تلواروں کے سامنے

پیش کرتا ہے حالانکہ وہ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں (۱۰))۔

ابن القیم کہتے ہیں: (جنگِ جمل اور صفین کے لوگ دراصل قرآن کے فہم ہی پر آپس میں برسرِ پیکار ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ قرآن کے ذریعے دلیل پکڑ رہے تھے اور کچھ دوسرے بھی قرآن ہی کے ذریعے استدلال کر رہے تھے۔ ہاں! البتہ باطل تاویل یہ تھی جو اہلِ شام نے حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ ''تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا'' کے بارے میں کی۔ انہوں نے کہا: ''ہم نے تو عمار کو قتل نہیں کیا، اسے تو وہ قتل کر گیا جس نے اُسے یہاں لا کر ہماری نیزوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔'' یہ تاویل حقیقتِ لفظ اور اس کے ظاہر کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ قاتل تو وہ ہے جس نے براہِ راست قتل کیا، نہ کہ وہ جس نے کسی کو اپنے ساتھ مددگار بنا کر بلایا۔ اسی لیے اہلِ حق نے ان کے اس دعوے کو رد کیا اور کہا: ''اگر تمہاری بات مان لی جائے تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ہی حضرت حمزہ اور اُن شہداء کے قاتل ہوں، کیونکہ وہی انہیں لے کر آئے تھے یہاں تک کہ وہ مشرکین کی تلواروں کے نیچے شہید کر دیے گئے (۱۱)۔''

شام کے لشکر میں عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں بحث و تکرار جنگ کے ختم ہونے اور دونوں فوجوں کے منتشر ہو جانے کے بعد بھی جاری رہی۔ عمرو اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تاویل پر مطمئن نہ ہوئے جو انہوں نے اُس باغی گروہ کے بارے میں کی تھی جس کے ہاتھوں عمار رضی اللہ عنہ قتل ہوئے، یعنی: ''عمار کو تو اسی نے قتل کیا ہے جو اُسے لے کر آیا تھا''۔ عمرو اور ان کے صاحبزادے رضی اللہ عنہما اس بات پر مُصر تھے کہ باغی گروہ تو درحقیقت شام کی فوج ہی ہے، اور وہ اس تاویل کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بعد واپسی کے سفر میں بھی بحث کرتے رہے۔ اس کی دلیل عبداللہ بن حارث بن نوفل کا وہ قول ہے جو آگے آنے والی دو حدیثوں میں مذکور ہے۔

[۳۷۳] أَخْرَجَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: إِنِّي لَأَسِيرُ مَعَ مُعَاوِيَةَ فِي مُنْصَرَفِهِ مِنْ صِفِّينَ، بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: يَا أَبَتِ، مَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لِعَمَّارٍ: وَيْحَكَ يَا ابْنَ

سُمَيَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ ؟ قَالَ : فَقَالَ عَمْرُو لِمُعَاوِيَةَ : أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ هَذَا؟ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : لَا تَزَالُ تَأْتِينَا بِهَنَةٍ(۱۲)، أَنَحْنُ قَتَلْنَاهُ؟ إِنَّمَا قَتَلَهُ الَّذِينَ جَاءُوا بِهِ(۱۳).

امام احمد نے روایت کیا: ہم سے ابو معاویہ نے بیان کیا، ان سے اعمش نے، ان سے عبدالرحمن بن زیاد نے، ان سے عبداللہ بن حارث نے روایت کیا، انہوں نے کہا: میں صفین سے واپسی پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا، اور ان کے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس موقع پر عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا: اے والد! کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ: ''افسوس اے ابن سمیہ! تجھے باغی جماعت قتل کرے گی؟'' عمرو رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نہیں سنتے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تم ہمیشہ ہمارے سامنے کوئی نہ کوئی بات لے آتے ہو، بھلا کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟ اس کو تو وہ لوگ قتل کر گئے جو اسے لے کر آئے تھے۔

ان کے قول: (فِي مُنْصَرَفِهِ مِنْ صِفِّينَ) اور اگلی حدیث کے الفاظ: (رَجَعْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ مِنْ صِفِّينَ) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ کے اختتام اور دونوں لشکروں کے متفرق ہو جانے کے بعد پیش آیا، اور بالکل متعین طور پر اس وقت جب اہلِ شام کا لشکر شام کی طرف واپسی کے راستے میں تھا۔

[۳۷۴] أَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى، ثنا أَسْبَاطُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ : رَجَعْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ صِفِّينَ، فَكَانَ مُعَاوِيَةُ وَأَبُو الْأَعْوَرِ السُّلَمِيُّ يَسِيرُونَ فِي جَانِبٍ، وَعَمْرُو وَابْنُهُ يَسِيرَانِ فِي جَانِبٍ، فَكُنْتُ

بَيْنَهُمْ، لَيْسَ أَحَدٌ غَيْرِي، فَكُنْتُ أَحْيَانًا أُوضَعُ إِلَى هَؤُلَاءِ وَأَحْيَانًا أُوضَعُ إِلَى هَؤُلَاءِ، فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بن عمرو رَضِي اللهُ عَنهُمَا يَقُولُ لِأَبِيهِ: يَا أَبَتِ، أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لِعَمَّارٍ رَضِي اللهُ عَنهُمَاحِينَ كَانَ يَبْنِي الْمَسْجِدَ: "إِنَّك لَحَرِيصٌ عَلَى الْأَجْرِ؟ قَالَ: أَجَلْ، وَقَالَ: إِنَّك مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَتَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ قَالَ: بَلَى، قَدْ سَمِعْتُهُ. قَالَ: فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُ؟ قَالَ: فَالْتَفَتَ إِلَى مُعَاوِيَةَ رَضِي اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَلَا تَسْمَعُ إِلَى مَا يَقُولُ هَذَا؟ قَالَ: فَذَكَرَهُ، قَالَ: وَيْحَكَ، مَا تَزَالُ تَدْحَضُ فِي قَوْلِكَ(۱۴)، أَنَحْنُ قَتَلْنَاهُ، إِنَّمَا قَتَلَهُ مَنْ جَاءَ بِهِ(۱۵).

امام ابویعلیٰ نے روایت کیا: ہمیں اسماعیل بن موسیٰ نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں اسباط نے حدیث سنائی، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی زیاد سے، انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین سے واپس آیا۔ اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوالاعور سلمی ایک طرف چل رہے تھے، اور عمرو (بن العاص) اور ان کے بیٹے دوسری طرف، اور میں ان سب کے درمیان تھا، میرے سوا وہاں کوئی اور نہ تھا۔ چنانچہ کبھی میں ان کی طرف متوجہ ہوتا اور کبھی ان کی طرف۔ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو اپنے والد سے کہتے ہوئے سنا: ابّا جان! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو عمار رضی اللہ عنہما سے یہ فرماتے نہیں سنا جب وہ مسجد تعمیر کر رہے تھے: ''یقیناً تم اجر کے بڑے حریص ہو؟'' عمار نے کہا: جی ہاں رضی اللہ عنہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اہلِ جنت میں سے ہو، اور تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے

کہا:) کیا آپ نے یہ بات سنی ہے؟ انہوں (عمرو بن العاص) نے کہا: ہاں، میں نے یہ سنا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر آپ لوگوں نے انہیں کیوں قتل کیا؟ اس پر عمرو نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ سنتے ہیں یہ کیا کہہ رہا ہے؟ راوی کہتا ہے: پھر انہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: افسوس! تمہاری باتوں کی لغزش ختم ہی نہیں ہوتی۔ کیا ہم نے انہیں قتل کیا؟ انہیں تو ان لوگوں نے قتل کیا جو انہیں ہمارے پاس لے آئے۔

پچھلی روایت پر دیے گئے حاشیے کو ملاحظہ کریں۔

اسی بحث وتمحیص اور عدمِ اطمینان کے ماحول میں عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما صفین سے شام واپس لوٹے، اور ان کے ہمراہ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو بدستور اپنے اس موقف پر قائم تھے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے وہ ہیں جو انہیں میدان میں لائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شام کی سرزمین میں فوج کی واپسی کے بعد کس کا قول غالب آیا؟ عمرو اور ان کے بیٹے رضی اللہ عنہما کا موقف، یا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف؟

امام ذہبی کہتے ہیں: (شامیوں کی اکثریت (۱۶) صفین کے دن سے ہی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف کا رویہ رکھتی تھی، اور یہ سمجھتی تھی کہ وہ اور ان کے پیشرو، دونوں گروہوں میں سے حق پر ہونے کے زیادہ مستحق ہیں (۱۷))۔

امام ذہبی کے اس قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف (عمار کو تو وہی قتل کرنے والے ہیں جو اسے ہمارے مقابلے میں لے کر آئے) ہی صفین کے بعد شام کی سرزمین میں غالب آ گیا تھا)۔

[۳۷۵] أَخْرَجَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ، حَدَّثَنِي أَسْوَدُ بْنُ مَسْعُودٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ خُوَيْلِدٍ الْعَنَزِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا عِنْدَ مُعَاوِيَةَ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي رَأْسِ عَمَّارٍ، يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا: أَنَا قَتَلْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: لِيَطِبْ بِهِ أَحَدُكُمَا نَفْسًا لِصَاحِبِهِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ

رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ". فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: أَلَا تُغْنِي عَنَّا مَجْنُونَكَ (۱۸) يَا عَمْرُو؟ فَمَا بَالُكَ مَعَنَا؟ قَالَ: إِنَّ أَبِي شَكَانِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "أَطِعْ أَبَاكَ مَا دَامَ حَيًّا، وَلَا تَعْصِهِ" فَأَنَا مَعَكُمْ وَلَسْتُ أُقَاتِلُ (۱۹).

امام احمد نے روایت کیا ہے: ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، کہا: ہمیں عوام نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے اسود بن مسعود نے حدیث سنائی، حنظلہ بن خویلد عنزی سے، وہ کہتے ہیں: میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو آدمی آئے جو عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر جھگڑنے لگے۔ ہر ایک کہتا تھا: میں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ اس پر عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو خوش کر دے اور یہ فخر اسے چھوڑ دے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیا تمہارا یہ دیوانہ ہمیں کافی نہیں آتا، اے عمرو؟ آخر یہ ہمارے ساتھ ہے ہی کیوں؟ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: میرے والد نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: ''جب تک تمہارے والد زندہ ہیں ان کی اطاعت کرتے رہو اور ان کی نافرمانی نہ کرو۔'' بس اسی وجہ سے میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن میں لڑائی میں حصہ نہیں لیتا۔

یہ واقعہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن، جنگِ صفین کے دوران پیش آیا۔

(۱) ''یعنی 'یَرْجِعُ القَهْقَرَى' '' کا مطلب ہے: پیچھے کی طرف چلنا، بغیر اس کے کہ آدمی اپنا چہرہ اس سمت موڑے جدھر جا رہا ہو۔ (النہایہ فی غریب الحدیث ۴/۱۲۹، مادہ: قهقر)۔ سندی نے اس کو (یُرجِعُ) کے ضبط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کہا: یہ ''ترجیع'' سے ہے،

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''إنا للہ و إنا إلیہ راجعون'' کہتا ہے۔مگر میں کہتا ہوں کہ سیاق وسباق پہلے معنی (پیچھے کی طرف چلنے) ہی پر دلالت کرتا ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔(حاشیہ المسند للسندی ۱۰/۳۵۶، ح ۶۹۳۷)۔

(۲) مسند احمد (۱۷۷۸) میں ہے، اور شعیب الارنوؤط نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ابن طاؤس سے مراد عبداللہ ہیں۔

(۳) فُسطاط: سے مراد خیمہ ہے، اور خِباء: وہ خیمہ ہے جو دو یا تین ستونوں پر نصب کیا جاتا ہے۔

(۴) النَّاسُ: سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکری ہیں۔

(۵) دیکھو: [۳۲۹]۔

(۶) دیکھو: [۳۶۴]۔

(۷) دیکھو؛ [۳۷۵]۔

(۸) اور یہ (تفصیلات) آگے روایت نمبر [۳۷۳] [۳۷۴] اور [۳۷۵] میں مذکور ہیں۔

(۹) یعنی: کیا تم اسے روک کر ہماری طرف سے ہٹا نہیں دیتے؟۔

(۱۰) البدایۃ والنہایہ (۲۴۰/۶)۔

(۱۱) الصَّوَاعِقِ الْمُرْسَلَةِ فِي الرَّدعلى الجَهْمِيَّةِ وَ الْمُعَطِّلَةِ (۱۸۴/۱-۱۸۵)۔

(۱۲) الهَنَة: اس سے مراد ہے کوئی ناپسندیدہ بات یا برا عمل، ایسا امر جس کا ذکر ہی مکروہ اور ناگوار سمجھا جائے۔

(۱۳) مسند احمد (۶۴۹۹) اور شعیب الارناؤط نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

یہ حدیث بالکل صریح دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور ان کے والد دونوں نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے براہِ راست سنی ہے۔ہم یہ حدیث [۳۲۸] اور [۳۲۹] نمبر پر بھی اسی کے ہم معنی ذکر کر چکے ہیں، اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے یہ حدیث اُس وقت سنی جب مسجدِ نبوی کی دوسری تعمیر ہو رہی تھی، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔

(۱۴) (قَوْلِكَ): یہی لفظ المطالب میں آیا ہے، جبکہ مسند ابی یعلی میں ''بو لك'' کے الفاظ ہیں۔

(۱۵) مسند ابی یعلی (۷۳۵۱)، المطالب العالیہ (۴۴۲۱) اور اسی سے یہ الفاظ منقول ہیں، اس کی سند حسن ہے۔اسماعیل بن موسیٰ: یہ فزاری ہیں، سدی کے رشتہ دار، صدوق ہیں مگر وہم کرتے ہیں، اور ان پر رفض کا الزام ہے۔اور اسباط: یہ ابن محمد قرشی ہیں، ثقہ ہیں مگر ثوری میں ان پر ضعف کی بات کہی گئی ہے، اور تفصیل کے لیے وہ دیکھ لیجیے جو پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۶) یعنی اس سے مراد تابعین، ان کے بعد کے تابعین، اور پھر ان کے بعد آنے والے تابعین ہیں۔پھر یہ رائے رفتہ رفتہ شام کی سرزمین میں کمزور پڑتی گئی، یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری (۲۰۰ھ-۲۹۹ھ) میں بہت زیادہ کمزور ہو گئی۔یہ وہی صدی ہے جس میں امام احمد اور صحاح ستہ کے مصنفین ہوئے، اور یہ دورِ تدوین کہلاتا ہے۔اس دور میں حدیث اور علمِ عقیدہ کی تدوین خوب پروان چڑھی۔البتہ دوسری صدی ہجری (۱۰۰ھ-۱۹۹ھ) میں بھی تدوین کا عمل نہایت سرگرم رہا۔ان تمام کوششوں کے نتیجے میں شام کی سرزمین میں حق بالکل واضح ہو گیا اور حدیث ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی'' کا صحیح مفہوم کھل کر سامنے آ گیا۔

(۱۷) میزان الاعتدال (۵۵۱/۳-۵۵۲) میں محمد بن زیاد الالہانی الحمصی کا ذکر آیا ہے، وہ تابعی ہیں اور طبقۂ رابعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(۱۸) یعنی: کیا تم اسے ہماری طرف سے روک کر ہٹا نہیں دیتے؟

(۱۹) مسند احمد (۶۵۳۸) اور اسی سند کے ساتھ (۶۹۲۹) میں بھی اسے دہرایا ہے۔پہلی جگہ شعیب الارناؤط نے اسے حسن کہا ہے اور دوسری جگہ صحیح قرار دیا ہے۔العوام: یہ ابن حوشب ہیں۔

التخریج:

اسے یعقوب بن شیبہ نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے جیسا کہ ذہبی نے المعجم المختص بالمحدثین ص ۹۶ میں ذکر کیا ہے یزید بن ہارون کے

طریق سے۔ ذہبی نے کہا: اس کی سند جید ہے، کیونکہ اسود کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔مزید دیکھئے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۵۹۰/۱)۔

ذہبی اپنی المعجم المختص، تاریخ الاسلام، السیر اورتذکرۃ الحفاظ میں یعقوب بن شیبہ کے مسند کی روایت اس سند سے لاتے ہیں: (شَهْدَة، عن أبي عبد الله الحسين بن أحمد النعالی، عن أبي عمر ابن مهدی، عن أحمد بن منصور بن شيبه السدوسی، عن جده يعقوب)۔

مثال کے طور پر دیکھیے: تاریخ الاسلام (۲/۹۱)، (۲۵/۵۸)، سیر اعلام النبلاء (۱۲/۴۷۹)۔ باقی حصہ حاشیہ نمبر [۳۳۵] میں آئے گا۔

ابن عساکر اپنی روایت اس سند سے لاتے ہیں: (أبو القاسم بن السمرقندی، عن الحسين بن أحمد، به)۔ اور بھی دیگر طرق ابن عساکر کے پاس ہیں۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر۔

اسی طرح بلاذری نے انساب الاشراف (۲/۳۱۲) میں ہشیم بن بشیر کے طریق سے، العوام کے واسطے سے اسے روایت کیا ہے، اور اس میں ہے: (عن حنظلة بن خويلد، و كان يأمن عند علي و معاوية)۔ نیز: تاریخ دمشق (۱۹/۳۵) یہ روایت اپنی شواہد کے ساتھ صحیح ہے، اور آگے پوری تفصیل اور شرح کے ساتھ آئے گی۔ دیکھئے: [۶۱۱]۔

آٹھواں مطلب: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر موقف:

یہ بات ثابت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی صفین میں شہادت کی خبر پہنچی تو آپ ان پر غمگین ہوئیں اور ان کی بڑی تعریف کی۔

زفر بن حارث کہتے ہیں: (میں صفین کے واقعے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد بن کر حضرت عائشہ رضي اللہ عنہا کے پاس آیا۔ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے پوچھا: لوگوں میں سے کون کون قتل ہوا؟ میں نے کہا: عمار بن یاسر۔ آپ نے فرمایا: وہ ایسا شخص تھا جس کے دین کی پیروی میں لوگ چلتے تھے (۱))۔

یہ واقعہ صفین کی جنگ کے زمانے میں پیش آیا تھا۔

ان کے اس قول رضی اللہ عنہا (**وہ ایک ایسا شخص ہے جس کی دینی روش پر لوگ چلتے ہیں**) سے مقصود عمار رضی اللہ عنہ کی تقویٰ، رشد و ہدایت اور امت کے لیے اسوہ و قدوہ ہونا ہے۔ گویا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نہایت متقی، راشد اور دینی اعتبار سے دوسروں کے لیے نمونہ تھے۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں صفین کے دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کا گروہ اہلِ شام کے مقابلے میں حق کے زیادہ قریب تھے۔

مزید برآں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے جو اسی مفہوم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **''عمار کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ زیادہ راہِ راست والے کو اختیار کرتے''**[۲]۔

یہ روایت آگے مزید تفصیل اور شرح کے ساتھ آئے گی۔

---

(۱) تاریخ دمشق (۳۵/۱۹) یہ روایت اپنی شواہد کے ساتھ صحیح ہے، اس کا مکمل متن اور تفصیل آگے [۶۱۱] نمبر پر آئے گا۔
(۲) سنن الترمذی (۳۷۹۹) [(۴۱۳۲) تحقیق: شعیب] الالبانی اور شعیب الارناؤوط دونوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

نواں مبحث: وہ اسباب جنہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق تحکیم کے ذریعے جنگ روکنے پر آمادہ کیا:

مجھے چار اسباب ایسے ملے ہیں جنہوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو جنگ بند کرانے کی کوشش پر آمادہ کیا، اور ان میں سے ہر ایک سبب اپنی جگہ کافی تھا۔ یہ اسباب یہ ہیں:

۱) بے شمار قتل وخون جو محض مختلف اجتہادی آراء اور موقف کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا تھا، اس سے بڑھ کر کچھ نہ تھا۔

۲) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین یہ باہمی الزام تراشی کہ خونِ ناحق کا اصل ذمہ دار کون ہے۔ دونوں اپنے آپ کو برحق سمجھتے تھے اور قصور دوسرے فریق پر ڈالتے تھے، جبکہ قتل وقتال دونوں لشکروں میں برابر جاری تھا۔ اس طرح الزام تراشی اور اجتہادی اختلافات نے جنگ کو ختم کرنے کے بجائے اور زیادہ طول دیا اور مزید شدت بخشی۔

دوسرے الفاظ میں: [اجتہادی آراء اور باہمی الزام تراشی ہی جنگ کے تسلسل اور مقتولین کی بڑھتی ہوئی تعداد کا سبب بنی]۔

۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا عظیم سانحہ، اور پھر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا اپنے والد کو وہ حدیث سنانا کہ عمار کو وہ جماعت قتل کرے گی جو باغی ہوگی۔

۴) ایک کے بعد ایک صدمہ صفین کے دونوں لشکروں پر ٹوٹ رہا تھا، حتیٰ کہ ایک نئے سانحے کے آثار نمایاں ہونے لگے، یعنی شام کے لشکر کی ہلاکت اور شکست۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے پیچھے عورتیں اور بچے ان کی کفالت میں تھے اور سرحدی محاذ ان کے ذمے تھے جنہیں وہ دین کے دشمن رومی عیسائیوں کے شر سے بچاتے تھے۔

تفصیل:

(یحییٰ بن سعید انصاری کے چچا کی) روایت میں آیا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ دروازۂ خندق پر

بیٹھا کرتے تھے، اس لیے دونوں لشکروں میں سے کوئی مقتول اُن سے اوجھل نہ رہتا۔ ایک دن اُن کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی کو لایا گیا جو لشکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں شہید ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر عمرو رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا: ''یقیناً وہ مجتہد تھا۔ اللہ کے دین کے معاملے میں کتنے ہی سخت کوش لوگ قتل کر دیے گئے، مگر علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اُس کے خون سے بری ہیں!''

امام مالک کی روایت میں ہے: کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: (کتنے ہی ایسے لوگ ہوئے جو اللہ کے معاملے میں نہایت سخت کوش اور عظیم المرتبت تھے، مگر فلاں اور فلاں اُن کے قتل سے بچ نہ سکے'' یعنی اس سے اُن کی مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما تھے (۲))۔ مطلب یہ کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اُس کے قتل کی ذمہ داری سے بری نہ تھے۔

یہ دونوں روایات عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس موقف کو واضح کرتی ہیں جو انہوں نے دونوں لشکروں کے جنگ میں داخل ہونے کے بارے میں اختیار کیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ اس حال پر سخت رنجیدہ اور بے زار تھے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں یہ تصادم کیوں ہوا۔ وہ وقتِ جنگ بندی اپنے خندق پر کھڑے ہو کر شہداء کو نکالنے کی نگرانی کرتے تھے، کوئی مقتول ان سے اوجھل نہ رہتا۔ جب بھی کسی شہید پر نظر پڑتی تو اُن پر غم طاری ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی اس حالت پر دکھ کا اظہار کرتے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ ساتھ ہی وہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے رویے سے بھی دل گرفتہ رہتے، کیونکہ دونوں اپنے آپ کو ان خونوں کی ذمہ داری سے بری سمجھتے تھے،،،،

عمرو رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ جس چیز نے رنجیدہ کیا وہ یہ تھی کہ معاشرے کے منتخب اور برگزیدہ افراد یعنی نیک لوگ، علما، عابد و زاہد، جانباز اور دلیر، اور دوسرے خیر و بھلائی کے حامل لوگ ایک ایسی جنگ میں مارے جا رہے تھے جو خود معاشرے کے لیے کسی بھلائی کا باعث نہ تھی۔ یہ ایسی جنگ تھی جو محض آراء اور اجتہادات کا نتیجہ تھی۔ عمرو رضی اللہ عنہ کی یہ بات دراصل اسی دقیق اور بصیرت افروز مفہوم کو بیان کرتی ہے جس کی طرف حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کے کلمات بھی اشارہ کرتے ہیں (۳)۔

◆ رہے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ تو وہ اس رائے پر قائم تھے کہ (وہی شرعی خلیفہ ہیں اور

ان پر جو بغاوت کرے، اس سے لڑنا ان کا حق ہے، اور ذمہ داری باغیوں ہی پر عائد ہوتی ہے)۔

◆ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ قصاص کو بیعت پر مقدم کیا جائے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ وہ اللہ کے شرع اور حدود کے قیام کا دفاع کر رہے ہیں جنہیں علی رضی اللہ عنہ نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ پر نافذ کرنے میں تاخیر کی، اور یہ کہ انہوں نے خود جنگ کو نہ تو ابتدا میں اختیار کیا اور نہ ہی اس کی خواہش رکھی، نہ ہی وہ اپنے لشکر کو لے کر علی رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے تھے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ اپنے اور اہلِ شام کے دفاع کے لیے وہ مجبور ہو کر میدان میں کھڑے ہیں، پس ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے جس نے سب سے پہلے جنگ کو اختیار کیا اور اس کی طرف پیش قدمی کی۔

◆ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی مانند تھی، مگر وہ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما جنگِ صفین کو جاری رکھیں۔ کیونکہ جنگ کا طول پکڑنا دراصل ان دونوں کے موقف کا نتیجہ تھا، جب کہ ہر ایک اپنے آپ کو حق پر اور خونریزی کی ذمہ داری سے بری سمجھتا تھا۔

اور خبر [۳۳۶] میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل کے اندرونی احساسات کی گہری جھلک ملتی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک عراقی سپاہی، جو عبادت گزار، تہجد گزار اور نیک آدمی تھا، اس کی لاش لشکرِ شام سے نکالی جا رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو رضی اللہ عنہ رو پڑے اور ان کے دل میں یہ خیال گردش کرنے لگا: [اس جنگِ مسلمانوں میں، اس نیک عراقی کا خون کس کے ذمے ہوگا جو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارا گیا؟ کیا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے خون سے بری ہیں اور اس کے قتل کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے؟ یہ خونریزی کب تک جاری رہے گی؟]۔

میں کہتا ہوں: دونوں فریق اپنے اجتہاد پر تھے اور اجر کے مستحق ہیں۔ اے اللہ! ان سب کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔

عمرو رضی اللہ عنہ پر اس جنگ کا نفسیاتی اثر بہت ہی بھاری تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے مردوں کو قتل ہوتے دیکھتے، اور پھر ان کی لاشوں کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر سے نکالا جاتا دیکھتے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر انہیں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اُس موقف نے دکھی کر دیا

جس کے مطابق دونوں خود کو مقتولین کی ذمہ داری سے بری سمجھتے تھے۔ پھر وہ ہولناک سانحہ پیش آیا جس کے کرب نے پچھلے سب درد بھلا دیے، اور وہ تھا ''حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قتل''۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان یاد آیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''انہیں باغی جماعت قتل کرے گی''۔ چنانچہ جب عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی تو وہ سخت گھبرا گئے، شدید صدمے سے کانپ اٹھے، اور زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکے (۴)، بلکہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے چلے گئے (۵) یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر کہا: (عمار قتل ہو گیا!!)

جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے کہا: (**اے ابا جان! کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمار سے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا: ہائے افسوس! اے سمیہ کے بیٹے! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا؟**) تو عمرو رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''کیا آپ سن رہے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟!!(۶)''۔

یہ واقعات عمرو رضی اللہ عنہ کو اس نتیجے تک لے آئے کہ جنگ کو روک دینا ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس سے مفر نہیں، تاکہ دونوں لشکر ان پے درپے آفتوں سے نجات پائیں۔ ورنہ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو اس سے کہیں بڑھ کر خطرات سامنے آ سکتے ہیں، مثلاً امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ قتل کر دیے جائیں یا شام کی فوج صفین میں تباہ ہو جائے، جس کے نتیجے میں سرحدیں غیر محفوظ ہو جائیں اور رومی مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھ دوڑیں۔ خاص طور پر جبکہ شام کی فوج کی تباہی کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے۔ پس ایک نہایت بڑی مصیبت مسلمانوں پر منڈلا رہی تھی جو اپنی گریبان پھیلائے کھڑی تھی (۷) اور سرحدی لشکر کے پورے کے پورے صفایا کی تاک میں تھی، قریب تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے۔

بعید نہیں کہ جو کچھ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں چل رہا تھا، وہی بات دونوں فریقوں کے بہت سے لوگوں کے دلوں میں بھی گردش کر رہی ہو۔ اس پر مزید یہ کہ دونوں جانب کے لوگ اب اس قدر آفات و مصائب جھیل چکے تھے کہ ان کی جانیں مزید برداشت کی طاقت نہ رکھتی تھیں، خصوصاً حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر غمزدہ ہونے کے بعد۔

نفوس طویل قیام اور لگا تار قتل وخون سے بیزار ہو چکی تھیں۔ کیونکہ وہ لوگ صفین میں تقریباً دو ماہ تک ذی الحجہ سے لے کر صفر کے آغاز تک انہی مصیبتوں میں اُلجھے رہے۔ اس عرصے میں وہ تھک گئے، اُکتا گئے، نڈھال ہو گئے اور سخت بیزاری کا شکار ہو گئے، یہاں تک کہ کسی منادیٔ اصلاح کی آواز سننا ان سب کی سب سے بڑی آرزو بن گیا(۸)۔ تب عرب کے مدبر و سیاستدان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور صلح کا پرچم بلند کیا۔ اس اقدام پر انہیں ایک ایسی فضیلت حاصل ہوئی جس پر تاریخ خود گواہ ہے، اور بے شک خونریزی روک دینا جنگ پر فوقیت رکھتا ہے۔

[۳۷۶] أَخْرَجَ نَصْرُ بْنُ مُزَاحِمٍ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ شِمْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو ضِرَارٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمَّارُ بْنُ رَبِيعَةَ قَالَ : غَلَسَ عَلِيٌّ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الغَدَاةِ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ عَاشِرَ شَهْرِ رَبِيعَ الْأَوَّلِ سَنَةَ سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ، وَقِيلَ عَاشِرَ شَهْرِ صَفَرٍ ، ثُمَّ زَحَفَ إِلَى أَهْلِ الشَّامِ بِعَسْكَرِ العِرَاقِ وَالنَّاسُ عَلَى رَايَاتِهِمْ، وَزَحَفَ إِلَيْهِمْ أَهْلُ الشَّامِ، وَقَدْ كَانَتِ الحَرْبُ أَكَلَتِ الفَرِيقَيْنِ، وَلَكِنَّهَا فِي أَهْلِ الشَّامِ أَشَدَّ نِكَايَةً وَأَعْظَمَ وَقْعًا ، فَقَدْ مَلُوا الحَرْبَ وَكَرِهُوا القِتَالَ، وَ تَضَعْضَعَتْ(۹) أَرْكَانُهُمْ(۱۰).

نصر بن مزاحم روایت کرتے ہیں: ہم سے عمرو بن شمر نے بیان کیا، کہا: ہم سے ابو ضرار نے بیان کیا، کہا: مجھ سے عمار بن ربیعہ نے روایت کی، کہا: منگل کے دن، تیرہ ربیع الاول سنہ سینتیس ہجری کو اور بعض کے نزدیک یہ واقعہ دسویں صفر کو ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی، پھر لشکرِ عراق کے ساتھ اہلِ شام کی طرف بڑھ نکلے، اور لوگ اپنی اپنی جھنڈوں کے نیچے منظم تھے۔ ادھر اہلِ شام بھی ان کی طرف صف آرا ہو گئے۔ جنگ دونوں لشکروں کو خوب کھا چکی تھی، لیکن شام والوں پر اس کی ضرب زیادہ کاری اور اس کا اثر کہیں زیادہ شدید تھا۔ وہ جنگ سے اُکتا چکے

تھے، قتال کو ناپسند کرنے لگے تھے اور ان کے ڈھانچے ہلنے لگے تھے۔

---

(۱) دیکھو: [۳۳۶]۔
(۲) دیکھو: [۳۴۰]۔
(۳) میں نے اس کی تفصیل صفحہ (۴۰۷) پر ذکر کردی ہے، اسے ملاحظہ کرلیں۔
(۴) یَنبِس: کا مطلب ہے آہستہ آواز نکالنا۔ ''بِنتُ الشَّفَۃ'' یعنی ایک لفظ۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ خوف و دہشت کے سبب ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا۔
(۵) قَهقَری: سے مراد پیچھے کی طرف چلنا ہے، بغیر اس کے کہ آدمی اپنا چہرہ پلٹائے اور رخ اس سمت کرے جدھر وہ جا رہا ہے۔ حوالہ: النہایہ فی غریب الحدیث ۱۲۹/۴، مادہ: قهقرۃ۔
(۶) دیکھو: [۳۷۳][۳۷۴]۔
(۷) اپنی گردن اٹھائے ہوئے منڈلا رہی ہے۔
(۸) سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لعلی الصلابی ص (۴۷۳-۴۷۸)۔
(۹) (تَضَعضَعَت) یعنی ان کی بنیادیں ہل گئیں، یہاں تک کہ زمین تک ڈگمگا گئی۔ (أَرْکَانُهُمْ) سے مراد ہے ان کی طاقت وقوت، اور یہ لفظ لشکر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گویا کہنا یہ مقصود ہے کہ ان کی طاقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی اور ان کا لشکر بکھرنے لگا۔ (تاج العروس ۲۱/۴۱۵، مادہ: ضعع۔ اور ۳۵/۱۰۹، مادہ: رکن)۔
(۱۰) وقعہ صفین ص (۴۷۳) میں جو روایت ہم نے ذکر کی ہے وہ ایک قابلِ قبول خبر ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ماہِ صفر میں پیش آیا۔ البتہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ جہاں تک عمرو بن شمر کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے برقم [۵۴]۔ اور ابوضرار و عمار (جو اس روایت میں عینی شاہد کے طور پر مذکور ہیں) مجھے کہیں نہیں ملے۔

شواہد:

اس قول (وَقَدْ کَانَتِ الحَرْبُ أَکَلَتِ الفَرِیقَینِ) کی تائید میں:

- ابومروان اسلمی کا یہ بیان ہے: ''ہمارے درمیان مقتولین پہاڑوں کے مانند تھے''۔ یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے، دیکھیں [۳۵۵]۔
- اسی طرح اس کی تائید عمر سعید بن یحییٰ کی خبر سے بھی ہوتی ہے، جنہوں نے کہا: ''ہمارے درمیان مقتولین کی کثرت ہوگئی''۔ اس خبر کو ہم نے انہی کے الفاظ میں ذکر کیا اور اس کی وضاحت بھی کی ہے، دیکھیں [۳۳۵] تا [۳۳۸]، نیز [۳۴۴]، [۳۴۵]۔
- اور اس جملے (وَلٰکِنَّهَا فِي أَهْلِ الشَّامِ أَشَدَّ نِکَایَةً وَأَعْظَمَ وَقْعًا) کی تائید میں ابووائل کا قول ہے: (**جب صفین میں اہلِ شام میں قتلِ عام شدت اختیار کر گیا**)، دیکھیں [۳۷۷]۔ (اسْتَحَرَ کا مطلب ہے: بہت زیادہ اور سخت ہو جانا)۔ اور خبر کے آخری حصے (فَقَدْ مَلُّوا الحَرْبَ وَکَرِهُوا القِتَالَ، وَتَضَعضَعَتْ أَرْکَانُهُمْ) کی تائید میں عبداللہ بن زریر غافقی کا یہ قول ہے: (**ہم اس قدر لڑے کہ مجھے گمان ہوا اب کوئی باقی نہیں رہے گا**)۔ یہ روایت بھی اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے، دیکھیں [۳۳۱]۔

دسواں مبحث: تحکیم کی دعوت اور جنگ کا خاتمہ

[۳۷۷] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سِيَاهٍ(۱) قَالَ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: أَتَيْتُهُ(۲) فَسَأَلْتُهُ عَنْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ الَّذِينَ قَتَلَهُمْ عَلِيٌّ(۳)، قَالَ: قُلْتُ: فِيمَ فَارَقُوهُ؟ وَفِيمَ اسْتَحَلُّوهُ؟ وَفِيمَ دَعَاهُمْ؟ وَفِيمَ فَارَقُوهُ ثُمَّ اسْتَحَلَّ دِمَاءَهُمْ(۴)؟ قَالَ: إِنَّهُ لَمَّا اسْتَحَرَّ(۵) الْقَتْلُ فِي أَهْلِ الشَّامِ بِصِفِّينَ، اعْتَصَمَ مُعَاوِيَةُ وَأَصْحَابُهُ بِجَبَلٍ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: ”أَرْسِلْ إِلَى عَلِيٍّ بِالْمُصْحَفِ، فَلَا وَاللهِ لَا يَرُدُّهُ عَلَيْكَ“، قَالَ: فَجَاءَ بِهِ رَجُلٌ يَحْمِلُهُ يُنَادِي: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾(۶)، قَالَ: فَقَالَ عَلِيٌّ: نَعَمْ، بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ، أَنَا أَوْلَى بِهِ مِنْكُمْ. قَالَ: فَجَاءَتِ الْخَوَارِجُ - وَكُنَّا نُسَمِّيهِمْ يَوْمَئِذٍ الْقُرَّاءَ(۷) -، قَالَ: فَجَاءُوا بِأَسْيَافِهِمْ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ(۸) فَقَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَا نَمْشِي إِلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ؟ فَقَامَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ(۹) لَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ(۱۰)، وَلَوْ نَرَى قِتَالاً لَقَاتَلْنَا، وَذَلِكَ فِي الصُّلْحِ الَّذِي كَانَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ، فَجَاءَ عُمَرُ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ؟ قَالَ: ”بَلَى“، قَالَ: أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ: ”بَلَى“، قَالَ: فَفِيمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ(۱۱) فِي دِينِنَا

وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمُ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ(١٢)؟ فَقَالَ: "يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، إِنِّي رَسُولُ اللهِ، وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَداً"، قَالَ: فَانْطَلَقَ عُمَرُ وَلَمْ يَصْبِرْ مُتَغَيِّظاً حَتَّى أَتَى أَبَا بَكْرٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ؟ فَقَالَ: بَلَى، قَالَ: أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمُ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ؟ فَقَالَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ، وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللهُ أَبَداً. قَالَ: فَنَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى مُحَمَّدٍ بِالْفَتْحِ(١٣)، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ فَأَقْرَأَهُ إِيَّاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَ فَتْحٌ هُوَ؟ قَالَ: "نَعَمْ"، فَطَابَتْ نَفْسُهُ وَرَجَعَ. فَقَالَ عَلِيٌّ: "أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هَذَا(١٤) فَتْحٌ"، فَقَبِلَ عَلِيٌّ الْقَضِيَّةَ وَرَجَعَ، وَرَجَعَ النَّاسُ(١٥). ثُمَّ إِنَّهُمْ خَرَجُوا بِحَرُورَاءَ(١٦) أُولَئِكَ الْعِصَابَةُ مِنَ الْخَوَارِجِ بِضْعَةَ عَشَرَ أَلْفاً، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ(١٧) يُنَاشِدُهُمُ اللهَ، فَأَبَوْا عَلَيْهِ، فَأَتَاهُمْ صَعْصَعَةُ بْنُ صُوحَانَ(١٨) فَنَاشَدَهُمُ اللهَ، وَقَالَ: عَلَى مَا تُقَاتِلُونَ خَلِيفَتَكُمْ(١٩)؟ قَالُوا: نَخَافُ الْفِتْنَةَ(٢٠). قَالَ: فَلَا تُعَجِّلُوا ضَلَالَةَ الْعَامِ مَخَافَةَ فِتْنَةِ عَامٍ قَابِلٍ(٢١). فَرَجَعُوا، فَقَالُوا: نَسِيرُ عَلَى نَاحِيَتِنَا، فَإِنْ عَلِيٌّ قَبِلَ الْقَضِيَّةَ: قَاتَلْنَا عَلَى مَا قَاتَلْنَاهُمْ يَوْمَ صِفِّينَ، وَإِنْ نَقَضَهَا: قَاتَلْنَا مَعَهُ(٢٢). فَسَارُوا حَتَّى بَلَغُوا النَّهْرَوَانَ... الْخَبَرُ(٢٣)

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہم سے ابن نمیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبدالعزیز بن سِیاہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے حبیب بن ابی ثابت نے ابو وائل سے روایت کیا۔ ابو وائل کہتے ہیں: میں ان کے پاس گیا اور ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جنہیں علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میں نے کہا: وہ کس بات پر

ان سے الگ ہوئے؟ کس بنیاد پر انہوں نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی؟ کس وجہ سے انہوں نے انہیں بلایا؟ اور پھر کس بات پر وہ ان سے الگ ہو کر ان کا خون حلال سمجھ بیٹھے؟ انہوں نے کہا: جب صفین میں اہلِ شام میں قتل عام بڑھ گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ایک پہاڑ پر جا کر مضبوط ہو گئے۔ اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''علی کے پاس قرآن بھیجو، اللہ کی قسم! وہ اسے تمہارے سامنے رد نہیں کریں گے۔'' چنانچہ ایک آدمی قرآن مجید لے کر آیا اور پکارنے لگا: ''ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے''۔ {کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا، جب انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے اور وہ روگردانی کرتے ہیں}۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، اور میں اس پر عمل کرنے کا تم سے زیادہ حق دار ہوں۔'' یہ سن کر خوارج آ گئے جنہیں ہم اس وقت قراء کہا کرتے تھے۔ وہ اپنی تلواریں کندھوں پر لٹکائے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! کیا ہم ان لوگوں پر حملہ نہ کریں یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے؟ تب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ''اے لوگو! اپنے آپ کو الزام دو (اپنے نفس پر شک کرو)، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے دن موجود تھے، اگر ہمیں قتال کی اجازت نظر آتی تو ہم ضرور لڑتے۔ وہ معاملہ صلح کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے درمیان طے پایا تھا۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’کیوں نہیں‘‘۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہمارے شہداء جنت میں نہیں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’کیوں نہیں‘‘۔ انہوں نے کہا: تو پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں کمزوری کیوں قبول کریں اور واپس پلٹ جائیں جبکہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’اے ابن الخطاب! میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔‘‘ عمر رضی اللہ عنہ اس حال میں وہاں سے نکلے کہ وہ سخت غم و غصے میں تھے۔ وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا: ابوبکر! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم دین میں کمزوری کیوں دکھائیں اور واپس پلٹ جائیں جبکہ اللہ نے ابھی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن الخطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ انہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر قرآن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ’’فتح‘‘ کے حکم کے ساتھ نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ آیات سنائیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ہاں‘‘۔ تب ان کا دل مطمئن ہوا اور وہ لوٹ آئے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: ’’اے لوگو! یہ یقیناً فتح ہے‘‘۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ قبول کیا اور واپس پلٹے، اور لوگ بھی لوٹ آئے۔ پھر حروراء میں خوارج کی ایک بڑی جماعت اکٹھی ہوگئی، ان کی تعداد چند ہزار تھی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور اللہ کا واسطہ دے کر سمجھایا، لیکن وہ نہ مانے۔ ان کے پاس صعصعہ بن صوحان گئے اور انہیں اللہ کا

واسطہ دیا اور کہا: ’’تم اپنے ہی خلیفہ سے کیوں لڑ رہے ہو؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’ہمیں فتنہ کا خوف ہے‘‘۔ صعصعہ نے کہا: ’’آئندہ سال کے کسی ممکنہ فتنہ کے ڈر سے اس سال کھلی گمراہی میں مت پڑو‘‘۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور کہا: ’’ہم اپنی جگہ چلے جاتے ہیں۔ اگر علی فیصلہ پر قائم رہے تو ہم ان پر لڑیں گے جن پر ہم نے صفین میں لڑائی کی تھی، اور اگر وہ اس فیصلے کو توڑ دیں تو ہم ان کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔‘‘ پھر وہ چلتے چلتے نہروان پہنچے۔۔۔(آگے کی روایت)۔

---

(۱) یہ اسدی، حِمّانی، کوفی ہے، اور (سِیاہ) ایک فارسی لفظ ہے، جس کا معنی ہے: کالا، اور یہ منصرف ہے۔ عمدۃ القاری (۱۸۰/۱۹)۔

(۲) جس نے یہ کہا (میں اس کے پاس گیا)، وہ حبیب بن ابی ثابت ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابووائل کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا۔

(۳) یعني: خوارج مراد ہیں۔

(۴) مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: [کس بات پر انہوں نے اس کی بات مانی؟ اور کس بات پر اس سے جدا ہوئے؟ اور کس بات پر اس کے خلاف جنگ کو جائز سمجھا؟] یعنی: پہلے کس بات پر اس کی بات مانی، پھر آخر کار کس بات پر اس سے جدا ہوئے، اور پھر کس بنیاد پر اس کے خلاف جنگ کو حلال سمجھا۔

(۵) (استحرّ) کا مطلب ہے: بہت زیادہ ہونا اور شدت اختیار کرنا۔

(۶) [آل عِمْرَانَ: ۲۳]۔

(۷) انہیں قُرّاء کہا جاتا تھا کیونکہ وہ تلاوت اور عبادت میں سخت محنت کرتے تھے، لیکن وہ قرآن کی ایسی تاویلات کرتے تھے جو اصل مراد کے خلاف تھیں، اپنی رائے پر اَڑے رہتے تھے اور زہد وخشوع وغیرہ میں غلو سے کام لیتے تھے۔ فتح الباري (۲۸۳/۱۲)۔

(۸) اپنی تلواریں گردنوں پر رکھنا دراصل جنگ میں پوری سنجیدگی اور سختی اختیار کرنے کا کنایہ ہے۔

(۹) یعنی اس رائے کے بارے میں اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہراؤ۔ یعنی تمہاری وہ رائے جو خلیفہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے قتال پر اصرار کرنے سے متعلق ہے۔

اور بخاری کی ایک روایت (۶۸۷۸) میں الفاظ ہیں: (اپنی رائے کو اپنے دین پر مت تھوپو)۔ ابن حجر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: یعنی دین کے معاملے میں محض ایسی رائے پر عمل نہ کرو جو کسی دینی اصل پر مبنی نہ ہو۔ (فتح الباری ۲۸۸/۱۳-۲۸۹)

ابن حجر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے، اور اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ نزاع کے حل کے لیے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا خود کتاب اللہ میں وارد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء: ۵۹]۔ لہٰذا اختلاف کے وقت اللہ کی کتاب کی طرف رجوع نہ کرنا قرآنِ کریم کے مخالف رائے ہے۔ (دیکھیے: الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری للکرمانی ۱۰۰/۱۸، ح ۴۵۲۴، بالمعنی)۔ ابن حجر نے فرمایا: [اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہراؤ] یعنی اس رائے کے بارے میں، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے تحکیم کا انکار کیا اور کہا: حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات تو حق ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا]۔ (فتح الباری ۵۸۸/۸-۵۸۹)۔

جواب:

یہ تاویل درست نہیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

اوّلاً: یہ تاویل خبر کے سیاق کے خلاف ہے، کیونکہ خبر میں یہ مذکور ہے کہ قُرّاء صرف قتال روکنے پر معترض ہوئے تھے، کسی اور بات پر نہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: (کیا ہم ان لوگوں کی طرف نہ بڑھیں یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے؟) اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے عین انہی کے قول کے جواب میں فرمایا: (اپنی رائے پر بدگمانی کرو) یعنی قتال جاری رکھنے کی اس رائے پر، جس کے ذریعے تم خلیفہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہو۔

ثانیاً: جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت فرمائی تھی، اس وقت یہ لوگ ''قُرّاء'' کہلاتے تھے، خوارج نہیں، کیونکہ وہ ابھی تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں ہی تھے اور اس سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ اس پر راوی کے اس قول سے بھی دلیل ملتی ہے: (ہم انہیں اس وقت قُرّاء کہا کرتے تھے)۔ ان کا نام خوارج بعد میں اُس وقت پڑا جب وہ لشکر سے الگ ہو گئے۔ اور یہ انشقاق صلح نامہ (تحکیم کی دستاویز) لکھے جانے کے بعد ہوا۔ پھر جب دستاویز لکھی گئی تو انہوں نے کہا: (لا حكم إلا لله) (حکم صرف اللہ ہی کا ہے) اور صفین سے واپسی پر انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے راستے سے الگ راستہ اختیار کیا۔

ثالثاً: خوارج نے حروراء میں صعصعہ بن صوحان سے کہا: (ہم ڈرتے ہیں کہ ابوموسیٰ ایسا فیصلہ نہ کر بیٹھے جو کفر ہو)۔ دیکھیں: [۳۸۰]۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ خوارج نے بدعت تکفیر صرف تحکیم کی دستاویز لکھے جانے کے بعد ایجاد کی تھی۔

رابعاً: آگے چل کر خوارج کی پیدائش پر تفصیلی گفتگو آئے گی کہ ان کے دو مراحل تھے: پہلا مرحلہ قُرّاء کا، اور دوسرا مرحلہ خوارج کا۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت پہلے مرحلے میں ہوئی تھی جب وہ صرف قُرّاء تھے، اس وقت انہوں نے نہ حکمَین کو کافر کہا تھا اور نہ ہی تحکیم کو قبول کرنے والوں پر کفر کا حکم لگایا تھا۔ یہ بدعت انہوں نے بعد میں، دستاویز لکھے جانے کے بعد ہی ایجاد کی دیکھیں: صفحہ (۶۲۱-۶۲۲)۔

خلاصہ یہ کہ ابن حجر نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے کلام کی جو تفسیر کی ہے، وہ ایسی چیز پر کی ہے جو اُس وقت پیش ہی نہیں آئی تھی، بلکہ تقریباً پانچ دن بعد پیش آئی، یعنی تحکیم کی دستاویز لکھے جانے کے بعد۔ لہٰذا ابن حجر کی یہ تعبیر درست نہیں، واللہ اعلم۔

(۱۰) یعنی یہ صلح حدیبیہ کے دن کا واقعہ ہے، اور یہ صلح ذوالقعدہ سنہ ۶ ھ میں ہوئی تھی۔ فتح الباری لابن حجر (۴۴۰/۷)۔

ابن حجر فرماتے ہیں: سَہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے تحکیم کو قبول کیوں کیا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش کیا کہ نبی کریم ﷺ نے قریش کی طرف سے صلح کی درخواست قبول کر لی تھی، حالانکہ آپ ﷺ کی غالب پوزیشن بالکل واضح تھی، اور ابتدائی طور پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے توقف کیا، مگر بعد میں ان پر واضح ہو گیا کہ دراصل صحیح اور درست وہی تھا جس کا حکم نبی ﷺ نے دیا۔ فتح الباری (۲۸۹/۱۳)

اور مزید کہا: بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں اور ان کی رائے کے خلاف نہ جائیں، کیونکہ وہ مصلحت کو سب سے بہتر سمجھنے والے ہیں۔ سَہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ نے انہیں وہی واقعہ یاد دلایا جو حدیبیہ کے دن پیش آیا تھا کہ اُس وقت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ چاہا کہ لڑائی جاری رکھیں اور اس صلح کی مخالفت کریں جس کی طرف انہیں بلایا گیا تھا، لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اصل مصلحت تو وہی تھی جو نبی ﷺ نے اختیار فرمائی۔ (فتح الباری (۵۸۹/۸)

(۱۱) (الدَّنِيَّة) سے مراد ہے: کمی، پست خصلت یا مذموم بات، جو کمزوری اور عاجزی و دبنے کی علامت ہوتی ہے۔ **معجم مقاییس اللغة** (۳۰۳/۲)، مادہ: دنی، النهاية في غريب الحديث (۱۳۷/۲)، مادہ: دنا، لسان العرب (۲۷۴/۱۴)، مادہ: دنا، عمدة القاری (۱۴/۱۴)۔

(۱۲) (وَلَمَّا يَحْكُمُ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ) یعنی: اللہ نے ابھی ہمارے اور ان کے درمیان قتال کے ذریعے فیصلہ نہیں فرمایا۔

(۱۳) یعنی: (سورۃ الفتح نازل ہوئی: (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا)، جیسا کہ صحیح بخاری (۳۰۱۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ

سورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابتدا سے آخر تک پڑھ کر سنائی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ واقعی فتح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے صلحِ حدیبیہ کو فتح اس لیے قرار دیا کہ اس میں بے شمار خیر و برکتیں پوشیدہ تھیں۔ صحیح بخاری (۳۹۱۹) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: تم لوگ فتح کو فتحِ مکہ شمار کرتے ہو، حالانکہ فتحِ مکہ بھی یقیناً ایک عظیم فتح تھی، لیکن ہم فتح کو بیعتِ رضوان کے دن حدیبیہ ہی میں مانتے ہیں۔

(۱۴) یعنی: کتاب اللہ عزوجل کے مطابق فیصلہ اور اس پر باہمی اتفاق۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو ''فتح'' کا نام دیا۔

(۱۵) (قضیہ) سے مراد حکمین کا معاملہ ہے۔ اور (لوگ واپس لوٹ گئے) یعنی کوفہ کی طرف۔ مطلب یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو قبول فرمایا، پھر اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ واپس آ گئے۔

(۱۶) حروراء: ایک گاؤں کا نام ہے جو کوفہ کے نواح میں واقع ہے اور وہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ معجم البلدان (۲/۲۴۵)۔

(۱۷) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ انہیں اللہ کا واسطہ دے کر سمجھائیں، مگر انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ دیکھیے: (۴۶۶، ۴۶۷)۔

(۱۸) صَعصَعَہ بن صُوحان بن حُجر بن حارث عبدی، کنیت ابوطلحہ، کوفی تابعی تھے۔ وہ عرب کے بڑے خطیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔ باوقار، بااثر، امیر، فصیح اور بلیغ گفتگو کرنے والے تھے۔ جنگ جمل اور صفین دونوں میں شریک ہوئے۔ ان کا انتقال خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، بعض کے نزدیک خلافتِ یزید میں۔ ابن سعد، نسائی اور ابن حجر نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ حوالہ جات: الطبقات الکبریٰ (۶/۲۲۱)، التاریخ الکبیر (۴/۳۱۹)، سیر اعلام النبلاء (۳/۵۲۸)، التقریب (۲۹۲۷)۔

(۱۹) یہاں قتال سے مراد دراصل قتال کی دھمکی دینا ہے، کیونکہ قتال کی دھمکی دینا خود قتال کے ابتدائی مراحل میں سے ہے۔

(۲۰) یعنی ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں دین میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اور وہ فتنہ ان کے گمان کے مطابق کفر تھا، جو تحکیم پر راضی ہونے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے کفر میں مبتلا ہونے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کفر کیا جب دینِ الٰہی میں مردوں کو حکم بنالیا۔

(۲۱) صعصعہ ان سے کہہ رہے تھے: جلد بازی نہ کرو کہ ایک فوری فتنہ میں پڑ جاؤ، اور وہ ہے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے جنگ چھیڑ دینا، صرف اس اندیشے سے کہ کہیں آئندہ سال یا اس کے بعد حکمین کے اجتماع کے موقع پر کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو، جو ممکن بھی ہے اور نہ بھی ہو۔ اور صعصعہ کی یہ بات دراصل ان کو لاجواب کرنے کے لیے تھی، نہ کہ اس رائے سے اتفاق کے طور پر۔

(۲۲) یعنی خوارج حروراء سے واپس کوفہ آ گئے تھے، علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کی نصیحت کے بعد۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ کو حکمین کے وعدہ پر بھیجا، تو خوارج دوبارہ نکل کھڑے ہوئے، لیکن اس مرتبہ حروراء نہیں بلکہ نہروان کا رخ کیا۔ وہاں انہوں نے کہا: ہم علی رضی اللہ عنہ سے الگ تھلگ رہیں گے اور ان کے معاملے کو دیکھیں گے۔ اگر انہوں نے حکمین کو قبول کرنے پر اصرار کیا تو ہم ان سے ویسے ہی جنگ کریں گے جیسے صفین میں اہلِ شام سے کی تھی، اور اگر وہ تحکیم کو ترک کر دیں تو ہم ان کی طرف پلٹ آئیں گے، ان کی فوج میں شامل ہو کر اہلِ شام سے ان کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ کے ان کے پاس جانے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: [۴۶۶][۴۶۷]، اور صعصعہ کے جانے کی تفصیل کے لیے: [۴۶۵]۔ میں نے اس مسئلے کو صفحہ (۶۲۶-۶۳۶) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، لہٰذا اسے ضرور ملاحظہ کریں۔

ابنِ راہویہ کے الفاظ یہ ہیں:

(وہ ہماری جانب ہوں گے، پھر اگر انہوں نے قَضِیَّہ (یعنی تحکیم) کو قبول کیا تو ہم ان سے جنگ کریں گے جیسا کہ صفین میں اہلِ شام سے کی تھی، اور اگر انہوں نے اس کو توڑ دیا تو ہم ان کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے)۔

(٢٣) مصنف ابن ابی شیبہ (٣٩٠٦٩) کی روایت ہے، جس کی سند صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری ومسلم دونوں کے رجال میں شامل ہیں۔

ابن نُمیر سے مراد عبداللہ ہمدانی ہیں، اور ابووائل سے مراد شقیق بن سلمہ اسدی ہیں۔

میں نے یہاں صرف حدیث کا پہلا حصہ ذکر کیا ہے، دوسرا حصہ آگے حدیث نمبر [٤٩٦] پر آئے گا۔ میں نے حدیث کو اس کی طوالت اور مختلف موضوعات کی وجہ سے تقسیم کیا ہے۔

التخریج:

اسے مسلم (١٧٥/٥) نے ابن ابی شیبہ کے طریق سے روایت کیا ہے، مگر مختصراً، صرف سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا ہے۔

اسے احمد (١٥٩٧٥)، بخاری (٤٥٦٣) اور طبری نے اپنی تفسیر (٢٠١/٢٢) میں یعلی بن عبید الطنافسی کے طریق سے عبدالعزیز بن سیاء کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور وہاں بھی مختصر ہے، بس اس قول تک کہ: [''أَوَ فَتْحٌ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ'']۔

اور اسے اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ إتحاف الخيرة المهرة (٧٤٥٣) اور المطالب العالیہ (٤٤٣٩) میں ہے:

"ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی، کہا: ہمیں یزید بن عبدالعزیز بن سیاء نے اپنے والد سے روایت کی"، اور اس روایت کے آخر میں ایک اہم واقعہ کا اضافہ ہے، جو آگے حدیث نمبر [٥٧٤] پر آئے گا۔

مزید تفصیل کے لیے المسند کی تخریج دیکھیں۔

یہاں دو واقعات کا اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے، جن کی تفصیل دوسری روایات میں موجود ہے: ایک، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قول؛ اور دوسرا، صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

رہا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا قول، تو وہ تفصیل کے ساتھ بخاری میں منقول ہے۔

[٣٧٨] أَخْرَجَ البُخَارِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الأَعْمَشَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ: شَهِدْتَ صِفِّينَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ: "اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ(١)، رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ(٢)، وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ لَرَدَدْتُهُ(٣)، وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا(٤)، إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ(٥)، غَيْرَ أَمْرِنَا هَذَا(٦)(٧)۔

بخاری نے روایت کیا ہے: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوحمزہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں نے اعمش سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابو وائل سے پوچھا: کیا تم صفین میں شریک تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے سہل بن

حنیف رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اپنی رائے پر بھروسا نہ کرو! میں خود واقعۂ ابوجندل کے دن موجود تھا، اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو واپس لے سکتا تو ضرور واپس لیتا، لیکن ہم نے اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر کسی ایسے معاملے میں نہیں لٹکائیں جو ہمیں سخت گراں گزرتا ہو، مگر وہ ہمیں ایسے معاملے تک پہنچا دیتا جسے ہم اچھی طرح پہچانتے ہیں سوائے اس ہمارے موجودہ معاملے کے۔''

---

(۱) یعنی: مجھے (اور نہ ہی) امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو، اور نہ ہی جو لوگ علی کی اطاعت کر رہے ہیں، یہ الزام دو کہ وہ صفین میں قتال میں سستی یا غفلت برتتے۔ بلکہ اپنی رائے پر خود سوچو یعنی تمہاری وہ ضد جاری رکھنے والی رائے کہ قتال جاری رہے اور تم امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانو، جو تمہیں جنگ روک کر کتاب اللہ یعنی تحکیم کی طرف پلٹنے کا کہہ رہا ہے۔ تم اپنے بھائیوں ایمان کے خلاف ایک ایسا اجتہاد کر کے لڑ رہے ہو جو غلطی کا احتمال رکھتا ہے؛ اس لیے خبردار رہو۔ اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کی طرف پلٹنا تمہارے دین کے لیے امن وامان اور حفاظت ہے۔

(۲) یعنی حدیبیہ کے صلح کے دن۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ (اصل نام: عاص بن سہیل بن عمرو العامری القرشی رضی اللہ عنہ) جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کے والد نے اُنہیں قید کر دیا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر ہجرت سے روک دیا۔ جب صلحِ حدیبیہ کا دن آیا تو وہ اپنی بیڑیوں سمیت گھسیٹتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ ان کے والد (سہیل بن عمرو) صلح نامے کے مسودے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے موجود تھے۔ سہیل نے کہا: اے محمد! یہ پہلا شخص ہے جس کے بارے میں میں آپ سے معاہدہ کر رہا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُسے میرے حوالے کر دو۔ لیکن سہیل نے انکار کر دیا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ وہ زور زور سے فریاد کرتے ہوئے کہنے لگے: اے جماعتِ مسلمین! کیا مجھے مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں نے اللہ کی خاطر کیسی اذیتیں برداشت کی ہیں؟ واقعہ یہ تھا کہ انہیں اللہ کے راستے میں سخت اذیتیں دی گئی تھیں۔ ان کے والد انہیں پکڑ کر دوبارہ مکہ لے گئے۔ مسلمانوں کے لیے اُن کا واپس کیا جانا نہایت گراں گزرا۔ بعدازاں وہ وہاں سے فرار ہو کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے، پھر مدینہ منورہ ہجرت کی۔ اس کے بعد وہ برابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے، پھر جہادِ شام کی طرف روانہ ہوئے اور سن ۱۸ ھ میں اردن کے مقام عمواس کے طاعون میں اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ سیر اعلام النبلاء (۱/۱۹۲)، الطبقات الکبریٰ (۷/۴۰۵)

(۳) اس کے باوجود ہم نے صبر کیا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صلح میں خیر و بھلائی کو دیکھا تھا۔ حاشیہ مسند احمد للسندی (۹/۱۴۸، حدیث ۶۸۲۰)۔

(۴) يُفْظِعُنَا: یعنی ہمیں کسی سخت اور ہولناک معاملے میں ڈال دے ایسا معاملہ جو نہایت بُرا اور پریشان کن ہو۔ فتح الباری (۱۳/۲۸۸)۔

(۵) ''أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ'' یعنی وہ (تلواریں) ہمیں ایک واضح اور بھلائی والے نتیجے تک پہنچا دیتی تھیں۔ ابن حجر کہتے ہیں: ''أَسْهَلْنَ بِنَا'' کا مطلب ہے ہمیں زمین کے ہموار حصے میں اتار دیا، یعنی ہمیں سختی سے نکال کر آسانی اور کشادگی کی طرف لے آئیں یہ

دراصل تنگی سے فرج وراحت کی طرف منتقل ہونے کا استعارہ ہے۔ فتح الباری (۱۳/۲۸۸)۔

(۶) ''غَيرَ أَمْرِنَا هَذَا'' سے مراد ہے: ''سوائے اس فتنے کے، یعنی جنگ صفین کے فتنہ کے، جو مسلمانوں کے درمیان پیش آیا۔'' یعنی یہ معاملہ ہمارے لیے بہت الجھا ہوا ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ مسلمان آخر کس بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں؛ اس لیے ایسے موقع پر تلوار نکالنے کے بجائے اسے میان میں رکھنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں: ''غیر هذا الأمر'' سے مراد وہ فتنہ ہے جو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے مابین پیش آیا؛ کیونکہ ان لڑائیوں میں تلواریں حق پر نہیں بلکہ فتنہ ومصیبت کے نتیجے میں چلی تھیں، اور ان میں مسلمانوں ہی کا خون بہا تھا، لہٰذا فتنہ کے وقت تلوار میان میں رکھنا ہی بہتر ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ۵/۳۶۴)

ابن حجر فرماتے ہیں: سہل رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی مسلمان کسی سخت مرحلے میں آتے جیسے غزواتِ نبویہ یا خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے فتوحات میں اور انہیں جنگ کی ضرورت پیش آتی، تو وہ اپنی تلواریں کندھوں پر رکھ لیتے، جو جنگ میں پوری سنجیدگی اور عزم کا کنایہ ہے، اور جب وہ ایسا کرتے تو اللہ انہیں فتح عطا فرما دیتا۔ یہی مراد ''فَأَسْهَلْنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ'' سے ہے۔ پھر سہل رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا، کیونکہ اس میں نصرت میں تاخیر ہوئی اور دونوں فریقوں کی طرف سے دلائل کا شدید تقابل پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا استدلال یہ تھا کہ ''اہل بغی'' سے اس وقت تک قتال مشروع ہے جب تک وہ حق کی طرف لوٹ نہ آئیں۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا استدلال یہ تھا کہ ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے اور ان کے قاتلین عراقی لشکر میں موجود ہیں۔'' چنانچہ دونوں طرف شبہات گہرے ہو گئے، لڑائی شدت اختیار کر گئی، اور فریقین میں خونریزی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ معاملہ تحکیم تک جا پہنچا، پھر جو کچھ ہوا، وہ ہوا۔ (فتح الباری ۱۳/۲۸۸)۔

(۷) صحیح بخاری (حدیث ۳۰۱۰) کی سند میں ''عَبْدَان'' سے مراد ہیں ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد ازدی، اور ''ابوحمزہ'' سے مراد ہیں محمد بن میمون السکری۔

[۳۷۹] وَأَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ: حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَصِينٍ قَالَ: قَالَ أَبُو وَائِلٍ: لَمَّا قَدِمَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ مِنْ صِفِّينَ (١) أَتَيْنَاهُ نَسْتَخْبِرُهُ، فَقَالَ: "اتَّهِمُوا الرَّأْيَ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَمْرَهُ لَرَدَدْتُ، وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ، قَبْلَ هَذَا الأَمْرِ (٢)، مَا نَسُدُّ مِنْهَا خُصْمًا (٣) إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا خُصْمٌ، مَا نَدْرِي كَيْفَ نَأْتِي لَهُ (٤)(٧).

امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے: ہم سے حسن بن اسحاق نے بیان کیا، اُن سے محمد بن سابق نے، اُن سے مالک بن مغول نے، وہ کہتے ہیں: میں نے ابا حصین کو

یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو وائل نے بیان کیا: جب حضرت سَہْل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو ہم اُن کے پاس گئے تاکہ حالات معلوم کریں۔ انہوں نے فرمایا: ''اپنی رائے پر اعتماد نہ کرو۔ میں خود حدیبیہ کے دن کی بات یاد کرتا ہوں اگر میرے اختیار میں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو واپس لوٹا دوں، تو میں ضرور ایسا کرتا، لیکن اللہ اور اُس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے جب بھی اپنی تلواریں کسی معاملے کے لیے کندھوں پر لٹکائیں، جو ہمیں سخت اور بھاری معلوم ہوا، تو وہی تلواریں ہمیں کسی ایسے معاملے تک پہنچا دیتی تھیں جسے ہم بھلائی اور خیر سے بھرپور پاتے تھے۔ مگر اب اس معاملے میں تو ہم جس فتنہ وفساد کا ایک رُخ بند کرتے ہیں، وہ دوسرے رُخ سے پھوٹ پڑتا ہے ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ اس کا سامنا کس طرح کریں۔''

(۱) یعنی: صفین کے میدانِ جنگ سے، اُس وقت جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگ روکنے اور اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق فیصلے کا حکم دیا تھا۔

(۲) یعنی صفین سے پہلے ہماری تمام جنگیں ہمیشہ کسی واضح اور بھلائی والے راستے تک پہنچا دیتی تھیں، مگر صفین کی جنگ ایسی نہیں تھی اس نے ہمیں ایک مبہم اور غیر واضح راستے پر لا کھڑا کیا، جو کسی بھلائی تک نہیں پہنچاتا تھا۔

(۳) خُصْمًا (بضم پھر سکون کے ساتھ): یعنی اُس (چیز) کا ایک پہلو یا ایک جانب۔ حاشیہ مسند احمد للسندی (۱۴۸/۹، حدیث ۶۸۲۰)۔

(۴) ہم نہیں جانتے کہ اس کا کیا حل نکالیں یعنی ہم اپنے معاملے میں حیرانی و الجھن میں پڑ گئے تھے، سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ انجام کیسے ٹلے اور پیش آمدہ نقصان سے بچنے کی کوئی صورت کیسے نکلے۔

(۵) صحیح بخاری (۳۹۵۳) میں مذکور حسن بن اسحاق سے مراد ابن زیاد اللّیثی ہیں، جن کی کنیت ابو علی المروزی ہے اور انہیں حَسْنُوَیہ کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ اور ابو حصین سے مراد عثمان بن عاصم بن حصین اسدی ہیں۔

سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اور ہم نے اپنی تلواریں کندھوں پر نہیں ٹانگ رکھیں......'' یعنی جب سے ہم اسلام لے آئے ہیں، جب بھی کوئی سختی یا آزمائش پہنچی جس میں قتال کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم نے ہتھیار اٹھا کر کھل کر لڑائی کی، اور اللہ تعالیٰ نے ہماری جنگ میں پھر کسی نہ کسی طرح آسانی و فتح پیدا کی۔ مگر صفین کی جنگ اس قاعدے سے مختلف تھی؛ یہ ایک ایسی فتنہ تھی جو ہمارے لیے مشکل اور الجھن والی تھی ایک طرف سے قابو کرنے پر دوسری طرف سے پھر آشوب

اٹھ جاتا، ہمیں معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں کا خون کس وجہ سے بہایا جا رہا ہے۔ اس حالت میں تلوار نکالنے سے بہتر یہی تھا کہ اسے میان میں رکھ دیا جائے (یعنی غمد میں رکھنا)، تاکہ اس گھمبیر حالت سے نجات کا راستہ تلاش کیا جا سکے۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس قول ''اپنی رائے پر شک کرو......اور ہم نے اپنی تلواریں کندھوں پر نہیں رکھیں......'' سے ان کا صفین کے قتال کے بارے میں موقف واضح ہوتا ہے، اور وہ اس طرح ہے:

(۱) وہ لوگوں کو قتال روکنے کی دعوت دے رہے تھے، حالانکہ قتال روکنا خود امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل تھی۔

(۲) وہ صفین کے قتال سے سخت بیزار اور متنفر تھے، اور ان کا رجحان صلح کی طرف تھا، جنگ کی طرف نہیں۔ ان کے اس بیزاری پر ان کے یہ الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں: ''ہم جب بھی تلواریں اٹھاتے تھے، تو کسی واضح اور بھلے مقصد تک پہنچ جاتے تھے، مگر اس معاملے (صفین) میں ایسا نہیں ہوا؛ ہم ایک طرف سے فتنے کو دبانے کی کوشش کرتے تو دوسری طرف سے بھڑک اٹھتا، اور ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس کا کیا حل نکالا جائے''۔

(۳) وہ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کو فتنہ قرار دیتے تھے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اس میں کوئی پہلو قابلِ تعریف نہیں رہا ایک جانب امن ہوتا تو دوسری جانب فساد اٹھ کھڑا ہوتا، یہاں تک کہ وہ خود بھی اس الجھن سے نجات کا راستہ نہ سمجھ پاتے تھے۔

(۴) ان کے نزدیک صفین کا قتال لوگوں کو ایک غیر واضح راستے پر لے گیا، جس سے کوئی بھلائی حاصل نہ ہوئی؛ بلکہ کثرتِ قتل وخون اور پیچیدہ اختلافات کے باعث نقصان ہی ہوا۔

(۵) وہ رضی اللہ عنہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ صفین کی جنگ دراصل دونوں فریقوں کے اجتہاد اور رائے کا نتیجہ تھی، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی وصیت یا حکم کی بنیاد پر۔ اسی لیے انہوں نے ان لوگوں سے جو قتال پر اصرار کر رہے تھے کہا: ''اپنی رائے پر شک کرو!'' یعنی اہلِ شام سے جنگ کرنا تمہاری اپنی رائے اور اجتہاد ہے، کوئی صریح شرعی نص نہیں۔ اور جہاں تک صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ کی حروریوں (خوارج) پر سختی کا تعلق ہے، تو وہ واقعہ یعقوب بن شیبہ نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔

[۳۸۰] أَخْرَجَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ فِي "مُسْنَدِهِ" - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ - قَالَ: حَدَّثَنِي خلفُ بْنُ سَالِمٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ثُمَّ خَرَجُوا - يَعْنِي الْخَوَارِجَ - مَعَ ابْنِ الْكَوَّاءِ، وَكَانَ رَجُلاً مِنْ بَنِي يَشْكُرَ، حَتَّى نَزَلُوا حَرُورَاءَ مُفَارِقِينَ لِعَلِيٍّ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ عَلِيٌّ: عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَصَعْصَعَةَ بْنَ صُوحَانَ[۱]، فَقَالَ لَهُمْ صَعْصَعَةُ: إِنَّمَا تَكُونُ الْقَضِيَّةُ فِي قَابِلٍ، فَكُونُوا عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ[۲] حَتَّى تَنْظُرُوا كَيْفَ يَكُونُ الْقَضَاءُ). قَالُوا: إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُحْدِثَ أَبُو مُوسَى شَيْئًا يَكُونُ كُفْرًا. قَالَ: فَلَا تَكْفُرُوا[۳] أَنْتُمُ الْعَامَ مَخَافَةَ كُفْرِ عَامٍ قَابِلٍ. فَلَمَّا قَامَ صَعْصَعَةُ، قَالَ - يَعْنِي ابْنَ الْكَوَّاءِ -: أَيْ قَوْمُ، أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي دَعَوْتُكُمْ إِلَى هَذَا الأَمْرِ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: فَإِنَّ هَذَا[۴] شَفِيقٌ نَاصِحٌ فَأَطِيعُوهُ. فَتَابَعَهُ نَاسٌ كَثِيرٌ، وَرَجَعَ إِلَى عَلِيٍّ فَأَخْبَرَهُ، وَأَتَى نَاسٌ كَثِيرٌ ثُمَّ دَخَلُوا الْكُوفَةَ، فَجَعَلُوا يَشْتَرُونَ السِّلَاحَ وَالْخَيْلَ، فَأُخْبِرَ عَلِيٌّ بِذَلِكَ، فَقَالَ: دَعُوهُمْ ثُمَّ خَرَجُوا حَتَّى أَتَوُا النَّهْرَوَانَ...[۵].

یعقوب بن شیبہ نے اپنی "مسند" میں یہ روایت نقل کی ہے، جیسا کہ تاریخِ دمشق میں بھی مذکور ہے۔ انہوں نے کہا: مجھے خلف بن سالم نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے اپنے والد سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: پھر خوارج ابنِ کوّاء کے ساتھ نکلے - جو بنو یشکر کا ایک شخص تھا - یہاں تک کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوکر حروراء میں آ کر ٹھہر گئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ کو بھیجا۔ صعصعہ نے ان سے کہا: "فیصلہ (یعنی حکمین کا حکم) تو آئندہ سال ہونا ہے، لہٰذا تم اسی حالت پر قائم رہو جس پر

ابھی ہو، یہاں تک کہ دیکھ لو کہ فیصلہ کس طرح ہوتا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''ہمیں اندیشہ ہے کہ ابوموسیٰ کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جو کفر کے زمرے میں آجائے۔'' صعصعہ نے کہا: تو پھر تم خود اس سال کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤ اس خوف سے کہ آئندہ سال کوئی اور کفر کرے! جب صعصعہ وہاں سے اٹھے تو ابنِ کوّاء نے اپنی قوم سے کہا: اے لوگو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میں نے تمہیں اسی بات کی طرف بلایا تھا؟ انہوں نے کہا: "کیوں نہیں، جانتے ہیں!" تو ابنِ کوّاء نے کہا: "یہ شخص (یعنی صعصعہ) خیر خواہ اور ہمدرد ہے، لہٰذا اس کی بات مانو۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کی بات مان گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آکر اطلاع دی۔ پھر ان میں سے بہت سے لوگ کوفہ لوٹ آئے اور وہاں ہتھیار اور گھوڑے خریدنے لگے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو فرمایا: انہیں چھوڑ دو۔ پھر وہ لوگ نکلے اور نہروان جا پہنچے۔۔۔

ابنِ الکوّاء نے کہا: (اے لوگو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے تمہیں اس کام (یعنی علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج) کی طرف بلایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، ایسا ہی ہے تو ابنِ الکوّاء نے کہا: یہ (صعصعہ) تمہارا خیر خواہ اور مخلص ہے، اس کی بات مانو)۔ ابنِ الکوّاء کے بارے میں یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی خوارج سے مناظرے کے موقع پر خوارج کے نظریے سے توبہ کر لی تھی، (چنانچہ چار ہزار خوارج نے توبہ کی، جن میں ابنِ الکوّاء بھی شامل تھے(٦))۔ چونکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا وہ مناظرہ اس وقت ہوا تھا جب علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ نے خوارج سے مناشدہ (یعنی گفتگو ونصیحت) نہیں کی تھی، اس لیے یعقوب بن شیبہ کی روایت کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ ابنِ الکوّاء علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کے ساتھ ان کی نصیحتی گفتگو میں شریک تھے، اور درست عقیدے پر تھے، یعنی وہ علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کے مددگار کے طور پر موجود تھے۔ اسی لیے ابنِ الکوّاء نے خوارج سے کہا: میں پہلے تمہارے سرداروں میں سے تھا، اور اسی وقت میں نے تمہیں علی رضی اللہ

عنہ کے خلاف خروج کی دعوت دی تھی، لیکن اب میں نے حق کو پہچان لیا ہے، لہٰذا میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ صعصعہ بھی تمہیں اسی کی طرف بلا رہے ہیں۔ پس تم صعصعہ کی بات مانو، کیونکہ وہ تمہارے لیے خیر خواہ اور مخلص ہیں۔

ابن الکواء کا قول (فَتَابَعَهُ نَاسٌ كَثِيرٌ ... وَأَتَى نَاسٌ كَثِيرٌ ثُمَّ دَخَلُوا الْكُوفَةَ) سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور صعصعہ کے ساتھ مناشدہ کے بعد زیادہ تر خوارج توبہ کر کے لوٹ آئے، اگرچہ سب نہیں۔

اس کا قول (فَجَعَلُوا يَشْتَرُونَ السِّلَاحَ وَالْخَيْلَ) کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے کوفہ میں داخل ہوتے ہی اسلحہ اور گھوڑے خریدنا شروع کر دیے، بلکہ کئی مہینوں بعد، جب خوارج نے عبداللہ بن وہب الراسبی کو ۱۰ شوال سنہ ۳۷ھ میں اپنا امیر بنایا، تو اسی کے بعد انہوں نے تیاری شروع کی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی (۷)۔

اس کا قول (فَأُخْبِرَ عَلِيٌّ بِذَلِكَ، فَقَالَ: دَعُوهُمْ) یعنی علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ خوارج جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور اسلحہ و گھوڑے خرید رہے ہیں، تو انہوں نے انہیں روکا نہیں، نہ ان کا پیچھا کیا، نہ انہیں خریداری سے منع کیا، بلکہ یہاں تک کہ جب وہ نہروان کی طرف نکل گئے، تب بھی علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے دیا، کیونکہ انہوں نے ان سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ خود ان پر پہل نہیں کریں گے۔ جب تک وہ ناحق خون نہ بہائیں، ان سے قتال نہ کیا جائے، اور اس وقت تک انہوں نے کوئی ناحق خون نہیں بہایا تھا (۸)۔

---

(۱) یہ کلام مجمل ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف حروراء بھیجا تاکہ وہ اُنہیں اطاعت کی طرف بلائیں، مگر خوارج نے ان کی بات نہ مانی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو مناظرہ کے لیے حروراء روانہ کیا، تو اس مناظرہ کے نتیجے میں خوارج میں سے دو ہزار افراد تائب ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خود صعصعہ اور ابنِ الکوّاء کو ساتھ لے کر خوارج کے پاس حروراء تشریف لے گئے، ان سے گفتگو کی، اور اُن کے

درمیان صلح ورضامندی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ خوارج، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر کوفہ واپس آگئے بی لیکن افسوس کہ اُن کا فہم ناقص اور گمراہ کن تھا۔

(۲) یعنی: امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہو۔ اور ''الْقَضَاء'' سے مراد ہے: تحکیم کی مقررہ گھڑی یا وقت۔

(۳) (فَلَا تَكْفُرُوا) اس طرح منقول ہے، لیکن صحیح صورت ''فَلَا تَضِلُّوا'' ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی یہ کہ پہلے ہی کے ایک بیان میں یہ الفاظ وارد ہو چکے ہیں: (فَلَا تَعْجَلُوا ضَلَالَةَ الْعَامِ) یعنی: جلد بازی میں گمراہی اختیار نہ کرو۔

دوسری وجہ یہ کہ خوارج کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تحکیم پر راضی ہونا کفر تھا، لیکن ان سے علی رضی اللہ عنہ کی جدائی کو وہ کفر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ صعصعہ کا موقف یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہونا گمراہی ہے۔ لہٰذا صعصعہ نے ان کے اپنے قول کے مطابق ان پر حجت قائم کی اور کہا: علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہو کر تم گمراہی میں جلدی نہ کرو، اس اندیشے سے کہ کہیں وہ کفر نہ واقع ہو جائے جس کا تم گمان کرتے ہو۔ جو ممکن بھی ہے اور نہیں بھی۔

یوں ثابت ہوا کہ عبارت ''فَلَا تَكْفُرُوا'' درست نہیں، بلکہ صحیح لفظ ''فَلَا تَضِلُّوا'' ہی ہے۔

(۴) یعنی: صَعْصَعَہ۔

(۵) تاریخ دمشق (۲۹۲/۴۹) کی یہ مقدار جو ہم نے نقل کی ہے، اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے، سوائے اس جملے کے: ''فَلَا تَكْفُرُوا''، کیونکہ اس کی درست صورت ''فَلَا تَضِلُّوا'' ہے (تفصیل کے لیے پچھلا حاشیہ دیکھیں)۔ البتہ یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ''وَہب بن جریر'' دراصل ابن حازم الازدی ہیں۔ مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۵۹۲/۱)۔

شواہد:

یہ حصہ پچھلی روایت کے ضمن میں مختصراً منقول ہوا ہے۔

التخریج:

ابن حجر نے لسان المیزان (۳۲۹/۳) میں اسے یعقوب بن شیبہ کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ تقریباً اسی مفہوم کے مطابق نقل کیا ہے۔

(۶) دیکھیے حوالہ [۴۷۹]۔

(۷) دیکھیے صفحہ (۶۳۴)۔

(۸) [۴۸۹] سے پہلے والے حاشیے کو ملاحظہ کریں۔

[۳۸۱] **أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ خَازِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شَرَاحِيلَ، عَنْ حَنَشِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الصَّنْعَانِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زُرَيْرٍ الْغَافِقِيِّ - وَقَدْ كَانَ شَهِدَ صِفِّينَ مَعَ عَلِيٍّ - قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمًا وَالْتَقَيْنَا نَحْنُ وَأَهْلُ الشَّامِ، فَاقْتَتَلْنَا حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَا يَبْقَى أَحَدٌ، فَأَسْمَعُ صَالِحًا يَصِيحُ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ، اللهَ اللهَ، مَنْ لِلنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ مِنَ الرُّومِ؟ مَنْ لِلتُّرْكِ؟ مَنْ لِلدَّيْلَمِ(۱)؟ اللهَ اللهَ وَالْبُقْيَا(۲). فَأَسْمَعُ حَرَكَةً مِنْ خَلْفِي، فَالْتَفَتُّ**

فَإِذَا عَلِيٌّ يَعْدُو بِالرَّايَةِ يُهَرْوِلُ بِهَا حَتَّى أَقَامَهَا، وَلَحِقَهُ ابْنُهُ مُحَمَّدٌ، فَأَسْمَعُهُ يَقُولُ: "يَا بُنَيَّ الْزَمْ رَأْيَتَكَ، فَإِنِّي مُتَقَدِّمٌ فِي الْقَوْمِ". فَأَنْظُرُ إِلَيْهِ يَضْرِبُ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُفْرَجَ لَهُ، ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهِمْ (٣).

ابن سعد نے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے احمد بن خازم نے عمرو بن شراحیل سے، اور انہوں نے حنش بن عبداللہ صنعانی سے، اور انہوں نے عبداللہ بن زرَیر غافقی سے روایت کی - جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شریک تھے - وہ کہتے ہیں: ایک دن ہم اہلِ شام سے آمنے سامنے ہوئے، جنگ شروع ہوئی یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید کوئی زندہ نہ بچے گا۔ اتنے میں میں نے ایک نیک شخص کو پکار کر کہتے سنا: ''اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو! روم کے مقابلے پر عورتوں اور بچوں کا محافظ کون ہوگا؟ ترکوں سے کون نمٹے گا؟ دیلمیوں کا مقابلہ کون کرے گا؟ اللہ سے ڈرو، اور باقی رہنے کا خیال کرو!'' اتنے میں میں نے پیچھے سے کچھ حرکت محسوس کی، مڑ کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے دوڑتے آ رہے ہیں، تیز قدموں سے چلتے ہوئے اسے گاڑ دیا۔ اسی دوران ان کے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ بھی آن پہنچے، تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: ''بیٹے! جھنڈے کے قریب ہی رہنا، میں قوم میں سب سے آگے بڑھنے والا ہوں۔'' پھر میں نے دیکھا کہ آپ تلوار چلاتے ہوئے دشمنوں میں داخل ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے لیے راستہ بن گیا، پھر آپ پلٹ کر دوبارہ ان ہی میں گھس گئے۔

---

(۱) دیلم ایک عجمی قوم تھی جو جبالِ دیلم کے علاقے میں آباد تھی۔ یہ پہاڑ آج کے ایران کے شمال میں، صوبہ گیلان میں واقع ہیں، جن

کے شمال میں بحرِ خزر اور آذربائیجان کی سرحدیں ہیں۔(ماخذ: المسالک والممالک للاصطخری، ص ۲۰۴؛ المعجم الوسیط ۱/۲۹۴؛ المعالم الاثیرۃ فی السنۃ والسیرۃ، ص ۱۱۷)۔

(۲) یعنی: ہم تم سے اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتے ہیں کہ جو ہم میں سے باقی رہ گئے ہیں، ان پر رحم کرو اور انہیں زندہ رہنے دو۔ (حوالہ: لسان العرب ۱۴/۸۰، مادہ: بقی)۔

(۳) الطبقات الکبریٰ (۵/۹۳-۹۴) یہ روایت اپنی شواہد کے ساتھ حسن ہے، اس کی تخریج اور رواۃ کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

[۳۸۲] قَالَ نَصرُ بْنُ مُزَاحِمٍ : قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ : ثُمَّ قَامَ الطَّفَيْلُ بْنُ أَدْهَمَ حِيَالَ عَلِيٍّ، وَقَامَ أَبُو شُرَيْحٍ الجُذَامِيُّ حِيَالَ الْمَيْمَنَةِ، وَقَامَ وَرْقَاءُ بْنُ الْمُعْمَرِ حِيَالَ الْمَيْسَرَةِ، ثُمَّ نَادَوْا : يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ، اللهَ اللهَ فِي نِسَائِكُمْ وَبَنَاتِكُمْ، فَمَنْ لِلرُّومِ وَالأَتْرَاكِ وَأَهْلِ فَارِسَ غَدًا إِذَا فَنِيتُمْ؟ اللهَ اللهَ فِي دِينِكُمْ، هَذَا كِتَابُ اللهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ[۱].

نصر بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر نے کہا: پھر طفیل بن اَدہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل کھڑے ہوئے، ابوشریح جُذامی دائیں جانب کے سامنے، اور ورقاء بن معمر بائیں جانب کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پھر سب نے یک زبان ہو کر پکارا: ''اے گروہِ عرب! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے بارے میں! جب تم سب ختم ہو جاؤ گے تو کل روم، ترک اور اہلِ فارس کا مقابلہ کون کرے گا؟ اللہ سے ڈرو اپنے دین کے بارے میں! ہمارے اور تمہارے درمیان تو اللہ کی کتاب ہی فیصلہ کن ہے!''۔

(۱) وقعہ صفین، ص (۴۸۷) یہ روایت اپنی شواہد کے ساتھ حسن ہے، اس کی تخریج گزر چکی، اور اس کے رواۃ کا ذکر ہم نے یہیں کیا ہے۔

[۳۸۳] وذكر ابن كثير أن أهل الشام حينما أزيحوا عن أماكنهم وتوجه النَّصرُ الجيش العراق قَالَ أَهْلُ الشَّام : هَذَا[۱] بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، قَدْ فَنِيَ

النَّاسُ، فَمَنْ لِلثُغُورِ؟ وَمَنْ لِجِهَادِ الْمُشْرِكِينَ وَالْكُفَّارِ؟)(۲).

ابنِ کثیر نے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ شام اپنی جگہوں سے پسپا ہو گئے اور لشکرِ عراق کو غلبہ حاصل ہوا تو اہلِ شام نے پکار کر کہا: یہ (جنگ) تو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، مگر لوگ تو تباہ ہو چکے! اب سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ اور مشرکوں و کافروں کے خلاف جہاد کون کرے گا؟

---

(۱) یعنی: اللہ عزوجل کی کتاب۔

(۲) البدایہ والنہایہ (۷/۳۰۲) ہم نے جو مقدار یہاں نقل کی ہے، وہ اپنی شواہد کے ساتھ حسن ہے، اور اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

● پہلا مطلب: جنگ روکنے کا طریقہ:

گزشتہ تین روایات - احمد بن خازم، نصر بن مزاحم اور ابنِ کثیر کی - جنگ کے آخری لمحات کا حال بیان کرتی ہیں، جب تحکیم کی دعوت دی گئی۔ نصر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ شام نے جنگ روکنے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے، لشکرِ عراق سے مختلف سمتوں سے پُرزور اپیلیں کیں۔ شامیوں نے یہ مناشدتیں مختلف محاذوں - یعنی قلب، میمنہ اور میسرہ - سے اس لیے کیں تاکہ پیغام (اچھی طرح پہنچ جائے) اور اس پر زور بھی دیا جا سکے،،،،

◆ **رہا مقصدِ تبلیغ:** تو مختلف سمتوں سے بلند آواز میں مناشدت کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ آواز لشکرِ عراق کے ہر فرد تک پہنچ جائے، حتیٰ کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تک بھی۔

◆ رہا مقصدِ تاکید: تو وہ مناشدت کو بار بار دہرا کر اور ہر سمت سے پھیلا کر اس بات پر زور دے رہے تھے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق صلح چاہتے ہیں، لڑائی نہیں۔ گویا وہ کہہ رہے تھے: ''ہم تم سے جنگ نہیں چاہتے، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق ہو۔'' چنانچہ وہ مختلف مقامات سے ایک ہی وقت میں بلند آواز سے پکار رہے تھے اور بار بار یہی بات دہراتے جا رہے تھے۔

یہ مسلسل بلند آواز میں کی جانے والی وہ مناشدت تھی جس نے دونوں لشکروں کے دلوں میں دبی ہوئی اُس تمنا کو پھر سے جگا دیا - وہی تمنا جو جنگ کے ہولناک مناظر، تھکن، سخت مشقت اور

جاگتے رہنے کے باوجود مزید مضبوط ہوتی جا رہی تھی، مگر طوالِ جنگ کوئی راہِ اظہار نہ پا سکی تھی[۱]۔ یہاں تک کہ جب اصلاح کی دعوت دینے والے کی صدا گونجی - جو گویا بادلوں کی گرج کی طرح[۲] میدانِ جنگ کے ہر گوشے تک پہنچ گئی - تو وہ دبی ہوئی آرزو پھوٹ پڑی: یعنی لڑائی رک جائے، اور لوگوں کے دلوں میں پھر سے امید جاگ اٹھی کہ اب ایک پائیدار حل سامنے آیا ہے جس پر تمام مؤمن متفق ہو سکتے ہیں - اور وہ حل ہے: کتابُ اللہ کی طرف رجوع کر کے نزاعات کا فیصلہ کرنا۔

یہ ایک عینی شاہد کی گواہی ہے جو لشکرِ علی رضی اللہ عنہ میں تھا: عبداللہ بن زرَیر الغافقی - جو ثقہ ہے قرار پائے (اور بعض نے اُن پر رُمّیت کے ساتھ تشیع کا الزام بھی لگایا ہے[۳]) - وہ بتاتے ہیں کہ کیسے اُمیدان کے سینے میں پھر سے جاگی، حالانکہ وہ تصور کرتے تھے کہ ہلاک ہو ہی گئے ہیں۔ اُن کا بیان یوں ہے: ایک دن ہم اور اہلِ شام آمنے سامنے آئے۔ جنگ اتنی شدت سے ہوئی کہ مجھے لگا شاید کوئی بچ ہی نہ پائے۔ پھر میں نے ایک پکارنے والے کو زور سے چیختا سنا: اے مسلمین! اللہ اللہ! روم کے سامنے تمہاری عورتوں اور بچوں کا کون محافظ ہوگا؟ ترکوں کا کون مقابلہ کرے گا؟ دیلم کا کون مقابلہ کرے گا؟ اللہ اللہ اور باقی رہ جانے والوں کا خیال کرو! جب عبداللہ بن زرَیر نے وہ پکارنے والا سنا تو اُن کے دل میں نئی امید جاگ اٹھی۔ مزید یہ کہ اصلاح کے داعیان اِس قسم کی مناشدات سے لوگوں کو جنگ کے بھاری انجام سے ڈرانا چاہتے تھے - وہ بار بار زور دے کر کہتے رہے: اے گروہِ مسلمین! اللہ اللہ! اپنی عورتوں اور بچّوں کے بارے میں سوچو؛ روم اور ترک اور فارس کے سامنے پھر کون ٹھہرے گا اگر تم ختم ہو گئے؟ اللہ اللہ اپنی دین کی حفاظت کرو؛ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب[۴] ہے۔ یہ منادیِ اصلاح بارہا دہرائی جاتی رہی، اور یہی پکار لوگوں میں اس فکر کو جگا گئی کہ لڑائی بند ہو اور سب لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔

اس تمام صورتِ حال کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا: کہ اہلِ عراق کی اکثریت میں لڑنے کا جذبہ کمزور پڑ گیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصلاحی پکاریں خود امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی سنیں، جو لوگوں کو جنگ کے تباہ کن نتائج کی یاد دہانی کرا رہی تھیں۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اسلامی

سرحدوں کے تحفظ کے سب سے زیادہ خواہش مند اور مسلمانوں کے عورتوں اور بچوں پر سب سے بڑھ کر شفیق و مہربان تھے، چنانچہ وہ بھی اصلاح کی اس صدا سے متاثر ہوئے۔ یہی بات اس امر کا ایک اضافی سبب بنی کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے صلح کی پیشکش کو فوراً قبول فرمایا اور جنگ بند کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے اس صلح کا نام "فتح" رکھا- یعنی اللہ کی طرف سے ایک فتح - جیسے صلحِ حدیبیہ بھی درحقیقت اللہ کی جانب سے ایک عظیم فتح تھی، کیونکہ صلحِ حدیبیہ کے بعد خیر و برکت اسلام اور مسلمانوں پر خوب نازل ہوئی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں صوتِ اصلاح کی اصل اہمیت نمایاں ہوتی ہے- کہ اس نے صلح کے مکمل ہونے اور تیزی سے نافذ ہونے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

نصر اور ابنِ کثیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناشدہ (اصلاح کی پکار) اس وقت ہوئی جب قرآنِ مجید علی رضی اللہ عنہ کی طرف بطورِ پیغام بھیجا گیا تھا، لیکن تین دیگر روایات (۵) سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سب سے پہلے اہلِ شام کی یہ اصلاحی مناشدہ بلند ہوئی، پھر یہ پکار مسلسل جاری رہی یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآنِ مجید لے کر پہنچا، انہیں تحاکم کی دعوت دیتے ہوئے۔ اس وقت علی رضی اللہ عنہ خود ہاتھ میں پرچم لیے میدانِ جنگ میں آگے بڑھ رہے تھے، دوڑتے ہوئے صفوں میں داخل تھے۔

مگر جب انہیں قرآن کے آنے اور ان نداءاتِ اصلاح کی خبر ملی جنہوں نے صفین کی سرزمین کو ہلا ڈالا تھا، تو وہ فوراً معرکے سے پلٹے تاکہ دیکھیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد کیا پیغام لائے ہیں، اور ان گونجتی ہوئی اصلاحی آوازوں کا راز کیا ہے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے اس پیغام کا جواب دیا اور جنگ روک دینے کا حکم فرمایا۔

مناشدہ (اصلاح کی پکار) کے ظاہر ہونے اور جنگ کے رکنے کے درمیان جو وقفہ گزرا، وہ بہت مختصر تھا- اندازاً ہمارے آج کے وقت کے حساب سے بیس منٹ کے قریب۔ جنگ دراصل اس سے بھی پہلے رُک جانی چاہیے تھی، مگر اُس وقت علی رضی اللہ عنہ خود میدانِ جنگ کے اندر گہرائی تک مصروفِ قتال تھے۔ لہٰذا جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد نے اُن سے ملاقات کرنی چاہی، تو اُسے انتظار کرنا پڑا کہ علی رضی اللہ عنہ کا دربان (حاجب) گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں اُن تک پہنچے، انہیں قاصد کی آمد کی اطلاع دے، پھر علی رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس خیمے میں تشریف

لائیں تا کہ قاصدِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر سکیں۔علی رضی اللہ عنہ نے جلدی فرمائی اور تیزی سے لوٹے تا کہ قاصد سے ملاقات کریں اور ان شامی اصلاحی صداؤں کا ماجرا معلوم کریں جن سے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا دل متأثر ہو چکا تھا۔ یہ تمام عمل تقریباً اتنے ہی وقت میں مکمل ہوا جتنا ہم نے بیان کیا-واللہ اعلم۔

لڑائی کو اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق تحکیم کے ذریعے روکنے کا خیال عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا۔اس وقت فوجی برتری لشکرِ عراق کے حق میں تھی،اور اہلِ شام کا لشکر پیچھے ہٹ رہا تھا اور اپنے مقامات سے ہٹا دیا گیا تھا، یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کسی پہاڑ کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے سے ہی اس موقع کا اندازہ کر لیا تھا اور یہ پہاڑ اسی مشکل وقت کے لیے منتخب کیا،اور یہی وہ مقام تھا جسے انہوں نے میدانِ جنگ کے لیے چنا، جیسا کہ ہم نے پہلے ''پانی پر جنگ''(٦) کے واقعہ میں ذکر کیا۔

عبداللہ بن زُرَیر الغافقی روایت کرتے ہیں: جب میں نے منادیِ اصلاح کی آواز سنی تو اچانک اپنے پیچھے کچھ ہلچل محسوس کی، مڑ کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم لیے تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے آگے بڑھے، یہاں تک کہ جا کر پرچم گاڑ دیا۔تھوڑی دیر بعد ان کے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ میں نے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: بیٹے! پرچم کو مضبوطی سے تھامے رکھو، میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ تلوار سے وار کرتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ دشمن کی صفوں میں ان کے لیے راستہ بن گیا، پھر وہ واپس پلٹے۔ابنِ زُرَیر بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پرچمِ قلبِ لشکر ہاتھ میں لیے اس وقت تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے جب اہلِ شام، اہلِ عراق کے شدید حملوں کے سامنے پسپا ہو رہے تھے۔ آپ نے پرچم ایک نہایت اگلی اور خطرناک جگہ پر، اس پہاڑ کے قریب نصب کیا جہاں شام کا لشکر پناہ لیے ہوئے تھا۔اہلِ شام اس پہاڑ پر اور اس کے اطراف میں موجود تھے۔امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حملہ جاری رکھا جائے اور پہاڑ و اس کے گردونواح پر چڑھائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے پرچم اپنے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے فرمایا: بیٹے! پرچم کو مضبوطی سے تھامے رکھو، میں خود دشمن کے درمیان جا رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ تلوار سے وار کرتے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ

ان کے لیے راستہ کھل گیا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب پرچم اپنے بیٹے کے حوالے کیا تو خود تلوار ہاتھ میں لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے، شام کے لشکر کی صفیں چیر کر اندر تک جا پہنچے۔ پھر واپس آ کر پرچم کی جگہ کھڑے ہوئے، اور دوبارہ حملہ کیا - ایک بار پھر دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس وقت شام کا لشکر اس طاقتور عراقی پیش قدمی کے سامنے پے در پے پیچھے ہٹ رہا تھا۔

فتح کا رجحان لشکرِ عراق کی طرف تھا، اور جب لشکرِ عراق کا پرچم قلب پہاڑ کی دہلیز تک پہنچ گیا تو مطلب یہ تھا کہ ہلاکت نے اہلِ شام کو گھیر لیا ہے۔ اگر پرچمِ قلب اتنے آگے نکل آیا تو دوسری جھنڈیاں تو اس سے بھی زیادہ آگے بڑھیں گی، اور اہلِ شام کی ہزیمت کے ساتھ ایک بھیانک قتلِ عام ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا - جو پچھلے قتل و غارت سے بھی زیادہ وحشتناک ہوگا۔ یہی حال وہی تھا جو والیِ کوفہ ابو مسعود البَدری رضی اللہ عنہ نے اپنی خطبہ میں کہا تھا: (**اور ہم اسے فتح شمار نہ کریں گے کہ یہ دونوں فوجیں کل مسلمانوں میں آپس میں مل جائیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں - یہ یہ، وہ وہ - یہاں تک کہ جب تک صرف ''رِجْرِجَة'' (یعنی پست، کم فہم اور نالائق لوگ** [۷]**) باقی نہ رہ جائیں۔ تو کل ایک طرف دوسری پر غالب** [۸] **آ جائے گی!** [۹]) اور درحقیقت یہ خونریز ہیبت اہلِ شام کے درمیان پہلے ہی سے شروع ہو چکی تھی؛ قتلِ عام عام ہو گیا اور ان کے ہاں ہلاکتیں بڑھتی گئی تھیں۔

ان نازک اور فیصلہ کن لمحات میں، سیدنا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وہ غیر معمولی سیاسی و عسکری بصیرت پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آئی، جس کے ذریعے انہوں نے اس ہولناک جنگ کو ختم کرنے کی راہ نکالی جو دونوں لشکروں سے کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی [۱۰]۔ وہ ایک تجربہ کار سپہ سالار اور جنگ کے ماہر تھے، نیز عربوں کے بڑے مدبر اور زیرک لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل، تقویٰ اور دیانت سے خوب واقف تھے، اس لیے انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پورے اعتماد کے ساتھ کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی اللہ کے حکم کو رد نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ علی رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے اور جنگ روکنے کی دعوت دی جائے۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی طرف قرآنِ مجید بھیجو، قسم بخدا! وہ اسے

تم پر واپس نہیں لوٹائیں گے۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا قاصد قرآنِ مجید کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا، اور اپنے چند ساتھیوں کو حکم دیا کہ مختلف سمتوں سے بلند آواز میں اہلِ عراق کو پکاریں کہ جنگ روک دو اور اللہ کی کتاب کو فیصل بناؤ، نیز انہیں اس خونریز جنگ کے تباہ کن نتائج یاد دلاؤ ۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مناشدتیں (پکاریں) اس وقت تک جاری رہیں جب تک قاصد حضرت علی رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچ گیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ قاصد کا مقصد اور ان اصلاحی نعرہ زنیوں کی حقیقت معلوم کریں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد ایک قرآنِ مجید اٹھائے ہوئے کھڑا ہے اور بلند آواز سے پکار رہا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾

ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی اللہ کی کتاب ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، جب انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے اور اعراض کرتا ہے؟ یہ منظر دیکھ کر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تردد یا تاخیر کے صلح اور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ قبول کر لیا ۔ حالانکہ فتح کے آثار ان ہی کے لشکر پر نمایاں تھے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہی فیصل ہے، اور میں تم سے زیادہ اس کا پابند ہوں۔ یعنی: کیونکہ میں خلیفہ ہوں اور تم میری رعایا، اس لیے میں ہی تم سے زیادہ اس بات کا حقدار ہوں کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں، اور میں پورے یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ حق میرے ہی ساتھ ہے۔

اس صلح کے تیز رفتار قبول کے بعد، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فوراً جنگ روک دینے کا حکم دیا۔ یوں لشکروں کی وہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی جن کی جانیں طویل قیام سے اُکتا چکی تھیں، وہ پے در پے قتل وخون سے بیزار ہو گئے تھے اور رات دن جاری رہنے والی لڑائی سے سخت تھک چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً جنگ بند کر دی۔

جب جنگ رک گئی تو خوارج ۔ جنہیں اُس وقت "قراء" کہا جاتا تھا ۔ تلواریں کندھوں پر لٹکائے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور لڑائی بند کرنے پر اعتراض کرتے ہوئے

بولے: ''اے امیر المؤمنین! کیا ہم اہلِ شام سے لڑائی جاری نہ رکھیں، یہاں تک کہ اللہ ہمیں ان پر فتح عطا کرے؟'' گویا وہ سمجھ رہے تھے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے جنگ میں کوتاہی برت رہے ہیں یا صلح کا فیصلہ کر کے خطا پر ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا: [اے لوگو! امیر المؤمنین اور ان کے ساتھیوں کو، جنہوں نے ان کے حکم کی تعمیل کی، قصوروار یا خطا کار نہ ٹھہراؤ، بلکہ اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہراؤ کہ تم نے خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اطاعت میں کوتاہی کی۔ تم اپنے مسلمان بھائیوں سے اجتہاد کی بنیاد پر لڑ رہے ہو، اور اجتہاد میں خطا کا احتمال رہتا ہے، اس لیے ہوشیار رہو!]، پھر حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ نے ان کو نصیحت کے طور پر ایک واقعہ سنایا جو اس موقع کے بالکل موزوں تھا۔ انہوں نے فرمایا: [ہم حدیبیہ کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اُس وقت ہم سمجھتے تھے کہ عزت اور فتح اسی میں ہے کہ ہم طاقت سے مکہ میں داخل ہوں، کیونکہ قریش نے ہمیں مسجدِ حرام سے روک دیا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ صلحِ حدیبیہ - اگرچہ بظاہر مشرکین کا پلڑا بھاری دکھائی دیتا تھا - درحقیقت عزت، نصرت اور اللہ کی طرف سے اسلام و مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتح تھی۔ لہٰذا اے لوگو! خلیفہ کی اطاعت کرو اور جنگ سے باز آ جاؤ]۔

جب لوگوں نے صلحِ حدیبیہ کا واقعہ سنا - کہ کس طرح اس کے بعد مسلمانوں پر بھلائی اور نصرت کے دروازے کھل گئے، اور اللہ عزوجل نے اسی صلح کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے فتح قرار دیا، حتیٰ کہ اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! یہ[11] بھی ایک فتح ہے۔ یعنی اے قراء! صلح اور جنگ کو روک کر اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ پر آمادہ ہونا، دراصل مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے ایک فتح ہی ہے - جیسے صلحِ حدیبیہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتح تھی۔ لہٰذا تم بھی اس فیصلے کو قبول کرو اور میری اطاعت کرو۔

یہ وہ جملہ ہے جو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا - ''یہ ایک فتح ہے'' - اس کا صحیح مفہوم اُس وقت تک پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک صلحِ حدیبیہ کا واقعہ ذہن میں نہ ہو، جسے بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ مختصر یہ کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے مکہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔ لیکن قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل

ہونے سے روک دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح طے پائی اور ایک تحریری معاہدہ لکھا گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لکھو: ''یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ساتھ کیا'' ۔تو قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو (۱۲) نے انکار کر دیا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے۔ آپ لکھیں: ''محمد بن عبداللہ''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: لکھو: ''محمد بن عبداللہ''۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''محمد بن عبداللہ'' لکھا۔ پھر اس کے بعد معاہدے کی شرائط لکھی گئیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ:

- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال بغیر عمرہ کیے مدینہ واپس لوٹ جائیں گے، اور آئندہ سال دوبارہ آ کر آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ ادا کریں گے۔
- کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی نے مرتد ہو کر قریش کا ساتھ اختیار کر لیا، تو وہ واپس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں لوٹے گا۔
- کہ اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ جائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے واپس قریش ہی کے پاس لوٹا دیں گے۔

(جب وہ اس حال میں مصروف تھے، تو اچانک ابو جندل بن سہیل بن عمرو اپنی بیڑیوں میں جکڑے (۱۳) ہوئے داخل ہوئے، وہ مکہ کے نچلے حصے سے نکل کر آئے تھے اور آ کر مسلمانوں کے درمیان جا گرے (۱۴)۔ سہیل نے فوراً کہا: ''اے محمد! یہی پہلا شخص ہے جس کے بارے میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں، تمہیں اسے مجھے واپس کرنا ہوگا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کافروں کے حوالے کر دیا)۔ اس پر ابو جندل نے مسلمانوں سے فریاد کی اور کہنے لگے: (اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکوں کے حوالے کیا جاؤں گا جبکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں اللہ کے راستے میں کس قدر اذیتیں سہہ چکا ہوں؟) (وہ درحقیقت اللہ کے دین کی خاطر سخت عذاب جھیل چکے تھے۔) آخر کار کافروں نے اُسے پکڑا اور مکہ واپس لے گئے۔

بظاہر یہ صلح مسلمانوں کے لیے کمزوری (۱۵) اور کافروں کے لیے غلبے کا سبب معلوم ہوتی تھی،

اس لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ کمزوری گوارا نہ ہوئی۔ لیکن پھر اللہ عزوجل نے سورۃ الفتح نازل فرمائی:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ (١٦)

بیشک ہم نے تمہیں ایک نمایاں فتح عطا کی، تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے، اور تمہیں سیدھی راہ پر چلا دے، اور اللہ تمہیں ایک زبردست مدد سے مدد عطا کرے، یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حیران ہو کر بولے: (**اے رسولِ اللہ ﷺ! کیا یہ بھی فتح ہے؟**) یعنی: کیا صلحِ حدیبیہ کو فتح شمار کیا جائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر اُن کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ واپس لوٹ آئے (١٧)۔ پھر نبی ﷺ نے اپنی قربانی کے اونٹ کو نحر کیا اور سر منڈوایا، کیونکہ وہ روکے (١٨) گئے تھے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ویسا ہی کیا، اور نبی ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

یہ صلحِ حدیبیہ کا خلاصہ ہے، اور اس کی پوری تفصیل صحیح بخاری (١٩) میں موجود ہے۔

صلحِ حدیبیہ کے واقعے اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس کا ذکر کرنے کے پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے: [اے لوگو! یہ صلح بھی تمہارے لیے اللہ کی طرف سے فتح ثابت ہوگی، جیسے صلحِ حدیبیہ رسولِ اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے اللہ کی جانب سے ایک عظیم فتح ثابت ہوئی تھی۔ لہٰذا صلح کو قبول کرلو، کیونکہ ابتدا میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی یہ صلح ایک قسم کی کمزوری لگی تھی، اور مسلمانوں کو بھی یہ بات سخت ناگوار گزری تھی کہ وہ عمرہ کیے بغیر واپس لوٹ رہے ہیں، اور یہ کہ حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہما کو مشرکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس وقت بعض مسلمانوں نے گمان کیا کہ صلحِ حدیبیہ میں کمزوری ہے، لیکن دراصل اس کی حقیقت اور انجام مسلمانوں کے لیے سراسر بھلائی اور فتح تھا۔ اسی طرح تم بھی گمان نہ کرو کہ تحکیم میں کوئی کمزوری ہے، بلکہ یہ بھی حدیبیہ کی طرح ایک فتح ہے]۔

✓ دیکھیے ڈاکٹر محمد امحزون کا قول جو آگے رقم [٣٩٢] پر آئے گا۔

(۱) دیکھیے حوالہ جات [۳۲۶][۳۲۷][۳۳۵] اور ان کے بعد کا حاشیہ- سپاہی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر تھکن کی شدت سے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔
(۲) هَزِيمُ الرَّعْدِ: یعنی بادل کے گرجنے کی آواز۔لسان العرب (۱۲/۶۰۹)، مادہ: ھزم۔
(۳) تقریب التہذیب (۳۳۲۲)۔
(۴) یعنی: کتاب اللہ عز وجل۔
(۵) روایة أَحْمَدَ بْنِ خَازِم، ونصر بن مزاحم، وابن كثير۔
(۶) دیکھیے حوالہ [۲۹۴] اور اس کے بعد
(۷) رِجْرِجَه: سے مراد کمینے، جاہل اور کم عقل لوگ ہیں جن میں نہ سمجھ بوجھ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی بھلائی۔ ''رِجْرِجَه'' اس گدلے پانی کو بھی کہتے ہیں جو حوض میں مٹی کے ساتھ ملا رہ جاتا ہے اور جس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ النہایہ (۲/۱۹۸)، مادہ: رجرج؛ لسان العرب (۲/۲۸۱)، مادہ: رجج۔
ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ بھلا اس جنگ کے برپا ہونے میں کیا خیر ہو سکتی ہے جس میں بہترین لوگ- یعنی علما، صالحین، اشراف، عقل مند، بہادر اور جانباز- سب کے سب ختم ہو جائیں، اور میدان میں صرف کم فہم اور کمزور لوگ باقی رہ جائیں؟ پھر اگر ایسی صورت میں کسی ایک فریق کو فتح بھی حاصل ہو جائے، تو اس فتح کا آخر فائدہ ہی کیا ہے؟
(۸) ظَهَرَت: یعنی غالب آئیں/ فتح پائیں۔
(۹) دیکھو: [۱۹۲]۔
(۱۰) البرائن: درندے کے پنجے۔
(۱۱) یعنی کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا اور اسی پر صلح قائم کرنا۔ پس علی رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو فتح قرار دیا۔
(۱۲) اس کا ترجمہ آگے نمبر [۴۷۹] پر آئے گا۔
(۱۳) يَرْسُفُ: بیڑیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنے کو کہتے ہیں۔
(۱۴) یعنی وہ کفار کی قید سے بھاگ نکلا یہاں تک کہ حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے آملا۔
(۱۵) الدَّنِيَّةُ: کا مطلب ہے: کمی اور ذلت۔
(۱۶) [الفتح: ۱-۳]۔
(۱۷) یعنی عمر رضی اللہ عنہ کا دل خوش ہو گیا اور وہ راضی ہو گئے۔
(۱۸) اِحصار: کا مطلب ہے: رکاوٹ یا حبس، یعنی آدمی کو مناسک کی تکمیل سے روک دیا جانا۔ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جسے فقہاء ''باب الفوات والاحصار'' میں ذکر کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دشمن کی رکاوٹ، بیماری، زادِ راہ ختم ہونے یا کسی اور مانع عذر کی وجہ سے حج کے دوران عرفات میں وقوف سے محروم رہ جائے، تو وہ مناسک مکمل نہیں کر پاتا۔ اسی طرح اگر عمرہ کی ادائیگی میں بھی وہ رکاوٹ کا شکار ہو جائے، تو حکم یہ ہے کہ وہ اپنے احرام سے باہر آجائے اور حج یا عمرہ کے بغیر واپس لوٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر قربانی کا جانور (ہدی) ساتھ لایا ہو تو وہ ذبح کرے، پھر سر منڈوائے یا بال ترشوائے، اور اس طرح اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے۔ ماخذ: الموسوعة الفقهية الكويتية (۲/۱۹۶)، مادہ: اِحصار۔
(۱۹) صحیح البخاری (۲۵۸۱)۔

● دوسرا مطلب: حکمین رضی اللہ عنہما کے انتخاب اور صلح نامہ کے تحریر کیے جانے کا بیان۔

جب دونوں لشکروں میں صلح، جنگ کے خاتمے اور فیصلہ حکَمین کے سپرد کرنے پر اتفاق ہو گیا تو دونوں جانب سے حکَمین منتخب کیے گئے اہلِ عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس وقت عراق کے نواحی علاقے کی بادیہ میں مقیم تھے اور فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں خط لکھا کہ وہ صفین میں ان کے پاس آ جائیں۔ چنانچہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صفین پہنچ گئے تو صلح نامہ لکھنے کا آغاز بدھ کے دن، صفر کے مہینے کی تیرہ تاریخ باقی رہ جانے پر (۱)، سنہ ۳۷ ہجری (یعنی ۱۷ صفر ۳۷ھ) کو کیا گیا۔

یہاں تاریخوں کی تعیین میں کچھ اشکال ہے، کیونکہ جنگ جمعے کے دن، دسویں صفر کو رکی تھی، جبکہ وثیقہ بدھ کے دن لکھا گیا، تو لازم ہے کہ وہ بدھ پندرہ صفر کے دن ہو۔ اور اگر ہم لفظ (بَقِيَتْ) کو بدل کر (مَضَتْ) مان لیں تو یہ ''وقعہ صفین'' میں منقول خبر کے ساتھ مطابقت اختیار کر لیتا ہے، جس میں آیا ہے: (جب جمعرات کی صبح ہوئی، اور صفر کے سات دن گزر چکے تھے، سنہ ۳۷ھ میں۔۔۔ (۲)) اس حساب سے بدھ چھٹا دن، جمعہ آٹھواں، اور دوسرا بدھ تیرہواں دن بنتا ہے، اور اس طرح پورا معاملہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے۔

بہرکیف، تاریخوں کی تعیین میں کچھ اشکال پایا جاتا ہے۔

اور اگر جنگ جمعہ کے دن رک گئی تھی اور معاہدے کی دستاویز بدھ کے دن لکھی گئی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ رکنے کے بعد لوگوں نے پانچ دن تک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کا انتظار کیا۔

[۳۸۴] أَخْرَجَ البَلَاذُرِيُّ: وَحَدَّثَنِي الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ عَامِرِ بْنِ الْأَسْوَدِ وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي غَالِبٍ الْجَزَرِيِّ قَالَ: لَمَّا صَارَ النَّاسُ إِلَى الْحُكُومَةِ وَأَنْ يَخْتَارُوا رَجُلَيْنِ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: قَدْ رَضِيتُ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ ..... فَكَتَبَ (۳) إِلَى أَبِي مُوسَى فِي الْقُدُومِ - وَكَانَ بِبَعْضِ الْبَوَادِي حَذَرًا مِنَ الْفِتْنَةِ -، فَقَالَ لَهُ الرَّسُولُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اصْطَلَحُوا وَقَدْ حَكَّمُوكَ. فَقَالَ: إِنَّا

لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. ثُمَّ قَدِمَ عَلَى عَلِيٍّ(٤).

بلاذری نے روایت کی: مجھے مدائنی نے عامر بن اسود اور اسماعیل بن عیاش کے واسطے سے، وہ ابوغالب جزری سے بیان کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے تحکیم (فیصلے کو حکمین کے سپرد کرنے) پر اتفاق کرلیا اور دو آدمیوں کے چناؤ کا وقت آیا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر راضی ہوں۔ پھر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ آ جائیں- وہ اس وقت کچھ دیہاتوں میں مقیم تھے اور فتنہ سے بچ کر گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھے۔ جب قاصد نے اُنہیں یہ خبر دی کہ لوگ صلح پر متفق ہو گئے ہیں اور آپ کو حکم مقرر کیا گیا ہے، تو انہوں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ صلح نامہ میں ان کا لقب امیر المؤمنین لکھا جائے، یوں عبارت لکھی گئی:

[بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب امیر المؤمنین اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان طے پایا۔۔۔] لیکن اہلِ شام نے امیر المؤمنین لکھنے سے انکار کر دیا، کیونکہ انہوں نے ابھی تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ہی یہ الفاظ مٹا دیے اور عبارت یوں لکھی گئی:

[بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان طے پایا۔۔۔(٥)]

یہ بات آگے(٦) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خوارج کے ساتھ مناظرے کے ضمن میں آئے گی، جہاں انہوں نے ان سے فرمایا تھا: (اور جہاں تک تمہارا یہ کہنا ہے کہ (علی رضی اللہ عنہ نے) ''امیر المؤمنین کا لقب مٹا دیا تھا۔۔۔) تو یہ بات صحیح ہے۔

ابواسحاق شیبانی (٧) نے خود اُس تحکیم نامے (دستاویز) کو دیکھا تھا، اور اُس پر علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ - دونوں کی مہر ثبت تھی (٨)۔

[٣٨٥] أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ الْكِلَابِيُّ قَالَ : أَخْبَرَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ : قَرَأْتُ نَقْشَ خَاتَمِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فِي صُلْحِ أَهْلِ الشَّامِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ: (٩).

ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عمرو بن عاصم کلابی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے اپنے والد سے، اور انہوں نے ابواسحاق شیبانی سے خبر دی - وہ کہتے ہیں: میں نے اہلِ شام کے ساتھ صلح کے موقع پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مہر/ انگوٹھی کا نقش پڑھا، جس پر یہ عبارت لکھی تھی: ''محمد رسول اللہ''۔

[٣٨٦] وَأَخْرَجَهُ نَصْرُ بْنُ مُزَاحِمٍ: عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: قَرَأْتُ كِتَابَ الصُّلْحِ عِنْدَ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي بُرْدَةَ (١٠)، فِي صَحِيفَةٍ صَفْرَاءَ عَلَيْهَا خَاتَمَانِ، خَاتَمٌ مِنْ أَسْفَلِهَا ، وَخَاتَمٌ مِنْ أَعْلَاهَا ، فِي خَاتَمِ عَلِيٍّ : مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ، وَفِي خَاتَمِ مُعَاوِيَةَ : مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ " .....(١١)).

نصر بن مزاحم نے اسے روایت کیا ہے: عمر بن سعد سے، انہوں نے کہا: مجھے ابو اسحاق الشیبانی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں نے کتابِ صلح (تحکیم کا معاہدہ) سعید بن ابی بردہ کے پاس دیکھی - وہ پیلا سا صحیفہ تھا جس پر دو مُہریں لگی ہوئی تھیں: ایک مُہر اوپر اور ایک نیچے۔ علی رضی اللہ عنہ کی مُہر پر لکھا تھا: ''محمد رسول اللہ''، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی مُہر پر بھی یہی لکھا تھا: ''محمد رسول اللہ''۔

تحکیم کی دستاویز کا اصل متن:

[٣٨٧] بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، هَذَا مَا تَقَاضَى عَلَيْهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، قَاضَى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَى أَهْلِ العِرَاقِ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ شِيعَتِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَقَاضَى مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَلَى أَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ شِيعَتِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ (١٢):

-إِنَّا نَنْزِلُ عِنْدَ حُكْمِ اللهِ وَكِتَابِهِ)(١٣).

-وَأَلَّا يَجْمَعَ بَيْنَنَا إِلَّا إِيَّاهُ)(١٤).

- وَأَنَّ كِتَابَ اللهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مِنْ فَاتِحَتِهِ إِلَى خَاتِمَتِهِ: نُحْيِي مَا أَحْيَا الْقُرْآنُ، وَنُمِيتُ مَا أَمَاتَ الْقُرْآنُ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا اتفاق ہوا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس معاہدے میں اہلِ عراق اور ان کے ساتھ موجود اپنے مؤمن و مسلمان شیعہ کی نمائندگی کی، اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام اور ان کے ساتھ موجود اپنے مؤمن ومسلمان شیعہ کی طرف سے نمائندگی کی۔

- ہم اللہ کے حکم اور اس کی کتاب کے فیصلے پر راضی ہیں۔

- اور ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا صرف وہی (اللہ) ہوگا۔

- اور یہ کہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل بنے گی، ابتدا سے انتہا تک ہم اس کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے، اور اسے مٹا دیں گے جسے

قرآن نے مٹایا ہے۔

◆ **فَمَا وَجَدَ الحَكَمَانِ (١٥) فِي كِتَابِ اللهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (١٦):**

پس جو کچھ حکمین کو اللہ کی کتاب میں ہمارے اور تمہارے درمیان (فیصلے کے طور پر) ملے۔

- **فَإِنَّهُمَا يَتَّبِعَانِهِ (١٧)، وَمَا لَمْ يَجِدَاهُ فِي كِتَابِ اللهِ أَخَذَا بِالسُّنَّةِ العَادِلَةِ الجَامِعَةِ غَيْرِ الْمُفَرِّقَةِ.**

تو وہ دونوں (حکمین) اسی کے مطابق چلیں گے، اور جو چیز کتاب اللہ میں نہ پائیں گے، تو سنتِ عادلہ وجامعہ کو اختیار کریں گے ایسی سنت جو تفرقہ پیدا کرنے والی نہ ہو۔

- **وَالحَكَمَانِ: عَبْدُ اللهِ بْنُ قَيْسٍ (١٨) وَعَمْرُو بْنُ العَاصِ.**

اور دونوں حکم یہ ہیں: عبداللہ بن قیس (یعنی ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

- **وَأَخَذْنَا عَلَيْهِمَا (١٩) عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقِهِ لِيَقْضِيَا بِمَا وَجَدَا فِي كِتَابِ اللهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدَا فِي كِتَابِ اللهِ فَالسُّنَّةُ الجَامِعَةُ غَيْرُ الْمُفَرِّقَةِ.**

اور ہم نے ان دونوں سے اللہ کا عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے جو انہیں کتابُ اللہ میں ملے گا، اور اگر کتابُ اللہ میں نہ پائیں تو سنتِ نبویہ کی روشنی میں فیصلہ کریں گے جو امت کو جمع کرنے والی ہے، تفرقہ ڈالنے والی نہیں۔

. وَأَخَذَ الحَكَمَانِ (٢٠) مِنْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ وَمِنَ الجُنْدَيْنِ - مِمَّا هُمَا عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ بِمَا يَرْضَيَانِ بِهِ مِنَ العَهْدِ وَالْمِيثَاقِ وَالثِّقَةِ مِنَ النَّاسِ -:

اور دونوں حکموں نے، امیر المؤمنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما سے، اور دونوں لشکروں سے، لوگوں کے معاملات کے بارے میں جو ذمّہ داری وہ اپنے اوپر لے رہے تھے اُس کے لیے، ایسا عہد، میثاق اور باہمی اعتماد لیا، جس پر سب مطمئن ہوں اور راضی ہوں۔

- **أَنَّهُمَا آمِنَانِ عَلَى أَمْوَالِهِمَا وَأَهْلِيهِمَا.**

کہ دونوں (حکم) اپنی جان و مال اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں (ہر طرح کے خطرے

اور ضرر سے) محفوظ و مامون ہوں۔

- وَالأُمَّةَ لَهُمَا أَنْصَارٌ عَلَى الَّذِي يَقْضِيَانِ بِهِ عَلَيْهِمَا (٢١).

اور پوری امت ان دونوں حَکَموں کے فیصلے پر، جو وہ ان کے بارے میں کریں، اُن کی مددگار ہوگی۔

◆ **وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ كِلْتَيْهَا عَهْدُ اللهِ (٢٢):**

اور دونوں گروہوں کے تمام اہلِ ایمان واہلِ اسلام پر اللہ کا عہد لازم ہے۔

- أَنَّا عَلَى مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، وَلَنَقُومَنَّ عَلَيْهِ، وَإِنَّا عَلَيْهِ لأَنْصَارٌ.

ہم اس تحریر میں درج تمام شرائط پر قائم ہیں، اور ہم ان پر ضرور مضبوطی سے کاربند رہیں گے، اور ہم یقیناً انہی کے حمایتی و مددگار رہیں۔

- وَإِنَّهَا قَدْ وَجَبَتِ الْقَضِيَّةُ (٢٣) بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ بِالأَمْنِ وَالاسْتِقَامَةِ وَوَضْعِ السَّلَاحِ - أَيْنَمَا سَارُوا - عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَأَرْضِيهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَائِبِهِمْ.

اور یہ فیصلہ واجب ٹھہرا کہ اہلِ ایمان کے درمیان امن و اطمینان ہوگا، اور ہتھیار رکھ دیے جائیں گے - وہ جہاں بھی ہوں - تاکہ ان کی جانیں، مال، اہل وعیال، زمینیں، حاضر و غائب سب محفوظ رہیں اور امن میں ہوں۔

- وَعَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَهْدُ اللهِ وَمِيثَاقِهِ لَيَحْكُمَانِ بَيْنَ الأُمَّةِ بِالْحَقِّ، وَلَا يَرُدَّانِهَا فِي فُرْقَةٍ وَلَا بِحَرْبٍ حَتَّى يَقْضِيَا (٢٤)

اور عبداللہ بن قیس (یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر اللہ کا عہد اور اس کی پکی ضمانت ہے کہ وہ امت کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کریں، اور فیصلہ سے پہلے اسے دوبارہ تفرقے یا جنگ کی طرف نہ لوٹنے دیں، یہاں تک کہ وہ اپنا فیصلہ سنا دیں۔

◆ **اور فیصلے کا مقررہ وقت یہ ہے (٢٥):**

- إِلَى شَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِنْ أَحَبَّا أَنْ يُعَجِّلَا عَجَّلَا.

(اجتماعِ تحکیم کی مدت) ماہِ رمضان تک ہے، اور اگر دونوں (حَکَم) چاہیں تو اس سے پہلے بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

- وَإِنْ تُوُفِّي وَاحِدٌ مِنَ الحَكَمَيْنِ فَإِنَّ أَمِيرَ شِيعَتِهِ يَخْتَارُ مَكَانَهُ رَجُلاً لَا يَأْلُو (٢٦) عَنِ الْمَعْدَلَةِ وَالقِسْطِ.

اور اگر دونوں حکموں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو اُس کے گروہ کا امیر اُس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو انصاف اور عدل میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

- وَإِنَّ مِيعَادَ قَضَائِهِمَا الَّذِي يَقْضِيَانِ فِيهِ: مَكَانٌ عَدْلٌ بَيْنَ أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الكُوفَةِ، فَإِنْ رَضِيَا مَكَانًا غَيْرَهُ فَحَيْثُ رَضِيَا.

اور اُن دونوں حکموں کے فیصلے کی میعاد اور مجلس وہ جگہ ہوگی جو اہلِ شام اور اہلِ کوفہ کے درمیان منصفانہ طور پر واقع ہو۔ ہاں، اگر دونوں اس کے علاوہ کسی اور مقام پر راضی ہو جائیں، تو فیصلہ وہیں ہوگا جہاں وہ دونوں راضی ہوں گے۔

- لَا يَحْضُرُهُمَا فِيهِ إِلَّا مَنْ أَرَادَا، وَأَنْ يَأْخُذَ الحَكَمَانِ مَنْ شَاءَا مِنَ الشُّهُودِ ثُمَّ يَكْتُبُوا شَهَادَتَهُمْ عَلَى مَا فِي الصَّحِيفَةِ.

اُس مجلسِ فیصلہ میں صرف وہ لوگ حاضر ہوں گے جن کو دونوں حکم (رضی اللہ عنہما) خود بلانا چاہیں۔ اور دونوں حکم جن گواہوں کو چاہیں گے، انہیں طلب کریں گے، پھر وہ گواہ اس تحریر (صحیفۂ صلح) کے مندرجات پر اپنی گواہی لکھ دیں گے۔

اور ہم اس حکم سے بری ہیں جو اللہ کے نازل کردہ (٢٧) حکم کے خلاف ہو۔ اے اللہ! ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اُس شخص کے مقابلے میں جو اس صحیفہ میں درج باتوں کو چھوڑ دے، یا اس میں کوئی کجی اور ظلم کرنا چاہے۔''

اور اس صلح نامے (صحیفہ) میں درج باتوں پر جن حضرات نے گواہی دی وہ یہ ہیں:

عبد اللہ بن عباس اور الاشعث بن قیس، اور سعید بن قیس، اور ورقاء بن سُمَيّ، اور عبد اللہ بن الطفیل، اور حُجر بن یزید، اور عبد اللہ بن جمل، اور عقبہ بن جاریہ، اور یزید بن حجیّہ، اور ابو الاعور

السُلَمی، اور حبیب بن مسلمہ، اور المخارق بن الحارث، اور زِمل بن عمرو، اور حمزہ بن مالک، اور عبد الرحمٰن بن خالد، اور سُبیع بن یزید، اور علقمہ بن مرثد، اور عتبہ بن ابی سفیان (۲۸)، اور یزید بن الحرّ۔

اور یہ تحریر عمیرہ نے بدھ کے دن لکھی، جب صفر کے مہینے کے تیرہ دن باقی تھے، سنہ سینتیس ہجری میں۔

اور دونوں حکموں نے اذرح (۲۹) (مقام کا نام) میں ملاقات کا وعدہ کیا، اور یہ طے ہوا کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب میں سے چار سو آدمیوں کے ساتھ وہاں آئیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں میں سے چار سو افراد کے ساتھ آئیں، تا کہ سب لوگ حکومت (یعنی فیصلے) کے وقت حاضر ہوں اور گواہی دیں (۳۰)۔

---

(۱) یہ زمانی تعیین خود وثیقۂ تحکیم میں مذکور ہے (دیکھیں: [۳۸۷])۔ اور بلاذری نے نقل کیا ہے: ''ابو مخنف نے کہا کہ صلح نامہ صفر کے مہینے میں جمعے کے دن لکھا گیا تھا''۔ (دیکھیں: [۳۹۰])۔

(۲) وقعہ صفین صفحہ (۲۳۲)، عمر بن سعد، عبد الرحمٰن بن جُندُب سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اسی سند کے ساتھ۔

(۳) یعنی: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۴) انساب الاشراف (۲/۳ ۳۳-۳۳۴) میں مذکور یہ حصہ - جو ہم نے نقل کیا ہے ایک قابلِ قبول روایت ہے، تاہم اس کی سند منقطع ہے، اور میں نے اس کے رواۃ میں سے کسی کو نہیں پہچانا سوائے ابوالحسن علی بن محمد المدائنی کے۔ اور جہاں تک اسماعیل کا تعلق ہے، تو میرا گمان ہے کہ وہ ابو عتبہ حمصی نہیں ہیں جن کا ذکر تقریب التہذیب (۴۷۳) میں ہے، کیونکہ ان کا طبقہ مختلف ہے۔

شواہد:

رہا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنا، تو یہ بات صحیح اور متواتر طور پر ثابت ہے۔

اور علی رضی اللہ عنہ کا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنا، پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا صلح نامہ کی تحریر کے وقت موجود ہونا - یہ دونوں باتیں بھی صحیح اور متواتر ہیں۔

(۵) تاریخ الطبری (۱۰۳/۳) میں مذکور یہ حصہ - جو ہم نے نقل کیا ہے - اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اور اہلِ شام کا ''امیر المؤمنین'' لکھنے سے انکار کرنا، نیز یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نے خود ''امرۃ المؤمنین'' کے الفاظ مٹا دیے - یہ بات دوسری سند سے بھی صحیح ثابت ہے جس کا ذکر آگے [۴۸۲] پر آئے گا۔

طبری کی روایت کی سند یہ ہے:

مجھے علی بن مسلم الطوسی نے روایت کیا، کہا: ہمیں حبّان بن ہلال باہلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے مبارک بن فضالہ سے، اور انہوں نے حسن بصری سے، کہا: مجھے احنف بن قیس نے خبر دی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ: اگر تم صلح چاہتے ہو تو یہ لقب مٹا دو (یعنی امیر المؤمنین نہ لکھو۔۔۔)

یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ مبارک بن فضالہ مدلس ہیں، اگرچہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

طبری نے اہلِ شام کے امیر المؤمنین لکھنے سے انکار کا یہ واقعہ ابومخنف کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔مزید دیکھیں: وقعہ صفین، ص (۵۰۸)،اورالبدایہ والنہایہ (۳۰۶/۷)۔

(۶) رقم:[۴۸۲]۔

(۷) امام، حافظ، حجت، سلیمان بن ابی سلیمان فیروز کوفی، کنیت ابواسحاق شیبانی، قبیلہ کے مولیٰ تھے۔صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے، جیسے ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہما، اور انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو پایا، ان سے سماع بھی کیا، اور بزرگ تابعین سے روایت کی۔وہ علم کے بڑے خزانہ داروں میں سے تھے۔تقریبا سنہ ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ابن حجر نے فرمایا: ثقہ ہیں۔ سیر اعلام النبلاء (۱۹۳/۶)، التقریب (۲۵۶۸)۔

(۸) عصر الخلافۃ الراشدۃ ص (۴۷۶)۔

(۹) الطبقات الکبری (۳۰۳) اس کی سند حسن ہے۔عمرو بن عاصم کے بارے میں ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہیں، اگرچہ حافظے میں کچھ کمی ہے۔اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں، نیز وہ سب شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں سے ہیں۔

(۱۰) سعید بن ابی بردہ عامر بن ابی موسیٰ الاشعری، کوفی تھے ثقہ اور ثبت (یعنی حد درجہ مضبوط حافظے والے راوی) ہیں۔(التقریب: ۲۲۷۵)۔

(۱۱) وقعہ صفین، صفحہ (۵۰۹) یہ حصہ جو ہم نے نقل کیا ہے شواہد کی بنا پر حسن ہے، لیکن اس کی سند ضعیف و نا قابلِ اعتماد ہے۔تفصیل کے لیے سابقہ بیان ملاحظہ ہو۔

اور درج ذیل دستاویز کا متن اسی روایت کا تسلسل ہے جسے ابواسحاق شیبانی بیان کرتے ہیں، چنانچہ شیبانی نے اس دستاویز کو دیکھا اور اس کی تفصیل بیان کی، پھر اس کا متن ذکر کیا۔

(۱۲) یہ وہ شرائط ہیں جو امیر المؤمنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے خود اپنے اوپر لازم کیں۔

(۱۳) یہ وہ شرائط ہیں جو امیر المؤمنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے خود اپنے اوپر لازم کیں۔

(۱۴) یعنی وہ صلح نہ کریں اور جنگ کو بند نہ کریں مگر اس لیے کہ فیصلہ اللہ عز وجل کی کتاب کے مطابق ہو، نہ کہ کسی اور بنیاد پر یا اپنی خواہشِ نفس کے تحت۔

(۱۵) یہ وہ شرائط ہیں جو امیر المؤمنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے حَکَمَین پر مقرر کیں۔

(۱۶) یعنی: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے درمیان، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے درمیان۔

(۱۷) یعنی حَکَمَین اس حکم کی پیروی کریں گے جو وہ کتابُ اللہ میں پائیں، ان امور کے بارے میں جو دونوں فریقوں کے مابین اختلاف سے متعلق ہوں۔

(۱۸) عبداللہ بن قیس یعنی ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقرر کردہ حَکَم تھے۔

(۱۹) یعنی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حَکَمَین رضی اللہ عنہما سے اللہ کا عہد و پیمان لیا۔

(۲۰) یہ دونوں شرطیں وہ ہیں جو دونوں حَکَموں رضی اللہ عنہما نے امیر المؤمنین علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما، ان کے لشکروں اور تمام مسلمانوں پر مقرر کی تھیں۔

(۲۱) یعنی: امت، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حَکَمَین کے جس فیصلے پر پہنچے، اُس کی تائید و نصرت کرے گی۔

(۲۲) یہ وہ شرائط ہیں جن پر دونوں فریق اس مدت میں پابند ہوں گے جو صلح نامہ لکھنے سے لے کر حکمین رضی اللہ عنہما کے باہمی اجتماع کے مقررہ وقت تک ہے۔

(۲۳) (وَجَبَتْ) یعنی لازم اور ثابت ہوگئی، اور (القَضِيَّةُ) سے مراد ہے صفین کے دن کیا جانے والا صلح کا فیصلہ۔

(۲۴) یعنی صفین کے دن جو صلح ہوئی تھی، وہ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک دونوں حکم (حکَمین) باہم جمع ہو کر حق کے مطابق فیصلہ نہ کر دیں۔ اور یہ دونوں حکم مقررہ وقت سے پہلے فیصلہ نہیں کر سکتے، نہ ہی اس مقررہ مدت میں کوئی ایسا قول یا عمل اختیار کر سکتے ہیں جو دوبارہ فتنہ یا جنگ کا سبب بنے۔

(۲۵) یہ وہ شرائط ہیں جو مقامِ تحکیم، وقتِ تحکیم اور اس مجلس میں حاضری کے طریقے سے متعلق ہیں۔

(۲۶) یَأْلُو: کا معنی ہے: کمی کرنا/کوتاہی کرنا۔ تاج العروس (۳۷/۸۸)، مادہ: ألو۔

(۲۷) یہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور دونوں حکمین رضی اللہ عنہما کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی ایک پختہ تاکید ہے۔

(۲۸) عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ، ابو الولید اُموی، یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے والدین ہی کی طرف سے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یوم الدار میں شرکت کی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جنگِ جمل میں، اور اپنے بھائی (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ صفین میں بھی شریک ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں متعدد مرتبہ مدینہ، طائف، مصر اور موسم حج کی نگرانی پر مقرر کیا۔ وہ نہایت فصیح اور بلیغ خطیب تھے۔ علائی کہتے ہیں: ان کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوئی، مگر نہ ان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے اور نہ صحبت۔ ان کا وصال اسکندریہ کے مقام ''ثغر'' میں ذی القعدہ سنہ ۴۴ھ میں ہوا۔ مراجع: تاریخ دمشق (۲۶۲/۳۸)، تاریخ الاسلام (۷۹/۴)، جامع التحصیل (۵۰۳)۔

(۲۹) یاقوت نے کہا: اَذرُح شام کے کناروں پر واقع ایک بستی ہے، جو پہلے** اَعمالِ شَراۃ میں شمار ہوتی تھی، پھر نواحِیِ بلقاء میں شامل ہو گئی۔ معجم البلدان (۱۲۹/۱)۔
اور عاتق الحربی کہتے ہیں: آج یہ (اَذرُح) المملكة الأردنية الهاشمي (اردن) میں واقع ہے، شمال مغربِ مدینۂ مَعان کے قریب، تقریباً ۲۲ کلومیٹر کے فاصلے پر۔ معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص ۲۱، ۸۰۔

(۳۰) وقعہ صفّین (ص ۵۱۰-۵۱۱) کی یہ روایت مقبول ہے اس کے اصل کے موجود ہونے اس کے مشہور و معروف ہونے اور اس قرینے کی بنا پر کہ اُن لوگوں نے اس میں وارد تمام امور پر عمل بھی کیا۔ اور یہ خبر اس خبر کے تابع ہے جو اس سے پہلے نصر بن مزاحم نے روایت کی ہے: (عمر بن سعد سے، انہوں نے کہا: مجھے ابو اِسحاق الشیبانی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن ابی بردہ کے پاس صلح نامہ پڑھا تھا...... پھر انہوں نے وثیقہ (معاہدہ) کی کیفیت ذکر کی، اور پھر اس کا نص بیان کیا)۔

التخریج:
یہ وثیقہ (صلح نامہ) تاریخ الطبری (۱۰۳/۳) میں ابو مخنف کے طریق سے وارد ہوا ہے، اور البدایہ والنہایہ (۳۰۶/۷) میں ہیثم بن عدیؔ کے طریق سے۔
اور انساب الاشراف (۳۳۴/۲) اور الاخبار الطوال ص (۱۹۴) میں بلا سند منقول ہے۔
اور دیکھیں: مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوی و الخلافة الراشدة ص (۵۳۸)۔

[۳۸۸] قَالَ أَبُو جَعْفَرِ الطَّبَرِيُّ: فَكُتِبَ كِتَابُ الْقَضِيَّةِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ فِيمَا قِيلَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ صَفَرٍ سَنَةَ سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ مِنَ الْهِجْرَةِ عَلَى أَنْ يُوَافِيَ عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةَ مَوْضِعَ الْحَكَمَيْنِ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ(۱) فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَرْبَعُمِئَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ

وَ أَتْبَاعِهِ (٢).

ابوجعفر طبری کہتے ہیں: یہ صلح نامہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان طے پایا تھا، (جیسا کہ کہا جاتا ہے) بدھ کے دن لکھا گیا، جب صفر کے تیرہ دن گزر چکے تھے، سن سینتیس ہجری میں۔ اس پر یہ شرط طے ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل میں حکمین کے مقررہ مقام پر ماہِ رمضان میں حاضر ہوں، اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے چار سو اصحاب و ساتھی اپنے ساتھ لے کر آئے۔

● **تیسرا مطلب: اس دستاویز کے لکھے جانے کے بعد صفّین میں دونوں فریقوں کی جانب سے اختیار کیے گئے اقدامات۔**

دستاویز کی تحریر مکمل ہونے کے بعد، صفّین میں دونوں فریقوں نے مل کر دو بڑے اقدامات کیے، اور وہ یہ تھے:

١) تمام قیدیوں کو رہا کرنا۔

٢) دستاویز لکھے جانے کے دو دن بعد صفّین سے روانہ ہونا۔

اور ابو مخنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے صلح نامہ لکھے جانے کے بعد مقتولین کی تدفین کی، لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ فریقین نے صلح نامہ پانچ دن بعد تحریر کیا تھا جبکہ جنگ روک دی گئی تھی، اس لیے کہ وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کے منتظر تھے۔ چنانچہ صحیح بات یہ ہے کہ مقتولین کی تدفین جنگ کے رک جانے کے بعد ہوئی تھی، یعنی: دستاویز لکھے جانے سے پہلے (٣)۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی مقام پر واپس تشریف لے گئے جہاں کارروائی صفّین سے پہلے مقیم تھے، یعنی عراق کے بعض صحرائی علاقوں میں۔ وہ وہیں اسی بادیہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ دونوں حکموں کے مقررہ وقت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ بلاذری کے بیان میں ہے کہ جب حکمین کے ملاقات کے وقت کا دن آ پہنچا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خط بھیجا اور انہیں بصرہ سے طلب فرمایا، **اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - جو اس وقت کسی علاقے کی جانب روانہ ہوئے ہوئے تھے - انہیں بھی واپس بلایا**۔ چنانچہ دونوں حضرات آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ایک سوار دستے کے ساتھ روانہ کیا، اور آپ خود وہیں مقیم رہے[٤]۔

---

(١) دومۃ الجندل: یہ ایک قلعہ اور بستیوں کا مجموعہ ہے جو شام اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، اور جبلِ طیّ کے قریب ہے۔ معجم البلدان (٢/٤٨٧) اور آج کل: یہ صوبہ الجوف کے علاقے میں واقع ایک محافظہ (ضلع) ہے، شمالی سعودی عرب میں۔

(٢) تاریخ طبری (٣/١٠٥) یہ خبر اپنے سابقہ کی طرح قرائنِ صحت کے ساتھ قابلِ قبول ہے، اور یہ اس کے اندر ضمنی طور پر وارد ہوئی ہے۔

(٣) دیکھو: [٣٩٠]۔

(٤) دیکھو: [٤٠٦]۔

● چوتھا مطلب: امیر المؤمنین فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وہ تلوار، جو موقعہ صفّین کے دن اُن کے صاحبزادے عبید اللہ کے پاس تھی:

[٣٨٩] أَخْرَجَ البَيْهَقِيُّ: وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُلَيْمَانَ[١]، ثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثنا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءٍ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: أُصِيبَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ[٢] يَوْمَ صِفِّينَ، فَاشْتَرَى مُعَاوِيَةُ سَيْفَهُ فَبَعَثَ بِهِ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ جُوَيْرِيَةُ: فَقُلْتُ لِنَافِعٍ: هُوَ سَيْفُ عُمَرَ الَّذِي كَانَ؟ قَالَ: "نَعَمْ". قُلْتُ: فَمَا كَانَتْ حِلْيَتُهُ؟ قَالَ: "وَجَدُوا فِي نَعْلِهِ[٣] أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا[٣]"[٤].

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ہمیں ابو عبد اللہ الحافظ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو العباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، انہوں نے ابراہیم بن سلیمان سے، انہوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے، انہوں نے جویریہ بن اسماء سے، اور وہ نافع سے روایت کرتے ہیں: نافع کہتے ہیں: صفّین کے دن عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شہید نہیں

ہوئے بلکہ (یہاں روایت کے الفاظ ''اُصِیب'' ہیں یعنی زخمی ہوئے) زخمی ہوئے۔تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کی تلوار خریدی اور وہ تلوار عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوادی۔جویریہ کہتے ہیں: میں نے نافع سے پوچھا: کیا یہ وہی تلوار تھی جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی تھی؟ انہوں نے کہا: ''ہاں''۔میں نے پوچھا: اس کی ساخت یا آرائش کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: ''اس کے قبضے میں چالیس درہم (چاندی) پائی گئی تھی''۔

اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبید اللہ بن عمرؒ نے صفّین کے دن قتال میں اپنے والد امیر المؤمنین فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی تلوار سے جنگ کی تھی، اور یہ بھی کہ صفّین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار واپس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھجوادی۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسی تلوار کو اپنی تلوار کے طور پر لٹکائے رکھتے تھے(٦)۔

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس تلوار کا نام ذوالوشاح تھا(٧)۔

---

(١) ابو اِسحاق اِبراہیم بن ابی داؤد سلیمان بن داؤد الاسدی البرَ اُسی۔ابنِ عساکر نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابوسلمہ التبوذکی وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے روایت کرنے والوں میں: ابوالعباس الاصم، احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین المصری اور دیگر ائمہ شامل ہیں۔ابنِ یونس کہتے ہیں: وہ حدیث کے حفاظ میں سے ایک ثقہ (ثقہ ہی) تھے۔اور ایک مقام پر کہا: وہ حفاظ میں سے جید درجے کے ثقہ اور ثبت تھے۔اور ذہبی کہتے ہیں: وہ امام، حافظ اور نہایت محکم ومتقن تھے۔ان کا انتقال سنہ (٢٧٠ھ) میں ہوا۔تاریخ دمشق (٦/٤١٤)، تاریخ الاسلام (٢٠/٦١)، (٢٩٢)، سیر اعلام النبلاء (١٢/٦١٢)، (١٣/٣٩٣)، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ (٢/١٩٠)۔

(٢) یہ ایک تابعی ہیں۔ولادت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث مرسلاً روایت کیں۔صفّین کے دن وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور اُسی روز شہید ہوئے۔تاریخ الاسلام (٣/٥٦٨)۔

(٣) نَعلُ السّیف: اس لوہے یا چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو غِمد (غلاف) کے نچلے حصے میں لگا ہوتا ہے۔اور الجَفن سے مراد غِمد (تلوار کا غلاف) ہے۔لسان العرب (١١/٦٦٩) مادہ: نعل، اور (١٣/٨٩) مادہ: جفن۔

(٤) یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کے غلاف کے نچلے حصے میں چاندی کا زیور (پٹّی) جڑا ہوا تھا، جس کی مقدار چالیس درہم کے برابر تھی۔

(٥) ''السنن الکبریٰ للبیہقی (٥٧٥٧)، اس کی سند صحیح ہے۔ابوعبداللہ الحافظ سے مراد حاکم نیشاپوری ہیں جو المستدرک کے مصنف

ہیں۔اورابوالعباس سے مرادالاصم ہیں،جن کا ذکر پہلے [٢٥] میں گزرچکا۔اورموسیٰ بن اسماعیل سے مرادابوسلمہ منقری تبوذکی ہیں۔

التخریج:

اسے ابن عساکرنے (٣٨/٧٧) میں بیہقی کی سند سے روایت کیا ہے۔اوراسے ابن عبدالبرنے الاستیعاب (٣/١٠١١) میں احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین کی سند سے روایت کیا،انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سلیمان نے خبردی،اسی سند کے ساتھ۔اورعلامہ البانی نے فرمایا:اس کی سند جید ہے،اس کے تمام راوی ثقہ اورمعروف ہیں،سوائے ابراہیم بن سلیمان کے جوابوالعباس الاصم کے شیخ ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ وہ ابراہیم بن سلیمان التیمی العطار الکوفی ہیں،جن سے ابوحاتم نے سماع کیا ہے اوران کے بارے میں کہا ہے کہ: صدوق ہے۔(إرواء الغلیل ٣/٣٠٧،حدیث ٨٢٣) لیکن علامہ البانی کا اس سند کو جید کہنا اس گمان پر تھا کہ یہ ابراہیم بن سلیمان التیمی العطار ہیں۔جب تحقیق سے یہ ثابت ہوچکا کہ یہاں مقصود ابراہیم بن سلیمان البرلسی ہیں اور وہ ثقہ،حافظ اورمتقن ہیں لہٰذا یہ سند صحیح ہے، والحمدللہ۔

(٦) دیکھیے،بطورمثال: مصنف عبدالرزاق (٩٦٦٥)،مصنف ابن ابی شیبہ (٢٥٦٩٢)،شرح مشکل الآثار (٤/٢٣)،حلیۃ الاولیاء (٩/٤٥)،السنن الکبری للبیھقي (٤٧٥٧)،اورارواءالغلیل (٨٢٣)۔

(٧) تاریخ الطبری (٣/٩٧) میں یہ ذکرابومخنف کی روایت اورہشام بن محمد الکلبي کے قول سے آیا ہے،اوریہی دونوں میری نظر میں سب سے قدیم مصادر ہیں جنہوں نے اس تلوار کے نام کا ذکرکیا ہے۔اسی نام کا ذکر دارقطنی نے المؤتلف والمختلف (٤/٢٠٦٢) میں کیا ہے،اورابن عساکرنے تاریخ دمشق (٣٨/٧٠) میں بھی،اوردیگرحضرات نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

● پانچواں مطلب: امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف واپس لوٹنا، اورراستے میں خوارج کا اُن سے الگ ہوجانا اورحروراء میں اُن کا جا کرٹھہرنا۔

علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف اپنے راستے پر بڑھے، یہاں تک کہ ہیت اور صَنْدَوْ داء تک پہنچے،اورپھرشہرِ ربیع الاول سنہ ٣٧ھ میں کوفہ میں داخل ہوئے۔

اورخوارج نے علی رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کرلی؛ وہ امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ سے الگ ہوکرسفرکرنے لگے، یہاں تک کہ نہرِفرات کے کنارے ایک مقام پر جااترے اوروہاں پڑاؤ ڈال دیا، اس خیال سے کہ امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے وہ آگے بڑھ جائیں گے۔لیکن امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ ان سے پہلے ہی چل پڑے اورربیع الاول میں کوفہ میں داخل ہوگئے، پھربعدمیں خوارج حَرُوراء میں داخل ہوئے۔

[٣٩٠] قَالَ البَلَاذُرِيُّ: قَالَ أَبُو مِخْنَفٍ: كَانَ الكِتَابُ يَوْمَ الجُمُعَةِ فِي صَفَرٍ [1]، وَالأَجَلُ لِشَهْرِ رَمَضَانَ عَلَى رَأْسِ ثَمَانِيَةِ أَشْهُرٍ إِلَى أَنْ يَلْتَقِيَ الحَكَمَانِ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ دَفَنُوا قَتْلَاهُمْ، وَأَطْلَقَ عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ مَنْ كَانَ فِي أَيْدِيهِمَا مِنَ الأَسْرَى، وَارْتَحَلُوا بَعْدَ يَوْمَيْنِ مِنَ القَضِيَّةِ، فَسَلَكَ عَلِيٌّ طَرِيقَهُ

الَّتِي بَدَا فِيهَا ، حَتَّى أَتَى هِيتَ وَصَنْدَوْدَاءَ ، وَصَارَ إِلَى الْكُوفَةِ فِي شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ سَنَةَ سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ (٢).

بلاذری نے بیان کیا کہ ابو مخنف کہتے ہیں: صلح نامہ جمعہ کے دن ماہ صفر (١) میں لکھا گیا، اور حکمین کی ملاقات کے لیے آٹھ ماہ کی مہلت رکھی گئی، یعنی رمضان کے مہینے کے آخر تک۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے مقتولین کو دفن کیا، اور علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ- دونوں نے - جو قیدی ان کے قبضے میں تھے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد دونوں فریق دو دن ٹھہرے اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ اسی راستے پر چلتے ہوئے آگے بڑھے جس سے وہ نکلے تھے، یہاں تک کہ ہِیت اور صَنْدَوْداء پہنچے، اور آخرِ کار وہ ربیع الاول سنہ سترہ وثلاثین (٣٧ھ) میں کوفہ میں داخل ہوئے۔

بلاذری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ: (محمد بن سائب کلبی کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ صفّین سے کوفہ واپس آئے جبکہ ربیعُ الاوّل (٣) کے مہینے کے دس دن باقی تھے......) (٤)

اور طبری نے روایت کیا ہے: (ابورزین کہتے ہیں: جب تحکیم کا معاملہ طے پا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صفّین سے واپس ہوئے تو خوارج نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی (٥)۔ جب وہ نہر کے کنارے پہنچے تو وہاں قیام کیا (٦)، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو گئے، اور وہ (خوارج) حروراء میں جا کر ٹھہرے ......) (٧)۔

وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: (عَنْ أَبِي رَزِينٍ قَالَ: لَمَّا كَانَتِ الْحُكُومَةُ بِصِفِّينَ

وَبَايَنَ (٨) الْخَوَارِجُ عَلِيًّا : رَجَعُوا مُبَايِنِينَ لَهُ ، وَهُمْ فِي عَسْكَرٍ، وَعَلِيٌّ فِي عَسْكَرٍ، حَتَّى دَخَلَ عَلِيٌّ الْكُوفَةَمَعَ النَّاسِ بِعَسْكَرِهِ، وَمَضَوْاهُمْ إِلَى حَرُورَاءَ فِي عَسْكَرِهِمْ...) (٩).

اور ابنِ ابی شیبہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو رزین کہتے ہیں: (جب صفّین میں تحکیم کا معاملہ طے ہوگیا اور خوارج نے علی رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کر لی، تو وہ علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہو کر اپنے الگ لشکر کے ساتھ واپس ہوئے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ اپنے لشکر سمیت کوفہ میں داخل ہوئے، اور خوارج اپنے لشکر کے ساتھ حروراء کی طرف چلے گئے۔۔۔)

● چھٹا مطلب: ابنِ ابی شیبہ کی روایت سے ثابت ہونے والے بعض عظیم اور واضح معانی (١٠):

١) کہ معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسنِ گمان رکھتے تھے۔ اس کی دلیل عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ: (علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف بھیج دو، اللہ کی قسم! وہ اسے تمہاری طرف لوٹائیں گے نہیں (بلکہ قبول کر لیں گے)۔

٢) یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دونوں فریق جنگ سے بچنے اور اصلاح کی کوشش پر آمادہ تھے۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سبقت کرتے ہوئے صلح کی پیشکش کی، اور علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے ''فتح'' قرار دیا۔ جب ان کے سامنے کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: (**ہاں، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہی فیصلہ کن ہے، اور میں اس کا تم سے زیادہ حق دار ہوں۔۔۔**)۔ پھر فرمایا: (**اے لوگو! یہ تو ایک فتح ہے۔**'' چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو قبول کیا اور اپنے لشکر سمیت واپس لوٹ آئے، اور لوگ بھی واپس**

آ گئے)۔

۳) اوراس روایت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی پیروی کی۔ جیسے اُس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا: ''یا رسول اللہ! کیا یہ (صلح) فتح ہے؟'' اسی طرح صفّین کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اے لوگو! یہ ایک فتح ہے)۔

۴) یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اس صلح کو مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے ایک فتح قرار دیا، بالکل اسی طرح جیسے صلح حدیبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے لیے فتح تھی۔ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے اس صلح کو فتح اسی وقت کہا جب سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس صلح کو فتح کا نام دیا تھا۔ تب علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: [اے لوگو! یہ تحکیم کے ذریعے جو صلح ہوئی ہے، یہی فتح ہے]۔

اور اگر ہم صفّین سے پہلے کی صورتِ حال کی طرف نظر کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے بھی صلح کو فتح کہا تھا، اور وہ اس وقت جب وہ اہلِ کوفہ کے سامنے خطبہ دے رہے تھے، اس سے پہلے کہ انہیں وہاں کی گورنری سے ہٹایا جاتا......

[۳۹۱] أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ خَيْثَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: لَمَّا خَرَجَ عَلِيٌّ إِلَى صِفِّينَ اسْتَخْلَفَ عُقْبَةَ بْنَ عَمْرٍو أَبَا مَسْعُودٍ عَلَى الكُوفَةِ، قال: وَقَدْ تَخَبَّأَ رِجَالٌ لَمْ يَخْرُجُوا مَعَ عَلِيٍّ، قَالَ: فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ كَانَ تَخَبَّأَ فَلْيَظْهَرْ، فَلَعَمْرِي لَئِنْ كَانَ إِلَى الكَثْرَةِ: إِنَّ أَصْحَابَنَا لَكَثِيرٌ، وَمَا نَعُدُّهُ فَتْحاً أَنْ يَلْتَقِيَ هَذَانِ الحَيَّانِ غَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَيَقْتُلُ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا رِجْرِجَةٌ[10] مِنْ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ: ظَهَرَتْ[11] إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ غَداً عَلَى الأُخْرَى!! وَلَكِنْ نَعُدُّهُ فَتْحاً أَنْ يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ يَحْقِنُ دِمَاءَهُمْ،

وَيُصْلِحُ بِهِ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَيُصْلِحُ بِهِ كَلِمَتَهُمْ (۱۲).

ابنِ سعد نے روایت کیا: عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن عمرو نے، انہوں نے زید بن ابی اُنیسہ سے، انہوں نے عمرو بن مرّۃ سے، انہوں نے خیثمہ بن عبدالرحمن سے خبر دی: جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ صفّین کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے عُقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا قائم مقام مقرر فرمایا۔ خیثمہ کہتے ہیں: کوفہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں نکلے تھے، اور چھپے بیٹھے تھے۔ تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا: اے لوگو! جو شخص چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ قسم ہے میری، اگر بات محض تعداد کی ہو تو ہمارے پاس تعداد کم نہیں۔ لیکن ہم فتح اس بات کو نہیں کہتے کہ کل مسلمان ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوں، یہ ان کو قتل کریں اور وہ ان کو، یہاں تک کہ جب دونوں گروہوں کے بہتر لوگ ختم ہو جائیں اور صرف ادنیٰ درجے کے لوگ باقی رہ جائیں، اور تب ایک گروہ دوسرے پر غالب آئے تو ایسی غلبہ آوری کو ہم کب فتح کہیں گے؟ بلکہ ہم فتح اسے کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے کوئی ایسا امر ظاہر فرما دے جو مسلمانوں کے خون کو محفوظ کر دے، ان کے باہمی تعلقات کی اصلاح فرما دے، اور ان کے کلمے کو پھر سے جمع اور مضبوط کر دے۔

۵) اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خون بہنے سے حد درجہ بچنا چاہتے تھے۔ اُن کی خواہش یہ نہ تھی کہ اہلِ شام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ میدانِ جنگ میں فوجی برتری حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل تھی۔ اُن کی فوج اس قابل ہو چکی تھی کہ اہلِ شام کو ان کی مضبوط جگہوں سے ہٹا دے۔ یہاں تک کہ عراق کی فوج کے پرچم اُس پہاڑی کے قریب نصب ہو چکے تھے جہاں اہلِ شام نے پناہ لی ہوئی تھی اور اُن پرچموں میں علمُ القلب یعنی حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی مرکزی فوج کا جھنڈا بھی شامل تھا۔ یوں فتح بہت قریب تھی، اور عراقی لشکر کو غالب آنے میں دیر نہیں تھی۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غرض صرف یہ تھی کہ وہ لوگ آپ کی بیعت قبول کرلیں، اور فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق ہوجائے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح اور تحکیم کی پیش کش فوراً قبول فرمالی۔

٦) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ایمان کے قائل تھے۔ اگر وہ اُنہیں کافر سمجھتے، تو نہ وہ تحکیم قبول فرماتے اور نہ اُن کے باقی رہنے کا انتظار کرتے بلکہ اُنہیں پوری طرح ختم کردینے میں کوئی تردد نہ فرماتے۔ اس لیے بات قطعی طور پر واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کو کافر نہ کہتے تھے۔

❖❖❖❖

(١) وثیقۂ تحکیم میں یوں درج ہے کہ: یہ تحریر بدھ کے دن، ماہِ صفر میں تیرہ دن باقی رہتے (یعنی سترہ صفر) سن سَبعٍ وثلاثین (٣٧ھ) کو لکھی گئی تھی۔ دیکھیں: [٣٨٧]۔

(٢) انساب الاشراف (٢/٣٣٧) کی یہ روایت قابلِ قبول ہے۔ اس کے آغاز اور اختتام کو اس کے شواہد تقویت دیتے ہیں، جبکہ باقی حصہ قرائن کی بنا پر مضبوط ہے۔ وہاں یہ آیا ہے کہ (یہ واقعہ جمعہ کے دن تھا)۔ اس کے شواہد اور دیگر متصل روایات کے ساتھ اس کی تفصیل آگے [٤٦٢] پر آئے گی۔ وہاں ''هِيتَ'' اور ''صَنْدَوْدَاءَ'' کی شناخت اور تعارف بھی ذکر کیا جائے گا۔ اسی طرح امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچنے کا بیان بھی وہیں ملاحظہ ہو: [٤٦٢]۔

(٣) يعني: في ٢٠/٠٣/٣٧هـ.

(٤) دیکھو: [٤٦٣]۔

(٥) مُبَائِنِينَ: یعنی ان سے الگ ہوجانے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے۔

(٦) یعنی خوارج صفّین سے روانہ ہوئے اور فرات کے کنارے ایک جگہ آکر ڈیرے ڈال دیے، مقصد یہ تھا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ان سے پہلے نہ پہنچ جائیں۔ مگر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ان سے آگے بڑھ گئے اور کوفہ میں داخل ہوگئے، پھر خوارج بعد میں حروراء میں آکر ٹھہرے۔

(٧) دیکھیے: [٤٦٦]۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(٨) بایَنَ: کا معنی ہے: جدا ہونا، الگ ہوجانا یا مخالفت کرنا۔

(٩) دیکھیے: [٤٦٧]۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(١٠) یہ (روایت) گزر چکی ہے، حوالہ نمبر ٣٧٧ کے تحت۔

(١١) الزِّ جْرِجَۃُ: سے مراد وہ گھٹیا اور اوباش لوگ ہیں، جو کم عقل، بدسیرت اور بے خیر ہوتے ہیں۔ اور اسی لفظ کا ایک اور معنی یہ بھی ہے

کہ پانی کے حوض میں کیچڑ ملا ہوا گدلا پانی جو کسی کام کا نہیں رہتا۔النہایۃ (۱۹۸/۲)، مادہ: رجرج۔لسان العرب (۲۸۱/۲)، مادہ: رجج اورابومسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ بھلا اس بات میں کیا بھلائی ہے کہ ایسی سخت اور ہولناک جنگ برپا ہو جس میں قوم کے بہترین لوگ، ان کے علماء، صالحین، اشراف، عقل والے اور بہادر جوان سب کٹ جائیں، یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں صرف رذیل، کمزور اور نکمے لوگ باقی رہ جائیں۔ پھر اگر ان میں سے کسی ایک فریق کو فتح بھی مل جائے تو ایسی فتح کا فائدہ ہی کیا ہے؟ جنگ جس میں خالص اچھے لوگ فنا ہو جائیں اور آخر میں صرف بھٹی ہوئی تلچھٹ ہاتھ آئے، وہ فتح نہیں بلکہ خسارہ ہے۔

(۱۲) ظَهَرت: یعنی: ''غالب آ گئی/ فتح یاب ہو گئی۔

(۱۳) الطبقات الکبریٰ (۳۶۲/۴)، طبع خانجی۔ اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہی ہیں، اور وہ دونوں شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں سے ہیں۔ اور یہ گذر چکا ہے: [۱۹۲]۔

گیارھواں مبحث: جنگِ صفّین کے روز صلح کے معاملے میں خوارج (قُرّاء) کا موقف اور ان کی تعداد

پہلا مطلب: وہ خوارج (قُرّاء) جو جنگِ صفّین کے دن لشکر سے الگ ہو گئے، ان کی تعداد۔

ضروری ہے کہ اُن خوارجِ صفّین (قُرّاء) کی تعداد میں فرق رکھا جائے جو حروراء میں مقیم ہوئے تھے، اور اُن خوارجِ نہروان کی تعداد میں جو بعد میں نمودار ہوئے،،،

رہی حروراء میں جمع ہونے والے خوارج کی تعداد؛ تو ان کے بارے میں صحیح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے،،،

- چنانچہ کہا گیا کہ وہ تقریباً بضعہ عشر ہزار تھے۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ کہتے ہیں: (پھر وہ حروراء کی طرف نکل گئے خوارج کا وہ گروہ اور ان کی تعداد تقریباً بضعہ عشر ہزار تھی)(۱)

- اور ایک قول یہ ہے کہ وہ آٹھ ہزار تھے۔ عبداللہ بن شَدّاد کہتے ہیں: جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح نامہ تحریر کیا اور حکمین مقرّر کیے، تو قُرّاء میں سے آٹھ ہزار آدمی ان کے خلاف نکل کھڑے ہوئے، اور کوفہ کے قریب واقع علاقے ''حرورا'' میں آ کر ٹھہر گئے (۲)۔

اور راجح قول یہ ہے کہ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (جب حروریہ نکل کر ایک جگہ جمع ہوئے، تو وہ چھ ہزار تھے)(۳)۔ اس قول کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے، اور وہ خوارج کو خود دیکھ چکے تھے اور ان کے کیمپ میں بارہا گئے تھے، خصوصاً اس وقت جب انہوں نے ان سے تین دن تک مناظرہ کیا۔ اور عبداللہ بن شَدّاد اس مناظرے کے عینی شاہد ہیں۔ ابن شَدّاد کہتے ہیں: (امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا، اور میں بھی اُن کے ساتھ روانہ ہوا(۴))۔

- اور ایک مبالغہ آرائی پر مبنی قول بھی ملتا ہے جو درست نہیں۔ عبد الرزاق کا جملہ یہ ہے: ”ان میں سے بیس ہزار لوٹ کر چلے گئے اور ان میں سے چار ہزار باقی رہے، جو قتل کیے گئے“(۵)۔ یہ بات غلط ہے؛ کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کی کل تعداد ۲۴۰۰۰ بنتی ہے یعنی تقریباً امیرِ المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا نصف اور یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ خوارج اس قدر بڑا تناسب لشکرِ علی رضی اللہ عنہ میں بنائیں؛ اس لیے یہ راوی کی غلطی ہے۔

جہاں تک نہروان کے خوارج کا شمار ہے تو وہ ۴۰۰۰ تھے، اور اس پر بعد میں تفصیل آئے گی (۶)۔

● دوسرا مطلب: جنگِ صفّین کے روز صلح کے بارے میں خوارج (قُرّاء) کا موقف۔

بیشک امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ صلح کی طرف خود پیش قدم تھے، نہ کہ اس کے سامنے مجبور یا دباؤ کا شکار۔ جبکہ خوارج اس کے خلاف تھے اور لڑائی جاری رکھنے پر اصرار کرتے رہے۔ حدیث میں آتا ہے: (خوارج آئے اور اس وقت ہم انہیں قُرّاء کہا کرتے تھے **وہ اپنی تلواریں کندھوں پر لٹکائے ہوئے آئے** اور کہنے لگے: **اے امیر المؤمنین! کیوں نہ ہم ان لوگوں کی طرف بڑھیں یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے؟ تب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے لوگو! پہلے اپنے آپ پر نظر کرو۔۔۔ (یعنی جذبات میں غلط فیصلہ نہ کرو) پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لوگو! یہ تو اللہ کی طرف سے ایک کشادگی (فتح) ہے“ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے صلح کو قبول فرما لیا اور واپس پلٹ آئے، اور لوگ بھی ان کے ساتھ لوٹ آئے**(۷)۔

پس خوارج صلح کے منکر اور اس کے مخالف تھے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ اس پر ڈٹے ہوئے تھے بلکہ انہوں نے اسے فتح قرار دیا۔

پس جب علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی روک دی اور حَکَمَین مقرر فرما دیے، تو خوارج غضب ناک ہو گئے، یہاں تک کہ انہوں نے انہیں کافر کہہ ڈالا اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور خوارج برابر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے رہے، صرف اس وجہ سے کہ

آپ نے حکمیت (حکمین) کو قبول کیا تھا۔حدیث میں آتا ہے: (پھر خوارج کا وہ گروہ حروراء کی طرف نکل گیا اوران کی تعداد تقریباً بضعہ عشر ہزار تھی وہ کہنے لگے: ہم اپنی طرف چلے جاتے ہیں؛ پھر اگر علی رضی اللہ عنہ صلح کے فیصلے پر قائم رہے،تو ہم ان سے اسی بنیاد پر لڑیں گے جس بنیاد پر ہم نے صفّین کے دن (شامیوں سے) لڑائی کی تھی، اور اگر انہوں نے فیصلہ توڑ دیا،تو ہم ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔پس وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نہروان تک پہنچ گئے۔۔۔(۸))

اور طبری نے ذکر کیا ہے کہ خوارج نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر حکمیت کے فیصلے کا انکار، خود صلح کے وقت (ماہ صفر سنہ ۳۷ھ) ہی سے شروع کر دیا تھا۔اور وہ اسی موقف پر قائم رہے یہاں تک کہ نہروان کی جنگ پیش آئی جو صفر سنہ ۳۸ھ میں واقع ہوئی(۹)۔

[۳۹۲] ڈاکٹر محمد امحزون کہتے ہیں: (یہ دعویٰ کہ قُرّاء (خوارج) ہی جنگ روکنے، تحاکم کو قبول کرنے،اور عراق کی جانب سے ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کے ذمہ دار تھے محض ایک تاریخی افترا ہے، جسے شیعہ اخباری مورخوں نے گھڑا ہے،اوران میں سرفہرست ابومخنف اور نصر بن مزاحم ہیں (۱۰)-ان اخباریوں کے لیے یہ بات ناگوار تھی کہ علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ نرم مزاجی اور مصالحت پسند قائد کے طور پر سامنے آئے، جو معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے صلح کے خواہاں ہوں یعنی اپنے اُن روایتی مخالفوں سے؛ چنانچہ انہوں نے اس ذمہ داری کو خوارج پر ڈال دیا تاکہ اس مشکل سے جان چھڑا سکیں۔اور یوں انہوں نے خوارج کے موقف کو خود ان کے خلاف کر دیا: بظاہر وہ کہتے ہیں کہ خوارج نے ہی علی رضی اللہ عنہ کو تحاکم پر مجبور کیا،اور پھر یہی خوارج اس بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہو گئے کہ انہوں نے تحکیم کیوں قبول کی (۱۱)! یعنی دعویٰ خود ہی اپنی تردید بن جاتا ہے اور یہی اس کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ڈاکٹر محمد اُمحزون نے اُن لوگوں کی حالت نہایت خوبی سے بیان کی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خوارج ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو جنگ روکنے پر مجبور کیا۔انہوں نے ایسے لوگوں کو (متناقض) قرار دیا، کیونکہ: یہی خوارج بتاتے ہیں کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو صلح پر مجبور کیا،اور پھر یہی خوارج اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ پر غضب ناک ہوئے،ان کے خلاف نکل

کھڑے ہوئے، بلکہ تکفیر تک کر ڈالی کہ انہوں نے صلح کیوں قبول کی!!! یعنی دعویٰ خود اپنے آپ کو باطل ثابت کرتا ہے۔

اور ہرگز ایسا نہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو لوگ اُس بات پر چلائیں جسے وہ خود نہ چاہتے ہوں۔

چنانچہ یہ دونوں واقعات غالی شیعہ کو سخت ناگوار گزرے۔ ایک تو یہ کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے تحاکم کو قبول فرمایا، اور دوسرے یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نمائندے کی حیثیت سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا حالانکہ وہ اس فتنہ میں کنارہ کش تھے اور لوگوں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے۔ پس ان غالیوں کے برافروختہ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اُن شخصیات کے ساتھ ایک طرح کی رواداری اور نرمی کا رویہ اختیار فرمایا جنہیں وہ (غالی) اپنے روایتی دشمن سمجھتے تھے (۱۲)۔

اور ایک تیسرا واقعہ بھی ہے جس نے غالی متشیعین کو بے حد پریشان کیا: وہ یہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اُن (یعنی اپنے ان کے نزدیک روایتی دشمنوں) کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی کا معاملہ کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت سپرد کر دی۔ چنانچہ اُنہوں نے اس بیعت کے بارے میں بھی نہایت گھناؤنی اور جھوٹی کہانیاں گھڑ لیں، جن میں ایسی شدید گستاخیاں تھیں جو سب سے پہلے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مبارکہ پر حملہ بنتی ہیں، اس سے پہلے کہ وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوں (۱۳)!!

---

(۱) دیکھو: [۳۷۷]۔

(۲) دیکھو: [۴۷۹]۔

(۳) دیکھو: [۴۸۲]۔

(۴) دیکھو: [۴۷۹]۔

(۵) دیکھیے: حدیث نمبر (۴۸۲) کی تخریج۔

(۶) دیکھیے صفحہ (۲۶۰)۔

(۷) دیکھو: [۳۷۷]۔

(۸) دیکھو: [۳۷۷]۔

(۹) تاریخ الطبری (۱۲۵/۳)۔

(۱۰) دیکھیے: تاریخ طبری (۱۰۲/۳)، اور وقعۃ صفّین نصر بن مزاحم، صفحہ (۴۹۹-۵۰۰)۔

(۱۱) دیکھیے: تحقیقِ مواقفِ صحابہ فی الفتنہ (۲/ ۲۱۴-۲۱۵)، اور نیز: **قضیة التحكيم فی موقعة صفين بين الحقائق و الأباطيل** از ڈاکٹر خالد کبیر علّال، صفحہ (۳۰)۔

(۱۲) دیکھیے حوالہ: [۴۰۸] اور اس کے بعد کی وضاحت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۳) ان مثالوں پر آنے والی تفصیل کے لیے تعلیق جو [۵۹۶] کے بعد آئے گی اسے دیکھیں۔ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق اُن (غالی متشیعہ) کی ان گستاخیوں کی متعدد مثالیں کتاب **خطبة الحسن و معاوية رضی الله عنهما عند البيعة** میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہاں بطورِ نمونہ ان مقامات کو دیکھیں: [۳۳]، [۴۸]، [۴۹]۔

بارہواں مبحث: جنگِ صفّین کے خاتمے کے بعد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا موقف

بعدازاں جب جنگ ختم ہوئی: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو اس تباہی نے سخت مغموم کیا جو اس جنگ کے نتیجے میں پیش آئی تھی کتنی جانیں ضائع ہوگئیں! اس پر آپ رضی اللہ عنہ کو جنگ میں پیش قدمی کرنے پر ندامت بھی ہوئی۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ کو پورا یقین ہوگیا کہ اب سلطنت نہ مکمل طور پر قائم ہوسکتی ہے اور نہ اس میں استقرار آسکتا ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے کلمات فرمائے جنہیں آپ جنگ کے دوران کبھی نہیں فرمایا کرتے تھے......

اور آپ کے کلام میں سے یہ بھی ہے:

[٣٩٣] مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ صِفِّينَ - كَمَا فِي تَارِيخ دِمَشْقَ -: أَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ أَبُو سَعِيدٍ الْجُعْفِيُّ، أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَالِكٍ الْأَشْجَعِيَّ ذَكَرَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَشْجَعَ يُقَالُ لَهُ: سَالِمُ بْنُ عُبَيْدٍ الْأَشْجَعِيُّ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا بَعْدَ صِفِّينَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي وَنَحْنُ نَمْشِي فِي الْقَتْلَى، فَجَعَلَ عَلِيٌّ يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ حَتَّى بَلَغَ قَتْلَى أَهْلِ الشَّامِ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّا فِي أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ: إِنَّمَا الْحِسَابُ عَلَيَّ وَعَلَى مُعَاوِيَةَ[1].

ابنِ دیزیل نے اپنی کتاب صفّین میں، جیسا کہ تاریخ دمشق میں ہے، روایت کیا: یحیٰی بن سُلیمان ابوسعید الجُعفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن ادریس نے خبر دی، کہا: میں نے ابو مالک الاشجعی کو ایک شخص (سالم بن عبید الاشجعی) سے بیان کرتے ہوئے سنا، وہ کہتا ہے: میں نے صفّین کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا،

وہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ہم مقتولین کے درمیان چل رہے تھے۔ تو علی رضی اللہ عنہ ہر ایک کے لیے استغفار کرتے جاتے، یہاں تک کہ ہم شام والوں کے مقتولین تک پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حساب (فیصلہ) میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہے۔

[۳۹۴] وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَيُّوبَ الْمَوْصِلِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الأَصَمِّ قَالَ: سُئِلَ عَلِيٌّ عَنْ قَتْلَى يَوْمِ صِفِّينَ فَقَالَ: "قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ، وَيَصِيرُ الْأَمْرُ إِلَيَّ وَإِلَى مُعَاوِيَةَ(۲)".

اور اسے ابن ابی شیبہ نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم سے عمر بن ایوب الموصلی نے بیان کیا، انہوں نے جعفر بن بُرقان سے، اور انہوں نے یزید بن الاصم سے روایت کیا کہ: علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "ہمارے مقتول بھی جنت میں ہیں اور ان کے مقتول بھی جنت میں ہیں، اور انجامِ کار فیصلہ میرے اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہوگا۔"

علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پہلے یہ بات گزری ہے(۳) کہ وہ اہلِ شام کو ان کے بغاوت کی وجہ سے خونریزی کا ذمہ دار سمجھتے تھے، مگر ابن دیزیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد ان کا موقف بدل گیا۔ اب ان کے نزدیک خونوں کی ذمہ داری صرف اہلِ شام پر نہ رہی، بلکہ وہ اسے اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی مشترکہ ذمہ داری شمار کرنے لگے۔

ان کے اس قول "إِنَّمَا الحِسَابُ عَلَيَّ وَعَلَى مُعَاوِيَةَ" (میرے اور معاویہ پر حساب

ہے) سے ان کے ندامت کا اظہار ہوتا ہے۔

اور یہ ندامت اس بات سے کسی طرح متعارض نہیں کہ صفّین کے بعد انہوں نے اہلِ شام کو بیعت پر مجبور کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ یعنی ان کا بعد از جنگ غم اور افسوس، اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ وہ انہیں بزورِ قوت بیعت پر لانے کے عزم سے دستبردار ہو گئے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں عزم بھی تھا، اور تردد، حزن اور ندامت بھی یہ سب کیفیات ایک ساتھ جمع تھیں۔ اور یہی حالت فتنوں کی ہوتی ہے کہ وہ حلیم سے حلیم انسان کو بھی پریشان اور متحیر کر دیتی ہیں۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے حکَمین کے فیصلے کے بعد شام پر چڑھائی کا پختہ ارادہ فرما لیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں خوارج کا فتنہ سر اٹھا کر کھڑا ہوا اور انہوں نے خونریزی شروع کر دی، چنانچہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ان کے معاملے میں مشغول ہو گئے۔ پھر جب آپ رضی اللہ عنہ ان سے فارغ ہوئے تو شام کی طرف پیش قدمی کو کچھ مدت کے لیے مؤخر فرمایا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ کے علاقوں کی سرحدوں پر لشکری چھاپوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ بار بار اپنی فوج کو جہاد کے لیے ابھارتے رہے مگر وہ تیار نہ ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی سستی اور انکار کی وجہ سے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو غم اور تکلیف لاحق ہوئی، اور انہوں نے موت کی تمنا کر لی (۴)۔

[۳۹۵] وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ شَهِدَ صِفِّينَ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا خَرَجَ فِي بَعْضِ تِلْكَ اللَّيَالِي، فَنَظَرَ إِلَى أَهْلِ الشَّامِ فَقَالَ: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلَهُمْ“. فَأُتِيَ عَمَّارٌ فَذُكِرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: جُرُّوا لَهُ الْخَطِيرَ مَا جَرَّهُ لَكُمْ (۵).

يَعْنِي سَعْدًا انْحَلَهُ (۶).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے: ہمیں ابو اسامہ نے بیان کیا، وہ ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عروہ سے سنا، وہ ایک ایسے

شخص سے روایت کرتے ہیں جو جنگِ صفین میں موجود تھا۔ وہ کہتا ہے: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک رات باہر نکلے، اہلِ شام کی طرف نظر کی اور فرمایا: ''اے اللہ! مجھے بھی بخش دے اور انہیں بھی۔'' یہ بات عمار رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے کہا: اب انہیں اسی راہ پر چلنے دو جس پر انہوں نے تمہیں چلایا تھا یعنی وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بات کررہے تھے۔

اس کے قول (یعنی سعدًا رحمہ اللہ) کے بارے میں میرا گمان ہے کہ یہ راوی کی طرف سے تصحیف یا وہم ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ عبارت (یعنی علیًّا رحمہ اللہ) ہونی چاہیے، واللہ اعلم۔

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے دنوں میں اہلِ شام کے لیے استغفار کیا تھا۔ پھر جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس استغفار کی تائید فرمائی، بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی وصیت کی کہ وہ اہلِ شام کے لیے استغفار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کریں، بلکہ ہر معاملے میں انہی کی اتباع کریں۔

اس خبر کو اس معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے لیے صفین کی جنگ ختم ہونے کے بعد استغفار کیا ہو، کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو اس سے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران اہلِ شام اور ان کے پیروکاروں کے خلاف علانیہ قنوت کرتے تھے، تاکہ لوگوں پر اہلِ شام کی خطا اور ان کے بَغی (ظلم وزیادتی) کو واضح کریں۔ ساتھ ہی انہی دنوں میں وہ رضی اللہ عنہ اپنے بعض سپاہیوں کے سامنے اہلِ شام کے لیے استغفار بھی کرتے تھے، تاکہ یہ بتائیں کہ اہلِ شام مومن ہیں، کافر نہیں۔ اس پر عراق کے بعض سپاہی حیران ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک طرف ان پر قنوت کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں! چنانچہ یہ متعجب سپاہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ یہ بالکل برحق ہے، کیونکہ استغفار ہر مسلمان کے لیے جائز ہے، پھر انہیں وصیت کی کہ وہ اقوال وافعال میں حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کریں اور کسی معاملے میں ان کی مخالفت نہ کریں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اہلِ شام کو کافر قرار دینے میں ان کی مخالفت نہ کریں۔

[۴۹۳] وَأَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَمَّادُ بْنُ أَسَامَةَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ الْحَارِثِ قَالَ: لَمَّا رَجَعَ عَلِيٌّ مِنْ صِفِّينَ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ، فَتَكَلَّمَ بِأَشْيَاءَ لَمْ يَكُنْ يَتَكَلَّمُ بِهَا قَبْلَ ذَاكَ، وَقَالَ أَشْيَاءَ لَمْ يَكُنْ يَقُولُهَا قَبْلَ ذَاكَ، فَقَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ، فَوَاللهِ لَوْ قَدْ فَقَدْتُمُوهُ لَقَدْ رَأَيْتُمُ الرُّؤُوسَ تَنْدُرُ(۷) مِنْ كَوَاهِلِهَا(۸) كَالْحَنْظَلِ"(۹).

ابنِ سعد نے روایت کیا ہے: ہمیں ابواسامہ حمّاد بن اسامہ نے مجالد کے واسطے سے، انہوں نے عامر سے، اور انہوں نے حارث سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفّین سے واپس آئے تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ اب اُن کے اختیار میں کچھ نہیں رہا۔ اس کے بعد وہ بعض ایسی باتیں فرمانے لگے جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے، اور کچھ ایسے اقوال کہنے لگے جو پہلے ان کی زبان پر نہ آئے تھے۔ چنانچہ فرمایا: "اے لوگو! تم معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، کیونکہ اللہ کی قسم! اگر تم نے اُنہیں کھو دیا، تو تم دیکھو گے کہ گردنوں سے سریوں جھڑتے ہوں گے جیسے حنظل کے پھل ٹوٹ کر گرتے ہیں۔"

ان کے اس قول (جب علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو جان لیا کہ وہ قابو نہیں پا سکیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے - جنگ کے نتائج دیکھنے کے بعد یقین کر لیا - کہ ان کی حکومت مکمل طور پر قائم اور مستحکم نہیں ہوگی شام ان کے زیرِ اطاعت نہیں آئے گا اور فتنوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ اسی مفہوم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے: (مجھے ان لوگوں کے بارے میں یہی نظر آتا ہے(۱۰) کہ وہ تم پر غالب آ جائیں گے، اس لیے کہ وہ اپنے باطل پر متحد ہیں اور تم اپنے حق پر متفرق ہو، وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں اور تم

اپنے امیر کی نافرمانی کرتے ہو، وہ اپنی امانتیں ادا کرتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو(١١))۔

سوال اگر یہ کہا جائے کہ جب علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ان کی حکومت پوری طرح قائم نہیں ہوگی، تو پھر وہ اہلِ شام کو زیرِ فرمان لانے پر کیوں مصر تھے؟

جواب جواب یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے مقابلے پر ڈٹے رہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا تھے: ''پھر اگر ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو اس جماعت سے لڑو جو زیادتی کر رہی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے(١٢)۔'' اس پر خود علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے: (اے اللہ! انہوں نے مجھے اس بات سے روک دیا ہے کہ میں امت میں اس (قرآن) کے مطابق قائم ہوں، پس مجھے اس (قرآن) پر عمل کرنے کا اجر عطا فرما(١٣)) یہاں اس (قرآن) سے مراد وہی مصحف ہے جس میں مذکورہ آیت درج ہے۔ اور جس کام سے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو روک دیا، وہ دراصل باغی جماعت سے قتال کا فریضہ تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مذکورہ آیت کے حکم کو وجوب (یعنی شرعی فرضیت) کے معنی میں سمجھتے تھے۔

علی رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران علانیہ طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف قنوت کیا کرتے تھے، مگر جب جنگ ختم ہوگئی تو وہ ان کے مقتولین پر رحمت کی دعا کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے قنوت چھوڑ کر صرف ترحم پر اکتفا فرمایا۔

[٣٩٧] أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، قَالَ: فَقَنَتَ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ: "اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِمُعَاوِيَةَ وَأَشْيَاعِهِ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي الْأَعْوَرِ السُّلَمِيِّ وَأَشْيَاعِهِ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ"(١٤).

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے: ہم سے ہشیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے عبدالرحمٰن بن معقل نے بیان کیا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، تو انہوں نے قنوت میں یہ دعا فرمائی: ''اے

اللہ! تو معاویہ اور اس کے ساتھیوں پر، عمرو بن عاص اور اس کے ساتھیوں پر، ابوالاعور سلمی اور اس کے ساتھیوں پر، اور عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں پر عذاب نازل فرما‘‘۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، جملہ (وَعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ) محفوظ نہیں، اور اگر اسے محفوظ مان لیا جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں موقف بدل گیا تھا۔ ابتدا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں اپنی حمایت میں کمزوری دکھانے والا اور خطا پر سمجھتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے قنوت میں اُن پر اور اُن لوگوں پر بددعا کی جو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی بات مان کر صفین سے الگ ہو گئے تھے۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے ہولناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے تو انہیں ندامت ہوئی اور وہ اس خواہش کا اظہار کرنے لگے کہ کاش وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے مان لیتے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ انہوں نے بعد میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے نمائندے کے طور پر حَکَم مقرر کیا، اور اس فیصلے کے بارے میں فرمایا: (اے لوگو! ’’یہ ایک فتح ہے‘‘، پس علی رضی اللہ عنہ نے فیصلے (یعنی حکمین کے ذریعے فیصلہ کرنے) کو قبول کر لیا، خود بھی پلٹ آئے، اور لوگ بھی واپس لوٹ گئے۔۔۔ [۱۵])۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو کتاب اللہ کے مطابق فتح قرار دیا، اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس فتح میں اپنا نمائندہ بنایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے پہلے موقف سے رجوع فرما لیا تھا۔

اس سے حارث اَعور کے اس قول کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے: (پھر علی رضی اللہ عنہ ایسی باتیں فرمانے لگے جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے)۔ رہے یہ الفاظ: (امارتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ لوگوں کے سروں کو تنوں سے اس طرح اڑایا جا رہا ہو گا جیسے حنظل کے پھل ٹوٹ کر گرتے ہیں) تو غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے حالات وواقعات کا اندازہ لگایا، ان پر غور وفکر کیا، تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے معاملات پر مضبوط گرفت رکھنے والے، سرحدوں کو رومیوں سے

محفوظ رکھنے والے، اپنے مددگاروں اور مخالفوں سے حکمت کے ساتھ معاملہ کرنے والے، اور اپنے عہد و پیمان میں امانت دار شخص ہیں۔ یوں گویا علی رضی اللہ عنہ پر تجربات اورغور وتدبر کے بعد یہ بات روشن ہوگئی کہ اگر شام کی قیادت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی تو فساد اور قتل وخونریزی اور زیادہ پھیل جاتی۔

صفّین کے بعد علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا موقف بھی منقول ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے بعض سابقہ مواقف میں نظرِ ثانی فرمائی۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفّین سے پہلے لوگوں سے کہا تھا کہ بھلائی صلح میں ہے، قتال میں نہیں۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ صفّین سے واپس آئے تو انہیں اس بات کی اطلاع ملی، چنانچہ انہوں نے انہیں معزول کر دیا حالانکہ علی رضی اللہ عنہ نے خود بالآخر اسی صلح کو قبول کیا جس کی تمنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس وجہ سے معزول کیا ہو کہ ان کے اس قول میں خلیفہ کی ہدایات اور پالیسی سے اختلاف اور ریاستی اُمور میں مداخلت کا پہلو پایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

پس علی رضی اللہ عنہ نے وہی صلح قبول کر لی جس کی دعوت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے دی تھی، حالانکہ صفّین سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ صرف دو ہی راستے ہیں: یا بیعت یا پھر قتال۔ البتہ صلح کو انہوں نے اس وقت اختیار کیا جب اپنی آنکھوں سے جنگ کی ہولناکیاں دیکھ لیں۔

❁ **یقیناً ابن دیزیل (۱۶) کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے کسی ایک موقف میں تبدیلی واقع ہوئی،** جبکہ دوسرے موقف میں ان کا ثبات واستقامت برقرار رہا۔

جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کے اُس موقف کا تعلق ہے جس میں تبدیلی واقع ہوئی تو وہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور وہ یہ تھا کہ اُنھیں جنگ کے آغاز پر ندامت ہوئی، اور یہ سمجھا کہ ذمہ داری صرف معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں بلکہ دونوں پر مشترک ہے، رضی اللہ عنہما۔

میں کہتا ہوں: دونوں مجتہد اور ماجور ہیں، اور فتنہ کے زمانے میں کبھی حق پر ایسا غبار چھا جاتا ہے جو فتنہ ختم ہونے سے پہلے نہیں چھٹتا۔

[۳۹۸] أَخرَجَ الطَّبَرِيُّ من طريق سَيْفِ بْنِ عُمَرَ خبراً طويلاً، وفيه أن أبا موسى الأشعري نهى الناس عن الخوض في الفتنة، فقال فيما قال: "إِنَّ الْفِتْنَةَ إِذَا أَقْبَلَتْ شَبَّهَتْ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ بينت" (۱۷).

طبری نے سیف بن عمر کی سند سے ایک طویل خبر روایت کی ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو فتنے میں پڑنے سے منع فرمایا، اور فرمایا: "جب فتنہ آتا ہے تو (حق و باطل) ایک دوسرے سے مشابہ لگتے ہیں، اور جب ختم ہوتا ہے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے"۔

یہ مقولہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہے، اور یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

اور جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ مؤقف ہے جو ثابت اور غیر متبدل رہا، تو وہ یہ تھا کہ وہ اہلِ شام کو مومن ہی سمجھتے تھے، جو ایمان کی دائرے سے خارج نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ عراق کے مقتولین کے پاس سے گزرتے تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ اپنے سفر میں اہلِ شام کے مقتولین تک پہنچے تو ان کے لیے بھی استغفار کرنے لگے۔ اس موقع پر سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: "اے علی! ہم ابھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتولین کے پاس پہنچے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے آپ مغفرت کی دعا کر رہے ہیں۔" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعا سے توقف نہیں فرمایا بلکہ سالم رضی اللہ عنہ کو یہ بات واضح فرمائی کہ: "یہ لوگ نہ کافر ہیں، نہ منافق، کہ ان کے لیے استغفار سے رکا جائے، بلکہ یہ مؤمن ہیں، اور مؤمنین کے لیے دعاے مغفرت کرنا جائز ہے۔" پھر فرمایا: "ہم دونوں فریقوں کے مقتولین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور رہی وہ جنگ جو واقع ہوئی اور وہ خون جو بہایا گیا، تو اس کی ذمہ داری مجھ پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے، اور اللہ ہی دونوں سے حساب لے گا۔"

اور عمار رضی اللہ عنہ کا قول دیکھیے [۳۹۵]۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن (اہلِ شام) میں سے نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ ان کا مالِ غنیمت لیا، بلکہ ان سے بغاۃ (ناحق لڑنے والے مسلمانوں) کے احکام کے مطابق معاملہ فرمایا، نہ کہ کفار یا مرتدین کے احکام کے مطابق۔ دیکھیے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول: (**میں صفین میں موجود تھا، وہاں نہ کسی زخمی کو ختم کیا جاتا تھا، نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا جاتا تھا، اور نہ ہی کسی مقتول کو لوٹا جاتا تھا**[۱۸]) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جب اُنہوں نے خوارج سے مناظرہ کیا: (اور جہاں تک تمہاری یہ بات ہے کہ (علی رضی اللہ عنہ) نے قتال کیا مگر نہ قیدی بنائے اور نہ مالِ غنیمت لیا۔۔۔[۱۹])

---

(۱) تاریخ دمشق (۱/۳۴۳) کتاب صِفِّینَ لابنِ دِیزِیل، برقم [۱۴۷] (بجمعي وعِنايتي)۔ اسنادہ حسنٌ، رجالہ رجالُ الصحیح۔ ابو مالک الاشجعی: وہ سعد بن طارق بن اَشیم الکوفی ہیں، ثقہ ہیں، ان کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ سَالِمُ بْنُ عُبَیْدٍ الاَشْجَعِیُّ رضی اللہ عنہ: یہ صحابی ہیں، اہلِ صُفّہ میں سے، پھر کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ابن العدیم نے فرمایا: "شَهِدَ صِفِّينَ مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنه" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صفین میں حاضر ہوئے۔ ان سے ابو مالک الاشجعی روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے: بغیۃ الطلب (۹/۴۱۵۱)۔ اور ابو مالک الاشجعی لمبی عُمر پا گئے اور ان کی وفات دیر سے ہوئی، جیسا کہ صَریفینی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ تہذیب التہذیب (۳/۴۷۳) میں ہے: "بَقِيَ إلى حدود الأربعين ومائة، وروى عن أبيه، وعبد الله بن أبي أوفى، وأنس بن مالك، وثلاثتهم صحابة، وهم من نُظراءِ سالم بن عبيد الأشجعي في السِّن" وہ تقریباً ایک سو چالیس ہجری تک زندہ رہے، اور انہوں نے اپنے والد، اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، اور انس بن مالک رضي اللہ عنہ تینوں صحابہ سے روایت کی ہے، اور یہ حضرات سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ کے ہم عُمر تھے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ: ابو مالک الاشجعی نے سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کا ادراک کیا، دونوں کوفہ میں تھے، لہٰذا معاصرت بھی ثابت، اور لقائے مستقیم کا امکان بھی قطعی ہے۔ اس لیے روایت متصل ہے اور اسناد میں کوئی اضطراب یا انقطاع نہیں۔

وانظر: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱/۳۹۸)۔

التخریج:

اسے ابن العدیم نے بُغیۃ الطلب (۱/۲۹۷) رقم (۹/۴۱۵۳) میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ ابن عساکر کی سند کے راستے نقل کیا ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۳۵) میں یہ روایت اپنی شواہد کی بنا پر حسن ہے، اور اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ یزید بن الاصم نے یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براہِ راست نہیں سنی۔ تاہم یہ روایت منفرد نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزرنے والی روایت میں اس کی متابعت ایک حسن سند کے ساتھ موجود ہے۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴/۵۱۷) میں فرمایا: یزید بن الاصم کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ثابت نہیں، اگرچہ اس نے ان کا زمانہ پایا ہے، اور وہ خلافتِ علی کے زمانے میں کوفہ میں تھا۔ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۱/۳۸۸) میں اس کا انکار کیا کہا: اس نے علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں تھا۔

اور کتبِ تراجم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت ایک ضعیف سند کے ذریعے ذکر کی گئی ہے، اور وہ سند یوں ہے: سفیان الثوري، عبد الله بن محرر، يزيد بن الأصم، علي بن أبي طالب، یہ روایت قصہ الخضر کے بارے میں ہے، جب وہ کعبہ کے

پردوں سے لٹکا ہوا تھا۔۔۔اور ابن محرر: متروک ہے۔اور غالب گمان یہی ہے کہ امام مزّی کا یہ کہنا: [اس نے علی سے ضعیف طریق سے روایت کی ہے]۔اور امام ذہبی کا یہ قول: [اس کی علی سے روایت صحیح نہیں] اسی روایت کی طرف اشارہ ہے۔

یزید کی وفات سن ۱۰۳ھ میں ہوئی، اور واقدی کے قول کے مطابق اُس وقت اس کی عمر ۷۳ سال تھی۔ اگر یہ عمر درست مانی جائے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یزید کی عمر صرف دس سال بنتی ہے۔اور ہم تخریج میں ابن عساکر کی وہ روایت ذکر کریں گے جس میں یزید بن الاصم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ وہ صفّین کے مقتولین کے درمیان چل رہے تھے حالانکہ یزید صفّین میں موجود ہی نہ تھا۔پس سند میں انقطاع ثابت ہوا۔

مراجع کے لیے دیکھیے: تاریخ دمشق (۱۲۹/۶۵)، تہذیب الکمال (۳۲/۸۴)، اور تہذیب التہذیب (۱۱/ ۳۱۴)۔

التخریج:

اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۹/ ۳۰۷) میں روایت کیا ہے۔ہم سے بیان کیا الحُسَین بن اسحاق التستری نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا الحُسین بن ابی السَّری العسقلانی نے، انہوں نے بیان کیا زید بن ابی الزرقاء نے، جعفر بن برقان کے واسطے سے، اسی سند کے ساتھ۔اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں:

''میرے مقتول اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتول (دونوں) جنت میں ہیں۔''

ہیثمی کہتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہی ہیں، البتہ ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔مراد یہ ہے کہ ابن ابی السَّری کے بارے میں اختلاف ہے۔

دیکھیے: مجمع الزوائد (۷ ۱۵۹۲)۔ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۳/ ۱۴۳-۱۴۴) میں زید بن ابی الزرقاء کے طریق سے نقل کیا ہے، طبرانی کے انہی الفاظ کے ساتھ۔

اور اسے ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق (۱۳۹/۵۹) میں روایت کیا ہے:

ہمیں خبر دی ابو القاسم الخِضر بن الحسین بن عبدان نے، انہوں نے کہا: ہمیں بیان کیا ابو القاسم بن ابی العلاء نے، انہوں نے کہا: ہمیں بیان کیا ابو زکریا یحییٰ بن عمار بن یحییٰ بن شداد نے، انہوں نے کہا: ہمیں بیان کیا ابراہیم بن احمد بن محمد الانصاری نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا سعید بن یحییٰ بن سعید نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا خالد بن حیّان الرَّقّی نے، انہوں نے جعفر بن برقان کے واسطے سے، انہوں نے یزید بن الاصم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہوگئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور اپنے مقتولین کے پاس آئے اور فرمایا:

''یہ سب جنت میں ہیں۔'' پھر آپ آگے بڑھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے پاس آئے اور فرمایا: ''یہ بھی جنت میں ہیں۔اور پھر فرمایا: آخر کار معاملہ میرے اور معاویہ کے پاس لوٹے گا۔فیصلہ میرے حق میں ہوگا اور معاویہ کے لیے مغفرت ہوگی۔مجھے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح خبر دی ہے۔''

مزید دیکھئے: موارد ابنِ عساکر فی تاریخ دمشق (۳/ ۲۱۰۷)۔

ابنِ عساکر کی اس روایت کا حکم یہ ہے کہ:

اس کا متن مجموعی طور پر حسن ہے، البتہ عبارت [پس فیصلہ میرے حق میں ہوگا اور معاویہ کے لیے مغفرت ہوگی، مجھے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح خبر دی ہے] یہ اضافہ ضعیف ہے اور کسی صحیح طریق سے ثابت نہیں۔رہا خبر کا پہلا حصہ تو وہ متصل سند کے ساتھ حسن درجے سے ثابت ہے، جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں واضح ہوگا۔

ابنِ عساکر کی سند کے رجال میں سے ابو القاسم الخِضر بن الحسین بن عبدان کے بارے میں ابنِ عساکر فرماتے ہیں: میں نے ان سے روایت لکھی ہے، اور وہ بڑے نیک اور سلیم القلب شیخ تھے۔اور سمعانی کہتے ہیں: یہ نیک، سچے اور خوش سیرت بزرگ تھے...... میں نے

دمشق میں ان سے متعدد اجزاء روایت کیے ہیں۔ (تاریخ دمشق ۱۶/۴۳۴)، التحبير في المعجم الكبير (۱/۲۶۱)۔
- ابوالقاسم علی بن محمد بن ابی العلاء المصیصی: امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ فقیہ اور ثقہ تھے۔ (العبر ۲/۳۵۵)۔ اور سیر اعلام النبلاء (۱۲/۱۹) میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔
- ابوزکریا یحییٰ بن عمار: امام ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: وہ ایک جلیل القدر امام، محدث اور واعظ تھے، اور سجستان کے شیخ تھے۔ بدعتی اور جہمیہ کے خلاف سخت موقف رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس بارے میں کبھی کبھی طریقۂ سلف سے آگے بڑھ جاتے۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ، خوش بیان واعظ تھے، اور تفسیر میں امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۴۸۱) نیز دیکھیں: تاریخ الاسلام (۲۹/۹۷)، العبر فی خبر من غبر (۲/۲۴۹)۔
- ابراہیم بن احمد بن محمد الانصاری: یہ ابواسحاق المیمذی القاضی ہیں۔ خطیب نے ان کے بارے میں کہا ہے: یہ ثقہ نہیں تھے۔ اور ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ابن سمعانی نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ مراجع: الاکمال لابن ماکولا (۷/۹۱)، تاریخ دمشق (۶/۲۴۷)، الانساب للسمعانی (۱۲/۵۳۵)، تاریخ الاسلام (۲۶/۴۹۴)، سیر اعلام النبلاء (۱۶/۲۶۱)، میزان الاعتدال (۱/۱۷)، لسان المیز ان (۱/۲۹)۔
- سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: ابنِ اَبان، کنیت ابوعثمان، اموی تھے۔ ثقہ ہیں، اگرچہ کبھی کبھار وہم کا شکار ہوجاتے تھے۔
- خالد بن حیّان الرَّقّی: ابو یزید الکندی الخراز، صدوق ہیں لیکن کبھی خطا کرجاتے ہیں۔

(۳) دیکھو: صفحہ (۴۵۹)۔

(۴) ان کے عناد کی وجہ سے امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کی جانب سے موت کی تمنا کا ذکر آگے حدیث نمبر [۵۱۴] سے [۵۲۱] تک آئے گا۔

(۵) الخَطِيرُ سے مراد رسّی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اونٹ کی لگام ہے۔ معنی یہ ہے کہ: علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کرو جب تک وہ پیروی کے لائق ہوں، اور جہاں پیروی کا محل نہ ہو وہاں احتیاط برتو۔ النہایہ فی غریب الحدیث (۲/۴۷)، مادہ: خطر اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ قول حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۰۲۰) کی روایت اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے، اور اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے اس شخص کے جس نے صفین میں حاضری دی تھی وہ مبہم ہے، اگرچہ عینی شاہد ہے۔ ابواسامہ سے مراد حماد بن اسامہ القرشی ہیں جو ان (قریش) کے مولیٰ اور کوفی تھے۔ اور اس کے لیے پہلی دو روایات بھی ملاحظہ کی جائیں۔

التخریج:

یہ روایت یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱/۳۴۶) اور بغیۃ الطلب (۱/۳۰۲-۳۰۳) میں منقول ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن محمد بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں ابواسامہ نے یہی روایت بیان کی۔ البتہ اس روایت کے آخر میں "یعنی سعداً" کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہی روایت مختصر تاریخ دمشق (۱/۱۳۱) میں بھی موجود ہے۔

مزید دیکھیں: موارد ابن عساکر (۱/۵۹۰)۔

(۷) تَنْدُرُ: کا معنی ہے: گرنا، یا نیچے آنا۔ النہایہ فی غریب الحدیث (۵/۳۵)، مادہ: ندر۔

(۸) الكَوَاهِل: کاہل کی جمع ہے، اور کاہل اُس حصے کو کہتے ہیں جو پشت کے اوپری حصے میں گردن کے قریب واقع ہوتا ہے۔ (تاج العروس (۳۰/۳۶۲)، مادہ: کھل)۔

(۹) الجزء المتمم لطبقات ابن سعد، طبقہ چہارم، صفحہ (۴۳۲)، تحقیق: السلومی یہ خبر اپنی قرائن کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ مُجالِد: وہ ابنِ سعید الہمدانی ہیں، ضعیف شیعی۔ عامر: وہ ابنِ شرَاحیل الشّعبی ہیں، ثقہ ہیں۔ اور حارِث: وہ ابنِ عبداللہ الہمدانی، کنیت ابوزُہیر الاعور ہیں۔ ابنِ حجر نے ان کے بارے میں کہا ہے: [ان کی حدیث میں ضعف ہے، شعبی نے ان کے نظریے کو

جھوٹ قرار دیا ہے، اور ان پر رفض کا الزام ہے]۔

قرائن:

پچھلی تین روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد ایسے کلمات ارشاد فرمائے جو اس سے پہلے آپ کی زبان سے نہیں سنے گئے تھے، جیسے اہلِ شام کے لیے ان کا استغفار کرنا، اور یہ فرمانا: ''حساب مجھ پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے۔''

التخریج:

اسے ابنِ ابی شیبہ نے المصنف (۳۹۰۰۹)، بلاذری نے انساب الاشراف (۵۲/۵)، عبداللہ بن احمد نے السنہ (۲/۵۵۰)، بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/۴۶۶)، اور ابنِ عساکر نے (۵۹/۲۵۱-۱۵۲) میں مجالد کی سند سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے سند میں ''الحارث'' کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ صحیح یہی ہے کہ اس کا ذکر ہونا چاہیے۔ یہی خبر ابنِ ابی الدنیا کی حلم معاویہ (۵) اور تاریخ الاسلام (۴/۱۶۷) (۳۱۱/۴)، وسیر اعلام النبلاء (۳/۱۴۴)، والبدایہ والنہایہ (۱۴۰/۸) میں بھی موجود ہے۔

(۱۰) یعنی: اہلِ شام۔

(۱۱) دیکھو: [۵۱۴]۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۱۲) [الحجرات: ۹]۔

(۱۳) یعنی: اہلِ کوفہ۔

(۱۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲۳۷) - اس کی سند صحیح ہے، سوائے اس جملے کے: (اور عبداللہ بن قیس اور اس کے ساتھیوں پر)؛ یہ اضافہ ثابت نہیں۔ اور یہ روایت پہلے نمبر [۳۰۷] کے تحت گزر چکی ہے۔

(۱۵) یہ روایت نمبر [۳۷۷] کے تحت گزر چکی ہے۔

(۱۶) یہ روایت پہلے نمبر [۳۹۳] کے تحت گزر چکی ہے۔

(۱۷) تاریخ الطبری (۲۶/۳) اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

التخریج:

یہ مقولہ نعیم بن حماد نے کتاب الفتن (۳۴۷) میں روایت کیا ہے، من طریق أَبِي مَهْدِي سَعِيدِ بْنِ سِنَانٍ الشَّامِيِّ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، مرفوعاً، سعید بن سنان۔ لیکن یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ سعید بن سنان متروک ہے، اور دارقطنی وغیرہ نے اس پر وضع (حدیث گھڑنے) کا الزام لگایا ہے۔

اسی طرح نعیم بن حماد نے اسے الفتن (۳۴۸) میں دوسری سند سے روایت کیا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مسعود موقوفاً، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ نعیم بن حماد ضعیف الحدیث ہے۔

پھر انہوں نے اسی مفہوم کو الفتن (۳۴۹) میں بھی روایت کیا: قَالَ سُفْيَانُ، وَأَخْبَرَنَا الْحَارِثُ بْنُ حَصِيرَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، انہوں نے بھی اسی طرح کہا، اور اس میں اضافہ کیا: ''پوچھا گیا: فتنہ کے آنے کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: تلوار کھینچ جانا۔ پوچھا گیا: اور اس کے ختم ہونے کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: تلوار کا نیام میں لوٹ جانا۔''

یہ روایت بھی سابقہ کی طرح ضعیف ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ کا یہی مقولہ، اپنی سند کے ساتھ، آگے (حدیث نمبر ۴۲۰) پر تفصیل سے آئے گا۔

(۱۸) دیکھو: [۳۲۱]۔

(۱۹) دیکھو: [۴۸۲]۔

تیسرا مبحث: حضرت ابومیسرہ عمرو بن شرحبیل الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ کا خواب

ابومیسرہ رحمہ اللہ نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفّین میں شرکت کی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اہلِ شام کے بارے میں بھی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی طرح منصف مزاج تھے۔ چنانچہ ابومیسرہ رحمہ اللہ نے لوگوں کو دو خوابوں کے بارے میں بتایا جو انہوں نے دیکھے تھے، اور دونوں کا تعلق جنگِ صفّین سے تھا۔

پہلا خواب وہ تھا جو انہوں نے صفّین کی رات کو دیکھا تھا، اور اس کا ذکر گزر چکا ہے(۱)۔

رہا دوسرا خواب تو وہ انہوں نے صفّین اور نہروان کے کچھ عرصے بعد دیکھا، اور وہ آگے آ رہا ہے۔

[۳۹۹] أَخْرَجَ أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، يَا قَبِيصَةُ بْنُ لَيْثٍ أَبُو مُعَاوِيَةَ الْأَسَدِيُّ، ثني مُطَرِّفٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ السَّمَاءَ انْفَرَجَتْ فَاطَّلَعَ مِنْهَا رَجُلٌ فَقُلْتُ: مَا أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا مَلَكٌ. قُلْتُ: أَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ؟ قَالَ: سَلْ عَمَّ شِئْتَ. قُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ أَهْلِ الْجَمَلِ؟ قَالَ: فِئَتَانِ مُؤْمِنَتَانِ اقْتَتَلُوا. قُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ أَهْلِ صِفِّينَ؟ قَالَ: فِئَتَانِ مُؤْمِنَتَانِ اقْتَتَلُوا. قُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ أَهْلِ النَّهْرَوَانِ؟ قَالَ: خَلَعُوا إِمَامَهُمْ وَنَكَثُوا بَيْعَتَهُمْ فَلَقُوا اتَرَحًا(۲)(۳).

ابوبکر ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے: ہمیں ابراہیم بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں قبیصہ بن لیث ابومعاویہ الاسدی نے سنایا، کہا: ہمیں مطرف نے، انہوں نے ابو اسحاق سے، اور انہوں نے ابومیسرہ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پھٹ گیا ہے اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا۔

میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں ایک فرشتہ ہوں۔ میں نے کہا: کیا میں تم سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟ کہا: پوچھو، جو چاہو پوچھ لو۔ میں نے کہا: مجھے اہلِ جمل کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: وہ دو مؤمن گروہ تھے جن کے درمیان قتال ہوا۔ میں نے کہا: اہلِ صفّین کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: وہ بھی دو مؤمن گروہ تھے جن کے درمیان قتال ہوا۔ میں نے کہا: اہلِ نہروان کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: انہوں نے اپنے امام سے بغاوت کی، اپنی بیعت توڑ دی، چنانچہ وہ ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

[۴۰۰] أَخْرَجَ الآجُرِّيُّ: حَدَّثَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ أَيُّوبَ السَّقَطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ قِبَابًا(۴) فِي رِيَاضٍ(۵) مَضْرُوبَةً(۶) فَقُلْتُ: لِمَنْ هَذِهِ؟ قَالُوا: لِذِي الْكَلَاعِ وَأَصْحَابِهِ(۷). وَرَأَيْتُ قِبَابًا فِي رِيَاضٍ فَقُلْتُ: لِمَنْ هَذِهِ؟ قَالُوا: لِعَمَّارٍ وَأَصْحَابِهِ(۸). فَقُلْتُ: وَكَيْفَ وَقَدْ قَتَلَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا؟ قَالَ: إِنَّهُمْ وَجَدُوا اللّٰهَ وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ(۹).

آجری نے روایت کیا ہے: ہمیں ابوحفص عمر بن ایوب السقطی نے بیان کیا، کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم الدورقی نے سنایا، کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے سفیان سے، انہوں نے سلیمان الاعمش سے، انہوں نے ابووائل سے، اور انہوں نے ابومیسرہ سے روایت کیا۔ ابومیسرہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں سبز باغات میں لگے ہوئے خیمے دیکھے۔ میں نے پوچھا: یہ خیمے کس کے ہیں؟ کہا گیا: یہ ذوالکلاع اور ان کے ساتھیوں

کے ہیں۔ پھر میں نے ایک اور باغ میں خیمے دیکھے، تو میں نے پوچھا: یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا: یہ عمار اور ان کے ساتھیوں کے ہیں۔ میں نے کہا: مگر انہوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا تھا؟ جواب ملا: انہوں نے اللہ کو پایا جو بڑی مغفرت والا ہے۔

اس خبر کی ایک اور سند بھی منقول ہے، لیکن وہ علت (خرابی) سے خالی نہیں:

[۴۰۱] أَخْرَجَ ابْنُ دِيزِيلَ فِي كِتَابِهِ صِفِّينَ " - كَمَا فِي تَارِيخِ دِمَشْقَ وَبُغْيَةِ الطَّلَبِ : حَدَّثَنَا يَحيَى قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ : أَخْبَرَنَا العَوَّامُ بْنُ حَوْشَبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: رَأَى أَبُو مَيْسَرَةَ - وَكَانَ مِنْ أَفَاضِلِ أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ - قَالَ : رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي دَخَلْتُ الجَنَّةَ فَإِذَا قِبَابٌ مَضْرُوبَةٌ، فَقُلْتُ لِمَنْ هَذِهِ؟ فَقَالُوا : لِذِي الكَلَاعِ وَحَوْشَب - قَالَ : وَكَانَا مِمَّنْ قُتِلَ مَعَ مُعَاوِيَةَ بِصِفِّينَ - ، قَالَ : فَقُلْتُ : فَأَيْنَ عَمَّارٌ وَأَصْحَابُهُ؟ قَالُوا : أَمَامَكَ، قُلْتُ : وَقَدْ قَتَلَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ؟! فَقِيلَ لِي : إِنَّهُمْ لَقُوا اللهَ فَوَجَدُوهُ وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فَعَلَ أَهْلُ النَّهْرِ ؟ - يَعْنِي الخَوَارِجَ - فَقِيلَ: لَقُوا بَرْحاً(۱۰)(۱۱).

ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفّین میں جیسا کہ تاریخ دمشق اور بُغیۃ الطلب میں ہے یحییٰ کے حوالے سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں عوام بن حوشب نے عمرو بن مرۃ سے، انہوں نے ابووائل سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: ابومیسرہ - جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے - نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہوئے ہیں، تو وہاں گنبد دار خیمے نصب ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کن کے لیے ہیں؟ کہا گیا: ذوالکلاع اور حوشب کے لیے۔ (اور یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جو صفّین میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے تھے)۔ میں نے کہا: تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ کہا گیا: وہ تمہارے سامنے ہیں۔ میں نے کہا: کیا انہوں نے ایک دوسرے کو قتل نہیں کیا تھا؟ کہا گیا: وہ اللہ کے حضور پہنچے تو اسے وسیع المغفرت پایا۔ میں نے پوچھا: تو نہر والے (یعنی خوارج) کہاں گئے؟ کہا گیا: وہ سخت مصیبت وعذاب سے دو چار ہوئے۔

---

(۱) دیکھو: [۳۳۴]۔

(۲) التَّرَحُ: (را پر زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں: غم۔ تاج العروس (۶/۳۲۵)، مادہ: ترح۔

(۳) ''المنامات'' لابن ابی الدنیا (۲۴۵) کی روایت حسن ہے۔ اس کی سند میں ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں، جو ثقہ، کثرت سے روایت کرنے والے اور عابد تھے، البتہ آخر عمر میں اُن کے حافظے میں اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔
باقی راوی یہ ہیں: ابراہیم بن عبداللہ بن حاتم الہروی ابو اسحاق وہ صدوق، حافظ اور قرآن کے مسئلے میں گفتگو کا نشانہ بنے تھے۔ قبیصہ صدوق ہیں، مطرف بن طریف الحارثی ثقہ ہیں، اور ابو میسرہ بھی ثقہ ہیں، ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے [۳۳۴]۔

(۴) قبابٌ: قُبَّۃ کا جمع ہے، اور یہ ایک چھوٹا، گول خیمہ ہے، جو عربوں کے گھروں میں ہوتا ہے۔ النہایۃ (۴/۳)۔

(۵) ریاضٌ: روضہ کا جمع ہے، یعنی خوبصورت باغ یا بستی۔ لسان العرب (۷/۱۶۲)، مادۃ: روض۔

(۶) مَضْرُوبَۃ: بمعنی نصب کی ہوئی، یعنی لگائی ہوئی خیمے۔ النہایۃ (۳/۸۰)۔

(۷) یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں مارے گئے۔ اور ذوالکلاع سے مراد سمیفع بن حوشب الحِمْیَری تابعی ہیں، جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سرداروں میں سے تھے، اور صفین میں شہید ہوئے۔

(۸) یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں مارے گئے۔

(۹) الشریعۃ للآجری (۱۹۸۲)، اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ دونوں شیخین کے رجال میں سے ہیں۔ یحیی بن سعید سے مراد قطّان ہیں، سفیان سے مراد ثوری ہیں، اور ابو وائل سے مراد شقیق بن سلمہ ہیں۔ اسے امام ذہبی اور ابن حجر نے بھی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تخریج کے آخر میں آئے گا۔

التخریج:

اسے ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۹/۶۲) میں روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے احمد بن محمد بن الجعد سے، انہوں نے نوح بن حبیب سے، انہوں نے عبدالرحمن بن مہدی سے، اور انہوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی اور اس کی سند صحیح ہے۔ مخلد بن جعفر، باقرحی ابو علی ہیں۔

خطیب فرماتے ہیں: [میں نے حافظ ابونعیم سے مخلد بن جعفر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: جب ہم نے ان سے سماع کیا تھا تو ان کا حال درست تھا، لیکن جب ہم بغداد سے نکلے تو ہمیں خبر ملی کہ وہ گڑبڑ میں پڑ گئے تھے]۔

احمد بن علی البادا سے مخلد بن جعفر کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: وہ ثقہ اور صحیح السماع تھے، البتہ حدیث کے علم میں زیادہ واقف نہ تھے۔ تاریخ بغداد (۱۳/۱۷۸) نیز ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء (۱۶/۲۵۴)۔

اسی روایت کو ابوالقاسم علی بن ابراہیم بن عباس النسیب نے اپنی امالی میں بیان کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱۷/۳۹۵) میں ہے، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن احمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں تمام بن محمد نے سنایا، انہوں نے کہا: ہمیں ابومحرز عبد الواحد بن ابراہیم بن عبدالواحد العبسی اور محمد بن عبداللہ بن احمد القاضی دونوں نے کہا: ہمیں ابوصالح یحییٰ بن محمد بن محمد البغدادی نے بیت سوا میں حدیث سنائی، انہوں نے عمرو بن علی الفلاس سے، اور انہوں نے یحییٰ بن سعید سے یہی روایت بیان کی۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳/۲۱۶۰)۔

عبدالعزیز بن احمد، یعنی کتّانی، ثقہ ہیں، جیسا کہ خطیب وغیرہ نے ذکر کیا سیر اعلام النبلاء (۱۸/۲۴۸)، اور تمام بن محمد ابوالقاسم بجلی ہیں، انہیں عبدالعزیز الکتّانی نے ثقہ قرار دیا سیر اعلام النبلاء (۱۷/۲۸۹)۔ عبدالواحد کا ترجمہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۳۷/۲۰۶) میں ذکر کیا ہے، نہ جرح کی نہ تعدیل۔

محمد بن عبداللہ، ابن زَبر رَبَعی ہیں، کتّانی نے انہیں ثقہ کہا ہے (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۴۰)۔ اور ابوصالح یحییٰ کا تذکرہ خطیب نے تاریخ بغداد (۱۴/۲۳۴) میں کیا ہے، وہاں بھی ان پر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی، فرمایا: انہوں نے عمرو بن علی الفلاس سے روایت کی، اور ان سے ابوسلیمان محمد بن عبداللہ بن احمد بن زبر اور ابومحرز عبدالواحد بن ابراہیم الدمشقی نے بیت سوا (دمشق کے نواح کی ایک بستی) میں سماع کیا۔ اور الفلاس ثقہ حافظ ہیں (التقریب ۱۴۷)۔

اسی روایت کو ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۲/۴۷۴) میں نقل کیا ہے: ہمیں خلف بن قاسم نے حدیث سنائی، انہوں نے عبداللہ بن عمر الجوہری سے، انہوں نے احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین سے، انہوں نے ایوب بن سلیمان بن ابی حجر الایلی سے، اور انہوں نے مؤمل بن اسماعیل سے، انہوں نے سفیان ثوری سے یہی روایت کی۔

ایوب بن سلیمان بن ابی حجر کے بارے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں: [میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو کہا: ہم انہیں نہیں جانتے۔ میرے والد نے کہا: ان کی بیان کردہ احادیث صحیح ہیں]۔ ابن یونس نے انہیں اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ: ایوب بن سلیمان بن عبدالواحد بن ابی حجر کنیت ابوسلیمان ہے، میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح دارقطنی نے کہا: ان سے ان کے بیٹے داؤد روایت کرتے ہیں۔

ازدی نے کہا: وہ منکر الحدیث ہیں لیکن ازدی خود ضعیف ہے، اور چونکہ ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی احادیث صحیح ہیں، اس لیے ازدی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

(تفصیلات ملاحظہ ہوں: الجرح والتعدیل (۲/۲۴۹)؛ تاریخ ابن یونس المصری (۱/۵۴)؛ المؤتلف والمختلف للدارقطنی (۲/۶۶۴)؛ الاکمال لابن ماکولا (۱/۱۲۹)، (۲/۳۸۸)؛ تاریخ دمشق (۱۷/۱۱۱)؛ توضیح المشتبہ (۱/۱۳۳)، (۳/۱۲۶)؛ میزان الاعتدال (۱/۲۸۵)؛ اکمال تہذیب الکمال (۲/۳۳۴)؛ لسان المیزان (۱/۴۷۷)؛ تبصیر المنتبہ (۱/۴۱۳)۔

اسی روایت کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں (میری جمع وتحقیق کے مطابق حدیث نمبر [۱۵۲] روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱۷/۳۹۵) اور بغیۃ الطلب (۱/۳۰۴) میں موجود ہے: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے سنایا، انہوں نے یحییٰ بن یمان سے، انہوں نے سفیان ثوری سے یہی روایت بیان کی۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۲/۴۷۳) میں بھی روایت کیا ہے: ہمیں خلف بن قاسم نے سنایا، انہوں نے عبداللہ بن عمر سے، انہوں نے احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین سے، انہوں نے یحییٰ بن سلیمان سے، اور انہوں نے یہی روایت کی۔

اور یعقوب بن شیبہ نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۱۷/۳۹۶) میں مذکور ہے: ہمیں عثمان بن محمد بن ابی شیبہ نے سنایا، انہوں نے یحییٰ بن یمان سے، اور انہوں نے یہی روایت بیان کی۔

ابن حجر نے اسے الاصابہ (۲/۴۲۹) میں صحیح قرار دیا ہے، اور فرمایا: یعقوب بن شیبہ نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ابووائل سے روایت ہے کہ انہوں نے ابومیسرہ سے سنا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا...... پھر اسی مفہوم کو ذکر کیا۔

امام ذہبی نے اسے العبر (۱/۲۹) میں نقل کیا ہے اور فرمایا: [یہ روایت ابووائل سے ابومیسرہ کے واسطے سے صحیح ثابت ہے......] پھر اسی کو ذکر کیا۔

البتہ ان سے قبیصہ بن عقبہ نے مخالفت کی، جیسا کہ ابن سعد نے الطبقات (۳/۲۶۴) میں روایت کیا ہے، اور انہی کے طریق سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۷/۳۹۶) میں نقل کیا: ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے سنایا، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے ابوالضحیٰ سے روایت کی کہ ابومیسرہ نے خواب میں ایک سرسبز باغ دیکھا جس میں خیمے لگے ہوئے تھے، کچھ خیموں میں عمار تھے اور کچھ خیموں میں ذوالکلاع۔

میں نے کہا: یہ کیا ماجرا ہے، حالانکہ ان کے درمیان جنگ ہوئی تھی؟ کہا گیا: انہوں نے ایک ایسے ربّ کو پایا جو بڑی مغفرت والا ہے۔

(۱۰) البرح: (راء ساکن کے ساتھ) شدت اور سختی کو کہتے ہیں۔ النہایہ فی غریب الحدیث (۱/۱۱۳)، مادہ: برح۔

(۱۱) تاریخ دمشق (۱۵/۳۴۶)، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب (۳۰۴-۳۰۵) اور کتاب صفین لابن دیزیل [حدیث نمبر ۱۵۳]، میری جمع وتحقیق کے مطابق) میں یہ خبر مروی ہے، اور یہ روایت صحیح ہے۔ تاہم اس کی سند میں یزید بن ہارون سے ایک خطا واقع ہوئی ہے، جس کا وہ خود اعتراف بھی کر چکے ہیں۔ چنانچہ یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں جیسا کہ تاریخ دمشق (۱۵/۳۴۷، ۴۸۳/۴۳) اور موضح اوہام الجمع والتفریق (۵۹-۶۰) میں منقول ہے یہ روایت یوں ذکر کی ہے: [عثمان بن محمد بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا: ہمیں محمد بن یزید واسطی نے حدیث سنائی، انہوں نے عوام بن حوشب سے، انہوں نے ابراہیم مولیٰ صُخَیر سے، انہوں نے ابووائل سے روایت کی کہ ابومیسرہ نے دیکھا۔۔۔ (پھر پوری روایت ذکر کی۔ پھر عثمان نے کہا:) ''میں نے یزید بن ہارون سے پوچھا جب انہوں نے ہمیں عوام کی روایت ''ذوالکلاع وحوشب والی روایت'' سنائی کہ محمد بن یزید نے ہمیں یہ ابراہیم مولیٰ صُخَیر سے بیان کی ہے؟'' تو یزید نے کہا: وہ درست کہتا ہے، اور میں نے غلطی کی۔ عثمان نے مزید کہا: یہ ابراہیم مولیٰ صُخَیر ہی ہیں، اور وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن السکسکی ابواسماعیل ہیں]۔ تہذیب الکمال (۲۱/۲۲۷) میں یہی سند عثمان بن ابی شیبہ سے منقول ہے۔ نیز دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۱/۵۹۰)۔

خطیب نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا: [اس حدیث میں محمد بن یزید نے یزید بن ہارون کی مخالفت کی ہے، اور درست روایت محمد بن یزید ہی کی ہے]۔

میں (یعنی محقق) کہتا ہوں: یزید بن ہارون اس روایت میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ اسے سعید بن منصور نے بھی روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں شِہاب بن خِراش نے حدیث سنائی، انہوں نے عوام سے، اور انہوں نے عمرو بن مرہ سے، اسی کے ہم معنی روایت کی۔

شِہاب بن خِراش صدوق ہیں مگر ان سے خطا واقع ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں: انہوں نے بھی سند میں غلطی کی ہے، اس کے باوجود ابنِ حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تخریج میں آگے آرہا ہے۔

یحییٰ سے مراد ابنِ سلیمان الجعفی ہیں۔ اور ابراہیم مولیٰ صُخَیر ''صدوق'' ہیں مگر ان کا حفظ کمزور ہے (التقریب، ۲۰۴)۔

التخریج:

اس روایت کو ابنِ عبدالبر نے الاستیعاب (۲/۴۷۳-۴۷۴) میں یوں روایت کیا ہے: ہمیں خلف بن قاسم نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر نے سنایا، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین نے سنایا، انہوں نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن سلیمان نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

اسی روایت کو ابنِ سعد نے الطبقات (۳/۲۶۳) میں روایت کیا ہے، اور انہی کے طریق سے ابنِ عساکر نے (۱۵/۳۴۵-۳۴۶) میں نقل کیا۔ اسی طرح ابنِ ابی شیبہ نے المصنف (۳۸۹۹۹) میں، یعقوب بن شیبہ نے اپنی مسند میں (جیسا کہ تاریخ دمشق ۳۹۶/۱۷ میں مذکور ہے)، اور دیگر محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے، مثلاً: الآجُری نے الشریعہ (۱۹۸۳) میں، اللالکائی نے شرح اصول الاعتقاد (۲۰۲۰) میں، ابونعیم نے الحلیہ (۴/۱۴۳) میں، البیہقی نے السنن الکبریٰ (۱۶۷۲۰) میں، اور ان کے طریق سے ابنِ عساکر

نے تاریخ دمشق (۳۴۶/۱۵) میں، اور خطیب نے موضح اوہام الجمع والتفریق (۵۹-۶۰) میں یزید بن ہارون کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ابنِ حجر نے فرمایا ہے: [یہ روایت یعقوب بن سفیان، ابراہیم بن دیزیل نے اپنی کتاب صفین میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، اور دیگر محدثین نے صحیح سند کے ساتھ ابو وائل سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمرو بن شرحبیل نے دیکھا۔۔۔] پھر پوری روایت ذکر کی۔ (الاصابہ، ۲/۱۸۵)۔

میں نے یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی میں تلاش کی مگر نہیں پائی، اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ یا تو قلمی غلطی (سبقۃ قلم) ہے یا تصحیف۔ غالب گمان یہ ہے کہ صحیح عبارت یعقوب بن شیبہ۔۔۔ والبیہقی فی الکبریٰ ہونی چاہیے، واللہ اعلم۔

اسی بنیاد پر ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے المعرفہ والتاریخ (۳۱۴/۳) میں اسے اس کتاب کے مفقود حصے میں شمار کیا ہے، جیسا کہ الاصابہ میں مذکور ہے۔

اس روایت کو سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن (۲۹۵۵) میں شِہاب بن خِراش کے طریق سے، انہوں نے عوام سے، اسی مفہوم کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شِہاب نے سند میں خطا کی ہے، اور یہاں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ انہوں نے متن میں دو ایسی زیادتیں بھی بیان کی ہیں جو ثابت نہیں، اور وہ ان کے تفرد سے منقول ہیں، جبکہ وہ صدوق ہیں مگر ان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں، لہٰذا ان کی یہ زیادت قابلِ قبول نہیں۔

یہ دو زیادتیں یہ ہیں: پہلی یہ کہ ابو وائل نے کہا کہ ابنِ شرحبیل، مسروق سے افضل ہیں؛ دوسری یہ کہ ابو میسرہ، اگرچہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مددگار تھے، تاہم وہ نہیں جانتے تھے کہ دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے، واللہ اعلم۔

ان کے الفاظ یوں ہیں: [ابو وائل نے کہا: مجھ سے عمرو بن شرحبیل ہمدانی نے حدیث بیان کی، اور میں نے کوئی ہمدانی اس سے افضل نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: کیا مسروق بھی نہیں؟ تو فرمایا: نہیں، مسروق بھی نہیں۔ پھر کہا: میں اہلِ صفین کے معاملے میں فکر مند رہا، مگر مجھے علم نہ تھا کہ دونوں میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے۔ پس میں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے ان کے بارے میں ایسا معاملہ دکھائے جس سے میرے دل کو اطمینان ہو۔ چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا۔۔۔] پھر پوری روایت بیان کی۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳۹۸/۱)، کتاب صفین لابن دیزیل، الطبقات (۱۶۳۶/۳)، مسند یعقوب بن شیبہ (۵۹۰/۱)، اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۵۶۵/۱)۔

❖❖❖❖

چودھواں مبحث: صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد

صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں ضعیف روایات نے حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے، یہاں تک کہ بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد ستر ہزار تک پہنچتی تھی جن میں سے اہلِ شام پینتالیس ہزار اور اہلِ عراق پچیس ہزار تھے (۱)۔

بلکہ مسعودی نے ذکر کیا ہے کہ مقتولین کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی، جن میں سے اہلِ شام نوّے ہزار اور اہلِ عراق بیس ہزار تھے (۲)۔

اور یہ تعدادیں محض خیالی اور بے بنیاد ہیں، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اس روایت میں نکارت پائی جاتی ہے، یعنی مبالغہ آرائی اور جانب داری۔ اور نکارت ایک ایسی قادح علت ہے جو کسی تاریخی خبر کو ناقابلِ قبول بنا دیتی ہے، جیسا کہ ہم نے مقدمۂ منہجی میں ذکر کیا ہے۔

(۲) ہم پہلے یہ ذکر (۳) کر چکے ہیں کہ راجح بات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج تقریباً چالیس ہزار تھی۔ پس اگر مقتولین کی تعداد ستر ہزار مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں لشکروں میں سے صرف چند ہی لوگ زندہ بچے ہوں گے۔ اور اگر دوسرے قول کو لیا جائے (یعنی کہ مقتولین اس سے بھی زیادہ تھے) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی زندہ نہیں بچا اور یہ دونوں ہی باتیں ناممکن ہیں۔

(۳) ان سے بھی زیادہ سخت اور خونریز معرکے فارس اور روم کے خلاف برپا ہوئے، لیکن مسلمانوں میں اس تعداد کے عشر (دسویں حصے) کے برابر بھی قتل نہیں ہوئے۔ چنانچہ معرکۂ یرموک میں رومیوں کی تعداد دو لاکھ مجاہدین تک تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی، مگر اس کے باوجود مسلمانوں میں صرف چار ہزار شہید ہوئے۔ اسی طرح معرکۂ قادسیہ میں مجوسیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، ان کے ساتھ ستر ہاتھی بھی تھے، جبکہ مسلمانوں کی تعداد پینتیس ہزار تھی، مگر مسلمانوں میں صرف چھ ہزار (اور ایک قول کے مطابق آٹھ ہزار) جانیں قربان ہوئیں۔ لہٰذا یہ بالکل ناممکن ہے کہ صفین میں مقتولین کی تعداد قادسیہ کے مقتولین سے زیادہ

ہو۔

(۴) یہ بات ثابت ہے کہ صفین کا معرکہ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی دستوں کی لڑائیوں اورانفرادی مقابلوں پر مشتمل تھا، اور دونوں لشکروں کے درمیان مکمل اور عمومی جنگ صرف آخری تین دنوں میں دن کے وقت ہوئی، سوائے جمعہ کی رات کے۔لہٰذا مکمل آمنے سامنے کی لڑائی کے اوقات کا مجموعی دورانیہ تقریباً (۴) پینتیس سے اڑتیس گھنٹے بنتا ہے۔

(۵) اس وقت جب دونوں لشکروں کے درمیان مکمل جنگ چھڑ گئی تھی، تو دونوں ہی لشکروں کے اکثر افراد جنگ سے اُکتاہٹ اور بیزاری محسوس کر چکے تھے، اس لیے نہ ان میں لڑنے کا شوق باقی تھا اور نہ ہی دل سے کوئی رغبت۔

نصر بن مزاحم کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: (وہ جنگ سے اُکتا گئے تھے اور لڑائی کو ناپسند کرنے لگے تھے، اور ان کے ارکان (یعنی قوت و حوصلے) (۵) متزلزل ہو گئے تھے (۶))۔

(۶) اور مزید یہ کہ دونوں میں سے کوئی لشکر شکست نہیں کھا سکا، کیونکہ جب کوئی لشکر شکست کھاتا ہے تو اس میں بڑی تعداد میں لوگ مارے جاتے ہیں، اور صفین میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔

صفین میں مقتولین کی تعداد کے بارے میں راجح قول:

قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ صفین کے مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

تقریباً پانچ ہزار اہلِ شام اور تین ہزار اہلِ عراق مارے گئے، کیونکہ قتل وقتال کا زور زیادہ تر اہلِ شام (۷) پر پڑا اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔اور نصر بن مزاحم کی روایت میں آیا ہے: (جنگ نے دونوں لشکروں کو خوب نقصان پہنچایا، مگر اہلِ شام کو اس میں زیادہ صدمہ اور بھاری نقصان اُٹھانا پڑا...... (۸))۔

---

(۱) مروج الذہب (۳۰۶/۲) میں اس قول کو ہیثم بن عدی، شرقی بن قطامی، اور ابومخنف کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔شرقی بن قطامی دراصل ولید بن حصین کوفی ہیں، جو ایک ماہر ادیب، نسب شناس اور اخباری تھے، لیکن حدیث کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔زکریا الساجی نے انہیں ضعیف کہا ہے، اور ابوحاتم نے فرمایا: یہ حدیث میں قوی نہیں۔الجرح والتعدیل (۳۷۶/۴)، معجم الادباء (۱۴۱۵/۳)، میزان الاعتدال (۲۶۸/۲)۔نیز مروج الذہب (۳۰۶/۲) ہی میں مذکور ہے کہ احمد بن دورقی نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ صفین میں

قتل ہونے والوں کی تعداد۔۔۔پھر اسی کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔

(۲) مروج الذہب (۳۰۶/۲) میں ہے: احمد بن دورقی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ مقتولین کی تعداد......(پھر اسی کو ذکر کیا ہے)۔

(۳) صفحہ (۳۶۴) میں۔

(۴) دیکھیں: سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، از علی الصلابی، صفحہ ۴۸۸۔

(۵) (تَضَعْضَعَتْ): کا معنی ہے: منہدم ہوگئیں، یہاں تک کہ زمین تک جا پہنچیں۔(أَرْكَانُهُمْ) میں رُکن سے مراد ہے قوت، اور یہ لفظ (لشکر) کے معنی میں بھی آتا ہے۔یعنی مقصود یہ ہے کہ ان کی طاقتیں ٹوٹ گئیں (اور ان کا لشکر کمزور پڑ گیا)۔دیکھیے: تاج العروس (۲۱/۴۱۵)، مادہ: ضعع اور (۱۰۹/۳۵)، مادہ: رکن۔

(۶) دیکھو: [۳۷۶]۔

(۷) دیکھیں: [۳۷۷]۔اور "استحرّ" کا معنی ہے: زیادہ ہونا اور شدت اختیار کرنا۔

(۸) دیکھو: [۳۷۶]۔

الحمدللہ میں مورخہ ۲۹ اکتوبر ۲۰۲۵ کو ۰۸:۰۵ بجے پہلی جلد کے ترجمے سے فارغ ہوا۔
بہت جلد اللہ کی مدد سے دوسری جلد کا ترجمہ شروع کردیا جائے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔
اخوکم: ابومصعب اثری